1003

اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَۃً وَّاِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحرًا

ہزار ہزار شکر اس ناظم کون و مکان کا کہ زبان اردو کے شعرائے ماضی و حال کا یہ مکمل تذکرہ

موسوم بہ

تذکرۂ ہزار داستان

معروف بہ

۱۳۴۵ھ

خمخانۂ جاوید

جلد چہارم

لالہ سری رام ایم۔ اے منصف دہلوی خلف الصدق عالیجناب آنریبل رائے بہادر
لالہ مدن گوپال صاحب بیرسٹر سرگباشی رئیس دہلی لاہور کی لگاتار ۳۵ برس کی محنت اور کوشش کا نتیجہ ہے

سنہ ۱۹۲۶ء

کتاب ہمدرد پریس دہلی میں چھپی اور برق گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں طبع ہوا

بار اول (۱۳۰۰)

قیمت { مجلد ۔۔ / بلا جلد ۔۔

تذکرۂ ہزار داستان

المعروف بہ

خمخانۂ جاوید

جلد چہارم

سابق ۔ قاضی غلام احمد عرف احمد میاں۔ آپ بیگن پلی علاقہ مدراس میں پیدا ہوئے قوم نوابطے ہیں۔ آپکے مورث اعلیٰ علی محمد مخدوم نابطی اورنگ آباد علاقہ نظام کے متوطن تھے۔ مولوی غلام رسول جو آپکے والد ہیں علاقہ کرنول کنتلہ دکن میں قاضی ہیں۔ انگریزی تعلیم سے بہرہ ور ہیں۔ شاعری میں جناب نیساں کے شاگرد ہیں۔ کلام ذوقی کا اظہار ہوتا ہے۔ دو تین شعر درج کئے جاتے ہیں ؎

حرم میں نہاں ہے نشان تیری بتو میں ظاہر جمال تیرا	ہر ایک شے میں میں دیکھتا ہوں شہود تیرا جمال تیرا
ہوا ہے سر دید کا ہے یہ دل	غیب سے شور لن ترانی ہے
چھوڑ کر جاؤنگا کہاں سابق	میرا سر اُن کا آستانہ ہے

ساجد ۔ مولوی حافظ ساجد علی صاحب وکیل اورنگ آباد قصبہ کاکوری ضلع لکھنؤ کے

اور حضرت امیر مینائی مرحوم کے شاگرد ہیں۔ آپکا مجموعہ رباعیات شائع ہو چکا ہے جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ قدیم الفاظ میں جدید خیالات کو نہایت حسن و خوبی سے ادا کرتے ہیں۔ بیان کی سادگی زبان کی سلاست آپ کی اخلاقی شاعری میں جان ڈالدیتی ہے رباعیات میں اسلام کے زوال و تنزل اور مد و جزر کی تصویریں آپنے کھینچی ہیں وہ عبرت آموز ہیں۔ دل میں قوم کا درد ہونا ظاہر ہے۔ یہ درد ہی تو ہے جو ایسے پر تاثیر شعر کہنے پر مجبور کرتا ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے

اب ہم میں کوئی صاحب ایماں نہ رہا
اب وہ عمل حدیث و قرآں نہ رہا
گو نام کے ہیں بہت مگر مثل سراب
حق یہ ہے کہ اب کوئی مسلماں نہ رہا

جب بڑھ کے چلے گھٹے شجر کی مانند
اونچے ہو کے گرے ثمر کی مانند
سایہ کی طرح رہا عروج اور زوال
دنیا میں گھٹے بڑھے قمر کی مانند

قطعہ

بس گیا جب سے بت ہوش ربا تو دل میں
دل نہ قابو میں رہا اور نہ قابو دل میں
تولتا ہے وہی الفت کو مرا تیر فگن
ہائے اب اٹھی ہی جو کے ترازو دل میں

افسوس چلے وقت سفر سے پہلے
خاموش ہوئے شمع سحر سے پہلے
آغازِ شباب ہی نے مارا ہم کو
دن ڈھل گیا ہائے دوپہر سے پہلے

گرمی میں بسانِ شمع ہر وقت جلے
سردی میں بسانِ برف دن رات گلے
نیرنگیِ افلاک کے شعبدوں سے ساجد
افسوس کہ ہم کبھی نہ پھولے نہ پھلے

انسان کو تواضع سے شرف ہوتا ہے
جب یہ ہو تو اوج پہ طرف ہوتا ہے
گرتا ہے سحاب سے جو قطرہ نیچے
آخر کو وہی دُرِ صدف ہوتا ہے

آوازِ اذاں میں پائی حسن گلو نے تیری
ناقوس برہمن میں بھی ہے دھن تیری
اک آن میں ہو گیا قیامت کا ظہور
واللہ قیامت کی ہے اک آن تیری

تعلیم سے کچھ نہ تربیت کوشی سے
خوابِ غفلت بڑھ گیا فراموشی سے

کیسی تہذیب صرف نقالی ہے
سب کے سب پئے مست ہیں بے ہوشی ہے
افسانہ عجیب سربسر اُن کا ہے
جو عیب ہے دنیا میں ہنر انکا ہے
کیا حال بیان کروں مسلمانوں کا
اعلیٰ سے اب اسفل ہیں گذر انکا ہے

افسوس کہ وہ دراز دستی نہ گئی
وہ شوق وہ ولولہ وہ مستی نہ گئی
وہ عمر رہی نہ وہ زمانہ ساحر
پر دل سے تری ہوس پرستی نہ گئی

ساحر۔ قاضی محمد مقصود سلیمان خاں صاحب ۱۹۱۰ء میں زندہ تھے قصبہ سہسرام صوبہ بہار انکا وطن ہے۔ ابتدا میں منشی سلیمان تخلص جادو سے اصلاح لی پھر مولانا تمنا لکھنوی کے شاگرد ہوئے آپکی طبیعت صفائی زبان اور معاملہ نگاری کیطرف مائل تھی۔ دو چار شعر جو دستیاب ہوئے ہیں نذر ناظرین ہیں ؎

کوئی گاہک نہیں ملتا ہی کہ لے مول اُسے
بیچتے پھرتے ہیں بازار میں ہم دل اپنا
سمجھ سکی دل بیتاب کی شاید ہو وہاں
لیجئے اب کوچۂ جاناں میں تو لے دل مجھکو

دل زار کو ہم سنبھالینگے کیونکر
جو بن اٹھن کے وہ روز آیا کرینگے

دیئے ہیں رنج حسینوں نے انتہا کے مجھے
یہ پا نہ سکینگے نہیں معلوم کیا ستا کے مجھے
یہ کور رہا ہے کسی سے اُبھار جوبن کا
حضور رکھیں گے کبتک چھپا چھپا کے مجھے
نہ آئیگی مری آنکھوں میں تا قیامت نیند
گئے ہیں خواب میں شکل اپنی وہ دکھا کے مجھے

ساحر۔ سخنور سحر بیان ناظم جادو بیان۔ ممدوح روشن خیال۔ موجد عدیم المثال پنڈت امرناتھ صاحب مدن آپ رائے بہادر پنڈت جانکی ناتھ مدن رئیس دہلی کے خلف اکبر ہیں آپکی ولادت باسعادت ۲۹ مارچ ۱۸۶۳ء کو بمقام بانسی پر ہوئی۔ اُس زمانہ میں آپکے والد ماجد وہاں محکمہ جنگلی کے ملازم تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ شیر پنجاب اور انکے جانشینوں کے مشہور دیوان راجہ دینا ناتھ صاحب آپ ہی کے خاندان سے ایک معزز رکن ہوئے ہیں۔ رائے بہادر موصوف کے برادر کلاں زمانہ غدر ۱۸۵۷ء میں سرکار انگلشیہ کی فوج میں صوبیدار

تھی۔ آپ نے ایسے نازک وقت میں اپنے فرائض منصبی کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا اور متعدد حکام بالادست نے اپنی رپورٹ میں آپ کے وفادارانہ رویہ کا اعتراف کیا ہے۔ پنڈت صاحب موصوف انہیں ایام آشوب میں نشانۂ تفنگ اجل ہوئے۔ گو اس وقت صاحب بہادر کی عمر اس زمانہ میں ۲۰ ہی سال کی تھی لیکن سرکاری افسران فوج کی قدردانی سے انکو صغر سنی ہی میں اپنے مرحوم بھائی کا عہدہ عطا ہوا۔ ساحر صاحب بارہ برس کی عمر میں علامۂ عصر پنڈت پرشاد رام راز داں کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ انکے فیض تعلیم سے تین چار ہی سال میں اردو و فارسی زبان کے ماہر ہوگئے۔ لڑکپن میں آپکو اساتذۂ اردو اور شعرائے فارسی کے ہزاروں اشعار یاد تھے۔ ذہن نے معنی یاب طبیعت میں شاعری کی استعداد اور قابلیت و ذوق پیدا کردیا۔ آپ کئی برس تک الہ آباد میں مقیم رہے۔ میرزا مہر آغا یعسوبی۔ ماہ صفی جیسے سخندانان باکمال کے مشاعروں میں شرکت فرمائی۔ اور میدان سخن میں کوس لمن الملک بجایا۔

آپ نے شعرائے متقدمین کے نقش قدم پر چل کر پہلے فارسی زبان میں شعر کہا۔ مولانا عبدالحلیم عاصم ثانی جو دیگر مشرقی و مغربی زبانیں جاننے کے سوا فارسی زبان کے ادیب اور زبردست شاعر تھے اُن سے فارسی میں تلمذ اختیار کیا۔ شفیق استاد کی توجہ سے چند ہی روز میں علم عروض و قوافی میں اعلیٰ درجہ کی مہارت پیدا ہوگئی اور عمدہ شعر کہنے لگے۔ ۲۲ سال کی عمر میں آپ اجمیر شریف تشریف لے گئے۔ اور وہاں احباب کی ترغیب سے ریختہ اردو پر توجہ فرمائی۔ بعد دہلی آکر پنڈت جواہر ناتھ ساقی اور منشی رام چیپال سنگھ شیدا سے گرمیٔ صحبت رہی اور شعر و سخن کا مشغلہ جاری رکھا۔ آپ دہلی کے گذشتہ مشاعروں میں داد سخن دے چکے ہیں۔ ملتان کابلی منشی بہاری لال مشتاق۔ سید شاہجہاں کامل آپ سے محبت رکھتے تھے۔ آپ نے سرکاری ملازمت کی اہم ذمہ داریوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کچھ دنوں تک شاعری کو خیرباد کہدی تھی۔ [illegible] میں شملہ جیسے پُرفضا مقام پر قدرت کے رنگارنگ نظاروں نے آپکے شاعرانہ

جذبات کو ابھارا۔ شوق رفتہ میں نئی روح پھونکنی چاہی مگر کار سرکاری کا ہجوم مانع سخن ہوا۔ عرصہ دراز تک عہدۂ تحصیلداری پر ممتاز رہے لیکن شاعری کا مشغلہ قائم رہا۔

اب آپ اپنے وطن دہلی میں رونق افروز ہیں اور ہر مہینہ کے اخیر ہفتہ کو مشاعرہ آپکے دولتخانہ پر منعقد ہوتا ہے۔ جسطرح آپ میدان نظم کے علم بردار ہیں اسی طرح نثر میں بھی آپ کا پایہ نہایت بلند ہے۔ سفیر کشمیر، کشمیر پرکاش، دبدبہ، ہمدرد وغیرہ میں آپکے اخلاقی مضامین نکلتے رہے ہیں۔ ۱۸۸۶ء میں جو پرچہ "سحر ساحر" کے نام سے شائع ہوا تھا وہ آپ کی جادو نگاری کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ آپ متعدد کتب کے مترجم، مولف، مصنف ہیں۔ جہاں آپنے اردو میں بھگوت گیتا کے خلاصہ کو نظم فرمایا ہے بشن پران کا ترجمہ کیا ہے وہاں شعرائے انگلستان کے زرین خیالات کو بھی اپنی زبان کے سانچے میں ڈھال دیا ہے۔ آپ قصیدہ، رباعی، قطعہ، مخمس، مسدس، غرض جملہ اصناف سخن پر قادر ہیں۔ ابتدائی وسطی آخری کلام کا ذخیرہ باریک سے باریک معنی سنج اشخاص کے سامنے ہر زمانہ کے جذبات پیش کرتا ہے۔ ظریفانہ کلام بھی قابل ستائش ہے۔ بندش کی خوبی مضامین کی خوش اسلوبی قابل داد ہے۔ زبان نہایت صاف ہے۔ آپ خط و خال شاہد و ساغر کے پیرایہ میں جو عارفانہ خیالات ادا کرتے ہیں وہ صاحبان ذوق پر وجد کا عالم طاری کر دیتے ہیں۔ مقام فنا۔ بقا۔ تجلی وغیرہ کے مضامین سے آپ اردو زبان کو پاکیزہ بناتے ہیں بازاری جذبات اور عامیانہ مذاق سے آپکی شاعری کو کوئی تعلق نہیں۔ آپ نہایت متین مہذب با اخلاق ملنسار منکسر المزاج شخص ہیں۔ اب دہلی میں شاعری کا چرچا آپکے دم سے ہے بیشتر اپنا وقت شعر و سخن کی خدمت میں صرف کرتے ہیں اور سالانہ ذاتی صرف کثیر سے ایک بڑا مشاعرہ دہلی میں کرتے ہیں جسمیں بیرونجات سے مشہور شعرا بلائے جاتے ہیں۔ آپ مؤلف تذکرہ کے عنایت فرما ہیں۔ راقم نے یکم جولائی ۱۹۱۴ء میں اپنی کوٹھی پر ایک جلسہ کا انعقاد کیا تھا جسمیں حاذق الملک حکیم اجمل خاں۔ سر علی امام۔ نواب سید امداد امام اثر۔ راجہ سر علی محمد خاں والی محمود آباد جیسے مشاہیر موجود تھے۔ اس موقعہ پر ساحر صاحب نے اپنا ایک قطعہ سنا کر داد سخن لی تھی جو انتخاب کلام کے ساتھ درج کیا جاتا ہے ؎

حوصلہ و بندشِ ہائے دل و جاں نہ ہوا
شعلۂ شمع تری بزم میں قرباں نہ ہوا

حسن تھا مستِ ازل جام انا لیلیٰ سے
تن کی عریانی سے مجنوں کوئی عریاں نہ ہوا

لبِ منصور سے دی کس نے انا الحق کی صدا
تو اگر پردۂ پیدا میں پنہاں نہ ہوا

دل مٹا پر نہ مٹا حرفِ محبت دل سے
کفر اسلام ہوا کفر [illegible] ایماں نہ ہوا

مرکزِ عشق ہی ہے دائرۂ ہستی میں
میرے سیارۂ [illegible] نہ ہوا

شب کو میرا نفس گرم ہے خورشیدِ فلک
ورنہ خورشید بھی شب کو نمایاں نہ ہوا

ہم ہے چشمِ عنایت سے ہمیشہ محروم
دل [illegible] نہ ہوا

تم ہو ارماں جہاں دل ہی جہاں ارماں
تم سے دل میں [illegible] پنہاں نہ ہوا

چشمِ جاناں میں سماتے ہیں سمانے والے
موت سے [illegible] نہ ہوا

دیدۂ بینا ہی نے نقشِ جہت آئینۂ حسن
جلوۂ یار سے پیدا [illegible] پنہاں نہ ہوا

ہے کرشمہ یہ ساقی کا عجب [illegible]
[illegible] صاف [illegible] عریاں نہ ہوا

دل سے بتخانۂ اصنامِ خیالی ساحر
تو دو [illegible] سے مسلماں نہ ہوا

ساقیٔ بزمِ ازل کب سے ہے پیمانہ بدست
کوئی اس [illegible] نہ ہوا

دل کی تسکین کو کافی ہے پریشاں ہونا
[illegible] ہونا

کور دیدہ ہے جسے دعوئے بینائی ہو
[illegible] ہونا

اے پری [illegible] سے دیوانہ کا ایماں گیا
[illegible] ہونا

دور جب دل سے حجابِ شبِ عصیاں ہوگا
[illegible] ہوگا

دردِ عشق اور ہر اک شخص کا حصہ بخوش
وہی پائے گا جو اس [illegible] ہوگا

وہ سمجھتے ہیں کہ ہے میری تمنا اس کو
[illegible] ہوگا

یوں تو ہر زخمِ جگر ہے مرا لذت کش
[illegible] ہوگا

جلا ہی کس قدر دل ذوقِ کاوش ہائے مژگاں پر
[illegible]

پڑا ہوگا مگر عکس عذار لالہ گوں ورنہ
یہ گستاخی ہمارا خون اور قاتل کے داماں پر

طریق عشق میں ہے رنج پہلے اور خوشی پیچھے
مدار صبح روز وصل ہے اک شام ہجراں پر

مری دیوانگی روز قیامت سر سے کام آئی
قلم رحمت کا کھینچا آپنے آخر میرے عصیاں پر

اگر آئینے تغافل کو ہے دعوی اپنی تمکیں کا
ہماری خود فراموشی کو ہے ناز اپنی نسیاں پر

عشاق کا ضمیر ہے جام جہاں نما
تجھ سے کہاں چھپینگے وہ ایسے کہاں کے ہیں

کوئی دیتا ہے تمہیں سنگدلی کا طعنہ
سخت جانی کی ندامت سے مگر سر رہنے دو

دوستو تمکو مبارک رہے یہ شرب مدام
ہمکو لذت کش خوناب جگر رہنے دو

زاہد و یاد رہے نار جہنم کا عذاب
خضر چاہو تو مرا دامن تر رہنے دو

ساحر اب ترک وفا شیوۂ عشاق نہیں
ہرچہ آید کے لئے سینہ سپر رہنے دو

سر عرش بریں ہے زیر پائے پیر میخانہ
کمال اوج پر ہے حسن عالمگیر میخانہ

زیارت کو چلے ہیں شیخ و زاہد الامان اللہ
خدا کی شان ہے کچھ پھر گئی تقدیر میخانہ

پری شیشہ میں ہے ساغر میں ہے خورشید نور افگن
یہ ہے تسخیر میخانہ وہ ہے تنویر میخانہ

جو پہنچا میکدہ میں چھوڑ کر دیر و حرم ساحر
جھکا سر ذوق مستی میں یہ ہے تاثیر میخانہ

آنکھیں تصور وار ہیں دل شرمسار ہے
در پردہ در میں راز کے اک پردہ دار ہے

خلوت میں انجمن سے ہے تو خلوت میں انجمن
آئینہ سے نگاہ کسی کی دوچار ہے

قطعہ

آئی جو مجھکو نیند تصور میں ایکبار
کیا دیکھتا ہوں سامنے تصویر یار ہے

میں نے بصد سماجت و منت کہا کہ یار
کیوں میرے پاس آنے سے بوجھ عار ہے

سامان جملہ عیش مہیا ہیں تو نہیں
تیرے بغیر سینہ میں دل بیقرار ہے

آب رواں ہے کشتی ہے اور جام زر
سبزہ ہے گل ہے ابر ہے باد بہار ہے

موج طرب ہے جوش طبیعی ہے رنگ شوق
سب کچھ ہے ایک صرف ترا انتظار ہے

یوں در فشاں ہوئے لب نازک کہ ائے حزیں
سن میرے قول کا تجھے گر اعتبار ہے

آساں نہیں ہے دولت دیدار کا حصول
تو معتقد ہے دیدہ و دل کی نشاط کا
یاس و امید و بیم و رجا ہے نفس نفس
الفت بتوں کی جس کے بسی آب و گل میں ہو
فرصت نہیں جو غیروں سے مجھکو تو یہ بتا
میں نے کہا یہ رنگ رچا تھا ترے لئے
غیروں سے آج ہے مرا خلوت کدہ تہی
یہ سنکے مسکرا کے وہ بولا کہ واہ واہ
غیروں سے کب ہوا ترا خلوت کدہ تہی
دیکھا جو غور سے میں خود منفعل ہوا
آئی صدا کہ حیف ہے تیرے شعور پر
آئی ندا جو چاہے کہ بے پردہ دید ہو
یہ سنکے ہوش و عقل بھی رخصت طلب ہوئے
ہے جام بادہ ہستی ہے بے واسطہ وصال

نامحرموں پہ راز یہ کب آشکار ہے
بزم طرب میں بادہ ہے رشک نگار ہے
دل اک قمار خانہ لیل و نہار ہے
اپنے صنم پرست کا کیا اعتبار ہے
کیا واسطہ ہے مجھ سے کہ یہ انتظار ہے
رنگینیوں سے تجھکو مری ننگ و عار ہے
اب تجھ سے میں ہوں اور دل امیدوار ہے
مطلب کا اپنے یار بڑا ہوشیار ہے
پہلو میں تیرے ایک دل امیدوار ہے
بولا کہ لے یہ تیرے قدم ہوشیار ہے
تیری انانیت سے مجھے ننگ و عار ہے
گر شوق سے گناہ کہ پھر ہم کنار ہے
حیرت کدہ میں شوق سے آب و بخار ہے
بے شوق دید جلوۂ دیدار ... ہے

ساحر ترا یہ خواب ہے رویائے صادقہ
بیداری اپنے خواب کے اوپر نثار ہے

گر تصور نہ ہو تصدیق تو ہے نقص کمال
رسوائے عشق ہے تماشا کہیں جسے
ہے منزل فنا میں مرا ہم سفر داغ
سینہ چمن ہے غنچۂ دل ہی شگفتہ دل
غم پرور ہوئے دل شوریدگان عشق

خلوت میں آپ نے بیٹھے ہیں کبھی دل سے جی
عشاق بے خیال ہے سوا کہیں جسے
روشن چراغ گنبد مینا کہیں جسے
تیری نگاہ ہے چمن آرا کہیں جسے
فرقت کی ایک رات ہے دنیا کہیں جسے

منسوب کفر و دیر سے ایمان حرم سے ہے
وہ تیرہ بخت ہوں میں مرے ظلمت کدہ کا نور
ہم غیر معتبر سہی اور غیر معتبر
ساحر نفس وہ دام ہے جس میں کہ ہے اسیر

گو تو ہے اور بوئے بیوفائی ہے
آئینہ سے نگاہ جو دو چار ہو گئی
عالم مٹا ہوا ترے نقش قدم سے ہے

غلط کہتے ہیں لوگ یک جان دو قالب
اسی کا غم کو وہ ہوتا تھا اسی کا مجھکو رونا تھا
ہماری بت پرستی شیخ عین حق پرستی تھی

اک رہ گیا ہوں میں کہ تمہارا کہیں جسے
ہے روشنائی شب یلدا کہیں جسے
کہنا بجا ہے آپ کا جیسا کہیں جسے
موج رم خیال کہ عنقا کہیں جسے

میں ہوں اور رنگ آشنائی ہے
شبنم لطافت گل رخسار ہو گئی
نقش قضا مگر تری رفتار ہو گئی

میں تن ہوں وہ جان ہیں جان ہوں وہ تن سے ہے
کہ وہ دشمن تمہارے تھے جنہیں ہم یار سمجھے تھے
وہ مشرک تھے جو فرق سبحہ و زنار سمجھے تھے

ساحر

ساحر۔ مطلع خورشید سخن وری آفتاب سپہر بلاغت گستری عالیجناب معلی القاب سر مہاراجہ علی محمد خانصاحب خلف عالیجناب ممتاز الملک راجہ سر امیر حسن خانصاحب والئی محمود آباد۔ آپ صوبہ اودھ کے اُن امرائے جلیل القدر سے ہیں جو اس زمانہ میں اپنی گذشتہ شان و شوکت اور خاندانی عزت کو برقرار رکھتے ہیں۔

صوبجات متحدہ کے مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا کرنے کا سہرا راجہ صاحب موصوف ہی کے سر ہے۔ ہندوستان کی نئی زندگی کا آفتاب تو بنگال یا پنجاب سے درخشاں ہوا مگر اسکی شعاعیں اودھ میں پھیلیں۔ آپ صوبہ مذکورہ میں سب سے پہلے لیڈر تھے جنہوں نے کانگریس اور مسلم لیگ میں اتحاد عمل پیدا کر کے سیاسی خیالات کو ایک ہی مرکز پر جمع کر دیا تھا۔ اور نیشنل کانگریس میں ایسی زبردست تقریر کی تھی کہ تمام لیڈر دنگ رہ گئے تھے۔

اگر مالکان ملک اور قوم کے درمیان باہمی اختلاف نہ ہوتا تو راجہ صاحب اپنی سیاسی

زندگی کو خیر باد کہکر کبھی وزارت کو ہرگز قبول نہ کرتے۔ مگر افسوس ہے کہ باد مخالف نے آپکو
قومی کشتی کا ناخدا نہ بنے دیا۔ اور بہت جلد ملکی خدمات سے علیحدہ ہونا پڑا۔

آپ روشن خیال صاحب اثر رئیس ہیں علیگڑھ کالج کے علاوہ مختلف اسلامی مدارس
اور انجمنوں کی امداد کرتے رہتے ہیں۔ ہندوستان کے مشہور اخبارات آپکے شاندار کارناموں پر
عمدہ رائے دے چکے ہیں۔ آپ کونسل واضع آئین و قوانین کے ممبر اور صوبہ جات متحدہ کے
وزیر ہیں کسی زمانہ میں مسلم لیگ کے سرگرم رکن تھے۔ کانگریس کی کرسی صدارت پر بھی رونق
افروز رہے۔ راجہ صاحب موصوف فن سخن کے موروثی دلدادہ ہیں۔ آپ کے پدر بزرگوار
اور جد امجد نواب علی خاں مرحوم بھی شعر کہتے تھے اور صاحب دیوان تھے اور شعرا کی حوصلہ افزائی
فرماتے تھے۔ ملک کے مشہور انشاپرداز علی سجاد صاحب جن کے مضامین آج تک ناظرین
مخزن کے دلوں میں چٹکیاں لیتے ہیں۔ آپکے پرائیویٹ سکرٹری رہ چکے ہیں۔ حضرت
ریاض خیرآبادی حضرت ثاقب لکھنوی کو قدر دانی سخن کے صلہ میں ماہانہ دیا جاتا ہے۔ گو جب
سے لکھنؤ آنے پر ریاض نے شعر کہا ؎

ریاض قید ہو مقدر میں بازگشت شباب　　جوان ہونے کو پیری میں لکھنؤ آئے

اس شعر کو سنکر آپ نے بیساختہ فرمایا ؎

ہمیں حسینوں کے انداز دلبری کا گلا　　اب نہ ہو دل پہ [illegible] آئے

غزل گوئی کے سوا مرثیہ گوئی میں بھی مشتاق ہیں۔ آپ کے ان کے یہاں محرم کی مجالس نہایت
تزک و احتشام سے ہوتی ہیں اور ہر سال ایک مجلس میں اپنا تصنیف کردہ مرثیہ پڑھتے ہیں
لکھنؤ اور قرب و جوار کے سیکڑوں سامعین مجلس میں شریک ہوتے ہیں اور ان سب کی
مہمانداری میں کوئی بات اٹھا نہیں رکھی جاتی بعض اوقات آپ مرثیہ خوانی کے وقت
منبر پر رونق افروز ہوکر سامعین کا دل ہلا دیتے ہیں اور ماہرین فن نے آپکی سحر بیانی کو تسلیم
کیا ہے۔ ایک سال آپ نے اپنی مجلس میں اپنا ایک تصنیف کردہ مرثیہ پڑھا تھا جس میں حضرت

کی تعریف میں یہ ٹیپ لکھی تھی ؎

باغ میں جاتا تھا معشوق پری رو کیطرح
کوئی چٹکی جو کلی آگیا خوشبو کیطرح

اس شعر کا سامعین میں عرصہ تک چرچا رہا۔ آپ انداز سخن میں اپنے والد کی پیروی کرتے ہیں۔ غزل میں حضرت ریاض سے مشورہ سخن رکھتے ہیں۔ اور مرثیہ گوئی میں جناب علی محمد صاحب عارف لکھنوی سے استفادہ حاصل کیا ہے۔ مراثی کی جلد تیار ہے۔ دیوان غزلیات بھی قریب الاختتام ہے۔ آپ باوجود ایک معزز رئیس ہونیکے خلیق اور منکسر المزاج زیادہ ہیں۔ آپکا کلام ہر اعتبار سے اچھا ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ اساتذۂ لکھنؤ کی اصلاح سے مزین ہوتا ہے۔ آپ کی طبیعت صفائی زبان کیطرف راغب ہے۔ عاشقانہ سوز و گداز کا مرقع موثر الفاظ میں کھینچتے ہیں اگرچہ غزل بہت کم فرماتے ہیں۔ مگر جب لکھتے ہیں تو خوب لکھتے ہیں۔ راقم تذکرہ کو خدمت والا میں ہنگام قیام دہلی نیاز حاصل ہوا۔ از بس عنایت فرماتے ہیں ابھی ۲۵ء میں بتقریب جشن ولادت شاہ جمجاہ خطاب بہار آنکی سے مفتخر ہوئے ہیں۔ نمونہ کلام ہدیہ ناظرین ہے ؎

وہ بات جو حضور کو مجھ سے خفا کرے
دل میں تمام عمر نہ آئے خدا کرے

اتنا تو ہے کہ تھام لیا آپنے ہی دل
اللہ میرے درد جگر کو سوا کرے

سچ تو یہ ہے کہ درد محبت ہے لاعلاج
یہ وہ مرض نہیں کہ مسیحا دوا کرے

آجائیں کل وہ خود مرے خط کے جواب میں
قاصد جو کہہ رہا ہے یہی ہو خدا کرے

ہو جسکو بوسہ اُس لب جاں بخش کا نصیب
وہ کیوں تلاش چشمۂ آب بقا کرے

کس کام کی بھلا شب فرقت میں چاندنی
اوڑھے بچھائے کوئی اسے کہئے کیا کرے

برسات میں پینے کا مزا اور ہی کچھ ہے
جو وقت پہ اٹھے وہ گھٹا اور ہی کچھ ہے

وہ بات کہاں لاکھ سر بزم خفا ہوں
خلوت میں بگڑنے کی ادا اور ہی کچھ ہے

محدود خیالوں میں کہاں وسعت تشبیہ
اس عالم بالا کی فضا اور ہی کچھ ہے

قند و شکر و شہد بہت خوب ہیں لیکن
اُنکے لب شیریں کا مزا اور ہی کچھ ہے

ساحر

قصور ہے یہ تری جستجو کا اے منکر
جو پی ہے شیخ تو تشنہ ہو کے خانقاہ میں جا

علاج زخم دل اے چارہ گر جو منظور
تجھے میں سمجھوں بڑا خوش نصیب اے دل

جھوٹے سے لطف کا اظہار نہ کیجئے
حکم ہو جلاد کو مجھ سخت جاں کے قتل کا

سبزۂ خط کو نہ کھینچے دور رہے صاف سے
اب نہیں دل میں سمائی اب نہ دیجئے رنج و غم

غیر کے گھر جاتے ہیں آپ کیا ہو گیا
ایک کا غمزہ [illegible] چشم نرگس کیا [illegible]

غیر کے ہمراہ آؤں تو نہ روکیں پاسباں
کوئی اتنی بھی [illegible] کر دینا ہی

وہ دل تنگ آئے نہ جو تار گلو آئے
کہیں وہاں نہ اسی طرح سے کی بو آئے

کسی کی سوزن مژگاں سے جو نوک آئے
جو اسکی بزم سے اگ بیچئے تو آئے

جا بجا بس جائے سر [illegible] دیجئے
دست نازک کیوں [illegible] دیجئے

لوح سیمیں یوں ہی [illegible] دیجئے
میں تے جو [illegible] دیجئے

دیکھئے [illegible] دیجئے
ایک [illegible] دیجئے

مجھکو [illegible] نہیں [illegible] دیجئے
[illegible] دیجئے

ساحر — منشی [illegible] کو یا موسی خان [illegible] آپ [illegible] خاندان [illegible]

[illegible] ملتان [illegible] آپ کے مورث اعلیٰ شیخ [illegible] اسی طرح [illegible] گذرے ہیں [illegible] شہنشاہ بابر [illegible] ہوئے۔ پھر وزارت سے [illegible] منشی [illegible] شیخ [illegible] کو یا موسی [illegible] کیا [illegible] اسی [illegible] کتابیں بھی اسی خاندان سے تھے جنہوں نے [illegible] ابو سعید کے [illegible] شیخ [illegible] زمانہ میں بھی یہ خاندان ممتاز رہا جناب ساحر [illegible] خطاب [illegible] فرمایا [illegible] سررشتہ نظامت کا ناظم [illegible] کیا اور خدمات کے صلہ میں خان کا خطاب [illegible] نظامت الہ آباد [illegible] وہ محکمہ [illegible] منشی [illegible]

میں وکالت شروع کردی۔ آگرہ کو صدر مقام قرار دئے جانیکے بعد آپ وہیں تشریف لے گئے اور اقامت اختیار کی۔

حضرت ساحر آگرہ میں پیدا ہوئے اور اپنے بھائی مولوی اکرام اللہ سے علوم رسمیہ کی تحصیل فرمائی۔ فارسی میں کافی استعداد بہم پہنچانیکے بعد ڈاکٹری کے مدرسہ میں داخل ہوئے جہاں انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ اسی دوران میں شعر و سخن کیطرف طبیعت مائل ہوئی اور اپنے بہنوئی مولوی غلام غوث صاحب بیخبر کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ فارسی میں بھی فکر سخن کرتے تھے اور "ابہام" تخلص تھا۔ ۱۸۷۶ء میں انتقال ہوا۔ مقام شاہ نور الزمان میں دفن ہوئے چند شعر تذکرہ شعرائے اکبر آباد و تاریخ گویا موت نقل کئے جاتے ہیں ؎

جو تاثیر دعا پر اس طرف تقدیر ہنستی ہے
دعاؤں کی رسائی پر ادھر تاثیر ہنستی ہے

یہی برگشتگی دونوں میں ہے برگشتہ سے برگشتہ
ادھر تقدیر ہنستی ہے ادھر تدبیر ہنستی ہے

شب ہجراں جو اپنے بخت برگشتہ پہ روتا ہوں
تو اسکو دیکھکر یا دوست بے پیر ہنستی ہے

سراپا معصیت دنیا میں کوئی ہو تو ساحر ہے
وہ عاصی ہے کہ خود بیراہی پہ تقصیر ہنستی ہے

قاتل نہ اٹھنے پائے گلے پر مرے ذرا
تیزی تو دیکھوں میں ترے خنجر کے دھار کی

نہ بر آنے دی ایک امید بھی کی
فلک نے ہائے کیسی دشمنی کی

نہ اٹھنے ہی دیا پہلو سے ہم نے
بہت کچھ یار نے پہلو تہی کی

نقاب یار کو بھی پھاڑ ڈالا
غضب کی ہم نے بے پردہ دری کی

مریض ہجر کا اب ہے یہ نقشہ
کوئی صورت نہیں بہبودگی کی

انہیں چھیڑا تو ہے ساحر مگر اب
کہیں شامت نہ آجائے کسی کی

ساحر

ساحر ـ خواجہ عبدالوحید ولد خواجہ عبدالستار امرتسر کے باشندے ہیں ۱۲۹۹ھ میں بمقام صاحب گنج پیدا ہوئے۔ فارسی و انگریزی زبان میں اچھی مہارت ہے پہلے وہیں کے اسکول میں ہیڈ مولوی تھے اب وہاں مختار کاری کرتے ہیں شاعری کا مذاق اچھا ہے

ساحر

ذہین اور طباع ہیں۔ اُنکی بندشیں۔ تلاش مضمون بھی بُری نہیں حضرت کوثر خیرآبادی سے تلمذ ہے۔ کلام یہ ہے ؎

ذبح کرنے کے عوض جلاد خود تڑپا کیا
حالتِ دل خوف سے میں عرض کر سکتا نہیں
تردماغی مے سے کرلی رنجِ خشکی کیلئے
دل جلا کر عاشقوں کا اور کیا ملتا تمہیں
چل گئیں چوٹیں نگاہِ یاس و تیغِ ناز کی
ہائے میرے بعد میری قدر اے ساحر ہوئی
ہماری التجائے قتل پر ہیں سینکڑوں حیلے
حیا نے رکھ لیا پردہ ترا اے خوبرو ورنہ
نگاہِ شوق نے کیا کیا بلائیں لی ہیں تیرے سوتے میں
مزہ ملتا ہے ہمکو مہوشوں کی چھیڑ خانی میں
جو شیشہ کی پری بجلی گراتی جانِ بسمل پر
نگاہِ لطف کے گاہک تھے ہم بازارِ الفت میں
وہ گل کہتا ہے پوچھے تو یہ حالت ہے ساحر کی
اثر تڑپا نہیں ہے ایک کا دوسرے کے دل پر
تڑپ کر بسملوں نے خوب ہی کھیلی مقتل میں
صراحی دور میں گردش میں ساغر جھک ہیں میکش
کسی کا سوزِ دل عشاق سے دیکھا نہیں جاتا
عدو کی بزم میں جانے کو مجھسے پوچھنا کیسا
مری جانب ذرا پھر دیکھ لو ترچھی نگاہوں سے

اُٹھے نگاہِ حسرت آگئیں آئے تمنے کیا کیا
روٹھ جاؤ گے کہ تم نے پھر اُنکو کیا
موسمِ گل میں علاجِ جوششِ سودا کیا
کچھ یہ تھوڑا ہے کلیجہ غیر کا ٹھنڈا کیا
میں ادھر لوٹا کیا قاتل ادھر تڑپا کیا
اپنے پیکانوں سے آکر قبر پر میلا کیا
عدو کہتا تو خود اہلِ ہوس کا آسرا ہو جاتا
خریداروں کی کثرت سے دُکاں بازار ہو جاتا
غضب ہوتا اگر وہ نیند سے بیدار ہو جاتا
جو دل میں چٹکیاں لیتا وہی دلدار ہو جاتا
بھر آتا شیشہ میں پانی شیخ بھی میخوار ہو جاتا
جو دم بھر دلدہی کرتا وہی دلدار ہو جاتا
جو کوئی سنتا تو آتو کٹے کا [illegible] ہو جاتا
اٹکا نے قہقہے پھولوں نے فریاد ہنسا دل پہ
تڑپی ہیں خون کی [illegible] قاتل پہ
اثر ساقی کی آنکھوں کا ہے [illegible] محفل پہ
بھری آتی ہے [illegible] محفل پہ
خوشی صاحب [illegible] آپ کے دل پہ
تصدق آنکھوں کے [illegible] دل پہ

گردشِ چرخ سے پیکر مری مٹی نے کہا / یار کی آنکھ میں گھر کیجئے سُرما ہو کر
خلشِ غم کی وہی چھیڑ چلی جاتی ہے / پھر لہو پینے لگا زخمِ دل اچھا ہو کر
یادِ مژگاں سے ہے تنکے کا سہارا ابھی بہت / ورنہ یہ اشک ڈبو دیں مجھے دریا ہو کر
دیکھئے طالبِ دیدار سے پردہ نہ رہا / رہ گیا جلوۂ رُخ آنکھوں کا تارا ہو کر
شوقِ دیدار میں سینے سے جو دل اُڑ کے چلا / رہ گیا ناوکِ مژگاں کا نشانہ ہو کر
میں گردِ کارواں کیطرح چھوٹا ساتھ والوں سے / کہو یادِ وطن سے آ کے اب پہونچا ہوں منزل تک
دور ہے بادۂ گلرنگ کا گلزاروں میں / فصلِ گل آئی کہ جان آ گئی میخواروں میں
حشر ڈھائیگی لگاوٹ کی نظر یاروں میں / دیکھئے چوٹ نہ چل جائے طلبگاروں میں
بسترِ مرگ سے اُٹھے تو عدم کو پہونچے / آ گیا یہ زور کہاں سے ترے بیماروں میں
لختِ دل آنسوؤں کیساتھ بہے آنکھوں سے / گندھ گئے لعل بھی ان موتیوں کے ہاروں میں
رات دن اشک فشانی نہیں اچھی ساحرؔ / دو گھڑی بیٹھ کے ہنس بول بھی لو یاروں میں

ہم ذکرِ خدا کہ یادِ اصنام کریں / دم لینے کی مہلت ہو تو کچھ کام کریں
بالیں پہ مرگ کھڑی ہے ساحرؔ / جاگے ہیں بہت حضور آرام کریں

ساحر ساحر۔ قاضی محمد شمس الضحیٰ صاحب قاضی پور مضافات گورکھپور کے باشندے ہیں اکثر رسائل و اخبارات میں تیس پینتیس برس سے کلام شایع ہوتا رہا ہے۔ موزوں طبع ہیں۔ مگر نومشق معلوم ہوتے ہیں۔ رنگ بیان میں کوئی خصوصیت نہیں ہے

نہ کہیں نغمۂ بلبل نہ کہیں خندۂ گل / چہچہے چار ہی دن کے تھے گلستانوں میں
لیکے یارب دلِ وحشی کو نکل جاؤں کہاں / نہ یہ بستی میں بہلتا ہے نہ ویرانوں میں
چرخ ہی دنیا ہی قسمت ہی نگاہِ یار ہے / کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو کہ سیدھا ہم سے ہو
دل چُرا کر مجھی سے کہتے ہیں / لے گیا کون کچھ پتہ بھی ہے
مدعائے دلی بتاؤں کیا / آپ سے حال کچھ چھپا بھی ہے

ساحر ۔ منشی سید اقتدار احمد صاحب ابن مولوی سید آل محمد شاہ صاحب۔ آپ سہسوان ضلع بدایوں کے سادات کرام سے ہیں ۱۳۰۳ھ میں پیدا ہوئے تاریخی نام منظور علی ہے۔ عرصہ دراز تک دہلی۔ لکھنؤ۔ رامپور وغیرہ میں طالب علمی کرتے رہے ہیں علم حدیث فقہ منطق۔ ادب میں بخوبی مہارت ہے۔ عروض و قوافی۔ معانی بیان میں کافی دستگاہ ہے بعض کتابیں ڈپٹی نذیر احمد صاحب سے بھی پڑھی ہیں۔ آپ اپنے بھائی ابوالکمال سید اعجاز احمد معجز سے تلمذ رکھتے ہیں۔ فن تاریخ گوئی میں آپ کو خاص ملکہ ہے۔ "باغ" ضامن علی جلال مرحوم جلال لکھنوی کی تاریخ وفات کی کتب خانہ حمیدیہ ریاست بھوپال میں ملازم رہ چکے ہیں آجکل اپنے وطن میں ہیں۔ آپکی تصنیفات میں سے "ملہم تاریخ" طبع ہو چکی ہے۔ جنتانہ۔ ساحر عاشقانہ دیوان تیار ہے۔ اچھی طبیعت پائی ہے۔ خوش فکر اور خوشگو ہیں ؎

موج سے ہوگئی دم بھر میں حبابوں کو شکست
طرفہ کشتی کا تماشا لب ساحل دیکھا

صیاد کے ہاتھوں یہ تباہی کا ہے نقشہ
اک شاخ پہ دو دن بھی نشیمن نہیں رہتا

دل جلانے کا نتیجہ دیکھا او
نکہت سے باد سحر نے کیا کیا

بے چین نہ کیوں ہو دل کسی کا
ہے زلف میں صد ناز کی کا

ہے جلوہ گہ یار بھی کیا آئینہ خانہ
شانہ نظر دیدۂ حیراں نے کی کر

کیسے ستم پیشہ ہیں نام وفا ڈبو رہے ہیں
حیرت سے دل کو روتے ہیں میرا مزار دیکھکر

اک میں کہ خامشی میری شکوہ سے کم نہیں
اک وہ کہ سو ستم کریں اور یہ ستم نہیں

ٹکڑے ٹکڑے ہے جگر سے وہ غم سے پاش پاش
قصہ جگر کا دل کی حکایت سے کم نہیں

کیا انکو خیال آیا یہ کیا خواب میں دیکھا
وہ صبح کو جاگے ہیں تو شرمائے ہوئے ہیں

یہ ہنسنا بولنا غیروں سے کیا ہے پھولوں میں
بہ وہ آنسو بہا لو مرنے والے کی ہنسی کیوں ہو

لحد میں ہوگی روشن آتش سوز نہاں میری
برنگ شمع کافوری جلینگی ہڈیاں میری

بھلا اب بھی نہ سمجھوگا غرض سے آنکو بیاں میری
عدو سے وعدۂ وصل اور قسم پر دو بیاں میری

کہا منہ پھیر کر سو جاؤ حوریں یاد کرتی ہیں
دم آخر جو دیکھیں بدگماں نے ہچکیاں میری
پس مردن رہا مرقد پہ میلہ گل عذاروں کا
رہی چڑھتی ہوئی فصل بہاری سی خزاں میری

زردیٔ رخ خشکیٔ لب بیخودی
ہو نہ ہو یہ عشق کا آزار ہے
کیا یہی ساحر ہے پاس عاشقی
غیر کی منت سر بازار ہے

سیہ آنکھوں میں سرمہ کی اگر تحریر ہو جائے
نگاہ فتنہ زا چلتی ہوئی شمشیر ہو جائے
جو چاہو قتل عاشق تم تو یہ تدبیر ہو جائے
بھویں خنجر پلک نیزے نگہ شمشیر ہو جائے
دل پر داغ کو دیکھو یہاں اک دن چلے آؤ
تمہیں گھر بیٹھے سیر گلشن کشمیر ہو جائے
کیا ہزاروں کو دیوانہ اٹھتے جوبن نے
عجب ادائے جنوں خیز اس شباب میں ہے
جو مصیبت ہو کے تیر آئی ہے
آنکھ سے بن بن کے پانی جائیگی
ذکر دشمن پر جو کچھ باتوں میں ان بن ہو گئی
کچھ پشیمانی انہیں ہے کچھ پشیمانی مجھے
پہلو نکالا ہم نے یہ تسکین کا ہجر میں
تصویر انکی سینہ سے لپٹا کے سو رہے
مجھ پہ کیا ہے دل تو غیروں کے بھی ہیں ٹوٹے ہوئے
ہائے کس کس سے نہ وعدے آپکے جھوٹے ہوئے
تصور میں ہوئی ہے دست وحشت سے یہ گستاخی
کئے ہیں پرزے دامان ستم ایجاد کے ٹکڑے
وہ جاتے جاتے غیر کے گھر مجھسے کہہ گئے
گر رشک ہو کسیکو تو کچھ کھا کے سو رہے
جو لکھا ہے کوئی نامہ تو دم سو بار توڑا ہے
ہوئی ہیں ناتوانی سے مری فریاد کے ٹکڑے

بڑھی تو تیر ٹھوکر سے کسی کی
لحد کرتی ہے باتیں آسماں سے
لٹکا یہ جنوں کا تھا جب ہاتھ میں جام آیا
ہر موج مئے احمر زنجیر نظر آئی
ذکر دشمن پر وہ برہم ہو گئے
باتوں باتوں میں لڑائی ہو گئی

ساحل

ساحل ۔ میرزا اکبر علی صاحب شاگرد میر علی اوسط رشک لکھنوی۔ تشبیہ اور استعارہ کے وسیع میدان میں پرواز خیال کو مد نظر رکھتے تھے اور خال و خط کے مضامین ۔ الفاظ کی طلسم بندی میں خداداد ملکہ تھا۔ اپنے رنگ میں نہایت پختہ اور صنایع بدایع کو اچھی طرح

زباں ہتے تھے۔ عہد امجد علیشاہ اور واجد علیشاہ کے شعرا کے ہمعصر اور لکھنؤ میں رہتے تھے
تذکرہ سراپا سخن اور کارنامہ سے کلام منتخب ہوا

زینت بڑھی تو گھٹ گیا اوج کمالِ لب
سستی سے آگیا ہے گہن میں ہلالِ لب

پتھر عقیق و لعل ہیں تپہ سے ہے برگ و گل
حیرت ہے کس سے دیکھیے یار شبالِ لب

دل میں خیال لائے ہنسنے کا یار کے
شیشے میں بند کیجئے برق جمالِ لب

موسیٰ سے چل کے کیجئے طولِ کلامِ زلف
ہو جائے آج وادیٔ ایمن میں شامِ زلف

رات دن رہنے لگیں محوِ تماشا آنکھیں
کہیں آفت نکریں پھر کہیں برپا آنکھیں

ہمسری یار سے گلشن میں کیا کرتی ہے
کور ہو جائیں تری نرگسِ شہلا آنکھیں

ہر گھڑی یار پہ پڑتی ہے نظر خوف یہ ہے
کہیں ایسا نہو کر دیں مجھے رسوا آنکھیں

ل **ساحل** ۔ عبدالرحمٰن بن ابراہیم صاحب ساکن بمبئی حضرت شاغل رئیس بمبئی کے شاگرد
ہیں متوسط درجہ کے شاعر ہیں۔ کلام نہ برا ہے نہ بہت اچھا۔ چند شعر درج کئے جاتے ہیں

دل کو ہمارے لیکر افسوس وہ ستمگر
جاتا ہے انجمن سے اپنی نگہ بدل کے

یہ دیکھ آ رہے ہیں وہ دیکھ آ رہے ہیں
آنکھوں سے کہہ رہا ہے یہ دل مچل مچل کے

وہ قتل کر کے مجکو چھپا رہے ہیں کیا کیا
زانو پہ رکھ کے سر کو روتے ہیں ہاتھ مل کے

افشائے رازِ الفت کرتے ہیں دیکھ حسرت
آنکھوں سے میری ساحل آنسو نکل نکل کے

ساطع **ساطع** ۔ مرزا مظفر بیگ ٹھیکیدار و سوداگر ضلع ایبٹ آباد ہزارہ خلف میرزا منور بیگ
آپکے آبا و اجداد امیر دوست محمد خاں کے ہمراہ افغانستان سے ہندوستان میں آئے
اور کشمیر۔ راولپنڈی میں رہنے کے بعد ایبٹ آباد میں قیام کیا۔ ساطع صاحب انگریزی۔
فارسی بقدر ضرورت جانتے ہیں شعر گوئی کا شوق ہے۔ اور اس فن میں نواب عشرت لکھنوی
کے شاگرد ہیں۔ کلام میں کوئی خاص بات نہیں ہنگام ترتیب تذکرہ چند غزلیں موصول ہوئیں
انکا انتخاب درج ذیل ہے۔

ابر ہے معشوق ہے سے ہے گل گلزار ہے
شاہیں عشق میں برباد ہو کر
مرا خون ناحق اثر کر رہا ہے
جوانی چاہتی تھی سب بے حجابی
بتوں کے حسن کو پوچھو نہ واعظ

آج تو ساطع کوئی موقعہ نہیں انکار کا
شانۂ خنجر بیداد ہو کر
کہ ہاتھوں میں شامل حنا ہو رہی ہے
مگر روکا اُسے پاس حیا نے
یہاں جلوہ دکھایا ہے خدا نے

ساطع ۔ سید ولایت علی زیدی الواسطی تلمیذ جناب ضیاؔ بدایونی۔ آپ ولایت تخلص بھی کرتے تھے۔ آنولہ ضلع بریلی کے ساکن۔ نہایت خوش فکر بزرگ تھے مشق جاری نہ رکھنے پر بھی اچھے شعر کہہ جاتے تھے۔ مزاج میں آزادی اور بے پرواہی زیادہ تھی۔ کلام کبھی جمع نہ کیا۔ بہت سا حصہ ضائع ہو گیا۔ انتقال کے بعد چند غزلیں اور قطعات انکے اسباب سے برآمد ہوئے ۲۴ اپریل سنہ ۱۹۱۸ء کو بمقام رامپور انتقال کیا۔ ۶۵ سال کی عمر پائی۔ کلام کا انتخاب یہ ہے۔

بجلی سی جس طرف کو گری کام کر گئی
رہتی ہے ہنسی کسی گلرو کی یاد میں

تم نے نظر کو برق تجلی بنا دیا
جسکو تپ فراق نے کانٹا بنا دیا

تضمین بر اشعار متفرق

نہ وہ دولت نہ وہ ثروت نہ وہ چہرہ کی ضیا
جام جم کا ہے نشاں اور نہ حشم دارا کا

دیکھکر ہوتا ہے نیرنگ جہاں سکتا سا
کہیں ملتا نہیں تصویر سکندر کا پتا

سب کا منہ دیکھتا ہے آئینہ حیراں ہوکر

نہ کھلے غنچہ صفت آہ کبھی ہم دلگیر
اشوسئے بخت سے بنتی نہیں کوئی تدبیر

آ کے اس گلشن ہستی میں ہوئے جب سے اسیر
پھینک دو کاٹ کے جڑ نخل تمنا کی امیر

پھول کمبخت میں آئے نہ کبھی پھل آئے

عدم کو قافلے جاتے ہیں روز بے دم و ساس
نہ سر پہ تاج ہے شاہوں کے نہ بدن پہ لباس

گدا کو جانے کوئی واں نہ شہ کا رتبہ شناس
لحد پہ انکی ہے سامان حسرت و غم و یاس

ہمیشہ رہتے تھے جو شادیاں رچائے ہوئے

نہ مونس ہے نہ ہمدم ہی نہ کوئی آشنا باقی
نہ اب جوشِ جوانی ہے نہ طفلی کا مزا باقی

ہزار افسوس پیری میں کہاں وہ حوصلہ باقی
سوائے داغِ حسرت اب ہا سینہ میں کیا باقی

کبھی تھے ہم بھی دل والے کبھی ہم بھی رکھتے تھے

نگۂ یار غضب تھی کہ سنبھالی نہ گئی
تیرِ مژگاں کی انی دل سے نکالی نہ گئی

نزع کے وقت عیادت کو وہ آئے مرے پاس
شکر ہے آرزوئے دید تو خالی نہ گئی

ساغر ـ منشی کشن سروپ صاحب ـ آپ عدالت شاہجہانپور میں مختارکاری کرتے ہیں ر
معمولی فکر کے شاعر ہیں ـ کئی بار حالات دریافت کئے جب خطوط کا جواب نہ ملا تو مجبور ہو کر
یہ اشعار درج کئے گئے ـ

شوخ چشموں کے تصور نہیں سونے دیتے
آنکھ لگتی ہی کبھی ہے تو جگا دیتے ہیں

لینا دینا بھی نہیں انکا ستم سے خالی
جس کا دل لیتے ہیں مٹی میں ملا دیتے ہیں

مے پرستوں کی کرامات نہ پوچھو ساغر
خاک میخانہ سے اکسیر بنا دیتے ہیں

ساغر ـ جناب محمد سعید خانصاحب ـ آپ قوم کے پٹھان اور دانا پور کے رہنے والے ساغر
تھے ـ فنِ سخن میں مولوی عبد الغفور خاں نساخ کے شاگرد تھے شعر خوب کہتے تھے عینِ عالم
شباب میں انتقال کیا ایک غزل کے چند شعر درج ذیل ہیں ـ

یاد ہر دم تری اے جانِ جہاں رکھتے ہیں
نام ہر وقت ترا وردِ زباں رکھتے ہیں

ضعف سے اب نہیں اٹھتے تری محفل سے ہم
وہ ستم جھیلیں جو کچھ تاب و تواں رکھتے ہیں

کوچۂ عشق کے کھوئے ہوئے ملتے ہیں کہیں
نہ پتہ رکھتے ہیں کچھ اور نہ نشاں رکھتے ہیں

نہیں ملتا ہے پتا ساغرِ گم گشتہ کا
بے نشاں لوگ کہاں نام و نشاں رکھتے ہیں

ساغر ـ جناب منشی صمد یار خانصاحب چشتی نظامی متوطن قدیم باندہ ـ نوجوان خوش ساغر
طبع مرتبِ خیال شاعر ہیں ـ آپکا مسکن و مولد علیگڈھ ہے ـ ۲۱ دسمبر ۱۹۰۵ء تاریخ ولادت ہے

آپکے والد جناب ڈاکٹر احمد یار خاں صاحب وارثی علیگڑھ کے مشہور لوگوں میں ہیں جن کی حکیمانہ قابلیت کا شہرہ تمام علیگڑھ میں ہے۔ انکا سارا خاندان "ڈاکٹر" کے نام سے مشہور ہے۔ ساغر صاحب کو زمانہ طالب علمی میں شعر گوئی کا ذوق پیدا ہوا ۱۹۱۸ء میں حضرت سیماب اکبر آبادی کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ اُستاد کی توجہ اور اپنی ذہنی۔ دماغی۔ خداداد قابلیت سے بہت جلد ترقی کر گئے۔ دورِ حاضرہ کی ادبیات اور انشا پردازی کے مطالعہ نے انکو جدید شاعری کے رموز سے آگاہ کر دیا چنانچہ انکے اشعار میں جہاں مشرق کی پروازِ خیال ہے وہاں مغرب کی جدت پسندی کا رنگ بھی نمایاں ہے۔ قدر دانانِ سخن کی جانب سے آپ کو "نسیم الکلام" کا خطاب مل چکا ہے۔ اور تمغے بھی ملے ہیں۔ پڑھنے کا انداز نہایت دلکش ہے۔ خواجہ حسن نظامی دہلوی کے عقیدتمند مریدہیں "بزمِ ساغر" آپ کی پہلی تصنیف ہے جو مذاقِ جدید کے حلقۂ ادب میں پسند کی گئی ہے۔ کسی زمانہ میں علم طب پڑھتے تھے۔ اب آگرہ میں رسالہ پیمانہ جاری کیا ہے۔ آپکا دیوان موسومہ "میخانہ" تیار ہے۔ جو عنقریب شایع ہونیوالا ہے۔ اگر آپ نامانوس الفاظ اور مغلق فلسفیانہ ترکیبوں سے غزل گوئی کو بچاتے رہے تو آیندہ اعلیٰ درجہ کے نازک خیال شعرا میں ممتاز جگہ پائینگے۔ نمونۂ کلام یہ ہے

وہم و خیال سے بروں وہم و خیال میں بھی آ
عالم حال سے بلند عالم حال میں بھی آ

تیرے بغیر ناتمام تکملۂ حیات ہے
حدِ کمال سے فزوں۔ حدِ کمال میں بھی آ

اول و آخر ظہور تیری ضیا ہے پائے نور
پیکر بدر میں چمک۔ شانِ ہلال میں بھی آ

شعلۂ برق کیطرح۔ دور سے شوخیاں نہ کر
صورتِ دامنِ مراد۔ دستِ سوال میں بھی آ

زینتِ دورِ سادگی آبروئے شباب بن
رونقِ عہدِ کمسنی ان خط و خال میں بھی آ

دل کو مرے شہید کر آنکھ کو محوِ دید کر
رزمِ جلال بھی دکھا۔ بزمِ جمال میں بھی آ

شب غم ہے یہ سبب نیند اچٹ جانے کا
تا دمِ صبح بھروسہ ہے ترے آنے کا

سرِ مسکیش میں کبھی گنبدِ گردوں میں کبھی
خود بھی گردش میں ہے چکر مرے پیمانے کا

ساغر

جان کا کام یہ ہے تا دمِ آخر دے ساتھ
جانِ عاشق ہو تو اب نام نہ لو جانے کا

اہلِ عالم نے جسے چاند سمجھ رکھا ہے
ہے یہ ٹکڑا مرے ٹوٹے ہوئے پیمانے کا

حسن برچھی بنکے چبھا جو مگر قاتل ہوا
عشق بجلی بنکے تڑپا اور تڑپ کر دل ہوا

قیس کی آہوں سے لیلیٰ پر پڑے لاکھوں حجاب
جو دھواں دل سے اٹھا اک پردۂ محمل ہوا

شوق ہنگامہ فروش و حسن ہنگامہ نواز
رنگِ محفل مانعِ نظارۂ محفل ہوا

سامنے آتے ہی اُن کے آنکھ پرنم ہو گئی
جانے کیا دیکھا کہ ضبطِ آرزو مشکل ہوا

ساغر نواز! میکدہ مے فروش تھا
دل میں سرورِ کیف باندازِ جوش تھا

الزامِ بیخودی یہ مری کس نے رکھ دیا
خود رعبِ حسن پردۂ نظارہ پوش تھا

شورِ صد آرزو مری رگ رگ میں تھا نہاں
میں نغمہ زارِ عشق میں سازِ خموش تھا

مستِ شباب یہ تری آنکھوں کی مستیاں
پڑتے ہی اک نگاہ نہ میں تھا نہ ہوش تھا

تنہائے فراق کی بیتابیاں نہ پوچھ
گویا کسی کے سوگ میں عالم خموش تھا

حد سے سوا نہ پی نہ ہوا سرگراں کبھی
کیا وضع دار ساغرِ پیمانہ نوش تھا

صبحِ وصل ان کی آنکھ ترجمانِ کیف تھی
کچھ سرورِ وصل تھا کچھ خمارِ خواب تھا

ہجر میں ملالِ وصل، وصل میں خیالِ ہجر
اب بھی اضطراب ہے جب بھی اضطراب تھا

ساغر ان کی ہر ادا کیوں نہ ہوتی کیف زا
مستیِ شراب تھی نشۂ شراب تھا

دل کا حال یاس میں یوں خراب ہو گیا
جو خیال آ گیا اضطراب ہو گیا

سادگی کی لذتیں کیوں وداع ہو گئیں
ہائے! عہدِ کمسنی کیوں شباب ہو گیا

انکی جلوہ گستری برقِ کوہِ طور تھی
ہر نظر سے چھپ گئی پھر حجاب ہو گیا

ہوں سبب کمال کا اہلِ حسن کیلئے
جو نظر پہ چڑھ گیا آفتاب ہو گیا

جل جلا کے بجھ گیا ساغر اپنا بختِ دل
کچھ کباب ہو گیا کچھ شراب ہو گیا

ہاتھ آتا ہی نہیں اے شوق دامانِ بہار
آرزو کے ساتھ بڑھ جاتا ہے میدانِ بہار

ایک چھینٹا خوابگاہ عندلیب زار پر
تجھکو بوندوں کی قسم اے ابر باران بہار

سر برہنہ گل بدامن ۔ ہاتھ میں جام شراب
جھومتا آتا ہے وہ کوئی پریشان بہار

کہیں بھی میرا ٹھکانا نہیں زمانے میں
نہ آشیانے کے باہر نہ آشیانے میں

پروں میں گل بھی ہیں کانٹے بھی ہیں شگوفے بھی
میں ہوں تو ایک گلستاں ہو آشیانے میں

بنی وہ بجلی کے ساغر زمین میخانہ
ہوئی تھی صرف جو مٹی مرے بنانے میں

وہ کرم جس میں ترا لطف ستم شامل نہیں
کیوں گوارا ہو کہ ہم رنگ مذاق دل نہیں

تجکو کیا معلوم انجام شکست آرزو
تو خدا رکھے ابھی فطرت شناس دل نہیں

اب غیر حشر کے دن کب حال دل کہینگے
میں نے تو شام کر دی اپنی ہی داستاں میں

آہوں کی بجلیاں بھی صیاد پر نہ ٹوٹیں
اُن کو بھی کوندنا تھا میرے ہی آشیاں میں

سوفار چھوڑ بیٹھے ناوک نکال لائے
تم نے زباں لگا دی ہر زخم کی زباں میں

میں ساغر جواں ہوں مست مئی مغاں ہوں
ساغر نہ ہوگا مجھسا ساقی تری دکاں میں

دین و دنیا ہے زمین و آسمان آرزو
دو جہانوں سے نہاں ہو اک جہان آرزو

نالۂ بلبل سے کیسی وجد میں ہو شاخ گل
پھول پتے سب سمجھتے ہیں زبان آرزو

آرزو کے چار حرف اور وہ بھی زین زندگی
زندگی کے چار دن اور وہ بھی جان آرزو

وسعت جوش تمنا کی کوئی حد ہی نہیں
میری ہر اک آرزو ہو اک جہان آرزو

نمک افشانیاں دیکھو تم اپنے زخم خنداں کی
جگر پر زخم ہیں یا چند تصویریں نمکداں کی

کہیں کمر نہ قدر ہو مجھے روز وصال کی
یہ زندگی کا ایک ہی دن عمر بھر میں ہے

صہبا کف ساقی میں اکسیر نظر آئی
شیشے میں جوانی کی تصویر نظر آئی

جب تک طپش دل میں تاخیر نظر آئی
شرمائی ہوئی جنوں دلگیر نظر آئی

اے حسن نظر تیری تاثیر نظر آئی
جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی

مایوسیوں نے دعوت دی موت کو فرقت میں
جب کوئی نہ جینے کی تدبیر نظر آئی

ساغر

طاری ہوئے وحشت کے آثار نشیمن پر
بل کھائی ہوئی ڈالی زنجیر نظر آئی

عالم ترے جلووں سے معمور اثر نکلا
دنیا تیری محفل میں دلگیر نظر آئی

ساغر مرے ہاتھوں سے چھلکی نہ مئے عشرت
ٹوٹا ہوا پیمانہ تقدیر نظر آئی

بجلی مرے نصیب کی ہے یا کوئی پھوار
کیا چیز دامنوں میں ہے بادل لئے ہوئے

وحشت کے ایک خار سبک میں یہ بار ہے
گویا ہوں سر پہ سینکڑوں جنگل لئے ہوئے

اب کر حساب بادہ کشی تو ہی محتسب
[illegible] ہوا ہے دوسری بوتل لئے ہوئے

اٹھتی ہے کچھ امنگ سی دل کے جنوں میں
جاتے ہیں پہ کچھ بہار کے بادل لئے ہوئے

قاتل تری جفاؤں پہ آ حشر دے گا
بسمل کو اپنی گود میں مقتل لئے ہوئے

جاتا ہوں میں آپ کے آستاں تک
جب چھپ کے نگاہ آسماں سے

رگ رگ میں بھری ہوئی خلش ہے
کانٹے نکلیں کہاں کہاں سے

ساغر

ساغر ۔ ڈاکٹر بجے نراین صاحب کا تخلص ہے۔ آپ اکبر آباد کے رہنے والے ہیں۔ عمر ۴۵ سال کی ہے۔ فارسی کی قابلیت بھی اچھی ہے۔ علم طب میں قانون شیخ و عروض و علم معانی میں حدائق البلاغت و معیار الاشعار مصنفہ طوسی پڑھ چکے ہیں۔ فن شعر میں جناب حکیم تفضل حسین کے شاگرد ہیں۔ مگر ابھی نو مشق ہیں۔ آجکل شفاخانہ کیکڑی ضلع اجمیر میں متعین ہیں۔ سادہ گو اور سلاست پسند ہیں۔ مشق سخن جاری رہی تو کلام میں لطف پیدا ہو جانے کی امید ہے۔

صحت ہو گیا دوا سے تری چارہ گر مجھے
عاجز ہوں تیرے علاج سے نقصان ہو گیا

مئے فی سبیل ہے مفت کی قاضی کو بھی حلال
میں پی گیا تو کیا [illegible] نقصان ہو گیا

ایک آدھ جام اور بھی ساغر کے ہاتھ سے
اٹکی رگوں ابھی سے مری جان ہو گیا

چڑھتے نہیں ہیں آج کسی کی نگاہ پر
کیا جانے گر کے آئے ہیں کس کی نظر سے آپ

زمانہ میں زمانہ آسماں جس کو سمجھتا ہے
نہیں تو کوئے جاناں کی زمیں معلوم ہوتی ہے

جدھر جاتے ہو برپا اک قیامت کر کے آتے ہو
تمہاری جان پر محشر کی زمیں معلوم ہوتی ہے

چمک اٹھتے ہیں ایسے اسکی تابِ حسن کے ذرے
زمیں گویا ستاروں کی زمین معلوم ہوتی ہے

حجاب آئینہ میں دیکھتے ہیں ہم اسے ہردم
تری تصویر بھی پردہ نشین معلوم ہوتی ہے

ساغر **ساغر** - مولوی مبارک حسین عظیم آباد کے رہنے والے ہیں - کلام صاف اور سادہ ہے سلاست کیطرف رجحان ہے - یہ نہ معلوم ہو سکا کہ فن سخن میں کسکے شاگرد ہیں - دو چار شعر جو ہاتھ آئے ہیں ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں -

غیر سے بدتر یگانہ ہو گیا
ہائے یہ کیسا زمانہ ہو گیا

بچ رہا تھا تیرِ مژگاں سے جگر
لیجیئے وہ بھی نشانہ ہو گیا

خوب قاصد کو ملا خط کا جواب
کہتے ہیں پوچھیں تو کہنا کچھ نہیں

ان حسینوں کیلئے اک کھیل ہے
عاشقوں کا مرنا جینا کچھ نہیں

کسکو کہتے ہیں بے مروت آپ
بیوفائی ہیں نام کس کا ہے

ساغر **ساغر** - مولوی اصغر علی صاحب خیرآبادی - شاگرد حضرت وسیم - نوجوان شاعر ہیں - اشعار طبیعت کی تیزی - ذہن کی رسائی کا پتہ دیتے ہیں - نمونۂ کلام یہ ہے -

سنتا ہوں بزمِ غیر میں وہ بھی تڑپ گئے
سنکر فسانہ میرے دلِ بیقرار کا

اللہ رے دشمنی کہ صبا نے پس فنا
گل کر دیا چراغ ہمارے مزار کا

ٹھکرا کے میری قبر کو تو نے مٹا دیا
اب تک خیال ہے تری دل کے غبار کا

چوری گیا ہے جام مرا میکدہ میں آج
ساغر یہ کام ہے تو کسی ہوشیار کا

ساغر **ساغر** - جناب میرزا محمد ذکی - آپ مرادآباد کے ساکن ہیں - جناب محشر لکھنوی سے تلمذ ہے - ابھی مبتدی ہیں - شعر کی بندشیں خوشنمائی کی دلیل ہیں طبیعت موزوں واقع ہوئی ہے کلام کا نمونہ یہ ہے -

صفحۂ حیرت پہ نقطہ دیکے کاغذ رکھ دیا
کھینچ سکا بہزاد سے آخر نہ خالِ روئے دوست

میرے مرنے کی خوشی کیجیے حضور
دشمنوں کو آپکے یہ غم رہے

دردِ فرقت میں یہ حالت ہوگئی بیمار کی
ہو کے سب مایوس قرآں کی ہوا دینے لگے

ساقی

ساقیؔ - منشی محمد محسن علی صاحب ۔ آپ نگینہ کے باشندے تھے ۔ فنِ سخن میں حضرت ناسخ لکھنوی سے تلمذ تھا ۔ بیان میں سادگی زبان میں سلاست کا جزو اعظم تھا ۔ الفاظ کی مینا کاری سے قطع نظر کرتے ہوئے معنی پرستی کو اپنی شاعری کی روح رواں جانتے تھے ۔ کلام یہ ہے :-

کبھی جنت کبھی دوزخ کبھی گلشن کبھی دشت
ایسے نقشے ہوسِ خام نے دکھلائے بہت

کس مرتبہ ہے طولِ شبِ انتظار آج
شاید لبا میں شب میں ہے روزِ شمار آج

اپنے خوشی کا نام ہے ہمکو خیال و خواب
وہ دن بھی تھا نہ تھا ہمیں خواب خیال رنج

لائی تھی کھینچ یاں ہمیں صیاد کی ہوس
تھی ورنہ کس کو گلشن ایجاد کی ہوس

وہ ناتواں ہوں قتل سے پہلے ہی مرگیا
افسوس ہے کہ نکلی نہ جلاد کی ہوس

یوں روح کو ہے اُس بتِ گلرو سے ارتباط
جسطرح گل کو رنگ سے او رہے ارتباط

ساقی

ساقیؔ - منشی شنکرلال صاحب خلف منشی خوبچند صاحب تحصیلدار ساکن سکندر آباد ۔ آپ ۱۸۶۳ء میں کلکٹری سہانپور کے پیشکار رہتے اور ملازمت کی وجہ سے وہیں اقامت اختیار کرلی تھی ۔ رندانہ مزاج ۔ صلح کل مشرب بزرگ تھے ۔ ہر وقت بادۂ سخن سے سرشار رہتے تھے ۔ اُردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے ۔ منشی بالمکند بےصبر شاگرد میرزا غالب آپکے زمانۂ قیام سہانپور میں سررشتہ دار بندوبست تھے ۔ آپ انہیں سے اُردو زبان میں اصلاح لیتے ۔ اور فارسی کلام منشی ہرگوپال تفتہ مرحوم کو دکھاتے تھے ۔ بھاشا میں بھی آپکا کلام موجود ہے ۔ آخر عمر میں رعشہ کا عارضہ ہوگیا تھا چلنے پھرنے سے معذور تھے ۔ آپنے ۱۸۹۷ء میں انتقال کیا ۶۴ سال کی عمر پائی ۔

تینوں زبانوں میں کلام جمع ہوگیا تھا مگر اشاعت کی نوبت نہ آئی ۔ کلام سے شوخ مزاجی اور زندہ دلی نمایاں ہے ۔ زورِ بیان سے مشکل زمینوں میں شعر نکال لیتے ۔ اور اپنے بندش سے معمولی مضامین کو بھی آسمان پر پہونچا دیتے ۔ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے :-

دباتے ہم نہ دل اپنا جو چٹکی میں
عجب چشم فسوں گر کی ہے یہ تاثیر چٹکی میں
جنہیں آنکھیں ملاتے بات کرتے شرم آتی تھی
دل عاشق میں ہو تو ہو وگرنہ حضرت ساقی
بتا دیں۔ تھا یہ چھلا کل تمہارا کسکی انگلی میں
اُڑا لائے مسیحا بنکے شاید حضرت ساقی
دعوی کیا تھا کال مشکین یار سے

تو پھر بجلی اُڑاتے نالۂ شبگیر چٹکی میں
نشانہ اُڑ گیا اور ہے نظر کا تیر چٹکی میں
وہ اب ہمکو اُڑاتے ہیں دم تقریر چٹکی میں
خدا کا نام لو اکسیر ہے اب کس کی چٹکی میں
خفا ہو گئے جو اسکا نام لیں تھا جسکی انگلی میں
انگوٹھی کل یہ گر جا گھر میں تھی اک مس کی انگلی میں
آنے لگی ہے مشک ختن سے خطا کی بو

ساقی

ساقی ۔ سرشار بادۂ سخن و دلدادۂ رنگ کہن پنڈت جواہر ناتھ دہلوی المخاطب "بلبل کشمیر" آپ کول فرقہ کے کشمیری پنڈتوں میں ادبی قابلیت کے اعتبار سے طرۂ امتیاز رکھتے تھے

آپکے مورث اعلیٰ راجہ پنڈت سدانند کول عہد اکبر شاہ میں وارد آگرہ ہوئے۔ ان کی بزرگی اور کمالات باطنی کے باعث شاہی دربار میں بڑی قدر و منزلت کیگئی اور پنج ہزاری امرا کے زمرہ میں جگہ دی گئی "غمخوار برادران" کے لقب سے سرفراز کئے گئے۔ آپکی اولاد میں راجہ صاحب رام نواب شجاع الدولہ کے مصاحب ہوکر اودھ چلے گئے۔ اور انکے برادر خورد راے بھولا ناتھ جو حضرت ساقی کے پردادا تھے گورنر جنرل کے میر منشی مقرر ہوئے۔ پنڈت بدری ناتھ کول میر منشی صاحب کی قابل یادگار تھے۔ جنکو راجہ صاحب ریواڑی نے اپنے ہاں دیوان مقرر فرمایا تھا۔ ساقی صاحب کے والد پنڈت برج ناتھ صاحب کول موضع بیاس ضلع بلب گڑھ کے لیوہ دار تھے آپ کچھ دنوں تک سرکاری ملازم رہنے کے بعد راجہ جنگ بہادر والئے نان پارہ کی مصاحبت میں داخل ہوئے اور وہاں نہایت اعزاز و احترام سے رہے۔ ساقی صاحب کے نانا پنڈت رام کشن صاحب دہلوی بھی شاعر تھے جو بسمل تخلص کرتے تھے۔ اور پرانے دہلی کالج میں ایک لائق اور قابل مدرس تھے۔

جناب ساقی کو پندرہ برس کی عمر میں شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا۔ حکیم لطیف حسین صاحب

ساقی

سے فارسی پڑہی۔ اور شاعری میں پنڈت امرناتھ آشفتہ دہلوی سے شرف تلمذ حاصل کیا فارسی
سخنوری میں میر شاہجہاں کامل سے اصلاح لیتے رہے جب آشفتہ مرحوم پنجاب چلے
گئے تو نواب سید محمد ذکریا خانصاحب زکی ارشد تلامذہ حضرت غالب سے سلسلۂ تلمذ مضبوط کیا۔
زمانہ کی بے مہری نے حضرت زکی مرحوم کو بھی دلی میں نہ رہنے دیا۔ وہ صوبہ جات متحدہ کے
مدراس میں ڈپٹی انسپکٹر ہوکر وہاں چلے گئے تو انہوں نے اپنے احباب سے مشورۂ سخن رکھا۔ پنڈت
امرناتھ صاحب ساحر منشی رام رچپال سنگھ شیدا سے عرصہ تک شاعرانہ صحبتیں گرم رہیں
تھوڑے دنوں کے بعد مولوی محمد حسین صاحب شہید الہ آبادی کے انتقال نے انکو شاعری
کیطرف سے برداشتہ خاطر کردیا مگر دلی کے مشاعروں نے پھر ابھارا اور اس میدان میں لا کھڑا کیا۔
آپ مشکل اور سنگلاخ زمینوں میں اچھے شعر نکالتے۔ تصوف سے معرفت۔ ویدانت سے دل کو
لگاؤ تھا۔ خیالات نازک اور لطیف تھے۔ باطنی جذبات کو ظاہری الفاظ میں ادا کرنا انکا حصہ
تھا۔ آپکے کلام بلاغت نظام میں بعض ایسے اشعار موجود ہیں جو قدما کی نازک خیالی کو یاد
دلاتے ہیں۔ نرالی بندشوں اور نئی ترکیبوں کے برتنے میں مشاق تھے۔ وحدۃ الوجود اور
مشاہدۂ حق کے مضامین شاعرانہ تخئیل میں رنگا رنگ کیفیت پیدا کردیتے۔ نہایت پرہیزگار
متقی بےفکر دوست۔ ملنسار۔ خوش مزاج شخص تھے۔ سادھوؤں۔ جوگیوں اور صوفیوں کو
دل سے عزیز رکھتے۔ ساقی صاحب مولف تذکرہ کے مہربان تھے ۱۳۱۱ھ میں چالیس
پچاس غزلوں کا خود انتخاب کرکے مجھے دیا تھا۔ اُس کے دو برس بعد ۵۲ برس کی عمر میں ۱۳۲۰ھ
میں خفیف علالت کے بعد انتقال کیا مسودات ضخیم یادگار چھوڑے جنہیں آجکل پنڈت امرناتھ
ساحر انکے رفیق دیرینہ مرتب کرکے دیوان شایع کرنے کا ارادہ کررہے ہیں۔ ساقی صاحب
لاولد فوت ہوئے۔ کلام یہ ہے۔

ذوقِ نظارہ میسر او دیدۂ حیراں نہ ہوا	پردۂ رخ اٹھ گیا چشم نگہباں نہ ہوا
ہیں جو مجذوب ازل تھا انکی ہویت	صبح محشر سے ذرا چاک گریباں نہ ہوا

ابنِ مریم کی صفت اُسمیں ہو کیونکر مانوں
ہم بھی گر پڑ کے گدایانہ بسر کرتے ہیں

ہوگئے یک جان و دو قالب بھی ہی وضع رہی
مجھکو خاموش جو دیکھا گلِ رعنا نے کہا

کبھی تو چاہنے والوں کی بھی خبر لینا
یہ ساغرِ سرشار چھلک جائے نہ ساقی

رازِ درونِ پردہ کہوں تجھسے کیا ندیم
جو آج مدِ نظر ہے وہ ہم نے جان لیا

ہماری وسعتِ مشرب جنوں خیز تماشا ہے
شراب خانے میں اب معتکف ہو ساقی

نہاں سے عیاں ہو عیاں سے نہاں ہو
کثرت ہے عین وحدت اہلِ مشاہدہ کو

ہے رہگذر کو آج گماں اوجِ عرش کا
دشمن کو دوست۔ دوست کو دشمن بنا لیا

دوئی کا نقش مٹا دل سوائے کاش
اٹھ گیا پردہ نظر کا جب قریب و دور کا

نردبانِ عشقِ حقیقی کا ہے یہ عشقِ مجاز
گر تجھے حسنِ عقیدت ہے تو ہو ہمت خواہ

رنگِ شکست کیوں نہ ہو حالِ امیدوارِ شب
دردِ شکیب سوز ہے۔ کرب وہی ہنوز ہے

دن کو خیالِ وصل کا رات کو دردِ ہجر کا
جس مسیحا سے مرے درد کا درماں نہ ہوا

نہ سہی سر بفلک گنبدِ ایواں نہ ہوا
تم بھی ہندو نہ ہوئے میں بھی مسلماں نہ ہوا

آج کیوں بلبلِ کشمیر غزل خواں نہ ہوا
تم اپنے بھولے ہوؤں کو بھی یاد کر لینا

مدہوش نہ ہو شغلِ مے آشام کئے جا
اپنا فسانہ ذکر کے قابل نہیں رہا

ہمارا آپ نے سو طرح امتحان لیا
نہاں دل میں یہ کیسا دامنِ صحرا نکل آیا

وہی یہ رند ہے مسجد میں جو امام رہا
یہ جادہ ملا ہے سفر در وطن کا

ہے شاہدِ حقیقت آئینہ اس سخن کا
یہ کون جلوہ ریزِ لبِ بام ہوگیا

شیوہ ترا یہ کیا بت عیار ہوگیا
مۓ وحدت سے میں سرشار رہوتا

ہو گیا آنکھوں میں گھر اس شاہدِ مستور کا
دار پر چڑھنا بھی اک معراج تھا منصور کا

جلوہ گر ہوتے ہیں خاصانِ خدا آخرِ شب
تو ہی تو عشوہ گر ہوا باعثِ انتشارِ شب

دیکھ نہ ہو وہ بیوفا آج کہیں نثارِ شب
شغل وہ روز کا ہوا اور یہ کاروبارِ شب

اب نہیں وقفِ انتظار رات کو مل گیا نگار — میرا کریم کارساز ہو گیا پردہ دارِ شب
اسکا شعار کیوں نہو پاسِ حجابِ عاشقاں — شب ہے ہماری رازداں ہم جو ہیں رازدارِ شب
چھپ نہ سکا حجاب میں عشوۂ حسنِ خودنما — آیا جو ماہ اوڑھکر چادرِ زرنگارِ شب
پیرِ مغ ساقی نے سرمست کو بے ہوش کیا — کیوں دیا جامِ مے ہوش آ آخرِ شب

ہے دیدۂ یعقوب ہمارا دلِ نالاں — ہو جلوہ نما یوسفِ بازارِ محبت
دکھا دوں میں تمہیں یوں دن کیسے پھرتے ہیں — کبھی تم آ کے رہو میرے پاس ساری رات
اس نازکی پہ کیونکہ ہوا میرا عزمِ قتل — تیغ جفا کو باندھینگے کس کی کمر سے آپ
آستانِ پیرِ مغاں کا ہو جہاں میں ممتاز — رندِ سرمست جو ہیں انکا ہے سرِ نیاز

حیرتِ خامشی فزا کب تک — کششِ آہِ نارسا کب تک
عشوہ ہائے ستم فزا کب تک — رنجشِ آشتی نما کب تک

آئی جو رت بسنت کی پھبی ہے جو پی قبا — ہو گئے محوِ دلبری لالہ رخانِ سبزہ رنگ
نگاہِ شاہدِ سرمست محوِ گل بازی — سرور خندۂ گل ہے شرابِ خندۂ گل
فروغِ رنگِ شفق ہے حنائی پائے نگار — فدائے نقشِ کفِ پا شبابِ خندۂ گل
ہوا ہے اسکا دل تنگ مثلِ گل خنداں — پڑے وہ شوق سے حسنِ لبِ خندۂ گل

بتائیں کیا تمہیں ہم حال اپنا حضرت ساقی — عجب حالت ہماری ہے جیتے جی مٹتے ہیں
من و تو کا جھگڑا مٹائے ہوئے ہیں — جو اس شوخ سے دل لگائے ہوئے ہیں
ہمارے کئے کی سزا و جزا ہے — بگاڑے ہوئے ہیں بنائے ہوئے ہیں
تیرے بیمار کی آساں یہ مشکل ہو جائے — بیوفا بول کہ یہاں کام ہیں اٹکے لاکھوں
آج کیا پیرِ مغاں کیف کا حلقہ ہو گا — مست پیمانہ ہو تشنہ ہیں بادے کے لاکھوں
آج میخانہ میں وہ ساقی دریا دل ہے — جام مے پینے لگے پیتے ہیں پینگے لاکھوں
تیرا دلِ بلبل کسی غنچۂ شگفتہ نہ ہوا — باغ میں آ کے ہیں غنچے چٹکے لاکھوں

ساقی نے مست کو اک ساغر سرشار ملے　　رندے نوش یہاں پی گئے مٹکے لاکھوں

ہجر کی اب کہاں ہے تاب نہیں　　زندگی ہوگئی عذاب نہیں
تونے دونوں جہان سے کھویا　　اے دل خانماں خراب نہیں

جسکی صورت دیکھکر جاتی ہے اک عالم کی جان　　ہم بھی اُس رعنا جواں کے دیکھنے والوں میں ہیں
اضطراب مرض عشق کی دیکھو تشخیص　　مجھکو وحشت ہے اطبا خفقان کہتے ہیں
جما ہے اعتبار نالہ ان کے دل پہ کچھ ایسا　　خموشی پہ بھی میری ہاتھ وہ کانوں پہ دہرتے ہیں
کیف و سرور عشق ہے رنگ نور عشق سے　　جلوۂ نور عشق ہے آج میان میکدہ
وہ جو یہاں ہے خوش ادا کیوں نہ خوش نما فضا　　روضۂ دلکشا ہوا جس میں مکان میکدہ
جو ہے یہاں وہ مست ہے ساغر مئے بدست ہے　　ساقئ مے پرست ہے روح روان میکدہ
بڑے زور دل سے کی گو داغ طو تکفیر مٹیا نہ　　رہی تائید غیبی سے وہی توقیر مٹیا نہ
آتے جاتے آپ ہی اک روز وہ کھل جائینگے　　رفتہ رفتہ ان کو میرا اعتبار آنے لگا و د
کیا ہے وعدۂ صبر آزمانے وا رفتہ　　قرار دل کو ہوگیا اب وداع تمکیں سے ہے
تمہارا جلوۂ رعنا ہوا بہار نشاط　　نگاہ حسن تماشا نگاہ گلچیں سے ہے
لب جاناں کا اثر حسن کشش عشق کا دم　　کیوں نہ ہو ہم نفسو ہوش ربا نالہ نے
دلکشائی کا سبب جانتے ہیں اہل سماع　　فتح باب رہ دلدار ہوا نالہ نے
شیفتہ اسکے ہیں صاحب نظران معنی　　حرم دل میں یہ کرتا ہے ضیا نالہ نے
تماشا کر رہا ہے رنگ نیرنگ فسوں گر　　اشارہ غیر سے ہوتا ہے ایا ہم سے ہوتا ہے
چاندنی میں سیر کر اے مہ لقا برسات کی　　رات بن جائیگی صبح دلکشا برسات کی
کیوں نہ ہو نخل تمنا ہر کا اس سے ہرا　　سال بھر رہتی ہے یہ نشو و نما برسات کی
خلش ناوک فرہ سے ہنوز　　تیر مارے ہیں بے خطا تم نے
لو خاک میں ہی مل گئے دل کے غبار سے　　اب تو تمہارے دل میں کدورت نہیں رہی

پتہ ملتا نہ ہو جس کا کسی کو	ہماری بیخودی کا وہ نشاں ہو
جسے کہتے ہیں سب گردونِ گرداں	ہماری آہ سوزاں کا دھواں ہو
کیا بتاؤں تمہیں کہتے ہیں کسے فتنۂ حشر	دو قدم دیکھ لو چل کر کہ قیامت کیا ہے
ہم تو یاں ہجر کے معنی بھی سمجھتے ہیں وصال	اور ہوں گے جو ترے وصل کے خواہاں ہونگے
شکوہ ایفا کا کبھی ان سے نہ کرنا ساقی	پھر وہی قول وہی وعدہ وپیماں ہونگے
طالب ہیں ہم بھی اک نگہ التفات کے	تیری نظر سے ایک جہاں کامیاب ہے
بنے ہیں یاور سے بخت کے شہید وفا	مراد آج ترے تیر بے خطا نے دی
ہوا ہے کچھ اثر قلب عاشقاں پیدا	خبر یہ ہمکو دل دردِ آشنا نے دی
وہ آ رہے ہیں یہ نوید ایک آشنا نے دی	زہے نصیب کہ توفیق تو خدا نے دی
تماشا ہے نظر عین تماشا	ہماری آنکھ بھی کس سے لڑی ہے

ساقی

ساقی ۔ منشی عابد علی خلف حکیم عابد علی کوثر خیرآبادی۔ آپ جناب رحیم برادر حضرت ریاض سے اصلاح لیتے ہیں۔ ابھی نومشقی کا عالم ہے۔ زبان سنبھلنے کی کوشش کرتے ہیں نتائج فکر کا نمونہ یہ ہے ؎

ہجوم عاشقاں دیکھا تو بولے	یہ سب کشتے مرے ہیں ہیں پر
ہوا دنیا جو دودِ آہ سوزاں	فلک سے آگ برسے گی زمیں پر
جبیں فشاں جو تم اپنی جبیں پر	تماشے رشک سے تڑپیں زمیں پر
نہ کیوں قسمت پہ ہیں نازاں ہوں اے تیغ	مرا خون اور اس کی آستیں پر
نہ اس نے بدنگاہی کی نہ اس نے بدزبانی کی	بگڑتے کیوں ہو نرگس سے الجھتے کیوں ہو سوسن سے
طلائی طوق ہو یا نقرئی زنجیر یا گیسو	نہ لپٹے وصل میں کوئی بھی آکے گوری گردن سے
بہت کی منت وشیوں گو حضرت اشنے ای ساقی	مگر چھوٹا نہ اس کا داغ انکے پاک دامن سے
وہ ہنستے آئیں تو مری لحد تک	رہیگی شمع گور انکو رُلا کے

ہوئی توبہ مری آب آب ساقی
پہ رکھدی کون سے تونے ساقی نے لا کے

ساقی

ساقی ۔ منشی ولی محمد خاں صاحب ۔ رئیس قصبہ ہٹہ ضلع فتحپور ۔ آپ حضرت وسیم خیرآبادی کے شاگرد ہیں ۔ خوشفکر شاعر ہیں مگر زبان اور سادگی کے ساتھ ہی ساتھ تشبیہ ۔ استعارہ کی میدان میں بھی گامزن ہوتے ہیں ۔ کچھ شعر درج ذیل ہیں ؎

ملا نہ خاک میں اے چرخ خوں شدہ دل کو
کہ اسکا خون ہے پاے نگار کے قابل

تو ایسی عمر میں اس کو نہ منہ لگا اے شیخ
نہیں ہے دختر رز تیرے پیار کے قابل

رہے نہ دل میں کدورت کسی کی جانب سے
یہ آئینہ نہیں گرد و غبار کے قابل

گل سر تک نہ ٹپکا عدو کی تربت پر
اٹھا یہ پھول ہیں میرے مزار کے قابل

ساقی

ساقی ۔ سید شاہ نظام الدین احمد خلف الصدق سید شاہ قطب الدین احمد متخلص بہ باقی آپ داناپور عظیم آباد کے رہنے والے تھے سنہ ۱۲۸۲ ہجری میں پیدا ہوئے ۔ فارسی عربی اور علم طب میں ماہر تھے ۔ طبیعت دار اور ملنسار شخص تھے ۔ سرکار انگریزی میں قانون گوئی سے تحصیلداری کے رتبہ پر پہونچے سنہ ۱۳۰۹ھ میں اپنے والد کے بعد سرکاری ملازمت کو خیرباد کہکر کسب باطن کیطرف متوجہ ہوئے سنہ ۱۳۱۱ھ میں سجادہ نشین خانقاہ مقرر ہوئے ۔ اور اس منصب کو خوبی سے انجام دیا ۔ فن شعر میں اپنے والد ماجد ہی سے تلمذ تھا ۔ شاعری میں کچھ زیادہ دستگاہ نہ تھی صرف موزوں طبع تھے سنہ ۱۳۲۶ھ میں یکم ربیع الثانی کو ۴۴ سال کے سن میں رحلت کی اور داناپور میں دفن ہوئے ۔ سید شاہ حسین احمد صاحب انکی یادگار ہیں ۔ کلام یہ ہے ۔

بیدل ہوں کچھ تمہیں مری تسکیں ضرور ہے
پہلو سے میرے صورت دل تم جدا نہو

ڈرتے ہیں اپنے سایہ سے وقت خرام ناز
پھر بھر کے دیکھتے ہیں کوئی دوسرا نہو

یارب شب وصال ہے اُس چشم ناز میں
شوخی سمائے اتنی کہ دخل حیا نہو

ساقی تم اپنے دل کی خبر تو سے پوچھتے ہو کیا
دیکھو تو جاکے اُس کی گلی میں پڑا نہو

جب نقابِ رخِ پرنور اٹھا جھپکی آنکھ　　تابشِ برقِ تپاں جلوۂ رخسار میں ہے

ساقی

ساقی ۔ محمد احد علی صاحب کاکوری کے رہنے والے ہیں متقدمین کا انداز پسند کرتے ہیں شعر میں تشبیہات اور تلمیحات کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ ایک غزل کے چند شعر درج کئے جاتے ہیں ؎

وصل میں حسنِ رخِ یار دوبالا ہوتا　　گرد اس چاند کے رخسار کا ہالا ہوتا
کھلتا ہے دیکھ کے آئینہ میں آنکھیں وہ شوخ　　ہرن آنا تو نہیں دھوپ میں کالا ہوتا
چھوڑتا دل کے پھپھولے میں دبا کر اسکو　　آسمان کاش مرے پاؤں کا چھالا ہوتا
بال کھولے ہوئے بیٹھے ہو جو ہنس دیتے تم　　رات اندھیری تھی ذرا اس میں اُجالا ہوتا

ساقی

ساقی ۔ کوئی صاحب آرہ کے رہنے والے ہیں۔ بزم سخن گیا میں کلام شایع ہوا رہتا ہے موزوں طبع سادہ گو ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

دل پریشاں ہوگیا زلف پریشاں دیکھکر　　روئے ہم اپنی بربادی کے ساماں دیکھکر
پھر ہوا سر میں سمائی پھر ہوا جوشِ جنوں　　پھر بڑھی وحشت مری چاک گریباں دیکھکر
کہہ گئے ہم ڈرتے ڈرتے حرفِ مطلب کو مگر　　خوش پشیماں ہو گئے اُن کو پشیماں دیکھکر
شادی و غم کا سماں آنکھوں میں میری پھر گیا　　گل کو خنداں دیکھکر شبنم کو گریاں دیکھکر

ساقی

ساقی ۔ محمد جعفر صاحب گوپامئو کے باشندے تھے۔ فارسی اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے۔ فن شاعری میں جناب صہبائی دہلوی سے تلمذ تھا [illegible] میں زندہ تھے۔ اسی زمانہ کا یہ کلام ہے ۔

سو تیر لگے دل پہ مرے طرفہ فسوں ہے　　سینے میں کوئی زخم نمایاں نہیں دیکھا
آبِ دمِ خنجر کو سمجھتا ہے مئے ناب　　ساقی دل مخمور سا نادان نہیں دیکھا

الکت

ساکت ۔ ماہرِ رموز سخن دانی۔ واقفِ اسرارِ نکتہ دانی مولوی بوالحسن صاحب ساکن امروہہ ضلع مرادآباد۔ آپکے والد حکیم عبدالصمد صاحب۔ امروہہ کے قدیم شعرا میں سے تھے

آپ عربی۔ فارسی دونوں زبانوں میں دستگاہ رکھتے تھے۔ فارسی اساتذۂ رامپور اور عربی اپنے عم حکیم سید محمد حسین مرحوم سے حاصل کی تھی۔ معانی بیان عروض وقوافی میں کامل تھے حافظہ کی یہ حالت تھی کہ کوئی مضمون ہو عرصہ تک سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے تھے۔ اور ہر مسئلہ کے متعلق بیسیوں مثالیں نوک زبان تھیں۔ انکی پھڑکتی ہوئی تقریر زندہ دلی اور ظرافت کی جان ہوتی تھی۔ دوست نواز اور وضع داری میں فرد تھے۔

آپ کسی رنگ میں بند نہ تھے۔ غزل۔ قصیدہ۔ مخمس۔ مسدس کے سوا ریختی بھی کہتے تھے۔ مگر ایسا کلام ہمیشہ دوسروں کو دیدیتے تھے۔ نہایت زود گو شاعر تھے ہمیشہ معاصرین سے معرکہ آرائیاں رہیں۔ مگر پالا انہیں کے ہاتھ رہا۔ مرد قانع اور متوکل شخص تھے شاگردوں سے اصلاح کا معاوضہ نہ لیتے تھے۔ آپ نے والئی اودے پور کی شان میں قصائد لکھکر بھیجے تھے لیکن جب وہاں سے طلبی ہوئی تو امرا کے دربار میں قصیدہ گوئی کی حیثیت سے جانا اپنے عارض کمال پر بدنما داغ خیال کیا اور اپنی رہی سہی جائداد پر قناعت کئے ہوئے بیٹھے رہے۔ اپنے ساتھ اپنی جائداد کا بھی خاتمہ کر گئے۔ دیگر فنون کے علاوہ آپکو مرغ بازی میں بھی دلچسپی تھی اور اس شوق میں ہر سال امروہہ سے بدایوں جاتے تھے۔

آپ فن سخن میں حضرت نظام رامپوری کے ارشد تلامذہ سے تھے اور اُستاد کا انداز بیان اختیار کرنے میں انکو کامیابی حاصل تھی مگر افسوس ہے کہ زمانہ کے انقلاب سے ہمیشہ زاویہ گمنامی میں رہے اور کلام کی شہرت نہوئی۔ مرحوم غزل گوئی میں یکتا تھے حسن و عشق کی گھاتوں کو نہایت خوبی سے نظم کرتے تھے۔ ادائے بیان بے تکلفانہ تھی۔ دلی واردات کو تخیل کا جامہ پہناتے ہوئے مضمون کو بھی ہاتھ سے نہ کھوتے۔ میر کرامت علی خلش اجمیری مولوی غلام نبی شاعر ابتدا میں آپ ہی کے شاگرد تھے۔ میر جواد حسین شمیم امروہوی کو بھی آپ سے فخر تلمذ حاصل تھا۔ ۱۳۱۸ھ ۱۹۰۰ء میں وفات پائی جو کلام مولوی حکیم مظہر الہادی صاحب سہیل طبیب کوٹہ نے روانہ کیا ہے وہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے ٥

وہ یہ کہتے ہیں کہ تو کیا اور تری تقصیر کیا
دل پہ دزدیدہ نظر کی چوٹ کیا کاری لگے
رنگِ شوخی کے سبب کوئی ٹھہرتا ہی نہیں
نہ مرجاؤں تو لاؤں لیے صدمہ کو جگر کس کا
یہاں سے ہے تذکرہ انکا وہاں ذکر عدو ہر دم
جنہیں اپنا سمجھتا ہوں وہی اپنے نہیں ساکت
شفق نے رنگ اڑایا ہے ترے سیتانی کا
رکاوٹ ہو تری جانب سے پھر دیکھیے اے قاتل
طریقِ عشق میں دونوں کے دعوے ہیں برابر کے
غیر جب بزم میں مختار بنے بیٹھے ہیں
کاٹ دیتے ہیں ہر اک بات مری جھنجلا کر
جس قدر ہم پہ ترے جور و جفا ہوتے ہیں
دم میں ہنس دیتے ہیں دم بھر میں خفا ہوتے ہیں
بھول جاتے ہیں خدا کو بھی بتوں سے مل کر
چھپ کے وہ میری نگاہوں سے جو ٹل جاتے ہیں
سر کٹا کر ہیں تقاضے سے اجل کے چھوٹا
ایک جیب کو ہرائی ہے ہنسی ہو ساکت
ہوا بیباک کھلتے کھلتے یار آہستہ آہستہ
دبے پاؤں وہ آئے فاتحہ خوانی کو مرقد پر
گیا ہے ملکے ملکے اس طرح عالم جوانی کا
وہ اس انداز سے آئے شب وعدہ میرے گھر پہ

ہیں کس منہ سے کہوں کرنے ہو تقریر کیا
لے میرے ناوکِ فگن توڑی کمان کا تیر لیا
صفحۂ قرطاس پر کھینچوں تری تصویر کیا
رکھا ہے غیر کے زانو پہ دیکھیں آپ سر کسکا
سنا ہے درمیاں دونوں کو دعویٰ ہے کسکا دیکھیں
دل و جاں گر نہیں اپنے تو پھر ہو گا جگر کسکا
شعاع مہر نے پر تولیا گوری کلائی کا
کہ تیری تیغ بھی دم بھر رہی ہے کج ادائی کا
نہیں ہے آشنائی کا انہیں نا آشنائی کا
آپ کس بات پہ سرکار بنے بیٹھے ہیں
آج غصہ میں وہ تلوار بنے بیٹھے ہیں
حوصلے سب کو محبت کے سوا ہوتے ہیں
کبھی کیا ہوتے ہیں وہ اور کبھی کیا ہوتے ہیں
بت نہیں ملتے تو ہم یادِ خدا کرتے ہیں
تیغ کے آغوشِ تصور سے نکل جاتے ہیں
خوب اپنی بسر ہو گی سبک دوشی میں
فائدہ ہم نے بھی سوچا ہے خاموشی میں
آیا ہے وصل میں پھولوں کے بار آہستہ آہستہ
چھوا پھر ناز سے میرا بدن آہستہ آہستہ
نشہ کا جیسے ہوتا ہے اتار آہستہ آہستہ
چمن میں جیسے آتی ہے بہار آہستہ آہستہ

تھا نہ دل میں نہ ارمان ہیں نہ حسرت کا ہجوم
ایک جانے سے جوانی کے یہ ویرانی ہوئی

نیا انداز دیکھو آئینہ رکھکر مقابل میں
اشاروں میں وہ باتیں کر رہے ہیں اپنے جوبن سے

تمہارے حسن کا پھولوں بھرا سنگار رہے
رہے جو ہاتھ میں گجرا گلے میں ہار رہے

کہا یہ گریۂ چشم پر آب سے میری
جدا جدا میرے اشکوں کا تار تار رہے

واہ کیا بات تری لغزش گفتار کی ہے
بات اقرار میں ملتی ہوئی انکار کی ہے

مرا دل لیکے مٹھی میں وہ بولے
ہمارے ہاتھ میں بتلاؤ کیا ہے

سالک

سالک - نواب سید احمد حسین خاں مرحوم خلف اصغر نواب سید علی حسین عرف نواب دولہ صاحب تھا - جو نواب معتمد الدولہ وزیر شاہ اودھ کے داماد تھے ۱۲۰۷ھ میں پیدا ہوئے - بڑے معاملہ فہم اور عالی ہمت رئیس تھے - معتمد الدولہ کے نواسے ہونے کے وثیقہ میں گرانقدر رقم ملتی تھی - کانپور میں امیرانہ ٹھاٹ سے زندگی بسر کرتے تھے خلیق با مروت - ذی استعداد و علم دوست تھے - کتاب بوقلمون - دلو رکشکول - رسالہ تحقیق اللغات خمسہ ہفت بند کاشی - زبدۃ المورخین - اسلوب الانشا - کلیات نظم فارسی آپکی تصنیف و تالیف سے ہیں - آپ نواب سید بنیاد حسین خاں جاہ رئیس اعظم مرحوم کے والد تھے ۹۲ برس کی عمر پائی - بعارضہ دق ۲۰ محرم الحرام ۱۲۹۹ھ کو انتقال ہوا - آپکی نعش کانپور سے نجف اشرف روانہ کیگئی وہیں مدفون ہوئے - دو شعر جو دستیاب ہوئے ہیں درج ذیل ہیں

یارب شب وصال مری مختصر نہ ہو
اتنی بڑے کہ تا بہ قیامت سحر نہ ہو

چبھو کر پاؤں میں کانٹوں کو سالک آبلے ڈالو
کہ تم ہو بادشاہ ملک غم طبل و علم لے لو

سالک

سالک - ناظم نامی سخنور گرامی - یکتائے اقالیم و ممالک - میرزا قربان علی بیگ سالک خلف نواب میرزا عالم بیگ خاں - آپ حیدرآباد میں پیدا ہوئے مگر آپکی شاعری کا وطن دہلی ہے - زندگی کا بڑا حصہ یہیں صرف ہوا - چھ برس کی عمر سے اسی شہر میں تعلیم و تربیت پائی - مہاراجہ شیودان سنگھ والئی الور کی سرکار میں عزت افزائے عہدۂ وکالت

تھے۔ انکے بھائی بھی شاعر تھے۔ رضوان تخلص تھا۔ انکا مرثیہ سالک نے بڑے زور کا لکھا۔ آپنے سب سے پہلے حضرت مومن کو اپنا کلام دکھایا پھر مرزا غالب کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہوئے اور اُن سے مدت العمر تا یہ انتہا نبھتے رہے۔ اُستاد کی دلی توجہ کے باعث بہت جلد وہ بہترین شاعر بن گئے اور معاصرین میں ممتاز ہوگئے۔ نازک خیالی میں فرد مضمون آفرینی میں بے نظیر تھے۔ فصاحت بلاغت۔ کلام کا قابل داد جوہر ہے۔ بندش کی نفاست اور صفائی اپنے ساتھ سوز و گداز کو لئے ہوئے ہے۔ آپ حسن و عشق کے رموز بیان کرنے میں انسانی فطرت پر گہری نگاہ ڈالتے تھے۔ معاملہ نگاری میں عامیانہ روش سے بچتے تھے۔ آپنے عاشقانہ زندگی کے مقصد کو اپنی جدت پسند طبیعت کے سانچے میں ڈھال کر یوں بیان کیا ہے ؎

تم غیر کے ہوئے تو رہا کیا جہان میں
گویا ہمارے واسطے یہ بھی بنا نہ تھا

حضرت سالک مبالغہ کے دشوار گذار میدان میں بھی شوخ بیانی کو مدنظر رکھتے تھے۔ طرز ادا سے شعر مزیدار ہوجاتا تھا۔ آپنے اپنے گھر کو "ماویٰ آفات" قرار دیتے ہوئے اس مضمون کو عجیب طریقے سے بیان کیا ہے کہ جس فتنہ کو میرے گھر کی راہ نہ ملی وہ شورش کدۂ قیامت میں داخل ہوگیا۔ فرماتے ہیں ؎

ناچار ہوا وادیٔ محشر کو روانہ
جس فتنے نے پایا نہیں رستہ مرے گھر کا

اپنی پریشانی کو دنیا بھر کے آلام سے ترجیح دے کر انتہائی بلاغت پیدا کر دی ہے۔

ایک میری ہی پریشانی نے قسمت لکھکر
تہ کیا کاتب تقدیر نے دفتر اپنا

مضمون "بے ثباتی" پر ہر ایک مصور خیال نے اپنے نگار خانہ میں نگار ہستی کو ناپائدار ٹھہرایا ہے۔ مگر آپنے عاشقانہ رنگ میں ناپائداری کے ثبوت میں جو دلیل قائم کی ہے اس میں اعلیٰ درجہ کی تمثیل ہے ؎

ذرا سی ہمت لے فرہاد گیتی سوز لازم ہے
عدد قابل نہیں ہے دہر کی ناپائداری کا

سچ تو یوں ہے کہ آپکا کلام دلی کی شاعری کا قابل قدر نمونہ ہے۔ نغز گوئی۔ سلاست

بلاغت کی جان ہے۔ آپ جملہ اصناف سخن پر قادر تھے اور معنی بندی میں بلند پایہ رکھتے تھے۔ بیسوں شعر آپکے ایسے ہیں کہ جتنا غور کیجئے اتنا ہی مزا آتا ہے۔ زکی۔ انور۔ مجروح حالی کے ہم مشاعرہ تھے۔ بالخصوص چھوٹی بحروں میں نہایت بلیغ اور ہر مضمون پر شعر کہتے تھے۔ مرزا غالب کو انسے بڑی محبت تھی اور عزیز داری کا برتاؤ کرتے تھے۔

حضرت سالک کا قیام دکن میں بہت زیادہ رہا کیونکہ آپکے چچا ارن بہادر خاں خانگی قضیوں سے مجبور ہوکر دہلی سے حیدر آباد چلے گئے اور وہاں نواب تاثر بن کی ملازمت کرنیکے بعد خانہ داماد ہوگئے۔ سالک بھی اپنے چچا کے پاس رہتے تھے یہی وجہ ہے کہ حیدر آباد دکن میں آپکے تلامذہ کی تعداد کافی ہے۔ تلامذہ دہلی میں حکیم اسد علیخاں مظفر اس زمانہ کے شعرا میں اچھا کہنے والے ہیں۔ جناب سالک نے آخر ۱۸۷۹ء میں بمقام حیدر آباد دکن اس جہان فانی سے رحلت کی حضرت قدر بلگرامی نے تاریخ کہی "نواب قربان علی سالک ہزار افسوس مرد" ۱۲۹۲ دو بیٹے یادگار چھوڑے۔ عابد فرزند کلاں کو انتقال کئے ہوئے پانچواں برس ہے دیوان مے خانہ سالک انہوں نے ترتیب دیکر شایع کیا تھا۔ کلام کا نمونہ یہ ہے۔

واں دخل وہم کا نہ گذر ہے خیال کا
اچھی جگہ ہے دل کو بھروسا وصال کا

جتنی کہ ماسوا کی نمائش نظر میں ہے
پتلا بنا ہوا ہے یہ وہم خیال کا

عشاق اسکے رہتے ہیں دنیا سے بے خبر
آرام ایک نام ہے اُس کے ملال کا

وقفہ ہے ایک دم کا ولادت سے مرگ تک
گر سو برس بھی ہوں تو زمانہ ہے حال کا

اُس در پہ جبہ سا ہوں کہ اکثر مری طرح
ذرّوں میں امتیاز نہ ہو مہر و ماہ کا

سمجھا ہوا ہے کنگرہ عرش تو جسے
غافل یہ ایک گوشہ ہے اسکی کلاہ کا

جنوں میں اسقدر قائل ہیں تیغ حید یزداں کا
کہ لفظ لا کی صورت چاک ہے میرے گریباں کا

نئی یہ چھیڑ ہے صیاد کو حسرت اڑ جانے کی
کہ پر توڑے مرے اور ذکر کچھ چھیڑا گلستاں کا

ترے غم میں جنوں نے ظاہر و باطن کئے یکساں
دل صد چاک سے بدتر ہے عالم جیب و داماں کا

نالہ جو دل سے نکلا شرر افشاں نکلا
گرہ نہ مرے سینے میں پنہاں نکلا

میں نکلتا تری محفل سے تو کیا داغ [illegible]
[illegible] سا آہ مرے غنچۂ [illegible] نکلا

یہ ہاں مانع فریاد جہاں [illegible]
ضعف کا [illegible] پنہاں نکلا

ہیں وہ جہاں قریب تو [illegible]
آتا ہے اک جہان کو نا چار دیکھنا

ہمسائے میں وہ آئے ہیں اک ہی [illegible]
کچھ [illegible] کی ہے سر دیوار دیکھنا

تصدیق ہے "اک حرف فسانہ کا مرے
میں یہ سمجھا تھا وہ بھی کوئی قصہ ہو گا

ہوں راہرو اس وادی پر خوف و خطر کا
جس [illegible] نقش قدم تک بھی خضر کا

دم بھر میں لگا [illegible] دشمن کو [illegible]
اک [illegible] ہے [illegible] شہید [illegible] کا

پڑتا ہے تیر جس طرف اس کی نگاہ کا
[illegible] پناہ کا

سالک صنم کدہ سے نکالے گئے کہیں
[illegible] خانقاہ کا

مجھ سے ستم رسیدہ کا ہو گا کوئی شریک
[illegible] قیامت [illegible] گیا

ہے ان دنوں میں گردش چشم بتاں [illegible]
[illegible] زمانہ گردش [illegible] گیا

جو کچھ ہے اس کی بزم میں سب [illegible] نقش ہے
[illegible] کا

آج لے آ وہ جہاں سوز نگہ باقی
[illegible] کا

میں بھی خود آپ میں آتا نہیں حیرت [illegible]
[illegible] کی

آشیانہ نہیں [illegible]
[illegible] ہوا

وہ نالہ آج ضعف میں لب تک نہ آ سکا
[illegible] آسماں ہو

ہجوم یاس سے حیران [illegible]
[illegible] کیا جو کچھ ہو [illegible] ہو گیا

ہزار ہا [illegible] زباں پہ لا [illegible]
[illegible] آشیاں [illegible]

زلام کاں سے [illegible] بلبل
[illegible] آشیاں [illegible] کا

یہ بھی عہد وفا [illegible]
[illegible]

سنے خود شکست عہد سے نفرت انہیں مگر
جذبۂ دل کا اثر دیکھ کہ کھاتے سو تیر
ناسمجھ ہیں آکے مول لیں لکھتا ہوں سلسلے
وہ سرد مہریاں تری نظروں میں ہیں بھری
دکان سے فروش پہ سالک پڑا رہا
او دیکھنا او مجھ دیوانے سے اے حضرت ناصح
ان سے کمان کھینچ نہ سکی بیدلی شوق دیکھ
کس کا جلوہ نظر سے گزرا ہے
پھیر دیتی چھری تو آتی ہے
یا الٰہی کس کا خنجر افشاں شیشہ اسکی خونباز
دل وہ کافر ہے کہ مجھکو نہ دیا چین کبھی
یہ اور کون تھا جو ترا خستہ جان تھا
افسوس مرگ سالک انصاف خواہ پر
وہ دلکش ہے صورت کہ اس ظلم پر
انسان ہوس پیشہ سے کیا ہو نہیں سکتا
یہ درد ہے تیرا ہی کہ ہے جان کی شیریں
غیرت ہے جو چپ ہیں تو وہ کہتے ہیں ترم
نہ شوق مجکو ہی عید عدن کا نہ پاس دل لطف ہی نہ دین کا
میرے آزار دینے کو وہ شوخ
تیری تصویر کیوں نہ بول اٹھی
تیرا چپ چاپ بیٹھنا سالک

دل توڑنا پسند ہے امیدوار کا
پر کوئی توڑ کے سینہ سے نہ پیکاں نکلا
یہ اور جنس دل کے خریدار دیکھنا
پانی بھی مانگتا نہیں مارا نگاہ کا
اچھا گذر گیا رمضان بادہ خوار کا
پھر اسپر سامنے میرے ہی دعوی ہوشیاری کا
جلدی سے تیر ۔ تیرے پیکاں نکل گیا
کیسے مجھ نظر نہیں آتا
لطف صبا دگر نہیں آتا
تو نے چھیڑا تو ہے سالک کو برا اچھا نہ ہوا
بیوفا تو بھی اسکے لیئے پشیماں ہوگا
اک نعش بے کفن تھی کوئی نوحہ خواں نہ تھا
دل میں ترا زخم تھے تن پریشاں نہ تھا
زمانہ ترا مبتلا ہو گیا
مجبور ہے اس سے کہ خدا ہو نہیں سکتا
ہر روز دین ظالم پہ مزا ہو نہیں سکتا
پروانہ سے جز کام ہوا ہو نہیں سکتا
ہو ذکر تو یا کیا کہ پہنچ سنا نہ جھگڑا نہیں کہیں کا
تیرا آسماں ہے گویا
اس میں عاشق کی جان ہی گویا
اک طرح کا بیان ہے گویا

پسند اللہ کو کیا جانے کیا آ جائے لے زاہد
بہت دور پہونچیں نگاہیں دلے
تیغ کھنچتی ہے واں نزاکت سے
کہتے ہیں ہر کمال کو ہے زوال
شہدا کے لئے ہے عمر ابد
خوشی ہو انکو میں جانتا ہوں مگر میں رکھنے کو بات اپنی
لبوں پہ ہنا کہ جبتک کسی کی امید آتی ہے مجکو باقی
عاشق ہیں آپ بیشک ہی کہتے ہیں تو دل
خلقت کو یہ گماں ہے کہ خلوت عدو کی ہے
اے کاش بھولتا کہیں ہو نہ جانے غم
کیا محتسب کو زندہ لگا لائے راہ پر
ذرا دم کے عشق کو دبیہ لگا گیا
ہم حشر میں چلے گئے جنون اسطرح
ادھر جاکے ہم رہ روکے سالک یوں اٹھا ہوں
خلق خدا پہ رحم بھی کرنا ضرور ہے
کہتے ہو ہم ستائینگے تمکو تمام عمر
ہمیں ہے حشر جا روزیہ سالک دیکھیں
چڑھ جائے چاندنی سر دیوار قصر یوں
وعدے پہ اسکو دیر ہوا کہ دم کی ادھر یوں
تم بھی تیری گلی سے نہیں باہر ہونا
قتل سر بات پہ ہے فتنہ محشر ہونا

مجھے شرم گنہ تجھکو تکبر ہے عبادت کا
وہ پردہ میں اب بھی نہاں رہ گیا
دم یہاں کھنچ رہا ہے بسمل کا
مجکو رونا ہے سے باطل کا
دم شمشیر دم ہے بسمل کا
کہونگا ان سے کہ بعد مردن تم آکے ماتم مرا کرنا
گر ہے یہ وعدہ وفا اگر وہ تو مجھ سے ایمان وفا کرنا
معلوم ہم صنموں کا ہے مجھے مدعا ہوا
پردہ کو تم اٹھاؤ کہ یہ پردہ در ہوا
جو لطف بزم یار مجھے یاد رہ گیا
یوں میکدہ بھی رمضان میں کھلا نہ تھا
کچھ خودکشی طریقہ اہل وفا نہ تھا
گویا یہ فتنہ اسکا اٹھایا ہوا نہ تھا
بتا دے گا مگر کوئی تو رستہ کوئے جاناں کا
مت دیکھنا کسیکو خبردار دیکھنا
ہائے خیال رکھتے ہو تم بھی نباہ کا
کون ہے حشر میں دیدار تمہارا ہوگا
افسوس کوئے یار میں بیٹھا ہی پاسبان تھا
ایمان تو لبوں پہ ہے یہ گماں نہ تھا
خاک ہونا مگر اس خاک میں ملکر ہونا
اور بھی چاہتے ہیں آپ ستمگر ہونا

تو بھی گر لب سے خموشی میں نہ نکلے گا ہے
حسرت مردہ کو دم بھر میں جلا لیتا ہوں
کیوں نہ سالک مری حیرت پہ حباب ہو حیراں
بے مروت ہیں یہ بت جھوٹ ہی کہنا انکا
آدمی آپ تماشائے جہاں بنتا ہے
دل کو کیا جانے کیا ہوا سالک
نا کہ لب سے مہر خموشی اٹھائیں ہم
وہ عقدہ مرے کام میں تقدیر نے ڈالا
کھلنے پہ چلے دل کے عبث یہ بھی جانا
سالک نکل کے میکدہ سے آ گئے کدھر
عجب ہے سالک بھی رند مشرب کہ چھوڑ بیٹھا ہے ملتیں سب
جسکو کہتے ہیں قضا ہے نگۂ ناز اُن کی
یہ تقوی جوانی میں سالک مگر
واہ کس شان سے سالک کو نکالا تم نے
غبار ناتواں عاشق دل خستہ سے انکو
رنج کی بات سے آتی ہے کدورت دلبر
ملے گا اجر جسدن شیخ کو طاعت گذاری کا
نکالے جا چکے ہیں سینکڑوں اس بات پہ سالک
کافر ہو گر سنا ہو کہ واعظ نے کیا کہا
ظلم کا شوق ہے مرنے نہیں دیتے مجکو
سالک اور توبہ سے کیا ہے جو گھر سے اپنی

مجھپہ لے آہ نہ اطلاق ہو گیائی کا
آپ کیا مجھکو بھی دعوی ہے مسیحائی کا
محو حیرت ہوں میں کس محو خود آرائی کا
دے قیامت کی خبر وعدۂ فردا انکا
بھول کر دیکھنے جائے جو تماشا اُن کا
چین کیوں رات بھر نہیں آتا
دیگا جواب کون ہمارے سوال کا
جو ناخن تدبیر سے وا ہو نہیں سکتا
گمراہ کبھی راہ نما ہو نہیں سکتا
ساغر کو پھینکو ہاتھ سے باز آ گیا
نہ مانا ہے کسیکا مذہب ہے یہ پابند اپنے دین کا
ملک الموت سے وابستہ ہے ایمان کا
بڑے وقت میں پارسا ہو گیا
خوش رہو ہم بھی سلتے جاتے ہیں بستر اپنا
نزاکت نے چھڑانا کر دیا دشوار داماں کا
آئینہ بھاپ سے ہوتا ہے مکدر اپنا
تو یارب پاس رکھنا کچھ ہماری شرمسائی کا
نہ لینا نام اسکے کوچہ میں مطلب بر آری کا
یاں صلے بزم وعظ میں بھی گفتگو کے دوست
طول آزار کو دیتے ہو مسیحا ہو کر
توڑ کر پھینکدے شیشہ و ساغر باہر

کیوں چلا آتا ہے ہر بات پہ رونا سالک
آج آنسو کرچہ سے آیا ہے مگر تو ہو کر

وصل کی رات ہے اور ہم سحر ہی دل میں
عیش میں [illegible] ہے [illegible] ہو کر

کسکو دل دیتے ہو کیا کرتے ہو دیکھو سالک
ہاتھ سے [illegible] ان سے جاتے ہو دانا ہو کر

تیری رفتار سے کیا جانے ہے کیا ہو کر
[illegible] قیامت نہیں وہ جاتے ہو [illegible] ہو کر

مجھ ناتواں پہ حشر میں وہم زفغاں غلط
[illegible] غلط

تم بھی دی کہو تو کہیں سب بجا درست
[illegible] غلط

گرمی ہے اسکے حسن کی سکا نگہ جلا
[illegible] غلط

کیسے اسیر خواہش سنبل کوئی ہوا
[illegible] غلط

سچ ہے کہ آدمی کو غرض آدمی سے ہے
[illegible] غلط

لکھکر تمام سالک عملیں کا اضطراب
[illegible] غلط

لکھوا یا برہنگی کو مری سر سے پاؤں تک
[illegible]

یہی طول شب غم ہے تو سالک
قیامت [illegible] کی [illegible]

سینہ میں اک [illegible] دیکھو
[illegible]

لکھو دیا کرتے ہیں [illegible]
[illegible]

کام سالک [illegible] آتا ہے رونا دوانوں سے
[illegible]

ہو جائے گر وصال بتاں کی دعا قبول
[illegible] سالک [illegible] ہم

چپ چپ پڑے ہوئے تھے ابھی خانقاہ میں
کچھ کچھ کھلے ہیں صحبت پیر مغاں سے ہم

یہاں بھی زمیں پہ پڑتے ہیں پاؤں ایک جا
[illegible] سے ہم

مایوس و نا امید [illegible] سے ہم
[illegible] سے ہم

کاش اے سپہر تجھسے ہی کہتے تو [illegible]
[illegible] سے ہم

تم آگئے تو ہوش [illegible]
[illegible] سے ہم

دل بدن سے اٹھا کے بیٹھے ہیں — سجاو دیکھئے دکھانے بیٹھے ہیں
جیب و دامن پھاڑتے ہیں ہم — دل کے ٹکڑے اڑانے بیٹھے ہیں

یہ بھی ہوگا اے ستم ایجاد تجھ سا ہی کبھی — شوخیاں ابتک جوانی کی ہیں پیچ پیچ ہیں
دیدۂ طوفاں نشاں اتنی تو فرصت دے کہیں — خشک کر لوں سوزش داغ جگر سے آستیں
ماجرائے انتخاب خوں ہی لب ہوا سالک رقم — باندھ دی پاندوے مرغ نامہ بر کے آستیں

اب دیکھئے قفس سے رہائی نصیب ہو — کیا آہ بہار کی ہم آرزو کریں
یاں شاخ گل تباہ ہی پرندہ لئے ہم — باغ جہاں میں کیا ہوس رنگ و بو کریں

جنون عشق پہ دیجا کل کیا ہوں ندامت کو — گریباں ہی نہیں ناصح کہ منہ ڈالوں گریباں میں
تری صورت نہ تھی گر نقش اے عالم فریب ہیں — تو کیا تھا مہر تگین خاتم دست سلیماں میں
سرشک افشانیوں نے جوش وحشت کا مزا کھویا — کسی جا خاک اڑانے کو نہیں ملتی بیاباں میں
بنا ہیں آدمی اس خاک سے تو حال ظاہر ہے — کہ کیا کیا صورتیں مٹی ہوئی ہیں کوئے جاناں میں

سر لگا ہے انکے قدموں سے مرا حیران ہوں — لب سجدہ کا نشاں یا انکا نقش پا کہوں
وسعت آباد دل مشتاق - وصل یار کو — وو آرزو کا ایک جہاں، امید کی دنیا کہوں

خشک کر ڈالے ہیں سیلاب گریہ نے بام تک — کہ فرق اب مرے دیوار و در میں خاک نہیں
اڑائی خاک یہاں تک جنون الفت نے — کہ لوگ کہتے ہیں سالک کے گھر میں خاک نہیں

اب اجل کیوں نہ آئیگی دیکھوں — وہ عیادت کو آئے بیٹھے ہیں
کرتے ہیں یوں دعا کہ ہم گویا — ہاتھ اثر سے اٹھائے بیٹھے ہیں
تم بھی کر جاؤ پائمال کہ ہم — نقش ہستی مٹائے بیٹھے ہیں

یوں پوچھتے ہیں حال کہ سمجھے نہیں گویا — ہم خوب سمجھتے ہیں کہ سمجھائے ہوئے ہیں
سب تھک کے تری راہ میں بیٹھے تو کھلا حال — جو کھوئے گئے ہیں وہی کچھ پائے ہوئے ہیں
زانو پہ سر رکھے بیٹھے ہیں در زندہ پہ سالک — کیا نقش جاناں سے نکلوائے ہوئے ہیں

زہد میرا ہی کوریائی سے
بچ سے زاہد گناہ گار رہوں میں

فرقت میں ہوا ہوں زندہ در گور
عیسیٰ سے کہو مجھے جلائیں

آجائے گا فرق نازکی میں
محفل سے مجھے نہ وہ اٹھائیں

رکھی تھی ایک "چھیڑ" سی دل میں خراش کے
تیشے کے زخم میں یہ مزا کوہکن کہاں

قیمت دل چاہئے بوسہ گئی
آ گئے جو آئے ترے ایمان میں

پوچھتا کیا ہے ہماری زندگی
بیٹھے ہیں پر موت کے ارمان میں

اعتبارِ نگہ ناز ہے کیا کیا انکو
قتل کو آتے ہیں پر ہاتھ میں شمشیر نہیں

رخصت اک دم کی اسیران قفس کو صیاد
کہ اب آ جاتے ہیں اتنا تو ہمیں دو نہیں

بدگماں مرگ سے ہے چارہ حرماں مطلب
ہوس نشہ نہیں آرزوئے حور نہیں

کیا کہوں حالت بتائے امید جواب
کوئے جاناں میں چلا جا دل مفقود نہیں

کبھی لکھتا ہوں کہ قاصد کو کیا قتل اس نے
کبھی لکھتا ہوں کہ اب کہیں دستور نہیں

دل کے دو حرف ہیں لے درد وہ بھی جدا آپ سے ہیں
جانتی جمع اسباب و تقدیر نہیں

پوچھتے ہیں کہ مجھے غیر کے گھر دیکھا تھا
جانکے خوف سے کہہ دیتی ہیں۔ "مجبور نہیں"

پائے جاتے ہیں ترے داغ جگر کے اطوار
گرچہ اب تک یہی لکھتے ہیں کہ ناسور نہیں

ہوں وہ خود رفتہ خدا جانے کہاں دل کھویا
یاد آیا ہے تو اتنا کہ مجھے یاد نہیں

سو گئے پاؤں بھی کیا تیری طرح سے اے بخت
یہ وہ بیمار ہے اور طاقت رفتار نہیں

ظلمت بقدر سایہ پڑی ہی اور بخت میں
ہوتی ہے یاں سعادت ظل ہما کہیں

کاردانانِ قضا دیکھئے کیا کرتے ہیں
روز ہم "روز جزا۔ روز جزا" کرتے ہیں

کٹ گئی عمر یوں ہی حضرت ناصح افسوس
ہم سنا کرتے ہیں اور آپ کہا کرتے ہیں

یاں وہ آزار پسندی ہے کہ اس قسمت پر
چرخ سے ہم گلۂ بخت رسا کرتے ہیں

جنکو تقدیر نے دی ردِ شئے تیرہ بخت
شمع کو وقف رہِ باد صبا کرتے ہیں

یہ وفا اپنی وہ ظلم آپکے سب جان گئے
جسکو ہم راز سمجھتے ہیں وہ اب راز نہیں

شب غم زمزمہ سنجان سحر کیوں ہیں خموش
گرم الحجت سینۂ سرمۂ آواز نہیں

جو نہ مانی سے کھنچے ہے وہ نظر میں اپنی
تیری تصویر کو کچھ حاجت پرواز نہیں

کچھ تغیر مرے احوال پریشاں میں نہیں
ایسے عالم میں ہوں جو عالم امکاں میں نہیں

صبح محشر بھی دکھائی نہیں دیتی یارب
روز بد بھی تو نصیب شب ہجراں میں نہیں

وحشت عشق کو ثابت قدمی بھی ہے ضرور
قیس کا نقش قدم تک بھی بیاباں میں نہیں

ہوگیا ذوق فزائے خلش یاد قرہ
کون کہتا ہے کہ لذت ترے پیکاں میں نہیں

دشت وحشت میں گڑے پھرتے ہیں آرام سے ہم
جو صفت ضعف میں ہے تخت سلیماں میں نہیں

دیکھنا شوق شہادت میں اڑا نے یہ کہوں
آپ سے لاکھوں لئے پھرتے ہیں خنجر ہاتھ میں

چاہیئے اتنا تو چشم مست ساقی کا اثر
ہاتھ سے اس کے لیا جائے نہ ساغر ہاتھ میں

ہوتی ہے رحم و نزاکت میں لڑائی کیا کیا
سر بیمار جو زانو پہ وہ دھر لیتے ہیں

پھرتے ہیں دادخواہ ترے حشر میں خراب
تو پوچھتا نہیں تو کوئی پوچھتا نہیں

اسکے کوچہ میں جو سالک نے کئے کچھ نالے
ہنسکے بولا کہ یہ میں ہوں فلک پیر نہیں

کہنے کا غیر کے تو کسی کو یقیں نہیں
پر تیری آنکھ راز کی تیرے امیں نہیں

تو ہمارے ساتھ ہے ہر حال میں
ہمکو خلوت میں بھی تنہائی نہیں

بند تھیں آنکھیں تو کچھ پروا نہ تھی
کھل گئیں آنکھیں تو بینائی نہیں

یار سمجھے ہیں ہم اسے کہ جسے
چاہیے عمر یار ہونے کو

رگ رگ میں نیش عشق ہے اے چارہ گر مری
یہ درد وہ نہیں کہ کہیں ہو کہیں نہ ہو

اپنے ہاتھوں سے اگر قتل کرو تم مجھکو
نہ سنوں حضرت عیسیٰ جو کہیں تم مجھکو

دیکھلو اسکو کہ ہے مجھسے سوا گردش میں
آسماں ہوکے ستانا نہ کہیں تم مجھکو

آپ ہی سوچ کے برسوں میں نکالوں تدبیر
اور پھر آپ ہی پھر دوں ہو تبسم مجھکو

میرے سینہ میں جگہ پانی بہت دشوار تھی
خط پیشانی نہیں مٹتا مٹائیں لاکھ ہم
سالک جو صبح تک نہ کٹے جاؤں میں تمام
ٹوٹے اگر فلک تو نہ ہو سر نگوں کبھی
کہوں احوال یا دیکھوں کروں کیا
شام ہی سے مجھکو مرنا تھا کہ سالک اُڑ گئی
جب سے یہ سن چکے ہیں کہ ہم خاک میں ملے
شرمندۂ بتاں نہ ہوئے لاکھ لاکھ شکر
نذریں خلد میں جو جاتے ہیں تو بیزاراں سے
محشر غدر سے بھی مٹ نہ سکا اسکا وجود
مٹ گئے ہم بھی تو ملتا نہیں دلی کا جواب
غالب و شیفتہ و ثاقب سے بنا ہے گویا
کیا شئے ہے عشق بھی کہ گیا دل گرہ سے اور
سالک اگر ہے سانس تو باقی ہے آس بھی
کنج مزار میں بھی وہی انسطراب ہے
بے پردہ میرے سامنے آتے ہیں اس طرح
اے نالہ پردہ ہائے فلک چھید نکلے تمام
لاغر یہ ہوں کہ شب ترے در پر پڑا رہا
جتنی آہیں لب سے نکلیں آ تقدیر مطلب نہ تھے
اس ضعف میں اٹھ کر ترے کوچہ سے چلا ہوں
دیکھوں گا ترے فتنۂ رفتار کا عالم

تیرے فرقت کی ندامت گر بتاتی تیر کو
مل گئی تھی کیا سیاہی کاتب تقدیر کو
بیدار شب کو زاہد خلوت گزیں نہ ہو
بخشی نظر میں جلوۂ بالائے بام ہو
قیامت سامنے ہے تم کہاں ہو
نہ پا اسکی شیون اہل عزا کی رات کو
نیچی نگاہ ہی نہیں کرتے حیا کے ساتھ
سالک خدا نے ہم کو اٹھایا دغا کے ساتھ
اسکے دروازے پہ رکتا ہیں ہوا کیا تھا
ہے الگ عالم فانی سے جہان دہلی
کوئی ڈھونڈے تو اسی پر ہو گمان دہلی
بی نادوں کا محو صفا ان دہلی
بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے شرمسار سے
مایوس ہو نہ رحمت پروردگار سے
دل سے ہے کہ کہ فرشتۂ قہر و عذاب ہے
گویا کہ انکے دیکھنے کی مجھ میں تاب ہے
کچھ تو ادھر کا حال بھی ہو ہے عیاں مجھے
ڈھونڈا کیا جنت سے پاسباں مجھے
میں نے کیا اظہار درد ہجر میں تقریر کی
شاید مٹے مرنے کی بھی دل تک خبر جائے
ہر چند قیامت ہی مٹے سر پہ گذر جائے

اس علوِ شان کی کیا انتہا
وہ کبھی اُترے نہ میری یاد سے

اب بھی زباں نہ بند ہو ناصح ہزار حیف
ٹکڑے ہزار میرے گریباں کے ہو چکے

آجا اب بھی لب پہ نہ آجائے اور کچھ
شکوے تمام گردشِ دوراں کے ہو چکے

اٹھو اٹھیں گے حشر اٹھا کر ہم
کیوں نظر سے گرا دیا تو نے

یوں وفا کی کہ خود وہ بول اٹھے
کس ستمگر سے کی وفا تو نے

پہونچے عدو کے گھر میں تو دامن جھٹک دیا
ہم خاک بھی ہوئے ہیں تو مٹی خراب ہے

نہ پوچھو مجھ سے نالہ کو کہ کیا ہے
شکستِ شیشۂ دل کی صدا ہے

سنے اور بگڑے جو باتوں میں تیری
وہ اپنے خانۂ دل کی بنا ہے

دوست کے نامہ میں دشمن کی بدی تحریر کی
جان سے بیزار تھا مرنے کی یوں تدبیر کی

مرگِ عاشق کی سُن کے سب روداد
پوچھتے ہیں کہ کیا ہوا آگے

ہنسو بولو کھلے خوبی زباں کی
خوشی کی بات کھوتی ہے وہاں کی

گویا کہ بنا ہی نہیں کچھ اور جہاں میں
آتا ہے نظر وہی جہاں تک کہ نظر جائے

پروانے جل کے خاک ہوئے شمع رو چکی
تاثیرِ حسن و عشق جو ہونا تھی ہو چکی

کہتا ہوں اپنا حال بہت اختصار سے
آگاہ ہوں درازیٔ روزِ شمار سے

دستِ کلیم سوزِ دروں کا گواہ ہے
ممکن نہیں کہ رازِ محبت نہاں رہے

ہو چکی تعظیم دشمن کی کہیں
اے زیارت گاہِ محشر بیٹھئے

بار رو تک بھی نہیں اور شوق یہ
بزم میں اُن کی برابر بیٹھئے

سالک

سالک - منشی عبدالحمید خاں - آپ بٹالہ ضلع امرتسر کے باشندے ہیں۔ فنِ سخن میں منشی حیات بخش رسا مرحوم کے شاگرد ہیں۔ طبیعت شوخ پائی ہے۔ اگر مشقِ سخن قائم رہی تو آئندہ اچھا کہنے لگیں گے۔ ابھی محض مبتدی ہیں۔ کلام یہ ہے۔

زباں کو کاٹ دو قلبِ حزیں کو کیوں جلاتے ہو
بھلا تقصیر کیا ہے اے بتو اس بے زباں کی

چمن ہے یار ہے ساقی ہے اور ابر بہاری ہے — تمنا آج پوری کر رہے ارمان دل کی

سالک منشی سالک رام آپ قصبہ گرد اضلاع بلیا کے رہنے والے ہیں منشی لکھپت لال صاحب سریواستو کایستھ کے صاحبزادہ ہیں اور خود تحصیل غازی پور میں سپرد رائزر و قانون گو ہیں سنہ ۱۸۶۱ء سال پیدایش ہے مدرسہ چشمہ رحمت میں تعلیم پاکر سنہ ۱۸۸۰ء میں کچھ انگریزی بھی پڑھی فن شعر میں حضرت تمنا لکھنوی سے تلمذ ہے اور انکے ارشد تلامذہ سمجھے جاتے ہیں - زبان میں متانت ہے خیالات میں حسن و عشق کیساتھ اخلاق کی چاشنی بھی پائی جاتی ہے بلند مضامین کو سادہ بندشوں میں ادا کرتے ہیں -

آپکی تصنیفات سے دیوان ریختہ اور کلام نعت شایع ہو چکا ہے تاریخ میں بھی اچھی مہارت ہے منشی امیر اللہ تسلیم مرحوم کی وفات کا مادہ تاریخ یہ نکالا ہے ع ازجہاں رفت بلبل شیراز - آپ مضمون آفریں نازک طبع شاعر ہیں کلام کا انتخاب یہ ہے

اثر اعجاز دکھلائے اگر بیتابی دل کا — بتوں کی بیوفائی پر ہو عالم نزع بسمل کا
چرا کر لیگئی کس کی نگاہ ناز سینہ سے — خدا جانے ہوا کیا کچھ پتا چلتا نہیں دل کا
مدد جبتک نہ دے گا صبر ہم راحت نہ پائینگے — تمنا حشر تک پیچھا نہ چھوڑیگی مرے دل کا
طائر دل تیر مژگاں کا نشانہ ہو گیا — خون رونے کیلئے مجھکو بہانہ ہو گیا
نہیں مشکل زبان شمع یارا جنکو کہنے کا — وہ دل ہی دل میں کر ڈالیں بیان شب بیتنے کا
یہ عقدہ ہو گیا حل جب کھلا یہ راز ہستی کا — کہ عالم اک مقام ہے بلندی و پستی کا
تصدق کرتے منعم نعمت الوان غریبوں پر — اگر چکھے مزا اک روز خوان فاقہ مستی کا
پڑے ہیں لاکھوں لب تاج جنکو ایک کوڑی میں — میں سالک بسنے والا ہوں اسی آبادی کا
ملوں گا خاک میں یا تو رہوں گا شہ ہو کر — تباہوں کا میں سب کی راہ سالک نقش پا ہو کر
دوست تو دوست تو دشمن سے بھی ہو نباہ مجھے — دل میں ہر نفس کے رہتا ہوں تمنا ہو کر
جی میں ہے مرشد کو ان نگہ سے اٹھواں — تیرے کوچے میں رہوں نقش کف پا ہو کر

ہرگز نہ تڑپ لے دل مضطر تہ خنجر
جی بھر کے تجھے دیکھ تو لوں ہیں دم آخر

لگاتے ہیں گلے عاشق کو محشر میں خوشامد سے
نگاہ ناز اُدھر اٹھتی نہیں فرط تکبر سے

جوانی کی امنگوں پر عبث الزام ہے سالک
دم ہی تک سب کچھ ہے سالک دم نہیں تو کچھ نہیں

ساری دنیا کی مسرت بھی جو حاصل ہو تو کیا
انصاف کی کسی سے توقع نہیں اگر
نازو ادا سے پوچھوں کہ تڑپی نگاہ سے

کردہ کام ہرگز جو تری طاقت سے باہر ہو
آتا ہے ہر کمال مصیبت اٹھا کے ہاتھ

کیا حال پوچھتے ہو بتوں کے غرور کا
برنگ بدر گو کیسا ہی کامل کیوں نہو کوئی
یہ سب طرح گھر کرتے ہیں اک عالم کی آنکھوں میں

مرتے ہیں ہائے ہم کن کیلئے
دل لگایا نوجوانی میں تو کیا
ایک بوسہ جو نہ دیتے تھے کبھی
خلق میں بدنام ہمکو کر گئی
لگا کر دل پشیمانی نہ ہوتی

فلک پر چمکتے تارے شب فرقت یہ ہم سمجھے
رخ پرنور کی رونق بڑھی گیسوئے بالوں سے

یہ شرط وفا ہے نہ ہلے سر تہ خنجر
دم لینے دے قاتل مجھے دم بھر تہ خنجر

لہو کا جب وہ دھبا دیکھتے ہیں اپنے دامن پر
ادھر چشم کرم سے التجائیں ہوتی جاتی ہیں

ضعیفی میں بھی جب ہم سے خطائیں ہوتی جاتی ہیں
ساری دنیا ہو تو کیا جب ہم نہیں تو کچھ نہیں
آدمی کے دل میں تیرا غم نہیں تو کچھ نہیں

لب آشنائے شکوۂ بیداد بھی نہیں
دل کون لے گیا ہے مجھے یاد بھی نہیں

وہیں تک پاؤں پھیلانا ہے لازم جتنی چادر ہو
پایا کلیم نے ید بیضا جلا کے ہاتھ

لیتے نہیں سلام کسی کا اٹھا کے ہاتھ
لگا دیں داغ کچھ اسمیں جو پوچھو عیب بیشی کو
کسی ڈھب سے تو پوچھا چاہئے پردہ نشینوں سے

جان لینا کھیل ہے جن کے لئے
جو کریں زیبا ہے اس سن کیلئے
رات بوسے انکے اُن گن کیلئے
نوجوانی آگے دو دن کیلئے
سمجھ لیتے تو نادانی نہ ہوتی

کب چلتے چلتے پاسے [illegible]
نہ اس خوبی سے گردش میں [illegible]

ہنر سے تو خالی ہیں دنیا میں لاکھوں ۔۔۔ مگر عیب سے کوئی خالی نہیں ہے

سالک

سالک۔ ارشاد علی صاحب۔ آپ بھوپال کے باشندے تھے۔ غدر سے پہلے لکھنؤ میں عرصہ تک رہے اور وہیں میر ہادی علی صاحب بیخود مرحوم سے تلمذ اختیار کیا۔ تذکرہ سراپا سخن سے کلام منتخب ہوا۔

کس طرح آئے اُس بت چیں کی نظر کمر ۔۔۔ چینی کے بال سے بھی ہے باریک تر کمر
یاد میان یار میں روؤں جو ایک پل ۔۔۔ بھر جائے صحن خانہ میں پانی کمر کمر
سالک کوئی خطا میری ثابت نہیں ہوئی ۔۔۔ باندھی ہے ترک چشم نے کیوں قتل پر کمر
مدہوش ہیں کبھی نظروں میں حسینوں کی ذلیل ۔۔۔ چھوڑ دیں حسن پرستی کا جو لپکا آنکھیں
محو خوباں کبھی کرتی ہیں رلاتی ہیں کبھی ۔۔۔ آفتیں لاتی ہیں انساں پہ کیا کیا آنکھیں
چند روزہ ہے بہار چمنستان جہاں ۔۔۔ کھول نرگس کی طرح بھر تماشا آنکھیں
ابر کی طرح جو منہ آنسوؤں کا برسا دیں ۔۔۔ پاٹ دریا کا کریں دامن صحرا آنکھیں
اب کھلا حال پریشان نظری اے سالک ۔۔۔ رکھتی ہیں گیسوئے پرپیچ کا سودا آنکھیں

سالم

سالم۔ عالیجناب معلی القاب نواب میرزا محمد جعفر علیخاں بہادر تعلقہ دار و نواب شیش محل رئیس اعظم لکھنؤ۔ آپ بڑے عالی خاندان رئیس ہیں۔ آپکے والد ماجد شرف الدولہ نواب سید محمد امجد علی خاں بہادر کے دربار شاہی میں جنرل فوج تھے اور جد اعلیٰ منتظم الدولہ حکیم مہدی محمد علی شاہ و امجد علیشاہ شاہان اودھ کے زمانہ سلطنت میں وزیر اعظم تھے۔ آپ پنشن آبا سے پانچسو روپیہ ماہوار کا وظیفہ پاتے ہیں۔ نواب باقر علیخاں جو آپکے بھائی ہیں انکی ریاست میں دس موضعات کے قریب شامل ہیں اور آمدنی دولاکھ سے متجاوز ہے۔ لکھنؤ میں اس خاندان کا تمول ضرب المثل ہے۔

نواب صاحب موصوف بڑے مخیر آدمی ہیں کئی بار حج اور زیارت کربلا سے مشرف ہو چکے ہیں۔ آپکے خاندان کا جو اعزاز و وقار گورنمنٹ کی نگاہ میں ہے وہ اظہر من الشمس ہے

ہے۔ آپ آرم ایکٹ سے مستثنےٰ ہیں۔ ۶۶ - ۶۷ برس کی عمر ہے۔

آپ خلیق و ملنسار ہیں۔ علم درست ہیں۔ عربی فارسی کے سوا انگریزی۔ ناگری میں دخل ہے شعرگوئی کا از حد شوق ہے۔ ستکار کے ولدادہ ہیں اکثر فنوں سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ کلام میں گرمی تاثیر۔ لطف زبان مضمون آفرینی۔ متانت۔ سلاست سب کچھ موجود ہے سخن آفرینی کی جدت اشعار ذیل سے ظاہر ہوتی ہے۔

زبان نے پرسش اعمال میں کیا مجبور — خدا کے سامنے نام بتاں نکل آیا
جو یاد آگئے احباب پشت غربت میں — جگر سے آہ تو منہ سے دھواں نکل آیا
پلائی ساقئ مہوش نے تند سے ایسی — گری بھی بوند جو منہ سے دھواں نکل آیا

تاریخ انتقال پرملال شہزادہ سلیمان قدر بہادر مرحوم مغفور

خسرو عالی ہمم رشک سلیمان زمن — قدر سے جسکی فزوں تھی عزو شان سلطنت
چھوڑ کر اسنے جہان خلد بریں کی راہ لی — زینت تخت شہی تھا وہ نشان سلطنت
فکر جو سالم نے کی آئی صدا یہ غیب سے — لکھ یہ سن بہ رحلت جان جہان سلطنت
صاف آیا مادہ خر کا کیا جو تخرجہ — آج ادودھ سے مٹ گیا نام و نشان سلطنت

کسیکے گیسوئے شب رنگ جب ہم یاد کرتے ہیں — دھواں منہ سے نکل جاتا ہے یوں فریاد کرتے ہیں
شگفتہ جو رہا یادِ خزاں میں بھی میں وہ گل ہوں — وہ بلبل ہوں کہ جسکی پرورش صیاد کرتے ہیں
جو ہچکی موت کی غربت میں کچھ بیمار کو آئی — تو یہ سمجھا کہ یاران وطن اب یاد کرتے ہیں
تن سے سد ہاری جان حزیں دل اداس ہے — وہ کاروان لٹا ہے کہ منزل اداس ہے
کیونکر کہوں کہ یار کی محفل اداس ہے — کوئی نہیں اداس مرا دل اداس ہے
غصہ میں آکے اسنے مجھے قتل تو کیا — پر دیکھ لو کہ چہرۂ قاتل اداس ہے
دل سوز گر ہماری لحد پر نہیں کوئی — اے کاش اک چراغ ہی شب بھر جلا کرے
مری آہوں پہ بوسے منہ بنا کے — یہ کیسے گرم بھونکے ہیں ہوا کے

قیامت ہے اگر قاتل نہیں ہو — مری تربت کو ٹھکرا دو تو آ کے
کیا تو اُس نے جھلا کر مجھے قتل — مگر تا دیر رہا سر جھکا کے
کسی نے سوز ہجراں کو جو پوچھا — تو میں نے شمع دکھلا دی جلا کے
کیا یوں کشتہ اک تیر نظر نے — قضا چلائی قرباں اس ادا کے
ڈبویا نام عشق اے سخت جانی — گیا قاتل پسینے میں نہا کے
جو سیر کو مرے دل میں وہ لالہ رو آئے — وفا کی بو گل داغ جگر سے بو آئے
یہ ڈر فراق سے اُس تند خو کے ہے یارب — کہ وصل میں نہ جدائی کی گفتگو آئے
جو آپ آئیں تماشہ کو میری فصد کے وقت — تو سب رگوں سے مرے جائے دل لہو آئے
وہ بدنصیب ہوں کشت امل نہ ہو سرسبز — جلائے برق اُسے جب کہ موسم نمو آئے
بگڑ نہ جائے شب وصل میرا کام کہیں — تجھے خدا کی قسم اے حیا جو تو آئے
سنا ہے خلد میں حوریں ملینگی انساں کو — خدا کرے مرے حصہ میں یار تو آئے

سالم - نواب میرزا مبارک حسین خاں خلف نواب سید علی خاں زیبا مرحوم لکھنوی۔ آپ خاندانی شاعر ہیں قدیم مذاق پر لوٹ ہیں۔ تخیل خاصی اور بندش الفاظ پاکیزہ ہے۔ خاں اپنے والد سے تلمذ ہے۔ کلام یہ ہے۔

کیوں تھم گیا ہے درد جگر ہجر یار میں — قسمت میں میری لذت آزار ہی نہیں
دل سے مذاقِ عشق میں رہتی ہے دل لگی — گر کام یہ نہیں ہے تو بیکار ہی نہیں
قتل کے سامان نظر آتے ہیں یارب خیر ہو — خنجر ہیں لب سینہ میں ہوش پہ بیداد ہے
غش کے عالم سے نہ چھیڑا دیا اوں ہوش میں — نہ یہ قسمت سے کہاں سے اگر آئی دولت

سامان - میر محمد ناصر۔ آپ کا اصلی وطن جونپور تھا۔ محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں وارد شاہجہاں آباد ہوئے تھے۔ تیز طبع تھے شعر و سخن کے شوق میں اپنے وقت کے ... تھے

اٹھیں کیونکر نہ اس دل میں بھبوکے — الجھتی آشنا سے ہو گئے

رقیب اسطرح جلتے ہیں ہمیں دیکھ	گویا رشتہ میں ہیں اس شمع رو کے

سائل

سائل ۔ بلبل شاہ خلف شاہ پیارے لکھنؤ کے رہنے والے تھے ۔ شاہ بدیع الدینؒ کی درگاہ کے خدام سے تھے ۔ میرسوز کی طرز میں شعر کہنے کا شوق تھا طبیعت اس فن کے مناسب اور درد انگیز پائی تھی ۔ کلام میں محاورے زیادہ سے لکھتے تھے بعض بعض مصرعوں میں پوری ضرب المثل نقل کر دیتے تھے ۔ شوق کے تذکرہ میں کچھ شعر نظر سے گذرے ہیں جنکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

برنگ آب تو ہر رنگ میں فنا ہو جا ۔ اگرچہ عیبی بھی ہووے تو آشنا ہو جا
نہ پاوے آنکھ اپنی ڈھونڈنے سو آپ ۔ حباب وار یہاں جسکی آنکھ وا ہو جا
جب سے بیٹھا گوشۂ خاطر میں پھر نکلا نہ اف ۔ کس کماں ابرو کا ایسا جائے کش یہ تیر تھا
نازک سا کمر نہ دیکھا ۔ کیا تھا جو ہم نے کر نہ دیکھا
ادھر سے جب خودی سے اپنی ۔ پھر آپ سے کچھ ادھر نہ دیکھا
چشم ساقی سے کبھی پھر کے اشارہ نہ ہوا ۔ دور اس جام کا افسوس دوبارہ نہ ہوا
نہ ہوگی جوانی نہ یہ سوز فردا ۔ کوئی دم میں ہوویگا امروز فردا
کہاں تک کروں صبر وعدوں پہ تیرے ۔ وہ ہوویگا امروز کس روز فردا
ترے بیقراروں کو پھر دید ہرگز ۔ نہ امروز ہستا دی نہ امروز فردا
غنیمت ہے سائل کوئی دم کی فرصت ۔ خدا جانے کیا ہووے امروز فردا
اک عمر ہوئی صرف ہمیں سیر میں لیکن ۔ جوں موج وطن سے کہیں آئے نہ گئے ہم
کس فکر سے غنچۂ گل میں پھرتا ہے تو آوارہ ۔ جو دم ہے سو ہے ناداں ہے کوچ کا نقارہ
کیا پوچھے ہے تو مجھسے جو چاہے ہے سو کر ظالم ۔ ناچاروں کی کیا قدرت بیچاروں کا کیا چارہ
بسان نقش قدم یہ قدم نہ چھوڑینگے ۔ چلے چلو مرے صاحب جدھر کو جی چاہے
منظور نظر اس بت گلفام کے ہوتے ۔ اے کاش اگر ہم بھی کسی کام کے ہوتے

کس کی الفت نے یہ اپنا ہمیں پابند کیا
یاں سے سو بار اٹھے اٹھ کے چلے بیٹھ گئے

جس گھڑی بام پہ دیکھا تجھے رشک خورشید
سایہ ساں ہم وہیں دیوار تلے بیٹھ گئے

کوئی دم اور نہ آتے تو نہ پاتے ہم کو
ہم تو گھر آ کے چپ تھے یہ چلے بیٹھ گئے

پھرا خدا ہی سے جب وہ تو نیر کیا ہوں میں
قرار تھا کہ جو تجھ سے پھرے خدا سے پھرے

ملول آتے ہیں کس طرح حضرت سائل
کہاں گئے تھے خدا جانے کچھ خفا سے پھرے

رباعی

کیا فرقت اسیران بلا ہوتی ہے
آرام و قرار و صبر سب کھوتی ہے
سائل نہیں جنبش مژہ یہ دل سے
ملتے ہی یہ آنکھ ہاتھ بھر روتی ہے

دیگر

یہ مہر تباں ہے خوب ہر چند دلے
ہے ہجر میں کس کو تاب جو ہاتھ سے
کیا دیدہ تباں کو جانے سائل کوئی
رو رو کے گئے نمازی سے گلے

اسکو غیروں ساتھ صحبت گرم دن اور رات ہے
ہم سے اب صاحب سلامت تک کی بات ہے

تجھ سوا ہم بیکسوں کا کون ہے اے بیکسی
آشنا یا دوست جو کچھ ہے سو تیری ذات ہے

تنہا چمن میں کیا کریں ہم رہ کے اے صبا
شفق گئے شفیق گئے آشنا گئے

میاں خوش رہو کیوں عبث ہو خفا سے
جو کچھ تم سے ہوگا سو ہوگا خدا سے

امید وفا محض بے دانشی ہے
کسی دوست سے یار آشنا سے

نہ پوچھا کبھی تو نے احوال سائل
مرا جیو کوئی تیری بلا سے

باطن کی تو حق جانے ہے ظاہر اسباب
اس دم تو ہماری دشمن نوازی کردی

معلوم ہوا بقول شخصے۔ لیکن
"اے دوست بہ من زمانہ سازی کردی"

اٹھے کر کے رخصت بہت روتے آئے
سر تکلوں سے ہم وفا ہوتے آئے

نہ تھا آج کوچے میں اس بت کے کوئی
ہمیں اور سائل ۔ ابھی ہوتے آئے

واقف نہ تھے ہم یاں کے غم و رنج و الم سے
ہستی ہمیں پھسلا کے لے آئی عدم سے

افسوس کہ یک چند بھی تو نے نہ نباہی
سائل کو تو کیا کیا نہ گماں تھے ترے دم سے

معلوم حال حضرتِ سائل نہیں ہمیں ۔۔۔ کیا جانئے یہاں ہی رکھتے ہیں تشریف یا گئے

سائل ۔ منشی کنہیالال صاحب ۔ آپ کا وطن بلند شہر ہے ۔ سیدھا سادہ کلام ہے مگر زبان میں تاثیر کی جھلک پائی جاتی ہے ۔ یہ اشعار آپ کی فکر کا نتیجہ ہیں ۔ سائل

کیا سبب کیوں مری تقدیر نہ جاگی اب تک ۔۔۔ میرے نالوں نے تو سوتوں کو جگا رکھا ہے
ساغرِ مے کی تمنا نہیں مجھکو ساقی ۔۔۔ انکھڑیوں نے تری بے ہوش بنا رکھا ہے
بہر تسکین دلِ زارِ شبِ غم ہم نے ۔۔۔ انکی تصویر کو چھاتی سے لگا رکھا ہے
اسلئے نالہ کناں ہوں کہ قیامت ہو جائے ۔۔۔ وصل کو حشر پہ اُس بت نے اٹھا رکھا ہے
مجھکو اس رشک کے صدمے نے گھلایا سائل ۔۔۔ ان کو دشمن کی محبت نے ستا رکھا ہے

سائل ۔ حکیم عبدالحق صاحب خلف شاہ ابوالحسن قادری ۔ آپ موضع بجینیہ ضلع مونگیر کے ساکن اور خواجہ وزیر و حضرت امیر مینائی لکھنوی کے شاگرد تھے عرصہ ہوا کہ آپکا انتقال ہو گیا چند شعر ہدیہ ناظرین ہیں جن سے آپکی کہنہ مشقی ظاہر ہوتی ہے ۔ سائل

شوق سے اپنے گنہگار دل کو چور نگ کریں ۔۔۔ نیمچے یار کے ابرو میں تو نیمچہ پلکیں
کھیل مرغِ دلِ وحشی کا شکار ہے صیاد ۔۔۔ دونوں آنکھیں تری شہباز ہیں شہپر پلکیں
سوزشِ عشق سے جلتی ہیں یہ آنکھیں اپنی ۔۔۔ پنجِ شانہ کی طرح کھلتی ہیں شب بھر پلکیں

سائل ۔ بندہ علی جناب لایق کے شاگرد ہیں ۔ نومشق معلوم ہوتے ہیں ۔ معمولی فکر کے شاعر ہیں ۔ چند شعر درج کئے جاتے ہیں ۔ سائل

کب تری ابروئے خمدار نے کاٹے نہ گلے ۔۔۔ کب ترا تیرِ نظر دل کے مرے پار نہ تھا
اثر جادو کا ہے ان کی نگہ میں ۔۔۔ ملاتے ہی نظر جاتا رہا دل
وعدۂ وصل آ گیا نزدیک ۔۔۔ دل نے کی اضطراب کی باتیں

سائل ۔ مشہور دیار و امصار سخنور جادو نگار شفیقی محبی نواب مرزا سراج الدین احمد خاں صاحب خلف الصدق سوم نواب شہاب الدین احمد خاں ثاقب مغفور ۔ ابن جناب نواب ضیاء الدین احمد سائل

خاں صاحب نیّر مہر ور جاگیردار لوہارو۔

آپ ۲۰ شوال ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۴ء کو پیدا ہوئے۔ چار برس کے ہوں گے کہ سایہ پدری سر سے اٹھ گیا اپنے جد بزرگوار کے سایۂ شفقت میں تعلیم و تربیت پائی اور فارسی کی درسیات خود اُن سے سبقاً سبقاً پڑھیں۔ چنانچہ فارسی کی استعداد قابل داد ہے۔ اس خاندان کی شرافت اور علم و فضل کے اوصاف غیر محسوب ہیں۔ پہلے نواب ممتاز حسین خاں مرحوم سابق ریاست پاٹودی کی حقیقی بہن حضرت سائل سے منسوب تھیں۔ پھر دوسرا نکاح نواب فصیح الملک میرزا داغ دہلوی کی متبنّٰی دختر سے ہوا۔ نیّر رخشاں کی وفات کے بعد ۱۸۸۵ء میں ریاست لوہارو دو سو روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر ہوا تھا۔ اب عم نامدار نواب میرزا احمد سعید خاں صاحب طالبؔ کی جو انکی شاخ خاندان کے رئیس تھے اور لاولد فوت ہوئے، وفات کے بعد لوہارو سے اڑہائی سو روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر ہو گیا ہے۔ علاوہ ازیں آپ کی بیگم صاحبہ کو سرکار نظام سے تین سو روپیہ ماہوار کا منصب ملتا ہے۔

آپ کو لڑکپن میں شاعری کا شوق ہوا تو شاہزادہ میرزا عبد الغنی ارشدؔ مرحوم کے شاگرد ہوئے۔ پھر جناب داغؔ سے استفادہ حاصل کیا۔ اردو کے سوا فارسی کا کلام بھی اچھا ہوتا ہے بزم مشاعرہ کی طرز غزل سرائی قابل شنید ہے۔ اور اسکی تقلید اکثر شعرا کرنے لگے ہیں اور انداز غزل خوانی کی بہ دید ہیں

فصاحت اور بلاغت آپکے شاہد کلام کے چہرہ کا گلگونہ ہے۔ اور زبان کی سلاست دہلی کے روزمرہ کا اعلیٰ نمونہ۔ ہر صنف سخن میں آپکی دشوار پسند طبیعت نے گل کاریاں کی ہیں۔ بڑے بڑے مضامین کو چھوٹے چھوٹے لفظوں میں اسطرح نظم کیا ہے کہ پڑھکر حیرت ہوتی ہے آپ نے ہندوستان کے بڑے بڑے مشاعروں میں شریک ہوکر اپنی زبان دانی اور خوش بیانی کا سکہ جمایا ہے۔ اور جس مشاعرہ کی شرکت فرمائی ہے اس کو اپنا کر کے چھوڑا ہے سندیلہ کے بزم سخن یعنی مشاعرہ جناب ہاشمی اس بات پر شاہد ہے کہ ہر تمام شعرائے لکھنؤ کی

دہلی اور ادہر صرف ایک مردِ میدانِ سخن جناب سائل تھے لیکن پالا آپ ہی کے ہاتھ رہا۔ اور جماعت بندی کے ہوتے ہوئے بھی آپ ہی کی غزل پر بے اختیار ہو کر ہر مخالف اور موافق نے داد دی۔ آپ کا بیان ہے کہ میں نے شعر لکھکر کبھی نظرِ ثانی نہیں کی ہے کیونکہ میرے کلام میں نہ فلسفہ ہے۔ نہ الہیات۔ نہ استعارہ ہے نہ تشبیہات۔ میں تو صرف اپنے گھر کی زبان اور اپنے شہر کی بولی ٹھولی ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں ادا کر دیتا ہوں۔ آمد کا یہ حال ہے کہ مشاعرہ کی غزل عین وقت پر کہہ لیتے ہیں۔ آپ علم عروض بیان معانی کو اچھا جانتے ہیں۔ الغرض فن سخن کے متعلق آپ کی معلومات نہایت وسیع اور مبسوط ہیں۔ شعرائے دہلی میں آپ ہر پہلو سے ممتاز اور سربرآوردہ سمجھے جاتے ہیں۔ کئی برس سے اصلاح کا سلسلہ جاری ہے۔ سو ڈیڑھ سو نو مشق آپ سے فیض سخن حاصل کرتے ہیں۔

آپ غیور طبع بھی واقع ہوئے ہیں جیسا ایک غزل کے مقطع میں ارشاد فرماتے ہیں ؎

تخلص میں معانی کا اگر کچھ پرتوا ہوتا | تو سائل آپ میں یہ شان شوکت کہاں ہوتی

ایک شعر اسی پیمانہ کا اور ملاحظہ ہو ؎

سائل کو تم نہ چشمِ حقارت سے دیکھنا | نواب پانچ پشت سے اُسکا خطاب ہے

حضرت داغ کی آخر زندگی میں انکے پاس قیام رہنے کے باعث تمام تلامذہ مرحوم سے اچھی طرح واقف تھے۔ اور اکثر نو مشق شعرا کی خدمت اصلاح آپ سے متعلق تھی۔ مشاہیر تلامذہ مثل بیخود بدایونی۔ نسیم بھرتپوری۔ رشک۔ احسن۔ رسا۔ نوح سے انکے تعلقات ہمیشہ شگفتہ رہے۔ بعض تلامذہ نے اُستاد کی وفات کے بعد انہیں جانشین بنانیکی تجویز بھی کی مگر چونکہ متعدد شاگرد اس منصب کے دعویدار پیدا ہو گئے اور خود حضور نظام نے کسی کی خاص طور پر اس سلسلہ میں پرورش نہیں فرمائی۔ اسلئے یہ تجویز بار آور نہ ہوئی۔

افسوس ہے کہ اب دہلی کی سرزمین میں شعر و سخن کی نشو و نما و ترقی کی صلاحیت نہیں رہی جو کچھ تھوڑا بہت مذاق باقی تھا۔ اسے مشاہیر کی تنگ خیالیوں اور آپس کی رقابتوں اور رنجشوں

نے مٹا دیا چنانچہ اُس کا نتیجہ ہے کہ بہت کم جلسے ایسے ہوتے ہیں کہ جنمیں سب مشاہیر شہر یک ہو سکیں اور باہم داد خوش گوئی دیں۔

آپ وضعداری میں اپنے اسلاف کا نمونہ ہیں جس شخص سے پہلے دن جسطرح ملتے ہیں عمر بھر تک اسی طرح نباہ دیتے ہیں۔ ایسے مقدس نفوس کہاں نظر آتے ہیں۔ مولنا شاہ ولدار علی مذاق شاگرد خاقانی ہند ذوق مرحوم سے آپ کو بیت ہے۔ ۱۹۰۷ء میں گلدستہ معیار الانشاد آپکے اہتمام سے نکلتا تھا۔ مگر حضرت داغ مرحوم کے انتقال ہونیکی وجہ سے بند ہوگیا۔

آپ راقم تذکرہ کے صادق الولا دوست ہیں۔ اور عرصہ دراز سے آپ سے مراسم برادرانہ ہیں۔ دلی میں جو ایشیائی تہذیب کے دلدادہ اب چند نفوس رہ گئے ہیں ان میں آپکا دم غنیمت ہے۔ آپ کے ہر ہر جملہ سے صدق و اخلاص کی بو آتی ہے۔ آپ کی تصانیف سے دو دیوان مکمل ہو چکے ہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ تر انتخاب نذر ناظرین کیا جاتا ہے۔

جوش دخروش بلبل شیریں نوا ہے پھر
صیاد کی نگاہ پڑی مرغ دل پہ پھر
پھر چشم تر ہے کاشف احوال واقعی
پھر بھی ہو کاش یوں ہی وفا وعدۂ وصال
پھر ہے بہار ناز ستمگر کی آرزو
پھرتے ہو ڈھونڈتے ہوئے پھر جادۂ سلوک
کل شب کو بزم مے میں عدو میہماں نہ تھا
موسیٰ سے کیوں کھلا وہ کیا ہم سے کیوں حجاب
دے کر شگاف سینہ کو بولا ستم ظریف
دسواں فلک بنا ہے مری دود آہ کا
دل لیگیا چرائے کے زلیخا کا خواب میں

لب آشنائے نالہ و آہ و فغاں ہوا
برق جمال یار کی نذر آشیاں ہوا
راز نہفتۂ دل عاشق عیاں ہوا
میں خواب میں بھی مل کے بہت شادماں ہوا
سینہ وفور داغ سے پھر گلستاں ہوا
سائل وہ رنج راہ روی رائیگاں ہوا
یکرو نہیں خمخانہ ہو جانے دو ہاں نہ تھا
ذوق جمال یار میہماں تھا وہاں نہ تھا
دل میں تو ہاتھ سے وہ کہاں تھا کہاں نہ تھا
نظارۂ بطرف کوئی آسمان تھا
یوسف سے پا نہ چاہیں یہ گماں نہ تھا

نگہ کے تیر چھلنی کر دیا کرتے ہیں سینوں کو
جدھر وہ دیکھ لیتے ہیں اُدھر دیکھا نہیں جاتا

سودائے زلف و کاکل جب سے ہوا ہے تیرا
مجنوں لقب ہے اپنا دیوانہ نام پایا

خموشی میں سے ہے عرض حال کیا کیا
کوئی سمجھے ہمارا مدعا کیا

برابر ہی جفا کیا ہے وفا کیا
جو دل آیا تو پھر اچھا برا کیا

مجھے حیرت ہی خود لے داد محشر
کہ مشت استخواں کا خوں بہا کیا

نمک پاش جراحت جب نہ ہو تم
تو ایسے زخم کھانے میں مزا کیا

مآل ہجر ہے جانکاہ ظلم
امید وصل ہو راحت فزا کیا

پھر آئی یاد چشم سرمہ آلود
ملے پھر خاک میں ارمان کیا کیا

وہاں بھولے سے بھی وعدہ کا ایفا ہو نہیں سکتا
یہاں فرط محبت سے تقاضا ہو نہیں سکتا

مٹا یا ہے دوئی کو اسقدر تیرے تصور نے
کہ میرا عکس آئینہ میں پیدا ہو نہیں سکتا

ادب دان رموز عشق مجھسے رائے لیتے ہیں
کہ اُس کوچہ میں ہو سکتا ہے کیا کیا ہو نہیں سکتا

لیکے دل مجھسے کہا میرا ہے یہ یا آپ کا
مضطرب دل ہوکے ان سے خود ہی بولا "آپکا"

بزم میں عشاق کی ساقی نے خود کر دی تمیز
جام بھر کر رکھدیا - تیرا - تمہارا - آپ کا

جب تمنا میں نے بولی چل کے ہوں خاک وطن
آپ کے جانے سے کیا سُونا وطن ہو جائیگا

عاشقی کا پھل یہی ہے کھا رہا ہوں شوق سے
تن پہ جو ناوک لگے گا جزو تن ہو جائیگا

کسکا کوچہ کسکی محفل کس کا وعدہ کسکا وصل
سب بلائیں ٹل گئیں جب دل پہ قابو ہو گیا

مردم دیدہ تمہارے کیا قدر انداز ہیں
دل پہ جو ناوک لگا وہ ترازو ہو گیا

تھا تصور میں دُرِ دنداں جب آنکھیں بند تھیں
آنکھیں کھلتے ہی آنکھوں میں آنسو ہو گیا

فقرے فریب دیکے دل مبتلا لیا
مجھکو غریب جان کے تم نے بنا لیا

اتنا کے داغ ہی کرتے پھرین حساب
کیا جانے مے فروش نے کتنا دیا لیا

دل میں ہے درد داغ کلیجہ میں لب پہ آہ
سائل کو جو نصیب سے ملتا گیا لیا

کرتے ہیں وہ معاملہ میں دل لگی کی بات
مطلب اڑائے دیتی ہے سارا ہنسی کی بات

پیر مغاں کی طرز سخن لاجواب ہے
زاہد کی جب سنوگے وہی لگی سیکی بات

وعدہ کیا تھا آپ نے اور پھر مکر گئے
دم بھر کا تذکرہ ہے یہ آدھی گھڑی کی بات

مے پیکے وعظ سنتا ہوں حرمت ضرور ہے
مشرب کے گو خلاف سہی شیخ جی کی بات

ایفائے عہد چاہئے اب وہ بھی اٹھ گئے
جھوٹے کا قول کمرہ کا وعدہ گلی کی بات

سائل سوال کرکے نہ کھونا تم آبرو
دنیا میں ایک چیز ہے بس آدمی کی بات

دم میں جب تک میرا دم ہے میں ہوں اے تیری گلی
عکس بر دیوار شب ہوں نقش بر دیوار صبح

وہ آشوب تجلی ہنس رہا ہے گو پس پردہ
مگر عکس جسم آ پڑا ہے سارا [illegible] پر

ہمیشہ خون دل رویا ہوں میں لیکن سلیقہ سے
نہ قطرہ آستیں پر ہے نہ دھبا جیب دامن پر

ہوئے زمانہ میں مشہور دہر میں رسوا
نگاہ ناز سے تم چشم اشک بار سے ہم

ہمیشہ رستے ہیں داغ جنوں ہرے اپنے
خزاں کی رت میں بھی رہتے کس بہار سے ہم

جو ہم ہیں شوق سے بیتاب تو وہ شوخی سے
قرار سے نہ وہی ہیں نہ ہیں قرار سے ہم

یہ اودی اودی بدلی ہے یہ بادل کالے کالے ہیں
دریغا نہ پر سو سو برس کے پینے والے ہیں

گلے میں اپنے گریباں کہاں طفیل جنوں
نفس کے ہاں کوئی دو چار تار رکھتے ہیں

غلط ہیں نامۂ اعمال سب بیداد رشتہ
ہم اپنی معصیتوں کا شمار رکھتے ہیں

خدا جوئی سے ہے زاہد میں خدا سازی برہمن میں
ہیں دو رشتہ تعلق کے پڑے دونوں کی گردن میں

بھلائی کیا ہے زاہد میں برائی کیا برہمن میں
جو رشتہ دوش پر اسکے ہے وہ زنار اسکی گردن میں

نہ رکھ محروم مجھکو جلوۂ دیدار سے یارب
پڑا ہوں ڈیرے ڈالے طور کے دشت ایمن میں

نہ کہتے تھے کہ بالآخر یہ وحشت رنگ لائیگی
حمائل دست لیلیٰ ہوگئے مجنوں کی گردن میں

صدا دیتا ہوں ہر در پر کہ ہے کوئی سخی ایسا
بھرے تاثیر کے کرتے مرے کشکول سینا میں

تیرے اقرار دل میں تاثیر حیات جاوید
لذت مرگ ودیعت ہے ترے انکار دل میں

پارہ ہائے دلِ پرسوز میں کیا خاک رہی
تیر سینہ سے نکالو تو سلیقہ سے ذرا

دردِ دل سامنے اُن کے نہوا مجھسے بیاں
مجھسے بے مہر نے دشمن کے گلے ٹھیک نہیں

شیخ میخانہ میں ہشیار ذرا سے چلئے گا

اُٹھتی ہی نہیں آنکھ ترے رونے نکو سے
پیرِ مغاں نے تیز کیا نشہ مے اگر

غیر پر بے حد عنایت ہوا دہر کچھ بھی نہو
التجا شوق شہادت کی ہی تیغ یار سے

تم جدہر ہو اُس طرف پھر جائیں آنکھیں وقت نزع
نہ جاؤ سیر گلشن کو ادہر دیکھو ادہر دیکھو

چمن میں گل ہی تم ہو بام پر اور شمع محفل ہیں
تمہارے تیر کا پیکاں نہیں نکلا مری دل سے

بڑی مشکل پڑی آئینہ کیا ہے میں دکھا دونگا
نزاکت پر یہ دعویٰ ہے کہ ہم تلوار باندھینگے

قضا کا دن معین ہے اور اُس دن کی بھی ساعت ہے
وہ فرماتے ہیں ہم تمکو دکھا دینگے مسیحائی

سرہانے کھڑے ہیں اپنے بیمار محبت کے
دن رات دیکھتے ہیں وہ مہندی لگا کے ہاتھ

تم نہ قائل ہو نہ ہو گے نالۂ شب گیر کے
یہ بھی کوئی رونا ہے کہ دو اشک بھر آئے

ڈھونڈتے پھرتے ہو تم تیر کو انگاروں میں
لختِ دل نوک سے پیکاں کی لپٹ جاتے ہیں

حرف جو منہ سے نکلتے ہیں وہ کٹ جاتے ہیں
چاہنے والوں کے دل یوں ہی تو پھٹ جاتے ہیں

منہ کے بل گرتے ہیں جب پیر ریٹ جاتے ہیں

کیا ضعف ہے اللہ رے مری پائے نظر میں
میخانہ لُٹ ہی جائیگا فصل بہار میں

ایک پر اتنا تلطف ایک پر کچھ بھی نہ ہو
سینۂ و دل دستِ پا از دوسر کچھ بھی نہ ہو

حسرت دیدار اتنی ہو اگر کچھ بھی نہ ہو
دل پر داغ دیکھو صورت زخم جگر دیکھو

بلا سے جان عاشق سے جدہر جاؤ اُدھر دیکھو
اسی میں چاہئے ہونا ادہر دیکھو اُدہر دیکھو

ہے تم سا اور بھی اچھی طرح تم بن سنور دیکھو
تم اور چھپے ہو تمہارا ہاتھ بھی لاکھوں میں اچھا ہے

یہ استغنا محبت سے کہ جب جی چاہے مر دیکھو
نہیں آتا یقیں تمکو تو تھوڑی دیر مر دیکھو

نظر سے لاش پر اور ہاتھ سے آتا وہ تم کو
تا نظر سے باندھے ہیں دزدِ حنا کے ہاتھ

تم نے راتوں کو نشانے کب لگائے تیر کے
آنکھوں میں لہو نکلے دل آئے جگر آئے

اب در سے ہم سوئے حرم جائیں تو کیونکر

ہو قدر تجھے جب مری بیتابی دل کی

اب ہو گیا ہے انکا تہیہ بناؤ کا

ادا کرکے دکھا دیجئے ذرا پھر لوگ مرتے ہیں

بڑھکر ہو کہیں حور سے بہتر ہو پری سے

ساقی تنگ ظرف ایک ہی جام

کیا حال بیقراری خاطر بیاں کروں

کل ہوگی جنکو ہوگی سزا جرم عشق کی

اب امتحان ضبط ہے لے دل سنبھل ذرا

عرصۂ حشر میں کچھ گل نہ کھلا دے کوئی

بیکسی پوچھ نہ بیماروں کی اپنے ظالم

غم قیامت کا اگر ہے تو فقط اتنا سے

ے گسار دوری تو یہ کیا بھروسا کیا ہے

ہیں اگر شوق سے بیتاب تو بیشک تھا گناہ

مہ جبینوں کی گلی میں ہے یہ سائل کی صدا

ترک الفت ہم سے ہو دشوار ہے

مان جاؤ مرا کہنا تو میں اب بھی کہدوں

عیش ہی کٹتی شب غم رنج میں اب کٹ گئی

بن گئے سائل تو کیا شان امامت مٹ گئی

اٹھی نقاب منہ سے نہ سوئے روز حشر

آیا بھی رحم تجھکو کسی خستہ حال پہ

زیبا ہے یہ شہر سب جدھر آئے ادھر آئے

تجھکو مری صورت تری صفت نظر آئے

یہ دیکھنا ہے تن کے وہ کس پر بنا بنینگے

دکھا کر یہ جبا دیجئے کہ یوں مرتے ہیں ٹھوکر سے

سیرت اگر نہیں ہو تو اچھے ہو سبھی سے

وہ بھی اترا ہوا کناروں سے

اس نامرادوں کا سکون اضطراب ہے

بنتے ہیں آن انجمن انتخاب ہے

نظارہ جمال رخ بے نقاب ہے

داور حشر یہ تہمت نہ لگا دے کوئی

انکو تسکین کوئی دے نہ دلا دے کوئی

داد بیشک کو صورت نہ دکھا دے کوئی

ابھی پی جاؤں اگر منہ سے لگا دے کوئی

میرا کیا بس ہے اگر منہ سے لگا دے کوئی

ایک دو دو لب جو خدا دے کوئی

یہ نہیں تو زندگی بیکار ہے

داور حشر مرا دعویٰ خون باطل ہے

مدعا یہ ہے کہ ہم نے صبح کر دی شام سے

دیکھنے والے نہیں کھاتے ہیں جو کام سے

مری کی جیسے صورت چاند تباہ کی

تو نے ابھی سنی ہی دادخواہ کی

ترے رخ نے ضیائے نورِ عالمگیر کم کر دی | ترے عارض نے مہر و ماہ کی تنویر کم کر دی
کمر پر بار تھا اُس کا رہا زیبِ کمر خنجر | بہت اچھا کیا سفاک نے شمشیر کم کر دی
گلے ملنے کی جلدی میں کسی نے دیے ہیں یاد ارکاں | نمازِ عید میں یاروں نے اک تکبیر کم کر دی
دبایا چارہ گر نے جس قدر آئی بڑھی وحشت | ذرا سا پاؤں پھیلا دو کڑی زنجیر کم کر دی
پسِ شہرت بدلنا نام کا رکھنے سے بدتر ہے | تری تشہیر نے سائل تری توقیر کم کر دی
بلائے جاں ہیں جوانی کے دن سبھی کیلئے | نہیں ہیں حسن کی رسوائیاں اسی کیلئے
تمنا اپنے زخموں کی کروں کسطرح سے پوری | کہاں سے لاؤں ان سب کے لئے شمشیر کے ٹکڑے
بے مشقِ ستم آئندہ یہ بھی کام آئیں گے | میں چن لوں ٹکڑے دل کے ادھر تم شمشیر کے ٹکڑے
یہاں ماتم مجھے دل کا وہاں تلوار کا رونا | ادھر پیشِ نظر دل کے اُدھر شمشیر کے ٹکڑے
تری سفاکیوں نے تجکو عالم میں کیا رسوا | ملا کرتے ہیں رستوں میں تری شمشیر کے ٹکڑے
چبا لیتے ہیں جتنے لوہے کے سب الفت میں اے سائل | مگر کچھ دل میں تیری تو ہیں شمشیر کے ٹکڑے
ہوا پر ہو لئے جس دن مری فریاد کے ٹکڑے | اڑا ڈالینگے اس چرخِ ستم ایجاد کے ٹکڑے
تعجب ہے کہ اُس کے کان تک پہنچا نہیں کوئی | ہوا میں اڑتے پھرتے ہیں دلِ ناشاد کے ٹکڑے
مجھے دیوانہ جو کہتے ہیں وہ ہیں خود ہی دیوانے | چنا کرتا ہوں تنکے یا دلِ ناشاد کے ٹکڑے
تم اپنے ابروئے پرخم کو آخر کیا سمجھتے ہو | یہ چھریاں ہیں یہ خنجر ہیں یہ ہیں فولاد کے ٹکڑے

از دیوان دوئم

بچپنے کے یہ ستم ہیں تو جوانی میں نہیں | ہو نہ جائے ترا دل سیم بدن جیسے کا
ارشاد ہوا اُس کے یہ افسانہ کسی کا | قابو میں نہیں ہے دلِ دیوانہ کسی کا
آسان نظر آئے ہر اک مشکلِ دنیا | دے ساتھ اگر ہمتِ مردانہ کسی کا
معلوم نہیں کس نے کہانی مری سن لی | بھاتا ہی نہیں اب انہیں افسانہ کسی کا
زاہد کی رہ و رسم سے ہے توبہ کا خطرہ | میخوار سے بہتر نہیں یارانہ کسی کا

حور کو بھی بت کہو تو بغضِ للّٰہی کریں
عمر بھر میں ایک تو پہچان ہم کر ہو گئی

جذبِ دل میرا انہیں کر دیگا قائل خود بخود
جان لینا بس انہیں کو عاشقِ خانہ خراب

حرفِ مطلب سنکے سائل کا شرارت سے کہا
ہمتو سوز و تاب و تب کی آفتوں سے بچ گئے

کل نہیں معلوم کیا تہمت لگائی جائیگی
عشق میں سمجھے تھے مر جائینگے جب گھبرائینگے

بزمِ خلوت میں نظر نیچی تری کیوں ہو گئی
نامرادی کا الم سب پی گیا تن کا لہو

تمکو میرے سوزِ دل کا کسطرح سے ہو یقیں
سونے خنجر دیکھتا ہے مجھکو قاتل دیکھکر

ناامیدی جلوہ ریزی کی جو تھی وہ اب نہیں
پہلے عاشق کُش لقب تھا اب ہے عاشق سوز عرت

تمکو فرصت کب ملیگی مجلسوں سے غیر کی
تسلی بخش مرہم ہے خلش گر تیر جھنکی میں

بھلا وہ تیر کیا ماریگا کانٹے کا گلا کیوں کر
تمہ اندازیاں سمجھو کہ جذبِ دل کی تاثیر یں

پہنچیں جھنکی سے تو جیبیں کہاں شمشیر کہاں نکلیں
کبھی تڑپے تو تیغ آکے وہ تھنے میں سے چھلی

یہاں کیا دیر ہے دل سامنے رکھدیجئے ناوک کے
کس قدر ہیں ہشت ہرم سب اہلِ ایمان دیکھنا

اُسکو عاشق جان لینا جسکو حیران دیکھنا
باندہ لو جب شست پھر ناوک میں پیکاں دیکھنا

بستیوں میں بسنے گھر برباد و ویران دیکھنا
اُنکی صورت اُنکی جرات اُنکا ارمان دیکھنا

تم بتاؤ جبین کر دل تم کو کیا حاصل ہوا
آج قائم غیر سے الزامِ جذبِ دل ہوا

وقت سے پہلے نہ مرنا اور بھی مشکل ہوا
آنکھ کے سوپردے حیا کا پردہ کیوں حائل ہوا

جونک کی صورت جو کو لپٹا ہوا دل کے قریب
تمنے اپنا ہاتھ کیوں رکھا مرے دل کے قریب

آستیں گردان کر بیتابیِ دل دیکھکر
شام وعدہ آئینہ انکے مقابل دیکھکر

بڑھ گئے وہ اور جور شمعِ محفل دیکھکر
کیا کروگے تم کسی دلگیر کا دل دیکھکر

ننی دیدی ہے یا اللہ نے تاثیر جھنکی میں
سکے جو تیر مٹھی میں مجھے شمشیر جھنکی میں

وہی دل میں اُتر آیا لب جو تیر جھنکی میں
لب سوفار کر سکتے ہیں کیا تقریر جھنکی میں

کبھی تو جاگ اٹھے میری بھی تقدیر جھنکی میں
کماں مٹھی میں ہے تڑپے لے اٹھائے تیر جھنکی میں

وفا کا مدعا کیا بجز جفا معلوم ہوتا ہے
بلانا اُنکا پیغامِ قضا معلوم ہوتا ہے

بتانِ سنگدل کی ہے کافرکیتیاں ایسی
جسے دیکھو معاذ اللہ خدا معلوم ہوتا ہے

ہنسی اڑتی ہے روتے پر ہمارے انکی محفل میں
دل آزاری کا ہر پہلو بھلا معلوم ہوتا ہے

بہارِ خونچکاں سے دل ہوا ہے جفاجو کا
لہو بہتا ہوا اُس کو بھلا معلوم ہوتا ہے

مرادف موت کا فرما رہا ہے عشق کرنا صح
نہیں یہ زندگی کا آسرا معلوم ہوتا ہے

قدم رکھتے ہی میخانہ میں یہ کہنا پڑا ہم کو
یہ دنیا اور عالم دوسرا معلوم ہوتا ہے

کسی کو کیا خبر ہوگی کسیکے درد کی دکھ کی
نہیں پہچان لو نالہ پسِ دیوار کس کا ہے

یہ میخانہ میں کس کے رہن کا چرچا ہے اے نوشو
لبِ پیرِ مغاں پر قصۂ دستار کس کا ہے

آخر آنے لگی پہلو سے یہ آواز مجھے
پھونکے دیتی ہے مری پردگیِ راز مجھے

اس قدر لطف اسیری کا ملا ہے صیاد
یاد مطلق نہ رہا مقصدِ پرواز مجھے

دل میں آنکھوں میں جگہ آپ عدو کی ہوگی
کم نگاہی نے کیا جب نظر انداز مجھے

کیا کروں کیوں کروں پھر جرأتِ عرضِ مطلب
منع کرتی ہے جب انکی نگہِ ناز مجھے

کیوں یہ فرماتے ہو دل کا درد کم ہونیکو ہے
صاف کہدو تم کہ قصہ مختتم ہونیکو ہے

شامِ وعدہ جی کڑا کرکے یہ لکھ بھیجا انھیں
جھوٹے وعدہ کی طرح جھوٹی قسم ہونیکو ہے

جا رہے ہیں سوئے مقتل آج وہ خنجر بکف
کس کی شامت آئی کسکا سر قلم ہونیکو ہے

اسیکا نام ذوقِ بادۂ سرجوش ہوتا ہے
کہ بیہوشی کی دھن رہتی ہے جبتک ہوش ہوتا ہے

نظارہ کی ہوس پر جلوہ ریزی نے کیا بیخود
نہیں معلوم کتنے دن میں جا کر ہوش ہوتا ہے

دمِ رفتار کرنا ذوقِ پامالی کا اندازہ
کہ کس کس کا دل و دیدہ تہِ پاپوش ہوتا ہے

عدو کو کچھ نہیں کہتے جو سختی بھی پڑے تم کو
اُسی کو گالیاں ملتی ہیں جو خاموش ہوتا ہے

نئی کیفیتیں دیکھی ہیں ہم نے بادہ خواروں کی
یہ آپے میں نہیں ہوتے انہیں جب ہوش ہوتا ہے

بہار آئی تو وحشت میں نہ ہو کسطرح افزائش
اُمنگوں کا زمانہ ہے لہو میں جوش ہوتا ہے

نیچی نظر کے ناز ملاتے ہیں خاک میں
لکھا یہ تجھے تھا مگر سرمہ سا مجھے

ساقی نے بادہ خوار کو دی مے نہ شیخ کو
اُس نے کہا مجھے سے اُسنے کہا مجھے

تم شیخ رات کو تو بنے پیر میکدہ
دن کو دکھائی دینے لگے پارسا مجھے

مستی میں جا کے دل نہ ملیگا خبر نہ تھی
لوٹے گا دونوں ہاتھ سے دزد حنا مجھے

سر پر بٹھائے رکھتا ہی ایک ایک کو مدام
میں نقش پا کو تیرے تیرا نقش پا مجھے

اگر ہم تمکو نذر اپنا دل بے مدعا کرتے
ہمیں بھی سچ بتا دینا کہ تم اس دل کا کیا کرتے

بتا دیں کام کیا کرتے جو تیرے پاس ہم ہوتے
وہ کرتے جو ترے تن پر ترے بند قبا کرتے

آنکھ اپنی لڑگئی ہے اُس ستم ایجاد سے
ایک بھی جسکی ادا خالی نہیں بیداد سے

تم غلط شب ہائے تنہائی کا ہوجاتا ہی کچھ
دل بہل جاتا ہے شغل نالہ و فریاد سے

سخت جانی کو نزاکت نے تری سمجھا ہی کیا
بال بھی بیکا نہو گا خنجر فولاد سے

سائل **سائل** ۔ جناب شیخ نبی بخش صاحب ۔ آپ امروہہ ضلع مراد آباد کے باشندے ہیں حضرت توری امروہوی کے شاگرد ہیں ۔ خوشفکر شاعر ہیں ۔ مگر کلام اچھا ہے ۔ مندرجہ ذیل اشعار آپکی جدت طبع کے شاہد ہیں ۔

[illegible] ہمکو نالۂ بلبل سے آئے گا
نہ جس میں سوز کے ٹکڑے نہ جس میں ساز کے ٹکڑے

تیرے دامن کے دھبے سے پتہ کا خون کب قاتل
کہ خود لے لینگے محشر میں شہید ناز کے ٹکڑے

جگر پارہ پارہ اور دل سے پاش پاش اپنا
جو ہیں یہ ناز کے ٹکڑے تو وہ انداز کے ٹکڑے

کسی کو ذبح کر ڈالا کسی کو زندگی بخشی ہو نہو
اثر رکھتے ہیں کیا کیا آپ کی آواز کے ٹکڑے

بہت کچھ ہیں مری کشکول میں باقی ابھی سائل
نرالی وضع کے ٹکڑے نئے انداز کے ٹکڑے

سائف **سائف** ۔ ابو محمد اسمٰعیل خان معروف بہ حکیم افصح الدین خلف حکیم صفیہ حسین کاشف پہلے [illegible] باش رکھتے تھے ۔ اب دہلی میں مطب کرتے ہیں فن سخن کے شیدائی ہیں شعر معمولی

کہتے ہیں مگر اپنے کلام کو زور دار بنانے میں کوشاں ہیں نتیجہ فکر یہ ہے

سرمست ذوق بادۂ الفت کو چاہئے — پھر سکوت شیشۂ مینا کہیں جسے
پستی نصیب عاشق بیدل کہاں سے لائے — ایسا مکان کہ عرش معلی کہیں جسے
کہے قضا نصیب کے کام آئی جب یہ بات — معجز نما وہ لب کہ مسیحا کہیں جسے
عاشق کو ایک آبلۂ دل کے واسطے — نوک مژہ وہ چاہئے کانٹا کہیں جسے

دیکھئے تو کتنے آ آکر گلے کٹوائیں گے — میان سے باہر ذرا تلوار رہنے دیجئے
سن چکا ہوں میں بھی قصۂ اتو فرہاد کا — میرے آگے ہمت اغیار رہنے دیجئے
لذت درد آشنا تند مکرر ریز ہے — زخم کے منہ میں لب سوفار رہنے دیجئے

سبحان — **سبحان** شاہ خاں - جمعدار نیورگادں حیدرآباد دکن - مولوی نادر علی برتر کے شاگردوں میں ہیں - فن سخن میں کوئی خاص پایۂ امتیاز نہیں رکھتے - کلام یہ ہے -

بنائے جاتے ہیں حلقے جو کاکل میں سبب کیا ہے — پھسانیکو دل بیتاب کے زلف رسا کم تھی
ستمگر دست نازک کو عبث تکلیف دی تونے — ہمارے قتل کرنے کو تری تیغ ادا کم تھی
کیا بدنام غیروں میں ہمیں نیچی نگاہوں سے — بہت اچھے تھے تم جبتک ان آنکھوں میں حیا کم تھی

سبقت — **سبقت** - میرزا مغل خلف میرزا علی اکبر کشمیری - آپ دہلی میں شاہ عالم ثانی کے عہد میں پیدا ہوئے - اور یہیں رہے - شباب میں لکھنؤ گئے تھے - شیریں گفتار - خوش فکر معاملہ بند شاعر تھے - حضرت جرأت سے فیض سخن حاصل تھا - چنانچہ انکی جدت طرازی اور معاملہ بندی کا تصور انکے ہاں بھی اپنی جھلک دکھا رہا ہے - قدرت اللہ شوق اور شرف الدین میرٹھی کے قدیم غیر مطبوعہ تذکروں میں میرزا صاحب کا کلام نظر سے گذرا اسکا انتخاب سرمۂ چشم ناظرین کیا جاتا ہے

خوبان رخ پہ ڈالے زلفیں سانجھ سویرے پھرتے ہیں — دل کو لے ناداں چھپا رکھیاں تو لٹیرے پھرتے ہیں
دیکھ کے مجھکو کہتا ہے وہ کس کس پر میں رحم کروں — تجھسے پریشاں حال دکھاتے یاں بکھیری پھرتے ہیں

زلف کو لیکر ہاتھ میں پیارے کھیلا مت کریوں ہر ساعت
نشتر نہ بیتے اس انگن پر بہت سپہر کہ پھرتے ہیں

غم نہیں کچھ شیشۂ دل گر پڑے اور ٹوٹ جائے
ہے الم اسکا جو تیرے تیر پڑے اور ٹوٹ جائے

فصد مجھ بے گنہ کے ذبح کا جب دل میں ہو
کیوں نہ پھر قاتل کا نت خنجر پڑے اور ٹوٹ جائے

روئے نت جوں ابر نیساں کیوں نہ پھر یہ چشم زار
اسکا ہر اک اشک جب گوہر ہو اور ٹوٹ جائے

گر کرے احوال دل ظاہر نہ تھوڑا سا مرا
تو حباب بحر کوں اکثر پڑے اور ٹوٹ جائے

دیکھکر رخ کی صفائی تیری اسے آئینہ رو
کیا عجب ہے آئینہ شیشہ پڑے اور ٹوٹ جائے

پوچھے اُس سے کوئی حالت کر ہماری دل کی آہ
آئے مدت بعد جسکا گھر پڑے اور ٹوٹ جائے

سوچ میں ہے تیرے زکیو کرتا لب انساں کو دیکھ
غالب کے تپلے کا یوں پیکر پڑا اور ٹوٹ جائے

عالم کو کیوں نہ اُس کی گفتار مار ڈالے
جنبش نے لب کی جس کے دو چار مار ڈالے

سوز پروانہ ہویدا ہے سبھوں پر سبقت
گر کسی پر نہیں ظاہر غم پنہان شمع

ٹھنی ہے اب یہی دل میں کہ ہم کسی سے ملیں
نہ کوئی ہم سے ملے اور نہ ہم کسی سے ملیں

اٹھا دیئے سے بیابانی ترے بن ہم جہاں بیٹھیں
کہیں لگتا نہیں ہے جی کہ مر جا دیں کہاں بیٹھیں

قیامت ہوا بھی برپا اُٹھے ہنگامۂ محشر
سر زانو یار رکھ کے زانو پہ جو ہم کرتے فغاں بیٹھیں

مت یاد دلاؤ وصل کی راتوں کو
پوچھو کوئی نہ اُن ملاقاتوں کو

بھروں ہی نہیں بات نکلتی منہ سے
کرتا ہوں جب اسکی یاد میں باتوں کو

سپہر۔ میر محمدی۔ خلف میر مہدی مرحوم۔ آپ خواجہ وزیر لکھنوی کے شاگرد رشید تھے۔ سپہر
اور سید محسن علی مؤلف تذکرہ سراپا سخن کے خواہرزادہ تھے۔ طبع رواں صاف اور پاکیزہ زبان پائی تھی۔ فکر میں بلند پروازی تھی۔ صاحب فن اور خوش کلام و سخنور تھے۔ تحقیق کا شوق نقادی کا ذوق تھا۔ کلام یہ ہے۔

وہ شمع رو جو نہ لائے سر مزار چراغ
ہیں دل میں داغوں سے روشن ہزار ہا چراغ

یقیں ہے کہ وہ گل آئیگا خوشی ہونی
کہ پھول جھڑتے ہیں ہنستا ہے بار بار چراغ

یہ شرم آئی کہ فانوس میں چھپائے وہ منہ | جو دیکھے اُس رخِ روشن کو ایکبار چراغ

جور و جفا میں دیکھئے ثابت قدم ہو کون | تم دل کو آزماؤ تمہیں آزمائے دل
زلفیں دکھائیں تم نے جو آکر کھڑی کھڑے | ناحق بلا میں پھنس گیا بیٹھے بٹھائے دل
اب شہرِ عشق میں یہ منادی ہوئے سپہر | اُس ماہ رو سے کوئی نہ اپنا لگائے دل

اس کے زانو پہ جب رکھا سر کو | ہنس کے بولا اجی ذرا سر کو

سرد آہیں بھر رہا ہوں کچھ یہ آنسو ہیں رواں | انتہا جاڑے کی ہے اور ابتدا برسات کی

نہ جہاں وہم فرشتہ کسی عنوان پہونچے | فضلِ خالق سے وہاں حضرتِ انسان پہونچے
سچ ہے ہمدرد کو ہمدرد کا ہوتا ہے خیال | قیس یاد آیا جو نزدیک بیاباں پہونچے
ہم صفیرو۔ ہوں وہ بلبل کہ قفس میں مجھ تک | بوئے گل پھاند کے دیوار گلستاں پہونچے
جو فقیری میں مزا ہے وہ کہاں شاہی میں | کب مرے بوریے کو مسندِ سلطاں پہونچے
ہو سپہر جگر افگار کو جو شئے درکار | وہ اُسے غیب سے یا حضرتِ سبحاں پہونچے

سپہر **سپہر** ۔ آفتاب سپہر سخن گستری۔ نیر چرخ ہنروری منشی شہاب الدین خاں صاحب دہلوی شاگرد میرزا صابر دہلوی۔ آپ عدالت دہلی میں سررشتہ دار تھے۔ اور عاشقانہ رنگ کی شعر گوئی میں شہرۂ روزگار۔ زبان میں بیساختہ پن۔ بیان میں روانی تھی۔ اشعار میں دل آویزی تھی اور طبیعت میں مضمون خیزی۔ جو کہتے تھے خوب کہتے تھے۔ کلام میں درد اور سوز و گداز ہے۔ انکے بعض بعض شعر مقطوع الجواب ہیں اور وہ ایک ایک دیوان کا جواب ہیں مثلاً

اس برے لکھے کی مجکو گر خبر ہوتی تو میں | تھام لیتا ہاتھ لکھنے کا تب تقدیر کا

نشست الفاظ اور بندش کی خوبی نے نازک خیالی میں چار چاند لگا دئے ہیں۔ کلام کا انتخاب نذر شائقین ہے۔

مے کے پینے سے خدا کا میں گنہگار رہا | محتسب تو مرے کیوں درپئے آزار رہا
خون ہو کے بہا دل تو بلا سے لیکن | سرخ رو مجھسے تو اے دیدۂ خونبار رہا

کیا تماشا ہے کہ پہونچا ترے دل تک وہ تیا
تیرے دامن تک نہ پہنچا جسکو اک دشنہ تھا

اُسکو ظالم جو کہا میں نے تو ہنسکر بولا
تجکو ظالم بھی میسر کوئی مجھسا نہوا

ہو غریق رحمت حق وہ عجب انسان تھا
میکدہ کی - بیٹھے جو موجد ہوا تعمیر کا

رکھا یاد تم نے مرے بھولنے کو
عجب لطف کا ہے نسیان تمہارا

بے حوصلہ سمجھ کے وہ ہنستا ہے اے سپہر
روتا ہوں جس کے سامنے کھلکر میں اے دل

کیوں نہ ہو افزایش دشمن کہ قاتل وقت قتل
ہوگئے ایک ایک کے دو دو ترے ہمراہ ہیں

غصہ کیا اُترا کہ بل ابرو کے سارے مٹ گئے
عارضی جوہر ہیں اے قاتل تری تلوار میں

اپنے زخم دل کو ہم دہولیں کبھی جی کھول کر
آب اتنی بھی نہیں قاتل تری تلوار میں

اسطرح دی مجکو گردش چشم میگوں نے سپہر
نشہ سے جس طرح گردش ہو مے خوار میں

تکلیف نماز اور ہمیں - زاہد سے عجب ہے
بیٹھے ہوے کچھ ہم بھی تو بیکار نہیں ہیں

بیکاریوں میں نالہ کریں اور بکا کریں
یہ بھی نہ ہم کریں تو بھلا اور کیا کریں

ہوتا ہے کیوں تلاش بتاں میں خراب دل
چل اپنے گھر میں بیٹھ کے یاد خدا کریں

دل جو مل جائے تو ہے آنکھ ملانے کا مزا
اس سے کیا ہوتا ہے گر تم نے ملائیں آنکھیں

ساغر کشی سے ہاتھ اُٹھاؤں میں کسطرح
زاہد نہیں ہیں شیخ نہیں پارسا نہیں

ہم لطف سے تو کہ رہے پہ تیرا جفا شعار
یہ بھی اک ستم ہے کہ تم پہ ستم نہ ہو

لیتا ہے امتحاں تو اب [illegible] کہیں
تو آئے تیغ کھینچ کے اور ہم میں دم نہ ہو

جاتے ہیں اشک تو ملتے ہیں خاک میں افسوس
اور انکے سینہ پہ یوں موتیوں کا ہار ہے

گر انکے نام پہ مٹ کر میں خاک ہو جاؤں
مرا غبار طبیعت پہ ان کی بار ہے

سپہر کو نہ چھٹا مشغلہ ہرزہ گردی سے
کہ جز ان کے تعلق بھی کوئی کار ہے

کہو سپہر سے کہ جائے شراب خانہ سے
نہ میسر ہے سر پہ جز باصورت نادر ہے

سپہر - منشی سید شرف الدین صاحب - آپ سید امیر حسن صاحب فرزند لکھنوی کے زمرہ

سپہر

تلامذہ سے ہیں لکھنؤ کی قدیم شاعری کی جانب رجحان ہے اور خط و خال کے مضامین پر فریفتہ ہیں بعض شعر اچھے نکال جاتے ہیں۔ کلام یہ ہے ؎

سوتی ہوئی تقدیر مری تیر کی جاگی
زخم جگر و دل کا سبب کوئی نہیں اور

صدقے ترے ٹھوکر کوئی لے ماہ جبیں اور
ناوک ترا ڈوبا ہے تو نکلا ہے کہیں اور

عاشق کی ترے اُٹھتی ہے میت ترے در سے
نگہ ہے جسکی بلا آنکھ فتنۂ عالم

اب روٹھ کے جاتا ہے یہاں سے یہ کہیں اور
چلے ہیں ملنے اس آشوب روزگار سے ہم

تیرے رخ و گیسو کا ہے سودا مرے سر میں
ڈوبا تھا مرے دل میں نکلا ہے جگر میں

کٹتی ہے مری عمر اسی شام و سحر میں
کیا سحر تھا سفاک ترے تیر نظر میں

سایۂ رحمت ہے سر پر روز حشر
کیوں تڑپ کر رہ گئے قلب و جگر

مجرم آئے ہیں بڑے اعزاز سے
کس نے یہ دیکھا نگاہ ناز سے

مزا الفت کا ہے معشوق کی بے اعتنائی سے
عبث نالاں ہے بلبل باغ میں گل کی جدائی سے

یہ کہتا تھا کہ میرا خون ناحق رنگ لائے گا
وہ مٹی دینے آئے ہیں مجھے دست حنائی سے

کوئی کمبخت مر جائے تو مڑ کر بھی نہ یہ دیکھیں
کلیجہ ہو گیا چھلنی بتوں کی کج ادائی سے

سپہری

سپہری ۔ مولوی محمد احمد صاحب خلف مولوی خواجہ انتظام علی ساکن سہاسپور مہتمم کوتوالی بلدہ نظام دکن۔ اپنے والد کے قیام دکن کی وجہ سے اکثر وطن سے دور رہے اور حیدرآباد ہی میں تعلیم و تربیت پائی۔ فارسی زبان میں شعر کہنا شروع کیا۔ اور مولانا افضل رب عرشی سے اصلاح لینے لگے اور انہیں کی رعایت سے سپہری تخلص اختیار کیا۔ عربی فارسی کی استعداد عالمانہ پایہ کی تھی۔ دری زبان میں اچھا دخل تھا۔ طبیعت میں شوخی۔ رنگینی بلا کی تھی اور فطرتی طور پر سخن گوئی کا مادہ تھا۔ اعلیٰ درجہ کے خوشنویس تھے ہر قسم کے خطوط۔ نسخ نستعلیق شفیعہ۔ ریحان و شجرہ پر کامل دسترس تھی۔ دوست نوازی۔ مروت۔ زندہ دلی نے انکو مرجع احباب بنا رکھا تھا ۱۳۱۸ھ میں مالک کارخانہ فنون حیدرآباد سے کچھ صحبت آپڑی تو آپ نے ایک ناٹک "قران السعدین"

کے نام سے لکھا۔ ایک اردو فسانہ موسوم بہ فسانۂ محبوب بھی لکھنا شروع کیا تھا۔ مگر وہ ناتمام رہا۔ ۱۸۹۵ء میں بمقام بیدر علاقہ دکن بحیات والد بزرگوار زیب خاک ہوئے۔ ۳۸ برس کی عمر پائی۔ اردو کے مقابلہ میں فارسی کلام پختہ تھا۔ ریختہ اردو کا نمونہ یہ ہے ؎

تازہ ستم ہے یار کا مجھ سے خفا ہے اسلئے
ذبح کے وقت دست و پا تونے عبث بندھا لیے

غضب یہ ہے مرا قاصد یہ مجھ سے کہتا ہے
خطا معاف عبث ہیں جناب کی باتیں

بند ہوئی نہیں دم آخر
تکا کرتی ہیں انتظار آنکھیں

نکالو تیغ ستم کو نہ امتحاں کے لئے
نگاہِ ناز ہی کافی ہے اک جہاں کیلئے

رونے سے میرے بزم محبت میں ہر طرف
غل ہے خروش لٹے کلیجے نکل گئے

ستم۔ منشی درگا پرشاد خلف اکبر لالہ ہیرالال۔ آپ صاحب گنج کے رئیس تھے ۱۸۵۳ء میں پیدا ہوئے۔ فن شعر میں مولوی حکیم منیر الدین صاحب کیفی کے شاگرد تھے۔ زبان انگریزی سے واقف اور کسی قدر طب جانتے تھے۔ پہلے سرکاری محکمہ جات میں مختلف خدمات پر مامور رہے۔ پھر دنیا سے دل بیزار ہو گیا سلسلہ نانک شاہی میں فقیرانہ اور آزادانہ زندگی بسر کی علما و فقرا سے ربط رہا۔ کبھی کبھی مجلس وعظ و سماع میں بھی شریک ہو جاتے تھے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے تھے۔ آپ نے ۱۹۱۰ء میں انتقال کیا۔ فقرائے اسلام کی صحبت کے باوصف تناسخ کے قائل تھے اور کلام سے تصوف و معرفت کی بو آتی ہے۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

ہر رنگ میں تمہارے ہیں ہم صورت آشنا
دھوکا نہ دو جو تمہیں پہچانتا نہ ہو

کہتا تھا ہائے ہجر کا مارا ہوا کوئی
دشمن بھی اپنے دوست سے یارب جدا نہ ہو

بیٹھے جا جا کے پھر پھر آئا ہی تماشے ہوا کرینگے
ہوا رہیگی خلاف جبتک تو لاشے دریا بہا کرینگے

جو دل پھٹا ہے تو کچھ نہیں غم کہیں نہ کہیں رفو کر لے جائینگے ہم
یہاں اشکوں کا کچھ نہیں کم جبتک جینگے یا کرینگے

ستم۔ میرزا محمد عسکری صاحب باشندہ لکھنؤ۔ آپ جناب یکتا سے تلمذ رکھتے ہیں۔ بکی قابلیت کے شاعر ہیں ۱۸۹۹ء کے گلدستہ پیام یار میں ان کی ایک غزل شائع ہوئی تھی جس کا

انتخاب یہ ہے ؎

اے آسماں دہوئیں میں عاشق کی آہ کے
ٹکڑے اُڑے ہیں بنکے جو ابر سیاہ کے

تربت ہماری سایہ نرگس میں چاہئے
مارے ہوئے ہیں ہم کسی چشم سیاہ کے

سینے میں قتل ہوتا ہے دل۔ دل میں آرزو
جوہر غضب کے ہیں تری تیغ نگاہ کے

دل کو ستم کے لے کے مکر جائینگے ضرور
تیور یہ کہہ رہے ہیں کسی کی نگاہ کے

سجاد سجاد۔ جھنجھانہ ضلع مظفرنگر کے رہنے والے ایک زندہ دل۔ مذاق پسند سخن سنج تھے۔ نام معلوم نہ ہوا۔ انکے بڑے بھائی حکیم ساجد علی اٹھارویں صدی کے اخیر میں اپنے معصروں میں خوش خلقی اور نیک طینتی کے باعث ممتاز تھے۔ یہ خود بھی قابل اور صاحب استعداد تھے۔ یار باش تھے۔ فن تاریخ اور موسیقی میں کمال حاصل تھا۔ مرثیہ گوئی کا بھی شوق تھا۔ مگر طبیعت ہزل اور فحش گوئی سے مانوس تھی۔ شاعری کی تمام کائنات میں ہجوؤں کا انبار ہے جو فحش ہونیکی وجہ سے قابل اندراج نہیں تاہم انکے کلام میں ابتدائی اردو اور لگلے وقتوں کے الفاظ موجود ہیں ۱۱۶۸ھ میں زندہ وسلامت تھے۔ دو شعر تبرکاً درج ہیں ؎

جو ہمارے سر پہ گذری منہ سے کہنا ہی عبث
تیغ سے قاتل کے جا پوچھو ہماری سرگذشت

سو رہا کیا ہے زلف منہ پہ رکھے
اُٹھ میاں دونوں وقت ملتے ہیں

سجاد سجاد۔ صورت آشنائے معانی۔ رمز شناس سخن دانی۔ جناب علی سجاد صاحب عظیم آبادی۔ دور جدید کے مشہور مضمون نگار اور نامور علمی طبقہ میں انکا شمار ہے۔ آپ سرکاری ملازمت کی حیثیت سے بغداد میں بھی رہ چکے ہیں۔ اردو کے مشہور رسالہ مخزن میں ''یلدرم'' کے نام سے جو مضامین نکل چکے ہیں وہ آپ ہی کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔ اب اُن مضامین کا مجموعہ خیالستان کے نام سے شایع ہو چکا ہے۔ کتاب محل خانہ جو آپنے مراۃ العروس کے طرز پر لکھی ہے طبقہ نسواں میں مقبول ہے ۱۹۰۸ء میں دوران قیام کلکتہ میں راقم تذکرہ سے آپ کی ملاقات ہوئی تھی اُسوقت آپکی عمر ۲۷ برس کی ہوگی۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ آپ واجد علیشاہ اور مٹیا برج

کے حالات میں ایک تاریخ لکھ رہے تھے۔ یوں تو آپ شعر سحر مقال اور مرتبۂ کرسی بزم خیال ہیں بندش چست اور شعر ہر پہلو سے درست ہوتا ہے۔ مگر ادبی حلقوں میں آپ کی ادیبانہ نثر کا پایہ نظم سے زیادہ بلند ہے۔ ہندوستان میں سب سے پہلے مولف تذکرہ کو یہ فخر حاصل ہوا ہے جو آپ کا بہترین کلام ملک کے سامنے پیش کر رہا ہے۔

آپ راجہ صاحب محمود آباد کے پرائیویٹ سکرٹری بھی رہ چکے ہیں ۱۹۰۸ء میں بمقام کلکتہ سکونت پذیر تھے۔ اب ترک سخن کر دیا ہے۔ رسائل میں مضامین بھی نظر نہیں آتے جواہر انکار یہ ہیں ؎

ساتھ غیروں کو جو آتے سرِ محفل دیکھا
دل نے دیکھا مجھے پیش طرف دل دیکھا

جواب کچھ نہ دیا سر سے پاؤں تک دیکھا
دبی زبان سے جو کل اک سوال میں نے کیا

فراق ساقی ہوش میں خون پیتے ہیں
یہ وہ شراب ہے جسکو حلال ہم نے کیا

آج مخمور نشہ مے نے کیسا افسوس کیا
کل نہیں کتنا تھا آن نہ وہ بیباک تھا

آپ نے دیکھا کہ ہم بے تیغ و خنجر مر گئے
جیسے اک جنبش مژگاں میں قصہ پاک تھا

ہوئی ہے تباہ ہم سے اصل کی جانب رجوع
خاک میں کیونکہ نہ مل جاتا کہ آخر خاک تھا

حضرت دل نے مرے پایا ہے جو کمال
جو میسر نہ ہوا اس نیز کا اہل دیکھا

کسی کے دوش پہ گیسو پریشاں ہوتے جاتے ہیں
نئے سرے سے مری وحشت کے سامان ہوتے جاتے ہیں

نہیں آتے ہیں وہ انکا خیال آتا ہے رہ رہ کر
اسی صورت تو جینے کے سامان ہوتے جاتے ہیں

وہی سامان جو پہلے باعث جمعیت تھے
عزیز خاطر قیدی زنداں ہوتے جاتے ہیں

یہی ہے رنگ عالم سے تو اک دن اندیشہ ہو
زمیں میں کیسے کیسے چاند پنہاں ہوتے جاتے ہیں

[illegible]
[illegible] جاتے ہیں

[illegible]
[illegible] جاتے ہیں

[illegible]
[illegible] جاتے ہیں

کام آجائے تری راہ میں جب ہم جائیں
گل سے بدن کا رنگ نہ نکلا ہی پھوٹ کر
کیوں آپ سر جھکاتے ہیں ذکرِ وصال پر
جو دل میں آتے آتے زباں تک منتقل ہو
شاید برآئی ہو کوئی اس دل کی آرزو
اک سانحہ عظیم ہوا آج شہر میں
انکی الفت کی نگاہیں بھی ستم پرور ہیں
میں یہ سمجھا کہ میرے حال پہ جنگل بھی روتا ہے
بہت آسان ہے عرض مدعا کو طول دینا
وہ جلسے لکھنؤ کے یاد دلاتے سجاد آتے ہیں

بلبل نہ ہواں گلوں پہ منتشر
نہ افسردہ نہ وہ اندوہگیں ہے

شبنم نہیں ہے اشک ہیں دیکھو قریب سے
وارفتگی نے اب نہ رکھا کچھ بھی امتیاز
بت پھر گئی بلا سے خدا تو پھرا نہیں
مجھ سے نہ آپ حضرت موسیٰ چھپائیے
جاتا رہے گا سارا مزا دردِ عشق کا

خبر مرنے کی سنکر میری بولے
کسی کی شکل جب دیکھ لی ہے
مریضِ غم سنبھل جاتے تو ہائیں

مرحلہ عشق کا آسان ہوا مشکل سے

یوں تو کہنے کے لئے دوش پہ سر رکھتے ہیں
پہنے ہوئے وہ شوخ گلابی قبا نہیں
میں نے تو منہ سے نام کسی کا لیا نہیں
وہ غیر کی دعا ہے ہماری دعا نہیں
مجھکو تو یاد ہے کبھی ایسا ہوا نہیں
سجاد مر گیا ارے ظالم سنا نہیں
مصلحت میں ہیں عجب طرز نظر رکھتے ہیں
جو دیکھا دامن صحرا میں ہنستے آبشاروں کو
وہ تنہا لے گئے گر راہ میں امیدواروں کو
یہ آنکھیں ڈھونڈتی ہیں رات دن ان دوستداروں کو

رہنے کا نہیں حسن ہمیشہ
مرا مرنا مگر مرتا نہیں ہے

روئی بہار مل کے گلے عندلیب سے
کہتے ہیں اس کا حال ہم اپنے رقیب سے
ہے جائے شکر گر ہے شکایت نصیب سے
سنتا تھا میں جو ہوتی تھیں باتیں قریب سے
اچھا ہی ہے حال نہ کہنا طبیب سے

کوئی دنیا میں کیا مرتا نہیں ہے
طبیعت میری قابو میں نہیں ہے
سنا ہے کل سے حال اچھا نہیں ہے

دم نکلنے کو نکالا پہ ذرا مشکل سے

اپنی صد سالہ عبادت پہ نہ جا نازاہد
اس ریاضت میں بھی ملتا ہی خدا مشکل سے

کیا کہوں بے اثری سے مجھے شرم آتی ہے
دونوں ہاتھ اٹھتے ہیں اب بہر دعا مشکل سے

تیغ بھی تیز سہی ہاتھ بھی چالاک سہی
دیکھنا پھر بھی کٹے گا یہ گلا مشکل سے

مہر و الفت کا عجب کال پڑا ہے سجاد
آج کل ملتے ہیں ارباب وفا مشکل سے

نہ ہوگی بعد مرے ان کو قدر آرائش
کروں سلام جو آئینہ روبرو ہو جائے

مجھے بھی آج وہ مقتل میں سرفراز کریں
خدا کرے کہ شہیدوں میں آبرو رہ جائے

وہ اپنی تیغ زنی پر کمال نازاں ہیں
عجب مزا ہو جو ثابت رگ گلو رہ جائے

چمکا جو نہ آئینگی خورشید کو اس آتش رو سے
ہلال عید کٹ جائیگا اب شمشیر ابرو سے

یہ حالت ہے کہ دشمن کا کلیجا منہ کو آتا ہے
رہیگا یاد برسوں دل کا چھٹنا اپنے پہلو سے

کہاں نصیب جو اس در تلک رسائی ہو
ملے جو رستے گلی میں سلام کر لینگے

یہ دل ہے شیشہ سے نازک ذرا خیال رہے
لگی جو ٹھیس تو ہم تم سے دام کر لینگے

نہ کر صیاد اتنا ظلم طاقت ہے کہاں غم سے
قفس کو لیکے کیا اڑ جائینگے بال و پر سے

یہ کیسی زندگی ہے روز جیتا اور مرتا ہوں
کسی کے وصل کی امید ہوا در پئے غم سے

ہوئے واں زینت افزائے بساط عیش و دشمن
سکے گا مل کے یاں روئی تمنا رات بھر ہم سے

اگر ہے دید کا طالب نگاہ شوق پیدا کر
نہ تو باہر ہے عالم سے نہیں باہر ہوں عالم سے

طلب گر نعمت اعلیٰ کی ہے کم پر قناعت کر
گلوں کو دیکھ پیاس اپنی بجھا لیتے ہیں شبنم کر

خدا بخشے بیابان جنوں میں گو اکیلا تھا
بڑی رونق تھی لے سجاد پھر بھی قیس کے دم کی

جلوۂ حسن صنم اپنی دکھائے جو کشش
بت نکل آئیں ابھی دید کو بتخانے سے

ایک کے دم سے یہ سب دشت کی آبادی تھی
اب وہ رونق نہیں قیس کے مر جانے سے

خم کی ہو خیر کوئی جام ادھر لائے ساقی
تشنہ لب آج نہیں جاتے ہیں میخانے سے

پڑے ہے جا کے کسی ٹوٹی ہوئی مسجد میں
رات کو ہم جو نکالے گئے بتخانے سے

چلوؤں غم سے گھٹا خون مرے دشمن کا — مے جو دی اُس نے چھلکتے ہوئے پیمانے سے
ان حسینوں کو نہ رحم آئیگا ہرگز سجاد — سر پٹکنے سے نہ کچھ ہوگا نہ مر جانے سے
بڑے ریاض سے سینے میں دلکو پالا ہے — اندھیرے گھر کا ہمارے یہی اجالا ہے
بہار دیکھ تو تارِ نظر میں اشکوں کی — عجیب بیش بہا موتیوں کا مالا ہے
دکھائی دیتے ہیں سب ایک رنگ میں ڈھلے — ترے دیار میں گورا نہ کوئی کالا ہے
یہی تو وصف ہے سب اپنے رنگ میں ہیں ایک — تمہارے باغ میں جو پھول ہے نرالا ہے
خدا زیادہ کرے داغِ سینۂ عشاق — نظر اٹھا کے جدھر دیکھئے اُجالا ہے
تمہاری یاد میں تھا رخنہ زن خدا شاہد — خیالِ غیر کو کس طرح سے ٹالا ہے
زبان تیغ سے بیجا نہیں ہے پرسشِ حال — وہ راہ کرتے ہیں دل میں کہ آرزو نکلے
ٹھہر ادب سے ذرا قتل کر مجھے قاتل — غضب ہو گر وہ قریب رگِ گلو نکلے
مریضِ غم کی اجل آ چکے تو وہ آئیں — بدن سے جان نکل لے تو آرزو نکلے
نوید امن ہے سجاد دشمنی اُن کی — وہ جسکے دوست ہوئے اسکے سب عدو نکلے
بعد مدت کے جو زندانِ بلا سے چھوٹا — دیر تک پاؤں سے لپٹی رہی زنجیر مری
اک سہارا ترے ملنے کا تھا وہ بھی نہ رہا — آہ کہتی ہے کدھر اڑ گئی تاثیر مری

سجاد **سجاد** ۔ شیخ سرفراز علی ولد شیخ سجاد علی ۔ ابن شیخ مراد علی داروغہ نواب امین الدولہ بہادر شمشیر الملک قایم جنگ ۔ نادان محل لکھنؤ میں بود و باش رکھتے ہیں ۔ ۵۵ برس کی عمر ہے ۔ وجیہہ خوبصورت رنگین مزاج ہیں ۔ مثنوی شعلۂ عشق ۔ شگوفۂ عشق ۔ گلشن عجائب وغیرہ زمانہ شباب کے کارنامے ہیں جنہیں آپ بیتی حسن و عشق کی داستانوں کو بیان کیا ہے ۔ دیوان کے علاوہ نصیحت اطفال قصہ عاقل وزیر کے بھی مصنف ہیں ۔ جوانی کا زمانہ فیض آباد میں کٹا ہے معلمی کے ذریعہ بسر اوقات ہوتی ہے ۔ عملیات اور نجوم کا شوق ہے ۔ تاریخ گوئی کیطرف بھی متوجہ ہیں ۔ فن سخن میں خواجہ عبد الرؤف عشرت سے تلمذ ہے ۔ غربت سے بسر ہوتی ہے

لیکن خوددار اور قانع شخص ہیں۔ مضمون آفرینی خیال آرائی کو معاملہ بندی پر مقدم سمجھتے ہیں انکا دیوان تیار ہے چند شعر درج ذیل ہیں۔

حال کھلتا ہی نہیں تقدیر کی تحریر کا
کیا قلم ٹوٹا ہوا تھا کاتب تقدیر کا

گیسو و رخ کی اگر آٹھ پہر یاد نہ ہو
دن کو آرام نہ ہو رات کو فریاد نہ ہو

پس دیوار جو میں نالہ کناں جب نکلا
ہنسکے فرمانے لگے دیکھیو کہیں سجاد نہ ہو

باتیں نہ کر سکے دم مرگ آشنا کے ساتھ
آرزو کی طرح دم نکل آیا صدا کے ساتھ

سجاد۔ میر علی سجاد صاحب خلف میر حیدر علی باشندہ موضع کڑا [illegible]۔ آپ الہ آباد میں [illegible] دفتر کلکٹری سے تھے۔ میر علی اوسط رشک کے شاگرد تھے۔ ایک دیوان ان کی یادگار تھا۔ معلوم نہیں کہ شائع ہوا یا گمنامی کی نذر ہو گیا۔ طرز بیان میں اپنے استاد کے نقش قدم پر چلتے ہیں ۔

صدقے ترے قد پہ لاکھوں خوش قد
آنکھوں پہ فدا ہزار آنکھیں

گلرنگ ہیں آستین و دامن
دکھلاتی ہیں کیا بہار آنکھیں

دو دن میں یہ گھٹ گئی محبت
کرتے نہیں مجھسے چار آنکھیں

ان آنکھوں پہ دم نکل رہا ہے
مجھسے نہ نکال یار آنکھیں

روئیں یہ لہو [illegible] کی خاطر
سجاد کی ہیں [illegible] آنکھیں

سجاد۔ صاحبزادہ محمد سجاد علی خاں صاحب نبیرہ صاحبزادہ ہادی علی خاں۔ آپ نواب صاحب رامپور بہادر کے خاندان سے ہیں حضرت [illegible] رامپوری تلمیذ حضرت داغ کے شاگرد ہیں۔ موزوں طبع۔ قافیہ پیما ہیں اور نفس شعر کہتے ہیں۔ کلام یہ ہے۔

کہیں منتیں بھی ہاتھ بھی جوڑے وصال میں
آئی نہ میری بات پر ان کے خیال میں

سجاد بھول کر نہ لیا اس نے [illegible]
آنکھوں پہ [illegible] خیال میں

صدمہ ہو دل پہ [illegible]
[illegible]

زاہد بتائیں راہ تمہیں ہم ثواب کی | بازار میں لگا دو سبیل اک شراب کی

سجاد۔ نواب میرزا محمد سجاد علیخاں عرف نواب منے صاحب خلف دوم نواب میرزا محمد جعفر علیخاں بہادر نواب شیش محل۔ آپ نہایت طباع اور ذہین ہیں عربی فارسی انگریزی میں دستگاہ حاصل ہے۔ ابتدائے سن شعور سے طبیعت شعرگوئی کیطرف مائل ہے مشاعروں میں شریک ہوکر اپنے کلام بلاغت نظام سے سامعین کو محظوظ کیا کرتے ہیں شعرگوئی میں حضرت مشتاق لکھنوی سے تلمذ ہے۔ نہایت رنگین طبع اور خوش مزاج شخص ہیں روز مرہ لکھنؤ کی ٹکسالی زبان پر قادر۔ روزمرہ محاورات کو برتنے میں طاق ہیں طبیعت میں آمد زیادہ اور آورد کم ہے۔ معاملہ بندی کیطرف میلان خاطر ہے۔ اگرچہ شعر کم کہتے ہیں مگر جتنا کلام ہے خوب ہے۔ طبع عالی کا نمونہ یہ ہے ؎

شباب گلشن ہستی میں خواب تھا گویا | کھلی جو آنکھ تو پھر موسم بہار نہ تھا
لب تک آ آکے شب ہجر رکا تھا نالہ | منہ سے کس طرح نکلتا کہ ترا راز بھی تھا
ترا زانو تھا مرا سر تھا جو ہنگام غشی | عشق کو حسن پہ اسوقت بڑا ناز بھی تھا
پڑیگی تیرگی شام تربت عاشق | ہوا سے گل نہ کہیں ہو چراغ مدفن کا
شباب کھتا ہی ملکر یہ اسکی طفلی سے | بدلتا جاتا ہے اب طور تیری چتون کا
زمین اُس جا سے شق ہو جائیگی صحرائے وحشت کی | پڑیگا عکس جس جا پر مرے چاک گریباں کا
سامنے ہے آئینہ تیغ نظر ہوتی ہے صاف | کچھ خبر اسکو نہیں ہے کون بسمل ہو گیا
کوئی کہدے یہ اب لئیے مسافر کو کر رخصت | رگوں سے کھنچکے آنکھوں میں رکا ہے آکے دم میرا
تلاش یار میں صحرا نوردی ایسی کی میں نے | کہ سر پھرتا ہے وحشت میں جو رکتا ہے قدم میرا
وطن چھوڑا بسا یادشت غربت انکی خاطر سے | اب آگے حضرت دل دیکھیں کیا ارشاد کرتے ہیں
بتوں سے کنج رہکر ہم خدا کو یاد کرتے ہیں | کبھی خاموش رہتے ہیں کبھی فریاد کرتے ہیں
مونس نہیں رفیق نہیں ہمنفس نہیں | کوئی شب فراق میں فریاد رس نہیں

جب دیکھو حسن حور کا ممبر پہ ذکر ہے — واعظ سا بھی جہاں میں کوئی بوالہوس نہیں
بلبل یہ بولی آہ شرربار کھینچ کر — اب آج یا تو ہم نہیں یا یہ قفس نہیں
مجھکو تو دل سے بھائی ہے ساقی کی چشم مست — وہ دیکھنے کی آنکھ ہے جسمیں کہ رس نہیں
ہو چکے لیے بہت اقرار رہنے دیجئے — منہ نہ اب کھلوائیے لے یار رہنے دیجئے
چودھواں سال ہے باہر نہیں نکلے گھر سے — آپ کیا جانیں ابھی درد مصیبت کیا ہے
آج کی شب یہیں رہ جائیے لے بندہ نواز — کل چلے جائیے گا ایسی بھی عجلت کیا ہے
سجاد وصل یار مبارک ہو آپ کو — برسوں کے ایک رات میں ارمان نکل گئے
نہ ہو ذرا سا بھی غم مجھکو گر ہوں سب دشمن — جو ایک دم کیلئے میرے پاس تو آئے
اگر یہیں غیر سے ملتے ہوئے اسے دیکھوں — بجائے اشک مری آنکھ سے لہو آئے
[illegible] ہستی [illegible] دکھائیں — کوئی [illegible] جو آئے ۸
بول سے پیسے ابھی نہیں بزم میں ساقی — ادھر [illegible] شیشے کی پری سے
حوادث سے ڈریں کیا وحشی عشق — ہے دامن میں صحرا نے بلائے

سجاد — سجاد - منشی سجاد علی حیدرآبادی حضرت ظہیر دہلوی مرحوم کے شاگرد ہیں۔ طبیعت رسا ہے ذہن میں جولانی ہے رسالہ کمال دہلی [illegible] سے چند شعر منتخب کئے ہیں جو خیال کی رفعت اور شوخی طبع کی دلیل ہیں ۔

اثر اب بھی ہے آنا اضطراب [illegible] کا — ادا [illegible] کھینچے [illegible] صورت کا
وفا کیسی کہاں کا عشق سب [illegible] — بھرم [illegible] محبت کا
کہو [illegible] شوق سے رکھتے ہیں گردن زیر خنجر — تقاضا [illegible] ہے [illegible] محبت کا

سجاد — سجاد - صاحب طبع زاد - نواب سید جواد مرزا صاحب سجاد دہلوی [illegible] معین الدولہ [illegible] ذوالفقار الدین حیدر [illegible] مشہور و معروف نواب [illegible] میرزا مرحوم ابن نواب حسام الدین حیدر خاں [illegible] آپ [illegible] میں میرزا غالب

سے مشورہ رہا پھر میرزا قربان علی بیگ سالک کے شاگرد ہوئے سنہ ۱۳۰۱ھ میں جب کہ آپ صاحب کمشنر کے ہمراہ تھے گھوڑے سے گر کر انتقال کیا۔ میرزا عبدالغنی ارشد اور میر شاہجہان کامل نے وفات کی تاریخیں کہی ہیں بیٹھکر رنج و غم سے کھینچوں آہ ۱۳۰۱ ہے ہے از پشت اسپ افتادہ ۱۳۰۱ ان مصرعوں سے مادہ تاریخ نکلتا ہے۔ حضرت سجاد کے والد نے لڑکپن سے عالم پیری تک غالب مرحوم کی مصاحبت میں معتدبہ علمی فوائد اٹھائے۔ اور انہیں سے فارسی پڑھتے رہے۔ گو وہ سخنور نہ تھے۔ مگر سخن فہمی میں بے نظیر تھے اور بادشاہ کے ساتھ خواصی میں بیٹھنے والے خاندانی امیر۔ آخر اپنے چہیتے بیٹے کے غم میں دیوانہ ہو کر مر گئے۔ انہیں مرثیہ خوانی میں بھی کمال حاصل تھا۔

میرزا سجاد نہایت پاکیزہ خیال۔ جادو مقال شاعر تھے حسن صورت بھی رکھتے تھے پیرایہ بیان دلگداز اور تخیل کرشمہ ساز تھی اگر کچھ دنوں اور زندہ رہتے تو کلام مشق اور پختگی پر قلمرو سخن میں اپنے نام کے ڈنکے بجاتے۔ آپ کی معدن فکر کے گوہر نذر ناظرین ہیں۔

آئینہ خانے میں ہے محو خود آرائی کا / واہ کیا خوب ہے دعویٰ اسے یکتائی کا
غیر کا کوچہ ہو اور گرد ہو لڑکوں کا ہجوم / ہو محبت میں یہ سامان جو رسوائی کا
آپ کے پند و نصائح ہیں بجا سب واعظ / عقل اس وقت میں اک نام ہے برنائی کا
انگلیاں شہر میں اٹھتی ہیں جدھر جاتا ہوں / اور ابھی شور ہے عالم میں مری رسوائی کا
کچھ بھی حیرت ہے اگر دو تو ذرا پھر جائیں گے گھر / دیکھ کر نقش مری ناصیہ فرسائی کا
اب تصور میں بھی تجھکو نظر آتے نہیں ہم / ماجرا پوچھتے کیا ہو شب تنہائی کا
غیر کو ڈھونڈنے اس در پہ چلے جاتے ہیں / سینے اک تاک تو ڈالا ہے شناسائی کا
یہ جو دیوانہ سا پھرتا ہے وہی ہے سجاد / شہر میں شور تھا جس شخص کی دانائی کا

یعنی غیر ہے کہ نہیں تجھکو رشک غیر / یوں تیری دوست ہوں کہ تمہیں آپڑے دوست
جسمیں کچھ تنگی و شمال مرزا سے ملتے دیکھی / اسکو دیکھ کے تم نے قتل کیا میرے بعد

میرے سیاہ حال کی تقریر ہے وہ زلف | روز سیاہ نالۂ شبگیر ہے وہ زلف

سجاد حکیم میر سجاد اکبرآبادی ولد میر محمد اعظم شعرائے قدیم میں سے ہیں۔ شاہ مبارک آبرو کے شاگرد تھے فکر شگفتہ اور استعداد علمی معقول تھی۔ قدرت اللہ شوق اپنے تذکرہ میں رقمطراز ہیں کہ انکا کلام نہایت شیریں اور دلفریب ہوتا تھا۔ کلام میں متانت تخیل کے علاوہ غضب کی ہمواری ہوتی تھی اپنے زمانہ کے اعتبار سے واقعی اچھا شعر کہتے تھے مگر خیالات میں زیادہ پرواز نہ تھی جسقدر کلام دستیاب ہوا اسکا انتخاب یہ ہے۔

تجھکو اے سجاد غیر از خنجر بیداد کے | اور بھی کچھ ظالموں کی دوستی نے پھل دیا

یار سے دل ملا وہ غیر سے | نہ دل اپنا ہوا نہ یار اپنا

جان و دل سب قبول ہے جانا | پر گلی میں تری سے مجھے آنا

جلنے سے صدق دل کے سب بچ گیا فتیل | وہ بات سچی سانچ کو ہرگز نہیں ہے آنچ

پیدا ہوا سا فلک ستاروں ساتھ | نظر آتا ہے اک جہاں کا خند

دل کی جمعیت نہ کھو دل کھول کر | ہو نہ غنچہ پریشاں یوں کر

ایک دل رکھتا ہوں جو چاہے سو لیجاوے لٹ | خواہ نفیس خواہ ابرو خواہ مژگاں خواہ چشم

جب ہم آغوش یار ہوتے ہیں | سب تنے دشمن ہوتے ہیں

اتو ہم نے کیا گریباں چاک | تیرے دامن کو ہی تحت چھوڑیں

کس طرح کوہکن پہ گذریں تھیں | تجھ لب پہ ... ہیں

رہیں شیشیاں شراب کی پیار سے بھری کیوں | آنکھیں نشہ کے بیچ تمہاری گلابیاں

جب کرے ہے ترے دہن کا بیان | منہ سے غنچہ کے کیوں نکلتے ہیں

لب شیریں پہ اس کا دھرتا ہوں | زندگی ... تلخ کرتا ہوں

عشق میں جانتے نہیں ... | ... دل ... ہے آوارہ

... نکلے ... ... | ... ...

عاشقوں کا سجن لہو پی پی / دم بدم تیری تیغ اُگلے ہے
پاؤں جنگل میں دھرنے دیتے نہیں / کیا پھپولوں نے سر اٹھایا ہے
بتوں کے تئیں کس قدر مانتا ہے / یہ کافر مرا دل خدا جانتا ہے
رات اور زلف کا یہ افسانہ / قصہ کوتہ بڑی کہانی ہے

سجاد

سجاد - جناب مستطاب منتظم السلطنت جنرل برادر السلطان نواب ذوالفقار الدولہ سید محمد سجاد علیخانصاحب بہادر تیغ جنگ ہیں لکھنؤ۔ آپ مٹیا برج کلکتہ میں بادشاہ کے ہمرکاب تھے۔ انکی ہمشیرہ نواب نشاط محل بادشاہ کے ممتاز محلوں میں سے تھیں۔ آپ کو شاعری کا شوق تو لڑکپن سے تھا۔ مگر بادشاہ کی صحبت نے سیف طبع پر اور بھی صیقل کردی اور اچھے خاصے شاعر بن گئے۔ آپ ایک غزل کے مقطع میں خود ارشاد فرماتے ہیں ؎

قرب سے اختر کے لے سجاد یوں چمکتے ہیں / جسطرح تاباں ستارہ ہو مہ کامل کے پاس

کلام بلاغت نظام یہ ہے ؎

پھر پرسش جب نہ ٹھہرا دہ تن بسمل کے پاس / کروٹیں لیتا ہوا لاشہ گیا قاتل کے پاس
کمسنی کہتے ہیں اسکو ذبح کر کے ڈر گیا / خوف سے آتا نہیں قاتل تن بسمل کے پاس
یہ کسکے نور سے معمور ہے تصویر مٹی کی / کہ چشمک زن ہے مہر و ماہ پر تنویر مٹی کی
بہت دشوار رستہ ہے تربت میں ٹھہری اُعبار اپنا / ہوا ہے کوچہ جاناں سے دامن گیر مٹی کی
جنوں میں پنجہ وحشت نے ایسا زور بخشا ہے / کہ میرے سامنے ہے آہنی زنجیر مٹی کی
محبت کا مزا ہے جان جاتی ہے حسینوں پر / کوئی اسکا مداوا کیا کرے تاثیر مٹی کی
ہماری قبر پر وہ فاتحہ پڑھنے کو آتے ہیں / سُلا کر ہمکو جاگی ہے مگر تقدیر مٹی کی
اُڑایا ذرہ ذرہ کر کے میری خاک تربت کو / یہی لازم تھا انکو خوب کی توقیر مٹی کی

سجاد

سجاد - میر سجاد حسین صاحب جاگیردار بڑودہ۔ انکے بزرگ سہسوان کے رہنے والے اور سرکار بڑودہ میں اپنی سپاہیانہ کارگذاریوں کی بدولت صاحب سونح ممتاز تھے سرکار

بڑودہ سے ابتک انہیں جاگیر ملتی ہے۔ موزوں طبع ہیں بعض شعر ایسے نکال جاتے ہیں۔

رکتی ہے روکنے سے بھی انکی زباں کہیں ۔ باتیں سنائیں نقرے کسے پھبتیاں کہیں
فرقت میں اسقدر ہوے ہم خوگر ستم ۔ اب خوف ہے وہ ہم پہ نہوں مہرباں کہیں
آتا ہے شوخیوں کا مزہ بھولے پن کیساتھ ۔ ہو جائیں بچپنے میں وہ بدگماں کہیں
لطف سے جو بات کی در پردہ وہ بیداد کی ۔ مرحبا کیا بات ہے ظالم تری ایجاد کی
جان شیریں دیتے ہی شیریں کو اپنا کرلیا ۔ قسمت خسرو سے کوشش بڑھ گئی فرہاد کی

سجاد سجاد ۔ منشی سجاد حسین نائب رجسٹرار تحصیل ضلع مرزاپور۔ آپ میرزا فائز بنارسی کے شاگرد ہیں انداز بیان سے کہنہ مشق معلوم ہوتے ہیں۔ زبان بھی سلیس ہے۔ خلاصہ افکار یہ ہے۔

تمہارا حسن ہے بس اعتبار کے قابل ۔ ہزار ہیں نہیں اک شمار کے قابل
ہزار تم کہو آؤں گا میں نہ انوں گا ۔ یہ کوئی بات بھی ہے اعتبار کے قابل
برا ہو الفت خاک دیار قاتل کا ۔ کہ میری لاش کو رکھا نہ جار کے قابل
دیے ہیں داغ فلک نے یہ سوچکر دل میں ۔ یہی تو باغ ہے اس لالہ زار کے قابل
ٹپکتے اشک جو دیکھے تو پیار سے بولے ۔ ہے ایک ایک گہر اسکا ہار کے قابل
گلے کا ہار نہ ہاتھ میں میرے توڑ کے پھینک ۔ ارے یہ پھول ہیں سیہ مزار کے قابل
ہزار بار گلے پر لگا کے تیغ نہ تھکے ۔ مجھے سمجھتے تھے وہ ایک وار کے قابل
نہ فکر تم کرو سجاد شعر گوئی کی ۔ یہ تختیاں ہیں کہاں جان نثار کے قابل

سحاب سحاب ۔ کنور گوپال سنگھ صاحب مرحوم خلف الرشید راجہ سالگرام و برادر زادہ راجہ دیبی داس الہام وزیر اکبر شاہ ثانی دہلی کے مشاہیر خاندان اپنے وقت کے ممتاز رئیسوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ آپکے دادا راجہ چیکورائے اکبر شاہ ثانی کے عہد میں اول اور پھر اول عہد بہادر شاہ ثانی کے زمانہ میں منصب وزارت شاہی پر رہے۔ راجہ دیبی سنگھ اپنے وقت کے صاحب دل اور ذی رتبہ تصور کئے جاتے تھے۔ تحریر بابت خاص طور پر انکے خاندان اور

جواہر نگاری کا نمونہ ہے۔ کنور صاحب نے قدیم رسم زنقطۂ خیال کے بموجب گھر پر امیرانہ طریقہ سے تعلیم پائی تھی۔ لالہ راجمیداس گڑ والا کی صاحبزادی ان سے منسوب تھیں جو موجودہ سرپرست خاندان رائے بہادر لالہ سری کشنداس کی پھوپی تھیں۔ آشوب غدر اور قلعہ شاہی کے بگڑ جانے سے معیشت کیطرف سے وہ آسودگی اور فراغ البالی جو پشتوں سے حاصل تھی نہ رہی کئی لاکھ روپیہ جو بادشاہ سے لینا تھا وہ سب تباہی قلعہ میں کارانگریزی نے ضبط کر لیا۔ تاہم کنور صاحب نے اپنی لیاقت سے دو تین ہی برس میں وکالت کی سند حاصل کر لی اور اچھے کامیاب وکیل ہو گئے اور بزرگوں کی امارت کو ایسا چمکایا کہ "آب رفتہ بجوے آمد" کے مصداق ہو گئے اور بزرگوں کی جائداد دوبارہ خرید کر لی۔ آپکے دو صاحبزادے تھے۔ کنور منوہر لال۔ کنور سری رام افسوس ہے کہ ان دونوں کا انتقال ہو گیا۔ کنور جواہر سنگھ خلف راجہ دیبی سنگھ۔ اب اس خاندان کی یادگار ہیں جو راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں۔ کنور صاحب شعر قابل تحسین فرماتے۔ امیرانہ وضعداری زندہ دلی۔ دوست نوازی میں فرد تھے۔ انگریزی میں دستگاہ اچھی تھی خلق و مروت طینت میں داخل تھا۔ مولف تذکرہ کے والد سے دوستانہ تعلقات تھے ۱۸۸۵ء میں انتقال فرمایا۔

گو کبھی کبھی شعر کہتے تھے مگر ایں ہمہ حق سخن ادا کر دیتے تھے۔ حکیم غلام مولی بخش قلق ارشد تلامذۂ حضرت مومن دہلوی سے اصلاح لیتے تھے۔ کلام میں سوز و گداز۔ درد تھا۔ یہ دو شعر ان کی طبع سلیم کا نتیجہ ہیں ؎

شمع رو رو کے سر بزم یہ کہتی ہے کہ ہائے	خاک کرتی ہے مری گرمیِ بازار مجھے
اے دل رفتہ مگر جان پہ کچھ آن بنی ہے	چارہ گر اب نظر آتے ہیں عزادار مجھے

سحاب سحاب ۔ محمد اللہ یار خاں خلف ہارون خاں۔ آپ خیرآباد کے باشندے اور فوج میں سالدار تھے۔ فن سخن میں میرزا محمد رضا برق سے تلمذ تھا۔ ایک دیوان آنکی یادگار ہے۔ طبع رواں کے جوہر یہ ہیں ؎

آتش رنگ حنا سے کیا بھبوکا پاؤں ہے	لے پری نظروں میں اپنی صاف شعلہ پاؤں ہے

ہر ستارہ تیری چوٹی کا ہو رشکِ آفتاب / نور کے سانچے میں کیا خالق نے ڈالا پاؤں ہے
شعلے نقشِ پائے جاناں سے نکلتے ہیں سحاب / اس تماشا گاہ میں اس کا تماشا پاؤں ہے

سحاب **سحاب** ۔ منشی نصیر احمد خانصاحب خلف محمد سعید خانصاحب رامپوری۔ آپ حضرت منیر شکوہ آبادی کے شاگرد تھے سنہ ۱۲۶۶ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ آغاز عمر سے شاعری کا شوق تھا۔ گوہر باری طبع کی تراوش یہ ہے ؎

گل ہے باغوں میں وہ بت شمع ہے کاشانوں میں / دن کو ہم بلبلوں میں رات کو پروانوں میں
سودا ہے کسکی زلفِ پریشاں کا اے سحاب / پھرتے ہو ساری رات جو آشفتہ حال سے
دل بھی حاضر ہے جگر بھی آنکھ اٹھا کر دیکھ تو / دو نشانے ہیں ترے تیرِ نظر کے واسطے
مصیبت ناخدائے عشق ہے دریائے عالم میں / اسی کشتی کا بیڑا پار ہوتا ہے تباہی سے

سحاب **سحاب** ۔ سید منور علی صاحب۔ آپ حضرت احسان شاہجہانپوری مرحوم سے تلمذ رکھتے ہیں معاملہ بندی مضمون آفرینی۔ زبان کیطرف راغب ہیں۔ کلام کا انتخاب یہ ہے۔

گالیاں سنوائیں لپٹا کر ہمیں / حضرت دل یہ سلوک اچھا کیا
ہم تو مرجانیکو آمادہ ہیں اک مدت سے / دیر آنے سے ہے کوئی کرنے والا ہوتا
درد اٹھ اٹھ کے کہتا ہے دل سے / کیوں مزہ چکھا آشنائی کا
غیر سے کہدو خوش ہو شبِ وصل / آگے آتے دن جدائی کا
دخترِ رز شیشے سے کیوں باہر ہوئی / آگیا دل کیا کسی پہ خوار پر ہو

جوانی آگئی کیا پھولے بیٹھے ہو لڑکپن پر / مجھے ڈر ہے کوئی قبضہ نہ کر لے تیرے جوبن پر
جو دل کہتا ہے ہم سے ہم وہی کرتے ہیں کچھ بھی ہو / ہمیں تو اعتبار دوستی ہے اپنے دشمن پر
اسی امید پر ہمکو خوشی ہے اپنے مرنے کی / کہا تھا ایک دن اُسنے کہ ہم آئینگے مدفن پر
ابھی ننھا سا دل ہے تو ڈرتے جاؤ مجھکو یہ ڈر ہے / اندھیرے میں اکیلے جاتے ہو دشمن کے مدفن پر
ابھی تو فیصلہ ہونا ہے میرے مرنے جینے کا / چھری وہ رکھ بھی دیں تکبیر کہکر میری گردن پر

مجھے بلوائی ہے زاہد کی ضد نے اب تو ساقی
عذاب آخرت کا بار ہوگا کس کی گردن پر

ہمارا چار دن بھی باغ میں رہنا نہ خوش آیا
فلک نے خوب جل کر آگ برسائی نشیمن پر

تمنا ٹھوکریں کھانے کو لائی
قیامت کو بھی آج اسکی گلی میں

ذکر دشمن مرے آگے شب وعدہ کیا خوب
دل میں جو کچھ ہے تمہارے وہ سمجھتا ہوں میں

وہ کہہ رہے ہیں جو اچھی نہ میری خو ہوتی
تو کیوں زمانے کو ملنے کی آرزو ہوتی

صدائے لن ترانی ہو چکی اب ہم نہیں سنتے
دکھادو ہم کو بھی جو تم نے موسیٰ کو دکھایا ہے

سحاب

سحاب ۔ میرزا کاظم حسین صاحب لکھنوی ۔ آپ حضرت فصاحت لکھنوی کے شاگرد ہیں طبیعت میں بلند پروازی اور جولانی ہے ۔ زبان بھی سیدھی سادی ہے ۔ بارش فکر کی دُر افشانی یہ ہے ۔

بازار عشق صبح شب وصل سرد تھا
فریاد بھی نہ آہ بھی سینہ میں درد تھا

وحشت نے جان قالب بیجان میں ڈالدی
کانٹا بھی میرے ساتھ بیابان نورد تھا

دم آخر مرے بالیں پہ وہ آبیٹھے ہیں
سختی نزع کا مشکل ہے اب آسان ہونا

آج پر داغ ہے کل خاک اُڑیگی دل میں
اس گلستاں کی ہے قسمت میں بیابان ہونا

کسی کا شعر اچھا سنکے دل سے مدح کی جس نے
اُسے محفل میں سمجھا ہم نے اے سحاب اہل نظر جانا

پامال کون ہو گیا ٹھوکر کسے لگی
اتنا تو جھک کے دیکھ تو کیا رہگذر میں ہے

سحر

سحر ۔ نیّر شعرستان معانی سر دفتر بیاض نکتہ دانی ۔ سرآمد ارباب سخن شیخ امان علی لکھنوی خلف شیخ محمد امین ۔ پہلے آپ خرمن ناسخ کے خوشہ چینیوں میں داخل ہوئے ۔ پھر محمد رضا برق لکھنوی سے استفادہ حاصل کیا ۔ ایک موقعہ پر آپ اپنی عقیدت مندی کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں ۔

ہو فصاحت شعر میں اپنے نہ کیونکر اے سحر
مدتوں صحبت اٹھائی ناسخ مغفور کی

دنیا بھر کے بکھیڑوں سے کوسوں دور بھاگتے تھے ۔ پدری ورثہ سے بے حجت و تکرار دست بردار ہو جانا قانع ہونیکی دلیل تھا ۔ شاعری اور نازک خیالی نے امجد علیشاہ اور واجد علیشاہ کی سرکار میں سرافراز کیا تھا ۔ اور معاصرین میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ۔ چنانچہ نواب محمد حسن

خاں کی ملازمت میں رہے۔ وزیر۔ صبا۔ اسیر وغیرہ کے ہم مشق تھے۔ آپ ہمیشہ چھیلے جوانوں کیطرح نک سک سے درست رہتے تھے۔ بوالہوس لباس حسن صورت کی خوبیوں کو دونا کر دیتا تھا اور "ایک نور آدمی ہزار نور کپڑا" والی مثل انکی جامہ زیبی پر صادق ہوتی تھی۔ کترے رنگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔ مگر کبھی کبھی اپنے اُستاد کی تقلید میں کمبل کا لباس بھی زیب تن کر لیتے تھے۔ جبتک لکھنؤ رہے آٹھویں روز اپنے گھر پر مشاعرہ کرتے رہے۔ فرد مشاعرہ پر یہ شعر درج کر دیا کرتے تھے

کلفۂ خانی کو جو احباب سرافراز کریں	آٹھویں روز اسیطرح کا جلسہ ہو جائے

سنہ ۵۷ء کے پُر آشوب غدر نے جس طرح دیگر اہل کمال کو آوارہ و سرگشتہ رکھا اسی طرح آپ کو بھی طرح طرح کی مصیبتیں جھگتنی پڑیں عرصہ تک پیادہ پا بیابانوں کی راہ ناپتے رہے۔ کچھ دنوں کاکوری۔ بلگرام۔ فتح آباد میں پناہ گزین رہے۔ آخرکار شورش ختم ہوجانے کے بعد لکھنؤ کی سرزمین پر قدم رکھنے کا قصد کیا مگر صبح وطن کی شعاعیں بھی ابھی نہ دیکھنے پائے تھے کہ طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

خوش قسمتی سے آپ کو تلامذہ لائق اور قابل دستیاب ہوئے۔ حضرت قدر بلگرامی نے نام روشن کر دیا۔

آپ کی شاعری میں لکھنؤ کے گزشتہ شاعرانہ مذاق کی جیتی جاگتی تصویریں نظر آتی ہیں۔ رعایت لفظی۔ ضائع بدائع ضلع جگت میں حضرت امانت مرحوم سے دو چار قدم آگے ہیں تو محاورہ بندی سلاست سادگی میں رند اور صبا کے ہم قدم ہیں۔ لکھنؤ کی کوچہ گردی بے پردہ حسن حیا کا نہ معاملوں کا نقشہ اور دلی واردات انکے واسوخت میں ہیں۔ بازاری سے ہفت ہزاری تک اس شہر کو مزے لے لیکر پڑھتے تھے

ابھی کیا جو ترت پہ سنبھلے رہے	یہ سب کچھ ہوا جسم اکیلے رہے

غزل گوئی کے سوا رباعی قطعات قصائد بھی کہتے تھے۔ اکثر قصیدوں کی تشبیب ... ... والی مولانا ... ... اپنے رنگ میں اجواب ہر کلام کا انتخاب یہ ہے

موسیٰ نے طور ہی پر دیکھا تھا نور تیرا
دی ہیں آنکھیں دیکھنے کیواسطے
جو کچھ ہوا سو ہوا بس "گذشتہ را صلواۃ"
قبر میں رہ رہ کے جی گھبرائے گا
احباب کی صحبت سے دل اپنا نہ اُٹھے گا
منہ سے جب حرف "ناسزا" نکلا
سڑی سودائی ہوں ہمیشہ کا
لب رنگیں سے جو کیں نوک کی باتیں ہمنے
صحبت مے کا مزا ساقیِ دوراں تک تھا
نہ گئی جوشِ جنوں میں بھی وہ مرزا منشی
ملے نہ دل سے ہمیشہ فراق میں رکھا
جام قسمت کا بہر کیف ملیگا کہیں ہوں
زمانہ دیکھا ہے اے خضر ابتدا سے مگر
دو دن کی زندگی تھی کس لطف سے گذر گئی
لے لیا دل تو مال اپنا تھا
چشم مخمور نے گردش جو دکھائی ہوتی
فائدہ روز نکھرنے سے بتِ پردہ نشیں
چمک رہا ہے ستارہ آج کل اک ماہِ تاباں کا
دیکھکر حالِ دلِ غم زدہ بس رو دو گئے
میکدہ سے اٹھا ہے ابر بہار
جب جان گئی اپنی پھر وصل ہوا تو کیا

ہر شے میں دیکھتے ہیں عاشق ظہور تیرا
دیکھیں گے جو کچھ خدا دکھلائیگا
کہاں تلک کوئی رویا کرے گلہ دل کا
یار کا کمرہ بہت یاد آئے گا
لکڑی کا کبوتر ہے اکیلا نہ اٹھے گا
ہر لطیفے کا لطف کیا نکلا
آج اس کوچہ میں بھی آ نکلا
اے پری رو رگ یاقوت پہ نشتر مارا
جام کو مرقد جمشید پہ جا کر مارا
بات اگر سخت سنی سمجھے کہ پتھر مارا
تمام عمر غمِ عشق اشتیاق میں رکھا
کون سا فرض ہے میخانہ میں ہونا اپنا
ابھی دکھائیگی یہ عمرِ جاوداں کیا کیا
تم مجھسے انس کرتے ہیں تم کو پیار کرنا
زلف کی کچھ گرہ کا کھول لیا
دستِ جمشید میں مٹی کا پیالا ہوتا
لطف جب تھا کہ کوئی دیکھنے والا ہوتا
خطِ تقدیر کے نقطوں میں بھی عالم ہے افشاں کا
تم سے اب اور تو اے دیدۂ تر کیا ہوگا
میرے دل کی لگی بجھا دے گا
اس چاہ سے در گذرا اس پیار سے باز آیا

منتظر کب سے ہیں صبوحی کے
ذکرِ گیسوئے یار سے بگڑی

کچھ ضرورت نہیں اُس بزم میں ہونا اپنا
آبرو خلق میں مانندِ گہر پیدا کی

مرتبہ عشق میں حاصل ہے اب لیلیٰ کا
زاہد و خیر سے بت بھی کہیں پڑھتے ہیں نماز

دیار پہ توڑکر پاؤں بیٹھے
اُٹھتی ہے دیار پہ اب پردے کی دیوار
اس ناز سے کھتے ہیں جنازہ پہ پھر کے

رکھتے ہیں راہ شرع میں اس شرط سے قدم

ان بتوں کو جس نے پہچانا
گرد رہتا ہے حلقۂ احباب

واد ے وحشت بڑا ہے منزلوں تک بے چراغ
غصہ میں کوئی دیکھے دندان و لب کا عالم

عاشق کامل کی صورت سے قمر چھپتی نہیں
ایک بوتل کا نشہ ہے ایک لا رہے ہیں سحر

اس محبت کے مزے سے جو کوئی واقف ہوا

حور ہے قبر میں وہ پاس نہیں
امتحاں اپنا بھی ہو جائیگا جلدی کیا ہے
ساقی ہے نوجواں ابھی کم سن ہیں منع بھی
دست سبو سے ہاتھ ملے جاؤ گے کشو

آفتاب اب تو سا تپا نکلا
یہ نزاکی کا سلسلہ نکلا

دلکشا سے ہے زیادہ ہمیں کونا اپنا
آپ منظور ہوا جسم کو ڈبونا اپنا

دل سے اُٹھتا ہے دھواں کا گل چھاپ ہو کر
ہاتھ رکھتے ہیں مرے نام سے وہ کانوں پہ

نہ آنے کے قابل نہ جانے کے قابل
اس کا سرِ شوریدہ ہے ٹکرانے کے قابل
یہ تن تو نہیں تھا ابھی مرجانے کے قابل

میخانہ میں بھی جائیں گے چھپ کر ضرورہم

سچ کہوں وہ خدا شناس نہیں
فکر کوئی آس پاس نہیں

آدمی کیسا یہاں تو غول صحرائی نہیں
موتی سے پس رہے ہیں یاقوت کی کھرل میں

بادہ کی جون محبت کی نظر چھپتی نہیں
لاکھ دولت کو چھپا ئیے مگر چھپتی نہیں
زندگی کی اُسکو لذت عمر بھر ملتی نہیں

بندہ اتنا تو بد حواس نہیں
ابھی تو نام خدا شیخ جفا کرتے ہو
جگر شراب پیجیے پیر مغاں کے ساتھ
جبتک کہ پائے خم کا قدم درمیاں رہے

اپنی کہتے ہیں نہ سنتے ہیں کسی عاشق کی
آج تک موت کی ہچکی نہ کبھی آئی تھی

دم نزع ہیں اشاروں میں باتیں
سامانِ عیش سب ہیں بس ایک شئے نہیں ہے

نالہ کیا ہے اُس بتِ ترسا کے سامنے
تم کہا کرتے تھے میرا کوئی ہم سر اور ہے

رو یا کئے کہ ہجر میں نالے کیا کئے
بن گئے انجان کیسے جان کے
ہے جنازہ بھی جھمیلا کشت ہجر میں

توبہ کی ہے تو شراب آپ پینے کے نہیں
زاہد و پیری مریدی سے نہیں ملتا بہشت

فقط نام ہی سنتے ہو دردِ بری کا
رنج فرقت کو پہنچی نہیں ایذا کوئی

راحت کی خوشی رنج کا کچھ غم نہیں رکھتے
بے نیاز ہوئے سے ملتے ہیں کہیں گل بوٹے

چلے تھے تو مڑ کر ادھر دیکھ لیتے
رنج و غم ہجر کے گذر بھی گئے
تیرے آتے ہی جی اٹھے مردے
وا ہوئے پیچ و تابِ گیسو کے
آج واں یاد عاشقوں کی ہوئی

نالہ و آہ سے فرصت انہیں کب ہوتی ہے
یوں تو قاتل نے کیا یار کئی بار مجھے

دکھا دو "انہیں" اپنا آنکھوں میں دم ہے
کیونکر نہ دل بھر آئے شیشہ میں "مے" نہیں ہے

سولی کھڑی ہوئی ہے مسیحا کے سامنے
دیکھ لو آئینہ میں اک ماہ پیکر اور ہے

اپنی کہو ہماری تو یوں بھی گذر گئی
جان کھوئی دل کا کھٹا مان کے
خوب سوئے منگے دوشالہ تان کے

منتیں کر کے بلائیں گے بلانے والے
ہاتھ کیا آیا قدم سارے زمانے کے لئے

نہ صورت تمہاری نہ سیرت تمہاری
دل میں بیٹھا ہوا ملتا ہے کلیجہ کوئی

طالب ہو کسی شے کا وہ دل ہم نہیں رکھتے
اس چمن کا ہے مقرر کسی آرا کوئی

کہ ہم اور بھی اک نظر دیکھ لیتے
اپنو وہ ہیاں سے اتر بھی گئے
مرنیوالے ہزاروں مر بھی گئے
بال بکھرے بھی اور سنور بھی گئے
کوئی کہتا تو تھا آخر بھی گئے

واسوخت

خود آپ مر رہے ہیں کسی پر مرینگے کیا
دل تک نہیں ہے پاس محبت کرینگے کیا
بے دم ہیں آپ اور کا ہم دم بھرینگے کیا
دھڑکا تھا ہجر کا وہ ہوا اب ڈرینگے کیا
زنجیر پہنی پانوں میں کیا کیا کڑی سہی
اب کے اذیت شب فرقت بڑی سہی

ہر حال میں ہیں خوش بخدا وہ بشر ہیں ہم
لاکھوں بنا کے جوڑتے ہیں سحر ہیں ہم
ہر چند اہل دل ہیں مگر بے جگر ہیں ہم
ہو جائے حشر بھی تو جہاں ہیں ادھر ہیں ہم
تعریف کر چکے ہیں برا کیا بھلا کہیں
صحبت کے لوگ خوب ہیں تم کو تو کیا کہیں

واقف ابھی نہیں ہو ہمارے مزاج سے
بلبل کلاہ کو نہ سلیماں کے تاج سے
کچھ بات اور پائی گئی امتزاج سے
کاذب ہوا اس گلی تیغ ابھی تے جوان سے
اپنی جگہ نہ دیکھ سکیں گے جو غیر کو
جائینگے پھر کے اور ہی رستے سے سیر کو

دو پھول جس نے لا کے دئے باغ باغ ہو
اتنا تو ہم کہیں گے کہ خالی دماغ ہو
آج سے بات نہ کرنا یہ کہے دیتے ہیں
بات کرتے ہوئے تو زنا یہ کہے دیتے ہیں
دم محبت کا نہ بھرنا یہ کہے دیتے ہیں
اب تمہیں لوگوں پہ ظاہر یہ کہے دیتے ہیں
خوب صحبت سے تمہیں واہ اسی قابل ہو
اپنے قابل نہیں واللہ اسی قابل ہو

قصیدۂ ظریفانہ

گردش چرخ سے ابتر ہے زمانہ کا حال
ذرۂ فلک میں پستی سے نجوم اقبال

ہیں عطارد کی طرح اہل قلم چکر میں | صورتِ بدر ہیں گردش میں تمام اہل کمال
شادی نایاب ہی گانا ہے جہاں میں عنقا | ناچنا طائفوں کا صورتِ زہرہ ہے محال
نیستی پھیلی ہے اب شہر میں کنگلوں کی طرح | لوگ واقف نہیں دینے سے بجز حرفِ سوال
دینے والا نہیں ملتا ہے کوئی دنیا میں | جمع ہیں قبر پہ حاتم کی ہزاروں کنگال
مدتوں سے نہیں دیکھی ہے روپے کی صورت | لوگ سب بھول گئے سبز تھی رنگت یا لال
لال کہتا ہے کوئی۔ کوئی بتاتا ہے سبز | رات دن رہتی ہے آپس میں یہی قیل و قال
شرطیں بدبد کے روپے دیکھنے کو جاتے ہیں | چوک میں پوچھتے پھرتے ہیں کہاں ہے ٹکسال
ہیں جو کچھ اہل دول انکو یہی رہتی ہے فکر | ہاتھ آ جائے کسی طرح سے قاروں کا مال
کوئی مرتا ہے جو انہیں سے تو خوش ہوتے ہیں سب | قرض پر بکتے ہیں ہنس ہنس کے تمام اہل و عیال
آمدورفت نفس بند ہے دیکھو دیکھو | ہے یہ ادنیٰ سا دلِ تنگ کی تنگی کا کمال
نام کیا لوں ہیں انہیں میں سے کوئی صاحب بھی | بندہ تھا انکی ملاقات کا مشتاق کمال
لے گیا انکے لئے ایک قصیدہ لکھکر | ڈیوڑھی پر جا کے کیا آگے جو بڑھنے کا خیال
چوبداروں نے کہا دیکھ کے میری صورت | آپ کیوں اوڑھ کے آئے ہیں دوشالہ رومال
کیا کہیں آپکے گھر میں نہیں رکھنے کی جگہ | یہ بڑا موذی ہے قبلہ یہ بڑا ہے چنڈال
کپڑے کیسے کہ کفن تک نہیں بچتے اس سے | تم تو زندہ ہو یہ لے لیتا ہے مُردوں ٹال
ڈرتا ڈرتا ہوا اندر تو گیا میں لیکن | پہرہ پر رکھ کے گیا اپنا دوشالہ رومال
دیکھتا کیا ہوں کہ بیٹھے ہوئے ہیں در میں حضور | جیسے دوکان میں بیٹھے کوئی بنیا بقال
میں نے جاتے ہی کہا قبلہ و کعبہ مجرا | آپ کہنے لگے اچھا ہے طبیعت کا حال
مجھکو نفرت ہوئی سمجھا میں نرا الو ہے | کر کیا اسکا جواب اور کیا میرا سوال
جانے کی شرم سے میں نے وہ قصیدہ تو پڑھا | کیا کہوں میں کہ جو کچھ مجھکو ہوا رنج و ملال
سن چکے سارا قصیدہ تو یہ ارشاد ہوا | "آپنے خوب پڑھا حضرت شعر کہا احوال"

بے تمیزی کا امیروں کی تو یہ عالم ہے
کیا کریں اور کہاں جائیں بھلا اہل کمال

رات دن جوتے اچھلتے ہیں عجب صحبت ہے
دھول دھپے کے سوا اور نہیں کوئی خیال

ٹھٹھا ہنسی سے رہا کرتی ہے صحبت ہر دم
"ہر جلے بھنے" تو مصاحب ہیں کجا اہل کمال

سحر

سحر۔ ناظم عالی مقام سخنور شیریں کلام۔ ہنگامہ طراز رطب اللسان معنی پرداز سحر بیان عالی جناب احمد نواب علیخاں بہادر جنگ مرحوم سابق والی ریاست مئو آباد اودھ۔ آپ سلطان عالم واجد علیشاہ بادشاہ لکھنؤ کے مقربان خاص اور مشیران با اختصاص میں سے تھے۔ اول حضرت ناسخ مرحوم سے استفادۂ سخن حاصل کیا پھر کچھ دنوں تک میرزا فخر سے مشورہ لیتے رہے۔ سنہ [illegible]ھ میں بمقام سیوتھ دار فانی سے عالم جاودانی کی راہ لی۔ آپکا کلام سحر نظام لکھنؤ کے قدیم تمدن کا آئینہ ہے جسمیں شوکت الفاظ کے ساتھ قدرت کی سچی تصویریں کہیں کہیں اپنی جھلک دکھا جاتی ہیں۔ صنایع بدایع کے ساتھ ہی ساتھ سادگی اور بندش کی صفائی مضامین کو معراج کمال پر پہنچا دیتی ہے۔ رعایت لفظی تشبیہات استعارات تلمیحات یہ سب سخن کی زیبائش ہیں طبیعت میں شوخی اور ظرافت حد سے زیادہ تھی۔ ذہن کی رسائی اور فکر صائب کی چرخ پیمائی ہر شعر سے ظاہر ہوتی ہے۔ آپنے واجد علیشاہ کے مشاعروں میں شرکت فرمائی تھی اور بارہا خلعت [illegible] زیادہ شہرت حاصل ہوا تھا جیسا کہ اس مقطع سے ہویدا ہے۔

جب در سلطان عالم پر گدا ہو گیا
اوج پر اقبال کا اپنے ستارہ ہو گیا

ایک مقطع میں بادشاہ کی طرف یعنی حسن عقیدت کا اظہار یوں کیا ہے۔

یارب سحر کے سر پہ سلامت رہیں حضور
فرماں روا جہاں میں رہیں تا جہاں ہو

اچھوتی ترکیبوں کی خار دار جھاڑیوں سے آپکا دامن سخن محفوظ ہے۔ دقیق اور بلند خیالات کو سیدھی سادی زبان میں ادا کرنا آپ کی تیغ مقال کا جوہر ہے۔ تخیل کی پاکیزگی ملاحظہ ہو۔

جب سے نقاب چاند سا رخسار ہو گیا
تا رات ایک روزن دیوار ہو گیا

دیکھئے پرواز خیال اور واقعیت کو ملحوظ رکھا ہے ہر ایک تارے کا لمعۂ حسن سے ماند ہو کر روزن دیوار بن جانا تیز روشنی کے سامنے ہلکی روشنی کا بے قدر ہونا۔ یہ تمام باتیں دائرہ قدرت سے الگ نہیں۔

آپ عشق مجازی کا عبرت ناک نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں ؎

جلا دل۔ تن گھلا۔ لب خشک۔ گاں کو بھی ترپایا
بس اے عشق بتاں اپنے کئے کو خوب بھر پایا

شعر مندرجہ بالا میں "بھر پایا" نے چوٹ کھائے ہوئے دل کی درد انگیز صدا پیدا کر دی ہے مصرعۂ اول نے ایک بدنصیب کی ذات میں جن باتوں کا اجتماع کیا ہے۔ وہ سب سوز و گداز کو بڑھانے والی ہیں۔

محاورہ کی صحیح کھپت۔ زبان کا لطف مضامین کی جدت۔ راجہ صاحب مرحوم کا حصہ تھا اور مبدار فیاض سے نورانی طبیعت پائی تھی۔ اکثر غزلیات میں مطلع ایسے نادر کہے ہیں جو ایوان معنیٰ میں خیال کی روشنی پھیلاتے ہیں۔ مرصع الفاظ زور بیان سے بلاغت کا مرتبہ بڑھا دیتے ہیں۔ آپ کا ضخیم کلیات ۱۲۹۳ھ میں شایع ہو چکا ہے۔ بہارستان فکر کی گلچینی یہ ہے ؎

صاعقۂ حسن ہے رخسار خود آرائی کا
شعلۂ طور ہے جلوہ تری یکتائی کا

دل تری زلف مسلسل کا گرفتار ہوا
سلسلہ مل گیا زنجیر سے سودائی کا

شانہ و آئینہ اب ہاتھ سے چھٹتا ہی نہیں
خودنمائی سے بڑھا شوق خود آرائی کا

سحن تمام نہو شام روز محشر تک
بیاں کروں جو شب ہجر کی درازی کا

شب جو مہتابی پہ وہ مہ بزم آرا ہو گیا
چاند کا سجدہ ہوا اتنا کہ تارا ہو گیا

حشر کرتا ہے یہ کہنا آپکا بالائے بام
لو سوا نیزے پہ سورج آشکارا ہو گیا

وائے ناکامی تب آیا ساقی پیماں شکن
جب ہماری عمر کا لبریز ساغر ہو گیا

عمر گذری انتظار وعدۂ دیدار میں
منہ دکھایا جب کہ سب وعدہ برابر ہو گیا

قتل قاصد کو کیا خط پھاڑ کر پھنکوا دیا
تھا یہی پاسخ ہماری شوق کی تحریر کا

جس مرقع میں ہو تیری روئے روشن کی شبیہ
ہو ید بیضا سے روشن ہر ورق تصویر کا

ناز تازہ مرے دلدار نے ایجاد کیا
جسکا دل ہاتھ میں آیا اُسے برباد کیا

تو ملا جسکو زمانہ میں ہوا بیگانہ
خود فراموش ہوا جس نے تجھے یاد کیا

ہوں میں وہ صید کہ خود دام مصیبت میں پھنسا
کبھی آزردہ نہیں میں نے دل صیاد کیا

ربط باہم ہو نہ کیوں روز ازل سے حق نے
مجھکو دیوانہ کیا تجھکو پری زاد کیا

جاتی ہے اک خلق عاشق کے جنازے کو لئے
دو قدم ساتھ آ گئے تم بھی تو کیا ہو جائے گا

ہوں میں وہ ثابت قدم راہ وفا میں جان جاں
دیکھکر تلوے کو تیرے منہ نہ دیکھوں حور کا

لی جو انگڑائی کھڑے ہو کر تو پیدا ہو گیا
گرد اُس کے چاند سے مکھڑے کے ہالہ نور کا

گلا ہے اک بیاض نور اُس خورشید ناطق کا
کیا کہئے گریباں کو ستارہ صبح صادق کا

سنکر سوال وصل پہ کی تھی نہیں نہیں
انکار میں کنایہ اقرار ہو گیا

آغوش سے جو وہ بت گلرو جدا ہوا
ہر جی کا نسیم صفتہ زار ہو گیا

مہر شرما کے سوئے شرق پھر آیا الٹا
صبح اُس ماہ نے منہ سے جو دوپٹا الٹا

اچھا ہوتا نہیں بیمار تری آنکھوں کا
یہ وہ جادو ہے کسی سے نہیں جاتا الٹا

الفت پردہ نشیں سے ہے جو چھپانی منظور
آ کے لب تک مرے پھر جاتا ہے نالہ الٹا

راہ گھر کی مرے کترا کے نکل جاتے ہیں
پھیر کھاتے ہیں مگر چلتے ہیں رستا الٹا

جس طرف بل گئے ابرو ہوئی اک خلق شہید
تیغ کی کاٹ میں یکساں ہے پہ سیدھا الٹا

شاعری کا نہیں دعویٰ سے سحر کو لیکن
نظم کرتا ہے مضموں کوئی سیدھا الٹا

شب [illegible] جس سے بڑھ نہ سکا ناز کا
[illegible] جاں تو صید [illegible] سے ترکش تیر انداز کا

چھیڑتی تار رگ جاں کو ہے مضراب ادا
دل دکھا دیتا ہے کھٹکا یار کی آواز کا

بچتا چلتا ہے دل ہر گام پر زیر قدم
فتنہ [illegible] ہے پامال خرام ناز کا

لپٹے کوٹھے سے جو وہ دلبر رعنا اترا — بام کعبہ سے میں سمجھا کہ مسیحا اترا

آج کس نے رخ پرنور سے الٹی ہے نقاب — ماہ کا منہ جو نظر آتا ہے۔ اترا۔ اترا

تن لاغر کو مرے چاہیئے باریک کفن — مجھکو دے ڈال جو ہو کوئی دوپٹا اترا

نقل کی جا لب شیریں کا مجھے بوسہ دے — ساقیا منہ کا مزا ہے مرے اترا۔ اترا

انتظار خط قاتل میں یہ محویت ہے — تیر آیا تو کہا قاصد جاناں آیا

رخ طائر دل کا طرف کوئے صنم ہے — کعبہ سے پھرے قبلہ نما ہو نہیں سکتا

بچتا نہیں تا کا جسے قاتل کی نگہ نے — یہ تیر نشانہ سے خطا ہو نہیں سکتا

منظور شکست دل نازک ہے گرا لے شوخ — کہدے سخن سخت جو پتھر نہیں ملتا

ابرو کو تیرے شوق ہے کیا قتل عام کا — منہ دیکھتی نہیں یہ سروہی نیام کا

ہوا ہے کعبۂ دل جلوہ گاہ حسن محبوباں — قیامت ہے بتوں نے پھر خدا کے گھر میں گھر پایا

گرا قدم پہ جو میں راہ میں اسے پاکر — تو کس ادا سے وہ بت کہکے دور۔ دور پڑا

قفس میں نالوں سے مطلب ہے یہ اسیروں کا — بہار میں نہ چھٹے ساتھ ہم صفیروں کا

میں رند مست کروں گا کبھی نہ بیعت شیخ — جوان دست نگر کس طرح ہو پیروں کا

کبھی بھی تیر سے بے یاری کماں چلتا — جواں سے ہے کون جو محتاج ہو نہ پیروں کا

بہار ہے ترے کوچہ کی اس قدر دلکش — کہ پاؤں اٹھ نہیں سکتا ہے راہگیروں کا

جگر جلا کیا شعلہ کوئی عیاں نہ اٹھا — چراغ عمر تو گل ہو گیا دھواں نہ اٹھا

اٹھا جو پردۂ رخ مہروش کا نور پڑا — فروغ ماہ گھٹا اور چراغ طور پڑا

نقط نشہ کے پڑنے سے اک غرور پڑا — کہ جیسی ریش بڑھی زاہدوں کا زور بڑا

رخ اسکا بے نقاب دیکھا — خورشید تہ سحاب دیکھا

بالوں میں چھپایا یار نے منہ — ظلمات میں آفتاب دیکھا

لطف شب وصل کیا بیاں ہو — گویا گونگے نے خواب دیکھا

چہرہ پہ گلال رنگ لایا — زیب شفق آفتاب دیکھا
تصور جو ساقی کا آیا مجھے — تبھی جام آنکھیں دکھانے لگا

اللہ ری تجلی رخسار آتشیں — سنگ مزار طور کی مانند جل گیا
جب بے نقاب آیا نظر حسن شمع رو — مرغ نگاہ صورت پروانہ جل گیا
آئینہ جمال حقیقت مجاز ہے — ہیں فیض قرب بت سے خدا کے قریں ہم
جوش جنوں میں سر کو جو پٹکا ہے جا بجا — اب لالہ زار دامن کہسار ہو گیا
سینہ میں آگ سوز محبت نے دی لگا — اب شعلہ ریز دیدۂ خوں بار ہو گیا
گالیاں دے کے بھی مردوں کو جلا دیتا ہے — ہے مسیحا سے لب یار کی تقریر جدا
سنگ در پر ترے رگڑا ہی یہاں تک ماتھا — کہ ہوا لوح جبیں سے خط تقدیر جدا
جاتا ہوں سوئے وادی غربت بحال زار — اہل وطن معاف ہو میرا کہا سنا
سنتے ہو سب جہاں کے قصے کہانیاں — لیکن نہ درد دل کا مرے ماجرا سنا
تم نے سب جو باتیں سنائے ہو بار بار — کچھ میری بھی زباں سے برا یا بھلا سنا

دیکھئے کیا بنے اب ہوس عاشق ناکام کا — منہ کھلا ہے آج قاتل تیغ خوں آشام کا
مشتاق اس کی دید کا مثل کلیم ہوں — رتبہ بلند طور سے ہے جس کے بام کا
تو مجھکو بات بات میں دیتا ہے گالیاں — او بد زبان یہ کیا ہے طریقہ کلام کا
دم کیا ہوا ہے شوق میں تن سے نکل گیا — مشت غبار صاف کفن سے نکل گیا

دیکھو فسون آہ شرربار و چشم تر — اخگر فشاں جدا ہوں میں گوہر فشاں جدا
کیا آب و تاب ہے لب دندان یار پر — وہ لعل بے بہا ہیں وہ موتی گراں بہا
ہر دم بہا بہا کے لہو مردمان چشم — تم نے تو آپ اپنا دیا خانماں بہا
شور بہاراں ہوا جوش کا ساماں ہوا — چاک گریباں ہوا قصد بیاباں ہوا
زلف جو رخ پر کھلی شام نمایاں ہوئی — رات عیاں ہو گئی مہر جو پنہاں ہوا

ہے جہاں دیوانہ مجھے زلف عنبر بیز کا
عشق شیریں میں کیا کیوں آکے تیشہ کو قتل

وہ رنگ بھر جو بنے ہو گئے بے حجاب شراب
جو مست الفت ساقی ہیں وہ قیامت کو

ہے شب یلدا سے طولانی اگر گیسوئے دوست
سیج پر پھولوں کی سو جاتا ہے جب وہ نازنیں
چشم مردم خیرہ ہوتی ہے شعاع نور سے

جان دیتا ہوں میں ایسے ستم ایجادوں پر
طوق زنجیر کی اب خلق خریدار ہوئی
آبرو لیتی ہیں عشاق کی پر آب آنکھیں

دیکھنے چاند آیا ہے ماہ پیکر بام پر
زلف چھوڑی مجھکو دکھلا کر رخ گلفام پر

وصل کا مژدہ جو پہونچا کان میں
نزع میں بھی تو عیادت کو آئے
مل نہ مل مختار ہے آ یا نہ آ
وصل کو کہتا ہوں تو کہتا ہے یار

گر ہو تیرا شعلۂ رخ برق افگن آب میں
غرق ہو وہ بھی جو ہو ظالم کے بیڑے کا شریک
بحر دنیا میں ہیں اکثر اہل تمکیں پست قدر
آبرو ہو خاک اک ہرجائی پر دلدادہ ہیں
عشق میں ہو جان و دل کر پیچ و تاب اضطراب

صید آہوے ختن ہے دیدۂ خوں ریز کا
کوہ کن نے سر نہ پھوڑا خسرو پرویز کا

تو موج بادہ سے بنے برق آفتاب شراب
اٹھینگے حشر میں کہتے ہوئے شراب شراب

تارے ہیں افشاں کے ذرے ماہ کامل روئے دوست
صدمۂ گل برگ سے چھل جاتا ہے پہلوئے دوست
پنجہ شعلہ شاخ نخل طور ہیں بازوئے دوست

جھکے سایہ کو بھی ہے فوق پری زادوں پر
تیرے دیوانوں کا احسان ہے جلادوں پر
ایک ساون پہ شرف رکھتی ہے اک بھادوں پر

ہے بیاض صبح کا جلوہ سواد شام پر
یعنی وعدہ صبح کا موقوف رکھا شام پر

جان سی آئی ہماری جان میں
مر گئے عاشق اسی ارمان میں
ہم ترے ممنون ہیں ہر آن میں
تم رہوگے بس اسی ارمان میں

شور کی جا سے یقیں پیدا ہو شیون آب میں
ڈوبتی ہے چوب بھی ہمراہ آہن آب میں
خس نہ ڈوبے تہ نشیں ہو جائے کندن آب میں

اشک حسرت ہوں نگاہ خلق سے افتادہ ہوں
مثل آتش دیدہ ہوں سیماب آتش دادہ ہوں

دل سے دل توڑے ہیں ناحق شیشہ بازی سے کیا
محتسب کا خون پینے پر نہ کیوں آمادہ ہوں

میکشی کا مجھکو ہے پیر مغاں مشرب پسند
دل سے میں تیرا پیالہ پینے کو آمادہ ہوں

کیا بلا ہے برق عالم سوز ہے غش حسن گرم
آفتاب حشر کشتہ ہے مسیح مردہ ہوں

گرد کھاوے قاتل اپنے ابروے خمدار کو
کوڑیوں کے مول بھی کوئی نہ لے تلوار کو

گلرخوں سے بوستاں ہیں کوچہ ہائے لکھنؤ
کیوں نہ دل مانند بلبل ہو فدائے لکھنؤ

جس طرح مرغ چمن کو ہے قفس میں اضطراب
دل ہے یوں بیتاب سینہ میں برائے لکھنؤ

بانکپن شوخی کرشمہ ختم ہیں اس شہر پر
کیوں نہ ہوں سو جی سے قربان ادائے لکھنؤ

اے صبا اس گلزمیں میں زمزمہ پرداز یاں
ہر جگہ ہے عندلیب خوش نوائے لکھنؤ

چمن ہو بادہ ہو چھائی گھٹا ہو
بغل میں ساقی گلگوں قبا ہو

نہ کیوں دل خال و خط کا مبتلا ہو
نہیں مٹتا جو قسمت کا لکھا ہو

کیا تیغ نگہ سے دل کو مجروح
نمک چھڑکے تو الک تازہ مزا ہو

چاندنی کی سیر کر لے سے چمن میں چلکے بیٹھ
چاندنی کے فرش پیچھے بچھا کر چاندنی

دن کو خاک آستاں پر جبہ سا ہو آفتاب
جبہ سائی سے ہے شب کو ماہ کو در کا تقرب چاندنی

اپنے بیگانے سب سے رشک چمن بھول گئے
دشت غربت پہ خوش آیا کہ وطن بھول گئے

ٹھوکریں کھائیں تری چال کے آگے ابس
[illegible] بھول گئے

پیار کرتا ہے پیر مغاں نے بھر کے صہبا سے
[illegible] نہ بھیگا

دشت وحشت میں جنوں نے یہ بگاڑی صورت
[illegible] بھول گئے

ہوا ہے میکدہ روشن فروغ حسن ساقی سے
لٹو [illegible] خورشید چاندی کی تھالی پر

سیہ کاروں کو مانع ہو نہ زاہد زیب مسجد [illegible]
[illegible] سنگ اسود کعبہ کی پیشانی پر

کھنچے ہیں سرمہ کے دنبالے اُن مژگاں محبوب
[illegible] بھی سنبھالی پر

منظور جو اس صنم کو ستمگر ہے
[illegible] سر ہے

بیٹھا ہوں حج میں نقیب ہو کر
تکیہ اُسی بت کا سنگِ در ہے

قطعہ

کس مرتبہ شوخ ہے وہ عیار
آیا سر شب ہمارے گھر سے

رخصت کا گھڑی گھڑی ہے طالب
ہر دم سوئے آسماں نظر ہے

کہتا ہے کہ کرتے چھیڑ چھیڑا کر
جانے دو دن رہا سحر ہے

اوڑھا ہے دوپٹہ اُس نے اودا
بدلی میں چاند جلوہ گر ہے

اللہ رے بوسہ کی حلاوت
اب تک لذت زبان پر ہے

آنکھوں سے رواں ہیں اشک حسرت
ہر دم اعمال پر نظر ہے

رخ سے پردہ جو اٹھاؤ تو قیامت ہو جائے
جلوہ گر سامنے اللہ کی قدرت ہو جائے

ذکر رخصت نہیں پیغام اجل سے کچھ کم
اٹھ کھڑے ہو تو بپا ایک قیامت ہو جائے

ہے خط مصحف عارض کا نظارہ جائز
کھولو منہ سورۂ یوسف کی تلاوت ہو جائے

کون رویا شب ہجر مری حالت پر
دیدۂ روزن دیوار سے آنسو نکلے

چمن اور ساقی و جام ہے مجھے ترک شراب حرام ہے
کہیے خشک توبہ سے کام ہے مرا زاہدوں کو سلام ہے

ہوئی میکدہ میں نماز ادا کہ ہے شیشہ سے مجھے اقتدا
ہے اگر نا اٹھنا بھی نشہ کا یہ سجدہ ہے وہ قیام ہے

لڑیں آپ ہم سے نہ ہر گھڑی کہ جواب ہم بھی نہیں کوئی
ہے زبان منہ میں ہمارے بھی مری جان غصہ حرام ہے

اے بتو ظلم تمہارے نہیں کیا کیا دیکھے
سچ ہے اللہ جو دکھلائے وہ بندا دیکھے

ذبح کرتا ہے ادا سے یہ کہے جاتا ہے
دم تہ تیغ جو ہارے ”مرا مردا دیکھے“

یار ہنستا ہے مری آہ شرر افشاں پر
ہے غضب ”کوئی جلے کوئی تماشا دیکھے“

تنگ جینے سے نہ کس طرح سحر ہو ہیہات
غیر کے ہاتھ میں جو آپکا چھلا دیکھے

غصہ ہے بہت بوسۂ ابرو جو لیا ہے
کہتے ہیں کہ مرا ہاتھ تری آج قضا ہے

جاؤ نہ ابھی پاس سے بیٹھو کوئی دم بھر
تھم جاؤ ذرا درد کلیجہ میں اٹھا ہے

مرنے ہی مرے یار نے سب باتوں کو چھوڑا
غمزہ ہے نہ عشوہ نہ کرشمہ نہ ادا ہے

صاف زنگارِ کدورت سے جو سینہ ہو جائے | دل سلیماں کی انگوٹھی کا نگینہ ہو جائے
دی جو تشبیہ پری سے تو برا مان گئے | تو مری جان نہیں آپ سے اچھا کوئی
ہیں اخترِ تاباں یہ عیاں کاہکشاں سے | یا گوہرِ غلطاں سے تری مانگ بھری ہے
یاد آتی ہے تری یاکہ ہے رونا آتا | اور ایجان کوئی کام نہیں آتا ہے
دل کا آغازِ محبت میں برا نقشہ ہے | نظر اچھا نہیں انجام نہیں آتا ہے
ابر ہے نغمۂ مطرب ہے مے و ساقی ہے | آ مری جان یہی دل میں ہوس باقی ہے
شیب میں بھی ہے وہی غفلتِ ایامِ شباب | ہو چکی صبح مگر نشۂ شب باقی ہے
چاند ہے چہرہ ترا اور چاندنی ملبوس ہے | سر کلائی شمع ہے ہر آستیں فانوس ہے

خمسہ برغزل حضرت ناسخ مرحوم

میں لختِ دل نہ قطرۂ خون چکیدہ ہوں | خشک و تر زمانہ سے دامن کشیدہ ہوں
ہستی عذابِ نزع ہے وہ آفریدہ ہوں | ہوش رمیدہ ہوں نہ حواس پریدہ ہوں
وحشت میں میں صدائے گلوئے بریدہ ہوں

ساقی کے ہجر میں ہے دل مضطرب تپاں | ہے دخترِ رز کی دید کا بخت نصیب جاں
چہرہ بسو رنگ سر سے اڑے ہیں حواس یاں | کس کو خبر کہ شیشہ کہاں ہے قدح کہاں
بے یار بزمِ بادہ میں ہوش پریدہ ہوں

وحدت کے عالموں سے ہے نفی نمودِ غیر | ہے رشتہ گسستہ یہاں تار و پودِ غیر
چھایا ہوں میں جہاں میں نہیں ہست و بودِ غیر | ہرگز مجھے نظر نہیں آتا وجودِ غیر
عالم تمام ایک بدن ہے میں دیدہ ہوں

لازم ہے آدمی کو اسی چال کو اٹھائے | [illegible] سے وفا دیدۂ اہل جہاں [illegible]
استاد کی یہ بات نہ کیونکر کھٹک رہ جائے | [illegible] بات جائے
ناسخ وہ کھنچ رہا ہے تو میں بھی کشیدہ ہوں

سحر۔ منشی اجودھیا پرشاد خلف لالہ رام دیال صاحب لکھنوی۔ آپ لکھنؤ میں نواب اعتماد الدولہ میر افضل علیخاں کے دیوان تھے۔ کپتان مقبول الدولہ میرزا مہدی قبول سے تلمذ تھا۔ سنہ ۱۲۶۹ھ میں زندہ تھے۔ زلف و رخ۔ خال و خط کے فرسودہ مضامین نہایت خوبی سے باندھتے تھے۔ زبان میں برجستگی اور بیان میں بیساختہ پن تھا۔ ایک غزل کے چند شعر درج کئے جاتے ہیں ؎

سمایا جب سے کہ وہ نونہال آنکھوں میں	رہا نہ سرو چمن کا خیال آنکھوں میں
تصور کمر یار میں ہیں اشک رواں	کھٹک ہو کیوں جو نہ پڑ جائے بال آنکھوں میں
عجب ہے چشم فسوں ساز یار کی گردش	پھرا ہی کرتی ہے آہو کی چال آنکھوں میں
بساط فتنہ دکھائیں جو تیرے مردم چشم	بتائیں شاطر گردوں کو چال آنکھوں میں
نظر جو آئینگی حوریں بہشت میں پس مرگ	پھرے گا آپ کا حسن و جمال آنکھوں میں

تصور آکے کسی کا بسا ہے جب سے سحر
خیال و خواب ہے خواب و خیال آنکھوں میں

سحر۔ مولوی محمد عبد الحمید خلف شیخ غلام مینا۔ آپ قصبہ کاکوری کے باشندے تھے اور سنہ ۱۸۶۳ء میں سٹی مجسٹریٹ لکھنؤ کی کچہری میں ناظر تھے۔ فکر بلند اور طبیعت موزوں تھی۔ اکثر شور زمینوں میں تخم ریزی فرمایا کرتے۔ ایک مرتبہ لکھنؤ کے قابل یادگار مشاعرہ میں یہ طرح ہوئی کہ۔ ع۔ توبہ توبہ نہ خدا ہیں نہ پیمبر گیسو" تو آپ نے اپنی شاعرانہ فکر سے زلف مضامین کو اس طرح آراستہ فرمایا کہ معاصرین جن کی نہد کش پر شیفتہ ہو گئے۔ اور آپ کا مطلع اب تک لکھنؤ میں نوک زبان ہے۔ اُسی غزل کے چند اشعار درج ذیل ہیں ؎

دل کے ڈسنے کو بلا ہیں یہ ستمگر گیسو	اب تو ناگن کی طرح اُڑتے ہیں لیکر گیسو
کجروی سخت مزاجوں سے نہیں چل سکتی	خوب سیدھے ہوئے شانہ سے اُلجھکر گیسو
روز ہجراں شب فرقت مری تقدیر میں ہے	رات بھر رخ ترا پایا دن آئے بھر گیسو

دیکھا اچھی نہیں یہ نشو و نما موذی کی
بڑھتے بڑھتے کہیں ہو جائیں نہ اژدر گیسو

سحر

سحر۔ سید علی نواب خلف میر سلیس مرحوم لکھنوی۔ آپ میر انیس مرحوم کے پوتے ہیں۔ فن سخن میں حضرت جاوید سے استفادہ حاصل کیا ہے۔ اب نومشقی کے مدارج سے گذر کر پختہ گو ہوگئے ہیں۔ زبان میں شیرینی۔ بیان میں فصاحت طبیعت میں مضامین پیدا کرنیکی استعداد ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

کیا وہ دن تھے کہ تڑپتے تھے وہ دل کو تھامے
اب یہ حسرت ہے کہ نالوں میں اثر کیونکر ہو

رخ پہ زلفوں کو نہ بکھراؤ تو کس طرح ہو شام
نہ نقاب اپنی اٹھاؤ تو سحر کیونکر ہو

دل سے جاتا نہیں بکھری ہوئی زلفوں کا خیال
اے شب ہجر بتا تیری سحر کیونکر ہو

یہ سنا ہے کہ وہ تلقین پڑھیں گے آکر
بند تربت میں مرا دیدۂ تر کیونکر ہو

سحر

سحر۔ مولوی محمد ظہور علیخاں لکھنوی۔ آپ نواب میرزا اعلیٰ جاہ شید الکھنوی کے شاگرد تھے۔ زبان کی سادگی۔ بندش کی صفائی بیاض صبح کیطرح شفاف تھی۔ کہیں کہیں تشبیہ اور استعارہ کا استعمال بھی کرجاتے تھے۔ اخبار کارنامہ میں جو پچاس برس ادھر شائع ہوتا تھا انکی غزلیں نظر سے گذریں۔ انکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

چلمن سے جو رخ دکھا رہے ہو
دل میں کانٹے چبھا رہے ہو

ہنس بول کے آج تو ہنسا دو
مدت سے ہمیں رلا رہے ہو

کس کے ہے خون کا ارادہ
مہندی جو تم لگا رہے ہو

خاکساری سے ملا رتبۂ اعلیٰ مجھکو
سر پہ دیتے ہیں جگہ نقش کف پا مجھکو

ہو کہ صورت سے حقیقت پہ نظر کرتے ہیں
موج لکھتے ہیں کبھی اور کبھی دریا مجھکو

کر دیا بے ہوش ساقی کی نگاہ مست نے
جام مئے لبریز ہے یا نرگس جادو ہے یہ

دیر میں مسجد میں کرتا ہوں میں اسکی جستجو
کوئی مسلم جانتا۔ کہتا کوئی ہندو ہے یہ

قیامت سے زیادہ تیرے قامت کا فسانہ ہے
اگر سکتے میں ہیں دشمن تو حیرت میں زمانہ ہے

گلوں کی سیر جتنی ہو سکے کرلے دل ناداں
گے جب باغ ہستی سے تو یاں پھر کسکو آنا ہے

غضب چتوں ستم غمزہ بلا آنکھیں دم کھاتا ہے
لگانا دل کا اُس سے ہاتھ جینے سے اٹھانا ہے

ایک موسیٰ کو ہوا تھا غش سراسر طور سے
جل گیا عالم کا دل برق رُخ پرنور سے

ہے یقیں تا حشر ہمکو ہوش آنے کا نہیں
مست ساقی نے کیا ہے نرگس مخمور سے

ہوش اڑتے ہیں اے سحرؔ اُسکو دیکھکر موسیٰ کیطرح
قامت جاناں کو ہے تشبیہ تجلّیِ طور سے

واں آئینہ ہے اُس رُخ زیبا کے سامنے
حیرت کھڑی ہے عاشق شیدا کے سامنے

ہاتھوں میں پھر رہی نہ عنان اختیار کی
آیا جو قیس ناقۂ لیلےٰ کے سامنے

ہمسایہ جا رہا ہوں جو اک رشک حور کے
سیر امکاں ہے عرش معلیٰ کے سامنے

ہوا ہے جب سے عاشق کون سی بیداد باقی ہے
ہوس اب بھی تجھے کچھ اے دل ناشاد باقی ہے

جلا کر خاک کر ڈالا جفا سے باز آاب تو
ستم اس سے زیادہ کیا ستم ایجاد باقی ہے

تصویر عجیب صفحۂ دل پر اُتر آئی
ہر شیشے میں ہمیں صورت دلبر نظر آئی

حیرت سے کہا جن نے ترے حسن کو دیکھا
فردوس سے کیا حور زمیں پر اُتر آئی

حقیقت میں یہ ہستی نیستی ہے دیکھ اے غافل
سمند عمر کو ہر دم اجل کا تازیانہ ہے

سحر

سحر۔ منشی محمد حسین ولد مولوی عظمت علی صدیقی۔ آپ بدایوں کے رئیس ہیں آپکے والد سرکار انگریزی کی عدالت میں منصف تھے۔ عرصہ سے دفتر ریلوے میں ملازم ہیں۔ اور اسی سلسلہ سے آجکل لکھنؤ میں قیام ہے تقریباً ۴۹ سال کی عمر ہے۔ ابتدا میں آپنے اپنے برادر حقیقی مولوی محمد حسن صاحب اثرؔ کو اپنا کلام دکھایا پھر مولنا راسخؔ دہلوی سے تلمذ حاصل کیا جب حضرت راسخؔ شاعری سے تائب ہو گئے تو آپ مولانا حسن بریلوی ارشد تلامذہ حضرت داغؔ سے اصلاح لینے لگے۔ کلام میں متانت کے ساتھ شوخی بھی ہے۔ شعر بہت صاف کہتے ہیں تشبیہ اور استعارہ کی بھرمار سے بچتے ہیں۔ راقم تذکرہ نے بریلی کے مشاعرہ میں ان کی غزل سنی ہے۔ کلام یہ ہے۔

گھر سے بن ٹھن کر نکلنا تھا ستم ایجاد کا
ہر طرف اک شور برپا ہوگیا فریاد کا

وقتِ آخر آپکا یہ پوچھنا بھی ہے بہت
آج کیسا حال ہے تیرے دلِ ناشاد کا

چرخ برگشتہ خفا وہ شوخ ۔ وقتِ مرگ دور
سننے والا کون ہے مظلوم کی فریاد کا

بتاؤں کیا جو کانٹا سا مرے دل میں کھٹکتا ہے
نکل جائے تو نالہ ہے جو رہ جائے تمنا ہے

یہ سچ ہے تو نے دیکھا ہے نہ دل تو نے چرایا ہے
ادھر تو آ یہ مٹھی کھول دیکھوں ہاتھ میں کیا ہے

سحر

سحر ۔ منشی شام لال صاحب دہلوی ۔ ساکن بازار سیتا رام دہلی ۔ آپکے والد لالہ موہن لال مرحوم ویش اگروال لاہور میں بارک ماسٹری کے دفتر میں ہیڈ کلرک تھے ۔ آپ سنہ ۱۹۰۶ء میں سایۂ پدری سے محروم ہوگئے اور لاہور سے دہلی چلے آئے ۔ تنگی اور غربت میں کچھ تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری ہوا ۔ ۲۰ ۔ ۲۲ برس کی عمر میں شعر گوئی کی جانب توجہ ہوئی اور شاعروں میں شرکت کرنے لگے ۔ پہلے منشی شرافت علی کشتہ مرحوم کو اپنا کلام دکھایا تھا ۔ اب پنڈت امرناتھ صاحب ساحر سے اصلاح لیتے ہیں ۔ آپ کی عمر ۳۰ سال کی ہے ۔ نمونۂ کلام یہ ہے ۔

بنائی ہیں الٰہی تو نے شکلیں خوبرو کیا کیا
ترے نیرنگِ قدرت کا ہے جلوہ چار سو کیا کیا

کوئی منعم سے جا کر نزع کی حالت میں یہ پوچھے
بتا ساتھ اپنے لیکر جا رہا ہے آج تو کیا کیا

تماشا گاہ عالم ایک فانوسِ خیالی ہے
نظر آتی ہیں ایسی صورتیں ہر چار سو کیا کیا

قیس ناحق میں پھرا صحرا کے چکر کاٹتا
تھا یہ لازم زندگی لیلےٰ کے در پر کاٹتا

شیخ صاحب میکشی سے کیوں ہے اتنا اجتناب
کس لیے ڈرتے ہو آخر کیا ہے ساغر کاٹتا

گر نہ ہوتا واقفِ اسرارِ الفت دل سحر
منزلیں طے کون کرتا راہ کیونکر کاٹتا

مژدہ بلبل کو ہو پھر فصلِ بہار آتی ہے
پھر ہوئی باغ کی زینت نئے سر سے پیدا

خواہشِ نام ہے دنیا میں تو کر کسبِ ہنر
نام ہوتا ہے زمانے میں ہنر سے پیدا

رہروِ عشق نہ کیوں راہِ محبت جانے
علم ہوتا ہے زمانہ کے خضر سے پیدا

کام آسان نہیں فنِ سخن دنیا میں
شعر ہوتا ہے سحر خونِ جگر سے پیدا

بال و پر بلبلِ شیدا کے جلا دیتا ہے — آتشِ گل کا چمن میں شرر افشاں ہونا
بیداد اتجکو سکھائی تری خود بینی نے — آئینہ دیکھ کے خود حسن پہ نازاں ہونا
تیرا لے پردہ نشیں ہے یہ نرالا پردہ — دل میں گھر کرنا مگر آنکھ سے پنہاں ہونا
خود آشوب ترا حسن ہے جب عالم میں — ہے بجا دیدۂ بیداد کا حیران ہونا
ہے اثر نالۂ بلبل میں الٰہی کیسا — چاک کرتے ہیں گریباں ہے گل تر اپنا
ایک ہی ہاتھ لگا تیغ کا ایسا قاتل — بار احسان سے اٹھے اب نہ کبھی سر اپنا
آنکا نشا ہے سحر ہوتے ہی جاؤں لیکن — حشر سے پہلے سحر ہو نہ خدا آجکی رات
اللہ محبت نہ ہو کیوں مجھکو بتوں سے — یہ دیر میں آئے ہیں ترے گھر سے نکل کر
جنکو ہے تری زلف کا سودا وہ ہیں پر شور — شیدائی ترے رکھتے ہیں دل در جگر اور
رہے گا اس طرح بیتاب آخر — کہاں تک لے دل مضطر کہاں تک
میں وہ شوریدہ قسمت لے سحر ہوں — کہ ہے گردش میں جسکی آسماں تک
نظر آتی ہے زمانہ کی ہر اک شے موہوم — جسطرف یاس کے عالم میں نظر کرتی ہیں
پر عنقا کو قلم کرتے ہیں بہر خامہ — ہم رقم جب صفت موئے کمر کرتے ہیں
نہال گلشن امکاں سمجھتے ہیں ترے قد کو — ترے رخ کو فروغ جلوۂ محفل سمجھتے ہیں
حقیقت میں سحر ہوشیار کہنا چاہیئے انکو — بظاہر جنکو بیہوشی میں ہم غافل سمجھتے ہیں
ہوئی روشن جو شمع حسن پروانوں کی محفل میں — لگی بیساختہ اک آگ اہل بزم کے دل میں
طلسمات جہاں کیا ہے نگاہ نقش نیرنگی — نئی اک جلوہ آرائی ہے ہر دم پردۂ دل میں
نظر آتا ہے مستی خیز عالم چار سو مجھکو — کئے دیتی ہے متوالا شراب مشکبو مجھکو
میں وہ بلبل ہوں باغ سحر جسنے سیکڑوں دیکھے — فریب دام لے صیاد کیا دیتا ہے تو مجھکو
آنکھ کس منت ادا سے چار ہو کر رہ گئی — بیخودی کیوں لے خدا یکبار ہو کر رہ گئی
دیر و کعبہ میں سحر ایک ہی منظر دیکھا — بت پرستی ہے کہیں سنگ پرستی دیکھی

کہاں سے لاؤں تاب جلوۂ جام مصفا کی	نگاہ مست ساقی سے وداع ہوش ہوتا ہے
نہ جلتی گر جنوں افزا ہوا فصل بہاری میں	نہ ہوتا دھجیاں دامن نہ ٹکڑے آستیں ہوتی

سحر

سحر۔ حاجی ولی محمد صاحب۔ آپ اجمیر کے ساکن ہیں مگر بمبئی میں قیام ہے جنس عشق کی شاعری سے دور۔ مجازی جذبات سے نفور۔ مناجاتیں لکھتے ہیں نعت منقبت سلام وغیرہ کہتے ہیں سلام اور ایک غزل کے چند شعر یہ ہیں ؎

اس قدر ظلم نہ دنیا میں دوبارہ ہوگا	کربلا میں جو ہوا اُس شہ دلگیر کے ساتھ
ڈھائے ہم شکل پیمبر پہ قیامت کے ستم	ناریوں نے کیا کیا اُس کی تصویر کے ساتھ

ہو سحر مشہد طیبہ کی زیارت حاصل
کاش ملجائیں دعائیں مری تاثیر کیساتھ

سحر یہ بھیجتے کہ وہ تصویر بھیجتے	کچھ دل لگی کی شکل تو آتی نظر مجھے
غیرت سے ہائے عشق نے بیگانہ کردیا	رکھنا پڑا رقیب کے قدموں پہ سر مجھے
ہوتا نہیں سحر شب فرقت کا خاتمہ	آتی نہیں ہے صبح کی صورت نظر مجھے

سحر

سحر۔ یوسف کنعان فصاحت۔ عزیز مصر بلاغت۔ معجز نگار جادو بیان۔ عالیجناب راجہ امیر حسن خاں بہادر تعلقہ دار محمود آباد۔ آپکے بزرگوں نے زمانۂ شاہی اودھ میں جو اعزاز و وقار حاصل کیا تھا۔ آپنے اُس سے المضاعف گورنمنٹ آف انڈیا میں طغرائے گراں بہا عزت پائی انجمن تعلقہ داران نے آپ ہی کی صدارت پہ ہمیشہ فخر مباہات کئے۔ انڈین ایسوسی ایشن کی پریذیڈنٹی کیواسطے آپ ہی منتخب ہوئے۔ غرض جس معرکہ اور عرصہ گاہ میں آپ کا قدم گیا اُس کو سر کرکے چھوڑا۔

آپکے ملکی اور قومی کارنامے صفحۂ عالم پر آفتاب کیطرح روشن ہیں۔ سینکڑوں انجمنوں۔ مسجدوں اماموں باڑوں کو آپنے امداد دی مسئلہ تعلیم کی قومی دقتوں پر غور کرتے ہوئے مدارس کی ہمدردی میں حصہ لیا۔ نہایت باوضع خلیق۔ ملنسار۔ قدردان علوم و فنون تھے۔ آپ نے کلکتہ

ہیں ایک مرتبہ واجد علیشاہ کے دربار میں بھی باریابی حاصل کی تھی۔ قومی۔ ملکی۔ سرکاری مشاغل کی موجودگی میں بھی آپ اپنی ریاست کے کاروبار باحسن الوجوہ انجام دیتے رہے۔ اور اپنے حسن انتظام سے علاقہ کو وسیع پیمانہ پر کرکے دکھادیا اور آمدنی میں معقول اضافہ ہوگیا۔ دیگر محاسن سے قطع نظر آپ کو فن شعر میں بھی یدطولیٰ حاصل تھا۔ تمام اساتذۂ لکھنؤ آپ کی صحبت میں حاضرباش رہتے تھے۔ اور ازراہ قدردانی کئی شعرا کا وظیفہ مقرر تھا۔ مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی میں آپکو بلند مرتبہ حاصل تھا اور اس فن میں سید خورشید علی صاحب نفیس مرحوم کے شاگرد تھے۔ غزل گوئی میں جناب سید تجمل حسین صاحب تجمل ارشد تلامذۂ حضرت آتش لکھنوی سے مشورۂ سخن رکھتے تھے آپ کا مجموعہ کلام ہر رنگ اور ہر مذاق کا مرقع ہے۔ شعر میں کہیں عشق کی شوریدہ سری کہیں حسن کی دلفریبی کا بیان ہے کہیں مقام پر دنیا کے بے ثباتی کے عبرت آموز نقشے دکھائے ہیں کیوں نہ ہو۔ آپ اہل دل بھی تھے اور اہل زبان بھی۔ لکھنؤ کے ٹکسالی محاورے ہاتھ باندھے سامنے کھڑے تھے۔ پھر آپکے رنگ طبیعت پر ازلی پرتو پڑا ہوا تھا جسکے واسطے صرف شاعری ہی کافی نہ تھی بلکہ علم باطن بھی حاصل کیا تھا۔ آپ کی صحبت روحانی غذا تھی۔ عبرت۔ معرفت۔ بیخودی۔ جوش روحانی سے آپکے اشعار لبریز ہوتے تھے۔ حسن کلام کے پردہ میں جو نازک تشبیہات اور استعارے چھپے ہیں وہ آپ کی حکیمانہ اور عارفانہ طبیعت کیطرف اشارہ کرتے ہیں۔ مضامین کی بلند پروازی کے ساتھ زبان کی شستگی قابل داد ہے تو معاملات اور دلی واردات میں تخئیل کا اندازہ لایق صاد۔ غرض آپکے ریاض سخن میں گلچیں بہار کو مرجھایا ہوا پھول کہیں نہ ملے گا۔ ہر مقام پر تروتازہ گل دستیاب ہونگے۔ ارباب ذوق اس رنگ کے اشعار پڑھا کرتے ہیں ؎

جب جوانی کا مزا جاتا رہا
ار جوانی کا مزا جاتا رہا

منحصر مانگے پہ آنا موت کا
ناگہانی کا مزا جاتا رہا

صرف ایک لفظ میں شاعری دکھانا اور محض قافیہ سے مصرعہ کو پورا کرنا۔ آپکا کمال تھا۔ ناسخ کی مشہور غزل جسکا مطلع یہ ہے ؎

مرا سینہ ہے مشرق آفتابِ داغِ ہجراں کا / طلوعِ صبحِ محشر چاک ہے میرے گریباں کا

اُسی زمانہ میں مقبولیت حاصل کر چکی تھی اور ہر شخص کی زبان پر یہ مطلع تھا۔ بڑے بڑے اساتذہ کا قول تھا کہ "اس مطلع کا جواب نہیں ہو سکتا۔ حضرت ناسخ خود بھی چاہیں تو ایسا نہیں کہہ سکتے" مگر جب آپ نے یہ مطلع کہا ؎

جنوں انداز ہے عنوان نمودِ روزِ ہجراں کا / شگافِ دامنِ شب چاک ہے میرے گریباں کا

تو تمام لکھنؤ میں دھوم مچ گئی جو سنتا تھا راجہ صاحب کی فکرِ صائب اور طبعِ بلیغ کو آفریں کہتا تھا۔ راجہ سرعلی محمد خاں ساحرؔ آپکے صاحبزادہ جانشین ہیں۔ آپکے کلیات میں غزلیات اردو فارسی کے سوا مسدس مخمس۔ رباعیات قطعات۔ سلام۔ تاریخیں سب کچھ موجود ہے اور [illegible] جلوہ گر اشاعت ہوا ہے۔ اُسی حدیقۂ سخن کا ایک گلدستہ نازک دماغانِ معانی کے سامنے پیش کیا جاتا ہے ؎

وظیفہ ہے نظارہ مصحفِ رخسارِ جاناں کا / ملا ہے اجر آنکھوں کو ثوابِ ختمِ قرآں کا
زخمِ دل کو مرے دعویٰ ہے نمک خواری کا / ابھی خالی نہ کریں آپ نمکداں اپنا
کچھ ہے بہت سا لکھنؤ ویراں ہو گیا / کیا گلکدہ اُجڑ کے بیاباں ہو گیا
جسے کہتے ہیں ظلمت پر توِ زلفِ پریشاں تھا / تیا صبحِ ازل کا یہ مرا چاک گریباں تھا
خزاں جورِ گردوں نے کیا کیا سحرؔ دونوں سے / کبھی ہم بھی جواں تھے لکھنؤ بھی اک گلستاں تھا

ہم نے ابرو کی طرف دیکھا تھا / آپ نے کھینچ لی تلوار یہ کیا
ہے سر پہ کج کلاہ تو اتنا غرور کیا / آخر ہوتا کا سر جو رہا چور کیا
آشفتگی سے درخورِ محفل نہیں رہا / میں اب غزل سرائی کے قابل نہیں رہا
پیری میں بھی جواں ہیں مرے حوصلے مگر / دنیا کے انقلاب سے وہ دل نہیں رہا
رنگ لانے میں ستانے میں وہ ہر بار نیا / اسکا انداز نیا ڈھنگ نیا پیار نیا
وہ حسینوں میں اکیلے ہیں تو عاشق ہم / مال جیسا ہے نیا ویسا خریدار نیا

سحر پوشاک بدلنے کی طلب آئی ہو
جھمکڑا ان پری زادوں کا دیکھے باغ میں زاہد

حال لے عیسیٰ نفس یہ ہے مرے آزار کا
مشک مل کر صاف کر لے مورچہ کا خوف ہے

حکم ہو انکا ہوا بھی مجھ تلک آنے نہ پائے

جو منہ پہ ڈال کے وہ گوشۂ نقاب آیا
شب وصال و شب ہجر خواب بندی تھی

ہوا ہے منقسم ہونا بہم یہ دستۂ گل کا
چلو گل گشت کو اے سحر سیر باغ کر آؤ

وصل کیسا وصال ہو ہی گیا
غیر سے بھی ہنسی ملنی نہ رہی
پھر گئی آنکھ اُس ستمگر کی ۔۔
عشق بازی میں سحر محنت کی

ہے بقا موت میں انجام اگر اچھا ہو
خواب نوشیں سے جگا کر انہیں لایا مجھ تک
کیا بنائے کوئی ایسے سے بگڑ کر کھٹکے

پناہ ایسے تلون شعار و منکر سے
جو سید ہے کل تھی انہیں آج کج ادا پایا
نئی روش کی خزاں میں بہار آئی ہے

دم سحر جو کھلا ہے قفس کا در صیاد
خموش ہیں ہم نہ تو قینچیاں کھا کے ڈرا

تم نئے۔ وصل نیا۔ وقت نیا۔ یار نیا
کوئی کہدے پرا ہو ان کا بھی جنت میں لب تہیا
دیکھکر رولی دوا " منہ ست گیا " بیمار کا

بہے خوں دیتا ہے قاتل منہ تری تلوار کا
رخنہ رخنہ بند ہے چاروں طرف دیوار کا

ہوا یہ شور کہ بدلی میں آفتاب آیا
نہ نیند آپ کو آئی نہ مجھکو خواب آیا

یقیں ہے تنگ ہو کر آشیاں اُڑ جائے بلبل کا
گل و بلبل کی چہلیں وہ لپٹنا سرو و سنبل کا

غیر کا انتقال ہو ہی گیا
انکو اک دن ملال ہو ہی گیا
بے چھری میں حلال ہو ہی گیا
مشق فن سے کمال ہو ہی گیا

عمر جاوید ہے ہستی کا فنا ہو جانا
وقت کی بات ہے نالے کا رسا ہو جانا
جس کو آتا نہیں عاشق سے خفا ہو جانا

زبان دیکھے پلٹنے لگے زباں کیطرح
ہمارے تیر بھی کھنچنے لگے کماں کیطرح
ضعیف جوش میں آئے ہیں نوجواں کیطرح

دعائے نیم شبی کا ہے یہ اثر صیاد
زباں دراز نہیں ہے [illegible] پہ صیاد

کمال مجھ پہ ہے احسان دانہ پانی کا میں تیرے گھر کو سمجھتا ہوں اپنا گھر صیاد
الٰہی خیر ہو بلبل کے آشیانے کی ٹہل رہا ہے چمن میں ادھر ادھر صیاد

قطعہ

میں اپنی بیتی سناؤں تجھے عجیب و غریب خدا کے واسطے اس سمت کان دھر صیاد
یہ ایک روز کا قصہ ہے جب جہاں میں تھا کسی زمانہ میں تھا میں بھی تیز پر صیاد
فلک نورد تھا سوئے زمیں نگاہ نہ تھی ہوائے عالم بالا سے تر تھا سر صیاد
کمال جب ہوا خستہ زمیں کا میل کیا بس ایک باغ میں میرا ہوا گذر صیاد
وہ باغ جس سے کہ دل باغ باغ ہو جائے وہ باغ جس سے کرے خیرگی نظر صیاد
نمونہ قدرت باری کا تھا وہ باغ نہ تھا بہار جس میں بنائے ہوئے تھی گھر صیاد
گھنے گھنے وہ شجر اور تحتہا الانہار وہ صاف موتی سا پانی کہ آب زر صیاد
کیاریوں میں وہ اچھی ہری خشاخش باغ بچھا تھا فرش مشجر زمیں پر صیاد
وہ حوض مردمک دیدہ کا اولی الابصار وہ نہر رشک دہ رشک چشم تر صیاد
روش میں تھی روش جادۂ بہشت بریں حنا کی ٹٹیوں میں بند ہو نظر صیاد
کہیں وہ سرو و صنوبر کہیں کہیں شمشاد مہک وہ جوہی کی جس سے دماغ تر صیاد
اکڑ رہے تھے وہ سرسبز نونہال چمن کہ جن کا مثل نہ آئے کہیں نظر صیاد
مہک پری کی مہک موتیے کی باس میں تھی درود بھیج کہ جس پر کروں نظر صیاد
ترنج ایک طرف سنگترا ہے ایک طرف بہار جس میں خزاں کے لئے سپر صیاد
وہ مہتابیاں خوش رنگ نازش بستاں وہ پرتقال کہوں جسکو لعل تر صیاد
حیا نہ آکے مخل ہو جو وصل کی ٹھیرے حنا کی ٹٹیاں وہ بھی کمر کمر صیاد
وہ نار دل وہ لجالو کہیں لجائے ہوئے وہ نسترن وہ کہیں صندل و اگر صیاد
وہ نازبو کی لپٹ سیوتی کی وہ خوشبو وہ پھول کیوڑے کے جس سے مشام تر صیاد

وہ دار بست مری تاک میں جھکی خوشے … خدا نہ جھوٹ جو بلوائے ہاتھ بھر صیاد
وہ آم نازش بستاں بہار گلشن میں … سنگھار کیجئے چمن کا کہ تاجِ سر صیاد
یہ سیر دیکھ رہا تھا کہ اک فرشتے نے … کہا پکار کے ہاں اس طرف نظر صیاد
سنا ہے تو نے محمدؐ کا مرتبہ کہ نہیں … کہا یہ میں نے کہ واللہ بیشتر صیاد
کہا پھر اس نے نبی کے غسالۂ تن سے … یہ پھول جس نے بنایا بہ از ثمر صیاد
جو سونگھ لے اسے مومن تو وجد میں آ … دلا کا جوش نہ پھر جائے عمر بھر صیاد
وہ دیکھ صدر میں گلشن کے کس نمود کیساتھ … مہک رہا ہے وہ پھولوں کا تاجِ سر صیاد
غرض یہ سنکے گیا میں بھی آڑ کے اس جا … عجیب آفتِ جاں سے لڑی نظر صیاد
نظر نہ تھی کہ خدنگ کمال عشق کہوں … ہوا وہ آن کہ حالت ہوئی دگر صیاد
پھڑک پھڑک کے پھر اگر وا اپنے دل بھر کے … چہک چہک کے پڑا اسطرف مگر صیاد
مجال یہ نہوئی سے لوں ایک ہی بو بھی … رہی نہ تاب کہ دیکھوں بھی بھر نظر صیاد
زمیں ولیہ مسلط ہوا شہنشۂ عشق تو … جنون ہوش ربا نے اٹھایا سر صیاد
یونہی گذر گئی اک عمر سحر عاشق کی … سمجھ کے تجکو سمجھ دار دی خبر صیاد

نہیں مژگاں حسینوں کی اوپچھریاں ہیں سانونکی … قریب ابرو کے زلفیں ہیں کہ چلتے ہیں کمانوں پر
فرشتوں کا گذر جس جا نہ تھا انساں وہاں پہنچے … زمیں کے بسنے والے چل پھرآئے آسمانوں پر
نہ جانے کیا کہا تم نے ہوئی جو یاس جینے سے … یہ کیسی مردنی چھائی تمہارے ناتوانوں پر
تمہارے گھر پہ آئے ہم نہ پوچھی بات بھی تم نے … ستم کرتا ہے کوئی میزباں یوں میہمانوں پر
مسلط عشق جب ہوتا ہے ناصح کی نہیں سنتے … نہیں چلتی ہی کچھ پیروں کی پیری نوجوانوں پر
نشاں اس بے نشاں کا ہم نے پایا بے نشاں ہوکر … مکانِ یار تک پہونچے ہیں عاشق لامکاں ہوکر
جدائی گو شہ گیر اک روز ہو گی عہد پیری میں … جھکیگا ایک دن یہ تیر سا قامت کماں ہوکر
مری تقدیر لے بھی جائے گر ظلمات تک مجھکو … تو چھپے چشمۂ حیواں پیچھے اُنکا دہاں ہوکر

مرے نالوں سے ڈر کر غیر کے گھر میں وہ چھپتے ہیں
دعائے زیست اُنکا کوسنا ہے حق میں عاشق کے
نہ بھولے گی ہمیں ہرگز یہ ناسازی نصیبوں کی
وہ سلطان سخن تھا سحرؔ آتشؔ جس نے عالم میں

با وفا ہیں کہ بیوفا ہیں ہم
دیکھ سکتے نہیں کسی کا رنج
عرش پر یا دماغ رہتا تھا
بات بات آپکی سمجھتے ہیں
سحرؔ اکثر صنم کدے میں ملے

خدا سے شکوہ کب تیرا ستم ایجاد کرتے ہیں
یہاں نشو و نما کانٹوں نے پکڑا قبر عاشق پر
میخانہ میں گر آیا ہے زاہد تو پی بھی لے
اُسکو وفائے عہد میں انکار کچھ نہیں
تڑپنے میں غش آجاتا ہے غش سے چونک پڑتے ہیں
صدا لبیک کی دیتی ہے ہمت اہل بخشش کو
فراق یار میں لے سحرؔ یہ صورت ہوئی آخر
ازل سے ہے ترا اعجاز کا بیاں کے لئے
بجائے جادۂ صحرا رواں ہوئے چشمے
مریض کون تھا گھبرا کے کیوں چلے آئے
تمہارے روٹھنے میں شام فرقت بن گئی کیونکر سحر ہوتی ہے
دل پھیر گئیں اُنہیں کی جانب ہم اپنا دکھا نہ سکے

پلٹ جاتی ہیں تدبیریں نصیب دشمناں ہوکر
اجل دکھلاتی ہے صورت حیات جاوداں ہوکر
ہماری یاد بھی آئی تو اُن کو ہچکیاں ہوکر
لیا ملک معانی شاعر جادو بیاں ہوکر

کیا کہیں کیا تھے اور کیا ہیں ہم
اس قدر درد آشنا ہیں ہم
یا ترے در پہ جبہ سا ہیں ہم
روشناس ادا ادا ہیں ہم
اور دعویٰ کہ با خدا ہیں ہم

جو سب کو یاد کرتا ہے اُسے ہم یاد کرتے ہیں
وہاں تیاریاں ہوتی رہیں پھولوں کی چادر کی
یہ تو ہو کہ مفت میں سودا کرے کوئی
یہ شوق ہے کہ روز تقاضا کرے کوئی
شب فرقت میں ہمکو نیند کس مشکل سے آئی ہے
دعائے خیر کی جب دم صدا سائل سے آئی ہے
کہ سینے سے لبوں تک سانس بھی مشکل سے آئی ہے
ہوئی ہے خلق فصاحت مری زباں کیلئے
یہ پھوٹ پھوٹ کے رویا ہے کارواں کیلئے
یہ فقرہ تھا فقط الفت کے امتحاں کیلئے
قضائے مبرم کا سامنا تھا تڑپ تڑپ کر سحر ہوئی ہے
الٹ پلٹ شب ہے سحر وہ سحر کی دنیا اِدھر ہوئی ہے

مزا دکھاتا ہے انکا دن سن ضد انکی بچپن کا ہی تقاضا　　ملا ہے یوں ایک ایک تو لڑائی دو دو پہر ہوئی ہے
اُبلی سردی ہے سمجھلو نہیں نہ جانیں کس کس کا غم کریں　　پھنسے ہیں پڑوں سی جھکے پڑے وہ آنکھ پہ بہکی ہے

گریہ وزاری یہ جب آئی سحر ہوجائیگی　　جیتے مرتے رات فرقت کی سحر ہوجائیگی
سادگی میں حسن کیا کم تھا جو تم نے بھی دیا　　چشم بد دور ایسی آنکھوں کو نظر ہوجائیگی
روز محشر ان بتوں کے سامنے سنتا ہے کون　　کیا کہوں گا میں خدائی جب اُدھر ہوجائیگی
زلف بکھرائی جو چہرہ پر تو ہوجائیگی شام　　جب نقاب رخ الٹ دوگے سحر ہوجائیگی

چادر رخ مہروش سے سر کی　　میلی ہوئی چاندنی سحر کی
غربت میں محل ہے پیڑ کی چھاؤں　　کٹ جاتی ہے دھوپ دوپہر کی
رخساروں پہ جھک پڑی ہیں زلفیں　　سایہ میں ہے دھوپ دوپہر کی
اُن آنکھوں سے کیا ہو چشم امید　　دونوں دشمن دل وجگر کی
سچے وعدوں کے واسطے غیر　　جھوٹی قسمیں ہمارے سر کی
پروانہ کے سوز کا اثر تھا　　جل جل کے جو شمع نے سحر کی
صبح شب وصل پھر وہی ہجر　　محنت برباد رات بھر کی

سحر

سحر ۔ شاعر شیوہ بیان ۔ مولوی عبد الرحمن خاں ساکن بنارس ۔ شاگرد میرزا قادر بخش گورگانی آپکے کلام میں اعلیٰ مضامین پائے جاتے ہیں مگر لطف زبان و روزمرہ فصحا پر کما حقہٗ قدرت نہیں ۔ بندش چست اور الفاظ کی نشست درست ہوتی ہے ۔ آپنے میرزا صابر کی وفات کے بعد میرزا قیصر بخت فروغ کی ہمراہی میں سالہا سال گذارے ہیں ۔ راجہ ڈمراؤں کی کچھ جائداد بھی آپکے چارج میں رہی تھی ۔ چند شعر نمونۃً درج کئے جاتے ہیں ؎

سبزۂ جوہر نہ اسکو جانیو سفاک تو　　یہ مرا عکس لباس روح ہے شمشیر پر
زاری مظلوم ظالم پر اثر کرتی نہیں　　شمع کا گریہ موثر کب ہوا گل گیر پر
بازگشتی تیر کی مانند رشک غیر سے　　اُلٹی پھر آئی نظر جا کر تری تصویر پر

سحر یہ لیتا ہے بوسے دم بدم جو شمع کے — رشک پروانوں کو ہیں کیا کیا لب گلگیر پر

عمر بھر جینے نہ پائے کوچۂ دلدار میں — ہم مثال سبزۂ بیگانہ ہیں گلزار میں

میں وہ پردہ پوش ہوں دیکھو دوبارہ وا ہیں — تیغ چھپ جائیگی میرے زخم دامن وا ہیں

جو تیری چشم کو گردش لئے نگار رہے — کبھی نہ رشتۂ امید پائدار رہے

جو بیقراری دل کو رقم کریں اے سحر — ہمارا نامہ لفافہ میں بیقرار رہے

کیا زباں چلتی ہے اب تو تری اللہ اللہ — بات منہ سے نہ نکلتی تھی حیا سے پہلے

دیکھنی راہ قیامت کی ہے مرنے کے سوا — میرا انصاف تو ہو روز جزا سے پہلے

مرض عشق کا مصلح نہیں معلوم مگر — درد ایجاد ہوا تھا نہ دوا سے پہلے

نہیں ہوتی سیدھی کسی طرح سے — مری قسمت اُن کی نظر ہو گئی

بڑہائیں کہاں پائے نظارہ کو — جہاں تک اُن کی حد نظر ہو گئی

گھبرا گیا مریض محبت کو دیکھ کر — سب لیگئے جو اُسکو مسیحا کے سامنے

آیا عرق جبیں پہ تو دونا ہوا جمال — کیا لطف چاندنی کا ہے دریا کے سامنے

میں مرگیا ہوں عشق میں اُس شوخ چشم کے — ہو قبر مری نرگس شہلا کے سامنے

غیروں سے جو آنکھ اُس شہ خوباں نے لگائی — مرنے پہ نظر عاشق بیجاں نے لگائی

زندہ کئے لاکھوں پہ مری لاش پہ آکر — ٹھوکر بھی نہ اُس عیسیٰ دوراں نے لگائی

یہ جان لو بس جان نکل جائیگی میری — گر دیر ذرا قاصد جاناں نے لگائی

سحر

سحر۔ سرو بوستان فصاحت چمن پیرائے بلاغت جواہر رقم۔ ہفت قلم۔ جناب منشی دیبی پرشاد صاحب قوم کایستھ خلف منشی چھیدا لال اختر۔ بزرگوں کا وطن بانگر مئو متصل قصبہ سندیلہ تھا۔ مگر آپ ۲۴ ر دسمبر ۱۸۴۰ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ اور تکمیل تعلیم کے بعد اپنے والد سے استفادہ سخن فرمایا۔ مدتوں سررشتہ تعلیم میں ملازم رہے۔ ترقی پاکر ڈپٹی انسپکٹری کے فرائض انجام دینے کے بعد سرکار سے پنشن حاصل کی۔ شباب کے ہنستے کھیلتے دن دہلی اور لکھنؤ میں گذرے

کشیدہ قامت۔ سانولا رنگ چیچک رو تھے۔ مزاج نفیس اور عطریات کے شوقین تھے۔ عادات۔ اخلاق کے لحاظ سے شریف اور صاحب تصانیف تھے۔ نظم پروین۔ خلاصۃ المنطق معیار الاملا ر۔ محیط المساحت۔ مراۃ العلوم وغیرہ کے سوا داسوختا ور دو دیوان آپ کی یادگار ہیں جنہیں ایک کا نام "سحر سامری" ہے۔ آپ بدایوں میں دورا ول۔ دور دوم کے مشاعروں میں شرکت فرماتے رہے۔ چودھری اصغر علی ضابط۔ مولوی غنی رضا وحشی مرحوم کے ہم عصر تھے۔ ۱۸۹۳ء میں آپ زندہ تھے اور یہ وہ زمانہ تھا جبکہ نواب سید محمد زکریا خاں زکی مرحوم بقید حیات تھے۔ اور حافظ عنایت احمد صاحب رئیس بدایوں کے مکان پر مشاعرہ ہوتا تھا

لالہ رام لال راحت اور منشی کیندن لال گوہر بدایونی کے یاران صادق میں تھے نہایت علم دوست۔ کلام کے حسن وقبح پرکھنے میں اپنے احباب سے گوئے سبقت لیگئے تھے۔ خوشنویسی میں یگانہ۔ زود گوئی میں مشہور زمانہ تھے۔ آپنے پنشن لینے کے بعد بھی علمی زندگی اور درس وتدریس کا شغل جاری رکھا۔ طلبار کو کتابت سکھائی اور اُن میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اسوقت صاحبان مطابع ہیں۔ بدایوں میں بہت سے نوجوان آپکے سرچشمۂ علوم سے بہرہ ور ہوکر اس وقت اعلیٰ عہدوں پر ممتاز ہیں۔ افسوس ہے کہ آپکے انتقال کے بعد آپ کا کتبخانہ برباد ہوگیا۔ اور نایاب قلمی کتابیں پنساریوں کی ردی میں شامل ہوکر کوڑیوں کے مول فروخت ہوئیں۔

منشی انوار حسین تسلیم جو کامل الفن اور شعر کے نقاد تھے حضرت سحر کے کلام پر یہ رائے دیتے ہیں کہ آپ محاورہ دان اُردو وہمزبان حضرات لکھنؤ ہیں۔ جو مضمون ہے عالی ہے کلام حشو وزواید سے خالی۔ بندش کی چستی الفاظ کی درستی دلوں کو لبھاتی ہے۔

آپکے کلام معارف نظام میں تصوف اور حقایق کے نکات موجود ہیں۔ صنایع بدایع کے برتنے میں روزمرہ اور سادگی۔ بیساختہ پن کو زیر نگاہ رکھتے۔ عاشقانہ شعر خوب کہتے ہیں جو واسوخت عالم جوانی کے لکھے ہوئے ہیں ان میں دلی واردات کو نہایت خوبی سے

بیان کیا ہے۔ جادونگاری کے کرشمہ یہ ہیں ؎

دیر میں ہے۔ وہ نہ ہی کعبے میں اور ہی سب کہیں
جو ملا اُس سے اُسے کہتا ہے عالم مرگیا

معشوق سے ہم نے دل لگانا چھوڑا
جبتک نہ تھی اُسکے نیک و بد سے واقف

عکس افگن جب وہ گلگوں پیرہن ہوجائے گا
ہم نے دانائی سے وہ نکتے نکالے عشق میں
بت کو یہ پوجے گا وہ کلمہ پڑھے گا حسن کا
دم گریہ جو خیالِ دُرِ دنداں ہو گا
کچھ ہمیں سیرِ چمن کی نہ رہے گی پرواہ

تیغ ابرو سے قتل کر ظالم
زخم جب اندمال پر آیا

زاہدا عشق مجازی ہے حقیقی کی دلیل
خود فراموش رہا عشق بت کافر میں
زیر گیسو جو دُرِ گوش تمہارا چمکا
عجب عقربے ہیں اُسکے راہ میں عدو کسو کیا کیا

نہ تو دل اپنا ملا ہمکو نہ دلبر اپنا
چشم عالم کو دکھلائی نہیں دیتا اصلا
سحر اُس عارض گلرنگ پہ ہم مرتے ہیں
مجھکو سر پھوڑنے کو منع نکرلے ناصح
چل نہ وہ چال جو اپنے بھی پرائے ہوجائیں

طالب نظارہ کو گر ہے سلیقہ دید کا
نام مردہ رکھدیا ہے زندۂ جاوید کا

رباعی

کرتے ہیں پری رخوں کے جانا چھوڑا
کرتے تھے عشق جبکہ جانا چھوڑا

لالہ گل ہوجائے گا گل نسترن ہوجائے گا
عاشقی بھی کچھ دنوں میں ایک فن ہوجائیگا
نذر الفت دین شیخ و برہمن ہوجائیگا
قطرۂ اشک ہر اک گوہر غلطاں ہو گا
خود بخود داغوں سے ہر یاں سینہ گلستاں ہوگا

کون احسان اٹھائے خنجر کا
اور جلاد نے دیا چرکا

دیکھکر روئے صنم مجھکو خدا یاد آیا
کبھی بھولے سے نہ بندے کو خدا یاد آیا
مجھکو ثابت ہوا بدلی میں ستارا چمکا
پہونچکر اپنے گھر رستہ بتاتا ہے مجھے گھر کا

ہائے قابو ہے نہ دلبر نہ دل پر اپنا
گھر یار کی صورت تن لاغر اپنا
ہو کفن بعد فنا پھولوں کی چادر اپنا
سمجھکر کیا اپنی ہی دیوار ہے او سر اپنا
لطف و احسان سے بیگانہ کو بھی کر اپنا

مجھسے رہتا ہے جو برگشتہ ہمیشہ اے بت — ہوگیا میرے لئے تو بھی مقدر اپنا
اپنے در سے مجھے یوں کہہ کے اٹھاتا ہے وہ شوخ — یوں ہی مرتا ہے تو کیا بھول گیا گھر اپنا
آج نکلے ہو تو دو چار گھڑی بیٹھ بھی لو — سحر کے گھر کو ہی سمجھو کہ ہے گھر اپنا
ہم کہیں کس سے حالِ زار اپنا — نہ کوئی دوست ہے نہ یار اپنا
چاروں جانب ہی ہمیشہ موج زن سیلِ سرشک — اک جزیرہ میرے رونے سے مرا گھر ہوگیا
میکدہ ہو یا ہو مسجد کعبہ ہو یا دیر ہو — پھر وہیں پر گھر ہے جس جا اپنا بستر ہوگیا
کچھ نہیں شک ہے تصورِ مادۂ تصدیق کا — یاد میں موئے کمر کے میں بھی لاغر ہوگیا
کوئی معشوق وفادار نہ اصلا پایا — وہ برا نکلا بظاہر جسے اچھا پایا
داغِ دل نقد ہی میں جاگیر میں صحرا پایا — ہم نے بھی عشق کی سرکار سے کیا کیا پایا
حضرتِ ناصح مجھے کہتے ہو سودا ہوگیا — مجھکو سودا ہوگیا اور آپ کو کیا ہوگیا
میرے رونے پر انہیں رحم آگیا شانِ خدا — آبِ گریہ سے مرا نخلِ تمنا ہوگیا
ہاتھ میں تیغ اُسنے لی سب نے اٹھایا جان سے ہاتھ — پاؤں رکھا قتل گہ میں حشر برپا ہوگیا
اک پری پیکر کی الفت میں جو دیوانہ ہوں میں — لوگ کہتے ہیں اسے سایہ پری کا ہوگیا
ہے دہن برزخ وجود و نیستی کے درمیاں — اب ہمیں اچھی طرح حل معما ہوگیا
شامِ فرقت پر گماں روزِ قیامت کا ہوا — صور کا شور اذاں پر مجھکو دھوکا ہوگیا
سحر سا ناچیز فیضِ صحبتِ استاد سے — اُوستادِ نظمِ اردوئے معلّیٰ ہوگیا

قطعہ

میں نے اُن سے یہ کہا مرتے ہیں ابتو ہجر میں — دشمنِ جاں عشق لے جانی تمہارا ہوگیا
دل تڑپتا ہے جدا سینہ جدا ہے بیقرار — چین پڑتا ہی نہیں کیا جانے کیا ہوگیا
بھرتے بھرتے آہ چھالے سب زباں میں پڑ گئے — روتے روتے خون خالی سب کلیجا ہوگیا
مجھکو یوں کہتا ہے کوئی اب چٹکا جاتا ہے — کوئی کہتا ہے یہ کوئی دم میں ٹھنڈا ہوگیا

کوئی کہتا ہے اسے آسیب کا ہی کچھ خلل — کوئی کہتا ہے پری کا اسکو سایا ہوگیا
کوئی کہتا ہے کہ اس کو صرع کا ہی عارضہ — کوئی نبضیں دیکھکر کہتا ہے سکتا ہوگیا
کوئی کہتا ہے کہ ہی ہیجان صفرا کا اسے — کوئی کہتا ہے مقرر اسکو سودا ہوگیا
میر ہیجاں بافسوس رحم اسپر ابھی کچھ تجھکو نہیں آیا — کیسا دل لوہے کا پتھر کا کلیجا ہوگیا
مار کردہ قہقہہ بولے ابھی روتے ہو کیا — دل لگانا آپکے نزدیک ٹھٹھا ہوگیا
اسوقت ہے سرمہ مسی روغن مرجاں کا — یہ وصل کی شب سوانگ نکالا ہی کہاں کا
دریائے سرشک اپنا بہا لیگیا مجھکو — آنکھوں نے کفن مجھکو دیا آب رواں کا
تم بھی نہ ملے کچھ نہ ہوئی طاعت حق بھی — رکھا مجھے تم نے نہ یہاں کا نہ وہاں کا
ہے چشم پری کا سا گماں میری نظر کو — یہ روزن دیوار ہے کس شوخ نے جھانکا
آفت میں رفوگر ہے میرے سینہ کو سی کر — سوجاتے کھلا زخم جو اک جائے ٹانکا
پاؤں میں زنجیر ہے اور جوش پر ہے فصل گل — اب بتا تیرا ارادہ ہے دل ناشاد کیا
نالہ جو کوئی میرے دہن سے نکل گیا — مانند تیر چرخ کہن سے نکل گیا
عریانی اپنی یاد جو آئی دم فنا — لاشہ تڑپ کے پھر کفن سے نکل گیا
زخم دل سی جائیگا گر اک نظارہ ہوگیا — چشم کا تار نگہ تار رفو ہو جائے گا
گر رہا جوش جنوں یوں ہی ہمارا جوش پر — یہ دل دیوانہ رسوا کو بکو ہو جائے گا
دنیا میں ایک دن بھی رہے ہم نہ بے شراب — واعظ بہشت میں بھی یقیں ہے ملے شراب
کافر ہو پھر جو شرع کا کچھ بھی کرے خیال — جب جام بھر کے ہاتھ میں یار اپنے دے شراب
جو مست ہو معاف ہے اس شخص کو نماز — عزت خدا نے بخشی ہے کیا تجھکو اے شراب
ساقی بھلا ہو میرا بہالوں سے کیا بھلا — پیتا ہوں شرط باندھکے میں دس گھڑی شراب
جاں سے کس پہ ہے دل اپنا فدا آپکے آپ — کس کی صورت پہ چلا آتا ہے پیا آپکے آپ

قطعہ

کہا میں نے کہ لے یار گل اندام — دے اک بوسہ مجھے از راہ خیرات

لگا کہنے جو خوش ہو کے وہ کیا خوب
مثل مشہور "چھوٹا منہ بڑی بات"

وہ بات کیوں چھیڑوں وہ ہوں جس سے خفا اور
جوں جوں وہ ترش ہوتے ہیں ملتا ہے مزا اور

کب نکلے مرے چاہنے سے وصل کی صورت
ہاں وہ بھی اگر چاہیں تو پھر چاہیے کیا اور

تجھکو تو بہت سحر سے ہیں عاشق جانباز
پر تیری قسم اُس کو نہیں تیرے سوا اور

بوسۂ لب سے نہ منہ پھیرئے مرجاؤں گا
اتنا بیمار سے پرہیز مسیحا بن کر

یادِ مے فرقت ساقی میں جو آئی اے سحر
رہ گئے دیدہ و دل ساغر و مینا بن کر

آئے گر میرے جنازہ پہ وہ بہر تکبیر
ہاتھ پھیلا کے نکل آؤں کفن سے باہر

صبح کو بعد وصال اللہ رے اُنکا حجاب
سر جھکا لیتے ہیں میری سمت ہر دم دیکھکر

جل نہ جائیں ہاتھ تیرے پھل نہ جائیں انگلیاں
زخم پر لے چارہ گر رکھنا تو مرہم دیکھکر

یہ آج کس کے نظارہ کا منتظر ہے باغ
کھلی ہے نرگس شہلا ہر ایک کیاری پر

کتاب رُخ پہ کھنچی خطِ سبز کی جدول
چڑھایا حاشیہ یہ اور وضعداری پر

گھر اپنا ہے نہ جھجکو بے حجابانہ چلے آؤ
جگر میں بیٹھو دل ہو کر رہو سینہ میں جاں ہو کر

یہ وہ ماتم کدہ ہے اسمیں شادی تو کب آتی ہے
کبھی غم بھی نہ آیا میرے دلمیں شادماں ہو کر

ہوا یہ ظلم فصل گل میں مرغان خوش الحاں پر
لگائیں قینچیاں گلچیں نے دیوار گلستاں پر

پلائے یار تو پی لے پاسِ شرع نہ کر
بنے صنم سے اگر شوق سے خدا سے بگاڑ

قطعہ

میں نے کہا کہ خانۂ دل میں کرو گذر
حاضر ہیں بندگی کے لئے اپنی جان سے ہم

بولے لگے نہ چوری کہیں صبر و ہوش کی
ڈرتے ہیں آتے جاتے پرائے مکان سے ہم

دشمنِ جاں ہیں حسیں ان سے نہ مِل ہاں کہا
دوستانہ یہی ہم تجھے دلا کہتے ہیں

کہیں کیا کہ کیا کیا ستم دیکھتے ہیں
لکھا ہے جو قسمت میں ہم دیکھتے ہیں

ہزاروں گماں دل میں ہوتے ہیں پیدا
ترے ہاتھ میں جب قلم دیکھتے ہیں

نظر آتے ہو سحر عاشق کسی پر تو
تمہیں ہر گھڑی چشم نم دیکھتے ہیں

صدمہ پہونچا ہے انہیں زلف کے سلجھانے میں
درد افزا نزاکت سے ہوا شانے میں

حسن انسان سے کبھی بڑھ کے نہیں حور کا حسن
ہم نہیں آئینگے زاہد ترے بہکانے میں

ہجر میں کسکو پسند آتا ہے جام و مینا
جی میں ہے آگ لگا دوں ابھی میخانے میں

جو زندگی میں طالب کوئے صنم نہیں
بعدِ فنا وہ لایق باغ ارم نہیں

کبھی زباں سے نہ شکوہ نہ آہ کرتے ہیں
وہ ظلم کرتے ہیں اور ہم نباہ کرتے ہیں

خدا نے حسن بتاں دیکھنے کو آنکھیں دیں
جو تمکو دیکھتے ہیں کیا گناہ کرتے ہیں

جنوں میں کاوش غم بے سبب نہیں ہرگز
ہم اپنے دل سے ترے دل میں راہ کرتے ہیں

روشن ہے پھلجھڑی کی صفت چشم زار میں
شعلہ ہے لخت دل مرے اشکوں کے تار میں

ناصح میں ترک عشقِ بتاں تو ابھی کروں
پر دل نہیں خدا کی قسم اختیار میں

پوچھیں تو صاف لکھدوں کہ ہوں بندۂ بتاں
منکر نہوں فرشتوں سے بھی میں مزار میں

کہا میں نے دلِ ناکام سے کب تک اس ارمان میں
کہ مل جاؤ کسی دن ہم سے تم فصل بہاراں میں

کہا بس چپ رہو بے فائدہ بکنے سے کیا حاصل
وہ ہوسکتی ہے پھر کیونکر نہ ہو جو بات امکاں میں

ہم پاکباز طالب دیدار ہیں فقط
اغیار کی طرح ہوس این و آں ،، نہیں

سادہ رُخ حبیب کو کس سے مثال دوں
خط شعاع مہر میں دیتا ہے ماہ میں

قسمت میں لکھدیا مرے کیوں بے حساب رنج
الجھوں گا میں خدا سے بھی جا کر حساب میں

ساقی نہ دیر کر یہ خدا ساز بات ہے ،، ،،
ہے لطف آفتاب شب ماہتاب میں

چہرہ سے یار کے ہے عیاں سرخی شراب
ہے آفتاب جلوہ نما آفتاب میں

موقوف شرب مے پہ ہے ساقی ہماری زیست
کشتی عمر چلتی ہے موج شراب میں

خدا راضی ہوا تم سے نہ اکدن شیخ جی صاحب
پڑھیں برسوں نمازیں اور کیا تم نے وضو برسوں

ابھی سے حضرت دل کیسی ہمت ہار جاتے ہو
تلاش یار میں ہم تو پھرے ہیں کو بکو برسوں

پسندیدہ نہ ہوا اے سحر کیوں سب کو کلام اپنا
رہے ہم مدتوں دلی میں چھانا لکھنؤ برسوں

ابھی آیا ہے چلا جائے نہ پھر یار کہیں
کوئے قاتل میں ہے کیا خوب شہیدوں کی بہا

مذہبِ عشق سکھاتا ہی مرا دل مجھکو
دلِ مشتاق نے آرام یہ پایا دمِ قتل

تنفر ہے بوقتِ قتل بھی اُس شوخ بدظن کو
اللہ اللہ رے جنوں بل بے شباب وحشت

نہیں برقع سے ہی نورِ رُخ تاباں روشن
ہر اک فقرہ پہ ہے جھڑکی تو ہی ہر بات پہ گالی

کچھ رک رہے ہیں قتل کو سہری ٹرپا کے ہاتھ
بتلائیں کیا کہ ہاتھ سے کیا کچھ نکل گیا

لیجاتے ہیں چھپا کے مرے نقدِ دل کو وہ
رہتا ہے ساتھ لشکرِ اطفال خوبرو

داغِ دل میں یاں سے ہم پھولوں کی جا لیجائینگے
میں نے جو کہا وصل کی شب پاؤں دباؤں

وہ بت نہ کبھی رام ہوا لاکھ دعا کی

دل مرا اٹکا ہے چشمِ یار سے
کوچۂ کاکل میں کھو کر نقدِ دل

چھوڑ کر دیر و حرم کوئے بتاں میں لے دل
ہم سے ضد اغیار دل سے یاری دیکھ لی

رقیبِ سفلہ سے ہم گفتگو نہیں کرتے
دردِ سر سے نہیں کم گھس کے لگانا صندل

فرصت دیدے لئے دیدۂ خونبار کہیں
کہیں دس بیس ہیں بسمل پڑے دو چار کہیں

خوب قسمت سے ملا مرشدِ کامل مجھکو
آ گئی نیند تہِ خنجرِ قاتل مجھکو

جو لگ جائے مرا خوں چاک کر ڈالے وہ دامن کو
چاہئے ایک نیا روز گریباں مجھکو

نظر آتا ہے "چراغِ تہِ داماں" مجھکو
تم اتنے خوبصورت ہو کے اتنے بدزباں کیوں ہو

سب عاشقوں میں آبرو اپنی خدا کے ہاتھ
دل بیچ بیٹھے اپنا ہم اک بیوفا کے ہاتھ

بازیِ گردوں کی طرح سے خالی دکھا کے ہاتھ
بہتر ہے ہوش سے مرا دیوانہ پن مجھے

گلشنِ ہستی میں کیا آئے تھے کیا لیجائینگے
وہ بولے کہ ہم جانتے ہیں گھات تمہاری

اے شیخ جی بس دیکھی کرامات تمہاری

ہے محبت مردمِ بیمار سے
مول سودا لائے ہم بازار سے

بسر اوقات کر اب چل کے وہیں تھوڑی سی
دیکھ لی الفت تمہاری دیکھ لی

ہماری وضع ہے کہتے ہیں تو نہیں کرتے
درد کا نام اطبا نے دوا رکھا ہے

یاد آجاتی ہے جب زلفِ گرہ گیر مجھے
نظر آتا ہے مکاں خانۂ زنجیر مجھے

یہ نیا طرزِ ستم ہے کہ لگا کر مجھ سے
کہتا ہے کھینچ دے اب دل سے مرا تیر مجھے

نہ دے تو دیر سے ترغیبِ کعبہ ہمکو اے زاہد
یہاں ہی بت وہاں کیا جاکے سر پھوڑینگے پتھر سے

نہ کیوں پابند ہوں اہلِ صفا خانہ نشینی کے
نکلتے کس نے دیکھا ہے کبھی آئینہ کو گھر سے

اے سحر جیتے جی نہ رہائی ہوئی نصیب
چھوڑا تو جان لے کے غمِ ہجر یار نے

لطف اٹھائے ہیں جو وصلِ یار کے
جانتا ہے دل مزے اُس پیار کے

یا خدا وہ بھی دن آئے گا ستم کا اُن کے
شکوہ ہم اُن سے کرینگے وہ پشیماں ہونگے

موتی برسینگے وہ جس وقت کرینگے تقریر
پھول بکھرینگے وہ جسوقت کہ خنداں ہونگے

اُس بت نے ایک بات نہ مانی شبِ وصال
لاکھوں دیے خدا و پیمبر کے واسطے

جتنے تھے ظلم سب وہ جفاکار کر چکا
باقی رہے نہ چرخِ ستمگر کے واسطے

سنکر پیامِ وصل میں قاصد سے جی اٹھا
ہے معجزہ ضرور پیمبر کے واسطے

جتنے ہیں دوست غرض سے نہیں کوئی خالی
سچ تو یہ ہے نہیں دنیا میں کسی کا کوئی

تاڑ کر قصد مرا ہاتھ چھڑا کر بھاگے
کہکے اس طرح جھجک کر کہ وہ آیا کوئی

کہتا ہوں جب دکھاؤ رخ اپنا ذرا مجھے
کہتے ہیں رونمائی میں تم دوگے کیا مجھے

صدف کی قدر کیا ہے موتیوں سے ہو اگر خالی
رہے اشکوں سے پھر کیوں ہماری چشمِ تر خالی

تشہیر بعدِ قتل مری لاش کیجیے
جو جو بھرے ہوں دل میں وہ ارماں نکالیے

رکھے نہ اُنس جو خنجر سے وہ گلو کیا ہے
نہ زیبِ دامنِ قاتل ہو وہ لہو کیا ہے

عیاں ہے قدرتِ حق چار سو ہی اے غافل
ذرا تو دیکھ یہ ہنگامۂ چار سو کیا ہے

سر ملا ہے عشق کا سودا سمانیکے لئے
آنکھیں دیں انسان کو آنسو بہانیکے لئے

کوئی زاہد بن گیا ہے کوئی واعظ بن گیا
کیسے کیسے سوانگ ہیں روٹی کمانیکے لئے

خوبیِ طرزِ غمزہ و انداز کیا کہوں
حسنِ طریقِ ناز و ادا کچھ نہ پوچھیے

ہے ہر صنم کے جلوہ سے نور خدا عیاں
فرمائیے تو سوئیے کہاں کس کے گھر رہے
خوش وضعوں کی تلاش میں ہم عمر بھر رہے
ہو جائے خودکشی کا مناسب ہے آدمی
عقدے نہ حل ہوئے دہن لاجواب کے
دیتا ہوں میں دعائیں وہ دیتے ہیں گالیاں
جتنے حسیں ہیں سب کو یہ کہتا ہے میں ہی لوں
شیخ کیوں جاؤں کعبہ دیر سے میں
گناہ دوستادہ ہوں میں ابھی بدل لوں گا
گدا ہیں در کے ترے تو ہی شاہ دولت حسن
ملا جو دشت میں میں اسکو تو یہ بولا قیس
گواہ مانگتی ہے چشم دل چرانے کا
بھلا ہو ساقی ترا جگ میں بول بالا ہو

کتنے خدا ہیں پھر خدا کیسے نہ پوچھئے
کسکے نصیب رات جگائے کدھر رہے
صورت جب اچھی کوئی نظر آئی مر رہے
اور یا کسیکو چاہئے اپنا ہی کر رہے
مضمون ادق ہیں نئے وصنم کی کتاب کے
فقرے نجیح ہوئے ہیں سوال وجواب کے
کیا حوصلے ہیں اس دل خانہ خراب کے
اپنی کٹ جائے گی یہیں اچھی
جو سو ثواب کے بدلے بھی اک گناہ ملے
ہمیں بھی حسن کا صدقہ خدا کی راہ سے ملے
کہ آیئے اجی مدت میں قبلہ گاہ سے ملے
معائنہ کا بھلا کس طرح گواہ ملے
گرہ — ادھر کو بھی کوئی جیو خدا کی راہ سے ملے

رباعی معہ مستزاد

ہے جب سے مری تجھسے جدائی پیارے — ہے حال تباہ
غم سے ہے جان لب پہ آئی پیارے — انا للہ
اے کاش جو جانتا میں پہلے سے — ہوگا یہ حال
کرتا ہرگز نہ آشنائی پیارے — خالق ہے گواہ

خمسہ بر غزل مومن

کیوں ہو ناراض کیا ہوا صاحب
میں خفا زندگی سے تھا صاحب
کچھ تو فرمائیے ذرا صاحب
تم بھی رہنے لگے خفا صاحب

کہیں سایہ مرا پڑا صاحب

اسقدر مجھ سے کیوں ہو شرماتے | شکل تک بھی نہیں ہو دکھلاتے
ہم تو دنیا سے آج ہیں جاتے | دم آخر بھی تم نہیں آتے

بندگی اب کہ میں چلا صاحب

سحر سے چھوٹے عشق کیا ممکن | پر تمہارا تو اب نہیں وہ سن
آئے عزت کے اب تمہارے دن | نام عشق بتاں نہ لو مومن

کہیے بس خدا خدا صاحب

سحر۔ جناب منشی اقبال ورما صاحب۔ آپ نیچرل شاعری کے میدان میں قدم فرسا ہو کر زور طبع دکھاتے ہیں۔ کلام بیجا مبالغہ سے مبرا۔ اور نمایش الفاظ سے مبرا ہے۔ واقعات اور جذبات کے دلدادہ ہیں۔ جوش اور اثر کو شاعری کا جزو اعظم جانتے ہیں۔ غزل کم کہتے ہیں نظمیں زیادہ لکھتے ہیں۔ انہوں نے فسانۂ شکنتلا کو اردو کا جامہ پہنا کر مثنوی نگاری کا حق ادا کر دیا ہے۔ مشہور ماہواری رسالوں میں نظمیں اور مضامین لکھتے رہتے ہیں۔ کلام یہ ہے سحر

دیوانہ بنا رہی ہیں دل کو | کس کی غزال وار آنکھیں
دیکھا کروں رات دن وہ جلوہ | دے مجھکو خدا ہزار آنکھیں

ایام طفلی

ہائے وہ ایام طفلی ہائے وہ وقت قرار | ہائے وہ عہد تغافل ہائے وہ لیل و نہار
ہائے وہ دن پاک تھا عصیاں سے جب اپنا وجود | جب عیاں تھی ہم میں شکل شان دست کردگار
ہائے وہ دن جب کوئی دل ہم سے آزردہ نہ تھا | حرف آتا تھا زباں پر اپنے جو وہ خوشگوار
نیک و بد سے کچھ زمانہ کے نہ تھی اصلا خبر | سادگی اپنی روش تھی راستی اپنا شعار
کچھ تنفر سے تھا مطلب نہ تکبر سے تھا لوث | چاہتا تھا جو ہمیں ہم بھی اسے کرتے تھے پیار

دوست اور دشمن میں کرتے تھے نہ مطلق امتیاز — اک جگہ پاتے تھے اپنی آنکھ میں اغیار و یار
بخش دیتے تھے خطائیں بھولتے تھے سختیاں — بغض و کینہ کی نہ اپنے جا تھی دل میں زینہار
جانتے تھے غیب سے شاید کہ انجام غرور — یوں نہ چلتے تھے اکڑ کر ہم کبھی مستانہ وار
دور ہم سے رہتی تھی تاریکیِ کذب و دروغ — اپنی باتوں میں چمکتی تھی شعاع اعتبار
ہم میں جو اطوار تھے وہ سب کے سب تھے دلفریب — ہم میں جو انداز تھے وہ تھے سراسر غمگسار
کس قدر اہل زمانہ ہم کو رکھتے تھے عزیز — اپنی جا ہر بزم میں تھی ہر دل میں تھا اپنا گذار
تھی خود آرائی کی بو نے خود ستائی کی ہوس — قدرتی جو شے تھی وہ ہم میں عیاں تھی آشکار
تاڑ جاتے تھے نگاہِ دشنہ انداز چشم — پر نگاہ ناز ہوتی تھی کلیجہ کے نہ پار
ہائے لاحق تھیں نہ یوں ہر دم ہمیں افکار دہر — ہر نفس تھا اس طرح جی کو نہ لینے انتشار
روز بنتے تھے نہ سیارے شرار آسمان — ہائے یوں منہ سے نکلتی تھی نہ آہ شعلہ بار
کچھ خبر رکھتے تھے اس دورِ ترحم میں ہاں — ہم بھی ہونگے ایک دن نخچیر جور روزگار
وہ بھی اک دن تھا کہ تھے تسکیں دہ خستہ دلاں — ہائے اب وہ دن ہیں خود بھی ہو رہے ہیں دلفگار
آہ اے ایام طفلی آہ دور انتعاش — آہ اے نقش زمین ہستی نا پائدار
آہ اے عہدِ فراغت آہ ای وقت نشاط — یاد کرتی ہے تجھے رو رو کے اپنی جان زار

سحر مشہور زمانہ ہے جہان کا انقلاب
کاش آجائیں وہی دن گھوم کر پھر ایکبار

سری رام چندر کا روپ سری لچھمن جی کے زخمی ہونے پر

رونق افزائے میاں فوج اک رعنا جواں — کثرت ذرات میں خورشید ہے جلوہ فشاں
لیک لشکر میں نظر آتے ہیں آثار ملال — اور رخ انور سے بھی ہوتا ہے اظہار ملال
آہ یہ وقت الم ہے کون راجہ رام چندر — یہ غریق بحر غم ہے کون راجہ رام چندر
سر جھکا ہے ہاتھ پر تشویش و محویت کیساتھ — دیکھتا ہے آہ یہ کسکی طرف حیرت کیساتھ

اِک جوان خوبرو غلطاں ہے اسجا خاک پر — سر رکھا ہے رام کے زانو پہ اور خود بے خبر
کون غش ہے حیف یہ کیکر لئے شیون ہے آہ — کون ہے یہ؟ رام کا بھائی سری لچھمن ہے آہ
دیکھتا ہے رام بس اُس رتّے انور کیطرف — ہائے کس حسرت سے نگراں ہے برادر کیطرف
بوسہ لیتا ہے رُخ رنگیں کا گاہے پیار سے — گھٹ ٹیک پڑتے ہیں قطرے دیدۂ خونبار سے
دیکھتا ہے اپنے چاروں سمت حیرانی کیساتھ — اور تکتا ہے وہی منہ پھر پریشانی کیساتھ
صدمۂ جانکاہ و تلخئ الم سہے سہ رہا — ضبط گذرا حد سے ہے یہ بے سنو کچھ کہہ رہا
آہ یہی لکھا تھا اپنی قسمت بدفال میں — آج دیکھوں آہ اے بھائی تجھے اس حال میں
گھر چھٹا۔ احباب چھوٹے اِک زمانہ چھٹ گیا — اور وہ اپنا تخت و تاج خسروا چھٹ گیا
لی فقیری دکھ دیا کتنوں کو۔ نکلے گھر سے ہائے — سایۂ شفقت پدر کا اٹھ گیا اس سر سے ہائے
بڑھ گیا غربت میں بھی یہ حوصلہ آزار کا — ساتھ چھوٹا آہ صحرا میں زنِ غمخوار کا
اِک تمہیں گم گشتگاں کی تھے نشانی بچ رہی — بس تمہیں اک تھے امید زندگانی بچ رہے
چارہ سازی سے تمہاری دور تھا سب درد و غم — غمگساری سے تمہاری محو تھا سارا الم
ہائے اب تم بھی ہو چھٹتے آ گیا وہ دن بھی — تازہ ملنے کو ہے اک داغ جدائی اور بھی
گر پڑے نار جہنم اُس تن ناپاک پر — خاک ہو جائے سلایا جس نے تجھکو خاک پر
آہ بھائی تم نے بھی گھر چھوڑا میرے واسطے — عیش و راحت دولت و زر چھوڑا میرے واسطے
ساتھ میرا کس وفاداری سے غربت میں دیا — ہائے کیا کیا حوصلہ مجھکو مصیبت میں دیا
کھو کے تمکو گر وصالِ زن ہوا تو کیا ملا — جب نہ ذوقِ وصل روح و تن ہوا تو کیا ملا
بے تمہارے آہ اے بھائی وطن جاؤنگا کیا — کوئی پوچھے گا تمہیں تو ہائے بتلاؤنگا کیا

تحریکِ اتحاد

تمکو خبر ہے قومیں ہشیار ہو رہی ہیں — غفلت کی نیند سے پھر بیدار ہو رہی ہیں

اب ہندستوں سے بالکل بیزار ہو رہی ہیں | ل کر یہ بیت پر تیار ہو رہی ہیں

ہے جائے غم یہاں تو مل کر جدا ہوئے تم
کیا ہونے جا رہے تھے اور آہ کیا ہوئے تم

واحسرتا طبیعت اب بھی نہیں بدلتی | صدیوں کی بھی غلامی تم کو نہیں ہے کھلتی
غیروں کے سامنے گو کچھ بھی نہیں ہے چلتی | آپس ہی میں مگر ہے دل کی ہوس نکلتی

غیرت نہیں ہے تم کو نام و نمود کھویا
رکھو گے لاج شاید اپنا وجود کھویا

کیوں وجہ شور و شر ہے آزادی مذاہب | دنیا میں بیشتر ہے آزادی مذاہب
معمول عدل پر ہے آزادی مذاہب | ہے ارتقا اگر ہے آزادی مذاہب

معیار مذہبی ہے صرف اتفاق ہونا
مذہب کے ہے منافی باہم نفاق ہونا

ٹیسو کا بن

یہ ٹیسو کا سماں برگ سپر کے رنگ شامل ہے | کھلے گلہائے تر گویا ہیں منقار عنادل سے
نکلتا ہے مگر گردوں سے ننھا سا دھنک کوئی | کوئی چھوٹی سی کشتی یا لگی ہے آ کے ساحل سے
یہ تیغ خوں چکاں ہے یا کسی کے دست نازک ہیں | شہیدوں کا لہو گرتا ہے یا دامان قاتل سے
زباں یا آشکارا ہے مسی مالیدہ ہونٹوں سے | عیاں ہے یا جبیں زلف بت رنگیں شمائل سے
گہن کے رنگ ہیں یا مہر انور مبتلا ہو کر | ہلال آتا بنا ہے اسکے آثار مقابل سے
کوئی معشوق گلرو کھولکر آنچل سے یا منہ کو | نمایاں کر رہا ہے رنگ ناقص رنگ کامل سے
کلید عیش نکلا ہے کوشاں ناخن قدرت | بہار راحت افزائے جہانکے گرد آئل سے
کف عبرا کف سائل کی صورت شوق سے وا ہے | بکھرے جا رہے ہیں لعل گویا دست باذل سے

شراب سرخ یا نیلم کے پیالوں سے چھلکتی ہے
کہیں اہل نظر سب جد میں ندان غافل سے
طیور خوشنوا یا سرخ چونچیں کھول کر اپنی
سناتے چہکے چہکے ہیں صدلئے پراثر اپنی
دکھاتا ہے جہاں گویا تماشا دلربائی کا
نکلتا آستیں سے ان کسی دست حنائی کا
غضب کا سین ہے ٹیسو کا یکسر پھولنا بن میں
کھیا جاتا ہے اک رنگ طرب ہر رگ تن میں
نظر آتا ہے چاروں سمت اک عالم چراغاں کا
ہیں جلتی دیکھو چھوٹی چھوٹی شمعیں ہر گلشن میں
ادائے دلفریب دست سی ہیں جھومتے گویا
بتان گلبدن باد بہار افزا کے دامن میں
دل دیوانہ کو حیرت سی ہے اعجاز قدرت پر
زمیں پر ہے شفق پھولی ہوئی اور روز روشن میں
غضب ہے آن یہ سرخی کا عیاں ہونا سیاہی کے
گلاب سرخ گویا کھل گیا کھلا ہے سوسن میں
کوئی رنگیں ادا ہے سیکھتی تسخیر کا جادو
دکھائی دیتے ہیں سرمے کے ڈورے چشم پرفن میں
لیں مردن یہ لائی رنگ سوزش قصہ جانکی
قلوب داغدار یکسر عیاں ہیں خاک مدفن میں
بتاتے ہیں چمک کر یاد ہوئیں ہیں سرخ انگارے
نہ ہے آمد موسم گرما کی پھر دنیا کے دامن میں
کہ صناع ازل دکھلا کے خوبی ہنر اپنی
جہاں کو لحظہ لحظہ آب دیتا ہے خبر اپنی

سہے موقع چشم حق بیں کی نگاہ انتہائی کا
یہی تو وقت ہے ادراک اعلیٰ کی رسائی کا

سحرؔ - شاعر باکمال منشی سراج میر خاں رئیس بھوپال - آپ میرزائی نسل سے ہیں حضرت نیاز خیرآبادی سے تلمذ ہے - نواب نصیر الدولہ باقی محمد خاں معروف بامراؤ دولہ کے قرابت دار ہیں ۳۵ - ۳۶ برس کا سن ہے - ذہین اور خوش مقال نوجوان ہیں - آپکو شعرائے بھوپال میں پایۂ امتیاز حاصل ہے - بہت سمجھکر شعر کہتے ہیں اور اپنے وطن کی زبان کے اعتبار سے اتنا کہہ لینا غنیمت ہے کلام یہ ہے سہ

لقمہ جو کہا کے لاش کا میری رہا تھی
مٹی سے ذرستوں نے بھرا منہ مزار کا
ٹھوکر لگا نہ آئے ہے ٹھوکر لگاتے جاؤ
اچھی طرح نشان مٹا دو مزار کا

آج آواز شکست آتی ہے میخانے سے — لڑکے ٹوٹی نہ ہو توبہ مرے پیمانے سے
آگ میں کود پڑوں حکم اگر آپ کا ہو — بزم دشمن میں ہوں مجبور مگر جانے سے
پیکے رہ جاتا ہوں میں گھونٹ لہو کے ساقی — آنکھ لڑ جاتی ہے جب سحر میں پیمانے سے
شب وعدہ ہوئی آخر اجل کی آج بن آئی — بیاض صبح لیکر ساتھ کافور و کفن آئی
غم و شادی سے اک عالم تماشا گاہ عبرت ہے — کسی گھر سے گیا پردہ کسی گھر میں دلہن آئی
وہی میں ہوں وہی دل ہے وہی دل کی تمنا ہے — یہ سب محرم ہیں تمکو شرم کس سی جانمن آئی
زمانہ دیکھکر منصور کو برتاؤ کرنا تھا — کہی حق بات کیوں جو نوبت دار و رسن آئی
کہی آسنے سُنی تم نے کہی تم نے سُنی اُس نے — اکیلا پاکے تمکو طور پر موسیٰ کی بن آئی
ڈال کر بیں پاؤں میں زنجیر اپنے ہاتھ سے — عشق گیسو میں ہوا تشہیر اپنے ہاتھ سے
کاتب اعمال دینگے حشر میں اس کا جواب — دل میں جو آئے کریں تحریر اپنے ہاتھ سے
سلسلۂ جذبات الفت ہی اک امر محال — کھینچ لیں گو عرش کی زنجیر اپنے ہاتھ سے
دل کا سودا نکریں کہدو خریداروں سے — اٹھ گئی جنس وفا حسن کے بازاروں سے
آگیا یاد وطن دیکھ کے اُن کو صیاد — پوچھ لو حال چمن تازہ گرفتاروں سے

سحر

سحر۔ مولانا شفیق الرحمن صاحب۔ آپ ردولی (اودھ) کے باشندے ہیں کسی زمانہ میں "رسالہ زخم جگر" شایع کرتے تھے۔ نوجوان شوخ طبع ہونہار شاعر ہیں چند شعر درج ذیل ہیں ؎

مسیحا ان پڑا ہے لب جاں بخش کا کشتہ — مگر تم وہ نہیں کہتے ہیں یہ زندہ نہیں ہوتا
کسن ہیں ڈریں گے انہیں بالیں سے اُٹھا دو — دم میرا اُکھڑتا ہے تماشا نہیں ہوتا
امید وفا اُس سے کہ جو دشمن جاں ہے — اے سحر جو قاتل ہے مسیحا نہیں ہوتا
اس شوخ ستمگر نے نکالی یہ نئی بات — کی جس سے کبھی بات تو شمشیر کی بات
ہوتا ہے تمہیں تو زبوں نخل زبوں کا — اچھی نہیں ہوتی ہے حقیقت میں یہ بات
پیری میں وہ اگلے سی کہاں ولولے اے سحر — ہمراہ جوانی کے جوانی کی گئی بات

سخا ۔ نواب میر خیرات علی خاں ابن میر امیر علی خلف میر نظیر علی ۔ آپ نواب وثوق الدولہ مظفر کے متبنیٰ تھے ۔ حیدرآباد دکن کے عمائد میں شمار تھا۔ سرکار نظام سے منصب ملتا تھا اور فن شعر میں میرزا میتا بیگ نہتی شاگرد حضرت آتش لکھنوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا۔ سنہ ١٣٣١ھ میں ٤٥ سال کی عمر تھی ۔ آپ کی رنگین طبعی تشبیہات قدما کی بہار گوناگوں کا جلوہ دکھا رہی ہے ۔ عرصۂ نظم میں صریر کلک سے آفریں کی صدا آتی ہے ۔ فکر بلند کا نتیجہ یہ ہے ؎

کیونکر ہو طے یہ مرحلۂ عشق دیکھئے
دل میں ہزار طرح کا کھٹکا ہے راہ کا

دل کو شرف ہے داغ محبت کے فیض سے
خورشید کے کرم سے یہ جلوہ ہے ماہ کا

رہے چمن میں نہ بلبل کا نام تک باقی
دیا ہے حکم یہ گلچیں نے باغبانوں کو

یہ آہ وہ ہے رُکے گی کبھی نہ روکے سے
یہ تیر وہ ہے کہ توڑے گا آسمانوں کو

مقامِ خوف ہے ابرو قریب مژگاں ہے
کمال ربط ہے تیروں سے ان کمانوں کو

اگر وصال نہیں تو خط و پیام سہی
برائے صبر دل بے قرار کچھ تو ہو

خدا کرے کہ دل انکا کسی پر آجائے
بتوں کو میری طرح انتظار کچھ تو ہو

سخا ۔ مولوی نظیر حسن ابن مولوی غضنفر علیخاں دہلوی ۔ آپکے جد امجد مولوی نجف علیخاں مخاطب بہ تاج العلما بڑے پایہ کے عالم تھے ۔ آپ ١٢٧٨ھ مطابق ١٨٦٢ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے ۔ فارسی عربی اپنے والد اور دادا سے پڑھی ۔ فن سخن میں فصیح الملک میرزا داغ سے تلمذ اختیار کیا آغاز شباب میں طبیعت شوخ اور چلبلی تھی ظریفانہ مضامین لکھنے میں خداداد ملکہ ہو گیا تھا اخبار چلتا پرزا عرف شاہجہاں آباد پنچ ۔ بے مثال پنچ دہلی کے قابل نامہ نگاروں میں آپ کا شمار تھا۔

یوں تو آپ مختلف صیغوں میں ملازم رہے ہیں مگر صیغہ تعلیم میں عرصہ تک ملازمت کی ہے ۔ اجمیر نصیرآباد کے سوا مختلف ریاستوں میں ملازم رہ چکے ہیں ۔ قدرت کیطرف سے ذہن رسا اور ہمہ گیر طبیعت پائی ہے ۔ ہومیوپیتھک علاج سے بھی واقف ہیں ۔ تجارت کا شغل بھی

رہا ہے۔ مناظرہ اور ڈرامانویسی میں بھی مہارت حاصل ہے اور اسی سلسلہ میں تمام ہندوستان کا سفر کرآئے ہیں۔ آپ عربی فارسی انگریزی اور گجراتی زبان اچھی طرح جانتے ہیں۔ آجکل مہاراجہ کالج جے پور میں عربی مدرس ہیں۔ کلام میں شوخیٔ زبان لطفِ بیان۔ سلجھے ہوئے مضامین خیالات رنگین غرض سب کچھ موجود ہے۔ شوخ بیانی کا نمونہ یہ ہے ؎

جب میں کہتا ہوں مرا دل تجھپہ شیدا ہوگیا — کہتے ہیں وہ کہنے والے کا کلیجا ہوگیا

اے زہے تقویٰ شعاری میکشی جب ترک کی — رات دن "یا ساقیٔ کوثر" وظیفہ ہوگیا

میں گذر جاؤں تو لکھدینا سرِ لوحِ مزار — عاشقِ جاں باختہ نذرِ اطبا ہوگیا

مژدہ اے بختِ رسا دل کا کلیں کھولے ہوئے — پوچھتے پھرتے ہیں خود کس کس کو سودا ہوگیا

ازل میں حسنِ حقیقی جو بے نقاب ہوا — چمک چمک کے ہر اک ذرہ آفتاب ہوا

نہ حسن کا کوئی شکوہ نہ عشق کی فریاد — عدوئے عزت و ایماں فقط شباب ہوا

صدا بلند ہے اب تک یہ گورِ مجنوں سے — ہوا جو عشق میں ناکام کامیاب ہوا

جوان ہوتے ہی دنیا کی کچھ خبر نہ رہی — شباب کیا ہوا کیفیتِ شراب ہوا

عشق وہ راز تھا ان سے جو نہ مخفی رہتا — میں نہ کہتا مری صورت سے نمایاں ہوتا

رباعی

مشکل ہے مساجد تو منادر ہی بنا — بگڑا ہوا باطن ہے تو ظاہر ہی بنا

بیکار مباش کچھ کیا کر اے شیخ — مومن نہ بنا سکے تو کافر ہی بنا

قطعہ

واعظوں کی خوش بیانی کے سبب — جھوٹ سچ کا فصل تک جاتا رہا

حاشئے اتنے چڑھائے متن پر — اعتبارِ اصل تک جاتا رہا

دیگر

جدھر زمانہ پھرا میں بھی ساتھ ساتھ پھرا — جو رنگ دیکھا وہی اختیار کی صورت

کافروں کے کوچہ میں گذر ہے جو اے صبا — کہنا مری طرف سے بہت ہاتھ جوڑ کر

مسجد اگر نئی نہ بنا ہو سکے تو خیر — مندر بنائے نہ مساجد کو توڑ کر

〃

چار فاضل مل کے بیٹھیں تو کھٹکے ہوں سو فساد — جب یہ صاحب جا گئے بنیاں ہو فتنہ شو سکتا نہیں

عقل سے دریافت پر پایا ہی ہم نے یہ جواب / یہ لیلی اور عالم نہ کراہیں یہ ہو سکتا نہیں

بڑی خوشی سے خم بادہ توڑ لے واعظ / مگر نکال دے دل توڑنا ثواب نہیں

اجل کو لاکھ پکارا مگر نہیں آئی / تو ہی دے ہجر میں لے زندگی جواب نہیں

ہاں تمہیں پر جان دیتا ہوں تمہیں پر ہوں نثار / ہاں تمہیں پر ہے طبیعت ٹوٹ کر آئی ہوئی

بیٹھتے ہی بیٹھے محفل میں ہجوم ہو گیا / دیکھتے ہی دیکھتے رخصت توانائی ہوئی

کیوں نہ بدنام کریں شمع کو پروانے سے / صاف اظہار تعلق ہے پگھل جانے سے

نیند آئی تجھے ظالم مرے افسانے سے / سو گیا میرا مقدر ترے سو جانے سے

شب کو تم آؤ گے اصرار کی حاجت کیا ہے / بدگمانی مجھے بڑھتی ہے قسم کھانے سے

یہ بھی خواہش ہے رخ و زلف نہ چھپنے پائیں / یہ بھی کوشش ہو دوپٹا نہ ڈھلے شانے سے

سخا

سخا - منشی سخاوت حسین صاحب آپ شاہجہانپور کے باشندے ہیں حضرت ناطق لکھنوی کے شاگرد ہیں - اردو فارسی کے علاوہ بقدر ضرورت انگریزی بھی جانتے ہیں - کانپور میں قیام ہے - کبھی کسی کارخانہ میں محرری کرتے دکھائی دیتے ہیں کبھی بچوں کو تعلیم دیتے ہیں اور وہاں کے مشاعروں میں اکثر شریک ہوتے رہتے ہیں - شعر کہنے کا اتفاق کم ہوتا ہے - مگر جب کبھی کہتے ہیں - اچھا کہتے ہیں ؎

کھل گئیں نرگس کی آنکھیں چشم جاناں دیکھکر / ہوش سنبل کے اڑے زلف پریشاں دیکھکر

لائے کیا خاطر میں لے رضوان تیرے خلد کو / آ رہا ہے جو فضائے کوئے جاناں دیکھکر

دو شب وعدہ مرے گھر آنے واپس کیوں پھرے / چرخ شاید جل گیا عشرت کا ساماں دیکھکر

زندہ رکھا ہے کسی کی آرزو نے ہجر میں / ورنہ دم مجھ میں کہاں تھا شام ہجراں دیکھکر

ہو کے برہم دفتر عالم نہ برہم کیجئے / جو ورق ہے مری ہستی کا وہی کم کیجئے

آ گیا اشکوں کے ہر قطرہ میں روحانی اثر / اب ذرا اندازۂ صدمات پیہم کیجئے

وقت آخر ہاتھ سینے پر جو کھینچ کر آ گئے / مدعا یہ ہے کہ اپنا آپ ماتم کیجئے

وہ بھی چکی آگئی جو تھی مآلِ داستاں	اب ارادہ ہے کہ ختم افسانۂ غم کیجئے
دبھکر اپائے نظرت دل کو یہ کھنا پڑا	حسن ہی کو کارفرمائے دو عالم کیجئے
عشق کے جذبات اشکوں میں نہاں اے سخا	ہوسکے تو ان کا ہر قطرہ فراہم کیجئے

سخا - منشی لچھمن نرائن بی۔ اے۔ متوطن سیرٹھ۔ یوں تو آپ خوش تقریر تعلیم یافتہ اور خوش بیان ہیں مگر دبستان سخن میں ابھی ابجد خواں ہیں۔ فن شعر میں حضرت عطا سے تلمذ ہے۔ طبیعت میں موزونی کا مادہ ہے کلام یہ ہے ؎ سخا

یکساں ہیں روز و شب ہمیں فرقت میں اے سخا	ہے کار اب یہ گردشِ لیل و نہار ہے

سخا - محمد سخاوت حسین ولد منشی گل محمد مرحوم ساکن ڈبائی ضلع بلند شہر۔ آپ کے مورث اعلیٰ نواب نیاز علیخاں جان نثار الدولہ بہادر شاہ بادشاہ دہلی کے اہلکار رہتے۔ ۵۰ برس کی عمر ہے آپ کے دو دیوان طبع ہو چکے ہیں۔ تیسرے کی ترتیب میں ہیں۔ آپ کا شمار نعت گو شعرا میں ہے ؎ سخا

ہر جگہ ایک ہی صورت میں ہے جلوہ تیرا	کربلا تیری نجف تیرا مدینہ تیرا
کس زباں سے میں کروں شکر خدایا تیرا	تیرے محبوب کی اُمت میں ہے بندہ تیرا
دمِ عرض دعا یارب سخا کی آرزو یہ ہے	میں آمیں کی کروں خواہش کہیں روح الامیں اچھا

سخاوت - آغا محمد عابد لکھنوی۔ آپ حضرت فصاحت یادگار جناب امانت لکھنوی کے سرچشمہ تلمذ سے فیض یاب ہیں۔ زبان کی بیساختگی پر شاہد مضمون سو جان سے نثار رہے۔ سادہ الفاظ میں واردات عشق اور معاملات حسن کی مصوری کرتے ہیں۔ ضلع جگت سے بچ کر فصحائے لکھنؤ کی بول چال۔ روزمرہ کی خوبیوں کو زیر نگاہ رکھتے ہیں۔ بہت خوب کہتے ہیں۔ صدف طبع کی دُرافشانی یہ ہے ؎ سخاوت

نیام سرخ گویا بن گیا ہے دیکھ او قاتل	لہو جم جم کے جاں بازوں کا تیری تیغِ عریاں پر
سرکٹ رہا ہے شمع کا اور دیکھتے ہیں سب	کیا سنگ دل یہ لوگ تری انجمن کے ہیں
وہ دل کو چھین کر بولے ہمیں سے	ہمیں اک اور دل لا دو کہیں سے

مجھ ایسا ناتواں شاید بنا ہے
اُسی کو ڈھونڈ کر دل دو سخاوت

محبت۔ آپ ایسے نازنیں سے
ادا جس کی جدا ہو ہر حسیں سے

بوقت قتل نکلیں رفتہ رفتہ حسرتیں دل کی　　مزا دیتی ہے تھم تھم کر روانی تیغ قاتل کی
مرادیں جنکی بر آتی ہیں دنیا میں ہیں ایسے بھی　　یہاں تو عمر بھر نکلی نہ کوئی آرزو دل کی
وبال دوش ہی سر کو جدا کر دے مرے تن سے　　اُتر جائے کہیں یہ بار قاتل مری گردن سے
بتوں نے بات ہماری نہ دیر میں پوچھی　　نہ جاتے کعبہ تو اے برہمن کدھر جاتے

سخاوت

سخاوت منشی محمد سخاوت اللہ خاں۔ آپ شاہجہانپور کے ساکن ہیں۔ فی الحال اورنگ آباد میں مقیم ہیں۔ حضرت احسان شاہجہانپوری کے شاگرد ہیں۔ انداز بیان میں بے تکلفی ہے۔ معاملہ بندی کیطرف میلان خاطر ہے۔ سیدھا سادھا کلام ہے۔ انتخاب یہ ہے۔

ہاتھ میں دامن نہ آیا اُس ستم ایجاد کا　　رہ گیا لاشہ تڑپ کر کشتۂ بیداد کا
سر بکف سینہ سپر جاتا ہوں سوئے قتل گاہ　　دیکھنا ہے آج مجھکو حوصلہ جلاد کا

نہیں ہے ساتھ اگر شادی و غم کا
عدو کا غم نہیں کرتے ہیں ظاہر

نکل آتے ہیں آنسو کیوں ہنسی میں
چھپائے رکھتے ہیں وہ اپنے جی میں

سخن

سخن ۔ حکیم میرزا محمد حسین شاہجہاں آباد کے قدیم شعرا سے تھے۔ فن طبابت میں اعلیٰ درجہ کی لیاقت و قابلیت تھی۔ "تذکرہ ریختہ گویان ہند" مولفہ صدر الدین میں ایک شعر درج ہے جو یہ ہے ؎

جو ہیں جان نکلی وہیں آن نکلا　　بھلا مرتے مرتے تو ارمان نکلا

سخن

سخن ۔ لالہ رام دیال صاحب۔ لکھنؤ کے قدیم باشندے اور پرانے رنگ پر دم دیتے تھے آپکا کلام رنگین۔ رعایت لفظی سے آراستہ اور صنایع بدایع کے حسن سے پیراستہ ہے۔ سخن آرائی کا رنگ یہ تھا ؎

رکھے اگر وہ نازسے اندر چمن کے پاؤں　　سب پھول چومیں آنکر اُس گلبدن کے پاؤں

اب ضعف سے قدم بھی اٹھانا محال ہے　　فرقت میں ہو گئے ہیں مرے لاکھ من کے پاؤں
اپنا کمال شوق دکھا دے جو ایک بار　　شیریں لگائے آنکھوں سے پھر کوہ کن کے پاؤں
آنکھوں کو تیری دیکھ کے بھولے ہیں جو کڑی　　اٹھتے نہیں ہیں دیکھ لے ظالم ہرن کے پاؤں

سخن

سخن ۔ ناظمِ بے ہمتا ۔ ناثرِ یکتا ۔ کلیمِ طورِ سخنوری ۔ و جلوہ طرازِ معنی پروری سید محمد فخر الدین دہلوی آپ نہایت ذکی الطبع تھے ۔ بلا کا ذہن پایا تھا ۔ صوبہ بہار کے مشہور قصبہ شاہ آباد میں کچھ عرصہ تک عدالت دیوانی میں وکالت کرتے رہے ۔ آپنے کلکتہ کے اکثر مشاعروں میں اپنی دھاک بٹھا دی اور مدتوں شعرائے بنگال سے معرکہ آرا رہے ۔

اردو کے سوا فارسی میں بھی شعر کہتے ۔ انکو جسطرح فن سخن میں میرزا غالب سے عقیدت تھی اسی طرح میرزا صاحب سے کچھ قرابت بھی ظاہر فرماتے ۔ مگر یہ قرابت سخن آرائی کی تحت میں رہی اور پایہ ثبوت کو نہ پہونچی ۔ اسمیں شک نہیں ہے کہ آپ خوش طبع معنی آفریں شاعر تھے ۔ اور انہیں اپنے وطن کے ساتھ دلی محبت تھی ۔ آپنے آغاز جوانی میں جب فسانہ عجائب کو پڑھا تو میرزا سرور کے اُن فقروں کو پڑھکر تن بدن میں آگ لگ گئی جو میرامن صاحب باغ و بہار کے متعلق تھے ۔ حالانکہ خواجہ امان دہلوی مترجم بوستان خیال ۔ دیباچہ میں اُسکا کافی جواب دے چکے ہیں اور سرور کی انشاء پردازی پر معقول بحث کر چکے ہیں ۔ مگر دلی اور لکھنؤ کی فطرتی رقابت نے حضرت سخن کو فسانہ نگاری پر مجبور کیا ۔ اور حب الوطنی کے جذبہ نے چند ہی روز میں "سروش سخن" کو درجہ اختتام تک پہنچا دیا ۔ آج دونوں کتابیں ادب کی فہرست میں موجود ہیں ۔ راقم تذکرہ کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ میرزا سرور جیسے کہنہ مشق نثار اور سخن جیسے جوان طبع خوش مقال کی تصنیف کا محاکمہ کرے ہندوستان میں نقادی کا مذاق ترقی پذیر ہے ۔ ارباب نظر دیدۂ انصاف سے دیکھکر خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ تراش اور خراش میں فسانہ عجائب کا نام نکلا ہوا ہے یا سروش سخن کا ۔ شوخیٔ الفاظ کے مینا بازار میں جواہر ریزوں کو کس نے بکھیرا ہے ۔ اور سیدھی سادی ترکیبوں یا روزمرہ کے محاوروں کو کس نے استعمال کیا ہے ۔ سرمایہ داران حسن کی بولی ٹھولی پر کس نے

دم دیا ہے۔ اور دل میں چبھتی ہوئی کیفیتوں کو قلم بند کرتے ہوئے تیر و نشتر کی روانیاں کس نے دکھائی ہیں۔ اب تو مغربی ہوا نے بہارستانِ اُردو کے ان دونوں گلدستوں کو طاقِ نسیان کی زیبایش بنا دیا ہے۔

بہرحال سرورشِ سخن کے باعث حضرتِ سخن کا شمار داستان نگاروں کی فہرست میں کیا ہے اور فسانہ عجائب کیساتھ اس کتاب کا بھی نام لیا جاتا ہے۔

جناب سخن نے اردو فارسی کے دواوین اور چند کتب مطبوعہ و غیر مطبوعہ چھوڑ کر ۱۳۱۸ھ میں انتقال فرمایا۔ مولوی محمد وزیر صاحب مالک مطبع گوہر آصفی کلکتہ نے تاریخ لکھکر حق دوستی ادا کیا ؎

گفت دردا آہ فخرالدین حسین	سال رحلت آں وزیر دل حزیں

کلام میں سادگی بھی ہے۔ رنگینی بھی ہے۔ بیساختہ پن بھی ہے۔ مضمون آفرینی بھی ہے۔ صدہا تلامذہ بنگال میں آپکے تلامذہ موجود ہیں۔ سخن طرازی کا انتخاب یہ ہے ؎

نہ منہ کھلوا دو سب کے سامنے جانے دو کیا حاصل
سبب تم جانتے ہو میرے رنجش ہائے پنہاں کا

اظہارِ عشق سے مجھے الفت کی تھی امید
وہ اور میرے در پئے آزار ہو گیا

اُسکے آنے کی مسرت ہے مگر فکر یہ ہے
کیا کہوں گا جو مرے حال کا پرساں ہوگا

ہمیں تو باندھ لو اپنے کمندِ زلفِ مشکیں میں
پھنسا لائے ہے جسے تم کوئی صیدِ ناتواں ہوگا

خوش و ناخوش بسر ہو جائیگی یہ زندگی لیکن
جسے آرام کہتے ہیں نہ یاں ہوگا نہ واں ہوگا

جوشِ گریہ میں اگر ضبط نہ ہوتا ہم کو
کہیں چشمہ کہیں دریا کہیں ساحل ہوتا

آرزو تھی کہ نظر آپ کی پڑتی اس پر
اشک جو آنکھ سے گرتا وہ مرا دل ہوتا

بد ہنسی ہو تو ہو چشمِ سخن گو تو ہے
کیا کہا لے جانِ من پھر تو ادھر دیکھنا

آرزو ہے کہ صنم وعدہ کا ایفا کرتا
چھیڑتا اسکو میں اور شکوہ بیجا کرتا

بوسہ تو کیا جواب بھی ملتا نہیں کبھی
پھر کیونکہ حوصلہ ہو بتوں سے سوال کا

تیر تو آپ نے مارا تھا عدو کو لیکن
کشش دل سے ہماری وہ ادھر آ ہی گیا

اب آپ جاکے کسی اور کو یہ دم دیجئے
حال سب اسنے کہا ایک ایک کا
تم گالیاں دیتے ہو عدو کو سر محفل
آتا ہے مجھے یاد تو گر جاتے ہیں آنسو
روتا ہوں تو ہو جاتا ہے دامن مرا دریا
عدو کے نام پہ کیوں اسقدر جلال آیا
بوسہ دیتے ہیں اگر تمکو تردد ہے تو پھر
ہے دوستی عدو سے تو اسکی طرف نہ دیکھ
آئی جو یاد جنبشِ مژگانِ زخم گر
یہ جان ہے یہ جگر ہے یہ دل تیری نذر ہے
تو نے صیاد قفس لاکے چمن میں رکھا
وہ ناز ہیں کہ اٹھاتے سر اک کو مشکل ہیں
نہ رہے چین سے اک جا چمن عالم میں
کیوں کھینچی جاتی ہے گردن خود بخود قاتل کوئی
آج کچھ اور ہے خضاب کا رنگ
چشم بد دور یار کی رنگت
مر نہ جاتے نگہ لطف پر اس کی اب تک
اپنا انداز غضب قہر و ستم کی چتون
نہ یہ زمیں ہے نہ یہ آسماں یہاں قاصد
گلرو نہیں ہیں داغ مرے جسم زار میں
قطراتِ اشک خوں سر مژگاں تو دیکھئے

یہاں تو آپ کے وعدوں کو بس سلام کیا
آج ہم سے اُن کا دربان کھل گیا
یہ رنج تو ہم کو بھی گوارا نہیں ہوتا
دل سے بھی زیادہ کوئی پیارا نہیں ہوتا
دریا بھی تو وہ جسکا کنارہ نہیں ہوتا
تمہارے دل میں خدا جانے کیا خیال آیا
دل کے لینے میں مری جان تقاضا کیسا
چڑھ جائے اسکو زہر نہ تیری نگاہ کا
دل میں چبھا کئے مرے نشتر تمام رات
اسمیں سے کوئی بھی تو کرے دلستاں پسند
اب کریں کیا ترے شرمندۂ احساں ہو کر
وہ جور ہیں کہ نہیں جن کی آسماں کو خبر
صورت برگ خزاں پھرتے ہیں برباد ہنوز
سحر ہے۔ جادو ہے افسوں ہے ترے خنجر کی باس
دیکھئے رخ پہ ہے عتاب کا رنگ
شیشہ میں جس طرح شراب کا رنگ
بچئے کس طرح جو ہوتا نہ ستمگر قاتل
دیکھ لینے دے ٹھہر جا ذرا دم بھر قاتل
زیادہ اس سے بس اسکا نشاں نہیں معلوم
سرتا پا ہوں چشم ترے انتظار میں
یہ گل بہار دے گئے اس خارزار میں

دم بھر میں ایک تیری نہیں نے مٹا دیئے
کیا کیا خیال تھے دلِ امیدوار میں

ہزاروں پستے ہیں لاکھوں تمام ہوتے ہیں
خدا کا قہر ہے ظالم ترا شباب نہیں

دعا کو ہاتھ اٹھائے تو ہنسکے فرمایا
ہزار مانگو دعا ایک مستجاب نہیں

یہاں تو دیکھ کے میں اُن کو محوِ حیرت ہوں
وہ جانتے ہیں مری بات کا جواب نہیں

دیکھا مجھے تو غیر سے آنکھیں چُرا گئے
کیا اس نگاہِ لطف میں پنہاں ستم نہیں

صدقے میں اُسکی سادگی اور اپنے ضعف کے
زندہ ہوں اور کہتے ہیں اس میں تو دم نہیں

مہر و الفت ہی سہی بغض و عداوت ہی سہی
پھر مجھے دیکھتے تم کیوں ہو اگر کچھ بھی نہیں

اک نفیں میرا کہ کچھ بھی نہیں اور سب کچھ ہے
اک ترا وعدہ کہ سب کچھ ہے مگر کچھ بھی نہیں

یوں ناز تو ہر ایک ترا قہر ہے لیکن
اک بات نئی ہے ترے بیساختہ پن میں

حسرتِ دیدار وہ بیداریٔ شب کیا ہوئی
بعد مردن طالب آرام آنکھیں ہو گئیں

ایک ہی بوسہ سے آنکھوں کے ہوا لکو سرور
ساقیا جامِ مئے گلفام آنکھیں ہو گئیں

پھپھولے لختِ دل کے ہو گئے معمور سینہ میں
بھری ہے ساقیا یاں بھی مئے انگور سینہ میں

ہنستا ہے وہ عاشق کش رونے پہ مرے دیکھو
بجلی اسے کہتے ہیں باراں اسے کہتے ہیں

کرتے ہو خطا ہر دم اللہ چھپاتا ہے ''
دیکھو تو گنہگار و احسان اسے کہتے ہیں

اک نشانہ کبھی بھولے سے ادھر بھی ظالم
ہے لبِ تیر کے بوسہ کی تمنا دل میں

ایسا یہ ہے کہ اور ابھی کھینچ انتظار
نرگس کے پھول آئے ہیں خط کے جواب میں

پڑھ ہو خط مرا شمع دکھلائے دشمن
یہی تو ہیں میرے جلانے کی باتیں

کبھی بوسۂ زلف مانگا تو بولے
سخن ہیں یہی مار کھانے کی باتیں

دیدار آخری ہے ذرا دیکھ لینے دو
تم تیغ تو اٹھاؤ جھکا دونگا سر کو میں

محبت میں بتانِ خوبرو بھی ساز کرتی ہیں
جسے مشتاق پاتے ہیں اُسی پہ ناز کرتے ہیں

گلہ اُن سے کیا انکے تغافل کا تو فرمایا
سبھی معشوق اپنے عاشقوں پر ناز کرتے ہیں

بھلا بتلاؤ دل سے کس طرح ارمان مرے نکلیں
یہ کیا ہے اے پری رو جو تمہیں دلدار کھتی ہیں
دل شاد۔ آج اپنا کرتے ہیں وصل میں ہم
پھر اپنے گھر بلا گئی ہیں غضب کا مژدہ سنا گئی ہیں
اگرچہ اُس شوخ نے ہمکو دئے جھٹکے لاکھوں
ذرا تاثیر دیکھو آسماں ابتک ہے چکر میں

چاہتا ہوں نہ بولوں اُس سے مگر
تیری طرح کوئی بیاں تحکن جہاں میں نہیں

ستم جو کچھ ہیں مجھپر ہیں فقط تیرے تغافل سے
ابھی تو میں بھی زندہ ہوں تمہارے ظلم سہنے کو
پسند ہیں تو لگا لیجے زین توسن میں
وہ بادہ کش ہوں کہ غفلت میں ٹلی تو ساقی نے
کھینچی ہے چشم قاتل میں جو اک تحریر سرمہ کی
تو بھی چل جسم سے لے روح پئے استقبال
آبھی ابھی نہ شب وصل میں تقریر کرو
کم نہیں عشق تپاں یاد الٰہی سے کہ وہ
اُن سے بوسہ جو طلب کیجے تو شرماتے ہیں
ختم ہوا شوق ہم آغوشی میں ہیں مشکل کماں
پہلے تو کچھ رکے سے تھے اور بھی اب کھنچ گئے
ہزاروں منتیں کیں ہاتھ جوڑے گالیاں کھائیں
وعدۂ حشر پہ تسکین ہو کیونکر دیکھو

نہ پہلو میں شگاف اپنے نہ ہی ناسور سینہ میں
وہی پھر بیوفا۔ بے مہر۔ دل آزار کھتے ہیں
اپنی تمہاری ایک جا تصویر کھینچتے ہیں
پھر انکے دم میں ہم آگئی ہیں کہ جن سے وہ ہوا اٹھا چکے ہیں
نے لئے بوسے مگر ہم نے لپٹ کے لاکھوں
کیا تھا ایک نالہ ہم نے اپنی زندگی بھر میں

دل تو کمبخت مانتا ہی نہیں
کہ جسکے قول میں انکار جسکی ہاں میں نہیں

اگر تو دوست ہے میرا تو دشمن آسماں کیوں ہو
ستم کا حوصلہ غیروں پہ صرف امتحاں کیوں ہو
ہماری آنکھوں کے حلقے رکاب کے بدلے
دیا شراب کا چھینٹا گلاب کے بدلے
نظر آئی ہے دست ترک میں شمشیر سرمہ کی
نکہت زلف لئے باد صبا آتی ہے
خیر ہے تمکو بھی شرکتنی بڑھا آتی ہے
ظلم کرتے ہیں تو آتا ہے خدایا وہ مجھے
مانگئے دل تو یہ کھتے ہیں تقاضا کیا ہے
پیر سے بدتر کیا تیری جوانی نے مجھے
کھینچکر اُن کی جو دی تصویر مانی نے مجھے
لئے بوسے لب جاناں کے لیکن اس خرابی سے
تم وہاں بھی تو یہ کھدو گے نہیں یاد مجھے

فرقت میں یاں لبوں پہ مری جان زار ہے	آ آے اجل کہ صرف ترا انتظار ہے
ساقی چمن میں شیشۂ مے کی ہوا ہے بند	کالی گھٹا ہے جوش پہ فصل بہار ہے

سخن

سخن۔ جناب عابد حسین خانصاحب۔ آپ ڈپٹینہ ضلع سیتاپور کے تعلقہ دار ہیں۔ فن سخن میں جناب حکیم لکھنوی کے شاگرد ہیں۔ کلام سے پختہ گوئی اور کہنہ مشقی کا رنگ نمایاں ہے۔ رعایت لفظی کے شیدائی۔ صنایع بدائع کے فدائی ہیں۔ بعض شعر صاف بھی نکل جاتے ہیں۔ پچیس برس ادہر کا کلام ہے۔ انتخاب یہ ہے ؎

چادر ہے گرد راہ بگولے ہیں مثل قبر	ساماں یہ کس غریب کے دفن و کفن کے ہیں
چوری چھپے سے لی جو خبر بعد مرگ کے	ممنون ہم محبت دزد کفن کے ہیں
بھرتے ہیں پانی کوثر و تسنیم و سلسبیل	رتبے بلند کیا تری چاہ ذقن کے ہیں
پیراہن حیات کی تنگی جو یاد ہے	ڈھیلے لحد میں بند ہمارے کفن کے ہیں
چھوڑینگے وہ جفا نہ وفا ہم کرینگے ترک	وہ اپنی بات کے ہیں ہم اپنے سخن کے ہیں
پانی بھی مانگتے نہیں وہ اٹھ کے وقت مرگ	مارے ہوئے جو حسرت چاہ ذقن کے ہیں
آ بھی اٹھا کے چہرۂ پرنور سے نقاب	پروانے بے چراغ تری انجمن کے ہیں
گیسو کو آتش رخ روشن پہ دیکھئے	جل جانے پر بھی بل وہی باقی رسن کے ہیں
ہے خدا سے بھی طلب میں گر حجاب	ہاتھ کو وقف دعا ہم کیا کریں
پھیریں دل اس بت کا کیونکر اسطرف	جو خدا کا کام ہو ہم کیا کریں
تمہارے کان میں کھٹا ہے موتی	کہاں آ کر مری قسمت لڑی ہے
جادوں سے عیاں ہے کشش پنجۂ وحشت	ٹکڑے کئے کیا دامن صحرا کے کسی نے
خاموش نہیں وہ ہے روان جنکی طبیعت	لب بند نہ دیکھے کبھی دریا کے کسی نے

سخنور

سخنور۔ منشی دیوانی سنگھ فرزند رائے جی سکھ رائے دہلوی۔ آپ اکبر شاہ ثانی کی سرکار میں تحریر تنخواہ جات کی جلیل القدر خدمت پر ممتاز تھے۔ سنہ ۱۸۴۷ء میں ۶۰ سال کی عمر تھی۔ بہادر شاہ

کے اوائل سلطنت تک زندہ و سلامت و برسرِ کار رہے۔ بادشاہ کی ڈائری میں کئی جگہ انکا ذکر موجود ہے۔ موردِ عنایاتِ شاہی تھے۔ شاعری میں غالب علیخاں سید کے شاگرد تھے۔ زبان صاف بیان میں سادگی تھی۔ اپنے زمانہ کے اعتبار سے خوب شعر کہتے تھے ؎

گریاں رکھے ہے بن ترے یہ چشمِ تر مجھے
طوفانِ نوح آئے ہے اب پھر نظر مجھے

اُس زلف و رخ کی یاد میں دل بیقرار ہے
روتے ہی روتے گذرے ہے دو دوپہر مجھے

ہوتی عیاں ہے صورتِ ہستی و نیستی
جوں نقشِ پا ہمیشہ سرِ رہگذر مجھے

سخنور — سخنور۔ مولوی محمد عباس۔ آپ شولاپور کے رئیس و آنریری مجسٹریٹ ہیں۔ شاعری کا مذاق ہے۔ حکیم معشوق علیخاں جوہر شاہجہانپوری سے مشورہ سخن فرماتے ہیں۔ کلام اچھا ہوتا ہے نمونۂ بیان یہ ہے ؎

طرزِ خرام کرتی ہے لاکھوں کو پائمال
دعویٰ یہ ہے کہ ہم سا کوئی نازنین نہیں

رہِ الفت سے کٹے گی کسطرح دل بیٹھا جاتا ہے
قدم اُٹھنے بھی اب تو سخت مشکل ہوتے جاتے ہیں

ہوائیں دامنِ سفاک کی سلامت ہیں
ہمارے زخمِ جگر کی شگفتگی کے لئے

سخنور — سخنور۔ سید ابوالحسن صاحب ساکن مچھلی بندر۔ شاگرد جناب فائض۔ شاعر معنی سنج ہیں شعر میں مضمون آرائی ہوتی ہے طبیعت رنگین ہے۔ کلام یہ ہے ؎

آتا ہے جب زمانہ میں موسم بہار کا
بنتا ہے پھول غنچۂ دل بادہ خوار کا

گلشن پہ کس غضب کا ہے جوبن کہ ان دنوں
ہر برگ گل ہے تختِ عروسِ بہار کا

آمد سے ہچکیوں کی یہ ہوتا ہے آشکار
آنے لگا ہے تار عدم کے دیار کا

کھینچا ہے دار پر مجھے منصور کی طرح
ظاہر جو عشق ہوگیا گیسوئے یار کا

سخی — سخی۔ سید پرورش علی۔ آپ کڑا ضلع الہ آباد کے باشندے اور سید جلال بخاری کی اولاد سے تھے۔ آپ ۱۲۲۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۵ سال کی عمر میں ۱۲۹۳ھ میں وفات پائی آپکے دو دیوان مطبوعہ موجود ہیں۔ رند مشرب۔ آزاد پسند آدمی تھے۔ گو دہنعلدار ہی ہیں

مستحکم - آن بان میں یگانہ اور صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے - یہاں کا زبان کی شاعری میں آپ کا تخلص انور تھا - کلام میں مذاق - ظرافت - شوخی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے - مگر جب متانت پر آتے ہیں تو موثر الفاظ میں عبرت کا مرقع کھینچ دیتے ہیں - انکا ایک قطعہ مقبول خاص و عام ہے جو اردو کلام کے انتخاب میں درج کیا جاتا ہے -

جمع خاطر رہے اے اہلِ قبور — ہم بھی آتے ہیں نہ گھبرائے گا
بوسہ للہ سخی مانگتا ہے — ایک دیجے گا تو دس پائے گا
اتنا کھنا تھا کہ یوسف نہ کہو — گالیاں دیں سر بازار یہ کیا ؟
دل لگی ہوتی ہے خوش ہونے کو — تم تو ہونے لگے بیزار یہ کیا
قید اک حور کے گھر میں ہوں میں — رشکِ فردوس ہے زنداں میرا
کہاں دن کو گھر سے محل جائے گا — ابھی جھٹ پٹے میں نکل جائے گا
مرے دل میں آنے سے یہ فائدہ ہے — ذرا اور سانچے میں ڈھل جائے گا
دیکھو - یوں کھلتی ہے کلی دل کی — ہاں مری جان مسکرا دینا
لب کا بوسہ طلب کیا تو کہا — گھر سے تو جا کے منہ بھی دھو آیا ؟
شیخ جی کہتے ہیں غنا کو حرام — ان سے پوچھو تو میاں یہ گاتے کیا
دم نکل جائے نہ بلبل کا پھڑک کر صیاد — پھول رکھدے قفسِ مرغِ گرفتار میں آج
چھونے دے دہنِ زخم سے قاتل مجھکو — لبِ شیریں کا مزا آتا ہے تلوار میں آج
سر جو ٹکراتا ہوں تو کہتے ہیں — میری دیوار کا خدا حافظ
عاشقِ شعلہ رو کی تربت ہے — لوگ پھولوں کی جا چڑھائیں آگ
سیرِ مدفن کو کون آیا تھا — مرُدے بے چین ہیں مزار میں
لے کے قاصد کو صبا باندھتے ہیں — سچ ہے شاعر بھی ہوا باندھتے ہیں
پھر سرِ دست مرا خوں ہو گا — بیہودہ ہاتھوں میں حنا باندھتے ہیں

ایک ہیں جس کا نامۂ اعمال — دو فرشتے سیاہ کرتے ہیں
دیکھ کر لوگ حال گورستاں — پھر تماشائے جاہ کرتے ہیں
عید میں غیر کے گلے نہ لگیں — کیوں نہیں وہ حلال کرتے ہیں

کبھی تیغ نگاہ کے وار ہیں کبھی تیر مژہ کا نشانہ بنا — کبھی خنجر ابروئے یار چلا مری سینہ کی شکل سپر ہی نہیں
رُخِ صاف کو تیری قیاس کیا نہیں شام ہی جس کی سحر ہو یہ — تری زلف دراز کو جان گئی یہ وہ رات ہے جس کی سحر ہی نہیں
لحد میں بعدِ مردن اک کفن پر نہ ہوا تو کیا — سلامت ہے جنوں تو پھاڑینگے محشر کے دامن کو
نہیں خاطر کسی کی توڑتے جو اہلِ رتبہ ہیں — ہوئی مقبول دعوت مور کی آخر سلیماں کو
ابھی ایامِ گل ہیں ہوگا سو سو بار یہ ٹکڑے — گریبانِ دریدہ کو مرے للہ مت ٹانکو
مرے دست جنوں نے ہاتھ پھیلائے ہیں وحشت میں — صبا صحرا سے کہدیجو سنبھالے اپنے داماں کو

کرے خواہش اگر غبار میرا — تو اُدھر کی کبھی ہوا ہی نہ ہو
توبہ ہے شیخ جی برا نہ کہو — دیکھو وہ بت کہیں خدا ہی نہ ہو
دل سی شے آپ لے گئے صاحب — اُف نہیں کی مرا جگر دیکھو
ہچکیاں کیوں قریبِ مرگ آئیں — یاد شاید دمِ اخیر ہوئی
خاک ہی میں دفن کرنا تھا اگر — پھر نہیں کاہے کو نہلاتے رہے
کیا جائے خیال دانۂ خال — دل ہی کم بخت دانہ زد ہے
عرضی میں ہے حالِ ناتوانی — تصویر مری بجائے مد ہے
حشر کے روز رہی خوب نمود — ہم سا نکلا نہ گنہگار کوئی
آج وہ بلبلوں کا جی لینگے — پھول سی ہاتھ میں کلی لینگے
دل کھلونا نہیں جو کہتے ہو — ہم بھی لینگے ہم بھی لینگے
اک جگر رہ گیا ہے وہ بھی سہی — اور کیا وہ کسی کا جی لینگے

باغِ جہاں میں آئے نہ پوچھو کہاں رہے — بچپن سے قیدیِ قفسِ آسماں رہے

گردش ہی میں یہ عمر ہماری بسر ہوئی
ہم بھی زمین پر صفتِ آسماں رہے

زلف چھوتا ہوں میں تو کہتے ہیں
ایک دن آپ مار کھائیں گے

گر کہا میں نے کرو خون میرا تو اٹھکر سے چلے
پان کھانے کے لئے منہدی لگانیکے لئے

قطعہ

کل وہ کچھ لوگوں کو لیکر اپنے ساتھ
تربتیں یہ کہہ کے دکھلاتے رہے

اس میں مجنوں ہے اور اسمیں کوہکن
عاشقانِ ناز تھے جاتے رہے

بعد اس کے پھر ہماری قبر پر
دیر تک افسوس فرماتے رہے

پوچھا جب میں نے یہ کسکا ہے مزار
آپ جو رہ رہ کے پچھتاتے رہے

بولے سہے ہے یہ سخی کا ہے مزار
جان دیدی لاکھ سمجھاتے رہے

سخی - جناب سید محسن حسین صاحب۔ آپ امروہہ ضلع مراد آباد کے باشندے حضرت صفی امروہی کے بھائی تھے۔ عرصۂ دراز تک آگرہ میں رہے۔ ہر ماہ اکبر آبادی کے مشاعروں میں شریک ہوتے اکثر مقطعوں میں فخریہ اپنے صرف زر کی طرف اشارہ کرتے۔ رعایت لفظی کے مقفلوں میں کنگھی چوٹی کے مضامین خوب لکھتے ہیں کلام کا انتخاب یہ ہے۔ سخی

کتنے ہی بے گنہ تہِ شمشیر ہو چکے
ظالم ذرا سمجھ کے ستمگار دیکھکر

میٹھی چھری سے قتل ہوا ہوں میں تلخ کام
نکلی ہے جان لعلِ شکر بار دیکھکر

جاتا ہے یہ جنازہ اسی خستہ تن کا آج
کل آپ آئے تھے جسے بیمار دیکھکر

گردن میں کھنچ کے آگیا سارے بدن کا خون
نس رگ پھڑک گئی تری تلوار دیکھکر

سب سیم تن جہاں میں ہیں خود کام اے سخی
ملتے بھی ہیں کسی سے تو زردار دیکھکر

جو مچلے پھر تھمینگے آستیں پر
یہ طفلِ اشک لوٹینگے زمیں پر

پھولوں کی چھڑی نہیں دستِ نگار میں
سولی ملی ہے دزدِ حنا کو بہار میں

اس کے فقیر خلق سے آزاد ہو گئے
تکیہ بنا کے بیٹھ رہے کوئے یار میں

دریا میں جال پھینکئے زلف دراز کا
جل بھن رہی ہیں مچھلیاں شوق شکار میں

تم کیا گئے کہ دل ہی تڑپ کر نکل گیا
ٹھیرا تمہاری طرح نہ یہ بھی کنار میں

میل اپنے ہاتھ کا تو سمجھ زر کو اے سخی
جو کچھ ملے لٹا رہ پروردگار میں

سینہ تم اپنے دوپٹہ سے چھپائے رکھو
نگہ تیز سے ہوتے ہیں حجر کے ٹکڑے

دل کیا آپ کی تیر نظر سے زخمی
تیغ ابرو سے کئے آج جگر کے ٹکڑے

سر پٹکتے مجھے چوکھٹ پہ جو دیکھا تو کہا
لکھے ہیں اسکے مقدر میں بھی سر کے ٹکڑے

روتے روتے جو رکا میں تو وہ بولے ہنسکر
کر دئے آپ نے کیوں سلک گہر کے ٹکڑے

تیغ ابرو کے غضب وار ہیں اوچھے اوچھے
دل عشاق کے کرتے ہیں یہ جڑ کے ٹکڑے

تن نازک پہ جو بدہی پڑی ہے
لگی شاید دوپٹہ کی چھڑی ہے

یہ کس میکش سے آنکھ اسکی لڑی ہے
صراحی جام پر بیخود پڑی ہے

نہ لیلیٰ آئی ہو مجنوں سے ملنے
سواری نجد میں کسکی کھڑی ہے

سخی

سخی۔ منشی سخاوت حسین باشندہ سندیلہ ضلع ہردوئی منشی سید منصب علی صاحب ہنر مرحوم سندیلوی کے شاگرد ہیں۔ ابھی نومشقی کا عالم ہے۔ سمند طبع کو رعایت لفظی کے وسیع میدان میں دوڑاتے ہیں سنہ ۱۹۰۶ء میں کچھ غزلیں نظر سے گذریں جنکا انتخاب حاضر ہے ٥

معشوق وہ ہے جسمیں ہر انداز نیا ہو
شوخی ہو شرارت ہو نئی اک نئی ادا ہو

قسمت میں ہر اک کے نہیں خون دل عاشق
تلووں سے لگا لیجے اگر شوق حنا ہو

ہے دوست کے اقرار پہ دشمن کا عجب حال
چاہے جو کوئی میرا برا اُس کا برا ہو

ہیں سوختہ قسمت ہی وہ پرکالۂ آتش
دوزخ میں پڑوں میں تو جہنم کو سزا ہو

دل ایسے بخیلوں سے سخی خاک لگائیں
جنمیں نہ ہو کچھ مہر نہ کچھ بوئے وفا ہو

سخی

سخی۔ سید محمد جعفر حسین خاں عرف ننھے میرزا صاحب لکھنوی۔ آپ جناب عشق مرحوم کے شاگرد ہیں نغمۂ بہار سنہ ۱۸۸۶ء میں جو کلام درج ہوا ہے اُسکا انتخاب یہ ہے ٥

آپ کے عشق لب سرخ میں رو رو تے
بھگئے قلب و جگر آنکھ کے آنسو ہو کر

یار کو دولت دل دے کے طلب کرتا ہی
نامزد ہو نہ بخیلوں میں سخی تو ہو کر

سخی

سخی۔ میر سخاوت علی۔ ماں کیطرف سے لکھنوی اور باپ کی جانب سے زیدی الواسطی ہیں۔ خوشرو۔ قدآور جوان ہیں۔ انگریزی انٹرنس تک پڑھی ہے۔ ۲۴ برس کی عمر ہے۔ دس سال سے پولیس اجمیر میں ہیڈ محرر ہیں۔ فن سخن میں مولانا تسلیم بھرسری کے شاگرد ہیں کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

اے دل مضطر سر محفل بہت مضطر نہ ہو
اور تجھسے بدگماں وہ بدگماں ہو جائیگا

آنکھیں چڑھی ہیں اتری ہی صورت اڑا ہی رنگ۔
بے شبہ اُٹھکے آرہے ہیں دشمن کے گھر سے آپ

نادان آپ سا بھی نہ ہوگا کوئی سخی
امید داد رکھتے ہیں بیداد گر سے آپ

میں تو خاموش رہوں پر مرا قابو کیا ہے
دل میں ہو درد تو کیوں لب پہ نہ فریاد رہے

نالہ و آہ و غم و درد و جدائی حسرت
جسکے باعث مجھے ہاتھ آئی ہیں وہ شاد رہے

سراج

سراج۔ سراج الدین علیخاں۔ اورنگ آباد کے رہنے والے تھے۔ یہ بزرگ خوش فکر اور سنجیدہ مذاق تھے۔ عالی خیالی اور شیریں مقالی سے واضح ہوتا ہے کہ یہ تغزل کے منشا کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ مندرجہ ذیل غزل جسکو بعض ناشناسان سخن۔ سراج الدولہ حاکم بنگالہ کیطرف منسوب کرتے ہیں وہ انکی فکر عالی کا کرشمہ ہے ہر شعر وحدت الوجود کے مشکل مسئلہ کا ترجمان ہو اور دنیا کی بے ثباتی کا مرقع آنکھوں میں پھر جاتا ہی۔ ملاحظہ ہو ؎

خبر تحیر عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ وہ میں رہا نہ وہ تو رہا جو رہی تو بیخبری رہی

شۂ بیخودی نے عطا کیا مجھے اب لباس برہنگی
نہ خرد کی بخیہ گری رہی نہ جنوں کی پردہ دری رہی

وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی لیا درس نسخۂ عشق کا
جو کتاب عقل تھی طاق پر وہیں دھری کی دھری رہی

نگہ تغافل یار کا گلہ کس زباں سے بیاں کروں
جو شراب صد قدح آرزو خم دل میں تھی سو بھری رہی

چلی سمت غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا مٹ گیا
مگر ایک شاخ نہال غم جسے دل کہیں سو ہری رہی

کیا راکھ آتش عشق نے دل بینوائے سراج کو ۔ نہ خطر رہا نہ حذر رہا جو رہی سو بیخبری رہی

سراج

سراج ۔ کسی گمنام شاعر کا تخلص ہے ۔ جو سید حمزہ کے شاگردوں میں تھے ۔ قدرت اللہ شوق کے تذکرہ سے چند شعر سرمۂ چشم ناظرین ہیں جنہیں زبان قدیم اور متروک الفاظ کے نمونے پائے جاتے ہیں ۔ مگر تخئیل نادر ہے ۔ اور بندش مضامین کے مناسب اُس زمانہ کے اعتبار سے اچھا کلام ہے ؎

مسکرانا ان دنوں تیرا کرم ہونے لگا ۔ شیوۂ جور و ستم فی الجملہ کم ہونے لگا

مدت سے گم ہوا دل بیگانۂ سراج ۔ شاید کہ جا پڑا کسی ناآشنا کے ہاتھ

رفوگر کو کہاں طاقت کہ زخم عشق کو ٹانکے ۔ اگر دیکھے مرا سینہ رفو چکر میں آجاوے

سراج

سراج ۔ منشی افضل خاں خلف ہزار میر خاں مرحوم ۔ آپ قدیم بھوپال کے رہنے والے ہیں ۔ نواب نظیر الدولہ باقی محمد خاں بہادر کے شاگرد ہیں ۔ شاعر موزوں طبع اور سخن ور یہ تیز فکر ہیں ؎

کرلینگے دیر ہی میں صنم کی تلاش ہم ۔ لینگے نہ جاکے کعبہ میں احسان خلیل کا

ایذا وہ کون سی ہے جو اے چارہ گر نہیں ۔ سوزش نہیں ہے دل میں کہ درد جگر نہیں

سوز و گداز آہ و بکا نالہ ۔ درد و یاس ۔ سب کچھ ہے فیض عشق سے لیکن اثر نہیں

بزم نشاط ساغر مے نغمۂ طرب ۔ سب ہیچ ہیں جو پاس وہ رشک قمر نہیں

ایک پہلو میں پری ایک میں وہ حور رہے ۔ ایک طرف نار ہے ایک طرف نور رہے

سراج

سراج ۔ جناب سراج الحسن صاحب ۔ آپ دہلی کے باشندے ہیں ۔ سراج کے ساتھ "تمنائی" تخلص بھی کرتے ہیں طبیعت میں نکتہ سنجی کا مذاق ہے ۔ مضموں آفرینی کی مینا کاری میں زبان کا لحاظ بھی ہے ۔ مخزن اور صبح بہار جیسے رسالوں میں کچھ کلام نظر سے گذرا ۔ چراغ فکر کی شعاع یہ ہے ؎

جب دل میں یاد آئی تو چپکے سے رو لیا ۔ گھبرا گیا جی تو سوئے بیاباں نکل گیا

ظالم نے عاشقوں کو محبت کے جرم میں
وہ دی سزا کہ دم شبِ ہجراں نکل گیا

تیری بلا سے جی سے گئے مجرمانِ عشق
ہے جائے شکر تیرا تو ارماں نکل گیا

بلبل گلے لگا نہ گلوں کو بہار میں
بوئے وفا نہیں چمن روزگار میں

وہ ہاتھ تیرنے کا ہمارا ابھی قصد ہے
موجیں اگر اٹھیں ترے خنجر کی دھار میں

کیا کہوں ہجر میں کس طرح بسر ہوتی ہے
نہ تو کٹتی ہے شبِ غم نہ سحر ہوتی ہے

اپنی یادِ رخ و گیسو میں بسر ہوتی ہے
ہم نہیں جانتے کب شام و سحر ہوتی ہے

رخ سے جب گیسوئے شبگوں کو وہ سرکاتے ہیں
صبح ہوتی ہے ادھر شام ادھر ہوتی ہے

اکیلا چھوڑ کر لی شمع نے بھی راہ اب اپنی
نہ دل سوزی کسی سے ہو سکی اس سوختہ جاں کی

اٹھاتا اپنی پلکوں سے لگاتا اپنی آنکھوں سے
ادھر بھی کاش آتی خاک اڑ کر کوئے جاناں کی

سراج

سراج ۔ سراج الدین ولد منشی جمال الدین قریشی ساکن لال کورتی بازار میرٹھ۔ آپ میرٹھ کالج میں بی۔ اے کی تعلیم پاتے ہیں۔ ۲۰ برس کی عمر ہے۔ ابتدا میں جناب گرامی پروفیسر فارسی کو اپنا کلام دکھاتے تھے سنہ ۱۹۲۴ء میں بمقام لکھنؤ نازش بدایونی سے تلمذ اختیار کیا۔ نو مشق شاعر ہیں۔ مگر طبیعت میں مضمون آفرینی کا مادہ ہے۔ کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو ؎

باغ میں رہ کے مجھے کنجِ قفس یاد رہا
میں وہ بلبل ہوں کہ برسوں غمِ صیاد رہا

کس کو کیا معلوم کیا گذری تجلی گاہ میں
آنکھ ہی کچھ جانتی ہے جس کو حیراں کر دیا

چشمِ دریا بار کی اللہ ری اشک افشانیاں
قطرہ قطرہ میں نظر آتا ہے عالم جوش کا

سرِ محفل عجب عالم ہے میرے دل کی الجھن کا
قسم دے دے کے ان سے پوچھتا ہوں نام دشمن کا

اے کاش کہ یاد آئے انہیں رات کا وعدہ
تقدیر ہو سیدھی تو ابھی زلف بکھر جائے

سراج

سراج ۔ میاں سراج الدین پہلوان خلف میاں عبدالرحیم پہلوان لاہوری کشمیری بازار میں رہتے تھے سنہ ۱۸۹۶ء کے مشاعروں میں طبیعت کی زور آزمائی دکھاتے تھے ۔ ۔ رسالہ شور محشر سے کچھ کلام انتخاب کیا ہے وہ فکر کی رسائی کا شاہد ہے ؎

دل کو تو ہم سنبھالے رہے بزمِ یار میں | پر طفلِ اشک دیدۂ تر سے نکل گیا
کس کس کو میں سناؤں شبِ وصل کیا کر لیا | اٹھے اُدھر وہ اور اِدھر دل مچل گیا
نہیں وہ قتل کرتا ہاتھ رنگتا ہے مرا قاتل | کہ اب مہندی سے سستا رنگ ہے خونِ شہیداں کا
یہ دل کیا شے ہے بربادی کی حسرت تو کوئی دیکھے | بگولہ بن رہا ہے گھر بیاباں میں بیاباں کا
یہیں سے سر کو ہم رکھے ہوئے جائیں ہتھیلی پر | اگر ہے سامنا کرنا کسی شمشیرِ عریاں کا
ہجر میں حال رہا گر یہی بیتابی کا | دم نکل جائیگا اک روز تڑپ کر اپنا
شور عالم میں ہے اُس آئینہ رخسار کا | جس نے دیکھا چہرۂ زیبا وہ حیراں ہو گیا
سوزِ دل کس سے کہوں سب پہ ہے روشن اے سراج | روز کا جلنا شبِ مہتاب ہجراں ہو گیا

سرافراز

سرافراز۔ نواب سید سرفراز علیخاں صاحب۔ آپ ریاست حیدرآباد دکن کے رئیس ہیں فنِ سخن میں حضرت اُنس برادر میر انیس مرحوم سے تلمذ ہے مگر کلام دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مشق بہت کم ہے سنہ ۱۸۸۶ء کے پیامِ یار سے کچھ شعر انتخاب کئے جاتے ہیں ؎

ابرو و مژگانِ جاناں کی سی کب ہیں تیزیاں | تیغ میں نوکِ سناں میں خنجرِ فولاد میں
حُسن اُس گل کے رُخ و چشم و لب و قد کا نہیں | گل میں نرگس میں سمن میں سرو میں شمشاد میں
وہ لب نہیں جس لب پہ شکایت ہو کسی کی | وہ دل نہیں جس دل میں کدورت ہو کسی کی
دیکھا جسے بھرتا ہے محبت کا تری دم | ظالم ترے دل میں بھی تو الفت ہو کسی کی
ہے چشمۂ بے فیض وہ انسان سرافراز | دنیا میں ادا جس سے نہ حاجت ہو کسی کی

سرخوش

سرخوش۔ منشی محمد حلیم الزمان صاحب خلف اوسط شیخ وحید الزمان مغفور آپ ریاست رامپور کے باشندے ہیں۔ ابتدائے مشقِ سخن سے حضرت امیر مینائی کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہیں سنہ ۱۲۹۲ھ میں پیدا ہوئے سنہ ۱۳۰۳ھ سے حیدرآباد میں ہیں۔ سادہ گو خوش گفتار شاعر ہیں کلام یہ ہے ؎

آکر اسیرِ دام ہوئے ہم چمن کے پاس | بڑھ کر لیا قضا نے جو پہونچے وطن کے پاس
سراپا جرم ہم نفرت اُنہیں عفوِ جرائم سے | صفائی ہو تو کیا ہو فیصلہ ٹھیرے تو کیا ٹھیرے

وہ مشتاق شہادت ہوں کہ مر سینہ میں دم رکتا | اگر دم بھر بھی رک جاتی کہیں شمشیر قاتل کی

سردار

سردار۔ نواب حسین علیخاں بی اے خلف اصغر نواب میرزا محمد جعفر علیخاں بہادر رئیس اعظم شیش محل لکھنؤ۔ آپ نواب حکیم مہدی وزیر شاہ نصیر الدین حیدر کی اولاد امجاد سے ہیں نظم کی میں اپنے بزرگوار سے اصلاح لیتے ہیں۔ ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ پر ممتاز ہیں۔ شعر و سخن سے کمال دلبستگی ہے اور طبیعت ازل سے مستانہ رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔ معاملہ ایسا اچھا نظم کرتے ہیں کہ بیساختہ سامعین کے دل سے واد نکلتی ہے۔ لکھنؤ کی مستند زبان اور فصحا کی روز مرہ سے آپکا کلام مالا مال ہے۔ فکر بلند کا نتیجہ یہ اشعار گوہر بار ہیں۔

دوپٹہ دم بدم ایجان ہٹا جاتا ہے سینے سے | امنگیں دل کی کہتی ہیں کہ پردا ہو نہیں سکتا
جوانی کی امنگیں کب حیا کے روکے رکتی ہیں | یہ وہ آفت کا سن ہے جس میں پردا ہو نہیں سکتا
بڑی خاطر تھی میری کرلیا اقرار وصل اس نے | مگر شرم اسکی مانع ہے کہ ایفا ہو نہیں سکتا
پوچھے حشر کا وعدہ نہ اپنی آنکھ سے | قتل عاشق کو یہی تلوار رہنے دیجئے
اک اشارہ آپ کا کافی ہے میرے قتل کو | تیر رہنے دیجئے تلوار رہنے دیجئے

بہت خوش ہو ہمارا دل دکھا کے | ملا کیا بے نصیبوں کو ستا کے
گلوں کو کردیا بلبل نے برہم | کرشمے ہیں یہ سب باد صبا کے
تمہاری خوش نصیبی ہے یہ سردار | مناتے ہیں گلے سے وہ لگا کے
سلامت ہے کیا مزا دے رہی ہے | محبت سے بڑھ کے عداوت کسی کی

سردار

سردار۔ منشی اودہم سنگھ ساکن امرت سر۔ آپکا بیان ہے کہ میرے پردادا کرپا سنگھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے گرو تھے۔ اور دس ہزار روپیہ کے قریب جاگیر تھی۔ آپکے والد سردار بشن سنگھ محکمہ نہر میں ضلعدار تھے۔ آپنے میونسپل بورڈ کالج امرت سر میں تعلیم پائی ہے۔ فارسی۔ اردو انگریزی۔ بھاشا۔ گورمکھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ فن سخن میں حضرت جلال مرحوم کے شاگرد ہیں اول محکمہ نہر میں ملازم ہوئے۔ پھر ڈسٹرکٹ کورٹ میں نقل نویس رہے۔ آپ محکمہ پولیس

میں بھی مثل خواں و محرر جوڈیشل رہ چکے ہیں۔ امرت سر میں شعر و سخن کا چرچا زیادہ تر آپکے دم سے ہے لاہور کے مشاعروں میں بھی شریک ہوتے رہے ہیں۔ رسالہ گلشن ناز اور آفتاب کے اڈیٹر و منیجر رہے ہیں۔ جو صرف چھ ماہ نکل کر بند ہو گیا۔ پنجاب کے رسالوں میں آپ کی اخلاقی نظمیں نکلتی رہتی ہیں بھجن بھی لکھتے ہیں۔ کلام میں سادگی۔ روانی ہے۔ اور آپ کی نظموں کے مطالعہ سے اس بات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پنجاب نے اُردو میں کہاں تک ترقی حاصل کرلی ہے۔ آپ کا بیان ہے کہ "داغ صاحب نے بھی میرے کلام کو پسند کیا اور ایک خط بھیجا جس میں یہ تحریر فرمایا کہ آپ لکھے۔ آپ کی طبیعت اچھی۔ آپکے اُستاد اچھے پھر کلام کیوں نہ اچھا ہو"

انتخاب یہ ہے ؎

دشت وحشت میں کسی نے نہ دیا ساتھ اپنا
قدرت نے چشم شوق کو یہ معجزہ دیا
مرنے والا وہ مجھکو کہتے ہیں
چھوٹے نہ ہم سے یارب باغ جناں ہمارا
آپس میں میل کرلو سوچو ذرا تو دیکھو
فائدہ کیا دہر میں لے بوالہوس
نالۂ دل کھینچ لایا یار کو
سنتے ہیں کہ مہماں ہیں وہ غیر کے گھر آج
آتے نہیں گر آپ تو میں مر ہی چکا تھا
بنے میرے دشمن مری جاں ہوکر
کیا لیکے جائیں ہم کسی گل پیرہن کے پاس
تیغ سے کم نہیں کچھ نیم نگاہی اُن کی
حسرت وصل میں کٹتی ہے جوانی اپنی

اے جنوں پاؤں کا چھالا بھی جو تھا پھوٹ گیا
جلوہ خدا کا حسن بتاں میں دکھا دیا
جیتے جی اس خطاب نے مارا
ہندوستان کے ہم ہیں ہندوستاں ہمارا
منزل سے دور بیٹھا ہے کارواں ہمارا
مکر و حیلہ سے جو زر پیدا کیا
بے اثر لے کیا اثر پیدا کیا
ماتم ہے ادھر عیش کے جلسے ہیں ادھر آج
اللہ نے بخشی ہے مجھے عمر دگر آج
رہنے غیر کے دل میں ارمان ہوکر
جز داغ ہجر کیا ہے غریب الوطن کے پاس
خون کرتے ہیں ہزاروں کا جدھر جاتی ہیں
صورت سایۂ دیوار دبے جاتے ہیں

ہجر کی شب آنکھ کیا لگتی کہ پہلو میں مرے | تچکیاں لیتا تھا درد اٹھکر جگا نیکے لئے
کیا کہیں سردار جو کچھ عشق سے حاصل ہوا | ایک عبرت ہوگئی سارے زمانیکے لئے
حاصل ہیں روز دولت دیدار کے مزے | اچھی ہے میرے بخت سی قسمت نقاب کی
یار کی آنکھ سے کیا آنکھ لڑی رہتی ہے | روبرو موت کی تصویر کھڑی رہتی ہے
تو تو آتا نہیں اے یار ترا دہیان رہے | خانۂ دل میں مرے کوئی تو مہمان رہے
اُس کی تصویر کو چھاتی سے لگا کر سوئے | ہجر کی رات بھی کیا وصل کے سامان ہے
صورت نقش قدم بیتے ہیں دل لاکھوں کے | جب سر راہ گذرتے ہیں گذرنے والے

سردار - نواب سید سردار علیخاں رئیس بمبئی - آپ نواب عبدالحق امیر جنگ مرحوم کے فرزند دلبند ہیں - آپکے والد حیدرآباد دکن میں معدنیات و ریلوے کے ڈائرکٹر تھے - انہوں نے سونے کی کانوں اور اجارہ کے متعلق ولایت کی کمپنیوں سے کچھ دا دستد کی تھی جسکی تحقیقات کیواسطے کئی مرتبہ کمیشن بیٹھی اور نواب محسن الملک اللہ مہدی حسن فتح نواز جنگ نے معاملہ کی تحقیقات اور انکشاف کے لئے سفر ولایت اختیار کیا اور رپورٹ کی - سردار عبدالحق عاقبت اندیش - جہاں دیدہ - ہوشیار شخص تھے - انہوں نے آخر میں حضور نظام کو نذرانے پیش کئے اور صفائی کرلی - ریاست سے قطع تعلق ہو جانیکے بعد نواب دلیر جنگ نے سکندرآباد کی سکونت ترک فرمائی اور بمبئی میں آ براجے - اور جملہ خاندان کو لیکر وہیں رہنے لگے - لاکھوں روپیہ کی جائداد خرید لی نواب سردار علیخاں سیاست کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف ہیں - پولیٹکل معاملات میں گہری دلچسپی لیتے ہیں اور آپ ایک زمانہ میں نواب محسن الملک کے ہمدم و ہمراز رہے ہیں سفر حضر میں انکے ساتھ رہتے تھے - آپ کو انگریزی زبان میں تقریر و تحریر کی اچھی مہارت ہے - طبیعت میں موزونی اور نظم کرنیکی استعداد ہے - کلام سے پایا جاتا ہے کہ مشق سخن بہت کم ہے شاہد فکر کی جلوہ طرازی یہ ہے ؎

آفتاب حشر کا جلوہ ہے روئے یار سے | یا قیامت کے نمایاں ہوگئے آثار صبح

کس کی صورت کا تصور ہے ہی خلوت نشیں
دل ہے یا بیت الصنم یا مطلع الانوار صبح

قد قیامت ہے تو رفتار میں انداز مسیح
لب جاں بخش میں اعجاز ہے تقریر کیساتھ

ہوں میں وہ بلبل ناشاد گرفتار قفس
موسم گل میں بسر ہوتی ہے زنجیر کے ساتھ

سرسبز

سرسبز - میرزا زین العابدین خاں عرف میرزا مینڈھو۔ خلف نواب سالار جنگ مرحوم ماموں نواب شجاع الدولہ صوبہ اودھ۔ عہد قدیم کے شعرا میں تھے۔ خوش خلق۔ طباع امیر تھے۔ مصحفی انکی سرکار میں چار سال تک ملازم رہے۔ اور انکی صحبت نے انکو استاد بنا دیا۔ زبان پیاری۔ ادائے بیان سادہ ہے۔ کلام حسن و عشق کے جذبات سے لبریز ہے۔ معاملہ نگاری میں زباں دانی کی میٹھی چھریاں دلوں پر زخم کاری لگاتی ہیں۔ افسوس ہے کہ انکا کلام زیادہ ہاتھ نہ آیا۔ تذکرہ شعرائے ہند مولفہ شرف الدین میرٹھی سے دو چار شعر انتخاب کئے جاتے ہیں ؎

کیا حال گریہ پوچھتے ہو ہمدم سرکہیں
اب تو نچوڑتے ہے مژہ اشک بار پر

ہماری آہ پہ ہنستا ہے تو کیا
دکھا دیں گے تجھے اسکا اثر ہم

کب خوش آتی ہے مجھے سیر گلستاں تجھ بن
نظر آتا ہے چمن خانۂ زنداں تجھ بن

اپنے عاشق کے نہ بالیں پہ تو آیا صد حیف
جان دی اُس نے بصد حسرت و حرماں تجھ بن

شب انتظار گذری ہمیں انتظار کرتے
کبھی دوست دوست کرتے کبھی یار یار کرتے

ترا یار اس جگہ تھا نہوا تو ہائے سرسبز
اگر اُس گھڑی تو ہوتا تجھے ہم دو چار کرتے

خبر لائی باد بہاری کسی کی
دو چنداں ہوئی بیقراری کسی کی

ترے ہاتھ سے بوئے مشک آئی شانے
مگر تو نے کاکل سنواری کسی کی

زلیخا کو یوسف کا ہے دھیان گذرا
جو اُس رہ سے آئی سواری کسی کی

میں سرسبز روتا ہوں آتی ہے جب یاد
وہ صورت مجھے پیاری پیاری کسی کی

جو دوست مرا اُسکو پیغام سناتا ہے
وہ صاف مجھے یار دشنام سناتا ہے

منہ موڑ لیا تم نے اگر مہر و وفا سے
ہم ہاتھ اٹھا نیکے نہیں دستِ دعا سے

جس نے یہ کہا اُس سے کہ جاتی ہے مری جاں
منہ پھیر کے یوں کہنے لگا میری بلا سے

شمع جب چہرۂ پرنور دکھاتی ہے مجھے
یادِ عارض میں ترے اور جلاتی ہے مجھے

اُس کے کوچہ کی طرف میں تو نجاؤں سرسبز
کششِ دل ہے کہ کھینچے لئے جاتی ہے مجھے

سرشار

سرشار۔ جناب حکیم عبدالصمد صاحب ولد شاہ فضل غوث ساقی بریلوی۔ آپ باشندۂ بریلی کے شرفا میں سے ہیں تقریباً ۸۰ برس کی عمر ہے۔ آپکے والد صوفی باصفا اور درویش کامل تھے۔ جناب سرشار۔ فارسی۔ عربی۔ بھاشا سے واقف ہیں فلسفہ۔ منطق۔ ہیئت۔ نجوم رمل۔ جفر وغیرہ میں بھی دخل ہے۔ تمام روہیلکھنڈ میں آپ کی نباضی کا شہرہ ہے۔ اور ہزاروں مریض آپکے علاج سے شفایاب ہو چکے ہیں۔ علم عروض۔ بیان۔ معانی میں اچھی دستگاہ ہے۔ فن سخن میں نواب عبدالعزیز خانصاحب عزیز بریلوی سے تلمذ ہے۔ بریلی کے وہ قدیم مشاعرے جنمیں۔ تدبیر الدولہ اسیر لکھنوی۔ منشی اسمٰعیل حسین منیر شکوہ آبادی حضرت امیر مینائی۔ نادر شاہ خاں شوخی رامپوری وغیرہ بھی کبھی کبھی شریک ہوتے تھے۔ انمیں آپ بھی شامل تھے حکیم صاحب موصوف حضرت حسن مرحوم حضرت خواہاں کے ہمعصر ہیں اور اسوقت بریلی کے اساتذہ میں آپکا شمار ہے۔ نہایت خوش خلق۔ وضعدار۔ زندہ دل شخص ہیں۔ اچھی شگفتہ زمینوں میں شعر کہتے ہیں کلام میں شوخی متانت ظرافت کا رنگ موجود ہے۔ یادہٗ فکر کی تراوش یہ ہے ؎

حباب آب گریہ ہوں مرا عالم نرالا ہے
زمیں دیکھو تو پانی کی فلک دیکھو تو پانی کا

شکایت کچھ نہیں اب کوئی شکوا ہو نہیں سکتا
پرایا کردیا جس دل کو اپنا ہو نہیں سکتا

محبت کی نہ پوچھو کچھ یہ عالم ہی نرالا ہے
کہ ہو سکتا ہے کیا کیا اور کیا کیا ہو نہیں سکتا

مری قسمت میں جو بدنامیاں تھیں ہو چکیں ناصح
بس اب اس سے زیادہ کوئی رسوا ہو نہیں سکتا

نغمہ سازیٔ محبت نالۂ دل ہوگیا
تیرے جاتے ہی دگرگوں رنگِ محفل ہوگیا

ناخنِ غم کی جراحت ہوگئی آخر کو داغ
یہ مہ نو بڑھتے بڑھتے ماہ کامل ہوگیا

وائے ناکامی کہ بلبل بیٹھی منہ دیکھا کرے
دھوئے شبنم اور پونچھے چہرۂ گل آفتاب

قاصد میں کیا کہوں وہ تجھکو کہاں ملینگے
یہ اپنے دل سے پوچھو دل سی مرے لگی ہے
قاصد سمجھ کے مجھسے کہنا پیام آن کا
قیامت ہی سہی ہم منتظر ہیں اسکے وعدے کے
طلسمی مدتیں ہیں وعدۂ معشوق و عاشق کی
ہو شباب اسکے ستم کا چرخ جتنا پیر ہو
عکس رخ تیرا پڑے تو داغ دل ہوں کام کے
لیچلا دامن کشاں مجھکو سوئے صحرا جنوں
قید ہو جائے تو ہو دیوانہ کا رتبہ بلند

نوجوانان جہاں حیف تمہاری قسمت
یار نو عمر ہے سرشار شراب کہنہ

فنا کے بعد ہی دا چشم انتظار رہے
ملا کے خاک میں برباد کر چلے ہم کو
جو آج آپکے قول و قسم نہ دیکھے ہوں
چراغ دیر و حرم کچھ نہ سمجھے پروانہ
تیغ سے پہلے کیا ذبح ادا سے پہلے
ہوں ہے آسودگی عشاق فنا سے پہلے
کچھ نئے فتنے یہ میدان قیامت کے نہیں
پھر جو چاہو سو کرو طالب دیدار کا حال
قتل جبتک ہوں ہیں آنکھو نمیں جگہ دو مجھکو
مانگ لونگا تجھے اللہ سے اے بت ورنہ

ہیں آج اسکے گھر میں کل اس مکان میں ہیں
یا یونہیں دل لگی کی باتیں زبان پر ہیں
موت اور حیات دونوں تیری زبان پر ہیں
وہاں کیا ہیں یہ کل پرسوں کٹی ہمکو جہاں برسوں
وہاں کچھ ساعتیں گھٹتی ہیں جنکو دو یہاں برسوں
جسقدر خم ہو کماں اتنا ہی کاری تیر ہو
سکتے دہ لگے ہوں جن پریشاہ کی تصویر ہو
تو بھی آ لے پنجۂ وحشت گریباں گیر ہو
نرو بان بام وحشت پاؤں کی زنجیر ہو

چاند سورج سی حسینوں کو فلک پیر کیا تھ
کیا ترا بخت جواں ہے خرد و پیر کیا تھ

کھلا ہوا مزا طاق اک سر مزار رہے
خدا کے واسطے دل میں نہ اب غبار رہے
تو ہم کو وعدۂ فردا کا اعتبار رہے
جہاں ہو جلوۂ معشوق جاں نثار رہے
مار ڈالا مجھے قاتل نے قضا سے پہلے
لے سنبھالا کوئی جس طرح قضا سے پہلے
بہت اٹھتے ہیں تری جنبش پا سے پہلے
دیکھ لو لیک نظر ناز و ادا سے پہلے
رکھو مجرم کو نظر بند سزا سے پہلے
آ سیا آج مرے پہلو میں دعا سے پہلے

ترکِ مقصود ہے سرمایۂ تاثیرِ قبول
وائے ناکامیٔ تقدیر کہ وہ بھی نہ رہی

ابھی اور کچھ حوصلہ ہے تیرا
قفس سے لگا بیٹھی دل عندلیب

آنسو میں میرے خونِ جگر کا جو میل ہے
پہونچا دیا ہی سوزِ دروں نے قریبِ مرگ
سرشار سہل سمجھے ہیں آنسو شکستِ دل

پکاری ہوس پر یہ آہ دل کی

وہ دل جسکو پرایا کر دیا کیا اُسکا شکوا ہے
مرا سوز و گداز دل بھی تیرا ہی سا ہی اے شمع
تمام اعضا میں تازگی اور گدازگی ہی جزو لازمِ دل
لب ہلانیکی مجھ میں حرکت نہ بات کرنیکی تاب و طاقت
عجب شفاخانہ عشق کا ہی کہ موت صحت مرض دوا ہے
غم و رنج و مصائب ذلت و خواری و ناکامی

ہاتھ مطلب سے اٹھا دستِ دعا سے پہلے
تھی اِک امیدِ اجابت جو دعا سے پہلے

سمندر تو لے چشم تر ہو گئی
اُڑے کیا کہ لے بال و پر ہو گئی

دامانِ تر کے حاشیہ پر سرخ بیل ہے
باقی چراغِ زیست میں تھوڑا ہی تیل ہے
لڑکے ہیں توڑنا انہیں شیشہ کا کھیل ہے

خبر لے اے مرے اللہ دل کی

جب اپنا تھا تب اتنا تھا اب اُسکا ہی تو اُسکا ہے
کہ جینا زندگی بھر کا ہے رونا عمر بھر کا ہے
نئی جوانی کا جوبن اُنپر کچھ آگیا ہی کچھ آ رہا ہے
کہوں میں کیا تم سے اپنی حالت کہ حال اب مجھ میں کیا رہا ہے
جو درد پہلو دبا رہا ہی تو دلکو آرام آ رہا ہے
بہم یکجا ہوئے جب کا "محبت" نام رکھا ہے

سرشار — **سرشار** - سدا شیو راؤ صاحب پنوار۔ آپ ریاست دیواس کلاں کے ساکن ہیں۔ طرزِ بیان سے نومشقی نمودار ہے مگر فکر رنگیں ادا اور ذہن رسا ہے انتخاب یہ ہے۔

سر ہمیں کاٹ کے دے پھیر لے یا دل اپنا
بے بدل ظلم میں تم ہم ہیں وفا میں کامل

اٹھائے صدمۂ دوری کہاں تک
اسی دن کے لئے لکھا تھا سرشار

اڑ کے بیٹھا ہے اسی بات پہ قاتل اپنا
کوئی ثانی نہ تمہارا نہ مقابل اپنا

نہیں اب تابِ فرقت ناتواں میں
نرکھ ہرگز قدم عشقِ بتاں میں

سرشار — **سرشار** - شیخ رمضان علی۔ آپ سندیلہ کے ظریف شاعر ہیں۔ ۵۰ کے قریب عمر ہے

سید منصب علی صاحب ہنر مرحوم سے تلمذ ہے۔ افیون سے بہت رغبت ہے اسلئے اُسی رنگ میں شعر کہتے ہیں فلک سیر طبیعت۔ اعلیٰ مضامین کا ذخیرہ پیش کرتی رہتی ہے اور یہ سر بزانو ہوتے ہی بہت دور پہنچ جاتے ہیں شیریں مقالی یہ ہے ؎

افیون پی کے کھائیں جو شیرہ کی ریوڑیاں	کیا مکھیوں کے حلے ہیں مجھ ناتوان پر
ہمارے ساتھ بھی سامان کیا کیا بیش قیمت ہیں	ادھر تھیلا ہے کوڑیوں کا اُدھر ڈبیا ہے افیوں کی

سرشار

سرشار۔ شہریار اقلیم باکمالی۔ فرمانروائے مملکت رنگین خیالی۔ ناثر نامدار۔ ناظم با وقار پنڈت رتن ناتھ صاحب سرشار۔ آپکے والد کا نام پنڈت بیج ناتھ در تھا۔ جو لکھنؤ کے ایک معزز کشمیری خاندان کے رکن تھے۔ ابھی آپ بچپن کے گہوارہ میں ہوا کھا رہے تھے کہ شفیق باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ ابتدا ہی سے شوخ اور چلبلی طبیعت پائی تھی۔ ظرافت اور نکتہ سنجی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ آخر کار خداداد ذہانت اور طباعی نے زبان کے پردہ میں اپنا رنگ دکھایا اور دنیائے ادب میں انہوں نے اپنے نام کا سکہ جمایا۔ محلہ میں اکثر شرفائے اسلام رہتے تھے۔ آپ اُنکے گھروں میں بے تکلف کھیلتے کودتے پھرا کرتے۔ اُنکی طبیعت میں قدرت نے غور و خوض کا مادہ ودیعت فرمایا تھا۔ زبان کی تحقیقات فصیح اور غیر فصیح محاورات کی جانچ پڑتال۔ عامیانہ بولی اور خواص کی شایستہ گفتگو کے امتیاز کرنے کا شوق لڑکپن ہی سے تھا۔ چند ہی سال میں انکو لکھنؤ کی زبان۔ وہاں کے رسم و رواج۔ طرز معاشرت۔ تمدن کے نکات اسطرح دلنشین ہو گئے جسطرح کسی بچہ کو اہل زبان میں چھوڑ دیا جائے تو وہ بڑا ہو کر انہیں کے لب و لہجہ اور زبان کو ادا کرنے لگے۔ جن گھروں میں انکی آمد و رفت تھی وہ انکے واسطے ادب آموز کالج تھے اور آج اُسی تعلیم کی برکت سے اُردو کی فسانہ نگاری میں اُنکا نام سب سے اول ہے۔

سنہ ۱۸۷۷ء میں اخبار اودھ پنچ کا آغاز شباب تھا اور اُسکو ایسے نامہ نگار ہاتھ آئے تھے جو ظرافت کے پیرایہ میں طرز معاشرت کی اصلاح کرتے اور فقرہ فقرہ میں زبان کی خوبیاں دکھاتے تھے۔ اکبر الہ آبادی۔ احمد علی کسمنڈوی۔ پنڈت تربھون ناتھ ہجر۔ مرزا مچھو بیگ ستم ظریف عاشق

لکھنوی۔ جیسے سحر نگاروں کی شوخ تحریریں مذاق پسند دلوں کو گدگداتی تھیں حضرت سرشار بھی لکھیم پور کھیری سے ہفتہ وار مضامین روانہ کرتے تھے۔ انکی اچھوتی انشا پردازی پر پنچ کو فخر تھا اور ناظرین اخبار انکے لطائف و ظرائف سُننے کو ہمہ تن گوش رہتے تھے۔

جب منشی سجاد حسین ایڈیٹر اودھ پنچ نے اودھ اخبار پر حملے کرنے شروع کئے تو منشی نولکشور صاحب کو انکا جواب دینے کیلئے ایک باکمال مضمون نگار کی ضرورت ہوئی اور سب کی نظر انتخاب حضرت سرشار پر پڑی۔ ان پر طرح طرح کے دباؤ ڈالے گئے۔ بالآخر۔ دوستوں کے اصرار اور کچھ اپنی ضرورتوں کیوجہ سے حضرت سرشار کو اودھ اخبار کی ایڈیٹری قبول کرنی پڑی۔ اور آپ اودھ پنچ کے نامہ نگاروں کی فہرست سے علحدہ ہو گئے۔ اُسی زمانہ میں فسانۂ آزاد بھی اودھ اخبار کے ساتھ نکلنا شروع ہوا۔

فسانۂ آزاد سے پہلے۔ ہندوستان کی افسانہ نویسی۔ جادو۔ طلسم۔ پری۔ دیو۔ خلاف عقل واقعات سے لبریز تھی۔ زبان اور انشا پردازی کے اعتبار سے ایسی کتابیں اس روشنی کے زمانہ میں بھی مستند ہیں اور انکے پڑھنے والے مخصوصاً لکھنؤ اور عموماً ہندوستان میں موجود ہیں حضرت سرشار نے قدما کی انشا پردازی کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا اور میرزا رجب علی بیگ سرور سے بچکر اپنی طبع کی جولانی کیلئے الگ رستہ نکالا اور اُن واقعات کو قلم بند کیا جو فطرت انسانی کے مطابق ہوتے ہیں۔ انہوں نے مصور کی آنکھ سے دنیا کی نیرنگیوں کا مشاہدہ کیا ہے اور لطافت و ظرافت کے پیرایہ میں نہایت شگفتہ اور پھڑکتی ہوئی زبان میں اسکا چربہ اتارا ہے غم کے موقع پر غم اور خوشی کے محل پر خوشی کا اصلی نقشہ کھینچ دیا ہے۔ مکالمات میں ہر طبقہ کی گفتگو کا لحاظ رکھا ہے۔ اور انہیں محاورات اور اصطلاحات کا استعمال کیا ہے جو اس مقام پر بولی جاتی ہیں۔ فسانۂ آزاد بظاہر تو ایک فرضی اور منگھڑت قصہ ہے لیکن حقیقت میں قدیم لکھنؤ کے تمدن اور طرز معاشرت کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ جس جگہ شریف بیگمات کی پاکیزہ بول چال اور پاک دامنی کا حال درج کیا ہے وہاں عفت کا حقیقی مرقع نظر آتا ہے۔ جہاں شوق کی

چوچلے دکھائے ہیں۔ مردانہ الفت اور زنانہ عشقیہ جذبات کا بیان ہے وہاں اپنی شعلہ زبانی سے دلوں میں آگ بھڑکا دی ہے۔ جہاں نوابی غفلت کے پلاٹ ہیں۔ وہاں امیرانہ چال چلن۔ رئیسانہ اطوار اور لکھنؤ کے تمدن و معاشرت کا حال آئینہ ہو جاتا ہے اسمیں شک نہیں ہے کہ سید انشا۔ سعادت یار خاں رنگین۔ جانصاحب بھی اسی میدان میں قدم فرسا تھے مگر ریختی کا دائرہ صرف بیگماتی زبان تک محدود تھا۔ فسانۂ آزاد میں کیا کچھ نہیں۔ عورتوں کے ساتھ مردانہ زبان بھی ہے۔ افیونیوں چانڈو بازوں۔ بیخواروں کی اصطلاحیں بھی ہیں علوم و فنون کے نظائر ہے۔ ادبی معرکہ آرائیاں قابل دید ہیں شرفا کی سنجیدہ باتیں اہل کمال کے نکات لائق شنید ہیں۔ ہندوستان میں سب سے پہلا یہی فسانہ ہے جس نے ناول نگاری اور ڈرامانویسی کی بنیاد رکھی ہے۔ اور اسکو دیکھکر فسانہ نگاروں کو یہ احساس ہوا ہے کہ قدرتی سین اور اصلی مکالمہ سے انشاء پردازی میں کسقدر زور پیدا ہو جاتا ہے۔ فسانۂ آزاد کے سوا اور بھی تصنیفات ہیں۔ آپنے الف لیلی کو بھی اپنی زبان میں لکھا ہے۔ جام سرشار۔ سیر کوہسار۔ کامنی وغیرہ بھی خوب ہیں۔ لیکن ع قبول خاطر حسن سخن خداداد است۔ تمام ادبی جماعتیں فسانۂ آزاد کی معترف ہیں اور یہی نقش اولین انکی بہترین یادگار ہے۔

آنریبل پنڈت بشن نراین در مرحوم کی ولایت کی واپسی پر جو طوفان و شور و شر اکابر پنڈتان کشمیر نے برادری میں اٹھایا اُس سے یہ بیحد متاثر ہوئے۔ اور اپنی خداداد ذہانت اور دوراندیشی عاقبت بینی سے جو خیالات بحر طبع میں موجزن ہوئے انہیں مثنوی تحفۂ سرشار میں جو اسی معرکہ کے متعلق قلم برداشتہ لکھی گئی تھی۔ بڑے دلچسپ پیرایہ میں انکا ذکر کیا ہے یہ مثنوی خصوصاً انکی خاص برادری کے باہر بھی نہایت مشہور اور مقبول ہوئی۔ اور جس نے بڑی حد تک سفر ولایت کے جواز کا فیصلہ کرنے میں آسانی پیدا کر دی اور طبیعتوں میں جو خود غرضی اور حسد کے جوش بھرے ہوئے تھے انہیں ہمیشہ کیلئے سرد کر دیا۔ انکی یہ خدمت سوشل ریفارم کے متعلق قابل ذکر اور لائق داد ہے۔ زمانۂ موجودہ کے مصنفین میں صرف مولانا آزاد دہلوی ایسے تھے جنکو سرشار کا ہم پلہ کہا

جا سکتا ہے۔ سرشار کی طرح وہ بھی طرزِ خاص کے موجد تھے اور دونوں کو اس بات کا لحاظ تھا کہ انشا پردازی میں ایسے نامانوس رنگ کو نہ برتا جائے جو ہندوستان کے مذاق سے الگ ہو۔ یہ امرِ دیگر ہے کہ سرشار کی عبارت ظرافت کے رنگ میں شرابور ہے۔ ایک ایک لفظ پر بیساختہ پن اور شوخی قربان ہے۔ اور مولانا آزاد سلیس عبارت میں۔ تاریخی۔ اخلاقی علمی نکات بیان کرتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ اِن دونوں کا دماغ فیضانِ قدرت سے شاداب تھا۔ سرشار میں زباندانی کے علاوہ انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کرنیکی خاص قابلیت تھی۔ اور ملک میں جو چند مترجم ہوئے ہیں انہیں درجہ اعلیٰ حاصل کیا تھا۔ حضرت سرشار کو فنِ شعر میں منشی مظفر علی اسیر مرحوم لکھنوی سے تلمذ تھا۔ اور اُنکا نام بڑی محبت سے لیتے تھے۔ آپ منشی نولکشور مرحوم کی ملازمت سے سبکدوش ہونیکے بعد حیدرآباد تشریف لیگئے۔ وہاں مہاراجہ کشن پرشاد نے آپ کی قدر افزائی فرمائی آخیر میں تپ دروں نے ازحد لاغر کر دیا اور بھوک پیاس جاتی رہی کثرتِ شراب سے قوائے جسمانی بہت مضمحل ہو گئے اور حیدرآباد میں ۱۹۰۳ء کو خمکدۂ فانی سے عازمِ میخانۂ جاودانی ہوئے۔ ۵۵-۵۶ برس کی عمر پائی۔ آپ کا کلام عاشقانہ و رندانہ رنگ کا ایک دلفریب مجموعہ ہے جسمیں شوخی۔ متانت۔ زبان کی صفائی عجب لطف پیدا کرتی ہے۔ کسی نے آپکی تاریخ وفات کہی ہے جو یہ ہے ؎

سرشار فصیح و نکتہ پرور نہ رہا — سرمایۂ نازِ اہلِ جوہر نہ رہا
اعجاز قلم کے جسکے سب قائل تھے — وہ نثر کا اُردو کی پیمبر نہ رہا

مہاراجہ کشن پرشاد کو آپ سے بہت اُنس تھا کیونکہ آپ ہر وقت کے حاضر باش مصاحب تھے۔ ایک مرتبہ اثنائے گفتگو میں مولفِ تذکرہ نے مہاراجہ صاحب کی حیرت انگیز زباندانی و لہجۂ اہلِ زبان کی تعریف کی تو مہاراجہ صاحب نے خود زبانِ مبارک سے فرمایا کہ یہ جو کچھ آپ دیکھتے ہیں ظہیر دہلوی اور پنڈت رتن ناتھ سرشار کی طفیل صحبت ہی ایسے راست باز اور قدردان اہلِ ہنر اب کہاں ہیں۔ مہاراجہ بہادر کا دم مغتنمات زمانہ سے ہے۔ اب حُسن پرستانِ سخن۔ عروسِ فکر کی جلوہ آرائی سے ذوق حاصل کریں ؎

سیاہ بخت و سیہ روزگار ہم بھی ہیں
جواب زلف پریشان یار ہم بھی ہیں

کیا قہر ہے کہ مفت میں بلبل تو قید ہو
گلچیں جو پھول توڑے اُسے کچھ سزا نہ ہو

اُس بلبل اسیر کی حالت پہ روئیے
جو فصل گل میں بند قفس سے رہا نہ ہو

کھلتا نہیں ہے مجھ سے کبھی کچھ اُدھر کا حال
کم بخت دل انہیں سے کہیں مل گیا نہ ہو

نصیب جاگیں گے اک روز حضرت سرشار
لپٹ کے سوئیگا وہ گل گلے لگائے ہوئے

بتوں کے در پہ سب کی جبہ سائی ہوتی جاتی ہے
انہیں کے قبضہ میں اب تو خدائی ہوتی جاتی ہے

وہ چشم فتنہ زا سی دیکھکر آئینہ سے کہتے ہیں
بہت اے شوخ تجھ میں بیحیائی ہوتی جاتی ہے

سنا ہے آج گر دربان نے تو کل وہ بھی سن لینگے
مری باتوں کی اب اُن تک رسائی ہوتی جاتی ہے

خفا کے رفتہ رفتہ پڑ رہے ہیں بیچ میں پردے
ابھی سے ہے وصل پر اُن سے جدائی ہوتی جاتی ہے

شکایت پر کدورت کی دکھاتے ہیں وہ آئینہ
اشارہ ہے کہ اب دل میں صفائی ہوتی جاتی ہے

نہیں آتش نہیں سیماب یارب کیا سبب اسکا
جہاں تک دل ملاتا ہوں جدائی ہوتی جاتی ہے

خدا جانے ہے یہ کیا بھید کیا ہونا ہے ای کافر
جدھر تو ہے اُدھر ساری خدائی ہوتی جاتی ہے

امید وصل کیا ہو عاشق ناکام کو اُس سے
مزاج یار میں اب پارسائی ہوتی جاتی ہے

پھنسا کر زلف میں دل عمر بھر اُنکی بلا رکھے
اسیری ہوتی جاتی ہے رہائی ہوتی جاتی ہے

مخاطب ہوں کسی سے بزم میں وہ چوٹ ہی مجھ پر
مرے ہی سامنے میری بُرائی ہوتی جاتی ہے

یہ چرخ پیر دشمن ہے جو لے سرشار اعلیٰ کا
اسیری سے بھی بدتر بادشاہی ہوتی جاتی ہے

دل لوٹ گیا سنتے ہی گفتار کسیکی
سُنتا ہی نہیں اب یہ مرا یار کسیکی

سینے پہ جب آتی ہیں تو پھر بس نہیں کرتے
میخانہ میں سنتے نہیں سرشار کسیکی

حال سب میری سخت جانی کا
باڑہ گھستی ہے ترک کے خنجر سے

رباعی

مداح جناب رئیس پیر آیا ہے
وصّاف شہ عرش سریر آیا ہے

خورشید کی آنکھ کیوں نہ جھپکے سرشار
ہاں ذرہ خاک کاشمیر آیا ہے

مثنوی تحفۂ سرشار

ساقی نامہ

لندن کی پلا دو آتشہ مے ۔ اے پیر مغاں کدھر چھپا ہے
ہُن برسے گا میکدہ پر اے یار ۔ رندوں کو جو تو کرے گا سرشار
داتا پلوا شراب اچھوتی ۔ خوشبو خوش رنگ تیز چوکھی
کوثر کی کھنچی نہیں ہے منظور ۔ لیڈی وائن جسے پئے حور
سرجوش شراب ناب لاوے ۔ بوتل منہ سے مرے لگا دے
بدمست ہوں پیکے ایک چلو ۔ زاہد کو بنائیں خوب الو
گھنگھور گھرا ہے آج بادل ۔ میخانہ کو کر دے تو بھی جل تھل
برسا دے شراب ناب ساقی ۔ دکھلا دے اب آفتاب ساقی
فتوائے کاشی کا کون مانے ۔ لاکھوں میں پیویں کھلے خزانے
رم جھم جو برس رہا ہے پانی ۔ بے مے ہے حرام زندگانی
اے شیخ تجھے خدا کی سوگند ۔ رندوں کی گرد میں باندھ لے بند
لے منہ سے لگا لے جام بادہ ۔ اک بوند ہی پی نہ پی زیادہ
کیوں شیخ کو اجتناب ہے یہ ۔ کچھ زہر نہیں شراب ہے یہ
کیوں قبلہ اگر کوئی پری جسم ۔ با ناز و کرشمہ و خم و چم
بحر خوبی زپا سے تا فرق ۔ ہنستی کھلتی ہوئی انا لبرق
تھرکاتی ہوئی وہ بوٹی بوٹی ۔ ابھرا سینہ کھچوری چوٹی
پرکالۂ آتش و ستم و گوش ۔ نسرین تن و نسترن بناگوش
غیرت دہ گلرخان نوشاد ۔ شیریں حرکات اور پری زاد
پازیب کو خوب چھم چھماتی ۔ پیاری پیاری پھبتیں دکھاتی
لپٹا کے گلے کہے مری جان ۔ جو کچھ کہو مان لوں میں قربان

دنیا سے الگ تھلگ ہیں تم ہم
گوشے کا مقام ہو کا عالم

پی لو یہ شراب پرتگالی
اٹھتی ہیں گھٹائیں کالی کالی

یہ سن یہ تلک یہ شور مرحباد
یہ بادہ - یہ نقل - یہ پری زاد

گورے ہاتھوں سے بی علیجان
میں صدقے لگا دو مجھکو ایک پان

اس پان کو لیکے آپ کھا دیں
میٹھے میٹھے مزے اڑا دیں

ادہرم ہو دہرم ہو پن ہو یا پاپ
جو کچھ کہے سب وہ کیجئے آپ

اور ہیں بھی کہوں اٹھاکے چلمن
"تسلیم جناب قبلہ من"

تڑکے سے کلام برہم *
شب کو گھٹکن سے وہ کرم ہو

گھٹکن سے نہیں دہرم کو کھٹکا
سیکھا اچھا ہے تم نے لٹکا

یارو دنیائے دوں ہے کس کی
میڈم کی نہ میم کی نہ مس کی

جنٹل مینوں کو دے تو تسکی
کسکی رہی اور رہے گی کس کی

قطعہ

اسلاف کے کچھ اثر ہیں باقی
اس راکھ میں کچھ شرر ہیں باقی

گو خوار ہوئے ہیں خود ہی سے ہے
مرجھا گئے پھول بو وہی ہے

جھلکا جھلکا سپیدۂ صبح
ہلکا ہلکا سپیدۂ صبح

تارے چھپتے ہیں جھلملا کر
ہے نور سا جلوہ گر فلک پر

بھینی بھینی مہک گلوں کی
اور نغمہ زنی وہ بلبلوں کی

اے ساقی مہ لقا بدہ مے
اے مرد خدا بخواب تا کے

وقت سحر اور خنک ہوا ہے
بے مے سب کرکرا مزا ہے

اک جلوے کے شیشے میں یہ تکرار
اٹھو جاگو سحر ہوئی ہے

دریا کی طرف چلے نہانے
غٹ پریوں کے زنان خانے

مرغان چمن بہ نکتہ رانی
ہوں پرہمتاں بہ بید خوانی

نوبت زنگت جما رہی ہے
شہنائی مزا دکھا رہی ہے

پھلینگے پھولینگے گلزار قوم کے اشجار اٹھا ہمالیہ پربت سے ابر گوہر بار
زبان وہ پائی کہ بے نطق سینکڑوں جو ہے طبیعت ایسی ملی شوخ جیسے چنچل نار
ہے اس کمال پہ لیکن ہزار بار افسوس کہ تو نے قدر نہ کچھ جانی اپنی خود زنہار
کمال کیلئے لازم جو ہے زوال ضرور اب ایک قطرہ ہے پہلے تھا قلزم زخار
نہ آب و تاب اگلی سی ہے نہ رنگ نہ روپ نہیں وہ شاہد مضموں کے پھول سے رخسار
نہ حافظہ ہی رہا وہ نہ قوت ادراک رہے کہاں سے ہر اک شی کی حد ہے آخر کار
اسی زمانہ میں تو بھی اسیر ہو جاتا قبول زر میں نہ ہوتا اگر تجھے انکار
اس ہند میں کہا رہا ہے بھائی فریاد ہے ہندیوں ڈہائی
مصری اس باغ کے تھے اک گل شاگرد ہند کے تھے جزو کل
اک پھول اسی چراغ کے تھے اک بوندا ہی ایاغ کے تھے
سقراط سے لیکے تا بہ لقمان طفل مکتب تھے اہل یونان
آگے ان کے زمیں سے تا مہ سب کرتے تھے زانوے ادب تہ
راما پن میں دکھائے وہ ڈھنگ ہومر کا بھی جم سکا نہ کچھ رنگ
رنگت ملٹن کی بھی ہے پھیکی سبحان اللہ واہ لیکی
کالی داس آں خدائے بینش سرمایہ ناز آفرینش
مشہور جہاں کتاب ان کی مقبول زمان کتاب ان کی
جھنڈے بیدک کے بھی گڑے تھے یونانی جیب میں پڑے تھے
تشریح کے بادشاہ تھے ہندی تشخیص کے بھی خدا تھے ہندی
کیتائی کے بھی خدا تھے ہندی اس کشتی کے ناخدا تھے ہندی
دعوے جس کو ہو جان دل کا دیکھے وہ فلسفہ کپل کا
وہ علم و فضل اب ڈبو یا جو کچھ سیکھا تھا سب وہ کھویا

قطعہ تاریخ انتقال پنڈت شیو نراین بہار لکھنوی

تاریخ

اے بہار گلشن علم و ہنر ۔۔۔ کیا ہی تھا نخل الفت کا ثمر
سم سے ہو کے خیر باد دائمی ۔۔۔ کس طرف راہی ہوے لے ذی ہنر
قاف سے تا قاف ہیں سب سینہ چاک ۔۔۔ یاس و حرماں ہے دلوں پر سر بسر
ہو خزاں سے جب مبدل نو بہار ۔۔۔ کیوں نہوں سب مثل بلبل نوحہ گر
گل ہوا باغ لیاقت کا چراغ ۔۔۔ غنچۂ دل پر خزاں کا ہے اثر
ظلمت ہجراں سے ہے عالم سیاہ ۔۔۔ دل ہے زلف مہوشاں سے تیرہ تر
خاطر غمگیں پہ چھایا ابر غم ۔۔۔ رود غم کی ہے روانی الحذر
شیو نراین تھے حقیقت میں بہار ۔۔۔ خلد کے خاصوں میں ہو وہ خاص تر

سمبت ۱۹۳۱ ۔۔۔ ۹۱ ۱۲

قطعہ تاریخ حسرت آیات پنڈت تربھون ناتھ ہجر

روانہ سوئے عدم ہو گئے جواں افسوس ۔۔۔ مرے برادر خورش فکر و بذلہ سنج دلیق
عیاں ہوا اسم اگر تربھون سے ناتھ ملے ۔۔۔ جو خلق رکھتے تھے رکھتا ہی کب وہ کوئی خلیق
ظرافت انکی تھی لونڈی بلاغت انکی کنیز ۔۔۔ ندیم انکی تھی نیکی تو خیر خیر رفیق
دقیقہ رس وہ طبیعت خدا نے دی تھی انہیں ۔۔۔ کہ جسکے آگے نہ ہو ایک کا کلام دقیق
عدو سے بھی نہیں رکھتے تھے دلمیں کینہ و بغض ۔۔۔ تمام خلق کے وہ مہرباں تھے سب کے شفیق
نہیں تھا انکے سوا کوئی جوہری سخن ۔۔۔ ہر ایک لفظ تھا گوہر ہر ایک حرف عقیق
رلائے ہنستے ہوے کو کلام میں وہ اثر ۔۔۔ ہنسائے روتے ہوؤں کو سخن میں وہ توفیق
کہے کلام کے اعجاز کو جو کوئی سحر ۔۔۔ فریب کار سے مکار سے ہو وہ ہوز ندیق
ہزار سال اگر غوطے مارتے سکہا ۔۔۔ پہونچتے تہ کو نہ دریائے فکر تھا وہ عمیق
یہ معانی باریک سکے تنا ورتھے ۔۔۔ خدائے پاک کرے بحر مغفرت میں غریق
پئے وفات دعا یہ کرو رقم سرشار ۔۔۔ وصال ہجر ہو حوروں سے ای خدائے عتیق

سرشار

سرشار۔ جناب مدن موہن لال صاحب۔ آپ خیرآباد کے ساکن تھے۔ فن شعر میں مولوی غلام حسین قدر بلگرامی سے اصلاح لیتے تھے۔ فکر کی رفعت ان اشعار سے ظاہر ہوتی ہے ؎

عاشق وہی ہیں مال نہ سمجھیں جو جان کو
کھٹکے ہیں جان رہتی ہے گردش نصیب کی
احوال مہر و مہ دل روشن پہ کھل گئے
اسکا زمانہ آج تو کل اسکا دور ہے
سرشار بادہ خوار سیہ مست ہیں مدام

منہ رن سے پھیرتے نہیں جو مرد رن کے ہیں
دن رات مہر و ماہ کو خطرے گہن کے ہیں
روشن چراغ دونوں تری انجمن کے ہیں
یہ ہتھکنڈے قدیم سے چرخ کہن کے ہیں
ممنون لطف ساقی توبہ شکن کے ہیں

سرور

سرور۔ نواب اعظم الدولہ میر محمد خاں خلف نواب ابوالقاسم خاں صامی۔ شاہجہاں آباد کے نامی گرامی امرا سے تھے۔ آپ ماہاجی سیندھیا کے مشہور مختار و معتمد شاہجی کے پوتے اور دربار شاہی میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ کے عہد تک آپ کی تاریخی عظمت برقرار رہی اور شاہجہاں آباد کی امیرانہ مجالس میں آپ کا طوطی بولتا رہا۔ پھر زمانہ کے ہاتھوں نے تاریخ کا ورق الٹ دیا۔ مؤلف تذکرہ ریختہ گویان ہند" رقم طراز ہیں کہ آپ ظریف۔ خوش طبع۔ نیکو صحبت۔ دوست پرست۔ مردم شناس۔ بزرگ تھے اور آپ کی طبیعت فن شعر کے مناسب تھی۔ سنہ ۱۲۵۰ھ میں انتقال کیا۔

آپ سید محمد ذکریا خاں زکی ارشد تلامذہ حضرت غالب دہلوی کے جد امجد تھے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ آپ نے بڑی محنت سے شعرائے ہند کا ایک ضخیم تذکرہ مرتب کیا تھا۔ جو غدر سے پہلے بہت مشہور تھا۔ شرف الدین میرٹھی مؤلف تذکرہ شعرائے ہند نے اپنی عدم واقفیت سے آپ کو میرزا محمد بیگ "سامی" کا شاگرد لکھا ہے۔ حالانکہ آپ اپنے والد کے شاگرد تھے جن کا تخلص "صامی" تھا۔ آپ نے تذکرہ کی تالیف کے علاوہ دیوان ریختہ بھی تصنیف کیا تھا جو اب ناپید ہے۔ کلام لطف زبان اور حسن بیان میں عدیم المثال

ہے۔ غم واندوہ۔ یاس وحرماں۔ مسرت وشادمانی کے مضامین کو موثر پیرایہ مین ادا کرتے تھے۔ نواب بڈہن صاحب نقیرآپ کی اولاد میں سے تھے۔ اور بعد غدر بھرتپور جارہے تھے اشعار کا انتخاب نذر ناظرین ہے ؎

بسکہ شب گرم تپیدن یہ دل بیتاب تھا
دل نہ تھا میری بغل میں پارۂ سیماب تھا

شراب پیکے جو وہ ماہ بے حجاب ہوا
کباب آتش غیرت سے آفتاب ہوا

نامہ کس سوختہ جاں کا یہ لئے جاتا ہے
بازؤوں سے جو جلا جاتا ہے کبوتر جسکا

مرگ بہتر ہے گر نہ ہو تو پاس
ہے مزا تجھسے زندگانی کا

کبھو نہ آگے وہ مانند نقش پا سرکا
ہوا ہے جو ابھی پامال تیری ٹھوکر کا

یہ ٹھہر چکی تھی کہ کبھی اُس سے نہ ملئے
اس بات پہ لیکن دل بیتاب نہ ٹھہرا

"کھدو" یہ اگر ہووے خریدار کوئی شخص
دل بیچ رہا ہے سر بازار کوئی شخص

میں نے سرور کی خبر جاکے جو پوچھی دم نزع
اُس نے کچھ بات نکی لیک بھر آئیں آنکھیں

مفارقت سے کوئی کسطرح گذارے دن
سفر سے یار پھرے تو پھریں ہمارے دن

پھرتی ہے مضطرب سی باد صبا چمن میں
بلبل بتا مجھے بھی کیا گل کھلا چمن میں

دیوانے ہم نہیں ہیں کہ فصل بہار میں
کھنے سے ناصحوں کے گریباں رفو کریں

الم ہو رنج ہو بے طاقتی ہو درد ہو غم ہو
یہ سب کچھ ہو یارب ولیکن وہ نہ محرم ہو

ہم دیکھتے ہی یار کو بے ہوش ہو گئے
شکوے جو ہم کو تھے وہ فراموش ہو گئے

سرور اُس شوخ کو کیوں نیند سے بیدار کیا
کس لئے فتنۂ خوابیدہ جگایا تو نے

غیر لایا اُسے یاں بہر تماشا دم نزع
دوستوں سے نہ ہوا وہ جو ہوا دشمن سے

دیدۂ تر سے لگا خط کو نہ اُس کے سرور
یار کے ہاتھ کا لکھا ہے مبادا مٹ جائے

سرور۔ حکیم سید سرور علی صاحب۔ آپ قصبہ موہونہ کے باشندے ہیں۔ جو خیرآباد کے قریب واقع ہے سنہ سی آپنے شعر کہنا شروع کیا اور حضرت قدر بلگرامی کے شاگرد ہوئے۔ دیوان

کی مشق سخن سے کلام میں پختگی آگئی۔ آپ بلیغ مضامین فصاحت کے قالب میں اس طرح ڈھالتے ہیں کہ مۓ دو آتشہ کا لطف آتا ہے۔ مذاق سخن کا نمونہ یہ ہے ؎

کمالِ غم سے میں لے کاش ایسا زار ہو جاتا
کہ گھٹتے گھٹتے جسم اپنا نظر کا تار ہو جاتا

تمہیں سب بے دہن کہتے ہیں تم تو منہ سے کچھ کہتے
کبھی تو حل معمایہ دمِ گفتار ہو جاتا

جب آپ مسکرائے مرے حالِ زار پر
بجلی گری چمک کے دلِ بیقرار پر

تارِ نظر سے آنکھوں میں آنکھوں سے دل میں آؤ
یوں آؤ جس طرح خبر آتی ہے تار پر

کچھ دار و گیرِ حشر کا ہم کو خطر نہیں
اپنی نظر ہے رحمتِ پروردگار پر

کیا ہے ذبح بیرحمی سے کیا صیاد ظالم نے
ہلانے بھی نہ پایا آہ مرغِ نیم بسمل پر

وہ مفلس ہوں جگر ٹکڑے ہوا ساغر اگر ٹوٹا
کوئی شیشہ جو ٹوٹا لگ گئی ٹھیس اک مرے دل پر

لئے جاتا ہے پھر یہ جذبۂ شوق اسطرف مجھکو
نہیں کچھ زور چلتا ضبط کا بیتابئ دل پر

کرم تیرا اگر ہو دم میں بیڑا پار ہو جائے
یہ کشتی گنہ پہنچے ابھی رحمت کے ساحل پر

نہ پائیگی نہ پائیگی وہ طرزِ بیقراری کو
عبث برق اتنی مضطر ہے مرے بیتابئ دل پر

"جوابِ جاہلاں باشد خموشی" قول سعدی ہے
ہمیشہ ضبط سرور چاہئے گفتارِ جاہل پر

نہ تھی جو رحمتِ بیحد حساب کے قابل
گناہگار نہ ٹھہرا عتاب کے قابل

واہ کیا خوب ذرا کیجئے دل میں انصاف
جان دے کوئی مگر آپ پہ احساں ہی نہو

پھر ہے کیا آبلہ پائی کا مزا اے سرور
تلووں میں جب خلشِ خارِ مغیلاں ہی نہو

میکدہ کھولدے ساقی ہے بہار آنے کو
مئے گلرنگ سے بھر دے مرے پیمانے کو

سوچ بیرحم کو ہے رحم نہ آجائے کہیں
کان رکھکر نہیں سنتا مرے افسانے کو

ہم نے پھبتی یہ کہی چاند گھرا بدلی میں
آئے رخسار پہ جب آپکے اڑ کر گیسو

دردافزا اک عجب یہ عشق کا افسانہ ہے
نالہ بن جائے یہاں شورِ مبارکباد بھی

وہ ستمگر ہیں جفا جو ہیں نہیں اسکی خبر
اُن کے کوچہ میں تڑپتا ہے کوئی ناشاد بھی

ہم تو کیا اس عشق سے خالی نہیں کوئی بشر
مرتے ہیں جنت میں حوروں کیلئے زہاد بھی

سمجھے ہو تم ظلم کا فریادرس کوئی نہیں
داور محشر جو کوئی ہے۔ تو دے گا داد بھی

ہم کو اے سرور نہ کیوں ہو اپنے ہمعصروں پہ فخر
آج تک ہم نے نہ دیکھا قدرداں استاد بھی

سرور

سرور۔ خواجہ ولایت علیخاں صاحب لکھنوی۔ آپ کے والد حکیم محمد جعفر محمور مصحفی کے تلامذہ میں تھے۔ جناب سرور حضرت اسیر کے ہم مشق۔ اور نازک خیال شاعر تھے۔ فن سخن گوئی میں حضرت آتش سے تلمذ تھا۔ واجد علیشاہ کے قیام کلکتہ میں ٹمیا برج کے مشاعرے اور ارباب سخن کی ہنگامہ آرائیوں کا مشاہدہ کیا۔ آفتاب الدولہ قلق سے شاعرانہ صحبتیں گرم رہیں اور آخر کار لکھنؤ کو خیرباد کہکر کلکتہ کو اپنا مسکن بنالیا۔ الفاظ کی رنگینی مضامیں کی دل آرائی۔ معانی کی عطر بیزی کے سوا بعض اشعار سے درد کی بو آتی ہے۔ چوٹ کھایا ہوا دل۔ تشبیہ و استعارہ کے پردہ میں بھی آتش کا رنگ تغزل دکھا دیتا ہے۔ بینائے سخن کی تراوش ملاحظہ ہو ؎۔

بزم میں ہر دم فروغ حسن جاناناں نہ رہا
شمع رخ پر دل زمانہ بھر کا پروانہ نہ رہا

برق نے گر کر جلایا ہوں میں ایسا بدنصیب
میری قسمت کا نہ خرمن میں کوئی دانہ رہا

پس فنا بھی رہا اضطراب دل برسوں
قرار نعش کو میری تہ مزار نہ تھا

رہ عدم میں نہیں دغدغہ ہے دشمن کا
نہ ڈر ٹھگوں کا ہے اسمیں نہ خوف رہزن کا

اس درجہ اسمیں دامن صیاد کا تھا پاس
آیا نہ لہو گردن نخچیر سے باہر

کھا کے پھل تیغ کے جبدم ہوا بسمل خاموش
دہن زخم ہنسے رہ گیا قاتل خاموش

دوستی کس سے یہ کرتا ہے بڑا دیوانہ ہے
ہے ازل سے جان کا پروانہ کی دشمن چراغ

دو ہی دن میں بھول جاتے ہیں عزیز و اقربا
بعد مردن کون لاتا ہے سر مدفن چراغ

اتنی کدورتیں ہوئیں آ آ کے اسمیں جمع
سینہ میں بن گیا مرے آخر مزار دل

کہتے ہیں چھوٹی ٹیسی نہ باتیں بنائیے
بہر خدا نہ کیجیے مجھ پر نثار دل

صیاد چھوڑ دے یہی کہتی ہے عندلیب
امید زندگی مجھے اب کے برس نہیں

بہار آئی ہے اے صیاد تجکو رحم لازم ہے
قفس ہیں سب اسیران قفس فریاد کرتے ہیں

تم نہ آؤ گے نہ آؤ گے مجھے معلوم ہے
جھوٹی سچی میرے سر کی تم قسم کھاتی ہو کیوں

کلکتہ اُس کے مٹنے سے آباد ہو گیا
کیا پوچھتے ہو لکھنؤ کے انقلاب کو

ہائے خون کے پیاسے زمانے کے قاتل
وہ دیکھو بزم میں بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

اے پری مجھسا بھی دنیا میں کوئی دیوانہ ہے
گھر کے اندر ہیں ہوں اور باہر مرا افسانہ ہے

دل مرا ایکتا ہے جو معشوق چاہی مول لے
قیمت اُسکی وصل ہی اور اک نظر بیعانہ ہے

دخل وہ مٹئے ہے کہ کر دیتا ہی مالک چیز کا
میرے دلمیں جلوہ گر جو ہے وہ صاحب خانہ ہے

لبریز مئے سے ساغر و مینا کرے
سامان برائے یار مہیا کرے کوئی

کیوں شام بنارس کی نہ مشہور جہاں ہو
میلے کہیں دیکھے ہیں یہ دریا کے کسی نے

آرام عجب طرح کا ملتا ہے عدم میں
ہستی کا ارادہ نہ کیا جا کے کسی نے

عشق نے تیرے کیا ہے مجھے لاغر ایسا
میں تو سایہ سے بھی گرتا ہوں زمیں پر پہلے

سرور

سُرورؔ - آب ورنگ طلسم بیان - جادو مقال سحر زبان - ناظم نظم دلپذیر - ناثر عدیم النظیر سخنور مشہور و معروف نزدیک و دور میرزا رجب علی بیگ سرور خلف میرزا اصغر علی - آپ فسانۂ عجائب کے مصنف اور آغا نوازش حسین خاں نوازش کے شاگرد رشید تھے نفاست پسند خوش مزاج - باسلیقہ انسان تھے - ہمیشہ رؤسا نوابوں کی مصاحبت میں رہے - انکو فسانہ نگاری نے پروان چڑھایا - یاران انجمن کی محفل سے واجد علیشاہ کے دربار تک پہونچایا شہرت اور ناموری میں چار چاند لگتے ہی - راجہ بنارس اور مہاراجہ الور کی مصاحبت میں داخل ہوئے - مگر بمقتضائے "حب الوطن از ملک سلیماں خوشتر" لکھنؤ کے لئے ہمیشہ تڑپتے رہے چنانچہ بعض موقعہ پر بے چین ہو کر لکھتے ہیں ؎

یا تو ہم پھرتے تھے انمیں یا ہوا یہ انقلاب
پھرتے ہیں آنکھوں میں اکثر کوچہ ہائے لکھنؤ

الٰہی لکھنؤ بستا رہے روز قیامت تک
سرور دشت ہمیلی کا کبھی یہ شہر مسکن تھا

کلکتہ۔ لکھنؤ۔ میرٹھ۔ دہلی۔ راجپوتانہ وغیرہ کی سیر و سیاحت بھی کی تھی۔ بڑے یار باش اور زندہ دل تھے۔ شرف الدین میرٹھی شعرائے ہند کے یاران صادق میں تھے۔ ابتدا میں مرثیہ خوانی کا شوق ہوا۔ مگر جب اس گروہ میں رنگ نہ جما تو خوشنویسی کی جانب متوجہ ہوئے گو اعلےٰ درجہ کے خوشنویس ہوگئے مگر کاملان فن میں انکا نام نہ نکلا۔ فن موسیقی میں دستگاہ حاصل تھی لیکن نثاری مقفیٰ اور بلیغ سحر نگاری میں اپنے معاصرین سے بازی لیگئے اور کوئی انکا مقابلہ نکرسکا۔ آپ طرحدار۔ خوش وضع۔ جوان تھے۔ جامہ زیبی میں یگانۂ وقت نک سک سے درست اپنے زمانہ کے زبردست منشی اور قابل مصنف تھے۔ سرور سلطانی۔ شگوفۂ محبت۔ گلزار سرور۔ انشائے سرور۔ شبستان سرور وغیرہ کئی کتابیں انکی تصنیف سے ہیں۔ مگر پسچ یہ ہے کہ فسانۂ عجائب نور دیدۂ ادب ہے جسکا ہر فقرہ رنگینی میں غازۂ جمال خوباں اور دلفریبی میں تابش عارض محبوباں ہے۔ عروسان مضامین کو آراستہ کرنے میں نہایت عرق ریزی اور جاں فشانی سے کام لیا ہے۔ ہر بیان میں لکھنوکے پری وشان ماہرخ کا جلوہ دکھادیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت میرزا غالب جیسے دبیر روزگار نے فسانۂ مذکور کی تقریظ لکھتے ہوئے اردو میں سرور کو سرخیل نثاراں مانا ہے۔ متعدد لوگوں نے اسکا جواب لکھنے پر قلم اٹھایا مگر اس میدان میں کچھ نہ پایا جسطرح اردو مثنویوں میں گلزار نسیم اور بدر منیر لاجواب ہیں۔ اسی طرح فسانوں میں فسانۂ عجائب انتخاب ہے۔ میرزا سرور ۱۲۸۵ھ میں اس دار فنا سے راہی عالم بقا ہوئے۔ آپ کی نظم نثر کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتی ہے۔ کلام یہ ہے ؎

ہزار صدموں پہ دل نے ہمارے اُف بھی نکی
ہم نے یاں طرفہ ماجرا دیکھا
نیم بسمل سا لوٹتا ہے دل
رات کس جا رہا سرور بھلا

جو اک رفیق ملا وہ بھی بے زباں ملا
ایک پر ایک مبتلا دیکھا
اسنے کیا جانے یاں سے کیا دیکھا
آپ کا یہ بھی افترا دیکھا

آہ پہلو سے رقیب اسکے جو کل اِل بیٹھا
رہ روِ ملکِ عدم نے تو کیا کوچ سرور

گرفتاری کے دن اپنے مجھے کیا یاد آتی ہیں
نفرتِ بلبل ہو سنتے ہی مجھکو یقیں ہے

دل ہی میں رہ نجائے کہیں اب بیانِ دل
ایسی ہی ہچکی جو ہم رات بھر کہیں

ہر چند خاک چھانی نہ پایا کہیں سراغ
کب لگاتا ہے کوئی اس دلِ بے حال کا مول

توڑ کر خم اور پٹک کر آج پیمانے کو ہم
قلق ہو دور مٹے دل سے اضطراب کہیں

کیا غضب ہے کہ چار آنکھوں میں
چشمِ کیفی کے سرخ ڈوروں سے
گر پڑا طفلِ اشک یہ مچلا تو
جب سے اپنا لقب ہوا ہے سرور

نسیم صبح ہوں یا بوئے گل یا شمع سوزاں ہو
تنی رہتی ہے اکثر چادرِ مہتاب تربت پر

مریضِ ہجر کو صحت سے اب تو کام نہیں
جو تو وہ گل ہے کہ عالم کے دل میں ہے تری جا

کسی کروٹ کسی پہلو نہیں اب چین ملتا ہے
بے طرح پیچھے ان کے دونوں وہ ہم کو ستاتے ہیں
دشمن کے بھی دشمن کو اللہ نہ دکھلائے

پیچ کھایا ہی کیا دل میں مرا دل بیٹھا
بارِ ہستی لئے تو کیوں ہے یہ منزل بیٹھا

مرے جب کان میں پڑ جاتے ہے غُل عندلیبوں کا
شمہ میں گر کسی سے کہوں ماجرائے عشق

ٹک سن لے دل لگا کے تو اب داستانِ دل
تو صبح کو نہ پائے گا ہرگز نشانِ دل

مجھکو عبث تھا سینہ میں لینے گمانِ دل
سب گھٹا دیتے ہیں فلس کے غرض ان کا مول

سوئے مسجد جاتے ہیں زاہد کے بہکانے کو ہم
الٰہی دورِ فلک کو ہو انقلاب کہیں

دل چُراتا ہے یار آنکھوں میں
چھا رہی ہے بہار آنکھوں میں
میں نے روکا ہزار آنکھوں میں
روز و شب ہے خمار آنکھوں میں

میں ہوں جس رنگ میں پیارے غرض و ہمدم کا ہماں ہوں
کہ تا معلوم ہو سب کو نہ تیرِ سہ جبنیاں ہوں

اگرچہ صبح کو بچ گیا تو شام نہیں
تو سکی آنکھ میں کھٹکا کیا وہ خار ہوں میں

ہوا ہے غم ترا جس روز سے پہلو نشیں دل میں
جو خواب میں بھی آ کے صورت کو چھپاتے ہیں
جو دن ہمیں فرقت میں اب آپ دکھاتے ہیں

ہے شوق سرور ایسا غالب کہ جو قاصد سے　　کوسوں ہی تلک حالت کھتے چلے جائیں

لازم ہے سوزِ عشق کا شعلہ عیاں نہ ہو　　جل بجھئے اسطرح سے کہ مطلق دھواں نہ ہو

کریں اب ترکِ اسبابِ جہاں یہ جی میں ٹھانی ہے　　نہ ساقی ہے نہ ساغر ہے نہ وہ عہدِ جوانی ہے

نہیں طاقت رہی اتنی جو ٹھنڈی سانس بھی لیویں　　کچھ ایسی ان دنوں میں ہم پہ چھائی ناتوانی ہے

نہ تیغِ ستم گردن جھکا دے جو کوئی ناصح ہے　　وہی جانے جو گذری ہے بھلا جلاد کیا جانے

درد ہو تب ہو ضعف ہو اسکی کوئی دوا کرے　　جو کہ مریضِ عشق ہو سچ تو یہ ہے وہ کیا کرے

جب مسیحا کی ہو مرضی تب کچھ ادائی کیجیئے　　اُس جگہ کیا دردِ دل کی ہم دوائی کیجیئے

اُس سے کھنچ رہتا ہوں جب میں لیں کہیں مجھ سے دل　　عاشقی یا کیجئے یا میرزائی کیجئے

دُوری سے تیری اے صنم سینہ میں دل کباب ہے　　عیش کا ذکر کیا مجھے زندگی بھی عذاب ہے

چھوڑ تڑپتا مت میاں کاٹ کے سر کو او جواں　　جاں کنی سے چھوٹینگے ہم تجکو بڑا ثواب ہے

اس طرح آہ کل ہم اس انجمن سے نکلے　　فصلِ بہار میں جوں بلبل چمن سے نکلے

تجکو نہ ایک پر بھی رحم آہ شب کو آیا　　کیا کیا ہی آہ و نالے اپنے دہن سے نکلے

اب ہے دعا یہ اپنی ہر شام ہر سحر کو　　یا وہ بدن سے لپٹے یا جان تن سے نکلے

ہم گرچہ نقشِ پا تھے یارانِ رفتگاں کے　　خاطر میں اس فلک کی تس پر بھی ہم گراں تھے

کیا دیکھکر تاسف سب نے کیا عزیزو　　وہ سنگ لگے بس کفن سے جو چند استخواں تھے

صحرا سے رفتگاں میں پوچھو نہ ہم کو کیا تھے　　آواز تھے جرس کی یا گردِ کارواں تھے

زیرِ زمیں نہ آیا بس چین خفتگاں کو　　بیچین میرے ایسے یہ نالہ و فغاں سے تھے

تم نے نہ ہماری کچھ خبر لی　　چھاتی پتھر کی کیوں جی کر لی

بدل دے اور دل اس دل کے بدلے　　الٰہی تو تو رب العالمیں ہے

پھوٹے تپش سے دل کی یہ سب آبلے مرے　　منت کشی نہ کرنی پڑی نوکِ خار کی

کس کی خوشی کہاں کی ہنسی کیسا اختلاط　　ہم کو نہ چھیڑو تم کہ وہ اب ہم نہیں رہے

سرور

سرور۔ سید ابوالقاسم صاحب منشی فاضل خلف جناب سید احمد حسن صاحب سپہر رقم ضیار رامپوری۔ فارسی و عربی کی اچھی قابلیت ہے۔ دار الترجمہ حیدر آباد میں مصحح ہیں فن سخن میں اپنے والد سے تلمذ رکھتے ہیں۔ جوان آدمی ہیں۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

تیرا بیمار کوئی چند نفس مہماں ہے ؟ — لب تک اک آہ بھی آتی نہیں نالہ کیسا
کوئی جھگڑا نہیں باہم ہے فقط فرقِ مذاق — ایک ہیں سب حرم و دیر کلیسا کیسا
رات کو۔ دن کو۔ کوئی دیکھنے والا دیکھے — ہو رہا ہے انہیں پردوں میں تماشا کیسا
جو کہے کام بشر قوتِ بازو سے کرے — عیب کی بات ہے اوروں کا سہارا کیسا
صبر کو درد کی جو لوگ دوا کہتے ہیں — کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیسا کہتے ہیں
گالیاں دے چکے جی بھر کے مجھے کوس چکے — دیکھنا یہ ہے کہ اب دیکھئے کیا کہتے ہیں
جگر میں درد اٹھے دل کے ٹکڑے ہوں کہ دم نکلے — یہ کھٹکے کو نہ رہ جائے ترے کوچہ سے ہم نکلے
اگر غایت "مسجود" "لاوجود شئے" کی ہم دیکھیں — نظر میں ہر عدم ہستی تو ہر ہستی عدم نکلے
صنم خانہ میں جو دیکھا وہی جلوہ تھا کعبہ میں — تلاشِ یار میں کچھ ایک سے دیر و حرم نکلے

سرور

سرور۔ میر بھو دہلوی۔ قدرت اللہ شوق اور مصحفی کے ہمعصر تھے۔ دلی چھوڑ کر رامپور جا رہے تھے مولوی غلام جیلانی رفعت سے تلمذ تھا۔ موزوں طبع اور سادہ گو تھے۔ کلام رنگینی۔ جدت سے خالی ہے۔ انتخاب یہ ہے ؎

کیا زلف نے اسکی برباد عالم — بچے کیا کوئی ایسی کالی بلا سے
یاد میں اسکے لبِ لعل مصفا کے سرور — رنگ کیا دیدۂ خونبار دکھاتا ہے
سبو ہو بادہ ہو ساغر ہو ساقی ہو لب جو ہو — اگر اوقات کچھ اپنی بسر یوں ہو تو بہتر ہے
بے رحم مرا نزع کی حالت میں سمجھے دیکھ — کس ناز سے بولا کہ ابھی اس میں دم ہے
کیا خاک سرور اس دلِ محزوں کو مرے ہو — جسکے تئیں ہر روز نیا درد و الم ہے

سرور

سرور۔ منشی عبد الصمد قادری عثمانی بدایونی۔ مولانا عبد الماجد کے برادر حقیقی ہیں قدیم شنہ فائے

بدایوں سے ہیں۔ اور آپ کا خاندان علم و فضل کے اعتبار سے مشہور ہے ہونہار نوجوان اور شوخ طبع شاعر ہیں۔ حضرت کیف سے تلمذ ہے۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

تو وہ کہ تجھکو عفو معاصی کا شوق ہے
میں وہ کہ مجھکو رہتی ہے رغبت گناہ سے

حور و قصور حاصلِ طاعت اگر ہیں شیخ
تیرا ثواب ہیچ ہے میرے گناہ سے

ساقی کے فیض عام سے ہے صوفیوں کو خوف
لڑ جائے میکدہ نہ کہیں خانقاہ سے

سرور۔ میرزا عزیز الدین گورگانی۔ ابن میرزا اعظم بخت نبیرۂ شاہ عالم۔ آپ علم و ہنر سے بہرہ ور تھے۔ بہادر شاہ کی سب سے عزیز اور لائق بیٹی آغا بیگم صاحبہ کے شوہر تھے۔ اکثر فنون میں دخل رکھتے تھے۔ ہنگامۂ غدر میں موضع بہادر گڈھ سے دہلی میں گرفتار ہو کر آئے اور ساٹھ برس کی عمر میں پھانسی پائی۔ دنیا سے ناشاد و نامراد گئے۔ کلام یہ ہے ؎ سرور

شمع رو تو نہ ہوے پردہ کہ پروانہ صفت
دیکھ محفل میں ابھی رشک سے جل جاوٴنگا

ہوتے ہیں آپ چیں بہ جبیں بات بات پر
یہ ڈھنگ ہے تو ہو چکی صورت نباہ کی

یہ بھی سرور ترک کیا چاہتے ہیں دہ
صحبت جو ہم سے اُن سے ہے بیگاہ گاہ کی

سرور۔ حکیم حافظ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب خلف حافظ عبد اللہ دہلوی۔ آپ خوشگوار شیریں زبان شاعر ہیں۔ فن سخن میں مولوی سید نذیر حسن صاحب فتنہ عباسی سندیلوی کے شاگرد ہیں اوائل عمر سے شعر گوئی کیطرف رجحان تھا لیکن ۱۳۲۳ھ میں مدرسہ طبیہ دہلی سے سند تکمیل حاصل کر کے فن سخن کی جانب متوجہ ہوئے۔ اب تخمیناً چالیس سال کی عمر ہے۔ زبان شستہ بندش چست ہوتی ہے۔ آپ ریاست لوہارو میں بصیغہ طبابت ملازم رہ چکے ہیں۔ اب ریاست نرسنگھ گڈھ میں طبیب خاص کے عہدہ پر ممتاز ہیں خلیق متواضع ملنسار ہیں۔ کلام کا نمونہ یہ ہے ؎ سرور

دیکھا ہے مجھے لیکن غم نہاں نہیں دیکھا
دل چیر کے تم نے مرا ارماں نہیں دیکھا

اُترا نہ کبھی پیرہن حسن بدن سے
جامہ نے بھی تیرا تنِ عریاں نہیں دیکھا

تو گھر میں رہا بھی تو رہا سب کی نظر میں	پردہ میں بھی ظالم تجھے پنہاں نہیں دیکھا
اللہ رے جوشِ دیدِ دلِ دادخواہ میں	دل سے نکل کے آگئی حسرت نگاہ میں
اِک میں کہ آپ اپنی نگاہوں میں ہیچ ہوں	اِک تو کہ خلق رکھتی ہے تجھکو نگاہ میں
جن سے تھا لطفِ زندگی نہ رہے	وہ زمانہ وہ آدمی نہ رہے
ظلم کی کچھ تو حد بتا ظالم	کیا زمانہ میں اب کوئی نہ رہے
اے سرور اب بھی ہے عشق کا قول	غم رہے دل میں اور خوشی نہ رہے

سرور

سرور ۔ میر سرور حسین ۔ آپ خوشگویانِ لکھنؤ سے ہیں تخیل قابل داد ۔ انداز بیان پاکیزہ ہے ۔ صرف ایک شعر دستیاب ہوا ہے جو درج کیا جاتا ہے ۔

نشانِ قیس یوں پایا ملا جب نجد میں ہم کو	کسی جا پرزہ دامن کا کہیں ٹکڑا گریباں کا

سرور

سرور ۔ سخنور سراپا کمال ۔ شاعر نازک خیال ۔ مقبول ۔ بابو منشی درگا سہائے سرور آپ سمت ۱۹۲۹ مطابق ۱۸۷۳ء کو قصبہ جہاں آباد ضلع پیلی بھیت میں ایک سکسینہ کایستھ خاندان میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائی درس و تدریس سے فارغ ہونیکے بعد اوائل مشق میں مولوی سید کرامت حسین بہار سے مشورۂ سخن کرتے تھے ۔ پھر حضرت بیان یزدانی میرٹھی کے انداز کلام پر فریفتہ ہو کر اپنے آپ کو انکا شاگرد معنوی تصور کرنے لگے ۔

آپ دور موجودہ کے اُن بلند پایہ اور گراں مایہ شعرائے منتخب میں سے تھے جنکی جدت طرازی اور سحر بیانی نے اُردو شاعری کے مردہ قالب میں ایک نئی روح پھونکنے میں بیش قرار حصہ لیا ۔ جذبات اور فطرت کی مصوری میں اُردو علم ادب کو قابل فخر بنایا گو نیچرل شاعری کے موجد ہونے کا سہرا پروفیسر آزاد اور شمس العلماء مولانا حالی کے سر رہا لیکن آپ نے نیچرل اور ایشیائی رنگ کو ایسی دلفریب ترکیب سے شیر و شکر کیا کہ اسمیں پھیکے پن کے بجائے انتہا درجہ کی حلاوت اور شیرینی پیدا ہوگئی ۔ مناظر قدرت اور واقعیت کی نقاشی میں انھیں ید طولی حاصل تھا ۔ مبداء فیاض سے آپ کو ایک دردمند دل عطا ہوا تھا اور

طبیعت میں سوز و گداز کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اسلئے جو شعر منہ سے نکلتا تھا۔ دلوں پر نشتر کا کام کر جاتا تھا۔ حب وطن کا جوش اور قومیت کے خیالات انکے کلام کی روح رواں ہیں۔ مگر پھر بھی مغربی استعاروں سے دور بھاگتے۔ اور انہیں ہندوستان کی نیچرل شاعری کے معائب میں داخل کرتے ہیں۔ اسی طرح تغزل کے عامیانہ رنگ سہل پسندی سے انکی طبیعت کو اُنس نہ تھا۔ مخرب اخلاق مضامین۔ دوراز کار تشبیہات۔ گل و بلبل۔ زلف و کاکل کی بوسیدہ حکایت سے انکو نفرت رہی۔ صاف سلجھی ہوئی بندشوں نفیس ترکیبوں سے اپنے کلام کو زینت دینے کا خیال رکھتے تھے۔ انوکھی تخئیل کی پرواز اور معنی خیز مضمون آفرینی انکی طبع عرش پیما کا جوہر ہے۔ آپکی اکثر دل آویز نظمیں اردو کے مشہور رسائل میں شائع ہوتی رہی ہیں جو قادر الکلامی و رنگین بیانی پر وال ہیں اور وہ زمانہ۔ ادیب۔ مخزن کے اوراق کی زینت دو بالا کر چکی ہیں۔ غزل گوئی کیطرف آپنے زیادہ توجہ نہیں کی مگر اصل یہ ہے کہ آپکی کوئی نظم شان تغزل سے خالی نہیں جسطرح نظامی گنجہ اور فردوسی طوس کا رہنے والا تھا اسی طرح آپکی ولادت بھی ایک قصبہ میں ہوئی تھی۔ مگر زبان پر کما حقہٗ قدرت حاصل تھی اور خدا داد حسن قبول نے آپکی شہرت کو عالمگیر کر دیا تھا۔ ایک بڑا وصف یہ تھا کہ یہ اپنی شاعرانہ فطرت سے تخئیل کی معراج کمال تک پہونچ گئے اور انھوں نے کسی سے اصلاح نہیں لی۔ ممتاز ادیب و نقاد مولانا حسرت موہانی آپ کی بابت یہ تحریر فرماتے ہیں کہ "سرور جہان آبادی اردو زبان کے ایک ایسے بلند پایہ شاعر تھے جن کی لاجواب نظمیں اردو رسالوں کی زیبایش ہوا کرتی تھیں۔ ہماری نظر سے انکی کوئی ایسی نظم نہیں گذری جسکے پڑھنے کے بعد دل سے بے اختیار تحسین و آفریں کی صدا بلند نہ ہوئی ہو۔ نسیم لکھنوی کی مرگ بے ہنگام کے بعد یہ دوسرا سانحہ ہے جسکا ماتم دنیائے ادب کے ہر گوشہ میں ہوگا۔ اگر سرور کی زندگی وفا کرتی تو خدا جانے انکی شاعری کا مرتبہ کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتا۔ اس قلیل مدت میں جو کچھ وہ کر گئے وہ بقائے دوام کی سند حاصل کرنیکو کافی ہے"

کچھ عرصہ تک آپ ایک رئیس زادہ کے اتالیق رہے۔ پھر دو تین سال تک رسالہ زمانہ کے دفتر میں مامور رہے۔ شاعری کے سوا فن طب میں بھی دخل تھا۔ مگر بدقسمتی سے ہمیشہ پریشان روزگار رہے اور سب سے زیادہ افسوسناک امر یہ ہے کہ انہوں نے اپنے بیش بہا کلام کو کوڑیوں کے مول فروخت کیا۔ اور ہندوستان کے جادو مقال شاعر کالی داس کی نظموں کو اردو لباس پہنا کر ایسے لوگوں کے نام سے منسوب کیا جو اسکی باریک بینی، نازک خیالی و لطافت سمجھنے سے بھی قاصر تھے۔

آپ نہایت راست باز منکسر المزاج حلیم الطبع متواضع شخص تھے۔ عین عالم شباب میں اپنی بیوی اور اکلوتی جگر گوشہ کی حسرتناک وفات کا پے در پے صدمہ پہنچا جو تا دم مرگ کلیجہ کا داغ بنکر رہا۔ اسی زمانہ میں کچھ اقتضائے طبیعت سے اور کچھ تخلص کی مناسبت سے شراب ناب سے غم غلط کرنے لگے جو بڑھتے بڑھتے قبل از وقت موت کا باعث ہوئی۔ دوران مرض میں شراب کی سخت احتیاط کیجاتی تھی جب ایک روز خدمت گار نے بجائے شراب کے مرحوم کو پانی کا گلاس دیا تو ہنسے اور یہ فرمایا ؎

بجائے مے دیا پانی کا اک گلاس مجھے
سمجھ لیا مرے ساقی نے بدحواس مجھے

افسوس صد افسوس کہ ۳ ماہ دسمبر سنہ ۱۹۱۰ء میں اردو کا سرمایۂ ناز شاعر اس دار فانی کو خیرباد کہکر دار السرور خلد کو روانہ ہوا۔ حضرت شوکت بلگرامی نے اس مصرعہ سے تاریخ وفات نکالی

ع۔ گفت شوکت سرور رحلت کرد۔

آپکا کلام موسوم بہ "جام سرور" وفات حسرت آیات کے چند ہی روز بعد رسالہ ادیب الہ آباد کے پریس میں طبع ہوکر شائقین کے ہاتھوں تک پہنچا۔ مرحوم کو اپنے کلام کی اشاعت کا بیحد ارمان تھا۔ پروف صحیح کرنیکے لیئے الہ آباد کو جانیوالے تھے کہ پیام اجل آگیا۔ آپکی نظمیں زندۂ جاوید یادگار ہیں ؎ برق

نقش باطل ہو نہیں سکتا کبھی نام سرور
دہر میں جب تک رہیگی گردش جام سرور

محشر نے تاریخ کہی ؎

ختم کر محشر بس اتنا لکھکے نظم تعزیت — اب ملیگی مشکلوں سے مرنیوالے کی مثال

آپ نے ۲۷ برس کی عمر پائی میکدۂ معانی کے دور یہ ہیں ؎

کسی مست خواب کا ہی عبث انتظار سو جا — کہ گذر گئی شب آدھی دلِ بے قرار سو جا
یہ تری صدلمے نالہ مجھے متہم نہ کر دے — مرے پردہ دار سو جا مرے راز دار سو جا
ابھی داں پان ہی تو نہیں عاشقی کے قابل — یہ تپش کا آہ شیوا نکر اختیار سو جا
تجھے جسکا ہی تصور ارے مست جام الفت — انہیں آنکھڑیوں کے صدقے مرے بادہ خوار سو جا
تجھے پہلا سابقہ ہے شب غم بری بلا ہے — کہیں مر مٹے نہ ظالم دلِ بیقرار سو جا

شیشوں میں جھلکتی ہے مئے ناب نظر — ہوں آکے شریک بزم احباب نظر
ہے نور نگاہِ دیدۂ شوق ادیب — آنکھوں سے لگائیں کیوں نہ اربابِ نظر

دیگر

اُتری ہے فصاحت کی پری شیشوں میں — یا نطق کی ہے جلوہ گری شیشوں میں
اوراقِ ادیب میں ہیں اشعارِ سرور — یا ہے مئے لالہ گوں بھری شیشوں میں

دیگر

اے محو نشاط سونے والو اٹھو — سرمایۂ عمر کھونے والو اٹھو
آتی ہے وہ قافلے سے آوازِ جرس — نکلا خورشید سونے والو اٹھو

حسرت کش تکلم ہے آہ اک زمانہ — ہے شیخ و برہمن کے لب پر ترا فسانہ
وحدت کا آہ تیری میں بھی سنوں ترانہ — کچھ سوزِ عاشقانہ کچھ سازِ مطربانہ

پردے میں بانسری کے مجھکو صدا سنا دے
بنسی بجانیوالے وحدت کا گیت گا دے

آہ اے خاکِ وطن اے سرمۂ نورِ نظر — آہ اے سرمایۂ آسائشِ جان و جگر
تیرے دامن میں شگفتہ تھے کبھی قدرت کے پھول — گندہ رہتے تھے تری چوٹی میں کبھی وحدت کے پھول
جب تمدن کا بندھا عالم میں شیرازہ نہ تھا — شاہد قدرت نے جب رخ پہ ملا غازہ نہ تھا

بادۂ تہذیب سے خالی تھا جب یورپ کا خم
ایشیا کا آہ جب بیڑا تھا تاریکی میں گم

جب نہ تھی یونان میں علم و ہنر کی روشنی
جلوہ افروزِ خرد تھی تیرے گھر کی روشنی

آہ اے خاکِ وطن اے جوہرِ کانِ علوم
آہ اے شمعِ ادب اے ابرِ نیسانِ علوم

اُڑ رہا تھا پرچمِ شوکت ترا افلاک پر
سرنگوں ہے تیری عظمت کا نشاں اب خاک پر

جھلملا کر بجھ گئے سب تیرے ایواں کے چراغ
ہیں جگر کے داغ اب تیرے شبستاں کے چراغ

پھر بھی اے خاکِ وطن اُف ری وفاداری تری
چارسو ہے دہر میں نہرِ کرم جاری تری

تیرے جنگل اب بھی ہیں خاکِ وطن مہماں نواز
تیرے پُتلے ہیں جو قدرت کی ادائے جاں نواز

گنگا

اے آبِ رودِ گنگا اُف ری تری صفائی
یہ تیرا حسن دلکش یہ طرزِ دلربائی

تیری تجلیاں ہیں جلوہ فروشِ معنی
تنویر میں ہے تیری اک شانِ کبریائی

جمنا تری سہیلی گو ساتھ کی ہے کھیلی
اس میں مگر کہاں ہے تیری سی جاں فزائی

اے نازشِ زمانہ اے نقشِ نازِ عصمت
بھارت کی پاک دیوی تو ہے ہماری مائی

او پاک نازنیں اور پھولوں کی گہنے والی
سرسبز وادیوں کے دامن میں بہنے والی

حسنِ غیور تیرا ہے بے نیاز ہستی
تو بحرِ معرفت ہے اور پاکباز ہستی

ہندوستان ہے اک دریائے حسنِ قدرت
اور اس میں پنکھڑی ہے تو خوش نما کنول کی

نکلی ہمالیہ سے محوِ خروش ہو کر
تو آہ تشنہ لب تھی وہ جلوۂ ازل کی

کرتی ہوئی زمیں پر موتی نثار آئی
درشن کو آہ بھر کے تو ہردوار آئی

جمنا

وہ نگاہِ شرمگیں وہ عرضِ منت کے مزے
وہ سکوت افزا تبسم وہ محبت کے مزے

شوخیِ حسنِ جنوں زا مانعِ زنجیرِ شوق
نیچی گردن میں حمائل دستِ دامن گیرِ شوق

رازِ الفت کے وہ پیغامِ نہانی ہائے ہائے
سرگذشتِ دیدہ و دل کی کہانی ہائے ہائے

آہ جمنا اب کہاں وہ داستانِ حسن و عشق
نقشِ عبرت اب ہیں فرسودہ نشانِ حسن و عشق

آہ اے میری کتاب میرے بچپن کی رفیق
عالمِ طفلی سے ہو تم میری غمخوار و شفیق

نطق کے پھولوں یہ انداز رعنائی کہاں
یہ سکوتِ روح پرور یہ مسیحائی کہاں

تم غذائے روح ہو تم صیقلِ اخلاق ہو
صفحۂ دانش یہ گویا جدولِ اخلاق ہو

[illegible]

اے شمع اے حدیثِ سوزِ غمِ نہانی
بھاتی ہے دل کو تیری حسرت بھری کہانی

تیری طرح ہوں میں بھی سرگرم نوحہ خوانی
میرے نصیب میں بھی ہے سوزِ جاودانی

پروانگی تجھے دی قدرت نے سوزِ جاں کی
سینہ میں آگ رکھ دی میرے غمِ نہاں کی

راتوں کو جسطرح تو جلتی ہے انجمن میں
جلتا ہوں میں بھی یوں ہی سوزِ غمِ وطن میں

لپٹے ہوئے ہیں شعلے دونوں کے پیرہن میں
آتش بجاں ہیں دونوں اس محفلِ کہن میں

یعنی گدازِ الفت دونوں کے ہے دلوں میں
دونوں کی روشنی ہے دنیا کی محفلوں میں

اک کھیل امتحاں تھا سوزِ غمِ فنا کا
دونوں کو رفتہ رفتہ برقِ ازل نے تاکا

درماں نہ پا کے آخر اس دردِ لا دوا کا
دی تجھ کو آگ غم کی شعلہ مجھے فنا کا

تصویر کھینچ دیں دو سوزِ غمِ وطن کی
اک سوزِ انجمن کی اک سوزشِ وطن کی

شفق

سکوتِ شام میں ہے جلوۂ بہارِ شفق
کنول کے پھول ہیں یا زینتِ کنارِ شفق

خوشا وہ عالمِ طفلی خوشا وہ موسمِ گل
خوشا وہ دن کہ میں تھا محوِ انتظارِ شفق

کہاں وہ ذوقِ تماشا کہاں وہ ابرِ بہار
لہو کی بوند ہے اب دل میں یادگارِ شفق

کدھر گئی وہ گل افشانئِ عروسِ فلک
بہت دنوں سے ہوں حسرت کشِ بہارِ شفق

شباب بن کے ہیں طفلی کی نیند سو جاؤں
نسیم دے مجھے لوری لبِ کنارِ شفق

آہ او ننھے سے کیڑے نازشِ صحرا ہے تو
شعلہ زارِ حسن کی چھوٹی سی اک دنیا ہے تو

[illegible]

کچھ عجب عالم ہے تیرے حسن کے انداز کا
شرح ڈورا ہے کسی جنّتِ فسوں پرداز کا

گل بداماں ہے شفق میں شعلۂ تنویرِ حسن
خونِ عاشق یا زمیں پر ہے گریباں گیرِ حسن

جلوۂ گل سے ہے فضائے وادیِ پُرخار میں
سُرخ تکمہ ہے قبائے سبزۂ کہسار میں

محضرِ خونِ شہیداں ہے ترا دامانِ سُرخ
یا ہے خونِ کشتگانِ عشق کا عنوانِ سُرخ

سبزۂ کہسار نے یا لعل ہے اُگلا کوئی
چُن رہی ہے پھول یا دوشیزۂ رعنا کوئی

برف

زمیں پہ برفِ زمستاں ہے تا بزانو آہ
لبِ نسیم پہ ہیں نالہائے دلجو آہ

کہو کہ چرخ کا گھنٹہ ذرا سنبھل کے بجے
صدا ہو دل کی کلیجہ مسل مسل کے بجے

تمام سالِ گزشتہ ہوا دریغ دریغ
رفیق مجھسے ہوا اِک جدا دریغ دریغ

دل

پھولوں میں اے دل تجھکو چھپا کر
سورج کی کرنوں سے بچا کر

دن بھر تیری کی رکھوالی
تجھپہ کسی نے آنکھ نہ ڈالی

شام سے کیوں ہے مضطر سو جا
پھولوں کے بستر پہ سو جا

[illegible]

حسرت اے عنفوانِ برنائی
رخصت اے کاروانِ رعنائی

اے وہ سودائے خط و خال کہاں
نہ وہ ہم ہیں نہ وہ خود آرائی

گلِ رخساریوں ہے پژمردہ
جیسے کلیاں چمن میں مرجھائی

رحم اے موجِ رعشۂ پیری
اپنی کشتی بھنور میں چکرائی

روٹھکر چل دیا جو ہم سے شباب
اُف یہ کس کی ادا تجھے بھائی

حیف تیری نہ قدر کی ہم نے
کھو کے آئی سمجھ تو کیا آئی

یہ آخری گلاب کا ہے یادگار پھول
اور شاخ پر کھلا ہوا تنہا چمن یہ ہے

بیکس غریب فرقتِ احباب میں ملول
دُھندلا سا اِک چراغ سرِ انجمن یہ ہے

نوحہ سوامی رام تیرتھ

کون سا موتی ہے گنگا تیرے دامن میں نہاں
قطع ہے قامت پہ کسکے چادرِ آبِ رواں

حلقۂ گرداب ہی کیوں آہ چشمِ خوں فشاں
کسکے ماتم میں لبِ ساحل ہیں سرگرمِ فغاں

تیری موجوں نے یہ کسکو لے لیا آغوش میں
جوشش گریہ کا عالم ہے ترے سرجوش میں

منزل غور میں ہے ذرہ خلوت آرا کونسا
آشنا بحر حقیقت کا ہے ایسا کون سا
دوش بر دوش صدف ہے دُرِ یکتا کونسا
ہوگیا دریا میں دریا مل کے قطرا کونسا

صفا لٹ کر کون یہ بزم جہاں سے اٹھ گیا
شمع و پروانہ کا جھگڑا درمیاں سے اٹھ گیا

خلد سے ہے کسکے لینے کو قضا آئی ہوئی
ڈوبتی ہے کسکی کشتی آج چکرائی ہوئی
ساحل گنگا پہ ہے غم کی گھٹا چھائی ہوئی
موج قسمت کیطرح اک ہے بل کھائی ہوئی

آشنا دریا سے قطرہ کون سا ہو سکتا ہے
اشتیاق مہر میں شبنم فنا ہونے کو ہے

جاں نثار قوم ایسا غرق طوفاں آہ ہو
ایسا مجموعہ تصوف کا پریشاں آہ ہو
ایسا جانباز وطن آنکھوں سے پنہاں آہ ہو
بے چراغ اے قوم یوں تیرا شبستاں آہ ہو

داغ ہے تیرے جگر کا تیری منزل کا چراغ
بجھ کے ہوا پانی میں ٹھنڈا تیری محفل کا چراغ

آہ اک تشنہ لب ذوق تمنا ہائے ہائے
کھا کے طوفان حوادث کا تھپیڑا ہائے ہائے
ہو غریق رحمت حق۔ رام گنگا ہائے ہائے
تیری موجوں میں ہو گم اک دُرِ یکتا ہائے ہائے

ہائے اب کیا کہہ کے سمجھائیں دل ناکام کو
رم رہا ہے رام میں لائیں کہاں سے رام کو

سیتا جی کی گریہ وزاری

ہمراہ اپنے بن کو مجھے ناتھ لے چلو
رکھیا تمہارے چرنوں کی ہوں ساتھ لے چلو
نازک ہے میرا شیشۂ دل ٹوٹ جائیگا
چھوٹا تمہارا ساتھ تو جی چھوٹ جائے گا
قسمت نے جب سے باپ کے گھر سے کیا جدا
سوامی مجھے نہ تم نے نظر سے کیا جدا

پتلی کی طرح آنکھوں میں شام و سحر رہو
پہلو میں بن کے صبر و شکیب جگر رہے

ہمراہ بن کو ناتھ مری روح جائیگی
سایہ کی طرح ساتھ مری روح جائیگی

گھر میں جو چھوڑ جاؤ گے سیتا غریب کو
پاؤ گے بن سے آکے نہ جیتا غریب کو

شوہر بغیر قالب بیجان ہے آہ زن
شمع خموش خانۂ ویران ہے آہ زن

یوں ہی تمہارے ساتھ پھرونگی میں بن بن خوش
بھونرا کلی کلی پہ ہو جیسے چمن میں خوش

پتیا ہمر سمجھ کے درختوں کی چھال کو
آراستہ کروں گی قد نونہال کو

سبزہ بنا کے لائیگا بستر مرے لئے
جھولا جھلانے آئے گی صرصر مرے لئے

پلکوں سے راہ دشت کو جھاڑا کرونگی میں
داسی ہوں لیجلو مجھے سیوا کروں گی میں

نہ ہم نفس ہے نہ ہے کوئی غمگسار وطن
وطن کی یاد ہے غربت میں یادگار وطن

وطن سے لیکے صبا کچھ پیام آئی ہے
کہ آرہی ہے اڑائے ہوئے غبار وطن

زمیں پہ گر نہ پڑوں میں غریب غش کھا کر
سنبھال اٹھ کے مجھے درد انتظار وطن

پھولوں کا کنج دلکش بھارت میں اک بنائیں
حب وطن کے پودے اسمیں نئے لگائیں

خون جگر سے سینچیں ہر نخل آرزو کو
اشکوں سے بیل بوٹوں کی آبرو بڑھائیں

مل مل کے ہم ترانے حب وطن کے گائیں
بلبل ہیں جس چمن کے گیت اس چمن کے گائیں

سرور

سرور - سید کاظم حسین رضوی خلف سید ظفر علی حسن - آپ مہدی حسین خاں آباد لکھنوی کے تلامذہ میں سے تھے سنہ ۱۳۴۷ء میں زندہ و سلامت موجود تھے - فکر صائب اور ذہن عالی رکھتے تھے ایک دیوان اور رسالۂ علم قرات انکی تصنیف سے ہیں - کلام یہ ہے ؎

مر گیا دیکھ کے میں چاند سے رخ پر گیسو
منزل ملک عدم کے ہوئے رہبر گیسو

مشک نافہ بنا ہر ایک حباب دریا
ہاتھ سے اسنے نچوڑے جو نہا کر گیسو

ہم بھی مشتاق ہیں موسیٰ کی طرح جلوہ کے
رخ پر نور دکھاؤ تو اٹھا کر گیسو

ہوگیا طائر دل اپنا گرفتار سرور / دام کیطرح نظر آئے جو رُخ پر گیسو

سرور

سرور ۔ نواب محبوب علیخاں صاحب ۔ آپ حیدرآباد کے رؤسائے عظام سے ہیں فن شعر میں مہاراجہ سرکشن پرشاد کے شاگرد ہیں ۔ گو ابھی مشق سخن کم کی ہیں مگر آغاز شاعری میں اچھے اچھے شعر نکالتے ہیں ۔ طبیعت میں رسائی ذہن میں ذکاوت ہے ۔ کلام یہ ہے ؎

دوست بدظن کہ عدو برسرپیکار نہ تھا / لب مری چشم تمنا میں نہاں خار نہ تھا
سنبھالے تیغ وہ آتا ہے قاتل / نکل جائے گا تیرا حوصلہ دل
گالیوں سے بھی بدمزہ نہ ہوا / کیسی میٹھی ہیں یار کی باتیں
ہمیں پرزور چلتے ہیں یہ زاہد / ذرا مسجد سے کھنچے قبلہ رو ہو کر
وہ پہلو سے اٹھکر مرے کیا گیا ہے / کلیجا سا بیٹھا کوئی جل رہا ہے
ضبط نے میری شرم رکھ لی آج / دل کی بیتابی پردہ در نہ ہوئی
روز و شب عشق میں اسطرح گذاری ہم نے / دن کو تنکے چنے شب کو گنے پیارے تارے

سروش

سروش ۔ شیخ مراد علی مرحوم ۔ آپ حضرت ناسخ کے زمرۂ تلامذہ سے تھے کلام میں پختگی ہے ۔ معنی بندی اور صفائی زبان کے اعتبار سے متوسط درجہ کے شعرا میں تھے ایک غزل کے چند شعر درج کئے جاتے ہیں ؎

بچ گئے ابکے اگر عشق کے آزار سے ہم / دل لگا ئینگے نہ پھر ایسے ستمگار سے ہم
تیر کیوں مارتا ہے تیغ سے کر قتل ہمیں / عشق رکھتے ہیں فقط ابروئے خمدار سے ہم
ٹھنڈی سانسیں نہ بھریں گھڑی کیونکر اے دل / سخت جلتے ہیں تری گرمی بازار سے ہم
دل دیا جسکو سروش اپنا وہی دشمن ہے / رکھیں امید وفا کیا کسی دلدار سے ہم

سروش

سروش ۔ صاحبزادہ عبدالوہاب خاں نبیرۂ غلام محمد خاں والئی رامپور ۔ معاملہ اور زبان لکھتے تھے ۔ آپ فن سخن میں غالب و مومن کے شاگرد تھے ۔ خلیق ۔ بامروت ۔ ذی وجاہت اہل میں آپکا شمار تھا ۔ سنہ ۱۲۸۹ھ میں ۵۵ برس کی عمر تھی شعر خوب کہتے تھے طبیعت نرالی اور فکر عالی تھی

نمونۂ کلام یہ ہے ؎

شکلِ آئینہ جو خالق مجھے پیدا کرتا
وہ مجھے دیکھتے اور میں انہیں دیکھا کرتا

تھامتا دل کو کہ آنکھوں کو نہ روتے دیتا
ایک میں جھگڑے ہزاروں کہو کیا کیا کرتا

قتلِ عالم کو کیا ایک نظر میں تو نے
کون باقی ہے ستمگار جو پرساں ہوتا

ہیہات بیکلی سے وہ اب ہاتھ دلیہ ہے
رہتی تھی جسمیں انکی کلائی تمام رات

سرکا ذ سرا نیا مرے زانو پہ نہ رکھو
سو بھی رہو جا کر وہیں جاگے ہو جہاں رات

سریر۔ سید محمد عباس صاحب کا تاریخی نام منظور علی ہے۔ آپ میر رستم علی مرحوم کے فرزند ہیں اور سنہ ۱۳۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائے سن شعور سے شعر گوئی کا ذوق تھا۔ آپکے والد بھی قدیم روشش کے شاعر تھے۔ آغازِ سخن گوئی میں اپنا کلام حضرت شمشاد لکھنوی اور حضرت جلیل کو دکھاتے رہے۔ پھر حضرت شفق عماد پوری سے اصلاح لینے لگے آپکا دیوان مسمیٰ بہ نظم "دل فگار" مرتب ہو چکا ہے۔ زبان صاف اور بندش چست ہوتی ہے۔ تخئیل پاکیزہ۔ اور طرزِ بیان دلکش ہے۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

یوں تو ہونیکو کیا نہیں ہوتا
بے وفا باوفا نہیں ہوتا

حشر میں بھی وفا ترا وعدہ
دیکھیں ہوتا ہے یا نہیں ہوتا

جس کو چاہا وہی ہوا دشمن
آشنا۔ آشنا نہیں ہوتا

اے خضر حیات آپکی ہی موت سے بدتر
وہ بھی کوئی جینا ہے کہ مرنا نہیں ہوتا

دل دیکے پری زادوں سے مانگا نہیں جاتا
یہ قرض وہ ہے جسکا تقاضا نہیں ہوتا

ہے ہوائے دید سر میں انتظار آنکھوں میں ہے
دل تڑپتا ہے نظر بھی بیقرار آنکھوں میں ہے

ابر سر پر ہاتھ میں ساغر خمار آنکھوں میں ہے
چشم بد دور آج اے ساقی بہار آنکھوں میں ہے

سارے عالم کی نگاہوں میں پھرا کرتا ہے تو
ایک ہی صورت ہے تیری جو ہزار آنکھوں میں ہے

نشۂ عرفاں کی مستی کو تو اے زاہد نہ پوچھ
پی تھی وہ مے آج تک جسکا خمار آنکھوں میں ہے

نیند آئے تو جگہ پائے کہاں فرقت کی رات ؎ پانوں پھیلائے کسی کا انتظار آنکھوں میں ہے

عوض حوروں کے یارب وہ حسین مجھکو عنایت ہو ؎ نبھے گی خلد میں اچھی طرح انساں سے انساں کی

وہ بیکس ہوں مجھے صبح وطن کا لطف دیتی ہے ؎ سیاہی شام غربت کی اداسی دشت ویراں کی

حیا ہے پردہ والی آبرو اسکی خدا رکھے ؎ چھپی بیٹھی ہے چلمن ڈالکر آنکھوں میں مژگاں کی

سریر اک چشم جادو میں یہ چاروں جمع ہیں دیکھیں ؎ غضب چتون بلا غمزہ نگہ ترچھی ادا بانکی

سماں گور غریباں کا اداسی شمع تربت کی ؎ ہوں آنکھیں جسکی آکر دیکھ لے تصویر عبرت کی

مقدر ساتھ ساتھ اپنے مجھے رکھتا ہے چکر میں ؎ مرے پاؤں کو بھی گردش ملی ہے میری قسمت کی

ہم ہٹا سکتے نہیں زخم جگر سے پھاہا ؎ اے ستمگر تری بیداد کا پردا ہے یہی

خاک میں دل کو ملا کر وہ کسی کا کہنا ؎ ہم نہ کہتے تھے محبت کا نتیجہ ہے یہی

میں جو روتا ہوں تو ہنس ہنس کے وہ کہتے ہیں سریر ؎ وہ سزادار تجھے ہے مجھے زیبا ہے یہی

سریر

سریر ۔ کابری گیاوی ۔ صوبہ بہار کے نازک خیال شعرا میں سے ہیں تلمیذ امداد امام اثر عظیم آبادی ۔ رضا علی وحشت ۔ شفق رضوی عماد پوری نے انکو بلبل بہار کا لقب عطا کیا ہے نمونہ کلام یہ ہے ؎

برستے ہی رہے اشکوں کے باران دیدۂ تر سے ؎ ابلتے ہی رہے طوفاں پہ طوفاں اس سمندر سے

بہ فرط ناتوانی سے تن لاغر کا عالم ہے ؎ شکن بستر کی ہو لپٹی ہوئی جسطرح بستر سے

چمن سے خانۂ صیاد میں تقدیر لائی ہے ؎ خدا جانے کہاں لیجائیگی صیاد کے گھر سے

مزے آٹھوں پہر لیتا ہوں میں بیتابی دل کے ؎ کوئی رہ رہ کے گویا چھیڑتا ہے دلکو نشتر سے

کئے ہیں جرم بیحد جو نہیں سکتا حساب انکا ؎ کیا بیخوف مجھکو کثرت عصیاں نے محشر سے

غضب کی سادگی ہے بانکپن ہے کس قیامت کا ؎ ادا سمجھا دہی نکلی تری پھولوں کے زیور سے

یہ مطلب ہے کہ اب آنے نہ پائے نامہ بر کوئی ؎ سریر اسنے لکھا ہے مجھکو خط خون کبوتر سے

سریر

سریر ۔ منشی رحمت اللہ صاحب ۔ باشندۂ بنارس ۔ جناب رحمت بنارسی سے تلمذ ہے

پندرہ بیس برس سے شاعری کا شوق ہے۔ کلام میں آب و تاب اور ہر شعر نمونۂ شباب ہے زبان کی سادگی طبیعت کی جدت اور اختراع قابلِ تحسین ہے۔ انتخاب کلام یہ ہے ؎

فاش ہو جائے نہ کیوں رازِ نہانِ اہلِ درد	بن گیا غماز خود شور و فغانِ اہلِ درد
ٹھوکروں سے کیوں مٹاتا ہے ستمگر بار بار	اب بجز تربت نہیں کچھ بھی نشانِ اہلِ درد
تحمل چاہیے عشقِ صنم میں	سریرؔ اس درجہ گھبرانا ستم ہے
ترا کوسنا یار جاں بخش لب سے	مجھے زندگی کی دعا ہو رہا ہے
یہ ابتدائے محبت یہ نالہ و فریاد	سریرؔ تم سے اسی منہ سے عاشقی ہوگی

سطوت

سطوت۔ عالیجناب نواب محمد تقی علیخاں بہادر المخاطب نواب مجید الدولہ بہادر۔ آپ خلف حضرت محمد علی شاہ بادشاہ اودھ کے پوتے اور لکھنؤ کے وثیقہ دار امرا میں تھے۔ پہلے حضرت لطافت خلف امانت مرحوم سے اصلاح لیتے رہے۔ انکے انتقال کے بعد جناب فصاحت سے مشورۂ سخن فرمانے لگے۔ ذی علم اور صاحب استعداد شخص تھے۔ آپکے کلام میں جہاں تشبیہات کی زیبائش پُر تکلف استعارات کی آرائش ہے۔ وہاں بیساختہ پن اور سادگی بھی ہے معاملہ بندی اور حسن و عشق کے چوچلے نادر مضامین اور چست بندشیں حسنِ کلام کا زیور ہیں۔ دیوان چھپ گیا ہے اور اسکا انتخاب ہدیۂ ناظرین ہے ؎

جواب خط نہ لایا نامہ بر تو کچھ نہیں شکوہ	نکلنا ہی سلامت کوچۂ جاناں سے مشکل تھا
جو اے دل آنکھ سے آنسو نکل جاتا تو کیا ہوتا	یہ ساغر آبِ کوثر سے چھلک جاتا تو کیا ہوتا
وہ آئے تھے عیادت کو جو اُن سے بات کر لیتا	ذرا تو اے دلِ مضطر سنبھل جاتا تو کیا ہوتا
وہ مجھکو قتل کر کے زبان سے نہ کچھ کہیں	پر دل میں کہتے ہوں گے کہ یہ بے قصور تھا
بیکسی میں بھی رہی مہر و وفا میرے بعد	سلسلہ قطع محبت کا ہوا میرے بعد
ہیں وہ بلبل ہوں کہ گل چاک گریباں رہے	خاک اُڑاتی پھری گلشن میں صبا میرے بعد
نہ رہا عاشق و معشوق میں الفت کا مزا	اور ہی ہو گئی دنیا کی ہوا میرے بعد

شب کو پہلو سے اُٹھا جبکہ خفا تو ہو کر
لطف حاصل یہ ہوا عاشق گیسو ہو کر
یہ نزاکت ہی جو آئے مجھے بوسہ کا خیال
بس بس اے جوشش گریہ ٹھہرا سد رہ نہ بڑھ
پاؤں تھکتے ہیں کہ چل کوچۂ جاناں کی طرف
سارے ہاتھ پہونچنے لگے گریباں تک
ہجوم غم نے مرے ملک دل میں آکے کہا
ضد ہے ہم ہی ہوا کے جھونکوں کو
ساتھ چھوڑا دوستوں نے جب چلا سوئے عدم
صدا دیتے یہ ہم بازار الفت میں نکلتے ہیں
غبار اڑ اڑ کے میرا اُنکے دامن سے لپٹتا ہے
کسی نے گر مجھے پوچھا تو بولا ہنس کے قاتل
دہن کو اور زباں کو تیری اے دلبر سمجھتے ہیں
دست گستاخ مرے وصل میں ہٹتے جائیں
کاندھا دینا اگر اے یار نہیں ہے منظور
قتل کرتے ہو اگر منہ نہ پھراؤ صاحب
ہماری جاں نکلتی ہے یوں جوانی میں تو
خضر بھی انکے خط سبز پہ شیدا ہوتے
تو جو آیا ہے مرے ساتھ لئے سیر چمن
ہاتھ اک لگا دے اور یکہ قصہ تمام ہو
مٹا کے خاک کیا خاک کو کیا ہے یاد

حسرتیں دل کی ٹپکنے لگیں آنسو ہو کر
زخم دل میرے مہکنے لگے خوشبو ہو کر
رنگ اُسکے گل عارض کا اڑے بو ہو کر
دل مرا آنکھ سے بہ جائے نہ آنسو ہو کر
وحشت دل لئے جاتی ہے بیاباں کی طرف
جنوں کے دن آگئے فصل بہار کے نزدیک
خوشی نہ آئیگی اب اس دیار کے نزدیک
گل جو شمع مزار کرتے ہیں
راہ ایسی ہے کوئی ہمراہ چلتا ہی نہیں
کوئی معشوق سے بوسہ کو اپنا دل بدلتے ہیں
جو وہ گور غریباں کی طرف ہو کر نکلتے ہیں
سجدہ میں پاؤں پھیلائے ہوئے آرام کرتی ہیں
اسے کوثر تو اسکو ماہی کوثر سمجھتے ہیں
بے مزا گالیاں تم مجھکو سناتے جاؤ
ایک ٹھوکر ہی جنازے کو لگاتے جاؤ
اپنی صورت بھی تو عاشق کو دکھاتے جاؤ
بہار میں گل تازہ کی جیسے بو نکلے
لب جاں بخش پہ مرتے جو مسیحا ہوتے
دیکھ اشنائے گل و بلبل میں ہیں کیا کیا ہوتے
قاتل چلا ہے چھوٹ کے کیونکر ہم جائیں تجھے
فلک کو مجھ سے ابھی تک غبار باقی ہے

نکالے خوب وقت ذبح میں نے حوصلے دل کے
دہان زخم سے بوسے لئے شمشیر قاتل کے

دل سوزاں سے دم گریہ نہ کیوں نکلے آہ
آگ پانی سے جو بجھتی ہے دھواں ہوتا ہے

خوش نما اس مصحف عارض پہ ہے خط سیاہ
آنسو سی رحل کیا زیبا ہے قرآں کے لئے

شمع کہتی ہے کہیں غم ہو کہ شادی مجھکو کیا
ہر جگہ جاتی ہوں میں آنسو بہانیکے لئے

میں تو کوچہ میں تمہارے نالہ کش ہوں رات بھر
پاسباں بکتے ہیں ناحق غل مچانیکے لئے

بند آنکھیں ہیں نہیں کچھ ہوش ہے ہنگام ذبح
آئے اچھے وقت وہ صورت دکھانیکے لئے

دور ساغر میں کوئی جام جو مجھکو نہ ملا
ہنس کے ساقی نے کہا گردش قسمت تیری

جلانے کو ہمارے غیر کے اشک
کسی نے پونچھے اپنی آستیں سے

سعد سعد۔ منشی جوالانا تھ صاحب۔ آپ ریاست جیپور سے پنشن پاتے ہیں اور قانون گریان اجمیر کے منیب ہیں۔ باوجود پیرانہ سال ہونیکے شوخ طبع اور وارستہ ہیں۔ زبان صاف شستہ ہے۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

بھول کر بھی نہ گیا پھر وہ پئے دید چمن
جس نے کوچہ ترا اے رشک گلستاں دیکھا

آدمی کیا کہ فرشتے کو بھی اے آئینہ رو
تیرے اس حسن خدا داد کا حیراں دیکھا

وصل میں غم پڑ گیا اُس کی حیا کو دیکھکر
پڑ گئی دل میں گرہ بند قبا کو دیکھکر

تھام کر دل اپنا دنگ تھے سب اہل بزم
یار تیری دلربائی کی ادا کو دیکھکر

گرم صحبت دختر رز سے نہ کیوں ہو آج سعد
صبر کب ممکن ہے زاہد اس گھٹا کو دیکھکر

حیا کا کام کیا کھل کھیل لے شوخ
دم خلوت ہی تو ہے اور میں ہوں

جلے دشمن نہ کیونکر رشک سے سعد
مرے گھر شمع رو ہے اور میں ہوں

سعدی سعدی۔ آپ احمد آباد گجرات کے رہنے والے اور شاہ پیران کے خاندان سے مشہور تھے۔ شیخ عبداللہ کرمانی کے بیٹے۔ شیخ عنایت اللہ سے تحصیل علم کی اور انہیں سے شعر و سخن میں استفادہ حاصل کیا۔ بعض تذکرہ نگار غلط فہمی سے نظم اردو کی تاریخ میں انکو پہلا ریختہ گو

بتاتے ہیں۔ آپ اپنے کلام کو شیخ سعدی شیرازی سے بہتر جانتے تھے اور اسی بنا پر سعدی تخلص اختیار کیا تھا۔ مولنا نساخ اپنے تذکرہ میں انکو ولی دکنی کا ہمعصر قرار دیتے ہیں مگر تاریخ اور واقعات اسکی تائید کو تیار نہیں ہیں۔ خزینۂ علوم کا مصنف لکھتا ہے کہ آپکی وفات کو چار سو برس کا زمانہ گذرا۔ شیخ قیام الدین قایم مخزن نکات میں تحریر فرماتے ہیں کہ سعدی شیرازی نے دکن کے سفر میں دکھنی زبان میں کچھ شعر کہے تھے۔ شاہ کمال الدین حسین اور میرزا رفیع سودا نے قایم کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔ صاحب تذکرۂ شمیم سخن رقم طراز ہیں کہ سعدی دکھنی امیر خسرو کا ہم عہد تھا اگر اسے درست سمجھا جائے تو کیا عجب ہی کہ سعدیٔ شیرازی ہی ہوں۔ مولانا حالی حیاتِ سعدی میں لکھتے ہیں کہ بعض اشخاص مشہور درسی کتاب "بوستاں" کو بھی سعدیٔ ہندی کیطرف منسوب کرتے ہیں "کریما" درسی کتاب جو مشرق میں تمام بچوں کو پڑہائی جاتی ہی اسکے متعلق فصحائے ایران کا خیال ہی کہ یہ شیخ جیسے باکمال کی نہیں ہوسکتی کسی دوسرے سعدی کی ہوگی بعض لوگ اسے سعدی دکھنی کا نتیجۂ فکر بتاتے ہیں۔ کیا عجب ہی کہ ایسا ہو کیونکہ آپ اُردو کم اور فارسی بیشتر لکھتے تھے۔ اسی شبہ میں ایرانی مطابع نے کلیات شیخ کے ساتھ "کریما" کو شامل نہیں کیا ہے۔ آپ نے سو برس سے زاید کی عمر پائی۔ کلام کی بہت جستجو کیگئی۔ قدیم تذکروں کی ورق گردانی کے بعد تذکرہ شوق سے دو شعر دستیاب ہوئے ہیں جو یہ ہیں ؎

ہمنا تمن کو دل دیا تم نے لیا اور دکھ دیا
تم یہ کیا ہم وہ کیا ایسی بھلی یہ ریت ہے

سعدی غزل انگیختہ شیر و شکر آمیختہ
در ریختہ در ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہی

سعادت

سعادت۔ جناب شاہ سعادت مند خانصاحب رئیس آنولہ۔ اعتصام الدولہ کے شاگرد تھے۔ یہ دو شعر انکے ہیں ؎

بادۂ عشق کا سرور ہے غم
اور اس مے کا ہے خمار افسوس

پاس مایوس قبر عاشق پر
نوحہ گر ہے بصد ہزار افسوس

سعادت

سعادت۔ منشی سعادت علی۔ امروہہ ضلع مراداآباد کے باشندے تھے۔ مگر اکبرآباد میں سکونت

اختیار کرلی تھی۔ سراج الدین علیخاں آرزو اور شاہ آبرو کے ہمعصروں میں تھے۔ آپ دوراول کے خوش گو شاعروں میں نامور تھے۔ کلام دل آویز تھا۔ دو شعر جو ملے ہیں۔ درج کئے جاتے ہیں ؎

کس سے پوچھوں دل ہوا ہے گم مرا زلفوں میں رات
مثل آئینہ سادہ رویوں کی

اک وہاں مشاطہ تھی شوخی میں ڈالے تھی ہاتھ
منہ ہی دیکھے کی آشنائی ہے

سعادت — شیخ سعادت علی۔ آپ معنی شناسان لکھنؤ سے ہیں حضرت حکیم خلف اسیر لکھنوی سے تلمذ ہے۔ طبیعت مضمون طراز۔ ذہن کی رسائی دور تک ہے۔ یہ کلام ہے۔

دوزخ میں جاتے جاتے سوئے خلد جا پڑے
اپنا سے روزگار یہ کیونکر ہوا عتاد

رحمت نے اسکی گھیر لیا آکے راہ میں
یوسف کو بھائیوں نے گرایا تھا چاہ میں

سعادت — راجہ سید سعادت علی خاں رئیس سنہیر پور ضلع دربھنگہ۔ آپکے مورث اعلیٰ شیخ ابو سعید خاں شاہجہاں کے وقت میں دلی سے بہار آئے تھے۔ اور ایک بڑی جاگیر بطور آل تمغہ بادشاہی خیرخواہیوں کے صلہ میں پائی۔ آپکے والد بابو اقبال علیخاں بنگالہ میں مشہور شیرافگن تھے اور چونکہ انکا علاقہ نیپال کی ترائی سے ملحق ہے اسلئے اُن کو اپنے شوق کی تکمیل کا اچھا موقع ملا ہے۔ جناب سعادت ایام نابالغی میں وارث ریاست ہوئے۔ اور آٹھ برس تک انگریزی۔ فارسی۔ اُردو میں باقاعدہ تعلیم پائی۔ آپ وجیہہ۔ خلیق۔ خوش رو نوجوان ہیں۔ اور شکار کے از بس دلدادہ ہیں۔ اور دیگر علوم و فنون میں بھی آپکی معلومات قابل قدر ہیں۔ سید مہدی حسن خاں شاد رئیس رسولپور کی بڑی صاحبزادی انکے عقد میں ہیں۔ مولوی ابوالخیر صاحب نیر دربھنگوی تلمیذ حضرت داغ دہلوی جو بانکی پور میں اخبار الپنچ کے اڈیٹر تھے عرصہ تک آپکی مصاحبت میں رہ چکے ہیں۔ اور انہیں کی معرفت لکھنؤ میں آپکا دیوان شائع ہوا ہے۔ پہلے حضرت حفیظ جونپوری کو اپنا کلام دکھایا۔ پھر جناب داغ کے شاگرد ہوئے زمانہ شباب سنہ ۱۹۰۲ء میں جب آپکی عمر ۲۵ برس کی تھی۔ آپ لکھنؤ تشریف لیگئے تھے۔ اور وہاں کئی ماہ مقیم رہے۔ شب کو اہل کما

و شعرا کا مجمع گرد رہتا تھا۔

آپکے کلام سے پختگی اور کہنہ مشقی کا اظہار ہوتا ہے۔ زبان صاف ستھری خیالات عاشقانہ رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ آپنے اپنے اُستاد کے رنگ کو خوب نبھاہا ہے۔ غزلیں تشبیہات۔ رعایات لفظی کے گورکھدہندے سے پاک ہیں۔ فرسودہ مضامین بھی نئے لباس میں جلوہ گر ہیں طبع عشق آشنا رکھتے ہیں۔ کلام کا انتخاب یہ ہے

سوال وصل پہ کچھ غور کی ضرورت ہے
جواب آج نہیں کل ہی سو چکر کہنا

کبھی جو ضد ہمیں آئی تو پھر بُرا ہو گا
لپٹ پڑینگے نہ مانو گے تم اگر کہنا

کبھی شراب کبھی حور کا بیاں واعظ
یہ کیسی بات ہے انصاف سے مگر کہنا

چارہ گر عشق کو کہتا ہے جنوں
اس سے بڑھکر خفقاں کیا ہو گا

اب زمانہ میں سعادت اُستاد
داغ سا سحر بیاں کیا ہو گا

کھول دو تم زلف وہ اٹھی گھٹا
سامنا ہو تو بھرے پانی گھٹا

کھول دو جوڑے کو وقت میکشی
خوب ایسے میں مزا دیگی گھٹا

بزم میں اُنکے نہ پائے دور جام
مے چلے جب تک ہو ساقی گھٹا

مل گئی جسدن کبھی اچھی شراب
توبہ توڑی اور فوراً پی شراب

ہو گیا نشۂ جوانی کا ہرن
آگ تھی اب ہو گئی پانی شراب

زندگانی کا بھروسا ہو چکا
اب صراحی میں نہیں باقی شراب

پیتے ہیں زاہد بھی چھپ چھپکر اب
ہو گئی ہے اسلئے مہنگی شراب

قربان اُسکی شان کریمی کے جائیے
محشر میں یہ سزا جو کریں ہم قصور آج

اے دل تجھے نہ دینگے پہلو میں اب جگہ ہم
تجکو تو ہے بھروسا دشمن کی دوستی پر

اک دل ہزار صدمے یہ عشق وہ بلا ہے
اللہ کیا بنی ہے الفت میں اپنے جی پر

ادھر کس سے ہوا امیدِ وفا داری کی
کہ پرایا ہوا دل بھی مرا اپنا ہو کر

یا خدا چشم کرم اپنے سعادت پہ رہے
وہ کہاں جائے کہ سر جائے تمہارا ہو کر

خدا کو یاد کر اے دل خدا کو
بتوں کی یاد ہے ایمان کب تک

یہ شرم ہی کہ چراتے ہیں آئینہ سے نگاہ
یہ سادگی کہ پہنتے نہیں ہیں زیور تک

وہ مہرباں تھے تو دنیا تھی مہرباں مجھ پر
پھری جو آنکھ نگہ پھر گیا مقدر تک

جناب شیخ سے بڑھکر بھی پارسا ہی کوئی
کہ آپ پی نہیں سکتے شراب کوثر تک

یادگارِ زمانہ تھے جو لوگ
قبر بھی اُن کی یادگار نہیں

ہاں ابھی کہدے ترے لبوں کے نثار
ہو چکی ہے ہزار بار نہیں

جذر و مد بحرِ محبت کا نہ پوچھ
ابھی قطرہ ابھی دریا ہوں میں

رہ کے دنیا میں نہیں دنیا میں
کس قدر تارک دنیا ہوں میں

کیا پوچھتے ہو اُس صنمِ دلربا کا نام
لیتے ہیں لوگ لاکھ طرح سے خدا کا نام

گھر آیا ابر ہوتے ہی سامان میکشی
پہلے بھی آسماں پہ کہیں تھا گھٹا کا نام

ظرف کوتاہ ہیں جتنے وہ چھلک جاتے ہیں
تھوڑی سی پینے سے بھی کم ظرف بہک جاتی ہیں

کہیں حُسن والوں کو دل دے بھی ڈالو
بغل میں سعادت نہ یہ روگ پالو

پرتوِ حسن سے چمکا دے مری قسمت کو
اک نظر دیکھ لے او چاند سی صورت والے

دل کا آنا موت کا پیغام ہے
عشق کا آغاز ہی انجام ہے

کہتے ہیں تم خواب میں آئے تھے رات
یہ نئی تہمت نیا الزام ہے

چھوڑو شب وصل ہاتھا پائی
دوسری ہو جائیگی کلائی

چھوڑا نہ حجاب وصل کی شب
آنچل جو ہٹا تو لی دولائی

کچھ بھید ہے جب تو ان تعجب کا
کلمہ پڑھنے لگی خدائی

ہم نے وفا کا نام لیا وہ خفا ہوئے
سمجھے کہ یہ بھی ایک مرے مبتلا ہوئے

کتنا بڑھا دیا ہے مری چاہ نے انہیں
انسان سے وہ بُت ہوئے بت سے خدا ہوئے

قصۂ عیش گذشتہ کیا کہوں
اب نظر آتے نہیں وہ خواب بھی

کچھ پسیجا وہ ستم ایجاد بھی
موم نالوں سے ہوا فولاد بھی

لے رہی ہے دل جگر میں چٹکیاں
چھیڑتی رہتی ہے اسکی یاد بھی

بے اثر آہ سحر ہو یہ غلط ہے لیکن
اسکی تاثیر ذرا دیر طلب ہوتی ہے

نہ کہیں مشورۂ غیر تو یہ بات ہے اور
ورنہ ہمکو خبر ان باتوں کی سب ہوتی ہے

چادر گل چڑھا گیا کوئی
اب بجز پردہ بیکسی نہ رہی

اس طرف وہ ادھر اجل آئی
آج کیا کیا کشاکشی نہ رہی

زال دنیا کی کیا سعادت فکر
بیسوا ہے رہی رہی نہ رہی

غافل کل کی خبر ہے کسکو
کرنا ہے تو آج کر بھلائی

گھٹ رہا ہے نزع کی سختی سے دم
آپ آجائیں تو بیڑا پار ہے

کیا جانئے روز محشر انجام کار کیا ہو
دنیا میں اس لئے اب حوروں کی جستجو ہے

دو دن کی زندگی میں اکتا گیا دم اپنا
اے خضر تمکو کیونکر جینے کی آرزو ہے

ذبح کرکے آپ جاتے ہیں کہاں
لوٹنے کا بھی تماشا دیکھئے

دل طلب کرتے ہیں یوں گویا ہے قرض
حسن والوں کا تقاضا دیکھئے

دل میں حسرت وصال کی نہ رہی
بند شیشہ میں یہ پری نہ رہی

مئے تسنیم کی تو ہے کیا بات
میکدہ کی بھی کچھ بری نہ رہی

گیا شباب خیال شباب باقی ہے
مٹا سرور خمار شراب باقی ہے

ہوس جدا ہو سیہ کاریوں کی شیخ سے کیا
ابھی تو ریش پہ رنگ خضاب باقی ہے

گھٹا ہے ہوا ہے چلے دور ساقی
اب ایسے میں تقوے کا دعویٰ ہی کیا ہے

دنیا میں رہ کے زاہد کیا لطف اٹھائی تو نے
اے مردہ دل جو تجھکو جنت کی آرزو ہے

علاج اس دکھ کا کرتے ہیں مسیحا ہم نہ مانینگے
محبت کا مرض ہوتا ہی اچھا ہم نہ مانینگے

سعادت اسکو کیا کہئے ہمارا یہ عقیدہ ہے امیر و داغ سے شاعر ہوا اچھا ہم نہ مانینگے

سعید - چودہری محمد سعید الدین رئیس اعظم کھیڑہ نواح بدایوں - ولد چودہری تفضل حسین مرحوم آپ بدایوں کے جاگیرداروں میں ممتاز اور وہاں کے رؤسا میں سرفراز تھے - ۲۰ ہزار سالانہ کے معافی دار تھے - دہلی کلکتہ مختلف مقامات کی سیر کی تھی - آپ کو فن زراعت سے خاص طور پر دلچسپی تھی - اور اپنے ضلع میں سالانہ زراعتی نمایش کی بنیاد ڈالی - فن شعر گوئی میں پہلے مولوی دلدار علی مذاق مغفور کے سامنے زانوئے تلمذ تہ فرمایا پھر مولوی راشد علی ضیا مرحوم تلمیذ حضرت منیر کے شاگرد ہوئے - مسدس زراعت - دیوان نعتیہ اور چند کتابیں انکی تصنیف سے ہیں - ۵۰ برس کی عمر پاکر سنہ ۱۸۹۰ء میں وفات پائی - چودہری صلاح الدین صاحب جو انکے خلف اصغر ہیں انہوں نے ایک شاندار بزم مشاعرہ کا انعقاد کیا تھا جسمیں دہلی و لکھنؤ کے جید شعرا مدعو کئے گئے تھے - مرثیہ گوئی میں میر نفیس کے شاگرد تھے - زبان میں متانت اور سنجیدگی تھی - نہایت علم دوست اور شعرا کے قدردان تھے - کلام یہ ہے -

مرے مزار پہ کیا کیا نہ بیکسی چھائی ہوا نہ بعد مرے کوئی نوحہ خواں میرا
آغوش خالی کر گئے تم کیا غضب کیا اب تک تو زخم بھی مرے دل کا بھرا نہ تھا
اک تغافل ہے ترا لاکھ جفا سے بہتر فکر ایجاد ستم ہے ستم ایجاد عبث
اک خلق منتظر ہے تری جلوہ گاہ میں تار نگاہ صرف ہوئے فرش راہ میں
ملنے کا انکے فکر نہ ملنے کا اسکے ذکر کچھ مشغلہ فراق میں اس کے سوا نہیں
پیری میں چہچہے ہیں جوانی کے واہ واہ فصل خزاں میں نغمۂ فصل بہار ہے

سعید - خواجہ محمد سعید - فارسی شعر گوئی میں اچھی استعداد تھی - قدرت اللہ شوق کے زمانہ میں زندہ تھے - انہیں کے تذکرہ سے یہ دو شعر درج کئے جاتے ہیں -

گڑ گیا یار خجالت سے زمیں میں شمشاد اس ادا سے جو تجھے باغ میں چلتے دیکھا
عشق آشوب جہاں آفت جاں ہے یارو یہ بلا جسکو لگی پھر نہ سنبھلتے دیکھا

سعید

سعید - مداح آل مصطفیٰ ذاکر شہید کربلا - میرزا جعفر حسین ابن میرزا کاظم علیخاں لکھنوی آپ حضرت نفیس کے شاگرد تھے - فارسی میں کامل استعداد تھی - سعید کے نانا میرزا جانصاحب اور دادا امداد علیخاں رسالدار شاہی رہ چکے ہیں - حضرت سعید کا ذریعۂ معاش کتابت تھا محنت اور جانفشانی سے چالیس پچاس روپیہ ماہوار پیدا کر لیتے تھے - معنی آفریں تیز فکر عالی خیال شاعر تھے - عاشقانہ رنگ میں شعر کہنا معیوب سمجھتے تھے - جو کچھ انکا کلام موجود ہے - وہ سب منقبت میں ہے - مذہبًا شیعہ تھے - مراثی سلام - رباعیات - نوحہ جات وغیرہ سے دیوان مملو ہے - کلام میں شستگی اور صفائی کے سوا مرثیہ گوئی کے وہ رموز بھی ہیں جن پر خاندان انیس کو ناز ہے - قدرت کا مرقع کھینچنے - گھوڑے اور تلوار کی تعریف بیان کرنے میں اپنے استاد کے نقش قدم پر چلتے ہیں اور انہیں ٹکسالی محاورات کا استعمال کرتے ہیں جو بیان میں جوش اور معنی میں زور پیدا کر دیتے ہیں - سلام میں نئی نئی زمینیں نکالی ہیں سنگلاخ زمینوں میں بہترین شعر کہے ہیں - راقم تذکرہ کے کتبخانہ میں انکا قلمی دیوان موجود ہے جس کا انتخاب نذر ناظرین کیا جاتا ہے ؎

سلامی جب شہ بیکس کا میں نے نام لیا
تو دل مرا ید قدرت سے حق نے تھام لیا

جو قصد مدح سر زلف شاہ دیں آیا
تو ہم نے ہر بن مو سے زباں کا کام لیا

جو چاہتے تو زمیں آسماں الٹ جاتے
کہاں حسین نے اصغر کا انتقام لیا

آیا جو حر حمیاہ سعادت پناہ میں
ہو کر گرہ شام سے باغ دوستاں جدا

حوریں تھیں اشتیاق سے ہر اولیں بیقرار
باغ جناں کی کھولے ہوئے کھڑکیاں جدا

اک سوزدل رحمت باری کیوا سطے
کھولے ملائکہ نے در آسماں جدا

لینے کو اس طرف سے امام امم بڑھے
جھپٹے ادھر صفوں سے حسینی جواں جدا

چومے الگ سینہ ہوئے ہاتھ اقربا نے واہ
انصار نے لئے قدم مہماں جدا

بچوں نے بارگاہ خدا میں اٹھائے ہاتھ
صرف دعا تھے مرد جدا بیبیاں جدا

جس کو یہ یہاں کی خاطر عزیز تھی
اس کے وطن سے کر کے اسے الاماں جدا

کوفہ کی سرزمیں میں بلایا لعینوں نے
اس سے کئے عزیز جدا آب و ناں جدا

آخر کو چڑھ کے سینۂ زخمی پہ ہائے ہائے
گردن سے کر دیا سرِ شاہِ زماں جدا

سر کٹ گیا تو لاش کو پامال کر دیا
مٹی جدا تھی تن پہ سموں کے نشاں جدا

چھوڑا زمیں پہ لاش کو خود کوچ کر گئے
سچ ہے کہیں جہاں سے یہ مہمانیاں جدا

طرزِ سخن ہر اک کا نرالا ہے اے سعید
سچ ہے کہ ہر بشر کے ہے منہ میں زباں جدا

عکس سے جب سبز پرچم کے بڑھی توقیرِ موج
خضر کے پائے نظر میں پڑ گئی زنجیرِ موج

پیاس میں آئی نظر جب گردشِ تقدیرِ موج
مجرئی عباس کے دل پر چلی شمشیرِ موج

غرق آبِ اشکِ غم میں شہ کے یوں سجاد تھے
جسم لاغر صاف تھا آئینۂ تصویرِ موج

سرخ روئی ہے غمِ شاہ میں حق جو ہو کر
مجرئی خونِ جگر بہتا ہے آنسو ہو کر

کیا صفا شاہ کے تلوار کی ہو مجھ سے بیاں
ڈھال کے پھولوں سے جاتی نکل بو ہو کر

تیغِ شبیر کا "دم خم" تھا نیا واہ کہ غضب
منہ پہ چڑھتی تھی وہ رو داروں کے ابرو ہو کر

بولے عباس کہ پانی جو پیوں بے شہ کے
نکلے فوراً وہ گلے سے مرے اچھو ہو کر

زلف کے عشق میں ہے عارضِ اکبر کا خیال
ہو گئی صبح نمایاں شبِ گیسو ہو کر

کس گھڑی نکلے تھے گھر سے ہائے ہائے
پھر نہ آئے شہ مدینے کی طرف

شاہ کے باعث ہی یوں نورِ سحر رنگِ شفق
پرتوِ رو عکسِ خوں۔ نورِ سحر رنگِ شفق

سیر گردوں روپ گر ہر دن بدلتا ہی نہیں
ہے سیاہ و سرخ کیوں۔ نورِ سحر رنگِ شفق

سرخ لب روشن بیاں ہیں جو چکے شاہ کے
شرم سے ہے سرنگوں نورِ سحر رنگِ شفق

جلوۂ رنگِ طبیعت خوب دکھلایا سعید
دیکھنے لکھتے ہیں یوں نورِ سحر رنگِ شفق

نہیں اشکوں سے کیسے تر گریباں آستیں دامن
سلامی ہیں یہ پرگوہر گریباں آستیں دامن

علی کی تیغ جب رختِ حیاتِ اہلِ کیں کاٹے
تو ہر کافر کے ہوں سِتر گریباں آستیں دامن

غمِ شہ میں مرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہے جگر ٹکڑے
سلامت رہ سکیں کیونکر گریباں آستیں دامن

نمایاں چاند ہو جس دم محرم کے زمانہ میں
تو ہوں مثلِ کتاں گھر گھر گریباں آستیں دامن

خوفِ علمدار سے چھپ گئے یوں سنگدل
جیسے کہ ہو تہ نشیں پڑتے ہی سنگ آب میں

مشکِ سکینہ سے جب پانی بہا ہائے غضب
شرم سے تھیں مچھلیاں زیست سے تنگ آب میں

گر غضبِ بوتراب ہو سبب انقلاب
دشت میں جائیں نہنگ آئیں پلنگ آب میں

پانی میں ڈالا نہ منہ گھوڑے نے عباس کے
مردم آبی ہوئے دیکھ کے دنگ آب میں

طرح غزل پر سلام ہے یہ سعید اپنا کلام
اور کا ہو لا کلام قافیہ تنگ آب میں

فیضِ آبِ دہنِ شاہِ رسل کے باعث
شور تھا ہو گیا اک بات میں میٹھا پانی

رنگ روئے شہ دیں کا جو پڑا باغ میں عکس
مصحفِ گل پہ پھرا دم میں سنہرا پانی

آب تیغ شہ مرداں سے زمیں کے نیچے
منزل قبر عدو ہو گئی کالا پانی

رباعی (۱)

دن جاگنے کو رات ہے سونیکے لئے
سر ٹیکنے کو جسم ہے بچھونے کے لئے

صرفہ نہ کریں عزائے شہ میں مردم
آنکھیں دی ہیں خدا نے رونیکے لئے

عاشور ہے کل آج خبر ہے اسکی
کس کا آرام اور راحت کس کی

یہ شب وہی شب ہے اے محبانِ حسین
شمع ایماں بجھی سحر کو جس کی

مخمس

اے جلوہ معنی مہر تاباں کو خجل کر
اے صاف بیاں مہر درخشاں کو خجل کر

اے دُرِّ سخن بارشِ نیساں کو خجل کر
اے شمعِ زباں شمع شبستاں خجل کر

مشتاقِ لقا گرد ہی پھرتے نظر آئیں
پروانہ صفت جمع ہیں وہ گرتے نظر آئیں

اے حسنِ بیاں اور ہی کچھ ڈھنگ دکھا دے
مانی متحیر ہو وہ ارژنگ دکھا دے

اے تیغ زباں نظمِ صفِ جنگ دکھا دے
آئے جو مقابل اُسے جو رنگ دکھا دے

قبضہ میں ترے جوہر شمشیر زنی ہے

تو پنج تنی پنج تنی پنج تنی ہے

یاں برق شرربار تڑپ کر نکل آئی — شمشیر علی میان سے باہر نکل آئی
بل کرتی ہوئی صورت اژدر نکل آئی — دکھلاتی ہوئی زہر کے جوہر نکل آئی
قائم تھے جو صف میں وہ پرے ہوگئے موڑی
کچھ زہر سے کچھ ڈر سے ہرے ہوگئے موڑی

اس صف کو ڈبویا کبھی اس صف کو جلایا — پانی تھا کہیں آگ کہیں تیغ کا سایا
پھل کثرت جوہر سے جو پھولا نہ سمایا — خوشبو کی طرح ڈھال کے پھولوں میں در آیا
تاثیر خزاں باغ شجاعت میں عیاں تھی
سوفار کے غنچے نہ ہری شاخ کماں تھی

مرثیہ حضرت قاسم علیہ السلام

عطر عروس پانی کی جا ہے دوات میں — رنگینی نظم میں ہے کہ دولھا برات میں
شکر فشانیاں ہیں حروف و نکات میں — شاخیں قلم نکالتا ہے بات بات میں
شیرینی زباں سے حلاوت ہے زیست کی
گویا کہ ہر صریر سے لذت ہے زیست کی

گوہر فشاں مدحت لعل حسن ہوں میں — مصروف زیب و زین عروس سخن ہوں میں
اب تازگی سے ذاکر حال کہن ہوں میں — شمع زباں سے زینت بزم دہن ہوں میں
جلوہ ہے صاف صاف فیض حضور کا
"باتوں کا جھاڑ" جھاڑ بنا ہے بلور کا

باندھا جو سہرا تار شعاعی کا مہر نے — شادی رچائی روئے زمیں پر سپہر نے
جلوے دکھائے شاہد فیروزہ چہر نے — کی ذرہ پروری دل گرداں کی مہر نے
کافور رنگ روئے شب تار ہو گیا

صفحہ زمیں کا مطلع انوار ہو گیا

وہ بلبلوں کی زمزمہ پردازیاں کہیں
آپس میں چھیڑ چھاڑ کہیں گل بازیاں کہیں
قمری و فاختہ کی خوش آوازیاں کہیں
شمشاد و سرو کی وہ سرافرازیاں کہیں
کیونکر نہ دل شگفتہ ہوں ہر پاکباز کے
باہم معاملات تھے راز و نیاز کے

ہتیار سج کے حضرت ابن حسن چلے
تیغ مثال خسرو خیبر شکن چلے
خیمے میں چھوڑی آپ نے تازہ دلہن چلے
کوثر کی تھی یہ چاہ کہ تشنہ دہن چلے
رخصت ملی کہ جلوۂ امید ہو گیا
چہرہ خوشی سے غیرت خورشید ہو گیا

دیکھا ہر اک شریر کو خیر الورا کی طرح
نیزہ سنبھالا غیظ میں خیبر کشا کی طرح
پڑھنے لگے رجز حسن مجتبےٰ کی طرح
غربت برس رہی تھی شہ کربلا کی طرح
تودہ جو ریگ کا تھا وہ ہم سنگ طور تھا
چاروں خدا کے نور کا یک جا ظہور تھا

لیکر کمانیں فوج سے مانند تیر آئے
دو پیش و پس تو راست و چپ و شریر آئے
چاروں قریب قاسم گردوں سریر آئے
نامرد نزد ابن شہ قلعہ گیر آئے
حیران ہوئے وہ خوش یہ پسر حسن ہوا
گویا کہ چار آئینہ زیب بدن ہوا

اے تیغ خامہ برق کے جوہر دکھا مجھے
انداز ضرب حیدر صفدر دکھا مجھے
خوں ریزیاں جنگ کے سراسر دکھا مجھے
دو ٹکڑے چار حد کو برابر دکھا مجھے
کیسی زباں ہیں تیز ہیں کیسی حسر یہ ہے
غل ہو کہ ذوالفقار جناب امیر ہے

اونچا کیا جو تیغ کو اُس دیں پناہ نے
دیکھے کمند کے کئی حلقے سپاہ نے
حسرت سے ہاتھ مل لئے اُس روسیاہ نے
حملہ کیا جھپٹ کے جگر بند شاہ نے
دامِ اجل میں آکے شقی گرد ہو گیا
تلوار کی جو آنچ لگی سرد ہو گیا

لشکر کے ہوش اڑ گئے ازرق کے سر کیساتھ
ٹکڑے اُڑے لعین کے دلکے جگر کیساتھ
روحِ علی و روحِ حسن تھی پسر کے ساتھ
شاباش کہتے تھے اُدھر اکبر نبی پدر کیساتھ
عباس داد دینے کو بڑھ بڑھ کر آتے تھے
تسلیم کر کے ابنِ حسن مسکراتے تھے

ازرق کے ساتھیوں نے کئی پھر جھپٹ کے وار
رد کے بھی اور دکھائے بھی غازی نے ڈٹ کے وار
کیونکر بچائے ایک ہزاروں کے غٹ کے وار
نیزے کا کھایا دلیہ پیکا یک پلٹ کے وار
دولھا کی جان کیسی مصیبت میں پڑ گئی
ہے ہے بنی بنائی لڑائی بگڑ گئی

واللہ لے سعید یہ فیضِ نفیس ہے
تائیدِ روحِ پاکِ جنابِ انیس ہے
کیا تیرے مرثیئے کی عبارت سلیس ہے
جو نقطہ ہے وہ ملکِ سخن کا رئیس ہے
ایک ایک سطر سلکِ جواہر سے کم نہیں
یہ وہ رقم ہے جس سے کچھ اعلیٰ رقم نہیں

ہیں حنا سے بنے قاسم کے جو احمر ناخن
رنگ دکھلاتے ہیں خوبی کے مقرر ناخن
کہتے ہیں دیکھ کے سب صاحبِ جوہر ناخن
لعل و یاقوت ہیں مہندی سے سراسر ناخن
پہلے تھا غیرتِ الماس و گہر ہر ناخن

دیکھکر پنجۂ ضرغامِ علی کی صولت
کا دشِ شستہ سے فق شامیوں کی ہے رنگت
ناخنِ شیر صفت نشتر نما و صفت
چھیلتے ہیں جگر زخمیِ اہلِ حسرت

آئینہ کہتے تو رکھتے ہیں یہ جوہر ناخن

ہائے کسکو تھی اس افتاد کی دنیا میں خبر — کہ گرینگے شہ دیں گھوڑے سے کٹ جائیگا سر
کہتے تھے طفلی میں سب دیکھ کے قدِ سرور — گردن گاوزمیں آئے گی زیرِ خنجر

گر تڑپنے میں گرے روئے زمیں پر ناخن

بولے اعدا سے یہ بر بسم شہ والا ہوکر — دین کو کھوتے ہو تم طالبِ دنیا ہوکر
دیکھو کیا ہوگئے شاہانِ جہاں کیا ہوکر — نامور خاک میں پنہاں ہوئے پیدا ہوکر

مٹ گئے نقش درم نقشِ کفِ پا ہوکر

شب عاشورہ سکینہ نے یہ زینب سے کہا — رات کو آنکھ نہ جھپکی ہے نہ آئے بابا
شام سے کیا کہوں اے خواہرِ شاہ دوسرا — تاسحر اُس رخِ روشن کا تصور نہ گیا

شب کو خورشید رہا آنکھ کا تارا ہوکر

پوچھا عابد سے کسی شخص نے اے قبلۂ کل — ہجر میں اصغر و اکبر کے گئے آپ تو گھل
رو کے کہنے لگا غنچہ دہنِ ختمِ رسل — چل بسے طائرِ نکہت کی طرح غیرتِ گل

چمنِ دہر میں ہم رہ گئے کانٹا ہوکر

سعید سعید۔ مولوی سید ابوالقاسم لکھنوی۔ آپ خاندانِ اجتہاد سے ہیں۔ مولوی محمد مصطفی خورشید مرحوم لکھنوی کے شاگرد اور برادرِ عم زاد ہیں۔ علم عروض و معانی سے واقف ہیں۔ طبیعت سلجھی ہوئی ہے۔ خیالات متین۔ بندش میں صفائی ہے۔ اندازِ بیان تکلف سے بری ہے۔ کلام یہ ہے۔

بیکسوں پر ظلم کیوں کرتا ہے سوچ انجام کار — ایک دن تو بھی فنا اے آسماں ہوجائیگا
ناتوانی کوچۂ جاناں میں رہنے کی نہیں — پھر ہر اک جا کے جنت میں جواں ہوجائیگا
دلیں کہتے ہیں یہ حسرت سے اسیرانِ کہن — اب نہ چھوٹینگے قفس ہی آشیاں ہوجائیگا
شبِ فراق کی حالت پہ ہر شکن ہے گواہ — تڑپ تڑپ کے گذاری ہے رات بستر پر
نہ ہوگا کم کسی صورت سے دردِ عاشق کا — اب اس مریض کو بس چھوڑ دو مقدر پر

کریم بھیجدے جنت میں یا کہ دوزخ میں　　گناہ ہوں مرے ظاہر نہ اہل محشر پر

سعید — سعید طالع۔ خان محمد سعید خاں۔ دلی میں رہتے تھے۔ جوانی کے عالم میں شاہزادہ دارا شکوہ کے بھائی مراد بخش کی سرکار میں ملازم ہوئے۔ جب شاہجہاں بیمار ہوئے اور عنان سلطنت دارا شکوہ کے ہاتھ میں آئی تو اس موقعہ پر آپنے فارسی قصیدہ لکھکر فصاحت اور بلاغت کے دریا بہادئے جس کے صلہ میں دربار شاہی سے خطاب "خانی" و خلعت فاخرہ مرحمت ہوا۔ فارسی میں سعید اور اردو میں سعید طالع تخلص کرتے تھے۔ یہ غزل اُسی زمانہ کی کہی ہوئی معلوم ہوتی ہے جب دارا شکوہ کے ملازم تھے۔ شاید جامۂ دارائی سے دارا شکوہ کی ملازمت و خرقۂ اطاعت مراد ہے۔ ولی دکنی سے بہت پیشتر گذرے ہیں ؎

چھوڑ صیاد مجھے اب تو بہار آئی ہے　　حسرت سیر چمن جی میں رہی جاتی ہے
مت تصور کرو مجھکو کہ یہ ہرجائی ہے　　جلوۂ حسن پری رو کا تماشائی ہے
کوئی دنیا میں نہیں اور مقام عاشق　　گوشۂ زلف ہے یا گوشۂ تنہائی ہے
گل رخاں کیوں نہ کہیں مجھکو سعید طالع　　اس قدر بر میں مرے جامۂ دارائی ہے

سعید — سعید۔ جناب نوروز علی صاحب لکھنوی۔ خوشگو۔ نازک طبع شاعر ہیں۔ مگر متروکات کے پابند نہیں "لیکن" جیسے الفاظ کو جائز سمجھتے ہیں۔ پھر بھی زبان اور طریقہ بیان میں کسی قدر دل آویزی ہے۔ آپ حضرت رفیع لکھنوی کے شاگرد ہیں۔ فکر کی رنگینی یہ ہے ؎

بہار آئی نسیم گل سے ہر اک "کیاری" مہک رہی ہے　　تمام شاخیں ہری بھری ہیں چمن میں بلبل چہک رہی ہے
کبھی ہے ابرو کی یاد میں جاں کبھی ہے دلکو خیال مژگاں　　جگر پہ وہ تیغ چل رہی ہے سناں دل میں کھٹک رہی ہے
سعید وصلت نہیں ہے راضی کیا ہے میں نے انہیں ولیکن　　کہیں نہ بھڑکا دیں غیر انکو یہ بات دل میں کھٹک رہی ہے

سعید — سعید۔ منشی محمد سعید صاحب بلگرامی۔ آپکو ابتدائے عمر سے شعر گوئی کا چسکا ہے۔ اب ۳۰ سال کی عمر ہے۔ اپنے خسر چودھری عبد الصمد صاحب تعلقہ دار گوپامؤ کے دولت خانہ پر مشاعرہ کرتے ہیں اور وہیں رہتے ہیں۔ سیدھی سادھی زبان میں صاف شعر کہتے ہیں۔ اپنے ہم زلف حضرت

قسمت سندیلوی سے مشورۂ سخن رکھتے ہیں۔ کلام یہ ہے

ستم کرتا ہے دل جانِ حزیں پر
ہمارا صبر پڑتا ہے ہمیں پر
قفس ہی کو گلستاں جانتے ہیں
یہیں پیدا ہوئے نکلے یہیں پر

روح تو ہر جسم میں ہے بیوفائی کے لئے
کس خدائی سے وفا آئی خدائی کے لئے
میں رقیبوں کی بُرائی تم سے کیوں کرنے لگا
وہ کہیں مجھکو بُرا اپنی بھلائی کے لئے
تم رہے دشمن کے گھر فرقت ہمارے گھر رہی
وصل کے تم نے مزے ہم نے جدائی کے لئے
ہم سے اچھے ہوں تو ہم جانیں کہ ہاں اچھے ہیں وہ
پھر ہمیں کیا۔ گر وہ اچھے ہیں خدائی کے لئے

سعید۔ سید سعادت علی خلف سید مہر علی۔ آپ اکبرآباد کے باشندہ تھے۔ میرزا حاتم علی مہر سے تلمذ تھا۔ عہدۂ قضا انکے خاندان میں عرصہ دراز سے چلا آتا ہے۔ آگرہ میں شاعری کی نشوونما ہوئی۔ مولف تذکرہ شعر و سخن کے مشاعروں میں شریک ہوتے رہے ۱۲۸۶ھ میں انکی عمر ۴۲ سال کی تھی۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ کسی زمانہ میں مدرسی کا شغل بھی تھا۔ فسانہ گلدستہ نثر۔ گلزار سعادت۔ ذخیرۂ سعادت جیسی کتابیں اور کلیات سعید انکی یادگار ہے۔ آگرہ میں انکے شاگردوں کی کثرت تھی۔ شعرگوئی میں مشاق تھے طبیعت منجھی ہوئی اور زبان میں سلاست تھی۔ کلام یہ ہے

یار بن آنکھوں میں اپنے خار ہے گل باغ میں
سینۂ نمک پاشِ جراحت نشترِ بلبل باغ میں
حضرتِ نوح سے کہدو کہ سنبھالیں کشتی
آج طوفان کی خبر دیدۂ تر دیتے ہیں
اک اشارہ پہ اُس ابرو کے کٹے مرتے ہیں
ایک شمشیر ہے اور سینکڑوں سر دیتے ہیں
سب کے نزدیک وہی جانِ جہاں رہتا ہے
دل میں موجود ہے آنکھوں میں نہاں رہتا ہے
قصلو ہو رسب نکتہ نوازی سے جدا ٹھیرے
کبھی جو حمد میں اک نقطہ مقبولِ خدا ٹھیرے
پری وش اپنے دیوانہ کو در سے کیوں اٹھاتا ہے
کہ تیرے زیرِ سایہ یہ سہارا پاکے آ ٹھیرے
تری وصلیز کو سلطان سریر سلطنت سمجھے
ترے دیوار کے سایہ تلے آکر ہما ٹھیرے

چھپائے عارضِ تاباں کیا اندھیر زلفوں نے	غضب ہے نور کے چشمے پہ ظلمات جا ٹھہرے

سعید

سعید۔ شیخ محمد فدا حسین صاحب۔ آپ لکھنؤ کے ساکن ہیں۔ جناب حکیم لکھنوی کے حلقہ تلامذہ میں ۳۰ برس سے داخل ہیں۔ رنگِ کلام پختہ ہے۔ الفاظ کی بوقلمونی اور مضامین کی رنگا رنگی سے سخن میں آب و رنگ اور تکلف پیدا کرتے ہیں۔ لکھنؤ کے قدیم رنگ میں خاصہ کہتے ہیں۔ کلام یہ ہے ؎

جا کر بنا فلک پہ قدح آفتاب کا	ساغر جو اس نے پی کے اچھالا شراب کا
ساقی پلا شراب ہے شب بھر کی چاندنی	بے آفتاب لطف نہیں ماہتاب کا
کندہ ہو جس کے نگینِ دل میں تو اے نقشِ فقر	نام کو دیکھے نہ وہ مہرِ سلیماں کی طرف
حق نے ادنیٰ کو کیا محتاج اعلیٰ خلق میں	پھر گدا کیوں ہاتھ پھیلائے نہ سلطاں کی طرف
جھگڑے ہزاروں بیچ میں جان اور تن کے ہیں	کیا شعبدے ترے نگہِ سحر فن کے ہیں
اک دن دکھا دو اپنے رخِ تازہ کی بہار	نازاں چمن میں پھول بہت نسترن کے ہیں
مطلب نہ کفر سے ہے نہ اسلام سے غرض	ہم دوست شیخ کے نہ عدو برہمن کے ہیں
گلدستۂ بہشت نہ رضواں سے مول لو	پژمردہ چند پھول تمہارے چمن کے ہیں
ضد ایک دوسرے کی ہے گلزارِ دہر میں	خنداں ہیں پھول مرغ خوش الحاں چمن کے ہیں
نازاں نہ ہو بہار پہ گل کھلتی ہے خزاں	دو چار روز اور یہ جلوے چمن کے ہیں
رائج ہیں نقدِ داغ ترے خوب ہی سعید	سکے دلوں پہ بیٹھے ہوئے اس چلن کے ہیں
دل کے مسی قدر رکھوئیں دانت کی	وہ بھلا میرے کو تسلیم کیا کریں

سعید

سعید۔ کلن صاحب لکھنوی۔ ۲۵ برس کا عرصہ ہوا میرزا سلیمان قدر لکھنوی کے ہاں لازم تھے۔ انہیں کے مشاعرے کے کلام کا خلاصہ درج ہے ؎

بری معلوم ہوتی ہے صدائے نغمۂ بلبل	مگر اب تک تری آواز کانوں سے نہیں نکلی
نہ آتے ہجر کی شب وہ اگر تو موت آ جاتی	نہ ایسی کوئی صورت آئے دلِ اندوہگیں نکلی

امیدِ وصل پر اب تک مریضِ ہجر زندہ ہیں
غضب ہے جائیگا منہ سے تمہارے گر نہیں نکلی

ہمارے حلق پر کس لطف سے خنجر پھرایا ہے
رگِ جاں سے بھی اے قاتل صدائے آفریں نکلی

کھلی رہ جائینگی آنکھیں لحد میں بعد مرنیکے
کہ وقتِ نزع بھی دیدار کی حسرت نہیں نکلی

نہ جینے جی ملی راحت نہ مرکر چین پاتے ہیں
عدو جب تھا ہما را چرخ اب دشمن زمیں نکلی

سعید

سعید۔ محمد کرامت علی ساکن ریاست جیپور۔ فارسی میں منشی عالم اور انگریزی میں میٹرک پاس ہیں۔ آجکل کیکڑی ضلع اجمیر میں اینگلو اسکول ہیڈ مولوی ہیں۔ پہلے ریاست کشن گڑھ میں ملازم تھے فن شعر میں حضرت قتیل بھرسری کے شاگرد ہیں۔ عمر تقریباً ۴۰ سال ہے۔ کلام کا انتخاب حسب ذیل ہے۔

طالبِ خنجر جو کوئی سخت جاں ہو جائے گا
زورِ بازو کا تمہارے امتحاں ہو جائے گا

میں وہ غم کش ہوں ریاضِ دہر میں اے عندلیب
جو مرے نالے سنے گا نوحہ خواں ہو جائے گا

گر رہا قائم خیالِ اتحاد و اتفاق
تفرقوں سے پاک سب ہندوستاں ہو جائے گا

دل لگی کو خط کتابت یار نے کی تھی شروع
کیا خبر تھی اس قدر کاغذ گراں ہو جائے گا

سازو برگِ زندگی حضرتِ انساں سعید
کیا گراں ہو ہو کے بالکل بے نشاں ہو جائے گا

زلف کافر نے بھلا رکھا ہے سب کچھ ہمکو
ہم تو محروم بھی رہ کر یہ دعا دیتے ہیں

اک تری یاد ہے اللہ کرے یاد رہے
کہ سدا میکدہ ساقی ترا آباد رہے

سعید

سعید۔ مولوی محمد سعید صاحب ۱۹۱۶ء میں مقام بلیا کے سب رجسٹرار تھے۔ حضرت فائز بنارسی کے شاگرد ہیں۔ کلام کا انتخاب یہ ہے

پرضیا عشق کے جلوے سے ہے مدفن کیسا
کام آیا ہے خیالِ رخِ روشن کیسا

وہ یہ کہتے ہیں جو کہتا ہوں چلو گھر میرے
آپ ہی میں جو نہیں آپ تو مسکن کیسا

پرتوِ گل سے ہوئی سنج چمن میں قمری
رنگ لائی ہے پری سنگے یہ جوگن کیسا

میں نے مانا کہ غلط ہے خبرِ قتل سعید
پھر ہے آلودۂ خوں آپکا دامن کیسا

سعید

سعید۔ سید سعید احمد صاحب خیرآبادی حضرت ریاض کے برادر زادہ ہیں طبیعت چلبلی

اور شوخ ہے۔ کلام سے مستی اور ذوق شباب کا رنگ نمایاں ہے حضرت وسیم کے شاگرد ہیں۔ انتخاب یہ ہے ؎

چہرہ اُتر رہا ہے عروسِ بہار کا — کیا ہو گیا وصال کسی بادہ خوار کا
سے پہلے یادِ حق سے یہ غافل نہیں رہا — عالی ہے ظرف شیخ تہجد گزار کا
دامن سے اپنے پوچھ رہے ہیں وہ میرا اشک — ممنون ہوں میں گریۂ بے اختیار کا
ہو غسل کو گلاب کفن برگِ گل کا ہو — سایہ میں برگِ گل کے ہو مرقد مزار کا
گریاں وہ مجھکو دیکھ کے کہتے ہیں اے سعید — دھوکا ہے تیری آنکھ پر ابر بہار کا
ہائے دل جس کو لہو ہم نے پلا کر پالا — اُسکو ہوتے ہوئے پیوند زمیں دیکھ لیا

سعید

سعید۔ منشی محمد سعید صاحب رئیس کیامئی۔ آپ نواح بمبئی کے طبیعت دار سخنوروں میں سے ہیں حضرت تجمل جلالپوری سے تلمذ ہے۔ زبان دل نشیں ہے سوچ سمجھکر شعر کہتے ہیں اور انداز بیان میں سادگی ہوتی ہے۔ کلام یہ ہے ؎

وہ بت اس قدر خود نما ہو گیا — سمجھنے لگا میں خدا ہو گیا
ہوئے پہلے یاد آئی ساقی کی آنکھ — خمارِ محبت سوا ہو گیا

کس طرح ہو گی تباہ اے شامِ ہجر یارِ صبح — صبح سے بیزار ہوں میں مجھسے ہی بیزار صبح
ل مرے بخت سیہ کا نہ گیا پر نہ گیا — تیرے گیسو تو سنورتے ہیں پریشاں ہو کر
تنگ آئے ہیں ہم گردشِ تقدیر سے لیکن — جائیں گے کہاں چرخ کے چکر سے نکل کر
باقی ہے وہی شرم و حیا آج بھی اُن کی — ہیں دور کھڑے مجمعِ محشر سے نکل کر
پاسِ عدو تو دیکھئے مجھکو قریب دیکھکر — آنکھ بدل کے بیوفا کہنے لگا الگ الگ
یوں ہی خدا کرے کہ ہو غیر بھی تیری بزم سے — جیسے قبولیت سے ہے میری دعا الگ الگ
کچھ چھیڑ چھاڑ اور ہنسی دل لگی رہے — پتلے بنو نہ وصل میں شرم و حیا کے تم
بوسہ جو اُنکے گیسوئے مشکیں کا لے لیا — بولے وہ ناز سے کہ نڈر ہو بلا کے تم

سب کو عمرِ جاوداں درکار ہے
جستجوئے آبِ حیواں کیا کریں

سامنے وادیٔ محشر کے کسی کا کہنا
محفلِ عام میں رسوا نہ کرو تم مجھکو

نقدِ دل لیکے تعرض ہے یہ اچھا اُن کا
دلربا کہکے پکارا نہ کرو تم مجھکو

ہجر میں یار کے دشوار ہے جینا مجکو
ایک ایک پل ہوا ایک ایک مہینا مجکو

آج ہی ملئے نہ اتنا غیر سے
کچھ تو رکھئے عید کے دن کے لئے

سمتِ دوزخ کی جو محشر میں گنہگار چلے
روک کر راہ کھڑی ہوگئی رحمت تیری

چھیڑ کر کہتے ہیں وہ ملتے ہیں جب
کیوں نظر آتے ہو تم بیمار سے

چاہیئے اے شیخ پیری میں ضرور
مئے مفید از حد ہے اس سن کیلئے

ہوئے جب تنگ ہم سوزِ جگر سے
لگی دل کی بجھائی چشمِ تر سے

کیوں خرامِ نازِ جاناں کی وہ شیدائی ہوئی
بارہا کی ہے۔ قیامت ٹھوکریں کھائی ہوئی

سعید

سعید ۔ شمس العلماء مولانا محمد سعید قدس سرہٗ۔ آپ سنہ ۱۲۳۲ھ میں پیدا ہوئے ہیں ؎

روزِ شنبہ بود روزِ مولدم
سالِ میلادم بداں صافی ضمیر

آپنے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے پائی۔ پھر تکمیل علوم کیلئے کانپور و لکھنؤ کا سفر اختیار کیا۔ مولانا شاہ سلامت اللہ کانپوری اور مولانا مفتی ظہور اللہ عطا فرنگی محلی کے درس سے فیض یاب ہوئے اور وہیں دستار فضیلت بندھی سنہ ۱۲۶۲ھ میں حج کیلئے روانہ ہوئے اور حرمین شریفین کے مشہور علماء محدثین سے سندِ اجازت علم حدیث حاصل کی۔ آپ عظیم آباد پٹنہ کے بڑے عالم اور باکمال رئیس نامور تھے۔ صاحب ثروت ہوکر بھی درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے اکثر لوگ آپ سے مستفیض ہوئے ہیں۔ انتقال سے چند سال پیشتر گورنمنٹ عالیہ نے آپکو شمس العلماء کا خطاب دیا تھا سنہ ۱۳۰۵ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار محلہ مغلپورہ عظیم آباد میں ہے۔ اُردو و فارسی دونوں زبانوں میں فکرِ سخن کرتے تھے۔ فارسی میں آپکا تخلص حسرت اور اُردو میں سعید تھا "قسطاس البلاغت" اور تتمہ کلیات موسوم بہ مقصدِ بلاغت شایع ہوچکا ہے۔ غزلیات میں عالمِ عرفان کی واردات۔ دنیا کی

بے ثباتی تصوف اور معرفت کا ذائقہ ہے - چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں ؎

رہا محروم میں بھی خوبیِ تقدیر سے ورنہ ‌ ‌ لٹی دولت درِ دولت سرائے یار کیا کیا

اُس تیر نگاہ کا ہدف ہو ‌ ‌ کیا تیرا جگر سعیدؔ تو کیا

یہ دولت فقر کی کچھ کم نہیں ہے ‌ ‌ اگر دنیا نہیں کچھ غم نہیں ہے

فرشتہ ہے جو عصیاں سے بری ہے ‌ ‌ نہ ہو جس سے گنہ آدم نہیں ہے

ہیں ابر و برق کیوں خنداں و گریاں ‌ ‌ غم و شادی اگر توام نہیں ہے

نہیں وہ دل نہ ہو جس میں غم عشق ‌ ‌ نہیں وہ چشم جو پُر نم نہیں ہے

کعبہ کنشت مسجد و میخانہ صومعہ ‌ ‌ دکھلائے شوق یار نے کیا کیا مکاں مجھے

سعید **سعید** - مولوی سعید الدین عثمانی خلف مولوی شرف عرف نیاہ علی - آپ بنارس کے باشندے ہیں وہیں مختار عدالت ہیں - عربی - فارسی کی استعداد اچھی ہے انگریزی بھی جانتے ہیں اوائل عمری سے شاعری کا مذاق جزو طبیعت ہو گیا ہے - آپ نے چودہ سال کی عمر میں ایک مسدس لکھا جو بنارس کی دنیائے شاعری میں مقبول ہوا - آپ ۱۲۷۵ھ میں پیدا ہوئے تھے -

فارسی اُردو قصائد لکھنے میں مشاق ہیں پیغمبر اسلام کی سوانح عمری بھی نظم کر چکے ہیں تصوف سے طبیعت کو لگاؤ ہے بعض شعر اتنا بلیغ اور بلند کہتے ہیں کہ معنی شکوہِ الفاظ کی نقاب میں چھپ جاتے ہیں - یا دوسرے پیرایہ میں یوں کہئے کہ شعر کے معنی آپکے ذہن مبارک میں رہتے ہیں - بہرحال آپ خاندانی شاعر ہیں حضرت امیر مینائی مرحوم سے مل چکے ہیں اور اُن سے اپنے کلام کی داد پا چکے ہیں ترتیب تذکرہ کے ہنگام میں ایک طول طویل رسالہ حالات و کلام کا موصول ہوا جس کا انتخاب درج کیا جاتا ہے ؎

رباعی

نابود تھا جس نے ابتدا کو دیکھا ‌ ‌ اور بود ہوا جو انتہا کو دیکھا

قائل ہمہ دست کا جو ہے حسن خیال ‌ ‌ سجدہ کیا بت میں جب خدا کو دیکھا

طلسم سبزۂ خط نور جاں ہے روئے روشن کا ‌ ‌ فروغِ بالِ طوطی آئینہ ہے مرغ گلشن کا

فلک فانوس روشن ہے کسی شمع مدفن کا — صبا کافی نہ تھا شاید سہارا تیرے دامن کا
خود طعنہ زنی کرتی ہے تدبیر بگڑ کر — کیا بن پڑے بد رہ جائے جو تقدیر بگڑ کر
جب سے سجدا کھو کے خودی انپہ فدا ہوں — خود مجھکو یہ معلوم نہیں کون ہوں کیا ہوں
سامانِ توکل ہے مجھے عظمتِ شاہی — دریوزہ گر نقش حصیر فقرا ہوں
آنسوؤں سے اس قدر آنکھوں نے سینچا نخلِ غم — ساغر نرگس میں باقی بوند بھر پانی نہیں
سعید اک شمع کافوری دم سرد اپنا روشن ہے — جلایا آہ کے شعلہ سے تارِ رشتۂ جاں کو
کتنے پیوند زمیں ہو گئے عزت والے — بے نشاں ہیں جو کہے جاتے تھے نوبت والے
ٹپکے جو آنسو کا قطرہ لعلِ لب کی یاد میں — تا بداماں گوہرِ احمر بنے اور ٹوٹ جائے
دل ہمارا تو نے اے بت پارہ پارہ کر دیا — سخت حیرت ہے خدا کا گھر بنے اور ٹوٹ جائے
اُن کے ملنے کی خبر پا کے بھی دھڑکا نہ گیا — وعدۂ وصل تو ہے رات مگر چھوٹی ہے
بارہا آج سے ہے بوجہ پس پشت نگاہ — آپ جھجکیں نہیں یہ سانپ نہیں چوٹی ہے

سفلی

سفلی ۔ عنایت خاں عرف کالے خاں ظریف ۔ بدلہ سنج ۔ لطیفہ گو شاعر تھے ۔ ہزل گویان ملک میں انکا نام نکلا ہوا ہے ۔ آگرہ کے باشندے تھے اور عرائض نویسی سے بسر اوقات کرتے تھے بڑے حاضر جواب تھے حُسن مذاق کا یہ عالم تھا کہ پھلجھڑی کی طرح منہ سے پھول جھڑتے تھے ۔ ظرافت اور حاضر جوابی نے انکو راجہ بلوان سنگھ کاشی کے دربار تک پہنچا دیا تھا ۔ مولوی نیاز علی پریشاں نے جو آگرہ میں سنہ ۱۲۸۶ھ میں مشاعرے کئے انمیں شریک تھے اور اسوقت انکی عمر ۴۰ برس کی تھی ۔ تنگدستی کے باوجود اپنی زندہ دلی کو قایم رکھا ۔ میرزا حاتم علی مہر اکبر آبادی سے تلمذ تھا ظریفانہ رنگ میں بات نکالتے تھے ۔ عرصہ تک انکا کلام اودھ پنچ ۔ آگرہ پنچ ۔ گلدستۂ دامن بہار میں شایع ہوتا رہا ہے سنہ ۱۸۹۰ع میں انتقال کیا ۔ ایک دیوان غیر مطبوعہ مرتب کیا تھا خدا جانے مرنیکے بعد اسکا کیا حشر ہوا ۔ کچھ اشعار جو ہاتھ آئے ہیں مندرجہ ذیل ہیں ۔

واہ وا رے ملک الموت تیری باریکی — گھس گیا ناک میں نمرود کے مچھر بنکر

مشوق بچہ زادے سقلی خدا بچائے | کیا انتشار ہوتا ہے کل پل کو دیکھ کر
ہیں اپنی ناتوانی پہ روتا ہوں اس لئے | اب لوگ دیکھتے مجھے عینک لگا کے ہیں
بادہ پیوں کہاں سے میں فصل بہار میں | نقدی تھی جسقدر وہ گئی سب اُدھار میں
انگور تر میں ہے نہ وہ لذت انار میں | منعم عجب ہے مزا مری میٹھی جوار میں
اے گل ترے فراق میں کانٹا سا ہو گیا | مجھ سے زیادہ پوچھ لے پھولوں کے ہار میں
عروضی خردہ گیر شاعرانِ باصفا ٹھہرے | وہابی جسطرح سے عیب جوئے اولیا ٹھہرے
کہا کرتے ہیں فاسق میکشوں کو حضرتِ زاہد | بڑی داڑھی بڑھا کر بیٹھے اک پارسا ٹھہرے
نکالو گھر سے ایسی چوٹی ماما کا کالا منہ | کہ چکلے پر نہ بیلن اور نہ چولھے پر توا ٹھہرے
کریں اشراف کیا فرمائے اس قحط سالی میں | نہیں لتّا بدن پر اور پاپوش قبا ٹھہرے
چڑھاؤ گل مرے مرقد پہ اے گل اندام و | یہ اپنے گل گلے لیجاؤ زین خاں کے لئے
بتاؤ مجھکو بھنگیڑ و کدھر گئے میکش | بھٹکتا پھرتا ہوں میں اپنے کارواں کیلئے
آیا صاحب کے میم کے مس کے | دل اٹھاؤں میں ناز کس کس کے

سفیر۔ مولانا حافظ شاہ محمد سفیر الحق۔ آپ پھلواری ملک بنگال کے شرفائے نامی سے تھے۔ عالم فاضل قاری ہونیکے سوا۔ تصوف اور معرفت میں یکتائے روزگار تھے۔ ارباب سلوک اور مریدان باصفا اکثر کشف و کرامات کو آپکی طرف منسوب کرتے ہیں۔ شاعری میں اپنے وقت کے طوطیٔ بنگالہ تھے ہمیشہ انکے ارد گرد شاگردوں کا مجمع رہتا تھا۔

ابتدا میں امجد علیشاہ بادشاہ لکھنؤ کی سرکار میں کسی معزز عہدہ پر ممتاز ہوئے۔ شاہی فرمایش سے آپنے ایک مثنوی "نصیب نامہ" کے نام سے فارسی زبان میں کہی جو تقریباً ہزار شعر کے ہوگی۔ علم حساب میں یدطولیٰ حاصل تھا۔ اور رسالہ "تسہیل الحساب" آپ کی تالیف ہے۔ خواجہ وزیر برق آفتاب الدولہ قلق کے دوستوں میں تھے اور وہ انکے زہد علم و فضل کیوجہ سے بڑی عزت کرتے تھے۔ ۲۰ شعبان سنہ ۱۲۷۷ھ میں تلاوت قرآن مجید کرتے ہوئے آپکی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ ایک

دیوان فارسی کا اور ایک دیوان اُردو کا اُنکی یادگار ہے۔ جو مولانا تمنا صاحب کے پاس ہے۔ فارسی کلام میں صوفیانہ جذبات خوب ادا کرتے تھے۔ اردو میں۔ سادگی۔ صفائی زبان۔ آئینہ بیان کا جوہر تھا۔ کلام یہ ہے ؎

جو سر ہے تو دورانِ سر بھی رہیگا ۔۔۔ جگر ہے تو دردِ جگر بھی رہے گا
یہیں بیٹھا بیٹھا ہیں گذرونگا جی سے ۔۔۔ حضر بھی رہے گا سفر بھی رہے گا
وہ دل جسکو ہم کعبہ سمجھے ہوئے ہیں ۔۔۔ کبھی ایک کافر کا گھر بھی رہے گا
ذرا حسر تو۔ کچھ جگہ دیں چھوڑو ۔۔۔ یہیں انکا تیرِ نظر بھی رہے گا
صبا مت سنا موسمِ گل کی باتیں ۔۔۔ ارے اُن دنوں بال و پر بھی رہے گا
جہاں تیرے کوچہ میں لاکھوں پڑے ہیں ۔۔۔ سفیر ایسا شوریدہ سر بھی رہے گا

حوادث ملے عالم میں مجال نہ دن کٹ ہے ۔۔۔ دکھاتی رہتی ہے تقدیر کیا کیا دیکھتے رہئے
یہی جی چاہتا ہے خیر باد اے عقل و دیں کہکر ۔۔۔ فقط بیٹھے ہوئے چہرہ انتہا را دیکھتے رہئے
سفیر اس کے سوا اس دور میں چارہ نہیں کوئی ۔۔۔ کہ چالیں کس طرح چلتی ہے دنیا دیکھتے رہئے

سفیر

سفیر۔ خواجہ بادشاہ سفیر خلف و شاگرد خواجہ وزیر مرحوم لکھنوی۔ قابل باپ کے بیٹے تھے۔ مگر فلک بے مہر کی کج ادائی نے نشو و نما کا موقعہ ندیا۔ زمانہ کے انقلاب سے ہمیشہ پریشان رہے لکھنو کی علمی و ادبی صحبتیں درہم برہم ہوجانے سے انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کرلی تھی نہایت خاموشی سے زندگی گذارتے تھے۔ دوستوں کے اصرار سے مشاعروں میں کبھی کبھی شریک ہوتے تھے۔ مزاج میں تکبر و غرور چھو بھی نہ گیا تھا مگر خود داری میں اپنے باپ کے قدم بقدم چلتے تھے۔ لوگوں کے احسانات سے بچتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے شاعری کو اپنا ذریعہ معاش نہ بنایا اور دیگر اساتذہ کی طرح شاگردی کے سلسلہ میں تلامذہ سے کچھ وصول نہ کیا۔ رؤسائے ملیح آباد انکے قدر دان تھے ناقدری ہائے زمانہ سے دل شکستہ ہوکر اپنا بہت سا کلام ضایع کر دیا۔ اپنے چوٹی کے شعر بھی دوسروں کو دیدیئے۔ اب جو کچھ گلدستوں میں یا تذکروں میں انکے نام سے اشعار نظر آتے ہیں وہ ۔

"اُستاد زادہ" ہونیکے درجہ سے بہت کم ہیں اپنے کلام میں دنیا کے انقلاب کی تصویر خوب کھینچتے تھے۔ ایک مثنوی موسوم بہ "گلشنِ عشق" مطبوعہ موجود ہے سنہ ۱۲۹۰ھ میں زندہ تھے۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

اے فلک غم کہاں تلک کھائیں ۔ بھر گیا بھر گیا ہمارا پیٹ
دیکھ لینگی جو برگِ گل سے لب ۔ بلبلیں دینگی جاں ہونٹوں پر
کیا کوئی اُن لبوں کا لے بوسہ ۔ مستی ہے پاسبان ہونٹوں پر
آبِ خنجر سے اب تو پیاس بجھاؤ ۔ نکل آئی زبان ہونٹوں پر
ہم نے جب یاں خیال بوسہ کیا ۔ پڑ گئے واں نشان ہونٹوں پر
بہارِ عارضِ گلرنگ ہو نصرفِ خزاں ۔ رہے یہ پھول ہمیشہ بہار کے قابل
سفیر کشتۂ تیغِ ہلال ابرو ہوں ۔ چراغِ ماہ ہے اپنے مزار کے قابل
داغِ سینہ کا غیرتِ گل ہے ۔ نالۂ دل صفیرِ بلبل ہے
ساکنِ گوشۂ قناعت ہوں ۔ پاس سرمایۂ توکل ہے
ماہِ کامل کو تجھ سے کیا نسبت ۔ یاں ترقی ہے واں تنزل ہے
مدتوں میں اٹھی سفیر کی لاش ۔ کشتۂ خنجرِ تساہل ہے

مر گیا میں عاشقِ دیدار بر آئی مراد ۔ خانہ بستا میں ہے طیاری خدائی رات کی
یوں دیکھو ساری شیخی کرکری ہو جائیگی ۔ تاب کب ہے اُس لبِ نازک کو آدھی بات کی
بجا ہے کہئے پھبتی اے بتِ بے پیر تصویر کی ۔ خموشی نے بنایا ہے تجھے تصویر تصویر کی
خدا محفوظ رکھے بہ کماں ابرو قیامت ہیں ۔ حقیقت کیا سمجھتا ہے نگہ کا تیر تصویر کی
بتوں پر جان دینے کی مرے پر کچھ نشانی ہو ۔ لگا دینا مری تربت پہ اک تصویر تصویر کی
چڑھا جس نے سر تجکو اُسی کا تو نے سر کاٹا ۔ ادا رسمِ رقابت تو نے اے گلگیر تصویر کی
کڑی باتوں سے اُنکی شیشۂ دل چور ہوتا ہے ۔ بتانِ سنگدل کرتے ہیں کیا تقریر تصویر کی

نہ شمشیرِ ابرو سر جھکائے اور دم نہ مارے	کہاں سے لائے چھاتی عاشقِ دلگیر پتھر کی
نہ پائے سنگدل عزت متاعِ خاکساری سے	سراپا خاک ہو کر نہ ہوا اکسیر پتھر کی
سفیر آنسو بہاؤں کیوں نہ اُسکی تشنہ کامی پر	ہوئی بوچھار جسپر کربلا میں تیر پتھر کی

سفیر ۔ لفٹنٹ میر شایق حسین خاں ۔ حال ٹرانسپورٹ افسر اعلےٰ حضرت حضور بندگان عالی شاہِ دکن ۔ تشبیہات اور استعارات سے طبیعت کو لگاؤ ہے ۔ طرز بیان معقول ہے ۔ نمونۂ کلام یہ ہے ؎

کوچۂ زلف میں افشاں کا چراغاں جو ہے آج	شام گیسوئے سحر رخ سے بھی نورانی ہے
اب تو موقعہ ہی نصیحت کا نہیں اے ناصح	کہہ چکا تجھسے کہ یہ سب مری نادانی ہے
وہ چلے آئینگے گھر یہ کسے تھی امید	کیوں میں گھر میں نہ رہا اسکی پشیمانی ہے
پچھلی باتوں کا شبِ وصل نہ ہو ذکر کہیں	صبح ہو جائیگی قصّہ مرا طولانی ہے
دل مرا حضرتِ آصف پہ تصدق ہی سفیر	واہ کیا شان ہے کیا طرز جہانبانی ہے
دست و بازو کی ترے بھر میں کرونگا تعریف	دیکھ لوں کھینچ کے ناوک تو جگر سے پہلے
شرمِ رسوائی گریہ نے ڈبویا مجھکو	اتنا پانی تھا نہ اونچا مرے سر سے پہلے
قتل کرنیکو ہوئی اُنکی نزاکت مانع	پڑ گئے بل مری قسمت میں کمر سے پہلے

سفیر ۔ منشی فخر الدین صاحب دورِ موجودہ کے خوشگو شاعر اور کاکوری کے رہنے والے ہیں ادیب جلد ۱۹۱۹ء میں آپکی ایک نظم شایع ہوئی ہے جو مشہور شاعرہ مسز زسرو جنی نائڈو کی تصنیف سے اخذ کیگئی ہے ۔ اسکے چند بند اور کچھ شعر درج کئے جاتے ہیں ؎

نارسائی سے تری بخت سیہ کیا ہوگا	مجھکو تجھسے نہ کبھی شکوۂ بیجا ہوگا
میں نہ ہونگا کبھی امداد کا خواہاں تجھسے	تیرا اے بخت نہ احسان گوارا ہوگا
بن گیا ہے تو مری جان کا دشمن لیکن	سر جُدا ہو نہ جدا سر سے یہ سودا ہوگا
ٹوٹ بھی جائیں اگر میری امیدوں کے علم	کم نہ ہرگز یہ مرا ذوقِ تماشا ہوگا

مل گئی خاک میں گو سلطنتِ وہم و خیال
اس خرابے میں گراں مایہ خزانہ ہوگا

لاکھ تو لذتِ گفتار سے کر دے محروم
لب پہ لیکن نہ کبھی حرفِ تمنا ہوگا

گنگ ہو جائے اگر میری زبانِ گویا
دلِ نالاں صفتِ بلبلِ شیدا ہوگا

باغ میں نغمہ پہ شورِ عنادل ہوں ہزار
نالۂ دل کا مگر رنگ نرالا ہوگا

[illegible]

مردمِ دیدۂ بسمل میں دمِ بیتابی
یاسیٔ چشمِ ستم آرا ہوں میں

کشتۂ تیغِ ادا طائرِ پربستہ ہوں
خرمنِ سوختۂ برقِ تجلی ہوں میں

گرمِ نظارۂ گلچینِ بہارِ گلشن
محوِ آئینۂ حسنِ رخِ زیبا ہوں میں

بالِ پرواز پئے طائرِ فکرِ رنگیں
تازگیٔ ثمرِ نخلِ تمنا ہوں میں

ہر گھڑی کام ہے اعجازِ مسیحائی سے
جلوۂ طور ہے مجھ میں یدِ بیضا ہوں میں

رازِ سربستۂ نیرنگِ جہاں میرا وجود
بزمِ امکاں میں عجب ایک معما ہوں میں

صیدِ لاغر ہوں گرفتارِ بلا ہوں لیکن
بستۂ دامنِ صیادِ دل آرا ہوں میں

دل دیوانہ ہوں گو آپکے نزدیک سفیر
چشمِ بددور کسی آنکھ کا تارا ہوں میں

انتخاب از [illegible]

ہمیشہ سے میں عہدِ سلطنت ہوں دارِ فانی میں
کئی صدیاں بسر کیں میں نے دورِ حکمرانی میں

ہزاروں سو رہے جو پروردۂ آغوش تھے میرے
ہیں جنکے نام روشن آج بھارت کی کہانی میں

ستارہ اوج پر تھا میرا مغلوں کی حکومت میں
رواں تھا میرا سکہ دولتِ صاحب قرانی میں

گذشتہ شان و شوکت ہے در و دیوار سے پیدا
بسر کی روز و شب کس طرح عیش و کامرانی میں

رلائے حملۂ نادر نے لیکن خون کے آنسو
لہو جب بے گناہوں کا بہا جمنا کے پانی میں

مجھے یاد آتے ہیں خوابِ پریشاں اگلے وقتوں کے
بہا بھارت نے ڈالا کس بلائے ناگہانی میں

غنیمت ہوں کہ اب تک یادگارِ عہدِ ماضی ہوں
نمونہ بن گئی عبرت کی ہیں دنیائے فانی میں

حیاتِ تازہ ہے لیکن ورودِ موکبِ شاہی
مری تقدیر جاگی آج عہدِ شادمانی میں

فر سے ملتے تھے کیا کیا تلخ کامی کے مجھے لیکن
حلاوت مل رہی ہے اب تو شہ کی مہربانی میں

جنابِ قیصرِ ہندوستاں کا سایہ ہو سر پر
گرمیوں کی ہے یہ شدت اِک بلا میرے لئے
رات بھر منہ سے نکلتی ہے صدائے العطش
گرمیوں میں پیاس کی شدت سے ہوں میں جاں بلب
جانستاں ہے کسقدر یارب تموزِ آفتاب
پاؤں کے نیچے زمیں مانندِ گلخن گرم ہے
تابشِ خورشید میں گھر سے نکلنا ہی محال
دوپہر کو سایۂ اشجار جنت ہے مجھے
جنت نظارہ ہی سیرِ لب جو آج کل
بوئے سنبل مست کر دیتی ہے گرما میں مجھے
یاد روئے صندلی میں غش پہ غش آنے لگے
موسم گرما میں ہوں میں تشنہ کامِ آرزو
نازنینوں کیلئے پھولوں کا زیور چاہئے
شام کو نکلے ہوا کھانے بتانِ آرزی
نالہ جانسوز ہے گویا یہ مصرع اے سفیر
مجنوں جو دشت گرد گریباں دریدہ ہے
نسرین و نسترن سے ہی آرائشِ بہار
پیش از طلوعِ صبح شفق ہے جو لالہ زار
کہک و تدرو محوِ فضا میں سبک خرام
پانی میں مچھلیاں ہیں کہ ہے آہ شعلہ ریز
فصلِ بہار آج صلائے نشاط ہے

دوبارہ اوج پایا میں نے دورِ آسمانی میں
بھر کے ساقی ساغرِ برف آب لا میرے لئے
دورِ دوں ہے روزِ محشر سے سوا میرے لئے
قطرۂ برفاب ہے آبِ بقا میرے لئے
ہر شعاعِ مہر ہے تیرِ قضا میرے لئے
سر پہ ہے چرخِ ستم گر آسیا میرے لئے
فصل گرما بن گئی زنجیرِ پا میرے لئے
منظرِ آبِ رواں ہے جانفزا میرے لئے
بن گیا ہے سبزۂ خضرِ رہ نما میرے لئے
بن گئی یہ نکہت زلفِ رسا میرے لئے
درد سر کی ہے یہ گرمی میں دوا میرے لئے
شربت دیدار ہے آبِ بقا میرے لئے
بوئے گل کی ہو فقط اِک پنکھیا میرے لئے
گرمیاں ہیں کسقدر راحت فزا میرے لئے
شمع کشتہ ہوں فنا میں ہی بقا میرے لئے

غزل

قمری میانِ سروِ چمن آرمیدہ ہے
سبزہ کنارِ موجِ صبا نو دمیدہ ہے
لیلائے شب اِک آہوئے مشکیں رمیدہ ہے
شبنم بروئے گل گوی اشکِ چکیدہ ہے
تارِ شعاعِ مہر کہ رنگ پریدہ ہے
دل ہی شکستہ پر مگر آفت رسیدہ ہے

اوج ہلال عید ہے شکل وصال دید	دیکھیں کہ دیکھتا کہیں وہ شوخ دیدہ ہے

سفیر ۔ مولوی محمد صدیق حسن صاحب ۔ آپ نگینہ ضلع بجنور کے باشندے ہیں۔ نومشق شعرا میں ہیں لیکن طبیعت شوخ پائی ہے۔ کلام میں چلبلاپن ہے۔ جوہر فکر یہ ہے۔

مجھے جو کہتے ہو ہر بار تم کہ تو کیوں ہے	تمہاری بزم میں اچھا تو پھر عدو کیوں ہے
یہ میکدہ نہیں گھر ہے خدا کا اے واعظ	یہاں یہ ذکر مے و جام اور سبو کیوں ہے
جنون جامہ دری کا یہ جو شغل ہی ٹھہرا	تو روز جیب و گریباں میں پھر رفو کیوں ہے
شراب تم نہیں پیتے یہ ہم نے مانا سفیر	مگر زمانہ میں بدنام چار سو کیوں ہے

سکندر ۔ خلیفہ محمد علی دہلوی تلمیذ ناجی ۔ مرثیہ خوانی میں نامور تھے سنہ ۱۸۸۱ء میں وفات ہوئی ساٹھ برس کی عمر پائی شاہ مردان دہلی میں دفن ہوئے فن شاعری سے ماہر نکتہ طراز معنی آفریں سخنور تھے ۔ قدرت اللہ شوق کا قول ہے کہ پنجاب کے باشندوں میں نہایت خوش طبع ظریف مزاج تھے شبانہ روز مخمور رہتے تھے ۔ مرثیہ گوئی میں اچھی شہرت حاصل کی تھی ۔ کلام یہ ہے

قیس صحرا میں رہا کوہ میں فرہاد رہا	میں بگولے کی طرح دشت میں برباد رہا
گر کہا مانگ میں دل میرا آہ ڈھونڈوں کدھر	کہ آدھی رات اُدھر اور آدھی رات اِدھر
نہ دیکھا ہو جو کسی نے حباب دریا میں	وہ دیکھ لے مری چشم پر آب دریا میں
سحر گذرا چمن میں کون سا خورشید رو یارب	کہ شبنم گل کے منہ پر اب تلک پانی چھڑکتی ہے
کبھی فرقت میں شب کو آنکھ گر میری جھپکتی ہے	اُسی دم روح کوچہ میں ترے جا کر بھٹکتی ہے
مبادا آگ لگ جاوے مرے دل کی ترے دل کو	گلے لگنے سے اس دل سوز کی چھاتی دھڑکتی ہے

سکندر ۔ منشی سکندر خاں دہلوی ۔ حضرت مومن کے تلامذۂ خوش عقیدہ میں سے تھے۔

کس کا نام اسکی زباں پر ہے کہ اس نفرت پر	حرف ناصح سے دماغ اپنا پریشاں نہ ہوا

سکندر ۔ نواب سکندر میرزا خلف نواب میرزا ابو الحسن خاں صاحب ۔ آپ لکھنؤ کے

خاندان شاہی سے ہیں اور وثیقہ دار ہیں ۔ ۱۸۸۶ء میں سید امیر حسن صاحب فروغ کے شاعروں میں شرکت فرمایا کرتے تھے قدیم استعاروں کے فدائی ہیں ۔ پرانی تشبیہات سے بیان میں سجاوٹ پیدا کرتے ہیں ۔ کلام یہ ہے ؎

جوشِ جنوں میں جامہ دری سے تنگ ہوں / دامن اگر سیا تو گریباں نکل گیا

مار ڈالا نگۂ یار نے جادو ہو کر / تیر کا کام کیا چشم نے آہو ہو کر

طاقِ ابرو میں جو ہے خالِ سیاہ آگہہ / کس طرح داخلِ کعبہ ہوا ہندو ہو کر

چاہ میں زہرہ جبیں کے ہیں فرشتے بھی اسیر / شانِ معبود ہے یہ حسن بشر رکھتے ہیں

داغِ سوزاں بھی ہے اور داغِ جگر بھی ہے یہیں / اے فلک سینہ میں ہم شمس و قمر رکھتے ہیں

میں جو زنداں میں گیا شوقِ اسیری نے کہا / بعد مرنے کے بنے گی یہیں تربت میری

زمانہ گذرا گئی عدم کو نہ دیکھا دم بھر کبھی ارم کو / تلاشِ کوئے صنم ہی ہمکو تو روح اب تک بھٹک رہی ہے

سکوت

سکوت ۔ منشی ناظر الحق صاحب مرحوم خلف مولوی عبدالرحمن صاحب باقی ۔ ساکن امروہہ فن شعر گوئی میں اپنے ماموں زاد بھائی حضرت ساکت مرحوم کے شاگرد تھے ۔ دو تین برس کی مشق میں ایک دیوان مرتب کر لیا تھا مگر قضا و قدر کے ہاتھوں شاعری راس نہ آئی ۔ اٹھتے ہوئے شباب میں جبکہ ۲۵ برس کی عمر تھی فن طب کی تکمیل کرتے کرتے عمر کی تکمیل کر لی ۔ گو مرحوم نو مشق شاعر تھے مگر کلام سے پختگی اور جودتِ طبع ذہن رسا کا ثبوت ملتا ہے ۔ بندش کو خوبصورت بنانے ۔ الفاظ کو پلٹنے میں مہارت تھی ۔ شعر میں دونوں برابر کے مصرعے مزا دیجاتے تھے انتخاب کلام یہ ہے ؎

ٹھہرا جو وقتِ ذبح ذرا ہاتھ یار کا / ارماں نکل گیا دلِ امیدوار کا

پردہ جو رخ سے بزم میں اُسنے اٹھا دیا / آنکھوں کو شمع طور کا جلوہ دکھا دیا

حسرت مری حسرت ہی کہ پوری نہیں ہوتی / مطلب مرا مطلب ہی کہ حاصل نہیں ہوتا

شبِ وصال کسی کے وہ ہائے نازک ہاتھ / پڑے رہے مری گردن میں ہار کی صورت

نہ کھلے بند قبائے بتِ بے پیر کے پیچ
سامنے آ گئے میرے مری تقدیر کے پیچ

آئینہ دیکھنے میں جو ناز و غرور ہے
تم بولتے نہیں تو مقابل کو کیا غرض

تم سے کروں شکایتِ جور و ستم فضول
تم سے کہوں حکایتِ رنج و الم غلط

یہ شعلہ شراب کا ہے صرف اسلئے
ہوتا ہے دو گھڑی کیلئے اس سے غم غلط

چتون یہ کہہ رہی ہے کہ اب کھل ہی کھیلئے
آنکھیں یہ کہہ رہی ہیں کہ ہاں خوب کر لحاظ

ٹھہرو ٹھہرو ابھی افسانۂ غم باقی ہے
اور کہتا ہوں ذرا صبر تو آ لے دل کو

میرے دل سے جو نہ نکلے وہ ہے ارماں میرا
اُنکے دل سے جو نہ نکلے وہ ملال اُنکا ہے

ہو سبب دل میں تو آئے وہ برائی اُنکی
جو مرے دل سے نہ جائے وہ خیال اُنکا ہے

اے کفن تو ہی مرا وحشت میں پردہ ڈھانکے
ننگ جسمِ زار پر پوشاکِ عریانی ہوئی

بے حجابانہ وہ یوں دیتے ہیں اغیار کو جام
شرم آتی ہے صراحی کو بھی پیمانے سے

سلام

سلام ۔ نجم الدین صاحب خلف الرشید شرف الدین علیخاں اکبرآبادی ۔ صرف ایک شعر آپ کا دستیاب ہوا ہے جو درج ذیل ہے ؎

حدیثِ زلف چشمِ یار سے پوچھ
درازی رات کی بیمار سے پوچھ

سلام

سلام ۔ سید خواجہ معین الدین چشتی ۔ ولد خواجہ فخر الدین متخلص بہ فخرؔ ۔ آپکی ولادت شہر مدراس میں ہوئی ہے مگر حیدرآباد میں تعلیم و تربیت پائی ۔ اب سکندرآباد کے ڈاکخانہ میں ملازم ہیں عربی و فارسی میں مختلف اساتذہ کے سرچشمۂ علوم سے فیض یاب ہوئے علم عروض میں سید محمد مصطفےٰ صاحب خورشید لکھنوی سے استفادہ کیا ۔ ابتدائے مشق سخن میں حضرت بقا لکھنوی فرزند جناب میر وزیر علی صبا مرحوم و مولانا شمشاد لکھنوی سے اصلاح لیتے رہے ۔ مگر کچھ عرصہ بعد سید کاظم علی صاحب حبیب کنتوری یادگار خاندان شیخ ناسخ مرحوم کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا ۔ اور انکے فیض نے آپ کو نکات شاعری سے آگاہ کر دیا اور سابقہ کلام بھی انہیں کی نگاہ سے گذرا ۔ آپکے دو دیوان غیر مطبوعہ آپکے پاس موجود ہیں

آپکی عمر ۵۰ سال کی ہوگی۔ شعر خوب کہتے ہیں۔ کلام میں لطافت ہے اور فکر بلند ہے۔ آپ نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی سوانح عمری بھی لکھی ہے۔ ذیل کے اشعار طبع کی جولانی کا حال بتاتے ہیں ؎

یہ خاموشی نہیں ہے پاسِ ناموسِ محبت ہے
اگر چاہوں تو نالوں سے مرے کیا ہو نہیں سکتا

پلٹ لے پاس ہیں لاکھوں تمنائیں دلِ پُر
چھٹے جبتک نہ آتی بھیڑ رستہ ہو نہیں سکتا

نہ گئی وصل میں ناکامیٔ قسمت نہ گئی
داغِ حسرت ہی مرے کشتہ کا حاصل ٹھہرا

ہے ستم لطف کے پردہ میں جفا ہو جانا
دل دکھاتا ہے یہ باتوں میں خفا ہو جانا

الٰہی بزم میں یہ کون سا مستِ شباب آیا
پڑیں کس کی نگاہیں رقص میں جامِ شراب آیا

کہاں وہ سادگی بچپن کی دورِ انقلاب آیا
ہوئے مستِ مئے نخوت کہ اب عہدِ شباب آیا

ہے دل کی طرح دیدۂ حیراں میں ترے جا دوست
یہ اونچے دو مکاں ہیں دولت سرائے دوست

دیکھ روتی ہیں لپٹ کر حسرتیں تو
رحم کر ظالم نہ دل سے تیر کھینچ

قتلِ عاشق سے پہلا قاتل کا داغِ آرزو
خون نے گل کاریاں کیں دامنِ شمشیر پر

جوشِ وحشت میں کھلا پستی سے پایانِ عروج
جب پھٹا اپنا گریباں آگیا دامن کے پاس

جائے عبرت ہے مزارِ عاشقِ حرماں نصیب
حسرتیں سر دھن رہی ہیں ہر طرف دامن کے پاس

تیرے جلوہ سے بڑھی تنویرِ پشتِ آئینہ
خوب چمکا اخترِ تقدیرِ پشتِ آئینہ

رحم کر اے موت چلاتی ہے میری بیکسی
پھر رہی ہیں حسرتیں ہر سمت گھبراتی ہوئی

قیدِ غم سے تو کسی طرح رہائی ہوتی
وہ نہ آیا نہ سہی موت ہی آئی ہوتی

ہوتی تلوار نہ گر میرے لہو کی پیاسی
یوں زباں اسکی نہ باہر نکل آئی ہوتی

دل مرا لیکے مجھی سے یہ ڈھٹائی توبہ
میرے آگے تو ذرا آنکھ جھکائی ہوتی

سچ بتا دے تجھے دزدیدہ نگاہوں کی قسم
ہم سے کیوں دل کی طرح آنکھ چرا رکھی ہے

تیرے دیوانے کو ہے دشت میں لطفِ شاہی
گھر نے مسندِ زرتار بچھا رکھی ہے

بھر نذر نگہ ناز و ادا و انداز
سر جدا قلب جدا جان جدا رکھی ہے

سلامت

سلامت ۔ جناب سلامت علی مرحوم عظیم آباد کے قدیم شعرا میں سے تھے ۔ یہ چند شعر شوق کے تذکرہ سے انتخاب کئے جاتے ہیں ؎

عاشق تو ہو چکے سب اب ایک ہم رہی ہیں
کٹے ہیں رہنے نہیں اب روز زندگانی کے

آہ اپنی ناتواں ہے پہلو کو تھام کر کے
کھتے ہو کیوں سلامت ہے عاشقی ہیں بودا

تلوار کھینچ کر کے کیوں آپ تھم رہے ہیں
مرے یہ دیدۂ تر بلبلے ہیں پانی کے

آتی ہے دل سے باہر لاکھوں مقام کر کے
کیجیے نہ قتل آکر گر قصدِ امتحاں ہے

سلامت

سلامت ۔ جناب سلامت اللہ خاں صاحب ۔ آپ شاہجہانپور کے ساکن ہیں حضرت تائب شاہجہانپوری کے شاگرد ہیں طبیعت معنی سنج ہے ۔ دو شعر مندرجہ ذیل ہیں ؎

شرملکے آپ کے دُرِ دنداں کی آب سے
دریا سے قرض لینے کو پانی گھر گئے

الفت میں ان بتوں کی سلامت قرار و صبر
دل سے نکل کے ہائے نجانے کدھر گئے

سلطان

سلطان ۔ مرزا بابر بخت ۔ خاندان شاہی دہلی کے افراد سے معلوم ہوتے ہیں ۔ اور سرکار دکن سے پنشن پاتے ہیں ۔ کلام شاہانہ شوکت سے معمور ہے ۔ شعر میں کبھی انقلاب دوراں کی شکایت بیان کرتے ہیں کبھی گذشتہ اقبال کی تمنائیں ۔ شاید غدر کا پُر آشوب نظارہ انکی نگاہ سے گذر چکا ہے ۔ ٹوٹے ہوئے دل کی ندا یہ ہے

مفلس ہوئے ہیں ملک بھی برباد ہو چکا
اتنو پناہ لینے دے اے آسماں کہیں

یارب ظفر کے باغ کو آیا دھپر دکھا
فصلِ بہار آئے یہ جائے خزاں کہیں

حالت ہماری اسکے مطابق ہے من و عن
بلبل کہیں ہے باغ کہیں باغباں کہیں

آصف تمہارے ملک میں اللہ کا شکر ہے
دلی کے پائے جاتے ہیں کچھ کچھ نشاں کہیں

سلطان

سلطان ۔ میرزا سلطان شاہ گورگانی خلف الرشید میرزا جمعیت شاہ ماہر دہلوی ۔ زبان دل آرا ۔ بیان پیارا ۔ مضامین خوش اسلوب ۔ غدر میں زندہ تھے ۔ عروس طبع کی

زیبائش یہ ہے ؎

عہد طفولیت بھی نہیں سلطنت سے کم ۔۔۔ سلطان شاہ کیوں نہ کہے اک جہاں مجھے

ہے جلائے دل وجگر جل جائے ۔۔۔ کیا بری آگ ہے محبت کی

آتے آتے وہ پھر گئے گھر کو ۔۔۔ یہ بھی خوبی ہے اپنی قسمت کی

سلطان

سلطان۔ راجہ خواجہ طالب علیخاں خلف خواجہ حسین علی بخاری۔ دہلوی الاصل تھے مگر کلکتہ میں سکونت اختیار کرلی تھی کسی کے شاگرد نہ ہوئے۔ زمانۂ قیام لکھنؤ میں بڑے دھوم کے مشاعرے کئے۔ اپنے خسر کی وفات کے بعد انکو شیرگھاٹی کی مسند نشینی ملی آخرکار ۱۲۷۲ھ میں چالیس سال کی عمر پاکر دنیا سے رحلت کی انکی ننہیال کا سلسلہ خاندان خواجہ میر درد سے تھا۔ شاعر خوش افکار ہیں۔ دو تین دیوان انکی یادگار ہیں۔ نمونۂ کلام یہ ہے ؎

اک نئی طرح کا ہر حلقہ نے پھندا مارا ۔۔۔ تونے او زلف مسلسل مجھے اچھا مارا

دل کی جا سینے میں میرے اسکا پیکاں رہ گیا ۔۔۔ میزباں جاتا رہا اور گھر میں مہماں رہ گیا

آہ نکلی تو وہ گل ہنس کے بولا ۔۔۔ بھرا ہے پھولوں سے دامن ہمارا

وار کیا معلوم ہو تیغ نگاہ یار کا ۔۔۔ ساحل بحر فنا ہے گھاٹ اس تلوار کا

رندوں نے آج نشہ میں کیا دھوم نکالی ہے ۔۔۔ مینا بغل میں سر پہ سبو جام دوش پر

روز قیامت اور شب ہجر ایک ہے ۔۔۔ اسکی جو شب نہیں ہے تو اسکی سحر نہیں

دام بلائے عشق میں ہم بے سبب پڑے ۔۔۔ کم بخت دل پہ ہائے خدا کا غضب پڑے

سلطان

سلطان۔ رؤسائے قدیم لکھنؤ سے۔ مؤلف تذکرہ سراپائے سخن کا خیال ہے کہ نواب معتمد الدولہ کی دختر کے بیٹے تھے شعر کہنے میں مشاق اور صاحب دیوان تھے۔ کلام دور ازکار استعارات۔ رعایت لفظی کی وبائے عام سے پاک صاف تھا طبیعت بہت گہرائی ہوئی تھی فکر جگر افکار یہ ہے ؎

کب تک تری یہ ہجر کے صدمے اٹھائے دل ۔۔۔ ڈرتا ہے یہی کہ جان سے اپنی نہ جائے دل

تھی وہ نگاہ یا کوئی ناوک کا تیر تھا — ملتے ہی آنکھ رہ گیا میں کہکے ہائے دل
سینہ اگر ہے داغوں سے معمور کیا ہوا — خالی ہے تیرے واسطے عشرت سرائے دل

سلطان

سلطان ۔ نواب محمد سجاد علیخاں المخاطب نواب اشرف الدولہ لکھنوی حضرت امجد علیشاہ کی بیٹی افسر بہو بیگم صاحبہ چھوٹی شاہزادی کے متبنیٰ فرزند اور بڑے با وضع شاندار رئیس تھے نواب مرحوم ۱۲۶۵ھ میں پیدا ہوئے۔ ناز و نعمت کے گہوارہ میں تربیت و نشو و نما پائی۔ آپ واجد علیشاہ کے ہمشیرزادہ تھے اور آپ کی بہن میرزا حامد علیخاں کوکب ولی عہد سے منسوب تھیں شعر میں ٹکسالی بیگماتی محاورات۔ فصیح زبان برتتے تھے۔ بساطِ سخن پر قریب الفہم تشبیہ۔ استعارات کی جواہر پاشی فرماتے تھے۔ صنایع بدایع کی خوبیوں سے کلام مرصع ہے۔ فکر زریں یہ ہیں ؎

مر گیا غم میں ترے یا جل کے خاکستر ہوا — جو ہوا اچھا ہوا جو کچھ ہوا بہتر ہوا
نالۂ زنجیر تھا یا صورِ اسرافیل تھا — جس طرف گذرا میں دیوانہ اُدھر محشر ہوا
آپ ہی مارا ہے مجھکو آپ ہی کہتی ہیں وہ — حادثہ یہ کیا پڑا یہ واقعہ کیونکر ہوا
فتنے کیا کیا زلف و رُخِ یار نے برپا کئے — شام کو آئی قیامت صبح کو محشر ہوا
ہوں میں زخمی تیغِ عشقِ ابروئے خمدار کا — زخم تن سینے کو ڈورا چاہیئے تلوار کا
دیکھ لو عالم ہمارے آنسوؤں کے تار کا — کیا رہا رتبہ تمہارے موتیوں کے ہار کا
آنکھ وہ ہی جو کرے نظارہ روئے یار کا — سر وہ ہی سودا ہو جسمیں گیسوئے خمدار کا
دیکھکر عارض کو تیری گُل بھی دیوانے ہوئے — پھاڑ کر ملبوسِ تن رستہ لیا بازار کا
جانتا ہوں تجھکو در پردہ بتوں سے راہ ہے — رشتہ ہے زاہد تری تسبیح میں زنار کا
نظم کرتا ہوں میں سلطان بیتِ ابرو کی صفت — کیوں ہلالی بھی نہ قائل ہو مرے اشعار کا
بیچ میں سدِ سکندر سی حائل ہیں رقیب — انکی مجھکو نہیں میری خبر کرتے ہیں
زلف کے وحشی کی یارب یوں رسا تقدیر ہو — ہاتھ میں ہو ہتکڑی اور پاؤں میں زنجیر ہو
پھرتا یاں سے کہیں ہی بڑھ کے اُس رُخ کی چمک — منفعل کیونکر نہ اُس سے ماہ کی تنویر ہو

لامکاں سے دہنِ تنگ کا رتبہ نہیں کم
قدر میں ہیں شبِ معراج پیمبر گیسو

مکرتے ہیں سرِ محفل وہ لیکے دل میرا
جہاں میں خاک کسی کا پھر اعتبار رہے

لگائے کوئی نہ اُس شاہِ حسن سے دلکو
ہر ایک ملک میں جاری یہ اشتہار رہے

نہ پوچھو حال شبِ غم کا ہم سے اے سلطاں
بغیر یار سحر تک ہم اشکبار رہے

سلطان

سلطان - نواب محمد نصر اللہ خاں خلف نواب عبداللہ خاں عاصی والئی رامپور۔ آپ نواب آصف الدولہ کے حکم سے رحمت علیخاں کے سرپرست قرار دئے گئے۔ سولہ برس تک مختار رہ کر ۴۶ سال کی عمر میں ۱۲۲۵ھ کو راہئ ملکِ بقا ہوئے۔ اُنکے شاہدِ سخن کی شوخی مشتاقانِ کلام کے دلوں کو نگار کرتی ہے۔ سلاستِ بیان لطفِ زبان پر جان نثار کرتی ہے۔ کلام یہ ہے ؎

ہجر میں مجھکو بھروسا نہیں اپنے دم کا
کل گیا۔ آج گیا۔ صبح گیا۔ شام گیا

ہاتھ وہ بھی نہ لگا اپنے کو جسکی خاطر
دین و دنیا کا مرے ہاتھ سے سب کام گیا

باعثِ شہرہ ہوا عشق ہی تیرا پیارے
ورنہ خوباں میں تو اتنا تو نمودار نہ تھا

جو کیا جور و جفا تم نے تباں سلطاں پر
اس قدر تو وہ ستم دیدہ گنہگار نہ تھا

اُس لب سے کیا لعل کا جب رنگ برابر
دیکھا تو نہیں اُس کے یہ پاسنگ برابر

عارض پہ اُسکی زلف کو دیکھے وہ اک نظر
دیکھی نہ ہو نے جس نے بہم شام اور سحر

خوش ہے سلطاں جو اسقدر شاید
آج کچھ وصلِ یار کی ٹھہری

خنجر نہ ہو یوں پار کبھی دل سے کسی کے
جس لطف سے پار ہے ترے مژگاں کی انی ہے

سلطان

سلطان - سید محمد سلطان صاحب باشندۂ مانگرول کاٹھیاوار۔ آپ منشی تجمل حسین صاحب تجمل مقیم بمبئی کے شاگردوں میں ہیں۔ ابھی شعر گوئی کا آغاز ہے۔ خیال میں کسیقدر پرواز ہے۔ یہ دو شعر اُنکے درج کئے جاتے ہیں ؎

ہے نئے ظلم کا طالب دلِ شیدا ہر دم
روز کیونکر کوئی تازہ ستم ایجاد کرے

ہم ہیں اور درس ہے اک گل کے رخِ زیبا کا
کہدو بلبل سے گلستاں کا سبق یاد کرے

سلطان

سلطان ۔ سید محمد سلطان ۔ آپ موزوں طبعان شاہجہانپور میں خوشگو ہیں ۔ سید حسین احمد صاحب بیباک سے تلمذ ہے ۔ طبیعت میں اختراع اور جدت کا ابھی گذر نہیں ہوا ہے ۔ سیدھا سادہا شعر کہہ لیتے ہیں ۔ لطف زبان اور مشق کی ضرورت ہے ۔ رسالۂ خدنگ نظر سے کچھ شعر نقل کئے جاتے ہیں ؎

منہ پر نہ آئے گا کبھی لب تک نہ آئیگا
افشا نہوگا جو وہ مرے دل کا راز ہے

کسطرح اٹھ سکینگے فلک کے یہ جور و ظلم
دل ابتدا سے خوگر آغوش ناز ہے

کیونکر نہ مجھکو اپنے مقدر پہ ناز ہو
اس بت سے ان دنوں مجھے حاصل نیاز ہے

کیوں ٹالتے ہیں آپ نہ باتیں بنائیے
آنکھیں بتا رہی ہیں جو پوشیدہ راز ہے

سلطان

سلطان ۔ محمد سلطان عرف قاضی فرزند احمد خلف قاضی احمد بخش مرحوم انکے نانا مولوی جرأت علی ٹکاری کے راج میں دیوان تھے ۔ آبائی وطن دولت پور ضلع گیا میں ہے ۔ مگر لڑکپن سے صاحب گنج گیا میں قیام پذیر ہیں ۔ عربی بقدر ضرورت جانتے ہیں ۔ فارسی میں دستگاہ کامل ہے ۔ آغا کمال الدین سنجر طہرانی کو اپنے پاس رکھکر استفادہ حاصل کر چکے ہیں ۔ انکی مثنوی نیرنگ روزگار طبع ہو چکی ہے آمدنی معقول ہے آرام و آسایش سے زندگی بسر کرتے ہیں ۔ اردو شاعری میں کسی کے شاگرد نہیں ۔ خود ہی اپنے کلام کی نظر ثانی کرتے ہیں ۔ انتخاب کلام یہ ہے ؎

رہا شوق شہادت بعد مردن بھی مری دلمیں
کہ میری روح جوہر نکلے لپٹی تیغ قاتل میں

تری رفتار مستانہ ہے وہ بانکی ادا نکلی
کہ لاکھوں ٹھوکریں حسرت نے کھائیں خانۂ دلمیں

نہیں ہیں بیڑیاں وحشت فی مجھکو چشم فتاں کی
مثال دیدۂ آہو ہے ہر حلقہ سلاسل میں

سلطان

سلطان ۔ حکیم سلطان مرزا صاحب لکھنوی ۔ آپ حکیم نواب مرزا صاحب شوق مصنف زہر عشق کی قابل یادگار ہیں ۔ رنگین طبع شوخ مزاج ۔ زندہ دل شخص ہیں ۔ لکھنؤ کے محاورات باندھنے میں طاق ۔ معاملہ بندی انکی گھٹی میں پڑی ہے ۔ الفاظکی دہوم دہام یا رعایتوں سے کوسوں دور بھاگتے ہیں ۔ غزل میں سوز و گداز ۔ درد ۔ عاشقانہ جذبات موجود ہیں ۔ شعر کے تیور

خوب ہوتے ہیں۔ نمونۂ کلام یہ ہے ؎

اے شیخ پر خلاف نہ حُسنِ عمل کے چل
ہم میکشوں سے پوچھ کے راہیں سنبھل کے چل

اے دل کنویں جھکائیگا یوسف لقا کا عشق
اس راہ میں نشیب بہت ہیں سنبھل کے چل

حاجت نہ رکھ اگر تو کسی سے کبھی نہ جھک
پھر کیا ہے بادشاہ سے تیور بدل کے چل

اللہ نے سمجھ بھی عطا کی ہے آنکھ بھی
دنیا ہے چل چلاؤ کا رستہ سنبھل کے چل

بگڑے ہیں وہ کہ آہیں کیوں تا بہ عرش پہنچیں
جو خفگیاں تھیں مجھ پر وہ آسمان پر ہیں

باتوں سے مار ڈالیں چاہیں جسے جلا دیں
اعجاز بھی فسوں بھی اُن کی زبان پر ہیں

ہم ہیں وہ رند کہ کعبہ میں اذاں دیں برسوں
مدتوں پھونکا ہے ناقوس صنم خانوں میں

ہائے کس ظلم کا گانا ہے کہ دل ٹکڑے ہوں
برچھیوں کا سا ہے انداز تری تانوں میں

احسان مجھ پہ ہی دل شیدا کرے کوئی
سینہ سے محو نقشِ تمنا کرے کوئی

فرماتے ہیں یہ سُنکے مرے مرگ کی خبر
سُن تو لیا وہ مر گیا پھر کیا کرے کوئی

خالق کی یاد سہل نہ آساں بتوں کا عشق
دو دن کی زندگی میں کہو کیا کرے کوئی

اک دن کفن پہن کے سرِ خاک سوئیگا
اسبابِ عیش لاکھ مہیا کرے کوئی

سلطان سوا ملال کے انجام کچھ نہیں
دل کا کسی کے ہاتھ نہ سودا کری کوئی

چین آگیا ہمیں دمِ رخصت جو مر گئے
احسان اُنکا ہے جو چھُری پھیر کر گئے

غش آگیا مجھے دمِ رخصت غضب ہوا
اب کیوں وہ آئینگے مری صورت سے ڈر گئے

کس درجہ بیقرار ہیں وہ کتنے شوخ ہیں
آنکھوں میں پھر گئے کبھی دل میں اُتر گئے

میرے لئے تھی خلق میں سب فتنۂ جہاں
جو بچ رہے وہ اہلِ قیامت کے سر گئے

چھوڑا نہ ساتھ حاجتِ دنیا نے تا بہ حشر
محتاجِ فاتحہ وہ ہوئے جو گذر گئے

مرنا فراقِ دوست ہے جینا ہے اُسکا وصل
ہم آدمی نہیں یہ تصور اگر گئے

مانگا ہے جب خدا سے ملا ہے وہ بُت ضرور
خالی کبھی نہ تیرِ دعائے سحر گئے

یارب یہ کیسی آگ ہے جلتی ہے جس سے خلق | کیا سات دوزخ ایک مرے دل میں بھر گئے
عاشق کو اپنے کوس رہے تھے ہنسی سے وہ | مرنا سنا تو قبر پہ با چشم تر گئے
وہ باغ میں پھریں ہمیں تربت میں چین کیا | جھونکے نسیم کے کدھر آئے کدھر گئے
اب انکی رشک سے دل بسمل ہلاک ہے | جو قطرہ ہائے خوں کے تر دامن میں بھر گئے

سلطان

سلطان - استاد نامی شاعر گرامی جناب میر سلطان علی صاحب بلگرامی تلمیذ و یادگار حضرت ذکی مرحوم۔ جناب ذکی بلگرامی کیواسطے سے آپکا سلسلۂ شاعری میرزا سلامت علی دبیر لکھنوی تک پہنچتا ہے۔ آپ کی عمر قریباً ساٹھ سال کی ہے۔ اکثر لکھنؤ اور سندیلہ کے معرکۃ الآرا مشاعروں میں شریک ہو چکے ہیں۔ شعرائے بلگرام میں اسوقت سب سے زیادہ ممتاز ہیں۔ شاگردوں کی جماعت کثیر ہے۔ طبیعت منجھی ہوئی ہے۔ کلام میں پاکیزہ خیالی۔ اخلاقی مضامین کا لحاظ رکھتے ہیں۔ زبان بھی سادہ ہے۔ کچھ کلام دستیاب ہوا۔ چند شعر درج کئے جاتے ہیں ؎

خاطر رہے عزیز ہر اک جاں نثار کی | سیکھو نہ چال گردش لیل و نہار کی
عزت فروتنی سے ہوئی خاکسار کی | گردوں سے مل گئی ہے بلندی غبار کی
شاخوں میں رگ بہ رگ ہیں گل رنگ رنگ بو | قدرت تو دیکھئے مرے پروردگار کی
دیکھا جہاں کو عرصۂ شطرنج کی طرح | کرتے ہیں بند راہ پیادے سوار کی
خنجر سے جب کٹا نہ گلا آپ کٹ گیا | پھیرا یہ منہ کہ آنکھ نہ قاتل نے چار کی

سلطان

سلطان - نواب میرزا محمد سعید علیخاں صاحب عرف نواب سلطان صاحب بہادر لکھنوی۔ آپ نواب میرزا محمد جعفر علیخاں صاحب بہادر نواب شیش محل کے فرزند دلبند ہیں۔ انگریزی میں بی۔ اے پاس ہیں اور عربی فارسی میں بھی دخل رکھتے ہیں۔ عرصہ سے مذاق سخن طبیعت میں ہے اکثر مشاعروں میں شریک ہوکر داد لیتے رہتے ہیں۔ کلام بامزہ ہے۔ بندشیں صاف اور سلجھی ہوئی ہوتی ہیں۔ انتخاب ملاحظہ ہو ؎

غضب ہے کر رہا ہے ذبح وہ منہ پھیر کر مجھکو | دم آخر بھی قاتل کا نظارہ ہو نہیں سکتا

شب وصلت ہے آخر ہیں وہ قانع عرض مطلب پر
نگاہِ یاس تجھسے بھی تقاضا ہو نہیں سکتا

یوں ترے حسن کا نظارہ کیا کرتے ہیں
شمع بنکر تری محفل میں رہا کرتے ہیں

جسکے ابرو کا اشارہ ہے قضا کا پیغام
آج ہم پھر اُسی ظالم کو خفا کرتے ہیں

اسیرانِ قفس گلشن کو جبدم یاد کرتے ہیں
کلیجہ منہ کو آجاتا ہے جب فریاد کرتے ہیں

ساعی ہو کوئی اور بھی میرا شبِ وصال
زلف انکی بڑہ کے پائوں تک آئے خدا کرے

وہ کیا کریں جو انکی تمنا کرے کوئی
انکی بلا سے ہجر میں تڑپا کرے کوئی

قاصد سے سُنکے حال مرا وہ یہ کہتے ہیں
یوں ہی ہزاروں مرتے ہیں پھر کیا کرے کوئی

سلطان سلطان محمود خانصاحب منشی کالج ریاست میسور۔ رنگین فکر شگفتہ مزاج سلیم الطبع سخنور ہیں۔ میسور جیسے دُور افتادہ مقام پر جہاں اُردو سمجھنے والوں کے لالے پڑے تھے۔ وہاں کی سرزمین سے ایک فصیح بلیغ کا پیدا ہونا خدا کی دین ہے۔ منشی صاحب موصوف کا کلام حشو و زواید سے پاک ہے۔ طبیعت میں آمد و روانی ہے۔ تھوڑے الفاظ میں وسیع مضامین ادا کرتے۔ تصوف اور اخلاقی خیالات کو جامۂ نظم سے آراستہ فرماتے ہیں۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

لن ترانی سُنا کے موسیٰ کو
طور پر کیا دکھا دیا تو نے

دی محبت تو دل ہی چھین لیا
کیا دیا اور کیا لیا تو نے

قاتل نے دمِ ذبح دی ابرو کو بھی جنبش
تلوار چلی خوب ہی تلوار کے نیچے

آگیا اشک ندامت جوش پر وہ اچھا ہوا
داغ عصیانِ دل دہونے کو یہ پانی چاہیے

بزم سے رندوں کی شاید شیخ نکلا لے کے مئے
لڑکھڑاتے ہیں قدم تو چال بھی مستانہ ہے

سلطان۔ میاں سلطان محمد خاں۔ آپ ریاست بھوپال کے جاگیردار ہیں۔ طبیعت کو شعر و سخن سے ذوق۔ نکتہ سنجی اور معنی پروری کا شوق ہے مگر کم مشقی کیوجہ سے کلام بیرنگ اور کسی خاص معیار پر نہیں ہے۔ موزونی طبع کا نتیجہ اشعار ذیل ہیں ؎

ستم ڈہانا۔ ستانا۔ جی جلانا
پھر اسپر یہ غضب ہے روٹھ جانا

نہیں ہے سہل مرادل دکھانا	برا تمکو کہیگا اک زمانا
وہ چلیئے چال جوسب کو خوش آئے	مرے جاں ہے بہت نازک زمانا

سلیس

سلیس ۔ سید محب علی باشندۂ کانپور حضرت مونس لکھنوی کے شاگرد اور مرثیہ گوئی میں مشاق تھے۔ اپنے تخلص کی رعایت سے کلام میں سلاست کا خیال رکھتے تھے۔ اُستاد کی صحبت نے زبان اور خیالات میں پاکیزگی و شستگی پیدا کردی تھی۔ یہ قطعہ اُنکی سادہ بیانی کا نتیجہ ہے۔

باہیں گلے میں ڈال کے اُس شوخ نے کہا	میں کامیاب وصل جو اکبار ہوگیا
مدت سے خفتہ بختی کا شکوہ تھا آپ کو	کھئے نصیب آج تو بیدار ہوگیا

سلیم

سلیم ۔ میر سلیم اللہ شاہجہاں آبادی۔ خوش فکر۔ صائب الذہن۔ قدیم شعرا سے تھے صرف ایک شعر جو ہاتھ آیا ہے درج ہے ؎

سلیم تو نے جو قاتل کو دی مبارکباد	ہلالِ عید مگر تیغ کو خیال کیا

سلیم

سلیم ۔ صاحب عالم عالیان۔ شاہزادہ میرزا سلیم بہادر فرزند سومی حضرت اکبر شاہ ثانی اُنکی والدہ ممتاز محل اکبر شاہ ثانی کی چہیتی بیگم اور ملکۂ دوران تھیں اس لئے انکو بادشاہ بہت چاہتے تھے میرزا جہانگیر کی وفات کے بعد اُنکی ولیعہدی کیلئے کوشاں بھی ہوئے مگر کامیابی نہوئی۔ یہ خود نہایت فیاض خلیق۔ خوش خصائل تھے۔ میر محمدی صاحب سے بیعت تھی۔ اپنے پدر والاقدر کی حیات میں وفات پائی۔ میرزا سلیمان شاہ مرحوم اور میرزا ثریا جاہ صاحب بہادر جو بعد غدر سرپرست خاندان تیموریہ ہوئے اُنکے نواسے تھے۔ انکے بیٹے میرزا فیروز شاہ عرصہ تک ولایت میں رہ چکے ہیں۔ احاطۂ درگاہ نظام الدین اولیا میں میرزا سلیم کا مزار ہے اور مندرجۂ ذیل رباعی بہترین یادگار ہے ؎

جھگڑے سے جب دوئی کی فراغت ہوئی ہیں	کثرت میں سیر عالم وحدت ہوئی ہیں
ہی کوئی اپنا خانہ دل بھی عجب مکاں	جسمیں نصیب یار کی صحبت ہوئی ہیں

سلیم

سلیم ۔ کوئی کہنہ مشق شاعر تھے مسیحا لکھنوی شاگرد ناسخ سے تلمذ تھا تخئیل میں پرانی لکیر کے

فقیر۔ زلف وخط کے دلدادہ تھے۔ فکر یہ ہے۔

جہاں سے جاتا ہوں اُس سروِ قد کی فرقت میں / لحد بنے تہ شمشاد باغباں میری
مجھے ہلاک کیا ہے جو تلخ کامی نے / نہ کھائے گا سگِ جاناں بھی ہڈیاں میری
شبِ وصال وہ منہ کو پھیر کے رونے لگا / سنی جو یار نے پردرد داستاں میری

سلیم سلیم۔ میر عباس لکھنوی خلف میر عالم علی دارغہ چھوٹی شاہزادی۔ خواجہ آتش کے عزیز اور ممتاز شاگردوں میں انکا شمار تھا۔ بعض تذکرہ نویس کہتے ہیں کہ اسیر سے تلمذ تھا مگر یہ امر محتاج ثبوت ہی۔ زبان اور مضمون دونوں میں اپنے معصروں میں گوئے سبقت لیگئے تھے لکھنؤ میں راقم تذکرہ نے لوگوں کی زبان سے آپکی شوخی زبان کی تعریف سنی ہے غدر سے پیشتر عالم شباب میں انتقال کیا۔ کلام بہم رسیدہ کا انتخاب ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے ؎

دوست کی تمکو قسم اے دوستانِ کوئے دوست / دفن کرنا میرے لاشہ کو میانِ کوئے دوست
گوشِ جاناں نالۂ عشاق کے سامع نہیں / حاملانِ عرش سنتے ہیں فغانِ کوئے دوست
روزنِ دیوار انجم ماہِ تاباں خشت ہے / چاندنی ہر وقت رہتی ہی میانِ کوئے دوست
یہ زمیں وہ ہے کہا آتش نے جبیں اے سلیم / اے خوشا طالع تمہارے ساکنانِ کوئے دوست
ساحری ہیں تری اے ترکِ جفاکار آنکھیں / دل اُلٹ دیتی ہیں ہو جاتی ہیں جب چار آنکھیں
یار کا حاضر وغائب میں رہا ہم پہ عتاب / گالیاں منہ پہ کبھی دیں کبھی کوسا دل میں
دیر و کعبہ میں کسے شیخ و برہمن جو یا / ہم نے گھر یار ترا ڈھونڈ نکالا دل میں
گیسو کا تمہارے لقب اعجاز نما ہے / بل کھائے تو اژدر ہے نہ کھائے تو عصا ہے

سلیم سلیم۔ جناب منشی گوری شنکر صاحب کالستھ لکھنوی خلف شیخ بھان عرف لالہ چین سکھ رائے صاحب۔ آپکے دادا لالہ سادھو رام صاحب محلہ اشرف آباد لکھنؤ کے قدیم شرفا میں سے تھے سلطان عالم واجد علیشاہ بادشاہ اودھ کے عہد میں آپ کو تصنیف و تالیف کا مذاق پیدا ہوا تھا۔ ۱۹ سال کی عمر میں سید احمد میرزا صاحب صابر سے خوشنویسی و علم عروض

میں دستگاہ حاصل کی۔ پھر محمد میرزا صاحب اُنس شاگرد رشید حضرت ناسخ کے زمرہ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ منشی صاحب سرکار انگریزی میں بھی مختلف عہدوں پر ممتاز رہ چکے ہیں۔ آخر وقت میں آپ ٹھاکر مہاراج سنگھ صاحب بہادر تعلقہ دار کے نائب ریاست تھے۔ گو آپکا کلام لکھنؤ کی قدیم شاعری کا نمونہ ہے۔ مگر مضمون آفرینی سے خالی نہیں۔ اپنے زمانہ کے رنگ کیموافق استعارہ اور تشبیہ کے دلدادہ تھے گو ناسخ کی تحریر کے فریفتہ تھے تاہم بعض اشعار میں درد بھی ہے بعض بعض شعر ایسے کہتے ہیں کہ بیساختہ منہ سے واد نکلتی ہے معنی بندی میں کسیطرح اپنے ہمعصروں سے کم نہیں۔ نکتہ یاب ہیں معنی طراز ہیں۔ آپکا دیوان ۱۳۱۲ھ میں شایع ہو چکا ہے۔ جس کا انتخاب یہ ہے ؎

نہ ٹھہرے چشم ظاہر بیں ترے برقِ تجلی پر
ہے دشتِ جنوں میں جو مری خاک کو گردش

کیا پان کی سرخی ہی عیاں تیری گلے سے
رُخِ روشن ترا چشم و چراغِ جانِ عاشق ہے

کوچ کر جائیگی جاں خالی بدن رہ جائیگا
سادگی میں بھی عجب رنگ دکھایا اُس نے

فیضِ صحبت نہیں ہے جو ہنر آتی حکمت
خو و صیبت میں پھنسا حیف بیچ کیا سمجھا

پیرہن ہے چاک ادھر گل کا ادھر گریاں ہے شمع
صاف باطن جو ہیں آتے ہیں برابر سب پیش

ہوں میں عشق سبزہ خط میں یہ کا ہیدہ سلیم
پہونچا اک بار نہ اُس بام نشیں تک نالہ

دیکھتا ہوں میں جنوں گھر میں بہارِ صحرا

قضا نے پردہ ڈالا اسلئے پلکوں کی چلمن کا
گرداب کو دریا میں یہ چکر نہیں ہوتا

شیشے میں یہ لطف مئے احمر نہیں ہوتا
اُجالا ہے اندھیرے گھر کا جلوہ شمع قامت کا

ایک دن گم ہوگا یوسف پیرہن رہ جائیگا
حسن کا لطف بڑھا اور جو زیور نہ ہوا

قطرہ شبنم کا صدف میں کبھی گوہر نہ ہوا
عشق کا نام بُرا تھا ہے اچھا سمجھا

دیکھ یہ ادنی اثر ہے عاشقوں کی آہ کا
عکس آئینہ میں یکساں ہے گدا و شاہ کا

جسم لاغر پر گماں ہوتا ہے برگِ کاہ کا
گرچہ سو مرتبہ ایوانِ فلک چھو آیا

ذرہ ذرہ سے یہاں آئینہ دارِ صحرا

سبب ہے حسن بے پردہ ہجوم طائر دل کا
اڑا لایا ہے پروانوں کو جلوہ شمع محفل کا

کہاں جرّاح ٹانکے دے لگادے کس جگہ مرہم
دلوں میں زخم ہو جاتا ہے تیغ نازِ قاتل کا

ہوا ہے کس کا اشک گرم شامل آج دریا میں
کہ ہے ہر اک حبابِ آب چھالا دستِ ساحل کا

وقتِ آرائش مقابل ہو کے روئے صاف سے
آئینہ نے کیا مزاجِ یار کو برہم کیا

دل و دیں عشق میں ہوئے برباد
دیکھئے اب کرے زمانہ کیا

دل چلا ہے جو کوئے قاتل کو
جان دینے کو سہل جانا کیا

وہ ناتواں ہوں میں کہ مجھے بحرِ عشق میں
ہر اک حباب کاسۂ فولاد ہو گیا

ایسا پڑا ترے غمِ فرقت میں دردِ دل
ہاتھوں سے اپنے رشتۂ صبر و تواں گیا

نکلی چمن سے بلبلِ نالاں گلوں کیساتھ
ہمراہ کارواں جرسِ کارواں گیا

وائے بر بلبل کہ وقت دیدِ گل
دیدۂ شبنم نگہباں ہو گیا

عشق غارت گر نے لوٹا نقدِ صبر
کاروانِ دل پریشاں ہو گیا

تم نے مریضِ عشق سے آنکھ ایسی پھیر لی
پوچھا کبھی نہ حالِ دلِ دردمند کا

بربادیٔ قتیلِ محبت نہ پوچھئے
مشتِ غبار بھی مرا نذرِ صبا ہوا

جمالِ جاناں پہ ایک عالم کو ہو نہ کیونکر گماں چمن کا
دہن غنچہ کا زلف سنبل کی قد صنوبر کا رخ سمن کا

رکھا امانت کیطرح آغوشِ گور نے ہمکو تا قیامت
نہ بال بیکا ہوا ہمارا نہ تار میلا ہوا کفن کا

شب دہانِ زخم دل کا نالہ درد آمیز تھا
مشک افشاں کیا خیالِ زلف عنبر بیز تھا

جل کے خاکستر ہوا کیا سوزِ فرقت سے جگر
نالہ جو نکلا مرے منہ سے غبار آمیز تھا

لائی بالوں کی سفیدی جبکہ پیغامِ اجل
ہو گیا مجھکو یقیں یہ شیر زہر آمیز تھا

سخت جاں میں صورتِ سنگِ فساں ہوتا گیا
میرے دم سے خنجرِ قاتل رواں ہوتا گیا

جس قدر وہ خسروِ خوباں جواں ہوتا گیا
حسنِ عالمگیر آشوبِ جہاں ہوتا گیا

لیگیا راہِ حقیقت پہ مجھے عشقِ مجاز
ہر بتِ رنگیں ادا سنگِ نشاں ہوتا گیا

کیوں دلِ لاغر تلخ کامیٔ ہجر
عشق میں تو نے کچھ مزا ؟ دیکھا

کیا خبر سادہ رو کو باطن کی
آئینہ صورت آشنا دیکھا

لگی نہ آنکھ مری مثل دیدۂ انجم
سحر تک اُس مہِ تاباں کا انتظار رہا

اب نہ وہ سبزہ نہ وہ گلشن نہ وہ رنگِ چمن
دفترِ گُل بادِ صرصر سے تمام ابتر ہوا

کہتے ہیں سب واہ کیا تھا عاشقِ صادق سلیم
بعد مردن بھی غبارِ کوچۂ دلبر ہوا

پڑ گیا جسوقت عکسِ زلفِ عنبر بوئے دوست
سنبلستاں ہو گیا آئینۂ زانوئے دوست

بہتے ہیں آبِ اشک میں یوں لختہائے دل
دریا میں جسطرح ہوں رواں کاروانِ موج

کشتیاں لیچل اٹھا کر ساقیا گلزار سے
مجھکو تحجیرِ لبِ بطِ مے سے ہے کنارِ جو پسند

کبھی پہلو سے آنکھوں میں کبھی آنکھوں سے پہلو میں
قیامِ دل سے ہے شوقِ دید میں کب ایک منزل پر

منہ نہ حورانِ بہشتی کا ملایک دیکھیں
آنکھ پڑ جائے جو دنیا کے طرحداروں پر

نہ اٹھا ناز کیا عشقِ بتاں ترک سلیم
بھاری آتّے جو نظر چوم کے چھوڑے پتھر

جامہ زیبی کا سبب ہوگئے اسباب جنوں
طوق لپٹا مری گردن سے گریباں ہوکر

سیر کو تم نہ گئے تو ہوئی افسردہ بہار
اُڑ چلا رنگِ چمن گردِ بیاباں ہوکر

بوئے اُنس آتی ہے شاید مری تربت سے سلیم
روز جاتے ہیں سوئے گورِ غریباں ہوکر

مدت ہوئی بہار کا موسم گذر گیا
ہیں یاں کھلے ہوئے گلِ زخمِ جگر ہنوز

نارِ دوزخ کو بجھائیگا یہی پارۂ ابر
زاہدِ خشک نہیں دامنِ تر سے واقف

وحدت سے لایا عالمِ کثرت میں شوقِ یار
دریا کے آشنا ہوئے آبِ گہر سے ہم

دندانِ یار دیکھ کے گلشن میں شرم سے
شبنم کے قطرے ہوگئے دانے انار میں

زخمیٔ تیغِ محبت سے حلاوت پوچھو
آبِ آہن کا مزا خضر بھلا کیا جانیں

کوئی کچھ کہے تو کہا کرے تجھے بھولیں دل سے وہ ہم نہیں
ہمیں رنج خواریٔ عشق سے کبھی عار تیری قسم نہیں

مزا لے لیکے کٹوایا شہیدوں نے گلا قاتل
کہاں سے آگئی ایسی حلاوت آبِ خنجر میں

ہے ہجوم غم دلِ زار پر مگر آہ ضبط سے دلیں ہے
وہ سپاہِ عشق چڑھ آئی ہے کوئی ساتھ جسکی علم نہیں

نہ نگاہ اٹھائی مری طرف نہ پھنسا کبھی مرے دام میں
وہ عجب غزال رمیدہ ہے، کہ رقیب سے اُسے رم نہیں

کفِ پا سے اُسکا دشتِ خار میں جو ٹپک ٹپک کے گرا ہے خوں
گلِ تر ہیں دامنِ دشت میں ہمارے نقشِ قدم نہیں

مرے دل میں ہی یہ ٹھنی ہوئی رہوں طوفِ کوچۂ یار میں
مرا مدعا نہیں دیر سے مجھے آرزوئے حرم نہیں

غم ہجر میں ہو تڑپ تڑپ کے بسر نہ کیوں مری زندگی
جسے کھا کے مرتے ہیں آدمی مری جان تیغِ وہ ستم نہیں

مرا ضعفِ غم سے یہ حال ہے کہ سنبھلنا دلکا محال ہے
اب اٹھاؤں کوہِ فراق کیا کہ سلیم مجھ میں وہ دم نہیں

وقت گریہ کارِ قلزم دامنِ تر نے کیا
گر پڑیں بوندیں جو آنسو کی وہ گوہر ہوگئیں

داغ ہائے دل نے ثابت کر دیا دعوائے عشق
صورتِ احوال پر مہریں برابر ہوگئیں

جب نظر آیا جمالِ یار غش آیا سلیم
وصل کی راتیں شبِ فرقت سے بدتر ہوگئیں

خاکساری ہے باعثِ آرام
گردشِ آسماں زمیں میں نہیں

کیا کیا ہوس تھی آہ دلِ بیقرار میں
کنجِ قفس ملا مجھے فصلِ بہار میں

مالا عجیب گریۂ غم نے دیا مجھے
لختِ جگر نہیں ہے مرا اشکوں کے تار میں

مئے گلفام جو ساقی نے بھری شیشہ میں
رند سمجھے کہ اتر آئی پری شیشہ میں

آنکھوں کو خوں رُلائے مژگاں کی یاد میں
نشتر سے چھیڑتے رگِ ابرِ بہار کو

آیا ہوں اس کی تفرقہ پردازیوں سے تنگ
جاؤں اب اُس زمیں پہ جہاں آسماں نہ ہو

پہلا ہے طرفِ کوچۂ قاتل مجھکو
دشمنِ جاں نظر آتا ہے مرا دل مجھکو

مٹاؤں داغِ الم لیکے ہاتھ میں زلفیں
چراغِ ہجر بُجھاؤں دکھا کے کالوں کو

عاشق وہ ہوں کہ بعد فنا بھی رہیگی روح
بو ہو کے تیری کاکلِ عنبر فشاں کے ساتھ

تمہارے تیر کا پیکاں جو ٹوٹ کر رہجائے
زباں سینے دہنِ زخم میں دعا کیلئے

ہوں وہ حیرت کدۂ دہر میں نخلِ تصویر
جسکو صرصر سے زیاں ہے نہ ضرر گلچیں سے

جوشش پہ خوب ہے گلزارِ جوانی کی بہار
آج کل رنگ ٹپکتا ہے رخِ گلگوں سے

کسطرح دلِ غم فرقت میں بہل جاتا ہے — یاں تو رہ رہ کے کلیجہ کوئی مل جاتا ہے
پردے گلرخوں کے جہاں میں کیا اٹھو — حسنِ ازل کو تاب نہ آئی حجاب کی
دنیا پھرے نصیب پھرے آسماں پھرے — یارب مگر نہ مجھسے وہ آرام جاں پھرے
یوں پھر رہا ہوں غم سے میں نالاں شب فراق — جسطرح کوچہ کوچہ کوئی پاسباں پھرے
اقرار کر چکے جو محبت کا کر چکے — ممکن نہیں کہ قول سے اپنی زباں پھرے
دیکھو سلیم خنجرِ قاتل کے سامنے — جھپکے نہ آنکھ منہ نہ دمِ امتحاں پھرے
امید کب ہے فلک سے کہ پیرہن ملجائے — فنا کے بعد غنیمت ہے جو کفن مل جائے
وہ بدنصیب ہوں میں شاہ راہِ ہستی میں — کروں تلاش خضر کی تو راہ زن مل جائے
سلیم بلبل و پروانہ لڑ مریں سرِ بزم — جو شمع کو کہیں غنچہ کا پیرہن مل جائے
کہوں کیا تجھسے حالِ دردِ فرقت — حکایت ہی زیادہ رات کم ہے
شبِ تارِ لحد میں ہوں وہ بیکس — کہ میرے سایہ کو بھی مجھسے رم ہے
فیض ساقی سے کیا عجب ہے کہ مے — قطرہ قطرہ سبو سبو ہو جائے
ہائے یہ انقلاب چرخ سلیمؔ — دوست اپنا جو ہو عدو ہو جائے
قالبِ خاکی میں جلوے جان کے — جائے صدقے خدا کی شان کے
جان جب تک جان میں ہے تمکو جان — جانتے ہیں ہم برابر جان کے
ساقیا دے مے کہ برسات آگئی — ابرِ تر کا شامیانہ تان کے
مصحفِ رخ پر ترے گیسو نہیں — سلسلے ہیں عشق کے ایمان کے
باغباں دیکھوں میں کیا لالے کی سیر — ہجر میں لالے پڑے ہیں جان کے
عشق نے اُٹھوائے ان سے کوہِ غم — جن سے بوجھ اُٹھتے نہ تھے احسان کے
بولے سعدی یہ غزل سنکر سلیمؔ — شعر کیا تحفے ہیں ہندوستان کے
نالہ آئے نہ پیام آئے نہ جاناں آئے — کس طرح چین مجھے لے غم ہجراں آئے

غم نصیب ایسا ہوں دل وصل میں بھی شاد نہو	زلف کو دیکھ کے یاد شب ہجراں آئے
ابر نیساں یہ برستا ہی کہ لائے عیرت گل	تیرے گیسو میں کوئی سلک گہر ٹوٹ گئی
اب لطف دید کیا ہے کہ آئے ہو نزع میں	پل مارنے کی جب مجھے مہلت نہیں رہی
دل کا غبار پردۂ خط میں ہوا عیاں	اب انکے صاف رہنے کی صورت نہیں رہی
یہ شعاعیں نہیں خورشید ترے چہرے سے	ہاتھ پھیلا کے طلبگار ضیا ہوتا ہے
سخت دل کیوں نہ پسِ نالۂ لبوں آئیں	کارواں پیرو آواز درا ہوتا ہے
کیا نور ہے تلوؤں میں ترے رنگ حنا سے	خجلت ید بیضا کو ہے نقش کف پا سے

سلیم

سلیم ۔ شیخ سلیم الزماں ۔ ملازم سرکار رامپور ۔ شاہ مجید الزمان کے بیٹے تھے حضرت امیر مینائی سے تلمذ تھا سنہ ۱۲۵۸ھ میں پیدا ہوئے کلام یہ ہی ؎

جس پر پڑی نگاہ وہ تسخیر ہوگیا	جادو بھرا ہوا تھا تمہاری نگاہ میں
ہے آنکھ اپنی جلوۂ وحدت سی آشنا	اب دوسرا سما نہیں سکتا نگاہ میں

سلیم

سلیم ۔ نواب سید علی حسین خاں خلف اصغر نواب صدیق حسن خاں بہادر قنوجی و بھوپالی آپ سنہ ۱۲۸۳ھ میں پیدا ہوئے ۔ شاہجہاں بیگم صاحبہ نے شفقت مادری سے مفتخر فرمایا اور اسقدر زر و جواہر عطا کیا کہ پشتوں کیلئے حصول دولت سے بے نیاز کر دیا ۔ عربی میں فارغ التحصیل اور فارسی میں دستگاہ کامل ہے ۔ شعر کا بہت شوق ہے ۔ دس بارہ برس کی عمر تھی کہ انکے نام سے ۔ اُردو ۔ فارسی شعرا کے تذکرے بھوپال سے شایع ہوئے ۔ سلطان جہاں بیگم صاحبہ کی مسند نشینی بھوپال سے چلے آئے انکے بعد سے لکھنؤ میں رہتے ہیں ۔ وہیں امیرانہ زندگی بسر کرتے ہیں ۔ مٹیابرج میں بھی جائداد ہے ۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں اُردو کلام کا مجموعہ شایع ہوچکا ہے راقم تذکرہ سے دوسرہ دون میں ملاقات ہوئی تھی خلیق اور ملنسار شخص ہیں ۔ اب سنا ہی کہ بیگم صاحبہ بھوپال سے سابقہ رنجش دور ہو کر صفائی ہوگئی اور بھوپال میں آمد و رفت کی اجازت مل گئی ہے ۔ کچھ شعر نذر ناظرین ہیں ؎

عمر یوں کاٹی کسی کی یاد میں | شام نالے میں سحر فریاد میں
ہم اسیرانِ محبت کا ہے گھر | یا قفس میں یا کفِ صیاد میں
شوق نے اب اور مضطر کر دیا | چٹکیاں لیکر دلِ ناشاد میں
چھوڑ دو الفت بتوں کی اے سلیم | دل لگاؤ اب خدا کی یاد میں

سلیم

سلیم ۔ میاں ارجمند خاں خلف اکبر نواب یٰسین محمد خاں مرحوم ۱۲۹۳ھ میں بمقام بھوپال پیدا ہوئے ۔ تاریخی نام متقی محمد خاں ہے ۔ بانی ریاست بھوپال کی ساتویں پشت میں ہیں اسوقت ۴۴ سال کی عمر ہے منشی عبدالعزیز اعجاز رقم سہسوانی سے تلمذ ہے ۔ بہت سی کتابیں انکی تصنیف و تالیف سے طبع ہو چکی ہیں ۔ عربی ۔ فارسی بقدر ضرورت انگریزی جانتے ہیں ۔ شاعری کے شوقین ہیں ۔ انتخاب یہ ہے ؎

دیکھا جو طولِ زلف محبت کی آنکھ سے | پایا کمال خضر نے عمرِ دراز کا
جگر صد چاک دل صد پارہ جاں آوارۂ گیسو | خرابی نے اڑایا ہے طرح خاکا مرے گھر کا
کدورت جاتے جاتے جائیگی اے بت ترے دل سے | مٹا کرتا ہے مٹتے مٹتے آخر نقش پتھر کا
لیا دل اُس نے لیکن یہ نہ جانا | قیامت ہے کسی کے دل کا آنا
کہیں جاگے نہ تھے شب کو یہ مانا | ذرا آنکھوں سے آنکھیں تو ملانا
گلہ کرنے نہیں دیتے جفا کا | بھلا اس ظلم کا ہے کیا ٹھکانا
وہ آئے تیغ بکف لو تمہیں مبارک ہو | سلیم وقت ہے تقدیر آزمانے کا
اے غم و اندوہ و حرماں چل دئے دل چھوڑ کر | واہ میرے مرتے ہی گھبرا گئے اس گھر سے آپ
تمنا ہے ترے خنجر کے جوہر | پڑیں میرے گلے میں ہار ہو کر
پھر کھلائیگا کوئی تازہ شگوفہ شاید | خطِ گلزار میں آیا ہے مجھے یار کا خط
الٰہی توبہ یہ توبہ بھی ہے آفت کی ہرجائی | کبھی ہے بادہ خوار دنیں کبھی پرہیزگار دنیں
جگا لیتی ہیں کچھ کچھ کہہ کے وہ آنکھیں شہیدوں کو | وہ کچھ پڑھ پڑھ کے منتر پھونک دیتے ہیں اشاروں میں

اُنکے ابرو کا طہارت سے ہی سجدہ منظور ــــ چاہیے گردِ نظر بھر تیمم مجھکو
یاالٰہی شبِ فرقت ہی سہی ـ ــــ صبح ہو صبحِ قیامت ہی سہی

پاس اتنا تو ہے توبہ شکنی کا ساقی ــــ مے جو پیتا ہوں تو ٹوٹے ہوئے پیمانے سے
منتظر تیری نگاہوں کا رہا دورِ زماں ــــ رُخ تری نظروں کا ساتوں آسمان کھا گئی
کر چکے طے منزلِ ہستی کو اپنی اور ہم ــــ نقشِ پائے توسنِ عمرِ رواں دیکھا کیے

سلیم

سلیم ـ سید حسین صاحب لکھنوی ـ شاگرد محمد مصطفیٰ خورشید لکھنوی کلکتہ میں قیام ہے رنگ تغزل سے بخوبی آشنا ہیں سو دلی واردات لکھتے ہیں ـ مزیدار شعر کہتے ہیں ـ زمانہ کی رفتار سے آگاہ ہیں لفظی رعایتوں سے عار ہے ضلع جگت سے پرہیز ـ انتخاب یہ ہے ٥

حسنِ فطرت کے تماشے سے ہو حیراں و شوخ ــــ آئینہ دیکھا تو خود آئینہ بنکر رہ گیا
خدا جانے وہ کیسی تھی محبت قیس و لیلیٰ میں ــــ اسے صحرا پسند آیا اُسے محمل پسند آیا
ایک حرفِ آرزو ایسا قیامت زا ہوا ــــ جسکو ہم اپنا سمجھتے تھے وہی بیگانہ تھا

نگاہِ بد سے گر ڈرتے ہو تم غیروں کی صحبت میں ــــ ادہر آؤ چھپا لوں تمکو آغوشِ محبت میں
نہ ہو تم دل میں رہ کر ظاہری تعظیم کے طالب ــــ تکلف برطرف ہے روز کی صاحب سلامت میں
حسینوں کی لگاوٹ دین و ایماں لے گئی اپنا ــــ قدم رکھتے ہی ہم تو لٹ گئے کوئے محبت میں
نظر کر تو ذرا اس اتحادِ حسن و الفت پر ــــ ہے میری ناتوانی جلوہ گر تیری نزاکت میں

مٹ گئے اہلِ محبت کھل گیا اسرارِ عشق ــــ جو ہوا اچھا ہوا اب آپ پچھتاتے ہیں کیوں
ہو چکا عالم جوانی کا تمام ــــ چونک اے غافل کہ پچھلی رات ہے
جسقدر لائق ہو اپنی شان کے ــــ آدمی کو زیب اتنی بات ہے

گو زمانہ ہو گیا تجھسے ہمیں چھوٹے ہوئے ــــ اب بھی یاد آتے ہیں وہ اگلے مزے لوٹے ہوئے
وہ جو خود آکر ملے اک عمر کے چھوٹے ہوئے ــــ سارے شکوے بے محل سارے گلے جھوٹے ہوئے
رہزنی کے فن میں ہے مشاق وہ نیچی نگاہ ــــ بیٹھی ہے لاکھوں دلوں کے قافلے لوٹے ہوئے

اسکی دو باتوں نے پھیرا داورِ محشر کا رُخ
لو قیامت ہو گئی یاں بھی ہمیں جھوٹے ہوئے

عارضی دولت پہ تھالے باغباں کیسا گھمنڈ
اب بتا تیرے چمن کے کیا وہ گل بوٹے ہوئے

ایسی حالت میں امیدِ زندگی کیا ہو سلیم
لاکھ غم ہیں ایک جانِ زار پر ٹوٹے ہوئے

ایسا ہی اگر وصل سے انکار ہے تمکو
لکھا مری قسمت کا مٹا کیوں نہیں دیتے

بیمار کو جینے کی دوا کیوں نہیں دیتے
تم شربتِ دیدار پلا کیوں نہیں دیتے

عشق میں سکو نصیحت شہ بھی ہنگامِ جنوں
کیا کرے بیچارہ ناصح عقل سے معذور ہے

دیر سے کعبے گئے کعبہ سے آئے دیر میں
کیا کریں دونوں جگہ رہنا ہمیں منظور ہے

سب ہیں میرے ہی خون کے پیاسے
تیغ بھی بے پئے لہو نہ گئی

ہجر میں سب نے ساتھ چھوڑ دیا
پر امیدِ وصال تو نہ گئی

گالیاں لاکھ دیں حسینوں نے
پر سلیم اپنی آبرو نہ گئی

اتنی سی بات پہ مجھے اس لیئے ناز ہے
جسکا نیاز مند ہوں وہ بے نیاز ہے

پڑھتا ہوں روز مصحفِ رخ دیکھکر درود
بے سجدے بے سلام کے میری نماز ہے

زاہد برائے سجدہ کوئی اور جا نہ تھی
مسجد تو قتل گاہ شہیدانِ ناز ہے

دیکھا ہے اور پھر نہیں دیکھا تمہارا حسن
عالم پہ کھل چکا ہے مگر پھر بھی راز ہے

الفت بھی ایسا جرم ہے جسکی سزا ہے قتل
انصاف شرط آپ کو بندہ نواز ہے

سلیم ۔ سید منے صاحب ۔ نبیرۂ میر انیس مرحوم ۔ آپ میر محمد علی صاحب عارف لکھنوی کے شاگرد بھی ہیں ۔ برادر زادہ بھی ۔ فصیح بول چال انکے ورثہ میں آئی ہے ۔ غزل میں بھی وہی سادگی ہے ۔ کلام یہ ہے ؎ سلیم

بیخودی تو کچھ نہیں کرتی مداوا درد کا
ناتوانی تو دلِ مضطر کو سمجھاتی نہیں

جوششِ گریہ بتا ہاں میں ہو گیا کیوں ناتواں
کہیئے آنسو [illegible] تھے کہ اب کروٹ بھی لیجاتی نہیں

ہجر میں مرنا سلیم امید ہی امید سے ہے
کوئی بھی مرتا نہیں جب تک قضا آتی نہیں

سلیم

سلیم ۔ منشی محمد سلیم ۔ باشندۂ بھرائچ سید محمد صاحب فرخ مچھلی شہری کے شاگردوں میں ہیں اب عرصہ سے انکا کلام گلدستوں میں نظر نہیں آتا ۔ شوخ زبان ہیں ۔ طبیعت سخن آفریں اور معنی تراش ہے تخیل میں جولانی ہے ۔ انتخاب یہ ہے

کہتے ہیں وہ مرا دل مضطر لئے ہوئے
کیوں جی اسی کو پھرتے ہو در در لئے ہوئے

شب وعدہ الگ بیٹھے ہیں جا کے
کہ لیجائے ہمیں کوئی منا کے

برا کہتا ہے واعظ دخت رز کو
یہ غیبت اور پھر گھر میں خدا کے

سب کچھ تو کہہ لیا سر محفل برا بھلا
اب اور کیا کہوگے تم اسکے سوا مجھے

اللہ ری شان عجز کہ جیب خاک ہوگیا
چلتی ہے اپنے دوش پہ لیکر صبا مجھے

مجھی سے کہتا ہے وہ شوخ لیکے دل میرا
جو مفت ہاتھ لگا ہو وہ مال کیا ہے

کیا کیا بگڑ بگڑ کے وہ میدان حشر میں
دامن چھڑا رہے ہیں کسی دادخواہ سے

تجھسا حسین ہاں بھی نہ کوئی نظر پڑا
گذرا تمام مجمع محشر نگاہ سے

غرور حسن سے وہ مجمع محشر میں کہتے ہیں
ہزاروں میں نظر جسپر پڑے صورت وہی اچھی

قیدی الفت گیسو کی رہائی کیسی
ہم کہیں چھوٹتے ہیں لاکھ وہ آزاد کرے

بے مزے درد محبت کے کسی پر مرکے
زندگی دے جو خدا مفت نہ برباد کرے

لطف شادی سے زیادہ ہے کہیں غم کا مزا
شاد آباد رہے جو ہمیں ناشاد کرے

کیا ردی حال ہو نزع میں ہچکی سے سلیم
اور مانگو گے دعا کوئی مجھے یاد کرے

سلیم

سلیم ۔ مولوی سلیم اللہ ساکن بدایوں ۔ مولوی احمد حسن وحشت بدایونی کے ارشد تلامذہ میں تھے فارسی زبان میں اچھی استعداد تھی معلمی کے ذریعہ سے بسر اوقات کرتے تھے غزل گوئی کی طرف کم توجہ تھی ۔ سلام ۔ رباعیات کہنے کا شوق تھا ۔ موج کوثر چشمۂ کوثر سلسبیل کوثر جنمیں نعت منقبت درج ہیں انکی یادگار ہیں ۱۹۲۳ء میں وفات ہوئی ۶۴ برس کی عمر پائی ۔

دنیا سے جو اختصار کا چھوڑا ہم نے (۲)
احباب سے اپنے منہ کو موڑا ہم نے

دیکھا جو شبیہ بے نیازی کو سلیم

دنیا کا نگار گرچہ لاثانی ہے
غرّہ ہے سلیم دن کے آئینہ کا عبث

خورشید جہاں تاب میں ضو تیری ہے
ہر دل میں بھڑکتی ہے تری آتشِ عشق

آتش میں جہاں سوزِ جگر سے پایا
فریاد و فغان و آہ و سینہ کوبی

میزان میں اعمال کو تُلتے دیکھا
آساں نہوئی وہ کون مشکل تھی سلیم

سرسبز نہالِ عیش ہونے نہ دیا
غوغائے قیامت نے کیا تنگ بہت

بادۂ کوثر کو پی کر میں شرابی ہو گیا
خوابِ غفلت سے اٹھا ای دلِ خانہ خراب

عدم کو چلے ہائے ہم خالی ہاتھ
زمیں پر نہ آرام ہم کو ملا
دئے داغ گردوں نے ہم کو سلیم

برنگ غنچہ پژمردہ ہو رہا ہے دل
ہمیشہ شاہدِ مضموں سے اختلاط رہا

سر اک رکھتا ہے تختِ جگر کو آنکھوں میں
دید اسکی ہے ہم آغوشیٔ عشرت کا سبب
تھر تھراتے ہیں قدم شاہوں کے رعب تھر سے

آئینۂ حرص و آز توڑا ہم نے

باقی نرہے گا نقش یہ فانی ہے
بے شبہ یہ جان ایک دن جانی ہے

رکھتا یہ تجلی مہ تو تیری ہے
جس شمع کو دیکھتا ہوں ضو تیری ہے

شرمندہ گہر سرشک تر سے پایا
کیا کیا ہم نے الم کے گھر سے پایا

آنکھوں سے دُرِ اشک کو رُلتے دیکھا
ہر عقدۂ دشوار کو کھلتے دیکھا

تخمِ راحت سلیم بونے نہ دیا
مرقد میں مجھے چین سے سونے نہ دیا

بیخودی میں ہوش بھی نذرِ خرابی ہو گیا
صبحِ پیری آگئی عہدِ جوانی ہو گیا

لٹے راہ میں کارواں کی طرح
رہے "چرخ" میں آسماں کی طرح
کھلے تن پہ گل بوستاں کی طرح

سحابِ لطف سے طالبِ کرم ہم بھی ہیں
خدا یدانِ سخن اے سلیم ہم بھی ہیں

طفلِ اشک مری چشمِ تر میں کیوں نہ ہے
عید کا دن ہے بیاضِ صبحِ پیشانی مجھے
بن گیا ہے بوریا تختِ سلیمانی مجھے

روز محشر کی درازی محو دل سے ہو گئی | یاد جب آئی شب فرقت کی طولانی مجھے

سلام

غم سجاد میں دل محو شیون ہو ہی جاتا ہے | خدنگ آہ سے گردوں میں روزن ہو ہی جاتا ہے
رخ معنیٰ پہ جوبن فکر سے ملتا ہوں میں غازہ | دوچنداں شاہد مضموں کا جوبن ہو ہی جاتا ہے
خرام اشہب حضرت کی جب توصیف لکھتا ہوں | ہر اک مصرع مرا شوخی میں توسن ہو ہی جاتا ہے
طمانچے مارتا ہے شمر ملعوں جب سکینہ کے | رخ رنگیں برنگ برگ سوسن ہو ہی جاتا ہے
کٹاتے ہیں جو سر راہ خدا میں شوق سے اپنا | برنگ شمع انکا نام روشن ہو ہی جاتا ہے

مرثیہ

یارب کھلے مرا چمن لالہ زار نظم | بحر سخن سے آج بہے جوئبار نظم
سرسبز آب فکر سے ہو شاخسار نظم | دکھلائے رنگ باغ جہاں میں بہار نظم
تحسین کا شور ہو دہن ہر صفیر سے
بلبل کے چہچہے ہوں قلم کے صریر سے

اے حسن بیاں شکل بلاغت کو دکھا دے | اے خوبی تقریر فصاحت کو دکھا دے
اے تیغ زباں جوہر فطرت کو دکھا دے | اے ذہن رسا زور طبیعت کو دکھا دے
اے خامۂ اعجاز رقم آج رواں ہو
اے غنچۂ مضموں گل بستان جناں ہو

صف باندھے ہوئے آئے مضامین کا لشکر | ہو جائے فسوں بندش یکتا نہ اٹھے سر
مانیں مرے لوہے کو جو اس فن کے ہیں افسر | رستم کی طرح معرکۂ نظم کروں سر
طبل و علم و تاج مرے سامنے لائیں
شاہان سخن باج مرے سامنے لائیں

بندش سے مری شوکت جمشید دکھا دے | کاغذ سے بیاض سحر عید دکھا دے
لفظوں سے مرے جلوۂ ناہید دکھا دے | ہر دائرہ حرف سے خورشید دکھا دے
عالم ہو منور مرے معنیٰ کی ضیا سے

خورشید چھپے پردۂ مغرب میں حیا سے

ہر گام پہ چلتا ہے دم جنگ نئی چال ٭ سبزہ کی طرح فوج عدو کرتا ہے پامال
خوگر ہے جو خوں ریزیٔ دشمن کا مہ و سال ٭ ہمرنگ گل تر ہیں قدم خوں میں نہا کے لال

مطلع ثانی

مجروح عدو نعل کے خنجر سے کٹے ہیں
مانند چمن ون میں گل زخم کھلے ہیں

گہ کاٹ کے بکتر کو عجب ڈھنگ سے نکلی ٭ مانند شرر گاہ دل سنگ سے نکلی
گہ مثل فغاں سینۂ سرہنگ سے نکلی ٭ گہ صورت رستم سپہ جنگ سے نکلی

مطلع ثالث

سیفی کا نمونہ وہ حسام دو زباں تھی
اک ہاتھ میں رہوار کا سر تھا نہ عناں تھی

سلیم

سلیم۔ مولوی وحید الدین باشندۂ پانی پت۔ مولانا حالی کے قریبی عزیز ہیں۔ اور شاید فن سخن میں اُن سے مستفیض ہوے ہیں۔ عرصۂ دراز تک علیگڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کے اڈیٹر رہے پھر لکھنؤ میں اخبار مسلم گزٹ کو آپ ہی کی ارادت میں فروغ حاصل ہوا تھا۔ آجکل اُردو جامع عثمانیہ میں پروفیسر ہیں اور حیدرآباد دکن کی ادبی مجالس میں بڑے ذوق شوق سے حصہ لیتے ہیں۔ آپکی عمر قریباً پچاس برس کی ہوگی۔ دورِ موجودہ کے قابل اور مستند اہلِ ادب میں آپ درجۂ امتیاز رکھتے ہیں۔ نمونۂ کلام یہ ہے ؎

سرو چمن کے رہ نہ جائے تو اے طائرِ چمن ٭ گائینگے اک ترانۂ رنگیں چمن میں ہم
ہے جی میں ہو کے نعرہ زناں تیغ عشق میں ٭ اک زلزلہ سا ڈالدیں چرخ کہن میں ہم
پہلو میں لائے ہیں دل افسردہ اپنے ساتھ ٭ ہیں اک چراغ کشتہ تری انجمن میں ہم
ہیں دیکھتے ہنسی میں تری موج زندگی ٭ پاتے ہیں موت تیری جبیں کی شکن میں ہم
اے شیخ جب نظر میں نہ تیری سما سکے ٭ پیدا کرینگے راہ دل برہمن میں ہم
پرتو ہے تیرے حسن کی نیرنگیوں کا یہ ٭ پاتے ہیں رنگ و بو جو گل و سمن میں ہم

دنیا میں ہوا ولولۂ دید کی ہے تیز
اے عالم فطرت ترے پردے نہ الٹ جائیں

افسردہ ارادے تری مٹھی میں ہیں اے دل
یہ تیر تو وہ ہیں جو نشانے سے اچٹ جائیں

اے عشق تری شوخیاں اب حد سے سوا ہیں
خطرہ ہے کہیں حسن کے تیور نہ پلٹ جائیں

تیری نظرِ لطف پہ بنیادِ جہاں ہے
برپا ہو قیامت ترے تیور جو پلٹ جائیں

اے کاش ہو وہ جلوۂ بیرنگ نمایاں
یہ رنگ کے بادل ہیں جو چھائے ہوئے پھٹ جائیں

یوں عقل پہ چھوٹے ہیں مرے نفس کے حملے
جسطرح کہ چیتے کسی آہو پہ جھپٹ جائیں

احسان نہ اٹھاؤں گا کبھی ابرِ کرم کا
گو باغِ تمنا میں جو پودے ہیں وہ چھٹ جائیں

کس کام کی اے دل وہ ترقی کی امنگیں
ہر دم صفِ انجم سے جو ٹکرا کے پلٹ جائیں

منزل ہے کٹھن راہِ فنا کہتے ہیں جس کو
حیرت نہیں گر خضر کے پاؤں بھی رپٹ جائیں

بلبل جو اڑاتی ہے دھواں سوزِ جگر سے
اندیشہ ہے پھولوں کے کہیں رنگ نہ کٹ جائیں

انگشت نما ہونے سے یوں جاتی ہے رونق
انگلی سے گلستاں کے ورق جیسے الٹ جائیں

تم اور قیامت کا نہ دکھلاؤ تماشا
فتنے نہ کہیں اُن کے دامن سے لپٹ جائیں

رکھ نفس کے جذبوں سے سلیم آپ کو محفوظ
یہ سانپ ہیں وہ کاٹ کے جو مڑ کے الٹ جائیں

جسکی خاطر سے جکا تھا دین و دنیا کو جواب
اُن تمناؤں کی اب کرنی ہے قربانی مجھے

سلیم

سلیم ۔ منشی سلیم اللہ خاں محرر۔ روشنگ پور اٹاوہ۔ تلمیذ شوکت میرٹھی۔ آپ کا کلام سوز و گداز سے خالی درد و اثر سے بے نیاز ہے۔ آورد بہت ہے آمد کا نام نہیں اپنے استاد کی تقلید میں صید مضمون کے پیچھے شہباز خیال کو چھوڑ دیتے ہیں جو کچھ شکار ہاتھ لگتا ہے اُس پر قانع ہیں۔ فکر کی نمک ریزی یہ ہے ؎

دیر و کعبہ میں تیا غافل ہے کیا رکھا ہوا
شاہدِ مقصود ہے دل میں ترے بیٹھا ہوا

ہجومِ تشنگانِ آبِ خنجر قتل گہ میں ہے
کریں سیراب کس کس کو وہ خود گھبرائے جاتے ہیں

حنا جب غیر ملتے ہیں کفِ پائے ستمگر میں
تو بھر جاتا ہے خوں حسرت سے میرے دیدۂ تر میں

آغوشِ ضبط سے تجھے ڈالیگا خاک پر
سلیمؔ غمزدہ کا حال ساقی پوچھتا ہے کیا
اسی غم سے میں روتا ہوں کہ اس غارت گرِ دل نے
تارِ نفس پہ آتی ہے ہردم یہی خبر
کر سیرِ تو وجود کی سب کچھ اسی میں ہے
یوں نغمہ زن ہے نے کہ ذرا ہوشیار ہو

اے طفلِ اشک پنجۂ مژگاں کے سر نہ ہو
فلک کے ہاتھ سے گردش میں شکل جام پھرتا ہے
کبھی ہنسکر نہ یہ پوچھا کہ تیرا مدعا کیا ہے
گردن کا تیری رشتہ ملا لامکاں سے ہے
وہ کعبہ و کنشت میں آیا کہاں سے ہے
واں کی بھی کچھ خبر ہے کہ تو آیا جہاں سے ہے

سلیم

سلیم۔ حکیم سید فیض الحسن سہسوانی۔ آپ حضرت امیر مینائی مرحوم کے شاگرد ہیں۔ آج کل بمبئی میں مقیم ہیں۔ سادہ گو اور سلاست پسند ہیں۔ کلام گرمی اور شوخی سے بیگانہ ہے انتخاب یہ ہے ؎

وحشت کفن کو دیکھ کے کہتی ہے اسطرح
اے آسمان ظلم کی کچھ انتہا بھی ہے
وحشت بڑھی ہوئی ہے دل بیقرار ہیں
میری سے یہ بیادا۔ کہ کچھ بھی نہیں قرار

اچھا لباس ہے کہ کہیں آستیں نہیں
دو گز مرے مزار کو پیدا زمیں نہیں
دامن ادھر سیا تو ادھر آستیں نہیں
میری ہے یہ مثال جہاں ہوں وہیں نہیں

سلیم

سلیم۔ سلیم الدین صاحب بہار کی کے ایک معزز خاندان سے ہیں ۱۹۱۴ء میں آپکی عمر ۱۹ سال کی تھی اور انٹرنس کلاس میں پڑھتے تھے سخن گوئی کا شوق لڑکپن سے ہے۔ نومشق شاعر ہیں طبیعت میں آمد ہے۔ اکثر موقعوں پر برجستہ شعر کہتے ہیں۔ کلام یہ ہے

کوئے دلبر کی ہوا سر میں سمائی ہے سلیم
سوزِ درد کی آہ نے ہمیں خاک کر دیا
رنگ خودی مٹا دے دل سے دوئی اٹھا دے
پردۂ ساز میں در پردہ کوئی ہے معشوق
سجدہ کرتے ہیں برہمن لیے شام و سحر

خاک خوش ہوں گے بھلا روضۂ رضواں لیکر
رکھتا تھا وہیں ہم سے کہاں کا غبار دل
اک جلوہ ہیں دکھا دے ہوں منتظر میں کب سے
دل جو کھنچ جاتا ہے دلکش وہ صدا کون سی ہے
ماہ و خورشید میں یارب یہ ضیا کون سی ہے

سلیم

سلیم۔ منشی سید قادر الدین حیدرآبادی ۱۹۱۰ء میں جب آغا شاعر دہلوی دکن میں راجہ بانت

کی سرکار میں ملازم تھے۔ اسوقت یہ انہیں سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ بندشیں صاف ستھری۔ خیالات پیچیدگی سے آزاد ہیں کیوں نہو اُستاد کیسا ماہرزبان اور جادوطراز سخنور ہے اس زمانہ کا منتخب کلام یہ ہے ؎

عبث تکلیف کی ذکرِ عدو کو چھیڑ کر تم نے
بچایا مہربانی نے تری ہر طرح سے ورنہ
یہ دیکھنا ہے دیکھینگے وہ کسکو بزم میں
دل ہو جگر ہو چھید گیا جو سامنے ہوا

جلا شکے لئے کیا آتشِ رنگِ حنا کم تھی
عدو کو خاک کر دیتے کو میری آہ کیا کم تھی
لاکھوں لڑی ہوئی ہیں نگاہیں نگاہ سے
اللہ کی پناہ کسی کی نگاہ سے

سلیمان

سلیمان ۔ سلیمان خاں صاحب دہلوی مقیم عظیم آباد شعرائے قدیم سے تھے اشرف خاں فغاں دہلوی سے تلمذ تھا۔ مضمون آفرینی کے دلدادہ تھے حُسنِ خیال یہ ہے ؎

جھکی جاتی ہیں آنکھیں آج نرگس کی گلستاں میں
نظر آئی حنا بندی مجھے کس گل کے ہاتھوں کی
دیا کس مست کے ہاتھوں میں شیشۂ دل کو

چمن میں ذکر تھا شاید تری مخمور آنکھوں کا
کہ اشکِ سرخ سے کاسہ ہوا معمور آنکھوں کا
سلیمان سا کوئی دیکھا نہیں معذور آنکھوں کا

سلیمان

سلیمان ۔ صاحب عالم و عالمیان میرزا سلیمان شکوہ بہادر خلف سوئم خلد مکانی حضرت شاہ عالم ثانی۔ تباہی سلطنت یعنی نمکحرام غلام قادر کی بغاوت کے بعد قلعۂ معلی کی سکونت ترک فرماکر اپنے برادر بزرگ میرزا جواں بخت بہادر ولیعہد کیطرح لکھنؤ میں اقامت گزیں ہوئے نواب آصف الدولہ بہادر نے بنام صرف خاصہ اخراجات سرکار شاہزادہ کیلئے چھ ہزار ماہوار مقرر کر دئے۔ نواب سعادت علیخاں اور غازی الدین حیدر نے ۱۸۱۷ء تک حسب دستور قدیم صاحب عالم کے سامنے وزیر اعظم کیطرح پیش آئے۔ نذریں دیں خلعت پہنے جب غازی الدین حیدر نے تاج شاہی پہنکر تخت سلطنت پر جلوس کیا تو بدرجۂ مساوات ملاقات چاہی۔ صاحب عالم کو یہ جدید حرکت ناگوار گذری لیکن باقتضائے مصلحت وقت میرزا نصیر الدین حیدر کیساتھ اپنی صاحبزادی کی شادی کر دی جو سلطان بہو کے خطاب سے مشہور ہوئیں۔ مگر ہمیشہ شوہر سے ناموافقت

رہی۔ انہیں اسباب سے صاحب عالم سخت دل برداشتہ اور آزردہ خاطر رہے۔ آخرکار ۲۸ سال لکھنؤ میں قیام فرما کر کاسگنج میں اپنے پرانے دوست کرنل گارڈنر کے پاس چند ماہ رہ کر اکبرآباد میں سکونت اختیار کر لی۔ اکبر شاہ ثانی کے زمانہ میں کئی بار دہلی آئے۔ اور اپنی متعدد لڑکے لڑکیوں کی شادیاں رچائیں۔ ۲۹ ذیقعدہ ۱۲۵۳ھ مطابق فروری ۱۸۳۸ء میں انتقال کیا ع۔ بگرد برشاہ رحمت خدا۔ کتبہ لوح مزار ہے۔ صاحب عالم بادشاہ اکبر کے مقبرہ میں بمقام سکندرہ مدفون ہوئے۔

آپ کثیر العیال علماء و شعراء کے قدردان۔ با مروت نیک خو تھے۔ ابتدا سے شوق میں شاہ حاتم کے شاگرد ہوئے۔ انشاء اللہ خاں اور مصحفی کے زمانہ میں کہنہ مشق تھے۔ دہلی سے جو باکمال لکھنؤ جاتا تھا پہلے انکے ہاں حاضر ہوتا تھا اور یہ بھی الطاف میرانہ سے پیش آتے تھے۔ لکھنؤ میں انکے دولتکدہ پر مشاعرے ہوتے تھے۔ مصحفی قتیل۔ انشا۔ میر حسن سب اسی سرکار کے دعاگو تھے۔ اور انکے مطارحات اور مبلغے اکثر آپ ہی کے دربار میں رہے۔ کلام میں عالی دماغی کی بو آتی ہے۔ الفاظ سے شاہانہ شوکت پائی جاتی ہے۔ آپکا قلمی دیوان مولف تذکرہ کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ کلام رنگین کا انتخاب یہ ہے ؎

لبوں پہ آکے جو نالہ نہ ہٹ گیا ہوتا — تو آسمان و زمیں سب الٹ گیا ہوتا

جنازہ تیرے دیوانہ کا اس توقیر سے اٹھا — کہ شور نالہ ہر اک خانۂ زنجیر سے اٹھا

کہاں ہے شیشۂ مے محتسب خدا سے ڈر — مری بغل میں چھلکتا ہے آبلہ دل کا

کرے یہ کاش فلک میرا بند بند جدا — یہ مجھ سے ہو نہ مرا شوخ خود پسند جدا

اے سلیمان عشق کی آتش سے میرے دل کے بیچ — آگ کا شعلہ سا اک بھڑکا بھڑک کر رہ گیا

وہاں جو رات وہ غیر دل سے ہم کنار رہا — ہمارے دل کو یہاں سخت اضطرار رہا

کسیکے موتیوں کا ہار شب جو یاد آیا — تو تار اشک سحر تک گلے کا ہار رہا

کسکو شمیم طرۂ سنبل نے غش کیا — ہمکو تو تیری طرز تغافل نے غش کیا

کچھ تو اثر کیا ہے دل کی کشش نے تیری
ڈوبے اور اُچھلے کیا کیا اس بحر عشق میں ہم
تاج شہی کا وارث تو کیوں نہ ہو سلیماں
جان دی راہِ محبت میں الٰہی صد شکر

جور بلبل پر نہ اتنا بھی اے صیاد کر
کس ست کا کرشمہ ہے آنکھوں کا اب جو یوں
ساقی نے اسکو دیکھتے ہی لاکے رکھدیا
کچھ ضد ہے اسکو یہ کہ مٹاتا ہی پانوں سے

وہ پری بولی کہ یاد آتی ہے مجھکو ہے ہے
مجھپہ غصہ ہو وہ سب موتیوں کے ہار کو توڑ
زخم کھا کر جو گرا ہیں تو وہ یوں کہنے لگا
ہٹ ہے گر دل ہی پہ آنکی تو سلیماں دے ڈال
منزلِ عشق ہے سخت اے دلِ رنجور رہ دراز
دیکھکر زلف گرہ گیر تری اے کافر
نہ فقط نعرہ سے ہے اپنے زمیں کو جنبش
نکہت تری زلفوں کی سنگھا دیتی ہے وہ ہیں
کیوں آنکھیں جھکی آویں نہ آتا ہی مجھے تو
تک تختِ ہوا وار کو لے تھام سلیماں
جو بوسہ لینے کی ہے تم ہیں اور ہم ہیں شرط
مجھے خطرہ ہے کہ بے طرح افلک باری کی
بنیاد شکیب و صبر دل سے

پڑھتا جو وہ سلیماں اشعار گھر سے نکلا
پایا نہ حیف اپنا اک صورت آشنا سا
تیمور کا تو پوتا عباس کا نواسا
بات جو ہم نے کہی تھی وہ نباہی صد شکر

نو بہار آئی ہے اسکو چھوڑ دے آزاد کر
بکھرے پڑے ہیں گل بادام دوش پر
سب میکشی کا رات سرانجام دوش پر
لکھ لکھ کے ہر گھڑی وہ مرا نام دوش پر

چاندنی رات میں کرتی وہ سلیماں کی سیر
بوسے لے اتو کہیں آنسوؤں کے تار کو توڑ
اچھا اچھا تو تڑپ کر مری تلوار کو توڑ
ایک دل کیلئے مت خاطرِ دلدار کو توڑ
تجھ میں طاقت نہیں مت کر سفر دور دراز
شانہ ہو نیکی رکھے ہے دلِ صد چاک ہوس
بلکہ اس صدمہ سے ہے چرخ بریں کو جنبش
پاتی ہے مجھے جبکہ نسیم سحری غش
یہ سیج تری دیکھ کے پھولوں کی بھری غش
یاں کہتے ہیں تجھپر ہوئی ہے ایک پری غش
سوچتے ہیں اب ہم سے کوئی دم ہیں شرط
شدی ہے ابر ہیں اور سیری چشم نم ہیں شرط
افسوس چلا اکھاڑ کر عشق

کیا کیا نہ جوانوں کی رہا آہ
بستا ہوا ملکِ دل ہمارا

جس پہ سوجی سے ہے اپنا دلِ مضطر عاشق
دردِ دل کی مرے تب قدر ہو اُسکو معلوم
جیتے جی اب کوئی اٹھتے ہیں کہ آ بیٹھے ہیں
ہنس کے کہدیا ترا کون ہے مجھ سا عاشق
جب کہا تم نے کہ تجھ پڑیں اُسیر تو وہیں
اُس نے غرفہ میں سے جھانکا تو بہانہ کرکے

تیری شبِ فراق میں میں کیا کہوں کہ آہ
دیکھکر یار تری جلوہ گری کا عالم
اشک آتے ہیں لئے نعشِ دلِ اشفتہ تن سے
کہاں طاقت کہ پہنچیں ساتھ باہم ہمرہان اور ہم
اُٹھایا بوجھ ہم نے سب بسرِ عشق کی دولت
تمنا ہوئے دلمیں جسکو جنت کی سو کافر ہو

ساقیا ہے یہ جام کا عالم
اب خدا پھر ہمیں نہ دکھلائے
تجھ پہ ہے ان دنوں میں نامِ خدا

دے ہمیں تو وہ مے گلفام ساقی ابر ہیں
زلف و رخ کا شیفتہ ہے جو کوئی تیرا اسے
کیونکر میں ہاتھ پکڑوں اُس گلبدن کے ہمدم
ہم سے قدم یک شب آکر ملے جو پیار سے

صورت سے دہیج بگاڑ کر عشق
بے طرح گیا اُجاڑ کر عشق

ہائے وہ شخص ہے اور کسی پر عاشق
آپ بھی جب ہو کسی پر وہ ستمگر عاشق
آہ کی دُھونی لگا کر ترے در پر عاشق
مرتے ہیں ایسی ہی باتوں پہ تو اکثر عاشق
رہ گیا مار کے بس چھاتی پہ پتھر عاشق
گر پڑا کھا کے رہیں کوچہ میں ٹھوکر عاشق

تا صبح دم پلک سی رہی ہے جدا پلک
صفِ عشاق میں ہے بے خبری کا عالم
کہ ہر اک قطرہ ہے اک نوحہ گری کا عالم
تھکے ماندے چلے آتے ہیں گردِ کاروان او رہم
وگرنہ سو جیئے جی میں تو یہ بارِ گراں اور ہم
یہی ہے آرزو دلمیں کہ ہو کوئے بتاں اور ہم

جیسے ماہِ تمام کا عالم
شبِ ہجراں کی شام کا عالم
کچھ عجب دُھوم دھام کا عالم

جسکا ہو خورشید ذرہ آشنا مہ ساقی ابر ہیں
کچھ نہیں معلوم صبح و شام ساقی ابر ہیں
جسکی کہ شاخ گل سے نازک کلائیاں ہوں
چہرہ پہ چاند کے پھر ہرگز نہ جھائیاں ہوں

دو چار جام پیہم ساقی جو بھر کے دیوے
دیکھے ہیں ہم نے لاکھوں دیندار سجدہ کرتے

ہم تو کب آپ تلک آپ سے آ سکتے ہیں
جبہ سائی کا نشاں جائے جبیں سے کیونکر

اٹھ کے وہ وقت سحر اپنے جو گھر جاتے ہیں
تجھکو پروا نہیں ہے ایک بھی اور تجھ پر

اس اندھیرے میں دبے پاؤں اکیلے چھپکے
ہاتھ اب قبضہ شمشیر پہ رکھتے ہو جو تم

کیا بری خو ہے بتوں میں یہ سلیمان واللہ
گیا دن ہجر کا تو ہر طرح سے آہ و زاری میں

دو پٹہ بادلہ کا اوڑھ کر نکلا جو وہ گھر سے
بجلی چمک رہی ہے بادل برس رہے ہیں

مانع تھی ناتوانی صیاد کا گنہ کیا
تارے کیوں بیٹھے گنا کیجئے بھلا راتوں کو

اسکو مرنے کی خبر پہنچی جو عاشق کی تو بس
بوئے گل زور اڑا کر یہ لئے جاتی ہے

وہاں جب دست تنہائی کا اٹھا قیس کے دل میں
ٹھہر جا توڑنا دم کا تو اسکے دیکھ لے قاتل

دیکھی ہوگی موسیٰ نے بھی کوہ طور پر ایسی
دھوپ میں لٹنے جو دیکھا مجھے پھرتا تو کہا

یہ تو کہہ دیجے کیا دل میں ہے صاحب کے بھلا
تو ابر میں نشہ کی کیا کیا چڑھائیاں ہوں

کیونکر نہ اب بتوں کے گھر میں خدائیاں ہوں
آپ چاہیں تو ہمیں پل میں بلا سکتے ہیں

کوئی تقدیر کے لکھے کو مٹا سکتے ہیں
کچھ نشانی مرے تکیہ تلے وہ رکھ جاتے ہیں

سیکڑوں جان سے یاں اپنی گذر جاتے ہیں
یہ تو فرمائیے اب آپ کدھر جاتے ہیں

اس ڈرانے سے بھلا ہم کوئی ڈر جاتے ہیں
دل کو لیتے ہیں یہ اور لیکے مکر جاتے ہیں

شب فرقت کٹیگی کیونکہ یارب بیقراری میں
نظر آنے لگی شب چاندنی سی اسکے پرتو میں

صہبا بغیر ساقی میکش ترس رہے ہیں
قید قفس میں کیا ہم کچھ اپنے بس رہے ہیں

لپٹے آ جائے جو وہ زہرہ جبیں قابو میں
ہنس کے بولا کہ میں کیا ہاتھ قضا کا پکڑوں

دل میں ہے آج گریباں صبا کا پکڑوں
تو یاں چھاتی پکڑ لیلے ہوئی غش اپنے محمل میں

رمق سی اور اک باقی ہے تیری نیم بسمل میں
تجلی شب جو ساقی نے دکھائی اپنی محفل میں

بیٹھ جا تجکو مرے سر کی قسم سایہ میں
آپ آکر جو لیے ہیں مرے ہم سایہ میں

معجز عیسیٰ نہ ظاہر ہو ترے ہونٹوں سے جو
کیوں نہ پھر تیرے مریض غم کی نبضیں چھوٹ جائیں

بند کر آنکھیں ہوں یوں دیوانہ پن میں سرنگوں
جس طرح ہو غنچۂ نرگس چمن میں سرنگوں

دیکھکر تیرا فروغ حسن اسے مہ رشک کہا
شمع محفل گر پڑی ہو کر لگن میں سرنگوں

اے باغباں شامت ان بلبلوں کو ناحق
آ گئے بھی آشیانے انکے اجڑے ہیں

وہ گل بولے کہ لو قرآن پر ہم ہاتھ دہرتے ہیں
جو تم سچ ہمیشہ مرتے ہو تو ہم بھی تمپہ مرتے ہیں

قسم دیکر نہ پوچھو ہم سے دیکھو رات کی باتیں
کہینگے تو خفا ہو گے اجی ہم تمسے ڈرتے ہیں

ولیکن اسواسطے ہم ہاتھ دہرے پھرتے ہیں
کہ وہ جھنجھلائے ہو ہم سی پئے پھرتے ہیں

نہ مانوں گا میں کبھی وعدہ آپ کا صاحب
ہمیشہ مجھسے یوں ہی صبح و شام کرتے ہیں

وہ میرے نالوں کو سنکر لگے یہ فرمانے
کہ آپ نیند ہماری حرام کرتے ہیں

بھرا ہے آنکھوں میں زہر ان بتوں کی یہ جس سے
نظر ملاتے ہیں اسکو تمام کرتے ہیں

ہمیں وہ یا و سلیماں ہے علم تسخیرات
کہ ایک بات میں وحشی کو رام کرتے ہیں

جنہیں آتی نہیں سیدہی لکیریں بھی کھینچنی مطلق
زبردستی انہیں سب مانی و بہزاد کہتے ہیں

نہ جاگنے میں وہ لذت ہے اور نہ سونے میں
مزا جو پایا ہے پچھلے پہر کے رونے میں

وہ چونک نیند سے اور دیکھ اپنی چوٹی کو
پکارے سانپ تھا ہی مرے بچھونے میں

وہ میری چشم گہربار دیکھکر بولے
یہ خوب طاق ہیں سلک گہر پرونے میں

رات کو گھر سے نکل کر نہ ستائیے دیکھو
میرے اشکوں کی چمک آنکے پیارے دیکھو

چوری چھلے کی لگا نہ مجھے بس جاؤ
اپنے سب کھول کے صندوق پٹارے دیکھو

آزمائش جو کریں وہ تو سلیماں کہدو
جس طرح چاہو اجی دل کو ہمارے دیکھو

تڑپے ہے سینہ میں دل جان نہ ٹالو اسکو
عید کا دن ہے گلے تک تو لگا لو اسکو

وعدہ ملنے کا کر ہم سے جاتے ہو گھر غیروں سے
آگ بن اور بن تیل کڑاہی جلبوں کو جلوا ہو

پیتے ہوں رات شراب اور مست مدامی رہتے ہو
پوچھتے ہو عاشق کو ہنس ہنس کیا پیتے کیا کھاتے ہو

بھول عاشق کے وہاں ہو گئے کب کے صاحب + آپ بھولوں سے یہاں گود بھرے پھرتی ہیں

جاؤ کہیں تبلاؤ کہیں سر پاؤں تمہاری بات کا کیا
کہتے کچھ ہو سنتے کچھ ہو بھڑکاتے ہو بہکاتے ہو

غیر کو دیکھ کے نہ شرماؤ
اے میں قربان ٹک ادھر دیکھو

باہیں گلے میں ڈال کے ہی جی میں آج رات
ہائے کیطرح لیجئے در آغوش ماہ کو

ایک مٹی کا سا تودہ بن کے وہ بیٹھا تو کیا
گرمیٔ صحبت بھی لازم ہے کچھ اک انسان کو

رات کو اک بات میری مان کہنے لگے
ہے یہ لازم یاد رکھے آدمی احسان کو

ہم صفیران چمن تم نہ گلستاں میں چلو
ہو جو دل کھول کے رونا تو بیاباں میں چلو

کھڑے ہیں دیکھنے کو ہم گلی میں آپ کی کل سے
ٹک اک کوٹھے پہ لیتے تم بسان ماہ آجاؤ

غیر کا نام جو تم پیار سے لیتے ہو تو بس
ایک برچھی ہے کہ پہلو میں چبھو دیتے ہو

بیدادئی لشکر جنوں سے
بستی دل کی اجڑ گئی ہے

ہیں روٹھ کر چلا تو سلیماں وہ بول اٹھے
آگے قدم رکھے تو ہمارا لہو پیے

اختلاط آپ سے اور مجھسے کہاں کا ایسا
میرے زانو سے جو زانو کو ملا کر بیٹھے

ہیں جو اُسنے سونپی رات کو زنجیر سونیکی
تو اُسکے تھے یہ معنی یعنی کر تدبیر سونے کی

چھاتی مری بھر آئے نہ کیوں ابر کی طرح
خالی پڑا یہ بزم میں جام شراب ہے

تقوی و زہد سے ہیں کیا کام زاہد و
دنیا میں جو کہ ہے سو شراب و کباب ہے

میرے پہلو سے نکلتے ہی لہو رونے لگا
دیکھ اے بیدرد کیا پُر درد تیرا تیر ہے

کس کے یہاں ہو رہے تھے یہ کہو تو شب کو
جو کسی طرح سے یاں آپکے مذکور ہوئے

عشق سے منع مت کرائے ناصح
کیا کریں عالم جوانی ہے

ہاتھ سے ساقی کے لے کر نشہ میں رات کو
پی گیا میں ایک دو کر کر کے پیمانے کئی

محتسب کے ظلم سے میں کیا کہوں اے میکشو
خم پڑے ہیں ٹکڑے اور ویراں ہیں میخانے کئی

صبح ہوتے ہی جو لپٹے گھر کو وہ جانے لگے
تو مجھے کس کس طرح سے ہائے سمجھانے لگے

رو رو ہو کے جس طرح سے بنی رات کٹ گئی
کیا سرگذشت پوچھتے ہو مجھ غریب کی

کسی کا دل جو گرفتار ہو کسی کے ساتھ
تو اُس کے منہ سے بھلا کس طرح ہنسی نکلے

زیب دی تحریر سرمہ کیوں نہ چشم یار کو
نیلگوں گنڈا پنہایا مردم بیمار کو
گالی نہ دیا کرو کسی کو
بس بس اپنی زباں سنبھالو
غرفہ میں سے جھانک پاس آنے
غیروں کو ہنسی خوشی بلا لو
اور ہم سے ہزار حیف پیارے
منہ کو شرما کے یوں چھپا لو
ہے قافلہ عمر کا روانہ
رخت اپنا مسافرو سنبھالو
بت خانہ کی راہ کو سلیماں
چھوڑو تم اور رہ خدا لو

سیر گل تم کرو آئینہ میں ہم دیکھتے ہیں
زعفران زار کی سیر لیتے ہیں رخ زرد کے ساتھ

ٹپکے ہے خوں ٹھہر ٹھہر سخت جگر کی قاش سے
چھیڑ دو اسکو صاحبو تیز قلم تراش سے

یار کے غم میں کچھ نہیں فکر ہمیں معاش سے
آمد خوں ہے دم بدم سینہ کے ہر خراش سے

جیسی ہے خوش تراش "حبیب" نام خدا تری صنم
ایسی یہ شکل بن سکے آذر بت تراش سے

آج تم غیر سے چھینٹے جو لڑے پانی کے
پڑ گئے ہم پہ گویا لاکھ گھڑے پانی کے

وفور اشک سے کیونکر ہے اپنی چشم نم خالی
جو دریا جوش سے بہتا ہے ہوتا ہے کم خالی

برنگ نے دل پر داغ میں سوراخ ہونے دو
صدائے درد سے پھر کیا جہاں چھیڑیں ہم خالی

کپڑے کئے ہیں گیروے ہیں تو لئے ہو فقیر آج
کتنے بنے لہو میں لال سرخ ترے لباس سے

ق

میرے سخن کی قدر کو جانے سلیماں وہ کوئی
جو اُسے دیکھے غور کر چشم گہر شناس سے

ہاتھ جب چھاتی پہ رکھکر اُسکی میں نے یوں کہا
"بوجھ" میرے ہاتھ میں یہ جفت ہے یا طاق ہے

تب کہا اس نے یہ ہنسکر راہ شوخی سے مجھے
ایک ہی اللہ اپنے کام میں تو طاق ہے

[illegible]

سلیمان

سلیمان - صاحب عالم - میرزا سلیمان قدر بہادر خلف عرش آرام گاہ حضرت امجد علیشاہ بادشاہ لکھنؤ - از بطن ملکہ گیتی خاندان اودہ کی آخری یادگار - نازک طبع - رنگین خیال شاعر تھے ذہن میں بلند پروازی - بیان میں انوکھا پن تھا - لکھنؤ کی زبان فصیح بول چال کے مالک تھے سنہ ۱۹۱۵ء میں

انتقال ہوا۔ نواب میرزا جعفر علیخاں صاحب سالم لکھنوی رئیس شیش محل نے تاریخ وفات لکھی کہ "آج اودھ سے مٹ گیا نام و نشانِ سلطنت"۔ راقم تذکرہ کو لکھنؤ میں آپکی خدمت میں

[illegible]

آپ نے ظلم کئے ہوتے ستایا ہوتا / پر مجھے اپنی نظر سے نہ گرایا ہوتا

آئی ہے فصل بہار اٹھی ہے گھنگور گھٹا / ساقیا آج تو مستوں کو جھکایا ہوتا

قصۂ نواں شوق کہانی کا ہے انکو / حالِ دل میرا کسی طرح سنایا ہوتا

ناخنِ غم کی رہا کرتی ہے ہر وقت خراش / ورنہ یہ زخمِ جگر کب کا بھر آیا ہوتا

ہمارا مرغِ دل صیدِ نگہ تھا / کماں سے تیر کیوں بیکار مارا

جلاتے ٹھوکروں سے تم نے مردے / ہزاروں کو دمِ رفتار مارا

اشارہ ہم کہیں آنکھوں سے کر کے / مرے قاتل نے سب کو لوا مارا

ہمیں ڈر ہی کیا جب نہیں ہمعزیز / جوانی وہاں باڑہ پر ہے تو کیا

نہ آئینگے میری عیادت کو وہ / ادھر کی جو دنیا ادھر ہے تو کیا

ترے درد کا کرے کچھ علاج / زمانہ کا وہ چارہ گر ہے تو کیا

سلیماں نہ دینگے کبھی اسکو دل / وہ بلقیس ثانی اگر ہے تو کیا

آج جو غیر کی گردن میں ہے اپنا آپ لیسے آرہا / کل انہیں ہاتھوں سے تھا وہ جگر آئینگے

محبت ہر صنم کی مدتوں سے دل میں بستی ہے / خدا کی شان کعبے میں عجائب بت پرستی ہے

غرض شیخ و برہمن سے نہیں ہے نہ مشرب ہیں / عبادت خانہ میخانہ ہے مذہب بت پرستی ہے

[illegible]

سلیمان سلیمان۔ نواب والاقدر سید حسین علی میرزا عرف منجھلے حضور خلف اوسط نواب ناظم فریدون جاہ منصور علیخاں انکی والدہ نواب شاہ النسا بیگم۔ فریدوں جاہ کی بیویوں میں مقتدر اور ممتاز تھیں اور یہ انکے اکلوتے صاحبزادے تھے۔ نواب شاہ النسا بیگم نے جنوری ۹۲ء میں انتقال کیا۔ جب سنہ ۱۸۸۰ء میں نواب ناظم اپنے آبائی حقوق نظامت سے دست بردار ہوئے تو سرکار نے انکی والدہ اور انکا ملا کر ۳۰ ہزار سالانہ وظیفہ مقرر کیا سنہ ۱۸۶۷ء میں اپنے برادر بزرگ نواب سر سید حسن علی

میرزا اور چھوٹے بھائی نواب ہمایوں قدر محمد علی میرزا معروف بہ امیر صاحب کے ہمراہ بغرض تعلیم ولایت گئے۔ کرنل ہریٹ انکے اتالیق مقرر ہوئے۔ موجودہ نواب مرشدآباد انکے بھتیجے اور داماد ہیں۔ میں انکی نیک طبعی اور فیاضی مشہور و معروف ہے۔ طبیعت کو شاعری سے مناسبت تھی طرز بیان دلکش فکر میں سنجیدگی۔ زبان میں شیرینی۔ نمونہ کلام یہ ہے

تعلق جسم خاکی کا ہوا مانع حضوری کا
یہی پردہ ہمارے اور تیرے درمیاں نکلا

پس مردن کھلا ہم پر مآل کار دنیا
جسے سمجھے تھے بیداری وہ اک خواب گراں نکلا

گرمیِ مہر قیامت سے ضرر کیا ہوگا
جسکے سر پر تری دیوار کا سایا ہوگا

جان لیگی جو تمنائے وصال دلبر
دوش حسرت پہ واں اپنا جنازہ ہوگا

ہم نشیں کیا دیکھتے ہیں چہرۂ بیمار صبح
ہے شکست رنگ رخ آئینہ دار صبح

ہیں یہ دونوں بہر عاشق کاہش جان حزیں
آہ بے تاثیر شام و نالۂ بیکار صبح

جس قدر بھی گوہر انجم ترے کیسہ میں ہوں
آسماں کردے نثار جلوۂ رخسار صبح

بوئے باغ خلد لاتی ہے نسیم جانفزا
کھولتا ہے آسماں جس دم در گلزار صبح

وصل کی شب یہ خبر کیا تھی کہ اے دور فلک
شام ہوتے ہی عیاں ہو جائینگے آثار صبح

سانپ کے منہ میں عقیق سرخ ہے کہتے ہیں لوگ
ہے عیاں یوں خون دل میرا زبان تیر پر

اہل محفل ہوں نہ کیوں خود رفتۂ حسن بیاں
نطق خود حیراں ہے تیری خوبی تقریر پر

فاتحہ پڑھنے بھی برسوں سے کوئی آتا نہیں
بیکسی روتی ہے قبر عاشق دلگیر پر

رہرواں وادیِ الفت پہ آفت ہی رہی
بے لٹے پہونچا نہ کوئی قافلہ منزل کے پاس

کی رسائی کس بلا کی تیر مژگاں نے ترے
یہ ستم گر توڑ کر سینہ کو پہونچا دل کے پاس

خانہ کعبے میں جس طرح ہے سنگ اسود
دل عشاق میں کرتے ہو یوں ہی گھر گیسو

زندگی سے ترے دیوانے جو تنگ آئینگے
توڑ ڈالینگے رگ جاں بھی زنجیر کیساتھ

سادہ لوحوں کو نہ کیوں دام میں لائیں زاہد
سبحۂ مکر ہے سجادۂ تزویر کے ساتھ

وصل دشوار بھی آسان ہے مگر شرط یہ ہے　　حسنِ تدبیر بھی ہے خوبیٔ تقدیر کیساتھ
ضعف سے سر جو جھکا تیرے اسیرِ غم کا　　مل گیا طوقِ گلو حلقۂ زنجیر کے ساتھ
رونا بابِ اثر جا کے پلٹ آتی ہے　　لاگ ہے کچھ تو دعا کو مری تاثیر کیساتھ
تو ہو تمثیل یکف میں ساہوں جھکائے گردن　　تیری تصویر سے کھنچے یوں مری تصویر کیساتھ
عاشقوں کے واسطے خنجر سے یہ بھی کم نہیں　　دل کے ٹکڑے ٹکڑے کرتی ہے جدائی آپکی
کیا کہوں نیچی نگاہوں سے مجھے دیکھ لیا　　اک چھری اور لگا بیٹھے ہیں جاتے جاتے
پڑ گئے سینۂ پروانع میں اتنے چھالے　　ٹھوکریں کھاتی ہے اب سانس بھی آتی جاتے
سانس اکھڑی ہوئی آنے سے نزع یوں ٹھہری　　جس طرح قافلے تھم جاتے ہیں آتے جاتے
عشق کا افسانہ دلکش گل سراپا گوش ہے　　کس لئے پھر بلبلِ آتش نوا خاموش ہے
ہے حبابِ بادہ کی صورت وجود کائنات　　ساغرِ مے ہے زمیں چرخِ کہن سرپوش ہے
رونقوں پر میکدے ہیں فصلِ گل کا جوش ہے　　قلقلِ مینا سے پیدا بانگِ نوشانوش ہے
دیکھکر عاشق کی میت ناز سے بولا وہ شوخ　　دم ابھی باقی ہے اسمیں ضعف سے بیہوش ہے
تیرے جاتے ہی ہوئی حالت یہ اہلِ بزم کی　　کوئی سکتے میں پڑا ہے اور کوئی بیہوش ہے
خبر لیتا ہے اپنے قیدیوں کے دانہ پانی کی　　قفس میں جب سے آئے ہیں دلِ صیاد میں گھر ہے

سما۔ میرزا محمد حسن صاحب خلف میرزا ثریا قدر شاہزادہ لکھنؤ ۱۳۱۴ھ کے مشاعرے میں شریک تھے۔ یہ دو شعر دستیاب ہوئے ہیں ؎　سما

نہ دوزخ میں گذر انکا نہ جنت میں ٹھکانہ ہے　　ترے عشاق کے رہنے کی جا اتنک نہیں نکلی
سحر سے شام تک کی منتیں وصلت کی باتیں　　مگر واللہ اُس بت کی زباں سے ہاں نہیں نکلی

سما۔ محمد ذکریا صاحب تلمیذ میر ضیا دہلوی۔ نوجوان خوشگو تیز فکر شاعر ہیں۔ مندرجہ ذیل اشعار سے شوخیٔ طبیعت پائی جاتی ہے ؎　سما

بھڑکایا اور آتشِ شوقِ وصال کو　　انگڑائی لیکے ناز سے اُس مستِ خواب نے

حسرت ہی لیکے اٹھ گئی شبنم تو باغ سے
وہ ہو یا گلوں کا منہ مری چشم پر آب نے
شوخی کے ساتھ غمزہ و ناز و ادا سے
یہ چار چاند اور لگائے شباب نے
کعبے کا کیا طواف کیا بُت گبڑ گئے
محرم بنا دیا مجھے کار ثواب نے
اچھا ہوا جو مر گئے کچھ کھا کے لے سما
الفت کا روگ آج مٹا یا خضاب نے

سمجھو — منشی غلام محمد عرف میاں سمجھو۔ سورت بندر کے ساکن۔ میرزا جہاں شاہ خلف اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی کے ساتھ سفر حجاز کی واپسی پر دہلی میں وارد ہوئے۔ بادشاہ کی تعریف میں چند قصیدے کہے۔ کبھی مومن خاں کبھی ذوق سے اصلاح لیتے رہے۔ چند سال کے بعد حیدر آباد جا کر راجہ چندولال کی سرکار میں بزمرۂ شعرا ملازم ہو گئے۔ پھر اپنے وطن میں پہونچے۔ نواب حسین ناور مومن خاں کیطرف سے سرکار انگلشیہ میں وکیل رہے۔ اپنے وقت کے مشاہیر شعرائے دکن سے تھے۔ ۱۲۷۲ھ میں انتقال کر گئے۔ کلام کا رنگ اچھا۔ شعر کا ڈھنگ بالکل نیا تھا۔ مضمون آفرینی میں طاق۔ خیال بندی میں شہرۂ آفاق تھے۔ نتیجۂ فکر یہ ہے ؎

ویرانۂ عالم کی ذرا خاک جو چھانی
ہر گرد میں اک لیلی کا محمل نظر آیا
ذرا ماہتابی پہ آیا تو ہوتا
وہ مہتاب سا منہ دکھایا تو ہوتا
بد دعا غیر کو بھی میں تو نہ دوں گا سمجھو
قید گیسو سے کہیں اس کے ہوا آزاد رقیب
ابرو سے دل بچا تو مژہ سے جگر چھدا
روکی ادھر کی چوٹ تو کھائی اُدھر کی چوٹ
لکھا ہے قصۂ سوز دروں میں ڈرتا ہوں
ہوائے بال کبوتر سے خط بھڑک نہ اُٹھے
از بس دہان دلبر انگریز تنگ ہے
کیا نکلے منہ سے بات کہ قید فرنگ ہے
میں بھی سمجھاؤں جو مانے بات تو پردہ نشیں
ہے بدلنا ہی اگر منظور اپنا گھر تجھے
جائے نظارہ بھی ہر گوشہ بھی ہے پردہ بھی ہے
آ مری آنکھوں میں رہ یہ ہی بہتر ہے تجھے

سُندر — لالہ سندر لال صاحب باشندۂ بلند شہر۔ شاعر خموش فکر ہیں۔ زبان سلیس ہے یہ چند شعر درج ذیل ہیں ؎

جو بوسہ لے لیا انکا ہنسی میں — بگڑ بیٹھے وہ مجھ سے دل لگی میں
بناوٹ کا سبب ہے یہ اظہار الفت — نہیں تیری محبت میرے جی میں
مرادوں کے ہیں دن لیلو دعائیں — رہی جاتی ہے میری جی کی جی میں

سودا

سودا شہسوار عرصۂ معانی ۔ رشک انوری وخاقانی ۔ طرۂ دستار فصاحت ۔ غازۂ رخسار بلاغت ملک الشعرا میرزا محمد رفیع ابن میرزا محمد شفیع دہلوی ۱۱۲۵ھ میں اس مرد میدان سخن کی ولادت ہوئی ۔ مورخین انہیں کابل نژاد کہتے ہیں مگر اصل یہ ہے کہ خاک شاہجہان آباد انکے خمیر میں شامل تھی ۔ شاعر نامور شاہ حاتم کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا ۔ میر سوز ۔ میر درد ۔ میر تقی سے معرکہ آرائیاں ہوتی رہیں جس مبارک فن نے انکے نام کو زندۂ جاوید کیا اسکی ابتدا اسی شہر سے ہوئی مگر افسوس یہاں کی آب و ہوا انکو راس نہ آئی ۔ ابنائے زمانہ کی ناقدری سے عین زمانہ شباب میں لکھنؤ چلے گئے ۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مغلیہ سلطنت کے درخت اقبال کی جڑمیں دیمک لگ چکی تھی ۔ صوبہ داروں کا دماغ شاہانہ شمیم اقبال سے مہک رہا تھا ۔ لکھنؤ میں وزیر الممالک نواب آصف الدولہ بہادر کا دور دورہ تھا ۔ ہندوستان کے ہر گوشہ سے پریشان حال اور تباہ روزگار مسلمان ادہر ہی کا رخ کرتے اور با قسمت یا نصیب بنکر لکھنؤ میں وارد وصادر ہوا کرتے تھے ۔ میرزا سودا بھی دہلی سے روانہ ہوکر مختلف مقامات کی سیر کرتے ہوے لکھنؤ پہونچے ۔ قدردانوں اور ذی کمالوں نے انکو ہاتھوں ہاتھ لیا چند ہی دنوں میں نواب وزیر تک رسائی ہوگئی آصف الدولہ تو ایسے ذی جوہر سپاہی منش شرفا کی تلاش ہی میں رہتے تھے آپکی بڑی آؤبھگت کی خصوصًا اس وجہ سے کہ نواب شجاع الدولہ نے خود انہیں بڑے شوق سے لکھنؤ بلایا تھا مگر اسوقت یہ نہیں جا سکتے تھے یہ بھی دماغ ہفت ہزاری لائے تھے ۔ عزت کے سامنے دولت کو پست خیال کرتے تھے ملک الشعرا کا خطاب شاہ عالم کے دربار سے حاصل ہوا تھا اب چھہ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر بھی معاش کیلئے مرحمت ہوئی عیش و آرام کی زندگی بسر کرنے لگے ۔ نواب وزیر کی تعریف میں نئے نئے رنگ کے قصیدے کہے خوب خوب زور طبع دکھایا ۔ میرزا سودا کی شاعرانہ معلومات

نگاہِ مست نے ساقی کی عالم کو چھکا ڈالا
دین و دل و قرار و صبر عشق میں تیرے کھو چکے
وصل بھی ہو تو دل مرا غم کو نہ چھوڑے ہجر کے
جو مذکور اُس سے کرتا ہے کوئی غمخوار رونے کا

دوزخ مجھے قبول ہے اے منکر و نکیر
قطرہ گرا تھا جو کہ مرے اشک گرم سے

ہزار آب حیات چھڑکیں مسیح اور خضر مل کے لیکن
پھیٹر مت بادِ بہاری کہ میں جُوں نکہت گل
ہو جسکی چشم کی گردش سے بیہوشی دو عالم کی
نہ کھینچ اے شانے ان زلفوں کو یاں سو واکا دل اٹکا
دورِ ساغر تھا ابھی یا ہو ابھی چشم پُر آب

زخم کا دل کے تر و تازہ ہے انگور سدا
طپش نے ان دنوں دل کی نئی صورت نکالی ہے
صبا سے ہر صبح مجھکو لہو کی باس آتی ہے

جتنے ہیں غم یہ روپاں سب دلستاں ہیں لیکن
چھوٹا جو زلف سے تو پھنسا دام خط کے بیچ
سودا کے زرد چہرہ کو شوخی کی راہ نے
میں دشمنِ جاں ڈھونڈ کر اپنا جو نکالا
دیکھئے واماندگی اب کیا دکھائے
وہم غلط کار نے دل خوش کیا
نہ تھی توفیق لُوبے کی تو اتنا ہی کہہ بیٹھے

کہیں مدہوش ہے شیشہ کہیں ساغر ہے متوالا
جیتے جو اب کے ہم بچے نام نہ لینگے چاہ کا
یہ تو ہمیشہ ہے رفیق وصل ہے گاہ گاہ کا
تو کہتا ہے کہ چپ رہ اسکو ہے آزار رونے کا

لیکن نہیں وہ مانع سوال و جواب کا
دریا میں ہے ہنوز پھپولا حباب کا

اٹھے نہ محشر تلک بیمارے شہید تیرے لب و دہاں کا
پھاڑ کر کپڑے ابھی گھر سے نکل جاؤں گا
بھلا دیکھو تو پھر وہ ساقی گلفام کیا ہوگا
اسیر ناتواں ہے یہ نہ دے زنجیر کا جھٹکا
دیکھ سودا گردش افلاک سے کیا کیا ہوا

جاری رہتا ہے مری چشم سے آنسو سدا
لپکتا ہے ترا راتوں کو یوں پکتا ہے جُوں پھوڑا
چمن میں آہ گلچیں نے کسی بلبل کا دل توڑا

اللہ نے تجھی کو اک جانستاں بنایا
یہ مرغ دل ہمیشہ گرفتار ہی رہا
کہتا ہے تیرا رنگ تو اب کچھ نکھر چلا
سو حضرت دل سلمہ اللہ تعالیٰ
قافلہ یاروں کا سفر کر گیا
کیسے نہ جانے وہ نظر کر گیا

جو آیا ہے تو خالی مت پھرے دشنام لیتا جا

دامن صبا نہ چھو سکی جس شہ سوار کا / پہونچے کب اُس کو ہاتھ ہمارے غبار کا

ساقی چمن میں چھوڑ کے مجھکو کدھر چلا / پیمانہ میری عمر کا افسوس بھر چلا

وہ ہم نہیں جو کریں سیرِ بوستاں تنہا / بہشت ہو تو نہ منہ کیجئے باغباں تنہا

سودا جو ترا حال ہے اتنا تو نہیں وہ / کیا جانئے تو نے اُسے کس آن میں دیکھا

سودا پھر آج تیری آنکھیں بھر آئیاں ہیں / عالم کے ڈوبنے میں کل کچھ تو رہ گیا تھا

زباں ہے شکر میں قاصر شکستہ بالی کے / کہ جس نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا

دکھاؤں گا تجھے زاہد اُس آفتِ دیں کو / خلل دماغ میں ہے تیرے پارسائی کا

قطعہ

سودا قمارِ عشق میں شیریں سے کوہ کن / بازی اگرچہ پا نہ سکا جاں تو کھو سکا

کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز / اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

آدم کا جسم جبکہ عناصر سے مل بنا / کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا

کعبہ اگرچہ ٹوٹا تو کیا جائے غم ہے شیخ / یہ قصرِ دل نہیں کہ بنا یا نہ جائے گا

جو گذری مجھپہ مت اُس سے کہو ہوا سو ہوا / بلاکشانِ محبت پہ جو ہوا سو ہوا

مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر / مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

کہے ہے سُنکے مری سرگذشت وہ بیرحم / یہ کون ذکر ہے جانے دو جو ہوا سو ہوا

ڈرتے ڈرتے جو کہا میں کہ ترا عاشق ہوں / قہقہہ مار لگا کہنے وہ طنّاز درست

آتش ہی تری گرمیِ بازارِ محبت / سر بیچتے پھرتے ہیں خریدارِ محبت

ہر جرم کو ہے عفو ترے عہد میں ظالم / گردن زدنی ہے سو گنہگارِ محبت

اک سادہ دلی پر تو مری رحم کر آیا / ہوں تجھ سے ستمگر سے طلبگارِ محبت

دل طوطیِ خط کو نہ دی اُس شوخ کی سودا / کھاوے گا اس آئینہ کو زنگارِ محبت

وفا نے گل میں نے چشمِ مروت باغباں میں ہے / نکل بلبل کہ ہے اس باغ سے کنجِ قفس بہتر

جو ہے جوہر اُسے جانیں ہیں بیداد گر ہم / عیب کو سمجھے ہیں اسوقت ہنر سے بہتر

موردِ سنگ ہے وہ نخل جو ہو بار آور
پائی ہے بے ثمری ہم نے ثمر سے بہتر

کعبہ و دیر سے کیا کام ہے ہمکو اے دوست
ہے ہمیں کون سی جاگہ ترے در سے بہتر

سمندر کر دیا نام اُسکا ناحق سب نے کہہ کہہ کر
ہوئے تھے جمع کچھ آنسو مری آنکھوں سے بہہ کر

ہمرہِ صبا کے خاک بھی میری ہے دربدر
جاتی نہیں ہے مجھ سے تری جستجو ہنوز

یا نالہ کو کر منع تو یا گریہ کو ناصح
دو چیز نہ عاشق سے ہوں اکبار فراموش

آشیانوں کو اجڑوا کر کے فریاد و خروش
باغباں ظالم الٰہی سو گیا لے بلبل خموش

اے لالہ گو فلک نے دئے تجکو چار داغ
چھاتی مری سے راہ کر اک دل ہزار داغ

دیکھوں ہوں میں اُسی ستم ایجاد کیطرف
جوں صید وقتِ ذبح کے صیاد کی طرف

پتھر کی لیک تھا سخن اُسکا ہزار حیف
بولی زبانِ تیشہ نہ فرہاد کی طرف

پہچانیں ہم نہ گل کو نہ ہم گل کے روشناس
منہ کر کے آنکھیں کھولیاں صیاد کی طرف

بس چلے تو دیکھنے ہرگز تجھے تجکو نہ دوں
آئینہ گھر میں ترے رہنے نہ دوں مقدور تک

عبث پابند ہوں میں لکھ لکھ شرحِ دل بالِ کبوتر سے
دلوں کے اُڑ گئے پرزے نہ پہونچی کچھ خبر واں تک

ترے غم کا دلِ پُرخوں سے استقبال کرنیکو
وہ قطرہ نارسا طالع ہے جو پہونچا نہ مژگاں تک

لالہ خود رو نہیں ہے خون سے فرہاد کے
جوش میں آ کر لگا دی کوہ کے دامن میں آگ

اس بے شعور دیدوں کہ بجز حکمِ عندلیب
کوئی کسی کو دیدہ ہرگز نہ لائے گل

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام
ذرہ بھی ہم ترپنے نہ پائے کہ بس تمام

دلِ نالاں کو مرے کسی کے آرام سے کام
کوئی بے چین رہے لیتے اسے کام سے کام

بھلا گل تو تو ہنستا ہے ہماری بیثباتی پر
بتا رو دتی ہے کسکی ہستی پر یہ چشمِ شبنم

کیا مچائی اُن نے سیرِ دل کے کاشانے میں دھوم
شور ہے جسکے لئے کعبہ میں بتخانے میں دھوم

گھر میں آنے سے کیا منع تو یہ بھی کہئے
راہ کوچہ میں ملاقات کروں یا نکروں

شیخ کہتا ہے مریدوں سے جو تم سے احمق
ہوں سو تو پھر کرامات کروں یا نکروں

ناصحا اٹھ مرے بالیں سے کہ دم رکتا ہے
خواب شیریں میں ہے وہ دل ہمہ مرا مائلِ شوق

ندیکھا جو کچھ جام میں جم نے اپنے
غرض کفر سے کچھ نہ دیں سے ہے مطلب
خدا دشمنوں کو نہ وہ کچھ دکھائے
مگر تجھ سے رنجیدہ خاطر ہے سودا

مجھ جیسے جو خادم کی ہو خدمت سے تمہیں عار
تخت جگر آنکھوں سے ہر آن نکلتے ہیں
تجھ تیر نگہ کے ہے کشتوں کا جہاں مدفن
سر خاک و گریباں چاک آغشتہ بخوں دامن

نے بلبل چمن نہ گلِ نو دمیدہ ہوں
گریاں بشکلِ شیشہ و خنداں بطرزِ جام
کوئی جو پوچھتا ہو کہ کس پر ہو داد خواہ
تیغ نگاہِ چشم کا تیرے نہیں حریف

کبھو جو تا نے دیکھا ہے آس خورشید تاباں کو
"دوانہ" ہوگیا سودا تو آخر ریختہ پڑھ پڑھ

باتیں کدھر گئیں وہ تیری بھولی بھولیاں
حیرت ہے اسکو شہد شکر نے دی پھر کبھو
کیا جانتے تجھے سرِ انگشت پر حنا

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں
کیوں کر نہ چاک چاک گریبانِ دل کروں

نالے دل کھول کے دو چار کروں یا نکروں
جی دھڑکتا ہے کہ بیدار کروں یا نکروں

سو یک قطرۂ مے میں ہم دیکھتے ہیں
تماشائے دیر و حرم دیکھتے ہیں
جو کچھ دوست سے اپنے ہم دیکھتے ہیں
اسے تیرے کوچہ میں کم دیکھتے ہیں

تو خوش رہو تم مجھکو بھی مخدوم بہت ہیں
یہ دل سے محبت کے ارمان نکلتے ہیں
سبزہ کی جگہ واں سے پیکان نکلتے ہیں
گیا گھر سے ترے عاشق بانشان نکلتے ہیں

ہیں موسمِ بہار میں شاخ بریدہ ہوں
اس میکدہ کے بیچ عبث آفریدہ ہوں
جوں گل ہزار جا سے گریباں دریدہ ہوں
ظالم میں قطرۂ مژۂ خوں چکیدہ ہوں

پھرے ہے ڈھونڈتا ہر شب جہاں آباد کی گلیاں
نہ میں کہتا تھا اے ظالم کہ یہ باتیں نہیں "بھلیاں"

دل لیکے بولتا ہے جو اب تو یہ بولیاں
آنکھیں جب آرسی نے ترے مکھ پہ کھولیاں
جس بیگنہ کے خوں میں چاہیں ڈبولیاں

تڑپے ہے مرغِ قبلہ نما آشیانے میں
دیکھوں ہوں تیری زلف کو ہاں سمت شانے میں

ہم سا تجھے تو ایک ہمیں تجھ سے ہیں کئی
جا دیکھ لے تو آپ کو آئینہ خانے میں

جی تک تو دیجیے لوں کہ جو ہو کارگر کہیں
اے آہ کیا کروں نہیں بکتا اثر کہیں

ہوتی نہیں ہے صبح نہ آتی ہے مجکو نیند
جس کو پکارتا ہوں سو کہتا ہے مر کہیں

ساقی ہے یک تبسم گل فرصت بہار
ظالم بھرے ہے جام تو جلدی سے بھر کہیں

جادو بھرے ہیں چشم میں مت آئینہ کو دیکھ
دھڑکے ہے دل مرا کہ نہ بلئے نظر کہیں

خونابہ یوں کبھو نہ مری چشم سے بہا
اٹکا نہ جب تک آن کے لخت جگر کہیں

طائر رنگ حنا کی نمط اب اے صیاد
ہوں تو میں ہاتھ میں تیرے پہ اڑ جاتا ہوں

ہوں میں وہ وحشی رم خوردہ کہ تا دشت عدم
پات کھڑکے ہے تو مانند صدا جاتا ہوں

صفحۂ ہستی پہ اک حرف غلط ہوں سودا
جب مجھے دیکھ کے بیٹھو تو اٹھا جاتا ہوں

جرم ہے اسکی جفا کہ وفا کی تقصیر
کوئی تو بولو میاں منہ میں زباں ہے کہ نہیں

کیفیت چشم اسکی مجھے یاد ہے سودا
ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

جگر ان کا ہے جو تجکو صنم کہہ یاد کرتے ہیں
میاں ہم تو مسلماں ہیں خدا کہتے بھی ڈرتے ہیں

کسی کی مرگ پر اے دل نہ کیجیے چشم تر ہرگز
بہت سا روئیے ان پر جو اس جینے پہ مرتے ہیں

سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانے میں

دل کے پرزوں کو بغل بیچ لئے پھرتا ہوں
کچھ علاج انکا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں

بلبل چمن میں کس کی ہیں یہ بد شرابیاں
ٹوٹی پڑی ہیں غنچوں کی ساری گلابیاں

تو نے سودا کے تئیں قتل کیا کہتے ہیں
یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں

کس کس طرح سے دیکھیں اس باغ میں فضائیں
کیدھر گئے وہ ساقی وہ ابر وہ ہوائیں

دل کو تو ہر طرح سے دلاسا دیا کروں
آنکھیں جو مانتی نہیں اسکو میں کیا کروں

عاشق کی بھی کٹتی ہیں کیا خوب طرح راتیں
دو چار گھڑی رونا دو چار گھڑی باتیں

ساقی کو پھر نوید بہار آئی باغ میں
سودا نے پھر خلل سا کیا ہے دماغ میں

فراموش ان دنوں ہم شہریوں کے دل سے ہی سودا

کیجئے نہ اسیری میں اگر ضبط نفس کو
دم مارنا بھی قبیح ہے لیسے عشق میں تیرے

مت دیر و حرم کے تو سمجھ سجدے میں کچھ فرق

بس ہو تو رکھوں آنکھوں میں اُس آفت جاں کو

لہو اُس چشم کا پونچھے سے ناصح بند کیونکر ہو

کرے ٹک منفعل کوئی مرے بیدرد قاتل کو

آ پہنچے ظالم کہ پھر ایام کب آتے ہیں یہ

غیرت و آبرو و حرمت و دین و ایمان

مفلس ہمیں نہ پوچھ جو رکھتے نہیں ہیں کچھ
غنچے سے مسکرا کے اُسے زار کر چلے
آئے جو بزم میں تو اُٹھا چہرہ سے نقاب
گردش سے اُس نگاہ کی لے محتسب خبر

اتنو میں چھوٹنے کا نہیں اسکو ناصحا

کیجو اثر قبول کہ تجھ تک ہماری آہ

مت پوچھ یہ کہ رات کٹی کیونکہ مجھ بغیر
کل ہی پڑی نہ سکتی تھی بلبل چمن کے بیچ
پروانے رات شمع پہ اتنے جلے کہ صبح
پروانہ کون ساتھ جلا شام کو کہ شمع
میرے لہو سے ہے مری دیوار گھر کی سرخ
شکوہ تو کیوں کرے ہے مرا اشک سرخ کا

خبر اُسکی جہاں آباد کے یاروں سے مت پوچھو

دے آگ ابھی شعلۂ آواز قفس کو

جس کا دم اول ہی دم بازپسیں ہو
پیتھر ہی کا جب پوچھا آیا تو کہیں ہو

اور دیکھنے دوں میں نہ زمیں کو نہ زماں کو

جو دل ٹوٹے کسی کے ہاتھ سے پیوند کیونکر ہو

دکھا دے خاک پروانہ پہ گریاں شمع محفل کو

فصل گل کے کچھ گئے دن کچھ چلے جاتے ہیں یہ

روؤں کس کس کو میں یارو کہ گیا کیا کیا کچھ

خالی ہمیشہ کیسۂ اہل کرم رہے
نرگس کو آنکھ مار کے بیمار کر چلے
پروانہ ہی کو شمع سے بیزار کر چلے
دنیا تمام بزم خرابات ہو گئی
ہوئی جو کچھ تھی قبلۂ حاجات ہو گئی
سینے سے ارمغاں لئے لخت جگر گئی
اس گفتگو سے فائدہ پیارے گذر گئی
ذرہ نہ اس کے حال پہ گل کی نظر گئی
خاکستران کے لیکے صبا دوش پر گئی
روتی ہوئی نہ بزم سے وقت سحر گئی
میری ہی موج خوں سے مگر بیرون در گئی
تیری کب آستیں مرے لوہو سے بھر گئی

ترا غرور مرا عجز تا کجا لحاظ لم
سمجھ کے رکھیو قدم دشتِ خار پر مجنوں

ہمارے کفر کئے پہلو سے دیں کی راہ یاد آئے
جو طبیب اپنا تھا دل اسکا کسی پر زار ہے

پھر نظر تجھکو نہ دیکھا کبھی ڈرتے ڈرتے
گر ہو شراب و خلوت و محبوب خوبرو

سودا جہاں میں آکے کوئی کچھ نہ لے گیا
جس روز کسی اور پہ بیداد کروگے

گل پھینکے ہے اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
سودا تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات

فکرِ معاش عشقِ بتاں یادِ رفتگاں
لو خوش رہو گھر اپنے میں جس شکل سے ہو تم

ساون کے بادلوں کی طرح سے بھرے ہوئے
اے دل یہ کیسی بگڑی کہ آتی ہے فوجِ اشک

ہے قسم تجھکو فلک دے تو جہاں تک چاہے
کھ دیکھ تو رستم سے سر تیغ تلے دھر دے

گویا دلِ عاشق بھی ہے اک فیل پہ مست
کیا ہو جو قفس تک مرے اب صحنِ چمن سے

سب کام نکلتے ہیں فلک تجھسے ولیکن
نامہ کا جواب آنا تو معلوم ہے پر کاش

دیتا ہے کوئی جنبِ دل اس شوخ کو سودا
ہر ایک بات کی آخر کچھ انتہا بھی ہے

کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے
صنم رکھتے ہیں جسکو دیکھکر اللہ یاد آئے

مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے
حسرت میں جی کی رہیں جی ہی میں مرتے مرتے

زاہد تجھے قسم ہے کہ تو ہو تو کیا کرے
جاتا ہوں ایک میں دل پُر آرزو لئے

یہ یاد رہے ہمکو بہت یاد کروگے
اے خانہ بر انداز چمن کچھ تو ادھر بھی

آئی ہے سحر ہونے کو ظالم کہیں مر بھی
اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کیا کرے

دو چار نالے ہم پسِ دیوار کر چلے
یہ "نین" وہ ہیں جن سے کہ جنگل ہرے ہوئے

سختیِ جگر کی نعش کو آگے دھرے ہوئے
جلوۂ حسن اسے حسرتِ دیدار رہے

پیارے یہ ہمیں ہو سر کاٹے دھر مر دے
رکتا نہیں روکے سے کسو کے جدھر آوے

دو برگ لئے گل کے نسیمِ سحر آوے
میرے دلِ ناشاد کی امید بر آوے

قاصد کے بد و نیک کی مجھکو خبر آوے
کیا قہر کیا تو نے غضب تیرے پر آوے

قد کو ترے جس جگہ مشقِ خرامِ ناز ہے
اس جگہ شورِ قیامت فرشِ پا انداز ہے

تصور میں ترے کھیو صبا اُس لاابالی سے
گلے لگ لگ میں ویارات تصویرِ نہالی سے

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے
اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے

سودا کے جو بالیں پہ اُٹھا شورِ قیامت
خدامِ ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

کس شکار انداز کا یارب ہوا ترکش تہی
مرغ تک قبلہ نما کے بھی جگر میں تیر ہے

عجب بیداد حسرت پر مری صیاد کرتا ہے
دکھاتا ہے مجھے اُسکو جسے آزاد کرتا ہے

کسی کا دردِ دل پیارے تمہارا ناز کیا جانے
جو گذرے صید کے جی پر اُسے صیاد کیا جانے

نہ پڑھیو یہ غزل سودا تو ہرگز میر کے آگے
وہ ان طرزوں سے کیا واقف وہ یہ انداز کیا جانے

چمن میں کس کی مدارات تھی بتا تو نسیم
کہ صبح غنچوں کے سب عطردان کھول دئے

مخمس میرزا سودا بر غزل تجلی

ہوا ہے ایک سودا اور کیفیت کا دیوانا
قرار رکھتا ہے اس عالم میں جا کر اُسکا مل جانا
لبوں پر مہرِ خاموشی زباں اوپر یہ افسانا
جو کوئی بات پوچھے ہے تو اشک آنکھوں میں بھر لانا
کبھی گھبرا کے رو دینا کبھی ہنس ہنس کے رہ جانا

بیاباں میں کیا کروں دیوانگی اپنی کا افسانا
نہ میرا گھر میں جی لگتا نہ بھاتا بن کا ویرانا
خوش آتا ہے مجھے گلیوں میں سنگِ کودکاں کھانا
ارے ناصح عبث یہ ہے ترا بیہودہ سمجھانا
پری رُو ہو جدا جس کا نہ ہو کیونکر وہ دیوانا

عبث مت بک نہیں میں مانتا تیرا کہا ناصح
مری آہ و فغاں کرنے سے بتلا تجھکو کیا ناصح
میں اپنی جان سے بیزار ہوں تو مت ستا ناصح
بھلا چاہے ہے تو اپنی آبرو کو لیکے جا ناصح
مجھے بے طرح آتا ہے تری باتوں پہ جھنجھلانا

خدا جانے یہ مجھ پر کیا بلا ہے ناگہاں آئی
کہ اک باری ہوا ہیں چھوڑ عقل و ہوش سودائی
نہ مجھکو تاب و طاقت ہے نہ ہے صبر و شکیبائی
اگر چپ ہوں تو مرتا ہے دل اور گر بولوں تو رسوائی

نہیں معلوم کیا انجام رکھتا ہے یہ غم کھانا

طرح سیماب کے ہے بیقراری روز و شب مجھکو
ستاتا ہے غم اُس ظالم کا اکثر جب نہ تب مجھکو
نہیں معلوم فرصت ہوگی اُس دم ری سی کب مجھکو
پڑے ہیں اپنے جینے کے بھی لالے اب مجھکو
ہُوا ہوں ناتواں ایسا نہیں جاتا ہوں پہچانا

تڑپنے سے مرے سیماب بھی بیتاب ہوتا ہے
مرے شور و فغاں سے رات کو کم کوئی سوتا ہے
جلی چھاتی کو میری دیکھ غم سے ابر روتا ہے
مجھے جو دیکھتا ہے آپ اپنے ہوش کھوتا ہے
مری تدبیر میں عاجز ہیں سارے شہر کے دانا

کوئی کہتا ہے اسکے واسطے فصاد کو لاؤ
کوئی کہتا ہے سایہ ہے اسے سیانے کو دکھلاؤ
کوئی کہتا ہے اسکی فال جا مُلّا سے کھلواؤ
کوئی کہتا ہے اسکو قید کر زنداں میں لیجاؤ
کوئی کہتا ہے لاحاصل ہے دیوانے کا غم کھانا

میری حیرت کی صورت دیکھ آئینہ ہوا حیراں
مری افسردگی کو دیکھکر کملا گئیں کلیاں
مری فریاد کو سنکر جرس بھی ہے سدا نالاں
مرے واسوخت کو سنکر کے ہو شب شمع بھی گریاں
مری بیتابیوں کو دیکھ جل جاتا ہے پروانا

کبھی آتا ہے جی میں یار کے کوچے میں جا بیٹھوں
کبھی آتا ہے جی میں کوہ کن کیطرح سر چیروں
کبھی آتا ہے جی میں جا کے دشت اور کوہ میں رولوں
کبھی آتا ہے جی میں لوٹتے ہی لوٹتے جی دوں
غرض اب سب طرف سے سوجھتا ہے جان کا جانا

کبھی گھبرا کے اُٹھ جاتا ہوں وحشت سے بیاباں میں
کبھی چھپتا ہوں گلخن کی طرح تنکے گلستاں میں
کبھی پھرتا ہوں ننگے پاؤں میں خار مغیلاں میں
کبھی شور و فغاں کرتا ہوں جا جا عندلیباں میں
کبھی جا سیر گلشن میں ٹپک کر سر کو رو آنا

کبھی حال زلیخا پر میں عقل و ہوش کھوتا ہوں
کبھی ایوب کا ثانی صبر میں بیتاب ہوتا ہوں
کبھی یعقوب کی تربت کو اشک تر سے دھوتا ہوں
کبھی لگ کر گلے میں گور سے مجنوں کی روتا ہوں

کبھی سنگِ مزارِ کوہ کن سے سر ٹیک آنا

کبھو راتوں کو میں کرتا ہوں گھر میں نالہ و افغاں / کبھو پھرتا ہوں تنہا شہر میں وحشت سے سر عریاں
کبھو ہوتا ہے میرے ساتھ سودا مجمعِ طفلاں / تجلّی اسطرح سے دیکھکر اب ہم ادھر سرگرداں

کوئی کہتا ہے سودائی کوئی کہتا ہے دیوانا

عجب نادان ہیں وہ جنکو ہے عجب تاجِ سلطانی / فلک بالِ ہما کو پل میں سونپے ہے مگس رانی
نہیں معلوم اُن نے خاک میں کیا کیا ملا دیکھا / کہ چشمِ نقشِ پا سے تا عدم نکلی نہ حیرانی
مقرر جان اربابِ ہنر کو ہے لباس میں / کہ ہو جو تیغ با جوہر اسے عزت ہے عریانی
ہماری آہ دل تیرا نہ تڑپاوے تو یا قسمت / وگرنہ دیکھ آئینہ کو تیرہ ہو گئے پانی
یہ کھوئی جگ میں رسمِ دوستی اندوہِ روزی نے / مگر زانو سے اک باقی رہا ہے ربطِ پیشانی
موافق گر نکرتا عدل اُسکا آب و آتش کو / تو کوئی سنگ سے بنتی نہ شکلِ لعلِ رمانی
جسے یہ صورت و سیرت کرامت حق نے دی ہو گی / بجا ہے کہئے ایسے کے تئیں گر یوسفِ ثانی
معاذ اللہ یہ کیا حرف بے موقعہ ہوا سرزد / جو اسکو پھر کہوں تو ہوں میں دورِ مسلمانی
غرض مشکل ہمیں پڑی کہ پیدا کر کے ایسے کو / خدا اگر یہ نہ فرماتا نہیں کوئی مرا ثانی
انگلیاں اُڑ جائیں دم پر اسکے دستِ وہم کی / آبداری اُسکی گر کھینچے قیاسِ امتحاں
صورِ اسرافیل سے کچھ کم نہیں اُسکی نیام / نکلے وہ اسمیں سے تو شورِ قیامت ہو عیاں
جیتے جی جمعیتِ افلاک ہووے منتشر / تاب کیا باہم رہیں اجزائے ارضی تواماں
گاہ وہ آجائے نظر گاہ نظر سے غائب / پھر ہوا ایسے وہ شب رنگ ہے جگنو کی دمک
روبرو سے اگر آئینہ کے اس گلگوں کو / پھینک دے بڑھ کے جو تو شرق سے تا غرب تلک
اتنے عرصہ میں پھرا دے کہ اسے باور کر / عکس بھی آئینہ سے ہونے نہ پاوے منفک

مجھی تو زور سے ساقی کی یہ ادا بھائی / کہ پہلے جام سے مے خاک پر چھڑکائی
جو پوچھا میں تو کہا سن لی مجھسے سودائی / چہ با حبیب نشینی و بادہ پیمائی

بیا و آر حریفان بادہ پیما را

سوز **سوز** - طوطی الشعرا سید محمد میر مرحوم - میر تقی میر اور سودا کے ہمعصر تھے - اپنے نام کے جزو ثانی کی مناسبت سے پہلے میر تخلص کرتے تھے جب میر کا تخلص ان سے زیادہ مشہور ہوا تو بمقتضائے انصاف میر کو چھوڑ کر سوز تخلص اختیار کیا - انکے والد سید ضیاء الدین بہت بزرگ شخص تھے اور تیر اندازی میں صاحب کمال تھے انکا سلسلہ نسب حضرت قطب عالم گجراتی قدس اللہ سرہٗ تک پہونچتا ہے -

میر سوز کے بزرگوں کا اصلی وطن بخارا تھا لیکن انکے والد پرانی دہلی کے محلہ قراول پورہ میں سکونت رکھتے تھے - جب شاہ عالم کے زمانہ میں دہلی بہت تباہ ہوئی اینٹ سے اینٹ بج گئی تو میر سوز لباس فقیرانہ اختیار کر کے لکھنؤ چلے گئے - تذکرہ گلزار ابراہیمی سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۹۶ھ میں میر موصوف لکھنؤ میں براجتے تھے - مگر نوابی دربار تک رسائی حاصل نہ ہوئی تھی ۱۲۱۲ھ میں جب مرشد آباد سے دوبارہ لکھنؤ آئے تو قسمت نے یاوری کی اور نواب آصف الدولہ انکے شاگرد ہو گئے پورے دو برس کا عرصہ نہ گذرا تھا کہ ۷۰ برس کی عمر میں لکھنؤ میں اس دار فانی سے رحلت کی انکے اخلاق و عادات کی نسبت صاحب طبقات الشعرا کا قول ہے کہ "یہ شخص عالی طبیعت درویش خصلت ظریف الطبع خوش گفتار ہمیشہ امیروں کی صحبت میں رہتا تھا"

انہوں نے شاعری کے علاوہ شعر خوانی کا ایسا طریقہ ایجاد کیا تھا جس سے کلام کا لطف دوچند ہو جاتا - شعر کو اسطرح ادا کرتے کہ خود مضمون کی صورت بن جاتے اور شعر نہایت سوز و گداز سے پڑھتے - عرب میں فن شعر خوانی کو "انشاد" کہتے ہیں - ہندوستان کے اردو شعرا میں سب سے پہلے میر سوز نے طریقۂ انشاد کو رواج دیا مگر مرثیہ خوانوں نے اس کو بام ترقی پر پہنچا دیا - وہ میدان جنگ کا بیان اسطرح کرتے ہیں کہ آوازمیں بادل کی گرج پیدا ہو جاتی ہے اور سامعین کے سامنے تلوار بجلی کیطرح کوندجاتی ہے - اس نئی روشنی کے زمانہ میں بھی انجمن معیار لکھنؤ کے اکثر اراکین اپنی خوش الحانی سے میر سوز دہلوی کی یاد کو تازہ کرتے رہتے ہیں - سوز کا کلام سلیس ہے سادہ ہے بے تکلف ہے - بیان میں بیساختہ پن اور آمد ہے مگر سادگی پھیکے پن اور بے لطفی کی حد تک پہنچ

جاتی ہے لیکن پھر بھی دیوان محاورات کے خزانہ سے بھرپور ہے۔

انکے ایک بیٹے تھے جنکا نام میر مہدی اور تخلص داغ تھا۔ یہ ۲۰ برس کی عمر میں ایک حسینہ پر عاشق ہوئے لیکن وصل کی تدبیریں نہ پڑی ایک دن اُسکا خط آیا کہ میں تم سے کل آکر ملونگی انہوں نے یہ سمجھا کہ کل اُسے مراد فردائے قیامت ہے اسی وقت تن سے روح پرواز کرگئی اور سچ وصل کے وصال ہوگیا۔ مرتے دم یہ شعر اسکے خط پر لکھدیا ؎

ازجان رمقے بود کہ مکتوب تو آمد	دیگر کہ نویسم خبرم خوب گرفتے

انکے تلامذہ میں حکیم میرزا رضا علی آشفتہ۔ جان عالم خاں جان لکھنوی۔ لالہ موتی لال حیف لکھنوی لالہ صاحب رائے فریاد۔ میر شیر علی افسوس نارنولی۔ رستم الملک آغا محمد تقی خاں بہادر ترقی۔ نوازش حسین خاں نوازش جنکے شاگرد میاں واگیر اور میرزا رجب علی سرور صاحب فسانہ عجائب اور شیخ مخدوم بخش ذکا بہت مشہور گذرے ہیں۔ حضرت سوز مرحوم کی شعلہ بیانی ملاحظہ ہو۔

دل کے ہاتھوں بہت خراب ہوا	جل گیا بل گیا کباب ہوا
یار اغیار ہوگئے ہیہات	کیا زمانہ کا انقلاب ہوا

ق

دل تھا اب ساط میں سو کوئی اُسکو لے گیا	اب کیا کروں گا اے مرے اللہ کیا ہوا
سنتے ہی سوز کی خبر مرگ خوش ہوا	کہنے لگا کہ ہنسکے تو چھوٹا بھلا ہوا
پھر اپنی بات سنتے ہی رو کر کہا کہ حیف	طوطا ہمارا اُڑ گیا کیا بولتا ہوا
یہ تیرا عشق کب کا آشنا تھا	کہاں کا جان کو میری دھرا تھا
وہ ساعت کونسی تھی یا الٰہی	کہ جس ساعت دوچار اُس سے ہوا تھا
رات کو نیند ہے نہ دن کو چین	ایسے جینے سے اے خدا گذرا
سوز کے قتل پر کمر مت باندہ	ایسا جانا سے ہے کیا گیا گذرا
کیوں طفل اشک تجکو آنکھوں میں میں نے پالا	اسپر بھی میرے منہ پر تو گرم ہوکے آیا
قاصد سے تو پوچھا تھا کہ بھیجا تجھے کس نے	وحشت سے اُسے یاد مرا نام نہ آیا

پھر اُس سے ہم سی بگڑ گئی تو خفا ہو مجھکو رُلا دیا

ہے چال یا قیامت ہے حُسن یا شرارا

پوچھے ہے مجھکو سینۂ عاشق تو سچ ہی میلا

اتنی جراحتوں پہ جیتا ہے سوز صاحب

جی ناک میں آیا بت گلفام نہ آیا

درد سے محفوظ ہوں ارماں سے مجھکو کام کیا

یار گر صاحبِ وفا ہوتا

ضبط سے میرے تھم رہا ہے سرشک

ہاں میاں جانتا تو میری قدر

خشک نالے پہونچے ہیں تجھ تک

دعویٰ کیا تھا گل نے اُس رُخ سی رنگ و بو کا

اہل ایماں سوز کو کہتے ہیں کافر ہو گیا

سوز کیوں آیا عدم کو چھوڑ کر دنیا میں تو

ہوا دل کو میں کہتے کہتے دِوانا

بہت چاہا کہ تو بھی مجھکو چاہے

شہرۂ حُسن سی ازبسکہ وہ محبوب ہوا

نازک ہی دل نہ ٹھیس لگانا اسی کہیں

کعبہ ہی کا اب قصد یہ گمراہ کریگا

سرِ دیوان پر اپنے جو بسم اللہ میں لکھا

جان کے کیا بیاں کروں احساں

بھلا اور تو اور یہ پوچھتا ہوں

ولے میں بھی کیا ہوں کہ رونے میں تن بنایا منہ کہ ہنسا دیا

چلتا ہے کس ادا سے ٹک دیکھیو خدارا

کچھ جانتا نہیں ہے بھولا بہت بچارا

سینہ ہے یا کہ ترکش دل ہے کہ سنگِ خارا

جینا تو الٰہی مرے کچھ کام نہ آیا

بارِ خاطر تھا سو میرا یار بِشاطر ہو گیا

کیوں میاں جان کیا مزا ہوتا

ورنہ اب تک تو یہ گیا ہوتا

جو کہیں ترا دل لگا ہوتا

کاش میں اُن کا نامہ بر ہوتا

ماریں صبا نے دھولیں شبنم نے منہ پہ تھوکا

آہ یارب رازِ دل انپر بھی ظاہر ہو گیا

واں تجھی تھی کیا کمی یاں تجھکو کیا درکار تھا

پر اس بے خبر نے کہا کچھ نہ مانا

مگر تو نے نہ چاہا پر نہ چاہا

اپنے مکھڑے سی جھگڑتا تھا کہ کیوں خط آیا

غم سی بھرا ہے اے مرے غمخوار دیکھنا

جو تم سے نہ ہو گا وہ اللہ کرے گا

بجائے ید بسم قدِ آہ میں لکھتا

یہ نہ ہوتی تو مر گیا ہوتا

کبھی یاد کرتے تھے سو بھی بھلا یا

تھرتھراتا ہے اب تلک خورشید
دل کو یوں لیکے پانوں سے ملنا

اکھڑا نعش پر ہو کے بولا کہ ہے ہے
کھولی گرہ جو غنچہ کی تو نے تو کیا عجب
اسلام چھوڑ کفر کیا میں نے اختیار
آنکھیں تو تیر آگئیں تجھ سنگدل کے دھیان میں
صبا جو طوفِ دل ستاں کر دتو تجھ سے ملے

لی فرشتوں کی راہ ابر نے بند

جگر سے دل میں دل سے آنکھ میں آنکھوں سے مژگاں پر
قیامت کا بھی دھڑکا سوز کے دل سے نکل جائے
ہجر میں مرتا ہوں میں پیغام سے تو شاد کر
کم نہیں ہوتا غبار خاطرِ جاناں ہنوز

آج دل اپنے آپ سے کچھ ہے اداس
سوز کچھ اور اب تو سوانگ نکال

مرضی جفائے چرخ کی بیداد کیطرف
خونِ جگر تو آنکھوں سے جو تھا سو بہ گیا
رونے سے باز ہم کوئی آتے ہیں شمع سال
نظروں سے جو کسی کے گرے بول کیا سکے
بند میں اپنی گرہ دے کہ تجھے یاد رہے
آج میں سوز کو دیکھا تو اچنبھے میں رہا
دل ہے یا میں ہوں میں تو ہوں یا دل ہے

سامنے تیرے آگیا ہوگا
ہائے ظالم خدا کا ڈر نہ کیا
یہ کشتہ تو تجھ جان پہچان نکلا

یہ دل کھلے جو تجھ سے تو ہوئے صبا عجب
تو بھی وہ بت نہ رام ہوا اے خدا عجب
یہ خرابی ان کی ہے آنکھوں کا ہو خانہ خراب
ورنہ کعبہ میں دھرا کیا ہے بغیر از سنگ و خشت

جو گنہ کیجے ثواب ہے آج

یہ طفلِ اشک لڑ پڑ کر پڑا قاتل کے داماں پر
خداوندا گذر قاتل کا ہو گورِ غریباں پر
تو جو کہتا تھا نہ بھولوں گا کبھی وہ یاد کر
خاک سی میری جھٹکتا ہے کھڑا داماں ہنوز

کوئی مت آکے بیٹھو میرے پاس
شاعری تو نہ آئی تجھکو راس

مائل کیا دل اس ستم ایجاد کیطرف
آتا ہے سخت دل بھی چلا اب قفائے اشک
لے سر سے پانوں تک نہیں تا گھلا ہے اشک
کس نے سنی ہے آنکھ سے گرتے صدائے اشک
میں یہ ڈرتا ہوں نہ ہو جائے فراموش کہیں
سر کہیں پانوں کہیں ہوش کہیں گوش کہیں
اور اب ہمکنار کس کا ہو دل

قطعہ

بھلا رے عشق تیری شوکت و شان
بھائی میرے تو اُڑ گئے اوسان

ایک ڈر تھا کہ جی بچے نہ بچے
دوسرے غم نے کھالی میری جان

بس غم یار ایک دن۔ دو دن
اس سے زیادہ نہ ہو جیو مہمان

بس جی کھاؤ نہ قسم جانتے ہیں
جیسے تم ہو تمہیں ہم جانتے ہیں

قاتل پکارتا ہے۔ ہاں کون کشتنی ہے
کیوں سوز چپ ہے بیٹھا کچھ بول اُٹھ نہ ہاں میں ل

امید وصل جز طمع خام کچھ نہیں
ہر صبح ہے قسم یہ قسم شام کچھ نہیں

سمجھاؤں لینے کفر سے گر رفیق شیخ کو
بے اختیار کھ اُٹھے اسلام کچھ نہیں

آنکھوں کو اب سنبھالو یہ مارتی ہیں راہیں
جیسے مسافروں کو دیتی تمہیں نگاہیں

بے قراری نہ کر خدا سے ڈر
سوز عاشق کا یہ شعار نہیں

اے سوز عاشقی میں ثابت قدم ہی رہنا
فرقوں میں عاشقوں کے تاسب تجھے سراہیں

دل کو یہ آرزو ہے صبا کوئی یار ہیں
ہمراہ تیرے یہو سیئے مل کر غبار ہیں

میں وہ درخت خشک ہوں اس باغ میں صبا
جس کو کسو نے سبز نہ دیکھا بہار ہیں

ق

مقبروں میں دیکھتے ہیں اپنی ان آنکھوں سے روز
یہ برادر یہ پدر یہ خویش یہ فرزند ہیں

تو بھی رعنائی سے ٹھوکر مار کر چلتے ہیں یار
سوجھتا اتنا نہیں یہ خاک کے پیوند ہیں

ہاں اہل بزم آؤں میں بھی پر ایک سُن لو
تنہا نہیں ہوں بھائی با نالہ و فغاں ہوں

خواب ہی میں دیدے رہتے ہیں
زور خشمے ہیں خوب سوتے ہیں

کیا کروں دل کو کچھ قرار نہیں
اسمیں کچھ میرا اختیار نہیں

برق طپیدہ یا شرر رہ جھیدہ ہوں
جس رنگ میں ہوں میں غرض آشفتہ و سیدہ ہوں

اے آہ و نالہ مجھ سے نہ آگے بڑھو کہ میں
بچھڑا ہوں کارواں سے مسافر جریدہ ہوں

اے اہل بزم میں بھی مرقع میں دہر کے
تصویر ہوں و سے لب حسرت گزیدہ ہوں

خدا ہی کی قسم ناصح نہ مانوں گا کہا اب تو
نہ چھوٹے گا ترے کہنے سے میرا دل لگا اب تو

لے پھرا ہیں کہاں کہاں دل کو
نہ لگا لے گیا جہاں دل کو

دل سا رفیق میرا تو نے جدا کیا ہے
لے عشق جی بھی لے چک تیرا اگر بھلا ہو

رسم و آئین اسیری کے مجھے یاد نہیں
تو گرفتار ہوں اے ہم نفسو سکھلا دو

سانس لینے دو چھری نیچے تپتا ہی گیا ہے
ذبح تو کرتے ہو ٹک صبر کرو جلا دو

کھیو لے باد صبا بچھڑے ہوئے یاروں کو
راہ ملتی ہی نہیں دشت کے آواروں کو

بال باندھے جنہیں کہتے ہیں یہی عاشق ہیں
کیا چھڑا دے کوئی زلفوں کے گرفتاروں کو

اب یہ دیوانہ کہے ہے کھول دو زنجیر کو
توڑ دو اے عاقلو سر رشتۂ تدبیر کو

منہ نہ موڑا تیغ سے جم جم اٹھائے زخم یار
آفریں ہے سوز صد رحمت ہی تیرے پیر کو

او جانے والے اس سے یہ کہیو کہ واہ واہ
کچھ بھی خبر ہے در پہ پکارے ہے داد خواہ

کل کس کے ہاں گیا تھا بھلا یہ بھی جھوٹ ہے
پھر تو کہیگا مجھے جھگڑتا ہے خواہ نخواہ

ناصح تو کسی شوخ سی دل جا کے لگا دیکھ
میرا تو کہا مان محبت کا مزا دیکھ

ہر چند میں لائق نہیں تیرے کرم کے
لیکن نگہ لطف سے ٹک آنکھ اٹھا دیکھ

کس لئے تلوار خریدی میاں
باندھنے کو بھی تو کمر چاہیئے

راہ عدم کی بھی عجب سہل ہے
جس کو نہ کچھ زاد سفر چاہیئے

جس کو نہ ہو شکیب نہ تاب و فغاں رہے
تیری گلی میں وہ نہ رہے تو کہاں رہے

دونوں جہاں سے تو مجھے کام کچھ نہیں
ہاں یہ غرض ہے یار کہ تو مہرباں رہے

منہ دیکھ آئینہ کا تری تاب لا سکے
خورشید پہلے آنکھ تو تجھ سے ملا سکے

اشک خوں آنکھوں میں آکر جم لئے
دور کے بھی دیکھنے سے ہم گئے

ایک نے سوز سے پوچھا کہ صنم سے اپنے
اب بھی ملتے ہو بدستور کہ گاہی گاہے

دیکھ کر منہ کو گھڑی ایک میں بھر کر دم سرد
یوں اشاروں سے بتایا سر راہے گاہے

سر زانو پہ ہوا اس کے اور جان نکل جائے
مرنا تو مسلم ہے ارمان نکل جائے

تم بن ہے عذاب زندگانی — ہے میری خراب زندگانی
مت کیجیے خیال کل ملینگے — ہے پل میں یہ خواب زندگانی
اتنا نہ چھپو کہ لے کفن کا — گھبرا کے نقاب زندگانی

الٰہی دل میں کسی دوست کے صفا نہ رہی — ہمارے عکس کے آئینہ میں بھی جا نہ رہی

ق
چلتر سن سنیا عیار کا تو — زبردستی سے مرا دل لیا ہے
چھپا مٹھی میں کہتا ہے کہ او میاں — ہمارے ہاتھ میں تو چھو تو کیا ہے

مثل نے ہر استخواں میں درد کی آواز ہے — کچھ نہیں معلوم یارب سوز ہے یا ساز ہے

کمر جانیکا قاتل نے نرالا ڈھب نکالا ہے — سبھوں سے پوچھتا ہے اسکو کس نے مار ڈالا ہے

ق
دیا تھا بیوفا کو دل جو میں نے ایک بوسہ پر — کئی دن تک تو ٹالا پھر جو دیکھا روز ٹالا ہے
کہا اکتا کے دل ہی پھیر دو تو یوں لگا کہنے — تقاضے نے ترے ہر دم کے مجھکو مار ڈالا ہے
پڑا ہوگا کسی کونے میں جا پہچان کر لے لے — "مرا دل دو مرا دل دو" نیا جھگڑا نکالا ہے

لوگ کہتے ہیں مجھے یہ شخص عاشق ہی کہیں — عاشقی معلوم لیکن دل تو بے آرام ہے

ق
کہوں کس سے شکایت آشنا کی — سنو صاحب یہ باتیں ہیں خدا کی
عدم سے زندگی لائی تھی بھلا — کہ دنیا جائے سے اچھی قضا کی
جنازہ دیکھتے ہی سن ہوا دل — کہ ہے ظالم دغا کی ارے دغا کی

رفیق کوئی برے وقت کا نہیں واللہ — فغان نیم شبی یا کہ نالہ سحری
نہ ملیے مجھسے مگر جی سے مہرباں رہئے — خوشی سے رہئے میرے مہرباں جہاں رہئے

گالیاں دینے کو اچھے ہو بچارے سوز کو — یہ نہ آیا ایک بوسہ دیجیئے یوں ہی سہی

سوز — سوز۔ شاعر جادو مقال۔ ناثر عدیم المثال۔ مولوی عبدالکریم سوز خلف اصغر و تلمیذ رشید خسرو اقلیم سخن آرائے حضرت مولوی امام بخش صہبائی سلسلۂ نسب پدری حضرت عمر فاروق تک اور نسب مادری حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح تک پہونچتا ہے۔ نقادی اور تحقیقات فن کی شہرت عالم

آشنا ہے۔ عربی فارسی میں صاحب تکمیل منطق حکمت اور دیگر علوم و فنون میں فارغ التحصیل۔ خدا داد طبیعت کو فن سخن سے وہ نسبت تھی جو بلبل کو چمن سے یا روح کو بدن سے۔ اس جوان مرگ کی عالی خیالی واہ۔ اور بلند پروازی مضمون آفرینی سبحان اللہ۔ ابتدائے سن شعور سے کسب کمال کا شوق شوکت الفاظ کے ساتھ۔ اچھوتے مضامین پیدا کرنیکا ذوق اور کیوں نہ ہوتا طبیعت اچھی ذہن رسا۔ اسیر صہبائی کی شاگردی اور شفقت پدری سونے پر سہاگا جوانی میں اپنے کمالات اور ستودہ اخلاق کے باعث یکتائے روزگار خلیق۔ با مروت۔ ملنسار ہر وقت فکر سخن میں غرق۔ ذہن کی براقی مدعیٔ انا البرق اکثر زمینوں میں بیس بیس غزلیں کہکر اپنے شاگردوں سے پڑھواتے۔ داد لینے میں انجمن سے گوے سبقت لیجاتے۔ خاقانی ہند حضرت ذوق کی وفات پر ایک قطعہ تاریخ مسمّی بہ واقعہ تعجب خیز ایسا لاجواب لکھا ہے کہ دیگر صنایع بدایع سے قطع نظر اکثر مصرعوں سے سال و مادہ نکلتا ہے ۱۲۷۳ھ میں ۲۲ برس کی عمر پاکر بعالم شباب گوروں کے ہاتھ سے بے گناہ مارے گئے اور گنج شہیداں میں مدفون ہوئے۔ میدان بلاغت کے شہسوار معرکۂ سخن کے علم بردار تھے۔ مولا بخش قلق میرٹھی مرحوم جو حضرت صہبائی کی شاگردی سے پھر کر جناب مومن کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے تھے اُن سے کارزار شاعری میں مقابلے ہوئے قلق کو زار و حزیں ہونا پڑا۔ ہنگامۂ سخن میں انکے آگے قدم نہ جمے۔ انکا ضخیم اور قلمی کلیات لالہ بنارسی داس غمگین کے پاس موجود تھا مگر افسوس کا مقام ہے کہ وہ انکی وفات کے بعد ورثا کی کم توجہی سے ضایع ہو گیا۔ بطور نمونہ تھوڑا سا کلام جو انتخاب کیا ہے زیب دیدۂ ناظرین ہے ؎

میرے دل میں حسرتیں ہیں کارواں در کارواں
گم نہ ہو جائے کہیں پیکاں تمہارے تیر کا

چمن سے جاتی ہے اسطرح سی بہار اور ہم آئے
کسی طرح نہیں صیاد مہرباں ہوتا

تو نہ مرجائے کہیں سوز غم میں رک رک کر
ذرا تو حال کہا کر کسی سے یار اپنا

عالم کو چین دیتی نہیں شوخیاں تیری
اور اضطراب میرے دل بیقرار کا

میرے جنوں سے اور تیرے رنگ شوخ سے
اسکے سوا اور رنگ ہے ظالم بہار کا

تمہیں واں رات کو غیروں میں عشرت سے بسر کرنا
ہمیں یاں روتے روتے شمع ساں وقت سحر کرنا

ظالم ترے تشنوں کا گلو تر نہیں ہوتا
جب تک کہ رواں حلق پہ خنجر نہیں ہوتا

کچھ ترا شہرہ ہوا کچھ میری رسوائی ہوئی
رفتہ رفتہ یوں ہی ظاہر راز پنہاں ہو گیا

عشق میں ہو ہی چکے تھے ہم تو بے ساماں مگر
حسرتیں بڑھ بڑھ کے پھر کچھ جمع ساماں ہو گیا

نہ وہ تم ہو نہ وہ ہم ہیں نہ وہ باتیں پہلی
تفرقہ تھا جو مقدر میں نظر آ ہی گیا

ابھی دل میں ابھی آنکھوں میں ابھی دامن پر
اشک میں بھی تری شوخی کا اثر آ ہی گیا

سوز گو بیگانہ ہی پر بزم میں ہنسنے تو دے
رفتہ رفتہ یہ بھی ظالم آشنا ہو جائیگا

وائے قسمت کہ خزاں میں رہے گلزار کے پاس
اور بہار آئی تو صیاد جفا کار کے پاس

ہائے رے جذبۂ صیاد کہ بھاگے ہیں جو صید
پھر پھر آن رہے ہیں اسی خونخوار کے پاس

اللہ اللہ تری صیاد تغافل کیسی
کہ جو بھولے سے بھی آوے نہ گرفتار کے پاس

پاس آنے میں نہ کشتوں کے لگے دیر کہیں
لے لیا موت نے گھر ہی تری دیوار کے پاس

ناتواں گو ہیں پہ بیتابی دل ہے تو کیا
ایک دن گھر ہی کرینگے تری دیوار کے پاس

اے سوز ابتدا ہی میں بگڑی ہوائے دل
آگے کو رنگ دیکھئے کیا کیا دکھائے دل

بدعہدیوں کی تیری کیا کیجئے شکایت
جب آپ ہی جہاں میں ناپائدار ہیں ہم

یہ تو یقیں تم ہم میں ہی پر یہ نہیں کھلتا کس جا ہو
دلمیں تمنا سینہ میں ارماں جان میں حسرت رکھتے ہیں

ارماں ہے کونسا کہ سویدائے دل نہو
امید کونسی ہے جو داغ جگر نہیں

یوں ہی آئی عمر اور یوں ہی گئی ہے
ہم خدا جانے رہے کس درمیاں میں

سینکڑوں ہیں تری اس سادہ مزاجی کے نثار
اور قرباں ہیں ظالم تری ہشیاری کے لاکھوں

جان سینہ میں نظر آنکھوں پہ دم ہونٹوں پر
اک نہ آنے سے ترے کام ہیں اٹکے لاکھوں

ایک مژگاں کے تصور سے ترے او کافر
خار سے خار سے تھے سینہ میں کہ کھٹکے لاکھوں

رحم بھی آیا تو قاتل کب تجھے آیا کہ یاں
حلق میں کٹ کر رگ خنجر آدھی رہ گئی

ہم نے کچھ ہمت تو کی تھی پر کریں کیا الغرض
اللہ اللہ شوخیاں تیری کہ تیری نازکی

کھینچ گیا شاید تغافل کچھ ترا مانی سے جو
تو ہی دے جا ہے جس انداز سے آزار مجھے

جی نے چاہا تو گیا بیٹھ کسی کوچے میں
اور وہ کون سا عقدہ ہے کہ آساں ہوگا

اسکو ہے شوقِ ستم مجھکو ستم کی خواہش
سوز کچھ تو ہے تمنا کہ پڑے پھرتے ہو

ہیں تو چمن کے اندر پر جو رِ باغباں سے
حیرت نے ہمکو غنچہ تصویر کا بنایا

صیاد پھینک دیوے یا برق پھونکدیوے
دیکھا عجب تماشا طرفہ کیا نظارہ

یعنی کہ ایک بلبل بیٹھی تھی شاخِ گل پہ
جوں سوز سوز و دردِل اشعار میر برلب

اُس کے سخن میں ہمدم کیا کچھ بھری تھی گرمی
گہ نالہ و فغاں سے عالم کو پھونک دینا

گہ فصلِ گل سے شاداں کوتاہ بینیوں سے
اُسکو سمجھ کے اپنا ہمدرد ہم مصیبت

کیا حال ہے وہ تیرے اب زمزمے نہیں ہیں
کہنے لگی کہ جو جو میری حقیقتیں ہیں

لیکن نہیں مناسب بالکل ہی چپکے رہنا

آتے آتے آہ کی تاثیر آدھی رہ گئی
لوحِ دل پر جب بنی تصویر آدھی رہ گئی

کھنچتے کھنچتے یوں تری تصویر آدھی رہ گئی
میں بھی دیکھوں گا ترے ساتھ ہے کیا پیار مجھے

اور نہ چاہا تو ہے پھرنے سے سروکار مجھے
ایک ملنا تھا تمہارا سو ہے دشوار مجھے

میں ستمگار کو درکار ستمگار مجھے
کیوں یہ کہتے ہو نہیں اُس سے سروکار مجھے

آوارہ پھر رہے ہیں گم کردہ آشیاں سے
اسیر بھی ڈر رہے ہیں بیدادیٔ خزاں سے

اب ہاتھ اُٹھا لیا ہے ہم نے تو آشیاں سے

قطعہ

گذرا جو صبح گاہاں میں صحنِ گلستاں سے
رنگِ چمن دوبالا تھا اُسکی داستاں سے

گویا خبر وہ دیتی تھی سوزشِ نہاں سے
گویا کہ آتشِ دل تھی شعلہ زن زباں سے

گہ دل ہی دل میں جلنا آہِ شرر فشاں سے
گہ پیش بینیوں سے غمگیں تھی خزاں سے

پوچھا یہ میں نے اُس سے تو کہہ تو کچھ زباں سے
اندوہگینیاں ہیں ظاہر تری فغاں سے

سو گفتنی نہیں ہیں کیا فائدہ بیاں سے
اب رازِ دل چھپاؤں اور تجھسے رازداں سے

میری یہ ہے حقیقت میرا یہ ماجرا ہے
نے بیٹھنے کی جا ہے نے رہنے کا ٹھکانا
آنکے تو جو رستے اک عمر ہوگئی ہے
اتنا کہ اک اور تازہ آفت ہوئی ہے نازل
جب کوندتی ہے بجلی تب جانب گلستاں
لالہ اور اسطرح سے چھاتی پہ داغ رکھے

یعنی کہ خستہ دل ہوں اور تنگ اپنی جاں سے
آزردہ ہوں زمیں سے آشفتہ آسماں سے
صیاد کا گلہ ہے شکوہ نہ باغباں سے
یعنی بقول میر دل خستہ آسماں سے
رکھتی ہے چھیڑ میرے خاشاک آشیاں سے
سب ڈھنگ اُڑا لیے ہیں سوز خستہ جاں سے

سوز **سوز** ۔ منشی محمد عمر باونی مقیم جبلپور شاگرد حضرت جلال لکھنوی۔ خوش فکر موزوں طبع ہیں یہ کلام ہے

محتسب سے پوچھتا تھا میکدہ
آنے والی تھی طبیعت آ گئی

نشۂ مے میں ایسا چور تھا
یہ خدا ہی کو بتو منظور تھا

رباعی

مشرق کے ہوں لاکھ سال تو کچھ بھی نہیں
کچھ دین کا فائدہ نہ دنیا کا سوز
بے فائدہ سب کار گذرتے ہیں یونہیں
یورپ کے پچاس اس سے بہتر ہیں کہیں

واعظ نہ پھر بادہ کشی منع کرا نہیں
آدمی قسمت کا اچھا چاہیئے
دن تو ہے دنیا کے دھندوں کیلئے

ضد سے تری پینگے یہ نخوار اور بھی
قسمت اچھی ہو تو پھر کیا چاہیئے
شام ہوتے جام و مینا چاہیئے

سوز **سوز** ۔ منشی محمد حسین علیخاں باشندہ رہا نپور طبیعت برق دم۔ ذہن سے دو آتشہ کیطرح تیز ہے۔ ایک ٹھکرایا ہوا شعر ہاتھ آیا ہے سہ

بھاگے ہیں میکدہ سے تو جبری میں شیخ نہیں
چلّہ کیا ہے شیخ نے اتری کمان پر

سوز **سوز** ۔ شیخ نذیر الدین حسن الدشاہ غلام محی الدین۔ ساکن بریلی۔ صرف ایک شعر دستیاب ہوا ہے۔ جو ہدیۂ ناظرین ہے سہ

جین اس دل کو نہ اک آن ترے بن آیا
دن گیا رات ہوئی۔ رات ہوئی دن آیا

سوزاں **سوزاں** ۔ میرزا احمد علیخاں شوکت جنگ خلف الصدق نواب میرزا علیخاں لکھنؤ میں امرائے

شوکت سے رہتے وزیر الملک آصف الدولہ اور سعادت علیخاں کے زمانہ میں رہتے تھے۔ یہ دو تین شعر انکے درج تذکرہ کئے جاتے ہیں سہ

مجنوں شکستہ پا ہے پیچھے
کہ دیجو سلام ساربان کو

مت دل لگا بتوں سے کہنے پہ جا کسیکے
ہرگز ہوئے نہ ہونگے یہ آشنا کسی کے

خوبی سے ہے کیا ستم گر اس ہفتہ دوستی میں
اپنا کسی کو کیجے ہو رہیئے یا کسی کے

سوزاں

سوزاں حکیم محمد تقی خاں مرحوم دہلوی طبیب حاذق شاعر باخبر تھے۔ انکا ایک مسدس دستیاب ہوا ہے جو فغان دہلی سے نقل ہو کر ہدیۂ ناظرین ہی سہ

خدا نے عرش سے تا فرش جب پیدا کیا
زمیں پہ رہنے کا انساں کو جبکہ حکم ملا

جو انتخاب جہاں تھا سو ہند میں رکھا
رہے تھے مل کے وہیں دیکھو آدم و حوّا

کسی کا نام رکھا روم اور کسیکا شام
ہے اس مقام کا ہندوستان جنت نام

یہ شہر وہ تھا کہ سب جام جم اسے کہتے
سمجھ تھی جن کو وہ رشک ارم اسے کہتے

یہ شہر وہ تھا کہ بحر کرم اسے کہتے
بجا تھا چشمۂ فردوس ہم اسے کہتے

اسی کے لینے کا شایق ہر ایک سرور تھا
یہ شہر وہ تھا کہ سرتاج ہفت کشور تھا

وفور حسن لطافت میں اسکا تھا شہرہ
یہ کان علم و ہنر میں تھا ایسا ہی یکتا

کسوٹی کہتے ہیں جسکو وہ شہر دہلی تھا
یہاں کے سنگ میں پارس کا تھا اثر پیدا

وطن کو چھوڑ ہر ایک سمت سے جو آتے تھے
اسی جگہ سے سب انسان بنکے جاتے تھے

جو طلم آنکھ سے دیکھا کہا نہیں جاتا
سنا جو کانوں سے اُسکو لکھا نہیں جاتا

نشان نقش ازل تو مٹا نہیں جاتا
کرے بیاں جو اُسکا سنا نہیں جاتا

ہوا نہ جاتی تھی بے اذن جن کے گلشن میں
وہ خاک چھانتے پھرتے ہیں جنگل اور بن میں

تھے ایک روز فراہم جو شاہ کے فرزند
کی عرض شہ سے کہ اقبال آپ کا ہو بلند
دعا قبول ہوئی آپ کی ملی یہ گزند
خفہ گلو ہے ہمارا اجل ہو طوق کمند

ہمارے حق میں جو ارشاد تھا وہ پیش آیا
کہ اپنے سامنے سب کو عدم میں بھجوایا

صبا چمن میں اُڑائے ہے اپنے سر پر خاک
جہاں تھے نرگس و لالہ نہیں خس و خاشاک
ہر ایک گل جو ہے پژمردہ با دلِ غمناک
کیا ہے گلشن ہستی نے اب گریباں چاک

کریں ہیں نوحہ مچا شور بلبلانِ چمن
ملے ہیں خاک میں گلچیں و گلرخانِ چمن

جو نازک ایسے اٹھاتے نہ گل کو جانِ نزار
بجز نسیم گل اُنکے گلے میں دیکھا نہ ہار
رہا نہ عطر نہ پان اور نہ زلفِ عنبر بار
چلے ہیں سر پہ رکھے اپنے بار نصف نہار

وہ پا برہنہ ہیں کانٹے ہیں اور ہے رہِ سنگ
پڑے ہیں چھالے جنہیں بار تھا حنا کا رنگ

وہ نازنیں کہ نزاکت بھی دیکھ گھبرائے
کہ جسکی بستر گل پر سے نیند اُڑ جاوے
گمان میں جو نہ ہو کیا خیال میں آوے
لکھا ازل کا جو تقدیر سامنے لادے

پکڑ کے زلف کیا قتل انکو کرینگے سر
صبا کے چھونے سے ہوتے تھے جو پریشان سر

جو غنچے گرے ہی رہ میں تیر سا نکلا
جو قطرہ اشک کا ٹپکا تو دریا ہو ویگا

سوزاں

سوزاں - منشی حبیب الدین احمد مرحوم خلف خواجہ معین الدین انصاری سہارنپوری - اوائل عمر سے حسن پرستی کی آگ دل میں بھڑکی شعلہ رویوں کا سودا سر میں سمایا - ذوق سخن نے اور بھی گرمیٔ طبع کو بڑھایا - فارسی کی معقول استعداد حاصل کرنیکے بعد سہارنپور کو چھوڑ دیا - دلّی میں رہنے سہنے

لگے حضرت غالب کی شاگردی اختیار فرمائی۔ عرصہ تک اُن سے استفادہ حاصل کرتے رہے اُنہیں دنوں میں اخبار الاخیار کے ایڈیٹر ہو گئے بہت سی رسالے آپکی تصنیف و تالیف سے ہیں تاریخ عجیب و حالات حکمائے یونان۔ تریاق مسموم۔ تاثیر القلوب۔ گنج شایگاں قافیہ میں۔ اُردو کا پہلا دیوان جو نہایت مختصر ہے۔ شایع ہو چکا ہے۔ دوسرا دیوان بھی تیار تھا مگر معاش کی کمی اور قبل از وقت موت نے چھپوانیکی مہلت نہ دی۔ انہوں نے میرزا غالب مرحوم کے بعد دہلی کو چھوڑ دیا تھا اور سہانپور چلے گئے تھے۔ میرزا عزیز بیگ عزیز مرحوم انکے قابل تلامذہ میں سے تھے سوزاں باوجود غربت کے قانع و صابر رہے حتی الوسع کبھی تیور پر بل نہ آنے دیا۔ زندہ دلی میں فرد تھے ہنستے ہوئے زندگی کے دن تیر کئے ۱۸۹۵ء میں انکی شمع حیات خاموش ہو گئی ۶۵ برس کی عمر پائی شعر کے تیور خوب ہوتے تھے۔ مزاج میں شوخی حد سے زیادہ تھی۔ اسلئے کبھی انشا کا رنگ کلام میں آجاتا تھا۔ آزادانہ رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے بعض موقعہ پر رنگ غالب کی متانت کو فراموش کر دیتے۔ مگر اسمیں شک نہیں کہ ذہین۔ طباع۔ بلند پرواز۔ نازک خیال شاعر تھے کلام کا انتخاب یہ ہے

جانا جب ہم نے اس کو تو کیا دیر کیا حرم
شہر میں سوزاں جو کوئی شخص تھا
غالب سے کام تھا سو وہ سوزاں گذر گئے
اے مے فروش اپنی غلامی میں رکھ مجھے
تیری نگاہ مست اثر دل میں کر گئی
جب تک رہا جہاں میں رہا مبتلائے رنج
افسوس کہ دل خوش نہ ہوا لگ کے کسی سے
چادر ماہتاب کا ہو کفن
دھو سکے تو اپنے دل کا داغ دھو

کوئی جگہ جہاں میں نہ تھی وہ جہاں نہ تھا
آج کسی شخص پہ وہ مر گیا
دہلی میں اب جناب کا کیا کام رہ گیا
جو پاس تھا وہ صرف مے و جام ہو گیا
ساقی یہ جام لے کے مرا کام ہو گیا
اے کنج قبر اب مجھے آرام ہو گیا
ماتم کدہ دہر میں جو تھا سو حزیں تھا
کشتہ ہوں ایک ماہ پیکر کا
شیخ منہ کو مگر گھڑی دھوتا ہے کیا

زخم پر میرے چھڑکتا ہے نمک
اور وہ دکھ کی دوا کرتا ہے کیا

دیکھا جو مجھکو شوق شہادت میں بیقرار
کافر نے رکھ کے حلق پہ خنجر اٹھا لیا

کیا ہی نورانی ہے اُس شکل قمر کی صورت
آگیا چاند نظر بنکے بشر کی صورت

علم حکمت وہ ہے آئینۂ روشن جسمیں
نظر آتی ہے ہر اک عیب و ہنر کی صورت

اثرِ درد نہ ہو نیچے دل نازک پہ کہیں
تم نہ دیکھا کرو مجھ خستہ جگر کی صورت

کیوں ہے برنگِ غنچۂ گل دل گرفتہ آج
اے نوبہارِ حسن ترا خوش تو ہے مزاج

نقدِ وفا سے کیسۂ دل ہے بھرا ہوا
پر کیجئے کیا نہو ہے جو اسکا یاں رواج

سوزاں کو دیکھا مست فقیروں کیطرح سے
کاسہ لئے کھڑے تھے درِ میکدہ پہ آج

اے چشم شوق مژدہ کہ جلتی ہے اب نقاب
روشن ہوئی ہے آتشِ رخسار بے طرح

مجھے حیرت آتی ہے شمع سحر پر
کہ مٹتی ہے اور مستعد ہے سفر پر

اس ملنے سے ہوتا ہے کہیں خوش دلِ محزوں
لینا ہے غم ہجر کا بدلا ابھی کچھ اور

توبہ کا ارادہ تو ہمارا بھی ہے اے شیخ
لیکن ذرا آجائے بڑھاپا ابھی کچھ اور

مجھے دام میں لاکے صیاد بولا
نہیں یہ اسیر آب و دانے کے قابل

راحت تو مجھکو بھی کبھی اے آفریدگار
کیا رنج ہی کے واسطے میں آفریدہ ہوں

جزاک اللہ وعظ اچھا کہا اب رخصت اے واعظ
کہ وقت میکشی آیا ہے ہم میخانہ جاتے ہیں

لطف کم کیجے کہ اس بندہ کے حق میں آپکا
اب ستم اچھا ہے اور لطف و کرم اچھا نہیں

حق تعالیٰ غم کسی کو دے تو سوزاں عشق کا
ورنہ دنیا کا ہو یا دیں کا ہو غم اچھا نہیں

گر آرزو ہے دل میں تو یہ ہے کہ ایک روز
قدموں پہ تیرے جانِ گرامی فدا کریں

طینت میں ہے فریب بتانِ فرنگ کے
جس سے ملیں انہی سے یہ کافر دغا کریں

سوزاں کو آپ کہئے فرشتہ خصال ہے
ہم تو یہی کہینگے کہ کچھ آدمی نہیں

عاشق اُس سایۂ دیوار سے رکھتے ہیں مراد
جس کو اربابِ خرد ظلِ ہما کہتے ہیں

مجھ سے بیمار کو تکلیفِ غزل دیتے ہیں
رحم سوزاں دلِ یارانِ سخنداں میں نہیں

کس میں ہے طاقتِ دیدار الٰہی توبہ
کیا غضب کرتے ہو یا حضرت موسیٰ دیکھو

کعبہ و دیر میں دھرا کیا ہے
غور دل میں ذرا کرے کوئی

نہوئے جسکو علم و عقل کھلاتا ہے دیوانہ
یہاں دیوانہ علم و عقل نے مجھکو بنایا ہے

جاتے ہیں پر افسوس یہ ہمکو نہیں معلوم
جائینگے کہاں اور ہم آئے ہیں کدھر سے

آتی ہے تجھے دیکھ کے کیا کیا مرے دل میں
پر کہہ نہیں سکتا ہوں ظالم ترے ڈر سے

پوچھا جو اُسنے مجھکو وہ خانہ خراب ہے
نکلا خوشی میں منہ سے مرے ”ہی جناب ہے“

یہ چادرِ نورِ روے روشن جھلکی یاں کعبہ میں نبی ہے
چراغ دیر و کنشت میں بھی اُسی کے جلوہ کی روشنی ہے

جو اسکی حکمت کا ہی تقاضا وہی کہا اور وہی کریگا
کہ حکم اُسکا ہی ملک اُسکا کسیکو کیا جائے دم زنی ہے

اے چشم گہر بار جہاں تک کہ نظر جائے
دامانِ زمین آج ذرا اشک سے بھر جائے

الٰہی آنکھیں پھوٹیں ہاتھ ٹوٹیں جس نے دنیا میں
نہ چشم عشوہ زا دیکھی نہ ساقِ نازنیں پکڑی

خدا پرست مجھے لوگ کہتے ہیں اور میں
صنم پرست ہوں ایسا کہ برہمن کیا ہے

لیگئی تخلیہ میں حضرتِ یوسف کو مگر
اور کچھ قصدِ زلیخا ہے خدا خیر کرے

منہ سے کہتا تو ہوں توبہ مگر اے شیخ ہنوز
دل میں ذوقِ مے و مینا ہی خدا خیر کرے

سنکے بیماری سوزاں کی خبر ازرہِ درد
لگے کہنے کہ بڑا پاپ ہے خدا خیر کرے

سر و سامان نہیں ہم سے مہیا ہوتے
ورنہ فرعون تو کیا اُسکے بھی باوا ہوتے

کچھ نہ ہوتے یہ تو اللہ یہ انانیت ہے
کچھ اگر ہوتے تو کیا جانئے ہم کیا ہوتے

یار کے رنگ میں سوزاں تجھے ملجانا تھا
وہ گلِ تر تھے تو ہم بلبلِ شیدا ہوتے

وہ بے فائدہ در پے گشت و شو ہے
یہ آخر وفا پیشگاں کا لہو ہے

بس اب عشقِ بتاں کر ترک سوزاں
خدا کا خوف کر بندے خدا کے

سوزشؔ ۔ محمد احسان الحسن صاحب خلف اصغر حضرت نوازشؔ مرحوم۔ آپکا وطن آبائی سوزش

جونپور ہے۔ فن شعر میں حضرت شاہ اکبر داناپوری سے اصلاح لیتے ہیں۔ کلام سے مترشح ہوتا ہے کہ ابھی مشق کی ضرورت ہے۔ یہ دو شعر انکے ہیں جن سے موزوں طبع ہونا ثابت ہوتا ہے۔

عشق کو اُس خالق عالم نے جب پیدا کیا	سب کے بدلے مجھکو اپنا والہ و شیدا کیا
ہجر میں اُس بیوفا کے یہ مری حالت ہوئی	اضطراب قلب سے میں رات بھر تڑپا کیا

سوگ

سوگ۔ منشی مہیش پرشاد صاحب۔ مدرس مدرسۂ سرکاری قصبہ نارہ ضلع الہ آباد۔ ۱۵ برس سے حضرت نوح ناروی کے شاگرد ہیں مشق کم ہے۔ زبان لکھنے کیطرف توجہ ہے طبیعت میں آمد ہے۔ انتخاب یہ ہے ؎

تو دیکھ اپنے حسن کو عاشق کی آنکھ سے	تیری نظر میں کیا ہے ہماری نظر میں کیا
بڑھ گیا کچھ اور بھی سودا بیاباں دیکھکر	تلوے کھجلانے لگے خار مغیلاں دیکھکر
حسن وہ شئے ہے کہ پتھر میں بھی کرتا ہے اثر	کھل گئی یہ بات آئینہ کو حیراں دیکھکر
خانۂ دل کی تباہی کا نہ پوچھو ہم سے حال	حسرتیں بھی اب نہیں آتی ہیں ویراں دیکھکر
مژدہ اے جوش جنوں پھیلا ہے پھر وحشت نے پاؤں	آبلے روتے ہیں پھر خار بیاباں دیکھکر
دست وحشت کو مبارکبادیاں دیتے ہیں ہم	چاک دامن دیکھکر چاک گریباں دیکھکر
چار آنسو گر پڑے برپا قیامت ہو گئی	ڈر رہے ہیں وہ مرے اشکوں کا طوفاں دیکھکر
کوئی بالیں پر کھڑا ہے زلف بکھرائے ہوئے	آج ہم اٹھے ہیں یہ خواب پریشاں دیکھکر
تیر نگاہ ناز ٹھہرتے کہیں نہیں	یہ دلنواز تو ہیں مگر دل نشیں نہیں
اے سوگ ہے عبث تمہیں راحت کی جستجو	کیا ہاتھ آئے وہ جو جہاں میں کہیں نہیں
وہ خنجر لیکے سوتے ہیں شب وصل	نہیں معلوم کیا ٹھانی ہے جی میں
تری تیغ نگاہ ناز کچھ ایسی چلی دل پر	کہ میرے ایک دل کے سینکڑوں دل ہوتے جاتے ہیں
یہ کیا منصف مزاجی ہے تمہیں سوچو تمہیں سمجھو	انہی پر ظلم کرتے ہو جو تم سے دل سے ملتا ہے
اس ادا اس ناز اس انداز پر	دل تو دل ہے جان بھی قربان ہے

ہجر کی شب موت بھی آتی نہیں
کس مصیبت میں ہماری جان ہے

ہوگیا ہوں خوگر غم رنج سہکر اور بھی
کیجئے مجھپر ستم اے بندہ پرور اور بھی

کیا زمانہ میں تمہیں ہو اک اکیلے خوبرو
سیکڑوں ہیں تم سے اچھے اور بہتر اور بھی

آنکھیں اُدہر لڑیں کہ اِدہر دل تڑپ گیا
کیا جانے کیا اثر تری ترچھی نظر میں ہے

دل پر کسی کے تیر پڑا ہم نے آہ کی
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

ہمارا یہ دل مضطر انوکھا ہے نرالا ہے
کبھی جی جی کے مرتا ہے کبھی مر مر کے جیتا ہے

سہا

سہا۔ حکیم میر رضا حسین۔ داماد میر وزیر علی صبا مرحوم۔ علمی استعداد کچھ زیادہ نہ تھی مگر دبیر۔ صبا۔ خلیل جیسے اُستادوں کی صحبت کا فیض اٹھایا تھا۔ اسلئے زبان صاف ہوگئی تھی ۱۸۹۶ء تک لکھنؤ میں موجود تھے۔ انہیں دعویٰ تھا کہ خواجہ آتش کے رنگ میں ان سے بہتر کوئی نہ کہہ سکا۔ مگر یہاں ہمہ انکے کلام پر بجائے توارد کے سرقہ کا گمان ہوتا ہے۔ اگست ۱۹۰۵ء کے گلچیں میں جو غزل انکے نام سے درج ہے اُسکے بعض اشعار نواب یوسف علیخاں ناظم شاگرد حضرت غالب مرحوم کے ہیں مثلاً ؎

خون بہتے ہوئے دیکھا کبھی جلتے دیکھا
دل کو ہر بار نیا رنگ بدلتے دیکھا

اسی طرح دوسرا شعر بھی بہ تبدیل الفاظ انہیں کا ہے ؎

زاہد و شیخ و برہمن مرے ہم مشرب ہیں
در میخانہ سے کس کس کو نکلتے دیکھا

جناب ناظم کا مصرعہ یوں ہے۔ ع۔ زاہد و شیخ بھی خوب ہیں کیا بتلاؤں۔ اسی طرح حضرت ناظم کا یہ مشہور شعر ہے ؎

ہے یہ ساقی کی کرامت کہ نہیں جام کے پاؤں
اور پھر بزم میں سب نے اُسے چلتے دیکھا

یہ بھی بے تکلف اپنی غزل میں داخل کیا ہے۔ آپکی شاعری کی کائنات یہ تھی اور پھر اُسپر اُستادی کا دعوےٰ تھا جو کلام گلدستوں میں انکے نام سے شائع ہوا ہے۔ اُسکا انتخاب یہ ہے۔

فصل خزاں کے آتے کیسی ہوا چلی یہ
شمع مراد بلبل گل ہوگئی چمن میں

پہونچی یہاں تلک ہے اب لاغری ہماری
بنتی ہیں دو قبائیں مجنوں کے پیرہن میں

آتش کی ہے زمیں جل جائینگی زبانیں
آہو نہ چر سکینگے اس شیرزر کے بن میں

یہی آہیں رہیں تو سن لینا
اک نہ اک دن یہ آسماں نہیں

تیرے عاشق کی سینے سے نکل آتش آئی ہے
سیر کو تو بھی نکل خلق تماشائی ہے

اتنا کہے دیتے ہیں سنو یا نہ سنو تم
عاشق تو سبھی ہیں یہ سہا اور ہی کچھ ہیں

بہت کم سن ہیں وہ ڈر جائینگے انکو نہ آنے دو
بڑی مشکل سے عاشق کا تماشا ہو دم نکلتا ہے

سہا

سہا - سید ممتاز حسین صاحب بلند شہری - قد و قامت نہایت مختصر مگر طبیعت ذکی اور مشتاق ہنر۔ علیگڑھ کالج سے بی - اے پاس کر چکے ہیں فلسفیانہ دماغ کے انسان ہیں۔ اس چھوٹے سے قد پر کچھے دار تقریر کرتے ہیں علم مجلس میں یگانہ ہیں - دیوان غالب اُردو کی شرح میں حکمت و فلسفہ کے مسائل انکی جدت طرازی کا ثبوت ہیں قابل آدمی ہیں - دل خوش کرنیکو کبھی کبھی شعر کہہ لیتے ہیں ماہواری رسالوں میں غزلیات شایع ہوتی رہتی ہیں۔ آجکل بھوپال میں ملازم ہیں کلام یہ ہے ؎

جذبۂ سرور جاں اضطراب ہوگیا
آرزو کے کھیل میں دل خراب ہوگیا

یوں ندامت ستم کچھ ستم سے کم نہیں
خامشی سے اور وہ لاجواب ہوگیا

ہر نظر کی نذر ہے عہد ترک عاشقی
رند مے پرست کا اجتناب ہوگیا

انکی مہربانیاں شب کا خواب ہوگئیں
روز رات کاٹنا اک عذاب ہوگیا

اپنے جوش شوق میں ہم ہی ہوش میں نہ تھے
ورنہ لاکھ بار وہ بے حجاب ہوگیا

پھر ترے غرور کا اور کیا دماغ ہے
اب سہا کا ذکر بھی ناصواب ہوگیا

سہراب

سہراب - میرزا سہراب بیگ دہلوی شاگرد شاہ نصیر صرف ایک شعر دستیاب ہوا ہے جو یہ ہے ؎

دریا ہے موجزن مری چشم پر آب میں
بحر محیط بند ہوا ہے حباب میں

سہیل

سہیل۔ منشی درگا پرشاد شاہجہاں آبادی تلمیذ جناب خنداں شعر خوب کہتے ہیں۔ انداز بیان نہایت پیارا اور دلفریب ہے۔ لطف زبان کیساتھ مضمون کی طرف بھی توجہ ہے۔ یہ کلام ہے

سنئیں جو یاس بھری شرحِ آرزو میری — گلے لگا ہی لیا سنکے گفتگو میری
وہ آنسوؤں کو مرے پونچھتے ہیں دامن سے — بڑھائی ہے مرے اشکوں نے آبرو میری
رحم آگیا بتوں کو جو رویا میں پھوٹ کر — پتھر پگھل گئے مرے نالوں کے سامنے
رہنے دو طاقِ طور پر سب لن ترانیاں — آجاؤ ہم سے چاہنے والوں کے سامنے
کیا لطف مثلِ آئینہ الٹی نقاب اگر — ہو بے حجاب دیکھنے والوں کے سامنے

سہیل

سہیل۔ سید حسین علی دہلوی حضرت ظہیر انور کے عزیز تھے لکھنؤ بھی عرصہ تک بعد غدر رہے اور ہمیشہ زمانہ کے ہاتھوں شاکی اور نالاں بسر کی۔ استعداد علمی بہت معمولی تھی مگر نظم و نثر لکھنے کا ہمیشہ شوق رہا۔ اپنے ہمعصر لوگوں کے اکثر حالات لکھے ہیں جنکا مجموعہ راقم کے کتبخانہ میں موجود ہے۔ کلام میں رنگینی اور تخئیل دونوں کی جھلک نظر آتی ہے۔ طرز بیان بھی پسندیدہ ہے سہ

داغ بیٹے کا اٹھایا جب سے میں نے اے سہیل — دل اسی دن سے مرا محزون و غمگیں ہو گیا
سوزِ دروں کا حال نہ پوچھو کہ شامِ ہجر — مانندِ شمع روتے ہی روتے پگھل گیا
بزمِ سرور و سیرِ تماشہ سے کیا غرض — رونے کو کنجِ غم میں ہی گوشہ نشیں ہوا
جز داغِ غم کے اس دلِ غمگیں میں کچھ نہیں — پیدا جہاں میں اسلئے میں دل حزیں ہوا
اس رہ گذر میں آنیکی کچھ آرزو نہ تھی — خوابِ عدم سے آہ میں بیدار کیوں ہوا
گردش ہے آسماں کی فقط میرے واسطے — حیرت ہے مجھکو اور سے ہموار کیوں ہوا
زخموں پہ زخم پڑتے ہیں تیر نگاہ کے — مقتل میں اسطرح کوئی بسمل نہیں ہوا
پائی اماں کسی نے نہ گلچیں کے ہاتھ سے — کسدن چمن میں شور عنادل نہیں ہوا
اے اجل آنا ہے اک روز ضروری تجکو — گر شبِ ہجر میں آجائے تو احساں تیرا
خوش آغاز و مسرت خیز ہے موسم جوانی کا — غنیمت جان لے انسان عالم زندگانی کا

رخ روشن سے ہوئی دور نقاب مشکیں — پردۂ شب سے ہوا مہر منور پیدا
آئینہ دیکھ کے حیرت ہوئی اظہاری — رشک اسکا ہی ہوا دوسرا کیونکر پیدا
زندگانی کو سہیل اپنی غنیمت سمجھو — آدمی کوئی نہیں ہوتا ہی مرکر پیدا

وحشت کا اپنی وہ سر و ساماں نہیں رہا — وہ زور شور نالہ و افغاں نہیں رہا
افسوس ہے کہاں میں لیجاؤں آشیاں — گلشن میں ایک بھی گل خنداں نہیں رہا

گذرا جو عہد گردش لیل و نہار کا — اُڑدی بہشت لائی ہے مژدہ بہار کا
ہر نخل کو نشاط ترنم سے وجد ہے — جھوکا جو آرہا ہے نسیم بہار کا
نام سہیل کافی ہے پڑھنے کو فاتحہ — ملتا نہیں نشاں جو اُسکے مزار کا

اہل دنیا سے کبھی کوئی نہ مطلب نکلا — وقت سختی میں مددگار مرا رب نکلا
عاشقو خوش ہو کہ ارمانِ دلی اب نکلا — گالیاں دینے کو گھر سے وہ شکر لب نکلا

کہتا ہے یہ دل رنج اٹھائے گا سوا اور — جینے کی ہوس گر ہے تو چکھ اسکا مزا اور
اب کیا ہے سہیل آنے لگے خون کے قطرے — رونا ہے پسندیدہ تو ہاں اشک بہا اور

غازۂ حسن سے ایسے ہوئے خوش رُو عارض — مثل آئینہ چمک جاتے ہیں ہر سو عارض

سرمہ سے یوں ہی چشم ستمگار کو فروغ — خون چاٹنے سے جیسے ہو تلوار کو فروغ

سارا زمانہ ہو گیا دلدار کی طرف — کوئی نہیں ہمارے دلِ زار کی طرف

ازل سے روتی ہے کیا اُسکو صدمہ پہونچا ہے — کسی سے کہتی نہیں دل کا مدعا شبنم
خدا کے حکم سے اسواسطے ہوئی مخلوق — ہر ایک غنچہ کو رو رو کے تو ہنسا شبنم
مثال شمع کے یہ بھی لحد پہ روئیگی — ہمارے دیدۂ تر کی ہے آشنا شبنم

ہر لحظہ دل سے آہ کے شعلے بلند ہیں — ہر ایک فصل میں ہیں یہی برگ و بار غم

دل کو مرغوب حسینوں کی ہیں رنگیں باتیں — قند مصری سے زیادہ ہیں یہ شیریں باتیں
مذہب عشق میں شکوہ کا نہیں ہی مذکور — کیا سہیل ایک تمہیں ہو جو اٹھائیں باتیں

ہستی میں جو ہے سب اُسے کہتے ہیں ممکنات
مانندِ نقشِ پا کیا پامال دہر نے
گردش میں جو آگئی ہے قسمت
پرواز کرے وہ کس طرح سے
دل کو مرے غم نے یوں نچوڑا
امید اُسے ہو زیست کی کیا
یاد آئی سہیل کو جوانی
یارانِ رفتگاں کا پتہ کس سے پوچھیں ہم
مجھ پہ کیوں کھینچتے ہو تیغ دو دم جانے دو
خارِ صحرا سے یہ کہتا ہوں کہ چھوڑو دامن
صدہا صفیں گرائی ہیں ابرو چشم سے
تھا مغتنم سہیل کا دم اہلِ درد میں
آمادہ قتل پر تھے مگر دل میں سوچ کر
آزاد ہو گئے دشت میں زنجیر توڑ کر
وعدہ کو اُڑا یا دل لگی میں
رونے سے نہ آئیگی جوانی
کس گل بدن کی بو سے معطر دماغ ہے
آکر چمن میں بادِ بہاری گذر گئی
بڑا زور شور آہ و نالہ کا تھا
بڑے رونے والوں میں تم ہو سہیل
ابروئے خمیدہ ہیں ستم کے

جز ذاتِ حق کے اور کوئی لامکاں نہیں
وہ خار ہوں کسیکو جو ایذا رساں نہیں
کل عمر بسر ہوئی سفر میں
طاقت نہو جسکے بال و پر میں
ہے آمدِ خوں چشمِ تر میں
لائی ہو قضا جسے بھنور میں
نشتر سا لگا دیا جگر میں
ایسے گئے زمیں پہ کہیں نقشِ پا نہیں
عاشقِ زار تمہارا ہوں صنم جانے دو
ناتواں ہوں مجھے ایک ایک قدم چلنے دو
سمجھو نہ یہ کہ ناوکِ قاتل نہیں ہے کچھ
اِک وہ نہیں تو رونقِ محفل نہیں ہے کچھ
اُٹھے کمر میں باندھ کے تلوار رہ گئے
تھے جنکے سر پہ بارِ گراں بار رہ گئے
ہر بات مری ہنسی میں ٹالی
بارش کی ہے یہ رات کالی
غنچے بھی ہنس رہے ہیں چمن باغ باغ ہے
خوبی جو تھی شباب کی ساری گذر گئی
جو بادل گرجتے تھے شرما گئے
جھڑی چشمِ گریاں کی برسا گئے
شمشیر کھنچی ہے یہ ہلالی

ماضی کا قصہ خستہ کہنہ ۔۔۔ رُوداد ہے دلخراش حالی
شکوہ نہ کیا تھا ہم نے کچھ بھی ۔۔۔ کیوں رنج کی گفتگو نکالی

نہ پوچھو کہ غم دل پہ کیا کیا ہوا ۔۔۔ جنوں زا مرے سر میں سودا ہوا
نہ اک طرح کا غم نہ صدما ہوا ۔۔۔ ہجوم غم و درد ایسا ہوا
کہ جینے سے ہم اپنے اُکتا گئے

جو برگشتہ ہم سے مقدر ہوا ۔۔۔ جو تھا صاف دل وہ مکدر ہوا
مددگار کوئی نہ یاور ہوا ۔۔۔ یہاں تک کہ دشمن برادر ہوا
سبھی خون دل ہم کو رُلوا گئے

جو ہوتے ہیں صدمے مجھے بیشتر ۔۔۔ نہ تھا مقتضائے قضا و قدر
سوا اسکے کوئی نہیں چارہ گر ۔۔۔ جو رونا ہے تو رو لے اے چشم تر
کہ بادل غم و درد کے چھا گئے

فلک پر نہیں جو قیام سہیل ۔۔۔ تو کیا بزم زہرہ میں کام سہیل
نہ بھولے سے لے کوئی نام سہیل ۔۔۔ فسانہ ہے غم کا کلام سہیل
غزل میں نئی طرز دکھلا گئے

کلک تقدیر نے ہستی کا جو نقشہ کھینچا ۔۔۔ آفرینش میں یہی عالم امکاں نکلا
جو مشیت میں تھا مکنون ہوا اُسکا اعلان ۔۔۔ خلقت آدم خاکی کا یہ عنواں نکلا
نوع انساں میں ہر اک قسم کی دیکھی مخلوق ۔۔۔ کوئی عالم تو کوئی جاہل و ناداں نکلا
علم و حکمت کی طرف ہو گیا کوئی راغب ۔۔۔ کوئی غافل کوئی علامۂ دوراں نکلا
کوئی شہ زور ہوا کشتی کے سیکھے جو فنون ۔۔۔ پیچ کرنیکو ہر اک سے سر میداں نکلا
نشۂ عہد جوانی ہوا جس پر طاری ۔۔۔ چوک میں سیر کو وہ سرو خراماں نکلا
باغ و ایوان میں کسی کا ہوا ادنیٰ رکن ۔۔۔ کوئی گھر چھوڑ کے با دیدۂ گریاں نکلا

عطر بالوں میں تو آنکھوں میں لگا یا کاجل — مست و سرشار پئے سیر حسیناں نکلا
مسند صدر پہ بیٹھا جسے تھا علم و شعور — مکتب عقل میں وہ صاحب ایمان نکلا
بدنصیبی سے کوئی رہ گیا بالکل ناقص — کوئی سنجیدہ و فہمیدہ ہمہ دان نکلا
مسلک ملت و آئیں میں پڑی جب تفریق — فرقہ فرقہ کا نیا مذہب و عنوان نکلا

سہیل — **سہیل** ۔ منشی محمد رشید باشندۂ مچھلی شہر ضلع جونپور۔ آپ منشی محمد مبین جلیس کے بھائی ہیں۔ عرصہ تک گورکھپور میں رہ چکے ہیں۔ وہیں انکے بھائی گلدستہ بہارِ سخن نکالتے تھے ۱۸۹۰ء میں حضرت احسان شاہجہانپوری سے تلمذ اختیار کیا۔ زبان صاف ہے مضمون آفرینی کی طرف راغب ہیں انتخاب یہ ہے ؎

مر رہا ہے مریضِ عشق ترا — اُسکے دکھ کی کوئی دوا بھی ہے
آئینہ میں تو دیکھئے صاحب — آپ سا کوئی دوسرا بھی ہے
روئے روشن کا تصور ہوا اندھیری گور میں — شمع ہو اک منزلِ راہِ عدم کے واسطے
مالِ دنیا سے غرض کیا ہم فقیروں کو سہیل — غم اٹھائے کون فکرِ بیش و کم کے واسطے

سہیل — **سہیل** ۔ مولوی سید عبد الحسیب صاحب حسنی۔ ساکن غازی پور۔ فارسی۔ عربی کی استعداد ہے علم عروض۔ معانی۔ بیان سے واقف ہیں۔ عرصے دار شعر کہتے ہیں ؎

پیسا ہوا ہوں شوخیٔ رفتارِ یار کا — صبح نشور نام ہے میرے مزار کا
چھپنا ہی تھا تو جلوہ نمائی فضول تھی — کھویا تمام لطف غمِ انتظار کا
وارفتگی شوق کا اللہ رے کمال — احسان بھی نہیں ہے ستم ہائے یار کا
بہتے ہیں تو ہمیشہ دیدۂ گریاں کے روبرو — میں بھی تو دیکھوں حوصلہ فصلِ بہار کا

سہیم — **سہیم** ۔ شیخ محب اللہ۔ باشندۂ گورکھپور۔ حضرت فہیم گورکھپوری کے شاگرد ہیں۔ ابھی نو مشق ہیں طبیعت موزوں واقع ہوئی ہے۔ یہ کلام ہے ؎

اب پوچھتے ہو کس کو کہاں ہے سہیم زار — مدت ہوئی وہ راہیٔ ملکِ عدم ہوا

رنگ و بوئے گل ہوں میں بلبل نہ تو مجھکو سمجھ
میں جو اڑ جاؤں خبر تجھکو نہ اے صیاد ہو

کچھ سنا بھی یہ ابھی کیا کہہ گیا ہے نامہ بر
آج وہ آتے ہیں اے شاد آ دلِ ناشاد ہو

تم وہ کہتے ہو جو عاشق سے کبھی ممکن نہیں
ہجر میں کس طرح ضبط نالہ و فریاد ہو

سہینی

سہینی ۔ جناب بابو پنڈت رام صاحب ۔ ریواڑی کے رئیس ہیں ۔ ابھی شاعری کا آغاز ہے ۔ مگر ہونہار معلوم ہوتے ہیں ۔ زبان اور مضمون کیطرف رجحان ہے ۔ بیان سادہ طبیعت کو شاعری سے لگاؤ ہے ۔ رسالۂ حسنِ ادب لکھنؤ میں کلام شایع ہوتا رہتا ہے ۔ انتخاب یہ ہے ۔

کہا گر ان سے ملنے کو تو کہتے ہیں قیامت میں
جو مر کر بھی نہ ہو آساں ہم اس مشکل میں رہتے ہیں

مجھے ہر دم خیال انکا انہیں ہر دم خیال اسکا
ستم ہے غیر کو لیکر وہ مرے دل میں بستے ہیں

بڑا عشاق کو کیا آج کل شوقِ شہادت ہے
کفن سر سے لپیٹے کوچۂ قاتل میں رہتے ہیں

سہینی پردہ پوشی کیلئے میدانِ محشر میں
یہ کیا کم ہے کہ اک پردہ نشیں کے دل میں رہتے ہیں

سیاح

سیاح ۔ شاعرِ عرش فکر و عالی طبیعت ۔ منشی میاں داد خاں اورنگ آبادی مقیم سورت آپکے والد ماجد منشی عبداللہ خاں اورنگ آباد کے نامی رئیس تھے یہ پیدا ہوئے تو گھر دولت سے بھرا پڑا تھا ۔ آپنے نازو نعم کے گہوارہ میں پرورش پائی ۔ مگر لڑکپن کی حد سے باہر قدم نکالا تو گھر کا اقبال رخصت ہو چکا تھا ۔ لیکن زندہ دلی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ۔ شوخی ظرافت بذلہ سنجی اپنے ساتھ لائے تھے ۔ ذہین طباع انسان تھے ۔ آخر کار نواب سر غلام بابا خاں ۔ کے ۔ سی ۔ ایس ۔ آئی ۔ رئیس اعظم سورت بندر کے مصاحب و رفیق ہو گئے ۔ اوائل مشق سخن میں عشاق تخلص تھا ۔ سنہ ۱۸۶۴ء میں میرزا نوشہ غالب دہلوی کی خدمت میں دہلی حاضر ہو کر غزل بہ نظر اصلاح پیش کی ۔ میرزا صاحب نے سیاح تخلص اور سیف الحق لقب عنایت فرمایا ۔ اور یہ عالم سخن میں بادیہ پیما ہوئے ۔ مرزا غالب کو انسے دلی انس تھا ۔

سیاح تخلص رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ آپنے اطراف ہندوستان پنجاب بنگال کشمیر کے سوا عرب اور عجم کے نظارے بھی آنکھ سے دیکھے تھے ۔ فارسی زبان خوب بولتے تھے طبیعت

چلتی ہوئی تھی عقل و دانش خمیر میں داخل تھی اسلئے بعض لوگ ان پر سرکار کے جاسوس ہونے کا شبہ کرتے تھے۔ افسوس ہے کہ ذہانت اور طباعی حد اعتدال سے تجاوز کر کے دائرہ قانون سے باہر ہوگئی حتیٰ کہ ۱۸۸۶ء میں ان پر مقدمۂ قلب سازی قایم ہوا اور گرفتار ہو کر سزایاب ہوگئے۔

منشی نول کشور مرحوم سے اُنکا بڑا یارانہ تھا اور وہ علم دوست ہونیکے باعث اُنکی قدر کرتے لکھنؤ۔ دہلی۔ کانپور وغیرہ میں جب کبھی جاتے تو خود مصرعہ طرح دے کر مشاعرے کرتے کسب کمال کا ذوق قدرت سے اُنکی طبیعت میں ودیعت تھا اور اسی بنا پر میرزا غالب کو ان سے خاص اُنس تھا عود ہندی میں جو رقعات انکے نام ہیں۔ انمیں فقرہ فقرہ سے محبت کا اظہار ہوتا ہے اول تو آپ سورت دکن کی پیدایش پھر اُس زمانہ میں ریلوے کا سلسلہ رسل و رسائل بھی نہ تھا مگر اس شوق کی داد دیجئے کہ آپ کئی بار میرزا کے فیض صحبت سے مستفیض ہونیکو دہلی آئے اور اُن سے نکات شاعری حاصل کئے۔ نکتہ سنجی معنی یابی اُنکی بات بات میں تھی۔ پڑھنے کا انداز نہایت دلفریب تھا جس مشاعرہ میں جاتے اپنا رنگ جما لیتے۔ زبان صاف تھی۔ برجستگی سے محاوروں کو نظم کرتے۔ میرزا غالب کے خرمن فیض کی خوشہ چینی سے شاعر کامل بن گئے تھے مضمون آفرینی میں حاذق جو بندا ورا سلوب بیان دل پسند تھا ۱۹۰۷ء میں ۷۰ برس کی عمر پاکر بمبئی میں منزل حیات کو قطع کیا۔ سیر سیاح۔ لطایف غیبی اُنکی تصنیف ہے آخر الذکر کتاب کی بابت یہ کہا جاتا ہے کہ وہ میرزا کے قلم سے نکلی ہے مگر انکے نام سے شایع کر دی گئی ایک دیوان ریختہ بھی ان سے یادگار ہے۔ اُنکی بقائے دوام قایم رکھنے کو وہ خطوط ہیں۔ جو اُردوئے معلی میں میرزا صاحب نے انکے نام لکھے ہیں۔ افسوس ہے کہ میرزا صاحب کا ایک عزیز شاگرد ۱۹۰۷ء تک زندہ رہا مگر اُسپر گمنامی کی نقاب پڑی رہی۔ نہ اُردو کی انجمنوں اور کانفرنسوں میں اُنکی آواز سنائی دی نہ رسائل و اخبارات اس کو ملک کے سامنے لائے نہ اُسکا دیوان ارباب سخن تک پہنچا۔ صرف راقم تذکرہ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اُسکی ٹوہ لگائیے۔ اسے انجمن سخن میں نمایاں کرے۔ کمال جستجو و جانفشانی سے حالات و کلام فراہم کیا نتیجۂ فکر یہ ہے ؎

کرتے ہیں وہ باتیں کہ مری جان پہ بن جائے
آئے ہیں عیادت کے لئے غیر کے ہمراہ
غصہ میں ترے چہرۂ زیبا سے عیاں ہیں

جس شخص کے پہلو میں نہ دل ہو نہ جگر ہو
دل کو تو لئے بیٹھے ہو اب چاہتے کیا ہو
کیا لیتے ہو دل یہ تو ہزار دفعے دیا ہے
آتش ہی جہاں سوز یہ رہ جائے ٹھہر کر
آیا ہے عجب طور کا یہ دورِ زمانہ
قمریوں پہ نہ دم سیر بلا نازل ہو
بس اسی شغل میں کٹتی ہیں اپنے لیل و نہار
بوسہ اُس رخ کا ملے وصل میں کیا اصلاح
کہہ دو سنبھل کے میکدہ میں آئے محتسب
ہوتے ضرور تیرے تماشا گر کیا کہیں

مشتعل ہے بزم میں شعلہ جو اُس کے حسن کا
سیاح کیوں نہ کیجئے نظارہ بتاں
منور گھر ہے اپنا شمع رو سے آج خلوت کی
اثر گیا ہے اُسکو جسکا چاٹ کر کس کا لہو
دلِ وحشی کا کیا ہے کارخانہ لاابالی ہے
نہ رکھتے سرکشی سے تھے زمیں پر جو قدم اپنا
پھرا کرتا ہوں گرد اُسکے نہیں تاب ہم آغوشی
جو ہیں دزدانِ مضمون مثل مضمون باندھی باندھینگے

بگڑے ہوئے کچھ آئے ہیں بھکائے ہوئے ہیں
ساتھ اپنے مری موت کو بھی لائے ہوئے ہیں
وہ شعلے جو اغیار کے بھڑکائے ہوئے ہیں

پھر کیا اُسے تیر نگہ یار سے ڈر ہو
لو جان بھی حاضر ہے اگر مدِ نظر ہو
وہ کیجئے طلب ہم سے نہ جو حد بشر ہو
اِس سینۂ سوزاں کے مقابل میں اگر ہو
جو عیب ہے دنیا میں وہ مشہور ہنر ہو
باغ میں کھولو نہ تم زیرِ صنوبر گیسو
چہرۂ ان پھر تو تصور میں تو شب بھر گیسو
چھا گئے ایسے کہ ہیں سدِ سکندر گیسو
ٹوٹینگے خم ضرور مگر اُسکے سر کے ساتھ
قاتل دہانِ زخم کے گویا زبان نہ تھی

شمع پروانوں سے جو پائے پہ پروانہ ہے
لایا ہے شوق جانبِ ہندوستاں مجھے
جلے کیونکر نہ پروانہ یہ اپنی قسمت ہے
اگلی ہی پڑتی ہے جو تلوار اُس خونخوار کی
زردانِ جنوں کا خرچ ہے سرکارِ عالی ہے
نصیب انکو بسانِ نقشِ قالیں پائمالی ہے
میں ہوں تصویر اور وہ شمع فانوس خیالی ہے
کہ اب سیاح کو شہرِ سخن کی کوتوالی ہے

کوئی صیاد اِدھر بہرِ شکار آتا ہے — طائرِ دل قفسِ تن میں جو گھبراتا ہے
ہجر میں موت بھی آئی تو مجھے سچ ہے مثل — وقت پر کون کسی کے کوئی کام آتا ہے
مژدہ اے دل کہ مسیحا نے دیا صاف جواب — اب کوئی دم میں لبوں پر مرا دم آتا ہے
سخت پچھتائے ہیں ہم دیکے دل اُنکو سیاح — اپنی افسوس جوانی پہ ہمیں آتا ہے

قفس میں سیرِ گلشن کی اگر مانگے دعا دل سے — صدائے خندۂ گل آئے فریادِ عنادل سے
دعا اب یہ نکلتی ہے دہانِ زخمِ بسمل سے — نہ چھوٹے داغِ خوں تا حشر یا رب تیغِ قاتل سے
لگی ہے آگ تنکے تک گرے ہیں پھنک کے سارے — کفن جل جل کے خاکستر ہوا ہے سوزشِ دل سے
تہِ خنجر گلا رکھا ہے خود شوقِ شہادت میں — بھلا کس منہ سے مانگیں خوں بہا ہم اپنے قاتل سے
بجائے گرد آتا ہے نظر اک نور کا تکا — گھٹا ٹوپ اُٹھ گیا ہے آج کس لیلیٰ کے محمل سے
قدم سیاح رکھے جوشِ وحشت سے جو صحرا میں — وحوش و طیر آئیں رقص میں شورِ سلاسل سے

سیاح **سیاح** ۔ حافظ نور محمد ولد مولوی عبد الرحمن صاحب ساکن ڈیرہ اسمٰعیل خاں حال مقیم بمبئی مدرسہ اسلامیہ میں مدرس ہیں سیر و سیاحت کا شوق رہا ہے منشی قاسم علی خلوتی دہلوی سے تلمذ ہے طبیعت کا رنگ ذیل کے اشعار سے ملاحظہ ہو ؎

دھوپ میں دم توڑتے دیکھا مجھے تو آفت کی ضد — اور اونچا ہو گیا سایہ تری دیوار کا
کون سا ہے درد دنیا میں نہیں جس کا علاج — پر دلِ بیمار کا کوئی نہیں دیکھا علاج
ہے یہ بیمارِ محبت کچھ مرض اس کو نہیں — اے طبیبو خیر ہے کس کی دوا کیسا علاج
حشر میں داد طلب پائیں بھلا کس سے دوا — ہے غضب یہ کہ وہاں بھی ہے خدائی تیری

سیاح **سیاح** ۔ سید فضل الرحمن کانپوری ۲۰ - ۲۱ برس کی عمر ہے انگریزی زبان کی تحصیل میں مشغول ہیں ۔ نو مشق شاعر ہیں کلام یہ ہے ؎

چٹکیاں لیتی ہے دل میں کسی گل چہرہ کی یاد — کس طرح چپ ہوں میں بلبل تو نہیں
ہائے وہ آہ کہ جو آہ نہ پہونچے اُن تک — حیف وہ نالہ کہ جس نالہ میں تاثیر نہیں

سیارہ

سیارہ۔ میرزا فخر الدین خلف متوسط میرزا معز الدین ثابت مرحوم۔ ابن شاہ عالم شاگرد حضرت احسان دہلوی۔ ستار خوب بجاتے تھے۔ میرزا صابر صاحب گلستاں کے دوستوں میں تھے۔ اور بڑے زندہ دل شگفتہ خاطر۔ یار باش۔ عالی حوصلہ تھے۔ صاحب فکر بلند اور طبع ارجمند تھی۔ شاید میرزا صابر ہی سے مشورہ سخن بھی کرتے تھے۔ کلام یہ ہے ؎

شوقِ پابوس بھی ہے تو ہے پسِ قتل دلا — لوٹتا پاؤں پہ قاتل کے مرا سر ہوگا

لگائے آنکھوں سے میں نے جو اضطراب میں پاؤں — یہ ضد تو دیکھو کہ پھر دل ہی ہٹے آپ میں پاؤں

خدا کے واسطے جا کر کہو اُس آفتِ جاں سے — کہ وقتِ نزع ہے رخصت تو ہو بیمارِ ہجراں سے

سید

سید۔ امیر الفصحا سید الشعرا میر غالب علیخاں میر منشی دفتر شاہی مقرب بارگاہ حضرت شاہ عالم و اکبر شاہ ثانی۔ شاہی مصاحبین میں سرفراز اور خطاب سید الشعرا سے ممتاز تھے۔ شرف الدین صاحب میرٹھی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ انکے والد اور دادا میرٹھ میں شاہی فوجدار تھے۔ میہیں پیدا ہوئے مگر تعلیم و تربیت دہلی میں پائی جس زمانہ میں حضرت شاہ عالم ثانی الہ آباد میں رونق افروز تھے تو یہ بھی اُنکے ہمراہ تھے۔ جب بادشاہ نے انہیں اپنا کلام دکھایا تو یہ بھی انکے معتقد ہو گئے۔ پہلے زیب تخلص تھا۔ شاہی حکم سے شائق بن گئے۔ آخر عمر میں سید تخلص اختیار کیا۔ فارسی میں میرزا فاخر مکین کے شاگرد تھے۔ چنانچہ تذکرہ انیس الاحبا میں انکا فارسی کلام موجود ہے۔ شیریں مقالی میں انتخاب تاریخ گوئی میں لاجواب تھے۔ نقیب بادشاہی مر گئے اکرام کی بھر لیے کی تاریخ ایسی بے مثل کہی کہ مدتوں خاص و عام میں مشہور رہی۔ یعنی۔ ع امشب کرمے کن بسر لئے اکرام کیسی تا در تاریخ ہے جس سے آج تک انکا نام روشن ہے۔ اسکے علاوہ قلعہ دہلی کا مثمن برج انہیں کی بے مثال تاریخ سے مزین ہے۔ پھر وفات اکرام کی تاریخ یعنی "اکرام بیا سو و بیا سے خسرو" اسی مورخ لاثانی کی فکر عالی کا نتیجہ ہے جو پایان مزار حضرت امیر خسرو اکرام کے لوح تربت پر کندہ کیگئی ہے۔ سید مرحوم نے ۱۲۲۹ھ میں انتقال کیا۔ ناسخ نے ۱۲۱۸ھ میں جو وفات لکھی ہے وہ غلط ہے۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

نے غازہ۔ نہ گلگونہ نہ ہے رنگِ حنا تو — اے خوں شدہ دل تو تو کسی کام نہ آیا

ہستی میں جو ہے سب اُسے کہتے ہیں ممکنات
مانندِ نقشِ پا کیا پامال دہر نے

گردش میں جو آ گئی ہے قسمت
پرواز کرے وہ کس طرح سے
دل کو مرے غم نے یوں نچوڑا
امید اُسے ہو زیست کی کیا
یاد آئی سہیل کو جوانی

یارانِ رفتگاں کا پتہ کس سے پوچھیں ہم
مجھ پہ کیوں کھینچتے ہو تیغ دو دم جانے دو
خارِ صحرا سے یہ کہتا ہوں کہ چھوڑو دامن

صد ہا صفیں گرائی ہیں ابرو نے چشم سے
تھا منتظم سہیل کا دم اہلِ درد میں

آمادہ قتل پر تھے مگر دل میں سوچ کر
آزاد ہو کے دشت میں زنجیر توڑ کر

وعدہ کو اُڑایا دل لگی میں
رونے سے نہ آئیگی جوانی

کس گل بدن کی بو سے معطر دماغ ہے
آ کر چمن میں بادِ بہاری گذر گئی

بڑا زور شور آہ و نالہ کا تھا
بڑے رونے والوں میں تم ہو سہیل
ابروئے خمیدہ میں ستم کے

جز ذاتِ حق کے اور کوئی لامکاں نہیں
وہ خار ہوں کسی کو جو ایذا رساں نہیں

کل عمر بسر ہوئی سفر میں
طاقت نہ ہو جسکے بال و پر میں
ہے آمدِ خوں چشمِ تر میں
لائی ہو قضا جسے بھنور میں
نشتر سا لگا دیا جگر میں

ایسے گئے زمیں پہ کہیں نقشِ پا نہیں
عاشقِ زار تمہارا ہوں صنم جانے دو
ناتواں ہوں مجھے ایک ایک قدم چلنے دو

سمجھو نہ یہ کہ ناوکِ قاتل نہیں ہے کچھ
اک وہ نہیں تو رونقِ محفل نہیں ہے کچھ

اٹھے کمر میں باندھ کے تلوار رہ گئے
تھے جنکے سر پہ بارِ گراں بار رہ گئے

ہر بات مری ہنسی میں ٹالی
بارش کی ہے یہ رات کالی

غنچے بھی ہنس رہے ہیں چمن باغ باغ ہے
خوبی جو تھی شباب کی ساری گذر گئی

جو بادل گرجتے تھے شرما گئے
جھڑی چشمِ گریاں کی برسا گئے
شمشیر کھنچی ہے یہ ہلالی

ماضی کا قصہ زخم کہنہ　　روداد ہے دلخراش حالی
شکوہ نہ کیا تھا ہم نے کچھ بھی　　کیوں رنج کی گفتگو نکالی

نہ پوچھو کہ غم دل پہ کیا کیا ہوا　　جنوں زا مرے سر میں سودا ہوا
نہ اک طرح کا غم نہ صدما ہوا　　ہجوم غم و درد ایسا ہوا
کہ جینے سے ہم اپنے اکتا گئے

جو برگشتہ ہم سے مقدر رہا　　جو تھا صاف دل وہ مکدر ہوا
مددگار کوئی نہ یاور ہوا　　یہاں تک کہ دشمن برادر ہوا
سبھی خون دل سکو رلوا گئے

جو پہونچے ہیں صدمے مجھے بیشتر　　نہ تھا مقتضائے قضا و قدر
سوا اسکے کوئی نہیں چارہ گر　　جو رونا ہے تو رو دے اے چشم تر
کہ بادل غم و درد کے چھا گئے

فلک پر نہیں جو قیام سہیل　　تو کیا بزم زہرہ میں کام سہیل
نہ بھولے سے لے کوئی نام سہیل　　فسانہ ہے غم کا کلام سہیل
غزل میں نئی طرز دکھلا گئے

فلک تقدیر نے ہستی کا جو نقشہ کھینچا　　آفرینش میں یہی عالم امکاں نکلا
جو مشیت میں تھا مکنون ہوا اسکا اعلان　　خلقت آدم خاکی کا یہ عنوان نکلا
نوع انساں میں اک قسم کی دیکھی مخلوق　　کوئی عالم تو کوئی جاہل و ناداں نکلا
علم و حکمت کی طرف ہو گیا کوئی راغب　　کوئی عاقل کوئی علامۂ دوراں نکلا
کوئی شہ زور ہوا کشتی کے سیکھے جو فنون　　پیچ کر سکو بہ اک سے سر میداں نکلا
نشۂ عہد جوانی ہوا جس پر طاری　　سیر میں سر کو وہ سرو خراماں نکلا
باغ و ایواں میں کسی کا ہوا ہادی رکن　　کوئی گھر چھوڑ کے بادیدۂ گریاں نکلا

عطر بالوں میں تو آنکھوں میں لگایا کاجل — مست و سرشار پئے سیرِ حسیناں نکلا
مسندِ صدر پہ بیٹھا جسے تھا علم و شعور — مکتبِ عقل میں وہ صاحبِ ایماں نکلا
بدنصیبی سے کوئی رہ گیا بالکل ناقص — کوئی سنجیدہ و فہمیدہ ہمہ داں نکلا
مسلک و ملت و آئین میں پڑی جب تفریق — فرقہ فرقہ کا نیا مذہب و عنواں نکلا

سہیل

سہیل ۔ منشی محمد رشید باشندۂ مچھلی شہر ضلع جونپور۔ آپ منشی محمد مبین جلیس کے بھائی ہیں۔ عرصہ تک گورکھپور میں رہ چکے ہیں۔ وہیں انکے بھائی گلدستہ بہارِ سخن نکالتے تھے۔ سنہ ۱۸۹۰ء میں حضرت احسان شاہجہانپوری سے تلمذ اختیار کیا۔ زبان صاف ہے مضمون آفرینی کی طرف راغب ہیں انتخاب یہ ہے ؎

مر رہا ہے مریضِ عشق ترا — اُسکے دُکھ کی کوئی دوا بھی ہے
آئینہ میں تو دیکھئے صاحب — آپ سا کوئی دوسرا بھی ہے
روئے روشن کا تصور ہو اندھیری گور میں — شمع ہو اک منزلِ راہِ عدم کے واسطے
مالِ دنیا سے غرض کیا ہم فقیروں کو سہیل — غم اٹھائے کون فکرِ بیش و کم کے واسطے

سہیل

سہیل ۔ مولوی سید عبد الحسیب صاحب چشتی۔ ساکن غازی پور۔ فارسی عربی کی استعداد ہے علم عروض معانی۔ بیان سے واقف ہیں۔ مزے دار شعر کہتے ہیں ؎

پسا ہوا ہوں شوخیٔ رفتارِ یار کا — صبحِ نشور نام ہے میرے مزار کا
چھپنا ہی تھا تو جلوہ نمائی فضول تھی — کھویا تمام لطف غمِ انتظار کا
وارفتگیٔ شوق کا اللہ رے کمال — احسان بھی نہیں ہے ستم ہائے یار کا
بہے تو بہیں دیدۂ گریاں کے روبرو — میں بھی تو دیکھوں حوصلہ فصلِ بہار کا

سہیم

سہیم ۔ شیخ محب اللہ۔ باشندۂ گورکھپور۔ حضرت فہیم گورکھپوری کے شاگرد ہیں۔ ابھی نو مشق ہیں طبیعت موزوں واقع ہوئی ہے۔ یہ کلام ہے ؎

اب پوچھتے ہو کس کو کہاں ہے سہیم زار — مدت ہوئی وہ راہیٔ ملکِ عدم ہوا

رنگ و بوئے گل ہوں میں بلبل نہ تو مجھکو سمجھ / میں جو اڑ جاؤں خبر تجھکو نہ اے صیاد ہو

کچھ سنا بھی یہ ابھی کیا کہ گیا ہے نامہ بر / آج وہ آتے ہیں اے شاد کے آ دلِ ناشاد ہو

تم وہ کہتے ہو جو عاشق سے کبھی ممکن نہیں / ہجر میں کس طرح ضبط نالہ فریاد ہو

سہینی سہینی - جناب بابو پنڈت رام صاحب - ریواڑی کے رئیس ہیں ابھی شاعری کا آغاز ہے - مگر ہونہار معلوم ہوتے ہیں - زبان اور مضمون کیطرف رجحان ہے - بیان سادہ طبیعت کو شاعری سے لگاؤ ہے - رسالہ حسنِ ادب لکھنؤ میں کلام شایع ہوتا رہتا ہے - انتخاب یہ ہے -

کہا گر اُن سے ملنے کو تو کہتے ہیں قیامت میں / جو مر کر بھی نہ ہو آساں ہم اُس مشکل میں رہتے ہیں

مجھے ہر دم خیال اُنکا انہیں ہر دم خیال اُسکا / ستم ہے غیر کو لیکر وہ مرے دل میں رہتے ہیں

بڑا عشاق کو کیا آج کل شوقِ شہادت ہے / کفن سر سے لپیٹے کوچۂ قاتل میں رہتے ہیں

سہینی پردہ پوشی کیلئے میدانِ محشر میں / یہ کیا کم ہے کہ اک پردہ نشیں کے دل میں رہتے ہیں

سیاح سیاح - شاعرِ عرش فکر و عالی طبیعت منشی میاں داد خاں اورنگ آبادی مقیم سورت آپکے والد ماجد منشی عبداللہ خاں اورنگ آباد کے نامی رئیس تھے یہ پیدا ہوئے تو گھر دولت سے بھرا پڑا تھا - آپنے نازونعم کے گہوارہ میں پرورش پائی - مگر لڑکپن کی حد سے باہر قدم نکالا تو گھر کا اقبال رخصت ہو چکا تھا لیکن زندہ دلی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی - شوخی ظرافت بذلہ سنجی اپنے ساتھ لائے تھے - ذہین طباع انسان تھے - آخر کار نواب سر غلام بابا خاں - کے سی ایس - آئی - رئیس اعظم سورت بندر کے مصاحب و رفیق ہو گئے - اوائل مشق سخن میں عشاق تخلص تھا ۱۸۶۲ء میں میرزا نوشہ غالب دہلوی کی خدمت میں دہلی حاضر ہو کر غزل بہ نظر اصلاح پیش کی - میرزا صاحب نے سیاح تخلص اور سیف الحق لقب عنایت فرمایا - اور یہ عالم سخن میں بادیہ پیما ہوئے - مرزا غالب کو انسے دلی اُنس تھا -

سیاح تخلص رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ آپنے اطراف ہندوستان پنجاب بنگال کشمیر کے سوا عرب اور عجم کے نظارے بھی آنکھ سے دیکھے تھے - فارسی زبان خوب بولتے تھے طبیعت

چلتی ہوئی تھی عقل و دانش خمیر میں داخل تھی اسلئے بعض لوگ ان پر سرکار کے جاسوس ہونے کا شبہ کرتے تھے افسوس ہے کہ ذہانت اور طباعی حد اعتدال سے تجاوز ہو کر دائرہ قانون سے باہر ہوگئی حتی کہ سنہ ۱۸۸۰ء میں انپر مقدمہ قلب سازی قایم ہوا اور گرفتار ہو کر سزایاب ہوئے۔

منشی نول کشور مرحوم سے انکا بڑا یارانہ تھا اور وہ علم دوست ہونیکے باعث انکی قدر کرتے لکھنؤ۔ دہلی۔ کانپور وغیرہ میں جب کبھی جاتے تو خود مصرعہ طرح دے کر مشاعرے کرتے کسب کمال کا ذوق قدرت سے انکی طبیعت میں ودیعت تھا اور اسی بنا پر میرزا غالب کو ان سے خاص انس تھا عود ہندی میں چند رقعات انکے نام ہیں۔ انمیں فقرہ فقرہ سے محبت کا اظہار ہوتا ہے اول تو آپ سورت دکن کی پیدایش پھر اس زمانہ میں ریلوے کا سلسلہ رسل و رسائل بھی نہ تھا مگر اس شوق کی داد دیجئے کہ آپ کئی بار میرزا کے فیض صحبت سے مستفیض ہونیکو دہلی آئے اور ان سے نکات شاعری حاصل کئے۔ نکتہ سنجی معنی یابی انکی بات بات میں تھی۔ پڑھنے کا انداز نہایت دلفریب تھا جس مشاعرہ میں جاتے اپنا رنگ جما لیتے۔ زبان صاف تھی۔ برجستگی سے محاوروں کو نظم کرتے میرزا غالب کے خرمن فیض کی خوشہ چینی سے شاعر کامل بن گئے تھے مضمون آفرینی میں حاذق چو بند اور اسلوب بیان دلپسند تھا سنہ ۱۹۰۷ء میں ۷۰ برس کی عمر پاکر بمبئی میں منزل حیات کو قطع کیا۔ سیر سیاح۔ لطایف غیبی انکی تصانیف سے ہیں آخر الذکر کتاب کی بابت یہ کہا جاتا ہے کہ وہ میرزا کے قلم سے نکلی ہے مگر انکے نام سے شایع کر دی گئی ایک دیوان ریختہ بھی ان سے یادگار ہے۔ انکی بقائے دوام قایم رکھنے کو وہ خطوط ہیں۔ جو اردوئے معلی میں میرزا صاحب نے انکے نام لکھے ہیں۔ افسوس ہے کہ میرزا صاحب کا ایک عزیز شاگرد سنہ ۱۹۰۶ء تک زندہ رہا مگر اسپر گمنامی کی نقاب پڑی رہی۔ نہ اردو کی انجمنوں اور کانفرنسوں میں انکی آواز سنائی دی نہ رسائل و اخبارات اس کو ملک کے سامنے لائے نہ اسکا دیوان ارباب سخن تک پہنچا۔ صرف راقم تذکرہ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ انکی ٹوہ لگائے۔ اسے انجمن سخن میں نمایاں کرے۔ کمال جستجو و جانفشانی سے حالات و کلام فراہم کیا نتیجہ فکر یہ ہے ؎

کرتے ہیں وہ باتیں کہ مری جان پہ بن جائے
آئے ہیں عیادت کے لئے غیر کے ہمراہ
غصہ میں ترے چہرۂ زیبا سے عیاں ہیں

جس شخص کے پہلو میں دل ہو نہ جگر ہو
دل کو تو لئے بیٹھے ہو اب چاہتے کیا ہو
کیا لیتے ہو دل یہ تو ہزار دفعہ دیا ہے
آتش ہی جہاں سوز یہ رہ جائے ٹھہر کر
آیا ہے عجب طور کا یہ دورِ زمانہ
قمریوں پہ نہ دم سیر بلا نازل ہو
بس اسی شغل میں کٹتی ہیں یہ امر لیل و نہار
بوسہ اُس رخ کا ملے وصل میں کیا الحاح
کہہ دو سنبھل کے میکدہ میں آئے محتسب
ہوتے ضرور تیرے تماشا گر کیا کہیں

مشتعل ہے بزم میں شعلہ جو اُس کے حسن کا
سیّاح کیوں نہ کیجئے نظارہ بتاں
منوّر گھر ہے اپنا شمع رو سے آج خلوت کی

لہو لگ گیا ہے اُسکو چسکا چاٹ کر کس کا لہو

دلِ وحشی کا کیا ہے کارخانہ لاابالی سے
نہ رکھتے سرکشی سے تھے زمیں پر جو قدم اپنا
پھرا کرتا ہوں گرد اُسکے نہیں تاب ہم آغوشی
جو ذہن و زبانِ مضموں مثل مضمون باندھی جائینگے

بگڑے ہوئے کچھ آئے ہیں بھکائے ہوئے ہیں
ساتھ اپنے مری موت کو بھی لائے ہوئے ہیں
وہ شعلے جو اغیار کے بھڑکائے ہوئے ہیں

پھر کیا اُسے تیرِ نگہِ یار سے ڈر ہو
لو جان بھی حاضر ہے اگر مدِ نظر ہو
وہ کیجئے طلب ہم سے نہ جو حدِ بشر ہو
اِس سینۂ سوزاں کے مقابل میں اگر ہو
جو عیب ہے دنیا میں وہ مشہور ہنر ہو
باغ میں کھولو نہ تم زیرِ صنوبر گیسو
چہرۂ دن بھری تصویر میں تو شب بھر گیسو
چھا گئے ایسے کہ ہیں سدِّ سکندر گیسو
ٹوٹینگے خم ضرور مگر اُسکے سر کے ساتھ
قاتل دہانِ زخم کے گویا زباں نہ تھی

شمع پروانوں سے جو پائے پر پرواز ہے
لایا ہے شوق جانبِ ہندوستاں مجھے
جلے کیونکر نہ پروانہ یہ اپنی قسمت ہے

اگلی ہی پڑتی ہے جو تلوار اُس خونخوار کی

زرِ داغِ جنوں کا خرچ ہے سرکارِ عالی ہے
نصیب انکو بسانِ نقشِ قالیں پائمالی ہے
میں ہوں تصویر اور وہ شمع فانوسِ خیالی ہے
کہ اب سیّاح کو شہرِ سخن کی کوتوالی ہے

کوئی صیاد ادھر بہر شکار آتا ہے — طائرِ دل قفسِ تن میں جو گھبراتا ہے
ہجر میں موت بھی آئی نہ مجھے سچ ہے مثل — "وقت پر کون کسی کے کوئی کام آتا ہے"
مژدہ اے دل کہ مسیحا نے دیا صاف جواب — اب کوئی دم میں لبوں پر مرا دم آتا ہے
سخت پچھتاتے ہیں ہم دیکے دل انکو سیاح — اپنی افسوس جوانی پہ ہمیں آتا ہے

قفس میں سیرِ گلشن کی اگر مانگے دعا دل سے — صدائے خندۂ گل آئے فریادِ عنادل سے
دعا اب یہ نکلتی ہے دہانِ زخمِ بسمل سے — نہ چھوٹے داغِ خوں تا حشر یارب تیغِ قاتل سے
لگی ہے آگ تختے گور کے ہیں پھنک رہے سارے — کفن جل جل کے خاکستر ہوا ہے سوزشِ دل سے
تہِ خنجر گلا رکھا ہے خود شوقِ شہادت میں — بھلا کس منہ سے مانگیں خوں بہا ہم اپنے قاتل سے
بجائے گرد آتا ہے نظر اک نور کا تکا — گھٹا ٹوپ اُٹھ گیا ہے آج کس لیلیٰ کے محمل سے
قدم سیاح رکھے جوشِ وحشت سے جو صحرا میں — وحوش و طیر آئیں رقص میں شورِ سلاسل سے

سیاح **سیاح** ۔ حافظ نور محمد ولد مولوی عبدالرحمن صاحب ساکن ڈیرہ اسمٰعیل خان حال مقیم بمبئی۔ مدرسہ اسلامیہ میں مدرس ہیں۔ سیر و سیاحت کا شوق رہا ہے۔ منشی قاسم علی خلوتی دہلوی سے تلمذ ہے طبیعت کا رنگ ذیل کے اشعار سے ملاحظہ ہو ؎

دھوپ میں دم توڑتے دیکھا مجھے تو اُف ری ضد — اور اونچا ہو گیا سایہ تیری دیوار کا
کون سا ہے درد دنیا میں نہیں جس کا علاج — پر دوا بیمار کا کوئی نہیں دیکھا علاج
ہے یہ بیمارِ محبت کچھ مرض اس کو نہیں — اے طبیبو خیر ہے کس کی دوا کیسا علاج
حشر میں داد طلب پائیں بھلا کس سے دوا — ہے غضب یہ کہ وہاں بھی ہے خدائی تیری

سیاح **سیاح** ۔ سید فضل الرحمن کانپوری۔ ۲۰-۲۱ برس کی عمر ہے انگریزی وہاں کی تحصیل میں مشغول ہیں۔ نو مشق شاعر ہیں۔ کلام یہ ہے ؎

چٹکیاں لیتی ہے دل میں کسی گل چہرہ کی یاد — کس طرح چپ ہوں میں بلبل ہوں تصویر نہیں
ہائے وہ آہ کہ جو آہ نہ پہونچے اُن تک — حیف وہ نالہ کہ جس نالہ میں تاثیر نہیں

سیارہ

سیارہ ۔ میرزا فخرالدین خلف متوسط میرزا معزالدین ثابت مرحوم ۔ ابن شاہ عالم شاگرد حضرت احسان دہلوی ۔ ستار خوب بجاتے تھے ۔ میرزا صابر صاحب گلستاں کے دوستوں میں تھے ۔ اور بڑے زندہ دل شگفتہ خاطر ۔ یار باش ۔ عالی حوصلہ تھے ۔ صاحب فکر بلند اور طبع ارجمند تھی ۔ شاید میرزا صابر ہی سے مشورۂ سخن بھی کرتے تھے ۔ کلام یہ ہے ؎

شوقِ پابوس بھی ہے تو ہے پسِ قتل دلا　　　لوٹتا پاؤں پہ قاتل کے مرا سر ہوگا

لگائے آنکھوں سے میں نے جو اضطراب میں پاؤں　　　یہ ضد تو دیکھو کہ پھر دل ہی ہوئے آب میں پاؤں

خدا کے واسطے جا کر کہو اُس آفتِ جاں سے　　　کہ وقتِ نزع نے رخصت تو ہو بیمارِ ہجراں سے

سید

سید ۔ امیر الفصحا سید الشعرا مہ غالب علیخاں میر منشی دفتر شاہی مقرب بارگاہ حضرت شاہ عالم و اکبر شاہ ثانی ۔ شاہی مصاحبین میں سرفراز اور خطاب سید الشعرا سے ممتاز تھے ۔ شرف الدین صاحب میرٹھی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں انکے والد اور دادا میرٹھ میں شاہی فوجدار تھے وہیں پیدا ہوئے مگر تعلیم و تربیت دہلی میں پائی جس زمانہ میں حضرت شاہ عالم ثانی الہ آباد میں رونق افروز تھے تو یہ بھی اُنکے ہمراہ تھے ۔ جب بادشاہ نے انہیں اپنا کلام دکھایا تو یہ بھی انکے معتقد ہو گئے ۔ پہلے رنگین تخلص تھا ۔ شاہی حکم سے شائق بن گئے ۔ آخر عمر میں سید تخلص اختیار کیا ۔ فارسی میں میرزا فاخر مکین کے شاگرد تھے ۔ چنانچہ تذکرہ انیس الاحبا میں انکا فارسی کلام موجود ہے ۔ شیریں مقالی میں انتخاب تاریخ گوئی میں لاجواب تھے نقیب بادشاہی مرد ہے اکرام کی سہرے کی تاریخ ایسی بے مثل کہی کہ مدتوں خاص و عام میں مشہور رہی ۔ یعنی ۔ ع امشب کرمے کن بسر اکرام کیسی نادر تاریخ ہے جس سے آج تک انکا نام روشن ہے ۔ اسکے علاوہ قلعۂ دہلی کا مثمن برج انہیں کی بے مثال تاریخ سے مزین ہے ۔ پھر وفات اکرام کی تاریخ یعنی "اکرام بپا سود بپائے خسرو" اسی مورخ لاثانی کی فکر عالی کا نتیجہ ہے جو پائین مزار حضرت امیر خسرو اکرام کے لوح تربت پر کندہ کیگئی ہے ۔ سید مرحوم نے ۱۲۲۹ھ میں انتقال کیا نساخ نے ۱۲۱۸ھ میں جو وفات لکھی ہے وہ غلط ہے ۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

نے غازہ ۔ نہ گلگونہ ہے نہ رنگِ حنا تو　　　اے خون شدہ دل تو تو کسی کام نہ آیا

سبب کیا پوچھتے ہو مجھسے میرے یار رونے کا
کسیکو کچھ مرض ہے مجھکو ہی آزار رونے کا

سید سے یہ عداوت اللہ رے کفر ای بت
پڑھنے جنازہ اسکا سب آئے تو نہ آیا

زورکش اندوہ ہجراں شب دل بیتاب تھا
تاب کا پانی جگر طاقت کا زہر آب تھا

تجھ میں آکان ملاحت ہے نمک پاشندہ رات
زخم پر چھڑکے نمک تو ریشۂ مہتاب تھا

نکل کے زلف سے لی خط مشکبار میں جا
سواد شام سے دل پہنچا زنگبار میں جا

کب کہا میں نے تری تیغ جفا نے چاہا
اے میاں قتل مرا مری وفا نے چاہا

میں انہیں کون سی صورت سے نہ چاہا پر آہ
مجھکو چاہا نہ بتاں نے نہ خدا نے چاہا

کان کا موتی ترے ملتا جو اے مہ پارہ تھا
مشتری اسکا فلک یا سبعہ سیارہ تھا

جو دیکھے گا وہ ترا رنگ مسکرائے گا
تو غنچہ منہ تجھے گلرو نہیں دکھائے گا

بہاتا ہے مجھکو یار کا دزدیدہ دیکھنا
اغیار کی نگاہ سے پوشیدہ دیکھنا

ساتھ آہ کے ہر ایک قطرہ اشک بھر آیا
زور ابر دھواں دھار برستا نظر آیا

جوں نقش قدم جو سر رہ یار کے بیٹھا
وہ خانہ خراب اٹھکے نہ پھر اپنے گھر آیا

تھی بیکلی یہ مجھکو آرام نہ آیا
جب تک مرے پہلو میں وہ گل اندام آیا

نہیں گر دوں نہ شکل آسیا ہم
ولے رہتے ہیں گردش میں صدا ہم

میں اور ترک عشق یہ امکاں ہی نہیں
ناصح کے پند سننے کو یاں کان ہی نہیں

جو آنکھ اور سے وہ لڑا جاتے ہیں
تو ہم بھی کہیں دل لگا جاتے ہیں

یار و مرے بالیں سے نہ اٹھو نہ جدا ہو
حالت مری اچھی نہیں کیا جانئے کیا ہو

تیغ قاتل کی مرے تن ہی نے لذت جانی
کہ بھر آئے ہے ہر زخم کے منہ میں پانی

ابرو کے اشارے سے ترکی کرتے ہیں سبھی سے
تلوار الٰہی یہ بہم چلتی ہے کسی سے

بنائے کفر دیں اک تار سے ہے
کہ تسبیح رشتہ زنار سے ہے

سید

کی اولاد سے تھے۔ قصبہ بھالی کے متوطن اور اٹھارہویں صدی میں رام پور قیام پذیر تھے۔ قدرت اللہ شوق کے تذکرہ میں انکا ذکر آیا ہے۔ جوان قابل خوش عنوان۔ حافظ قرآن۔ خوش صورت پاکیزہ سیرت تھے طبیعت وقت پسند اور مضامین بلندکی جویا رہتی تھی۔ کلام یہ ہے ؎

کیا ہوا زلف جو اب سر پہ چڑھی تو اسکے
دیکھ آئینہ ترے رخ کی صفا اور آب و تاب
اب آ بیٹھے ہیں تیرے در پہ جو چاہے سو کر ظالم
برہمن بت کو چھوڑ آ بندگی میرے صنم کی کر
بوسہ کی طلب میں مجھے بھاتی ہے وہی آن
کاکل تری پیچھے ہی پڑی رہتی ہے پیارے
سن حال وہ سید لگا کہنے غضب ہے
دل الجھا تھا مرا شب زلف سے بولی وہ بل کھا کر

مرا لیگیا دل وہ کس کس ادا سے
تری زلف کس کس سے کیجے مشابہ
مرے بر میں زنار وہ دیکھ بولا
ترے غم میں دن رات مرتا ہے سید
بل ترے منہ پہ زلف کھاتی ہے
مدہوش چمن میں ہوئی نرگس جو کھڑی ہے

مجھکو ہے یاد وہ نت پاؤں پہ پڑنا تیرا
پانی ہو ہو کے منہ پہ خاک مل کر رہ گیا
اٹھا کر اپنے دل سے نام کا او زینگ کا نقشہ
اسے پوجے ہے کیا پتھر وہ ہے اک سنگ کا نقشہ
غصہ سے خفا ہو کے تری تیوری چڑھانی
ہوتی ہے بری کالی بلا پیچھے لگانی
آتی ہیں بہت اسکے تئیں باتیں بنانی
میں جس کالی بلا سنتا ہے لے سایہ در میرے

ستم سے کرم سے جفا سے وفا سے
شب ہجر سے دام سے اژدہا سے
برہمن یہ آیا ہے شاید گیا سے
لگا کہنے وہ مرنے دو میری بلا سے
ہم کو اپنا یہ بل دکھاتی ہے
شاید کسی متوالے سے آنکھ اسکی لڑی ہے

سید

سید۔ میر علی نقی برادر خورد میر ابوالقاسم محب دہلوی میر نظام الدین ممنون کے شاگرد اور برادر زادہ۔ علم ضروری سے ماہر۔ فن سخن میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ اور زبان میں غضب کا چلبلا پن تھا۔ ایام غدر ۱۲۷۳ھ میں گوروں کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ کلام یہ ہے ؎

قربان سادگی کے لگا کہنے غیر سے
کیا جانے آج کیا تھا کہ سید خفا ہوا

کھلے بالوں شاید کوئی خوبرو ہے	صبا کی لپٹ میں جو پھولوں کی بو ہے
نہ چاہوں بھلا کیونکہ ایسے کو سید	ہر اک بات میں جسکے شوخی کی خو ہے
عجب انداز ہی کچھ ان نوں میلی کچیلی ہو	غضب دلکشا داہی دشمنوں کے سوگوارنگی

سید - مولوی محمد بخش - آپکا کلام ایک قدیم بیاض میں نظر سے گذرا - اشعار سے پایا جاتا ہے کہ مزاج میں تمسخر اور مذاق فحش کے درجہ تک پہنچ گیا تھا - چند شعر بطور نمونہ درج ہیں -

قطعہ

شاہ صاحب تم دعا بازوں سے ہم ڈرتے نہیں	دیکھکر شان جبہ اور جھولی آپ کی
ہم فریب ذات والا سے بہت آگاہ ہیں	کیا ہوا ظاہر ہے صورت بھولی بھولی آپکی
کام کرسکے نہ تھے جو کچھ ہاں سے سو گئے	بھنگ چھائی رات دن افیون گھولی آپکی
خاص آزاد دل کے ہم حلقہ میں داخل ہیں میاں	سیکھ لی ہیں ساری باتیں اور بولی آپکی
پھر کرم فرمایا ہاں الہی شیخ جی مست ہو جیو	کل فضیحت سخت اس محفل میں ہو لی آپکی

سید - منشی سید احمد دہلوی مرحوم - مولف فرہنگ آصفیہ - انکے والد سید عبد الرحمن مقام عرب سرائے نواح دہلی کے باشندے اور جد اعلی حسب طلب شاہان مغلیہ عرب سے آکر دہلی میں آباد ہوئے تھے - نثر گوہر سحاب قلم تھی نظم کیطرف توجہ کم - ابتدا میں چند غزلیں تحریر فرمائی تھیں وہ حافظ قطب الدین مشیر مرحوم خلیفہ شاہ نصیر کی نظر سے گذریں - اکثر قصائد و قطعات حضرت کی مرحوم شاگرد میرزا غالب کو بنظر اصلاح دکھائے - سنہ ۱۸۸۴ء میں آپنے اخبار النساء نکالا جس نے مستورات میں تعلیم کا شوق پیدا کیا یہ پرچہ دو برس تک دہلی میں جاری رہا پھر شملہ جاکر اسکی اشاعت کا اہتمام ہو سکا عرصہ تک سررشتہ تعلیم کے دفتر لاہور میں ملازم رہے پھر سالہا سال دہلی اور شملہ کے مدارس میں مدرس فارسی رہے - ڈاکٹر فیلن صاحب کو اردو انگریزی ڈکشنری کی تحقیق الفاظ و معانی کے متعلق تین سال تک پٹنہ میں مدد دیتے رہے - سررشتہ تعلیم کی ملازمت کے بعد دولت آصفیہ سے پچاس روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر ہو گیا - جو آخر عمر میں المضاعف یعنی سو روپیہ ماہوار ہو گیا - علاوہ ازیں لڑکے کی تعلیم کیلئے پچاس روپیہ ماہوار کا وظیفہ الگ سرکار نظام سے مقرر ہے - مشاہیر امرائے دکن مثل نواب

سر آسمان جاہ نواب محسن الملک۔ نواب سید حسین بلگرامی اور آپکے بھائی سید علی بلگرامی آپکے بڑے قدردان تھے۔ اور انہیں کی وجہ سے حیدرآباد میں انکا خاصہ سوخ ہوگیا تھا جب کبھی جاتے علاوہ امداد لغت ہزار بارہ سو روپیہ سفرخرچ کے نام سے علیحدہ ملجاتا تھا۔

کامل ۳۲ برس کی شبانہ روز محنت سے لغات زبان اردو کی ایک ضخیم کتاب تیار کی سنہ ۱۸۶۶ء میں یہ کام شروع کرکے سنہ ۱۸۹۸ء میں اسکو انجام پر پہنچایا۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں اسکی اشاعت ہوئی۔ یہ لغت فرہنگ آصفیہ کے نام سے شائع ہوئی جسکے صلہ میں سرکار نظام سے بطور انعام پانچہزار روپیہ ملا اور پانسو جلدوں کی خریداری منظور کیگئی۔ مختلف اوقات میں بیس ہزار روپیہ اسکی چھپائی کیلئے مرحمت ہوے۔ فرہنگ آصفیہ سے پیشتر اردو زبان میں کوئی جامع لغات نہ تھی۔ ملک نے اسکو ہاتھوں ہاتھ لیا علم دوستوں نے اس کو سر آنکھوں پر جگہ دی۔ ابھی اس کتاب کی تمام جلدیں مرتب ہونے پائی تھیں کہ اہل لکھنؤ نے اسکی ناموری اور شہرت کے مقابلہ میں امیر اللغات کو پیش کیا جسکا نتیجہ نکلا کہ دہلی اور لکھنؤ کے اخبارات میں دو تین سال تک بحث مباحث کا سلسلہ جاری رہا۔ تلامذہ امیر نے اس موقعہ پر حق شاگردی ادا کیا اور فرہنگ آصفیہ کے خلاف لمبے چوڑے مضامین نکالے۔ مگر سید صاحب کے جانبداروں نے جوابات دینے میں کوئی بات اٹھا نہ رکھی۔ دہلی لکھنؤ کی رقابت نے سب کو یاد آموختہ ہوئی تھی۔ اسی سلسلہ میں فصیح الملک میرزا داغ کی شاعری پر بھی حملے کئے گئے تھے اور حضرت امیر مینائی کو بہترین غزل گو ثابت کرنیکے لئے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا گیا تھا۔ سید صاحب کی لغت پر اس مخالفت کا ذرا بھی اثر نہ ہوا آخرکار امیر اللغات نا مکمل رہ گئی اور بقیہ حصہ شائع ہونیکی نوبت نہ آئی۔ اور فرہنگ آصفیہ کی جلدیں تیار ہوکر تمام اردو کتبخانوں میں پہنچ گئیں۔ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ سنہ ۱۹۲۲ء میں خانگی آتش زدگی کے باعث مع دیگر اسباب فرہنگ آصفیہ کے حصے بھی جل کر خاکستر ہوگئے۔ دوبارہ چھپوانے کا انتظام کیا جارہا تھا کہ تھوڑے دنوں کے بعد سید صاحب کا انتقال ہوگیا مرحوم نے لغات کے علاوہ رسوم دہلی۔ مناظرہ تقدیر و تدبیر۔ علم لعبیات۔ ہادی النسا وغیرہ کئی کتابیں تصنیف و تالیف کی تھیں۔ دیوان سر رام صاحب زیرالور کی تحریک سے مہاراجہ الور

والئی الور کا سفرنامۂ پنجاب مرتب کیا اور انعام پایا۔ آپ کی نثر اخباری اُردو سے بالکل الگ تھلگ ہوتی اور اسمیں سب بے تکلفانہ محاورات۔ برجستگی۔ روانی۔ آمد تھی۔ اُردو زبان کے مستند ادیب تھے اور تحقیق کا پایہ بلند تھا۔ سید صاحب کے مزاج میں ثابت قدمی اور استقلال غضب کا تھا سخت سے سخت تکلیف اور مصیبت کے زمانہ میں بھی اُنکے عزم اور ارادوں میں کمزوری پیدا نہیں ہوتی تھی وضع کے بڑے پکے تھے لغت کی تیاری اور تکمیل کو اپنی زندگی کا پہلا اور آخری کام بنا رکھا تھا۔ اور ہر وقت اسی میں منہمک رہتے تھے۔ اُردو زبان کے محسن اور فدائی حضرات کے زمرہ میں انکا نام عزت سے لئے جانیکا مستحق ہے راقم تذکرہ کے عم نامدار رائے بہادر ماسٹر پیارے لال صاحب نے پہلے پہل انہیں نرمنہ تعلیم میں ملازم کرایا تھا شرافت اور پاس وضع اسے کہتے ہیں کہ سالہا سال گذر جانے پر بھی ہمیشہ انہیں اپنا مربی و محسن سمجھتے رہے۔ والد مرحوم رائے بہادر لالہ مدن گوپال ہر سال تین چار ماہ شملہ میں گذارتے تھے۔ یہ روزانہ حاضرباش رہتے اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ لطائف و ظرائف سے اُن کی طبیعت کو محظوظ رکھا کرتے تھے۔ راقم تذکرہ نے ۱۸۹۲ء کے قریب جب تذکرہ لکھنا شروع کیا ہے اُسوقت نہایت شفقت سے ہر طرح کی امداد کرتے اور دل بڑھاتے رہے چنانچہ جب مسودہ لیکر میں مولانا حالی کی خدمت میں پانی پت حاضر ہوا تب آپ بھی میرے ساتھ گئے۔ کلام یہ ہے ؎

رگ رگ میں دوڑ جاتا ہے جلوہ خدائی کا — اُس بت کے سامنے ہے مزا جبہ سائی کا
یارب دعا ہے اپنی کہ صدقہ خدائی کا — دشمن کو بھی نصیب نہ ہو دن جدائی کا

کیا کیا مجھ پہ وار کیا کہنا
سر بھی کٹ کر گرا تو قدموں پر
قاصد بنا رقیب وہاں جاکے کیا ہوا
خود ہی تصویر ہو چھپاتے ہو اُس پر تصویر

واہ رے میرے یار کیا کہنا
دل چلے ہوشیار کیا کہنا
اپنا جو حال تھا وہی اُسکا سنا ہوا
دیکھئے کسکو ہٹاتی ہے بت آئی تصویر

خود تیر نگہ سے لڑتے ہیں اور نام ہمارا کرتی ہیں — ان نیچی نیچی نظروں سے وہ کام ہمارا کرتی ہیں
کیا ناز و ادا کا ماتم ہے لے خوف اُچھلتے پھرتے ہیں — او ننگے ننگے پیروں سے وہ لاش کہند لئے پھرتی ہیں

پڑی ہے کیا ضد کو اٹھو لو گیا وہ سید جان سے لو

قاصد خوش خوش اگر آیا تو عید ہے
حور و پری ہو یا کہ مہ و آفتاب ہو

وقت وضو جو دھوتا ہے ہاتھوں کو بار بار

غنیمت جان لو صحبت کو اس کی
رہو گے دل میں آنکھوں سے نہاں تم

کیوں خاک میں ملاتے ہو آلودہ تن کیا تھا
کھلتی نہیں کلی مرے دل کی بندھی ہوئی
بجھے گا کیونکر یہ دل الم سے گھڑی میں کچھ ہے گھڑی میں کچھ ہو
نہ کی ہو بات تک عاشق سے جس نے عمر بھر سید ہی
نہ چونکا خواب عدم سے تو کہتے ہیں ہم
چلو بس حضرت عیسیٰ تم اپنا کام کرو

جب دور تم ہوئے مری چشم پر آب سے
جی بھی اٹھو کہ یار آتا ہے
تینوں قائل ہیں جذبۂ دل کے
رنگ لائی ہے ساری مظلومی

ذرا تو چل کر شریک ہو لو سنا ہے آ کر اٹھا چکے ہیں

ورنہ ہماری عید محرم سے کم نہیں
جو کچھ کہ ہو سو ہو غرض اپنی حساب ہو

زاہد خدا کے پیچھے پڑا ہاتھ دھو کے تو

خدا جانے یہ سید پھر کہاں ہو
بھلا بچ کے رہو جاتے کہاں ہو

کچھ تو لحاظ چاہیے اٹھے کفن کے ساتھ
دل تنگی جو ہے کسی غنچہ دہن کے ساتھ
بنے گی کس طرح بنت العنب سے گھڑی میں کچھ ہے گھڑی میں کچھ ہے
عبث ہے آپ سے یہ کہنا کہ رکھ مجھے نظر سید ہی
یہ کس کے پاؤں کی آئی صدا سنو تو سہی
مریض عشق کو ہو گی شفا سنو تو سہی

لاکھوں برس گذر گئے لینے حساب سے
دم یہ خاص دیا مسیحا نے
پردے اٹھائے صبا نے محمل کے
ہاتھ باندھے حنا نے قاتل کے

سید سخنور معجز بیان و شاعر شیریں زبان منشی سید اکبر میرزا خلف معین الدولہ نواب ناظر حسین میرزا ابن نواب حسام الدین حیدر خاں نامی قرابت دار شاہ اودھ۔ آپ نے میر مہدی حسن مجروح سے بھی استفادہ حاصل کیا۔ میرزا قربان علی بیگ سالک کے بھی شاگرد ہیں۔ مولانا حالی سے بھی نسبت تلمذ حاصل تھا۔ نہایت معزز اور ممتاز خاندان کی یادگار تھے۔ برہان الملک میر محمد امین نیشاپوری آپ کے اجداد پدری میں تھے۔ اور اجداد مادری میں بخشی الملک نواب میرزا نجف خاں سید

بہادر کا نام روشن ہے۔ دہلی، لکھنؤ، فیض آباد ہمیشہ اس خاندان کا مولد و مسکن رہا ہے۔ غدر سے پیشتر دلّی میں انکے وسیع مکانات تھے اور یہ لوگ محلہ بلیماران کی جس حویلی میں رہتے تھے اسکا رقبہ ایک چھوٹے گاؤں کی برابر تھا۔ اتبک حویلی انکے دادا حسام الدین حیدر کے نام سے مشہور ہے مگر اب وہاں انقلاب گذشتہ عظمت کی تاریخ یاد دلا رہا ہے۔ پنجابی سوداگر صاحبان نے ایک پوری بستی بسا رکھی ہے۔

جس طرح آپ ایک نامی گرامی خاندان کے افراد سے تھے۔ ایسے ہی خلق و انکسار میں انتخاب روزگار تھے۔ آپ کی گفتگو نہایت سلیس و شستہ ہوتی۔ با وجود پیرانہ سالی کبھی کبھی شوخی اور بذلہ سنجی کی جھلک بھی کلام میں نمایاں ہوجاتی۔ مشاعروں میں اکثر شریک ہوتے۔ اور اس قحط الرجال کے زمانہ میں آپکا دم غنیمت تھا۔ آپکے خاندان میں کئی پشت سے شاعری کا فن چلا آتا ہے آپکے پردادا نواب سراج الدولہ غیاث الدین محمد خاں قیامت تخلص کرتے تھے اور فارسی میں شعر کہتے۔ آپ کے دادا نواب مبارز الدولہ سید حسام الدین خاں نامی میر تقی میر کے شاگرد تھے اور انکے دادا کے بھائی سید محمد خاں رند جو تھے خواجہ آتش لکھنوی سے تلمذ رکھتے تھے۔ ذوق سلیم رکھنے والے خوب سمجھتے ہیں کہ شعرائے لکھنؤ کے برعکس۔ رند کے کلام میں جو سادگی۔ سوز و گداز۔ درد ہے وہ اس خاندان کے فیض صحبت کا اثر ہے۔ آپکے والد گو شاعر نہ تھے مگر سخن فہمی میں مشہور تھے اور میرزا غالب کی صحبت میں عالم طفلی سے پیرانہ سالی تک بسر کی اور میرزا کا فارسی کلام خود لکھ کر مرتب کیا۔ سید اکبر میرزا صاحب کی سلاست۔ سادہ بیانی خداداد تھی۔ کلام میں تکلف مطلق بھی نہیں کیا تھا۔ سیدھا سادہ روزمرہ لکھتے فصیح محاورات باندھتے۔ جو کچھ کہتے خوب کہتے۔ ۔۔۔ کام ترتیب تذکرہ میں انتقال کیا۔ ۷ برس سے زائد عمر پائی۔ مشتاق شادان مضطر۔ راسخ۔ ارشد کے ہمعصر تھے۔ نواب سجاد میرزا سجاد جن کا ذکر خیر پہلے آچکا ہے آپکے بڑے بھائی تھے۔

درد و سوز جو شاعری کی جان ہیں کلام میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ کلام کا انتخاب یہ ہے

ہمارے دل کو ناصح آپنے اپنا سا دل جانا	نہ گھائل تیر مژگاں کا نہ قیدی زلف پیچاں کا

زمیں تیری زماں تیرا مکیں تیرے مکاں تیرا
عجب ناداں ہیں وہ جنکو نہیں ملتا نشاں تیرا

عیاں ہر شے سے ہے قدرت نہیں جلوہ کہاں تیرا
ترا مداح ہے عالم ثنا خواں ہے جہاں تیرا

تعشق سے کہیں بڑھ کر ہے تیرے عشق کا درجہ
یہاں تک محو ہوں اپنے پہ ہوتا ہے گماں تیرا

نہ سیرت سے تری واقف نہ صورت آشنا کوئی
تماشا ہے کہ دم بھرتا ہے ہر پیر و جواں تیرا

جدائی شاق تھی دم بھر وہ دن بھی یاد ہیں تجکو
نگہباں میرا تو رہتا تھا میں تھا راز داں تیرا

خبر ہے تجکو اے یوسف کہ مہجوروں پہ کیا گذری
گیا کنعاں سے سوئے مصر جس دم کارواں تیرا

کیا عجب ہے جو ہماری شب تار ہجراں
صبح محشر کو بھی دیکھے نہ سحر کی صورت

مفت احسان جتانے کو ادھر آن ملے
اب بگڑتے ہوئے دیکھی جو ادھر کی صورت

جسے صحت کبھی ہو جائے وہ آزار نہیں
موت سے پہلے جو اچھا ہو وہ بیمار نہیں

اس وفا پیشہ پہ عاشق ہوں کہ جسکی نزدیک
جو گنہگار ہے وہ بھی تو گنہگار نہیں

یہ محبت یہ لگاوٹ بھی کہیں دیکھی ہے
دوست تو دوست وہ دشمن سے بھی بیزار نہیں

وصل عشاق سے نزدیک ہے گو خواب و خیال
ہمکو مشکل ہے مگر آپ کو دشوار نہیں

ہے کوئی صید جو عالم میں بچا ہو تم سے
تیر ترکش میں نہیں ہاتھ میں تلوار نہیں

سادہ لوحوں کے دلوں کی ہے کمند تسخیر
شیخ صاحب کے سر پاک پہ دستار نہیں

سیدان شعروں میں کیا لطف ملیگا اُن کو
جن کا دل راز حقیقت سے خبردار نہیں

الفت کا یہ مزا ہے کہ رسوائے خلق ہو
وہ راز یہ نہیں جو کسی پر عیاں نہ ہو

یارب جہاں میں مجھسا کوئی بے زباں نہ ہو
اپنی مصیبت آپ ہی جس سے بیاں نہ ہو

کیا تیرے ہاتھ آئیگا اے برق شعلہ ریز
گلشن میں اک غریب کا گر آشیاں نہ ہو

میں نے کہا سنو تو سنائیں کچھ حال دل
ہنسکر عجب ادا سے کہا داستاں نہ ہو

واعظ تمہیں کہو کہ رہا کیا بہشت میں
گر وہاں قصور و حور و مئے ارغواں نہ ہو

معمور گر نہ ہو یہ بت و بت پرست سے
ہندوستاں کا نام ہی جنت نشاں نہ ہو

اُس دل پہ حیف عشق کا جس میں نشاں نہ ہو
اُس زندگی پہ خاک جو صرفِ فغاں نہ ہو

ہمکو نہ انفعال ہو اس واسطے فقط
میں خود یہ چاہتا ہوں مرا امتحاں نہ ہو

آمد میں جو مزا ہے وہ آورد میں نہیں
پھر شعر ہی نہیں ہے جو لطفِ زباں نہ ہو

وہ خشتِ خم پہ منہ ملنا وہ پائے خم پہ سر رکھنا
ہمیں یاد آتی ہے وہ عزت و توقیرِ میخانہ

جناب شیخ صاحب کیا مزے کی بات ہے سنئے
کہ اک مشتِ نمک سے ہو گئی تطہیرِ میخانہ

بگڑ کر جب مجھسے کہتے ہیں تمہاری سب وفاداری
دکھا دیں شہر میں ہمسا جو کوئی دوسرا نکلے

میری تربت پہ وہ دو پھول چڑھانے آئے
بعد مرنے کے نکالی گئی حسرت میری

ہم نے آج ایک عجب آفتِ جاں دیکھا ہے
اتنا کہنا تھا کہ بس آ گئی شامت میری

کوئی چیز یاں دل سوا ارزاں نہیں ہے
مگر اسپہ بھی کوئی خواہاں نہیں ہے

دمِ سرد بھر کر کوئی رو رہا ہے
یہ ٹھنڈی ہوا اور باراں نہیں ہے

بجز مہرِ تاباں و ماہِ درخشاں
چراغِ مزارِ غریباں نہیں ہے

بنے بت پرست آکے ہندوستاں میں
کوئی ہم سے سید مسلماں نہیں ہے

قطعہ

کہا میں نے کسی پہ جو کوئی مرے
اُسے چاہئے اُسپہ جفا نکرے

کہا چھیڑ سے ہمکو تو جب ہو یقیں
جو کسی پہ مرے وہ جیا نکرے

بھلا سید خستہ کی توبہ ہے کیا
جو خدا اُسے دے تو وہ کیا نکرے

کہا میں نے نہیں میں کسی پہ فدا
کس ادا سے وہ بولے خدا نکرے

مری ساری کہانی کو سنکے کہا
کوئی ایسوں کی بات سُنا نکرے

مجھے غیر کے آگے سُنانے لگے
کوئی تم سے بھی حال کہا نکرے

سید۔ سید حسن صاحب متوطن قصبہ نہٹور۔ شاگرد حضرت ظہیر دہلوی خوشگو طبیعت دار تیز فکر ہیں۔ ریاست بھوپال میں متصدی مال ہیں۔ انداز بیان بہت پیارا ہے۔ ذہن میں جودت خیالات بہم لاتی ہے۔ بھوپال کے مشاعروں میں چوٹی کی غزلیں پڑھی ہیں۔ وہاں کے شعرا سید

میں نامور ہیں۔ زبان صاف اور شستہ۔ بندشیں سیدھی سادی۔ معاملہ بندی کیطرف میلان ہے استاد ظہیر نے انکی کئی غزلیں خود اپنے کلام کے ہمراہ مؤلف تذکرہ کو ارسال کی تھیں جس سے انکی خاص توجہ ظاہر ہے۔ نتیجۂ فکر یہ ہے ؎

انہیں غرض جو کوئی شب کو بیقرار رہا — بلا سے انکی کسیکو جو انتظار رہا
وہ تم کہ کرتے رہے وعدے عمر بھر جھوٹے — وہ ہم کہ پھر بھی ہمیں تم پر اعتبار رہا
ہوش آنے نہیں دیتا کسی میخوار کے پاس — گردش میں دیتا ہے سید عوض جام شراب

جو دن کو رونا دھونا ہے تو شب کو لب پہ نالے ہیں — فلک کس دن کے بدلے تو نے کن کن کے نکالے ہیں
یہاں کیا ہم تو محشر میں خدا کے آگے کہہ دینگے — تمہارے چاہنے والے ہیں تم پر مرنیوالے ہیں
جہاں کی خاک چھانی ہے ملی ہے جب جگہ ایسی — ترے کوچہ میں آبیٹھے ہیں اب کیا اٹھنے والے ہیں
تمہارے جنبش لب نے یہ اچھی کی مسیحائی — ہزاروں مر گئے تم پر ہزار دل مرنیوالے ہیں
جناب شیخ نے رندوں میں آکر قہر ڈھایا ہے — انہیں تو ہم یہ سمجھے تھے بڑے ہی بھولے بھالے ہیں

کیا ہی عیار حسینان جہاں ہوتے ہیں — دل کا دل لیتے ہیں پھر دشمن جاں ہوتے ہیں
پوچھتا پھرتا ہوں محشر میں یہ ہر ایک سے میں — فیصلے مجرم الفت کے کہاں ہوتے ہیں
شکوۂ جور پہ دیتے ہیں بگڑ کر یہ جواب — ہاں ستم ہوتے ہیں فرمائیے! ہاں ہوتے ہیں

باتوں باتوں میں ستم مجھپہ کئے جاتے ہیں — چٹکیاں دل میں وہ رہ رہ کے لئے جاتے ہیں
یاد ہے غیر کی یا دل ہے کسی بیکس کا — آپ کیا گوشۂ دامن میں لئے جاتے ہیں
تم بھی کیا یاد کروگے کہ ملا تھا کوئی — دل سی شے لو تمہیں ہم مفت دئے جاتے ہیں
ڈر ہے مجھکو کہ جگر چاک نہ ہو جائے کہیں — بخیہ گر کیوں مرے دامن کو سئے جاتے ہیں
ضبط کس طرح کرے شکوۂ اغیار کوئی — زہر کے گھونٹ کسی سے بھی پئے جاتے ہیں
روز چھپ چھپ کے سر شام کہاں جاتے ہو — روز کیوں چاک گریباں کے سئے جاتے ہیں
ہوش آتا دم نظارہ نہیں ہے کہ کہوں — دوڑنا کوئی مرا دل وہ لئے جاتے ہیں

قتل کرکے مجھے اس طرح چلے مقتل سے
کوئی جانے کہ بڑا کام کئے جاتے ہیں

نامہ بر کہتا ہے کیا لاکے دکھاؤں میں جواب
خط تو چولھے میں وہاں جھونک دئے جاتے ہیں

ناتوانی کا یہ عالم ہے کہ اٹھنا دشوار
اور ہمت ہے یہ اپنی کہ جئے جاتے ہیں

کوئے قاتل میں ذرا سوچ کے جانا سید
روز دو چار وہاں قتل کئے جاتے ہیں

دل کشی بولتی ہے شوخی تحریر کیا تھ
کھینچنے والے کی ادا کھینچ گئی تصویر کیا تھ

خلش زخم کا ہو جائے ہمیشہ کو علاج
چارہ گر کھینچ لے تو سینہ سے دل تیر کیا تھ

تم یہ کیا حصر ہی کس کس کا گلہ تم سے کروں
پھر گیا مجھسے زمانہ مری تقدیر کیا تھ

سید

سید ۔ حسین میاں صاحب نانگرول بندر کاٹھیاوار کے رئیس ہیں ۔ مدتوں نواب شیخ حسین میاں صاحب کے مصاحب رہے ہیں ۔ اسی زمانہ میں جلال ۔ داغ ۔ تسلیم کو دیکھا ہے اور حضرت شمشاد لکھنوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ۔ علم عروض و قوافی میں دستگاہ ہے ۔ تاریخ گوئی میں دسترس ۔ دو مکمل دیوان تیار ہیں جو غیر مطبوعہ ہیں ۔ آپکا بیان ہے کہ نواب محمد رسول خاں صاحب جوناگڑھ کی سرکار میں ایک مثنوی بطور نذر پیش کی تھی ۔ اسکے صلہ میں "فصیح الشعرا" خطاب پایا ۔ اور وہاں ملازم ہوگئے ۔ آج کل پھر ریاست منگرول میں شاعری اور میر منشی کے عہدہ پر ممتاز ہیں ۔ مضمون آفرینی کیطرف مائل ہیں مگر زبان کی شستگی اور صفائی کو زیر نگاہ رکھتے ہیں ۔ چھ سات برس ہوئے اپنا کلام انتخاب کرکے بھیجا تھا اسکا انتخاب یہ ہے ؎

ابھی معمور ہو جائے زمانہ یاس و حسرت سے
لٹا دوں میں اگر اسباب اپنی بینوائی کا

زمین گور بھی آغوش میں اپنے نہیں رکھتی
خدا حافظ ہے اپنے کشتۂ بے آشنائی کا

کہاں میں اور اسکی درگہ عالی کہاں سید
قلق شام و سحر ناحق ہے اپنی نارسائی کا

عاشق سے چھپ سکا کب پردے میں راز تیرا
آوازِ لن ترانی دیتا ہے ساز تیرا

کافی ہے اسکی رحمت ہم رند مشربوں کو
زاہد تجھے مبارک روزہ نماز تیرا

گھٹا چھائی ہے دل بہلاؤ چلکے صحن گلشن میں
پیو مے خوب سید دیکھو تماشہ برق و باراں کا

اشارہ فصل گل کا ہے گریباں چاک کر ڈالو
یہ رہزن دل جاتے ہیں جب راہ سے چھپکر
بہار چھوٹ کے آئی جو کاکل مشکیں
برنگ باغ شگفتہ ہے اندنوں منگر دل
یہ کس نے منہ سے نام بوسۂ ابرو نکالا ہے
مری جان حاضر یہ دل ہی جگر ہے
مجھے پھر ان آنکھوں کا جلوہ دکھا دو
یہ گرہ کیسی ہے آنچل میں یہ باندھ لیا ہے
غضب انکی تیغ نگہ ڈھا گئی
شباب آتے ہی حسن دونا ہوا
مرے دل کو شوخی سے مل کر کہا
خدا نواب سورٹھ کو رکھے آباد اے سید

تقاضا جوش وحشت کا ہے رستہ لو بیاباں کا
انداز دل دیتے ہیں نقش کف پا کا
لپٹ کے سنبل گلزار نے بلائیں لیں
خوشی میں گاتی ہے بلبل چمن چمن سنڈ دل
نگر نے پر تلے بیٹھے ہو خنجر کیوں نکالا ہے
تمہیں کون سی چیز مدنظر ہے
نگاہوں میں جادو کا حسن کی اثر ہے
دل ہمارا جو نہیں ہے تو پھر اچھا کیا ہے
جگر پر پڑی دل کو تڑپا گئی
ادا آگئی ناز کی آگئی
یہ کیسی کلی تھی جو مرجھا گئی
اڑا دی جس نے سب کی ٹھنڈ جو غوں سے دو دستالوں

سید سید۔ میر سید احمد دہلوی۔ آپنے ایف اے تک تعلیم پائی ہے۔ اردو۔ فارسی کی قابلیت اچھی ہے نظم ونثر میں مشاق ہیں۔ ملا واحدی صاحب اڈیٹر خطیب دہلی کے برادر نسبتی ہیں ایک آزادہ رو صوفی منش آدمی ہیں۔ ۴۰۔ ۴۵ سال کے قریب عمر ہے۔ آپکے بزرگ عرصہ دراز سے ریاست جے پور میں رہتے ہیں۔ یہ خود آجکل پولیس اجمیر میں انسپکٹر ہیں۔ فن شاعری میں حضرت قتیل پھرسری کے شاگرد ہیں۔ کلام کا انتخاب ہدیہ ناظرین ہے ؎

پھر عشاق جہاں میں سبق آموزی کو
اور تو دل میں نہیں کچھ دم آخر لیکن
وعدۂ وصل کیا تو ہے مری جاں تم نے
دام الفت میں کچھ اس طرح پھنساؤں اسکو

میں رہوں یا نہ رہوں پر مری رُوداد رہے
اک تری یاد ہے اللہ کرے یاد رہے
پر ذرا یاد رہے! یاد رہے!! یاد رہے!!!
ہاتھ ملتا ہی ہوا وہ ستم ایجاد رہے

شاعری شغل تو اچھا ہے جناب سید ۔۔۔ فکرِ دنیا سے اگر آدمی آزاد رہے

سید

سید - منشی سید علی خلف مولا بخش صاحب سندیلوی - سید نذیر حسن صاحب فتنہ کے شاگرد ہیں - نومشق شاعر ہیں طبع میں زور - ذہن میں رسائی ہے - کلام کا انتخاب یہ ہے

ہوا یہ حال اپنا سوزِ غم سے ہجرِ دلبر میں ۔۔۔ جدھر کروٹ بدلئے آگ لگ جاتی ہے بستر میں

بوسۂ عارضِ گل سامنے گلچیں کے نہ لے ۔۔۔ کہہ دو گستاخ بہت بلبلِ ناشاد نہ ہو

ملی جب قتل گہ میں آکے حلقِ نیم بسمل سے ۔۔۔ تو یا مشکل کشا نکلا زبانِ تیغِ قاتل سے

الٰہی اس نے بھی سیکھا ہے کیا اندازِ معشوقی ۔۔۔ کہ اُس کا تیر دل میں آکے غائب ہو گیا دل سے

عجب انداز سے قاتل نے کی آرائشِ مقتل ۔۔۔ کہ ارماں کیطرح لپٹا ہوا بسمل تھا بسمل سے

کمالِ شاعری سے کیوں نہ ہوں بہرہ ور سید ۔۔۔ کہ سیکھا ہے یہ فن میں نے بڑے اُستاد کامل سے

سیر

سیر - میر عباس عرف چھوٹے میرزا شاگرد آغا حسین میرزا صاحب عشق - خوش فکر صاحب استعداد شاعر تھے تشبیہات کے شیفتہ - استعارات کے فریفتہ - معنی سنج - ناسخ کے انداز میں بہترین کہنے والے تھے - کلام بلاغت نظام یہ ہے

شعر جو ہے وہ سراپا وصف میں تحریر ہے ۔۔۔ ہر غزل دیوان میں میرے تری تصویر ہے

سیرِ گلشن کیلئے اب اُٹھ کے جا سکتے نہیں ۔۔۔ جادۂ صحرا ہمارے پاؤں کی زنجیر ہے

چوم لیتا گر میں پاتا دستِ نقاشِ ازل ۔۔۔ صفحۂ عالم یہ کس رنگ کی تصویر ہے

ہے تقاضائے محبت کوچۂ جاناں میں چل ۔۔۔ پاؤں اُٹھ سکتے نہیں یہ ضعف دامنگیر ہے

دل مرا کیا کیا اُٹھاتا ہے مزے ہنگامِ ذبح ۔۔۔ سوئے قاتل آنکھ ہے اور حلق پر شمشیر ہے

اہلِ دولت کی ثنا سے اسکو کچھ مطلب نہیں ۔۔۔ سیر - مداحِ جنابِ حضرتِ شبیر ہے

نرگسی آنکھیں پھول رخ غنچہ دہن شمشاد قد ۔۔۔ باغ ہے یا اُس بہارِ حسن کی تصویر ہے

اپنا طریقِ عشق بھی سب سے عجیب ہے ۔۔۔ سایہ پہ اُس پری کے گمانِ رقیب ہے

ممکن نہیں وہاں کوئی زندہ پہنچ سکے ۔۔۔ کہتے ہیں جس کو خلد وہ کوئے حبیب ہے

"رہتا ہے اب حضور کی خلوت میں آئینہ
سچ پوچھو" تو ہم سے وہی خوش نصیب ہے

پس فنا مری تربت پہ فاتحہ نہ پڑھا"
ہزار حیف نہ اتنا بھی ہو سکا تم سے

جواب تلخ سنائے بگڑ بگڑ کے مجھے
جو بوسۂ لب شیریں طلب کیا تم سے

نہیں حسینوں میں بے رحم سنگدل ایسا
جسے نہ آئی ہو وہ سیکھ لے جفا تم سے

ذرا بتاؤ تو اے سیر ماجرا کیا ہے
کیلے بیٹھے ہیں وہ کیوں خفا خفا تم سے

پھینکو لے کے اپنے کوچہ سے ای جان آنچ
مٹی خراب کی مرے مشت غبار کی

بعد فنا جو سیر ہوا خلد میں گذر
یاد آ گئی فضائے حسن کوئے یار کی

کرے گا دعوئے الفت رقیب کیا تم سے
ہمیں نے عشق نبھایا برا بھلا تم سے

سیر

سیر - منشی محمد حنیف صاحب - پوسٹ ماسٹر شاگرد حضرت داغ - حالات باوجود تلاش میسر نہ آئے ناچار چند اشعار کے انتخاب پر اکتفا کیا ہے ؎

بے سبب مجھ سے خفا رہتا ہی کیوں تو دلمیں
کیا سمائی ہے ترے اے بت بدخو دل میں

یاد آیا مجھے پہلو سے جو اٹھنا اُس کا
درد اُٹھ اُٹھ کے بدلنے لگا پہلو دل میں

مرض عشق جسے کہتے ہیں ؎
بس یہی موت کی بیماری ہے

اچھا یا ہی اڑاتے ہیں مزے
میکشوں پر کرم باری ہے

میری راحت کا یہ پہلو سوجھا
روز انہیں فکر دل آزاری ہے

سیف

سیف - میرزا محمد حسن مرحوم نبیرۂ محمد فاخر مکین دہلوی مقیم لکھنؤ۔ آپکے والد میرزا علیجان بھی خاکی میں شعر کہتے تھے۔ آپ مدتوں لکھنؤ رہے۔ ناسخ آتش کے معرکے دیکھے ان کے مشاعروں میں بطور معاصر شریک رہے۔ شاعر فصیح اللسان۔ صاحب دیوان تھے۔ عروض سے آگاہ۔ معانی بیان سے باخبر تھے۔ لکھنؤ کے قیام میں بھی اپنی شاعری کو رعایت لفظی کی قید سے آزاد رکھا۔ خوبیٔ بندش پر نظر رہی۔ صفائی زبان کا خیال تھا۔ مگر تحقیقات کے غلبہ سے کلام میں نمک اور مزہ نہ پیدا ہوا۔ یہ غدر سے پیشتر کا ذکر ہے۔ کلام ملاحظہ ہو ؎

اسقدر سوزش ہوئی دل کو تپِ فرقت سے آہ ۔ اشکِ گرم اپنا زمیں پہ گر کے چھالا ہو گیا

وہ دن رہے نہ وہ سن اور نہ وہ شباب رہا ۔ دلِ خراب یہ اب تک مگر خراب رہا

کافرِ عشق ہیں اسلام سے کچھ کام نہیں ۔ ہے زیادہ ہمیں تسبیح سے زنار پسند

قصدِ مے جب کیا ساقی نے مری جانب کو ۔ بندِ شیشہ کا گلو ہو گیا اچھو ہو کر

جھڑکی سہے لاکھ بار تو گالی ہزار بار ۔ بدلا ہے صاف یار کی گفتار کا طریق

پہلے ہیں لطف بعد بہت ہیں خرابیاں ۔ یہ ابتدائے عشق ہے وہ انتہائے عشق

لے پاؤ وقتِ طاقت و امداد دے یہی ۔ بھاگیں ہم اس طرح کہ نہ پھر سکو پائے عشق

سیف ۔ نواب سید اکبر حسین خاں خلف نواب دولہا بہادر ۱۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے سنہ ۱۳۱۰ھ میں وفات پائی۔ دنیا کی رزم گاہ میں ۵۵ سال تک نبرد آزما رہے۔ قدیم امیرزادوں کی طرح فنونِ سپہگری کے شائق تھے علمِ طب سے آگاہ تھے۔ اس موضوع پر بہت سی کتابیں تالیف کیں مگر وہ حلیۂ طبع سے آراستہ نہ ہوئیں۔ اپنے والد مرحوم نواب دولہا متخلص بہ تمنا سے فنِ شعر میں تلمذ تھا جو حضرت ناسخ لکھنوی کے شاگرد تھے۔ آپ نواب معتمد الدولہ وزیر غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کے نواسے تھے اور سرکار انگریزی سے ہزار روپیہ سے زیادہ انکو وظیفہ ملتا تھا۔ وقتِ انتقال ورثا میں انکے بھائی نواب مظفر حسین خاں۔ بھتیجے نواب نیاز حسین خاں اور انکی بیوی جو نواب معتمد الدولہ کی پوتی تھیں باقی رہے۔ کانپور میں ابتک انکی فیاضی اور سیرچشمی کے افسانے مشہور ہیں۔ مرضِ ضیق کی وجہ سے زیادہ عمر نہ پائی از حد کمزور ہو گئے تھے۔ کلام یہ ہے

سیف

کیا لطف گرچہ جام سے تلخ پی لیا ۔ ساقی علی سا ہو تو مزا ہے شراب کا

سر تا قدم ہوں داغ کروں کیا بیانِ داغ ۔ سب مل کے ایک ہو گئے گویا نشانِ داغ

گذری باتوں کو یاد کرتے ہیں ۔ دلِ غمگیں کو شاد کرتے ہیں

عنانِ توسنِ عمرِ رواں کو کس طرح روکوں ۔ تری تلوار نے تسمہ نہ رکھا میری گردن میں

وصلِ جاناں کی دمِ مرگ ہوس باقی ہے ۔ یہ غذا ہے اور ابھی چند نفس باقی ہے

وہ نازکی ہے اگر چاندنی میں تو پہ لیٹے
تو تار چادر مہتاب ابھی کمر میں چبھے

سیف

سیف۔ مولوی عبدالحکیم خلف سید عبدالرحیم۔ آپ شاہجہانپور روہیلکھنڈ کے باشندے ہیں مولوی مدن صاحب مشہور مقدس و متبحر عالم کی اولاد میں ہیں جو نواب سعادت علیخاں اودھ کے اتالیق تھے اور جنکی تعریف میں سید انشاء اللہ خاں نے مزاقاً یہ فرمایا تھا ؎

ہزار شیخ نے داڑھی بڑھائی سن کی سی
مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

حضرت سیف کی عربی استعداد معمولی فارسی بہت اچھی ہے۔ ۱۶ برس کے سن میں سخنور باکمال حکیم ضامن علی جلال کے شاگرد ہوئے تکمیل فن سخن اور تحقیق زبان میں عمر کا بڑا حصہ صرف کیا۔ برسوں لکھنؤ میں رہے۔ اُستاد کی خدمت کرتے علمی۔ ادبی نکات کو نقش دل بناتے۔ چندہی روز میں بے مزہ تشبیہوں سے کنارہ کش خشک۔ بے نمک استعاروں سے دامن سخن کو بچانے لگے۔ مضمون کی بلند پروازی حشو و زوائد سے کلام پاک ہو گیا۔ آپ رنگ تغزل کو خوب پہچانتے ہیں ساری غزل پڑھ جائیے معشوق کی توہین کا پہلو کہیں نہیں نکلتا شعر میں رقیب روسیہ کا ذکر غیرت عشق کے خلاف جانتے ہیں جمہور شعرا ایسی احتیاط کو نہیں برتتے۔ آپکا قول ہے کہ "بازاری حسن فروش معشوقوں کے ذکر سے میرا کلام خالی ہے میں اکثر انہیں باتوں کا ذکر کرتا ہوں جو مجھ پر گذر چکی ہیں" ۲۵ مئی ۱۹۰۹ء کو جناب جلال مرحوم نے آپ کو اپنے ارشد تلامذہ اور افضل شاگردوں میں شمار کرنے کا اعلان کیا تھا اور سند مرحمت فرمائی تھی۔ واقعی آپ اکثر اشعار ایسے کہہ جاتے ہیں جنمیں محاورہ کی برجستگی۔ زبان کا لطف اور بے ساختہ پن ہوتا ہے۔ اور آپکے کلام دلفریب میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو شاعری کی جان ہیں۔ آپ کثیر التعداد تلامذہ کے اُستاد ہیں اور کلام طلب کئے جانے پر جو حالات آپکے مشہور شاگرد حسن خاں نے راقم تذکرہ کو بھیجے ہیں انمیں یہ بھی درج ہے کہ جلال کے بہت سے شاگرد آپ کو اپنا کلام دکھاتے ہیں سیف زبان کا جوہر ملاحظہ ہو ؎

اِدھر بالیں سے اٹھکر وہ کسی کا اپنے گھر جانا
اُدھر بیمار غم کا کھینچ کر اک آہ مر جانا

دل مرا اُس رشک یوسف کیلیے دیوانہ تھا
دو جہاں جسکی خریداری کا اک بیعانہ تھا

عشق کا کعبہ سمجھتے تھے مرے دل کو حسیں
میرے ہوتے طور کیوں تو نے پھونکا ہی غضب
اُن کے آنچل کی ہوا نے یہ کیا طُرفہ اثر
ہائے پھر دل میں کسی کی یاد نے لیں چٹکیاں
کیا قیامت ہے کہ اک پردہ نشیں نے روزِ حشر
کچھ تو دل میں سوچئے انصاف کچھ تو کیجئے
خوب تم نے اس دلِ بیتاب کو تسکین دی
کیا اُسے میری شبِ غم کی مصیبت کا خیال
ہم کو جلایا رات دن سوزِ جگر نے کیا کیا
شب کو جو سوئیں چین سے اُنکو ہوا اسکی کیا خبر
ہجر کی سختیاں تو کچھ میرے ہی دل سے پوچھئے
شمع سجدہ ہوئی جو گل بلبلوں کا ہوا ہجوم
رنگ ہو کر پھوٹ نکلا روئے گل سے اے نسیم
ہائے وہ کہنا کسی کا لو ہمیں رخصت کرو
ابھی تو سادگی دیتی ہے جان اُنکے لڑکپن پر
دکھائی خوب قاتل نے کرامت دست و بازو کی
بھلا کیوں ابرِ رحمت نے اٹھائی اسقدر زحمت
میرے پہلو میں کہاں اب دلِ ستم ایجاد دل
کیا ترا اس میں بگڑتا تھا بتا تو اے فلک
اس بت کافر کو بھی دو پھر مجھے بھی نا پسند
شق ہوا جاتا ہے سینہ بس ہٹاؤ اپنا ہاتھ

بت بھی جس پر لوٹ ہوتے تھے یہ وہ بت خانہ تھا
تجکو لازم یہ ستم اے جلوۂ جاناں نہ تھا
ناتوانِ عشق کو اب روز غش آنے لگا
پھر خیال آ گیا کسی کا مجکو تڑپانے لگا
طالبِ دیدار سے پھر وعدۂ فردا کیا
آپ نے مجھکو کہ میں نے آپ کو رسوا کیا
خوب تم نے اس دلِ بیمار کو اچھا کیا
دن چڑھے تک جو دولائی تان کر سویا کیا
اس سے لگی نہ بجھ سکی دیدۂ تر نے کیا کیا
ہجر کے مبتلا کے ساتھ دردِ جگر نے کیا کیا
شامِ الم نے کیا کیا غم کی سحر نے کیا کیا
سیفؔ نیا یہ گل کھلا بادِ سحر نے کیا کیا
بلبلِ خونیں جگر کا گریۂ خونبار صبح
کچھ نمایاں ہو چلے ہیں "سیف" اب آثارِ صبح
خدا رکھے قیامت ہوں گے جب آئینگے جوبن پر
چلی بے پاؤں کے تیغِ جفا بسمل کی گردن پر
برسنے کیلئے کافی تھی حسرت میرے مدفن پر
ہو چکا تیری ہوائے وصل میں برباد دل
دو گھڑی کو شاد ہو جاتا جو اک ناشاد دل
کس کا اب ہو کر رہے یارب مرا ناشاد دل
اب تسلی تم اگر دو گے تو مر جائینگے ہم

آرہے ہیں میری تربت پہ وہ یہ کہتے ہوئے
کون ایسی ناز برداری کرے گا آپ کی

اُنکے سینہ تک جو پہونچا ہی ہمارا دستِ شوق
طُور پر جلنے کی تم نے اے کلیم اچھی کہی

دشمن کا حال غیر اگر ہے تو کیا کریں
لیلیٰ کے دم کے ساتھ ہے محمل کی قدر بھی

تم کو جو ناپسند ہے دل پھینک دو کہیں
تڑپانے سے بھلا کسی بسمل کے فائدہ

وہ کہتے ہیں ملینگے عدو سے تیے ہم ضرور
بولے عدو سے دیکھ کے وہ میرا حالِ زار

کچھ چارہ ہے اضطراب کی اے دل بس اب ٹھہر
ڈُونا بند ہے گا سیفؔ ہماری وفا کا رنگ

روز یوں مر مر کے جینا خود ہی دُوبھر تھا ہمیں
خواہ وہ مُنہ سے نہ بولیں خواہ وہ پوچھیں نہ بات

مل گیا جب دل تو اے پردہ نشیں کیسا حجاب
بس اب آنسو پونچھ ڈالو کوئی روتا ہے بھلا

کبھی دو دو پھول چڑھائے نہ گئے تربت پر
وہ مرے گھر کی تھی رونق لیگئے ہمراہ دل

خنجرِ قاتل سے جب ہر دم کی ٹھہری چھیڑ چھاڑ
باغبانِ گلشنِ عالم سے ہے آشنا گلہ

داورِ محشر کو آخر در گذر کرنا پڑا

آج چل کر اپنے روٹھے کو منا لائینگے ہم
کیجیے گا یاد جب دنیا سے اُٹھ جائینگے ہم

حسرتیں کہتی ہیں اب تو پاؤں پھیلائینگے ہم
کچھ تم آئے دیکھ کر کچھ جا کے دیکھ آئینگے ہم

کس کس کے واسطے ترے دشمن دُعا کریں
جب تم ہو دل سے دُور تو ہم دل کو کیا کریں

جو چیز دے چکے اُسے ہم لیکے کیا کریں
بس آپ دلدہی نہ ہماری کیا کریں

اب اس میں جلنے والے جلیں تو جلا کریں
یہ اب کسی طبیب کی جا کر دوا کریں

کب تک وہ بیٹھے بیٹھے تسلی دیا کریں
دل کھولکر وہ شوق سے مشقِ جفا کریں

تو نے کیوں او بُتِ لبِ جاں بخش سے کوسا ہمیں
روز دل کا حال جا کے اُن سے کہہ آنا ہمیں

اب بہت بے چین کرتا ہے ترا پردا ہمیں
وقتِ رخصت جائیے ہے تمکو سمجھانا ہمیں

یہی الفت تھی تمہیں عاشقِ دلگیر کے ساتھ
اک اُداسی ہے در و دیوار پہ چھائی ہوئی

روتے کٹے پھر زخمِ دل کہتا کہ ہنسی آئی ہوئی
مجھکو اک دل کی کلی دی وہ بھی مرجھائی ہوئی

کیا قیامت کر گئی وہ آنکھ شرمائی ہوئی

تجھ چلا ہے شام ہی سے دل مرا وعدے کی شب	آج ادا سی بے طرح ہے شمع پر چھائی ہوئی
درد بدلوا تا ہے کروٹ اٹھکر جن بیماروں کو	ایسے میں وہ کیونکر دنیا سے اٹھ جائینگے

سیف

سیف ـ مولانا محمد احکم صاحب ساکن انبہٹہ ضلع سہارنپور۔ صدر مدرس عربی مدرسۂ اسلامیہ باڑہ ہندوراؤ دہلی۔ آپ عربی میں کامل استعداد رکھتے ہیں۔ عرصہ دراز سے درس و تدریس میں مشغول ہیں عمر تخمیناً ۶۰ سال کی ہے۔ ۷ ـ ۸ سال سے شاعری کا شوق ہے۔ حضرت نفتنہ سندیلوی عربی میں آپکے شاگرد ہیں لیکن فن سخن میں آپ اُن سے اصلاح لیتے ہیں۔ دہلی میں نوارہ پر جو مشاعرہ ہوا تھا جسمیں یہ طرح تھی ع۔ گری۔ جو بوند ساغر سے بنی تصویر میخانہ۔ مولانا نے بھی اس میں طبع آزمائی فرمائی تھی۔ کلام یہ ہے ؎

لطف کیا آئے آشنائی کا	یہ زمانہ ہے بیوفائی کا
نزع میں روح نے کہا تن سے	وقت اب آگیا جدائی کا
رہکے کعبہ میں بت ہوئے مغرور	کیوں نہ دعوے کریں خدائی کا
ہائے وہ آہ و نالہ و زاری	اُف وہ عالم شب جدائی کا
سیف بہتر ہے اس سے مرجاؤ	کیوں اُٹھاتے ہو غم جدائی کا
نظر بھر کر جمال دخترِ رز کو جب سے دیکھا ہے	مجسم بن گیا ہے شیخ بھی تصویر میخانہ
ہمیشہ وہ سرِ منبر ادب سے نام لیتے ہیں	جناب شیخ کے دل میں بھی ہے توقیر میخانہ
جہاں پر پاؤں رکھا تھا وہاں سر رکھدیا احکم	کہیں کعبہ سے بڑھ کر ہم نے کی توقیر میخانہ

سیف

سیف ـ میر لیاقت علی عرف آغا میاں۔ حیدرآباد دکن میں قیام پذیر ہیں۔ شیفتہ کنتوری سے تلمذ ہے۔ تیز طبع بلیغ فکر ہیں۔ سمجھ بوجھ کے شعر کہتے ہیں۔ نمونۂ کلام یہ ہے ؎

میان سے جلاد کا خنجر نکل کر رہ گیا	آرزومند شہادت ہاتھ مل کر رہ گیا
ناتوانی کا بُرا ہو ناقۂ لیلیٰ کے ساتھ	نجد میں قیس حزیں دو گام چل کر رہ گیا
آنکھ لڑتے ہی جگر میں درد پیدا ہو گیا	یار کے تیرِ نظر کا دل نشانہ ہو گیا

وصل کی شب آبرو رکھلی اجل نے شکر ہے
یار کے جانے سے پہلے میں روانہ ہو گیا

عشق خال یار کی نیرنگیاں دیکھے کوئی
آنکھ کی پتلی بنا دل کا سویدا ہو گیا

کیا بھروسا اب کسی پر کوئی دنیا میں کرے
آنکھ لڑتے ہی کسی سے دل پرایا ہو گیا

سیف

سیف ۔ شیخ صادق حسین متوطن سنبھل ضلع مراد آباد شاگرد منشی حیات بخش رسا مرحوم۔ معمولی فکر ہے۔ یہ انتخاب ہے ؎

تمہارے ہی تو پیمان تھے رقیبوں سے نہ ملنے کے
تمہارے ہی تو دعوے تھے جو باطل ہوتے جاتے ہیں

موت آتی ہے الٰہی کہ عذاب آتا ہے
جان لینے کو مری انکا شباب آتا ہے

دیکھ لے زاہد بصد سالہ مری زندہ دلی
اب بھی پیری میں وہی لطف شباب آتا ہے

تم لاکھ ستم کیجئے جا دستم لاکھ جفائیں
منہ موڑیں وفا سے یہ نہ ہوگا کبھی ہم سے

سیفی

سیفی ۔ سید نادر علیشاہ۔ پہلے ضلع اسکول ہوشیارپور میں مدرس رہے۔ پھر پیسہ اخبار سے تعلق ہو گیا۔ پنجاب کی ابتدائی اخبار نویسی میں مشہور اہل قلم۔ عمدہ مضمون نگار تھے۔ عربی فارسی میں اچھی لیاقت تھی۔ موزوں طبع معمولی شاعر تھے۔ تین شعر دستیاب ہوئے ہیں درج ذیل ہیں

اثر تو اتنا ہو تیری نگاہ مست میں شوخ
کہ میرے اشک سے ہو آہ آتشیں پیدا

ازل سے صاحب اقبال ہوں میں اے سیفی
ہزار چین ہیں بفیض خط جبیں پیدا

مستیٔ شوق میں ہر سرو کو جانا ساقی
سایۂ ابر میں ہر پھول کو مینا سمجھے

سیفی

سیفی ۔ مسٹر ایم اے سیفی خلف مولوی محمد اسمٰعیل صدر مدرس نارمل اسکول آگرہ۔ متوطن میرٹھ۔ اوائل مشق کا کلام ہے۔ مگر پایا جاتا ہے کہ شاعری ورثہ پدری میں ملی۔ صاف ستھرے شعر کہتے ہیں۔ نمونہ فکر یہ ہے ؎

اک نشانی ہے تری درد سوا جان جہاں
سینہ میں اپنے اُسے ہم نے چھپا رکھا ہے

مل گئے حضرت مجنوں تو یہ ہم پوچھینگے
منزل عشق میں جز یاس کے کیا رکھا ہے

دیکھتے ہی وہ مجھے بزم سے اُٹھ جاتے ہیں
رنگ اس درجہ حریفوں نے جما رکھا ہے

سوزِ الفت کا کروں تجھ سے بیاں کیا ہمدم
آگ ہے سینہ میں ایسی کہ جلا رکھا ہے

سیفی

سیفی۔ غلام احمد زمان خاں صاحب تلمیذ افسر اورنگ آبادی۔ روزمرہ صاف۔ تیغ زبان آئینہ کیطرح شفاف ہے۔ روانیٔ طبع یہ ہے۔

صیاد کر رہا ہے گلوں کی حکایتیں
کنجِ قفس میں ہائے عنادل کے سامنے

بیٹھے ہیں ایسے خدمتِ پیرِ مغاں میں ہم
جیسے مرید مرشدِ کامل کے سامنے

وہ بھی تمہارے ناوکِ مژگاں سے ٹوٹتی
پتھر کی سل بھی ہوتی اگر دل کے سامنے

سیفی

سیفی۔ ابو محمد سید حسین صاحب ساکن بیدر علاقہ نظام دکن۔ شاگرد جناب بیدل۔ طبیعت آشنائے ہنر۔ نقشِ فکر باثر ہے۔ محاوروں کو مسخر۔ پری وشانِ معنی کو اپنے قبضہ میں کرتے ہیں۔ نگارشِ سخن یہ ہے۔

دن میں ہزاروں خط انہیں لکھوائے جاتے ہیں
کاغذ کے گھوڑے سینکڑوں دوڑائے جاتے ہیں

حوروں کے گھورنے کا زمانہ نہیں رہا
پائے نگاہ ضعف سے تھرائے جاتے ہیں

ظاہر میں کوئی اُن سے تعلق نہیں مگر
جب آنکھیں چار ہوتی ہیں شرمائے جاتے ہیں

کس درجہ اپنے حسن کی پرداخت ہے انہیں
دو تین روز صدقے اتروائے جاتے ہیں

ناگوار اپنی کسی کو زندگی ہوتی نہیں
ایک ہم ہی ہیں کہ جینے کی خوشی ہوتی نہیں

اُس پری کی فتنہ پردازی کے دیوانے ہیں ہم
سنگ شیشے میں کسی سے جو کبھی ہوتی نہیں

سیماب

سیماب۔ حکیم مولوی سید احمد علی خلف الصدق مولوی سید محمد علی مرحوم۔ سادات بخارا سے ہیں۔ انکے جد امجد مولوی سید عنایت علی مرحوم فتنہ نادر شاہی میں دلی سے رام پور چلے گئے۔ سنہ ۱۲۲۲ھ میں پیدا ہوئے۔ علوم ظاہری و باطنی اپنے عم مولوی سید حیدر علی مرحوم مفتی صدر الدین خاں آزردہ دہلوی۔ حضرت شاہ عبد الغنی مجددی رح۔ حکیم امام الدین خاں دہلوی سے حاصل کئے۔ فن شعر میں ناطق مکرانی او مفتی صاحب موصوف سے تلمذ تھا۔ پچاس برس تک ریاست ٹونک میں ملازم رہے۔ سنہ ۱۳۱۸ھ میں وفات پائی۔ سپہر حامدی۔ روض الریاحین۔ حیوۃ الحیوان

تزک جہانگیری کا ترجمہ کیا تھا۔ فارسی نظم و نثر کا مجموعہ بھی موجود ہے۔ دو مجموعے قصائد کے طبع ہو چکے ہیں۔ اُردو کم کہتے تھے نتیجۂ فکر یہ ہے ؎

عقدۂ رشتۂ امید ہمارا یارب
چین پیشانی خوبان ستمگر ٹھہرا

کل تلک نام سے سیماب کے نفرت تھی انہیں
وعدۂ وصل کہو آج یہ کیونکر ٹھہرا

اُنکو عزم کرم اُسوقت ہوا مجھپہ کہ میں
لذت چاشنی لطف کے شایاں نہ رہا

آتش غم سے نہ یوں دل کو جلاتے جاؤ
تشنہ ہوں شربت دیدار پلاتے جاؤ

بدمزہ ہوکے نہ یوں بزم سے اُٹھو خاموش
پھر جو کہنا ہو ابھی مجھکو سناتے جاؤ

سب سے ملنے کی اگر تم نے قسم کھائی ہے
نقش الفت تو مرے دل سے مٹاتے جاؤ

سیماب

سیماب۔ شیخ عبدالواحد صاحب موضع ٹیڑھی سلطان پور صوبہ اودھ کے رہنے والے تھے آغاز شباب میں تحصیل علم کے لئے لکھنؤ آئے۔ باکمال اساتذۂ لکھنؤ کی تعلیم سے بہرہ ور ہوئے۔ مفتی احسان اللہ ممتاز، قاضی صادق احمد خاں اختر، اور ناطق مکرانی کی فیض صحبت سے پہلے فارسی میں پھر اردو میں طبع آزمائی کرنے لگے۔ میرزا وزیر علی صاحب صبا سے بھی استفادہ حاصل کیا۔ ہنگامۂ غدر نے لکھنؤ کی صحبتیں درہم برہم کردیں۔ یہ بھی جان بچاکر وہاں سے بھاگے عظیم آباد پٹنہ میں مولوی مولا بخش خاں بہادر سی ایس آئی کے سایہ میں پناہ لی۔ پھر گورنمنٹ کی جانب سے امین مقرر ہوئے۔

آپ نے صاف اور سلیس زبان میں اپنے پیران طریقت کا ایک شجرہ نظم کیا ہے جو منظوم شجروں میں بہترین ہے۔ ایک مثنوی سکندرنامہ کے وزن کی فارسی میں لکھی ہے جب گنج مرادآباد میں مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب سے بیعت کی تو شاعری سے توبہ کرلی۔ کلام کو دریا برد کیا۔ مزاج میں رندگی اور دنیا سے بیزاری پیدا ہوگئی تھی۔ توکل، صبر، شکر، رضا میں بسر کرتے تھے۔ ۱۳۱۱ھ میں حج کے ارادہ سے بمبئی گئے۔ مکہ معظمہ پہنچکر قبل از حج انتقال کیا اور وہیں کی خاک کے پیوند ہوگئے۔ کلام جو دستیاب ہوسکا درج کیا جاتا ہے ؎

کیا دعاؤں میں مری تاثیر آدھی رہ گئی
کیوں تو بہ لے بیت سے بیر آدھی رہ گئی

ایک شب افسانۂ فرقت جو میں کہنے لگا — نیند اُن کو آگئی تقریر آدھی رہ گئی
چہرۂ تاباں سے اُلٹی جس گھڑی اس نے نقاب — آسماں پر مہر کی تنویر آدھی رہ گئی
نقشۂ جاناں جو کھچوایا تو یہ نقشہ ہوا — آگیا مانی کو غش تصویر آدھی رہ گئی
ہو کے بیتاب ایک دن شکوہ کیا سیماب نے — بس اسی تقصیر پر توقیر آدھی رہ گئی

چھڑائی جو سکر مستی لب جاں بخش جاناں سے — نشانِ تیرگی میں نے مٹایا آبِ حیواں سے

ہم صبر کریں گے جو وہ بیداد کرینگے — اُنپر کوئی حاکم ہے کہ فریاد کرینگے
اک دن بھی نہ ہم شاد ہوئے وصل بتاں سے — کیا خاک جدائی کے مزے یاد کرینگے

قطعہ

حُسن کی کل خلق پر ڈگری ہوئی — اسلئے یہ آج حکم عام ہے
کوچۂ خوباں میں کر دو مشتہر — کل دلِ سیماب کا نیلام ہے

سیماب

سیماب ۔ تخلص محمد معصوم علی متوطن امروہہ ضلع مرادآباد۔ عمر تخمیناً ۶۰ - ۶۵ سال کی ہے۔ مشاق شاعر ہیں۔ جملہ اصناف سخن پر قادر ہیں۔ تاریخ اور سجع بھی کہتے ہیں مگر افسوس ہے آپکا کلام بھی آپکی لاپرواہی کی نذر ہے۔ ہر چند لکھا اپنا کچھ کلام بھیجدیجئے مگر یہی جواب آیا کہ "میاں ہم کیا اور ہمارا کلام کیا اور بھلا ہیں اس قابل کہاں"۔ ایک زمانہ میں آپ راجہ شیام سنگھ صاحب بہادر اور کنور شیو ناتھ سنگھ رئیس قصبہ تاج پور کے ملازم رہ چکے ہیں۔ عرصہ ہوا کہ وہاں سے قطع تعلق ہو گیا۔ آپنے کنور صاحب کی فرمایش سے ایک مثنوی "جادوئے رواں" بھی لکھی تھی۔ جو گلزار نسیم کی بحر میں ہے۔ اچھی مثنوی ہے اور طبع ہو چکی۔ چند اشعار جو دستیاب ہوئے درج ذیل ہیں۔

قطعہ

کہا یہ خواب میں میں نے کہ اے رفیق ندیم — بتا تو کیوں نہیں آتی ہے مجھ غریب کے پاس
دیا جواب یہ اس نے مجھے کہ اے کم بخت — میں تیرے پاس رہوں یا ترے نصیب کے پاس

کریں سجدہ بتوں کو ہم یہ ہے توقیر پتھر کی — خدائی کرتی ہے شانِ خدا تصویر پتھر کی
درِ کعبہ پہ بوسہ دیتے ہیں سب سنگِ اسود پر — کہاں جا کر لڑی ہے دیکھئے تقدیر پتھر کی

راہ تکتے ہیں تری ہم چشمِ تر کھولے ہوئے — مردمِ آبی ہیں آغوشِ نظر کھولے ہوئے

مثنوی

مہ نو سے صفت میں ابروؤں کی — مہینہ بھر میں اک مصرعہ ہوا ہے
یارب مجھے خامہ رواں دے — فکر سخن شرر فشاں دے
اعجاز کی سربسر ہو تقریر — جادو سے کرے دلوں کو تسخیر
نیرنگ سخن مری زباں ہے — افسون طلسم داستاں ہے
جو لفظ ہو صورت پری ہو — جو نکتہ ہو سحر سامری ہو
خسرو نے زبان فارسی میں — دی داد سخن سخنوری میں
اردو میں لکھوں میں فارسی سے — آئینہ بناؤں آرسی سے
ہو رنگ سخن میں دلبری کا — نقشہ کھینچے خواب میں پری کا
بارے بہزار عجز و زاری — شامل ہوا اسکا فضل باری
خوشۂ گل نارون میں پھولا — خندۂ لب نسترن میں پھولا
مہ پارۂ شب خسف سے نکلا — دُر دانہ کف صدف سے نکلا
دولت کا نیا ستارہ چمکا — اقبال شہی دوبارہ چمکا

[illegible]

سیماب

سیماب ۔ ادیب الشعرا ابو الفخر جناب مولانا مولوی شیخ عاشق حسین صاحب صدیقی وارثی اکبر آبادی۔ آگرہ آپکا مولد اور آپکے آباؤ اجداد کا قدیمی مسکن ہے آپکے والد مولانا محمد حسین مرحوم بڑے پایہ کے بزرگ اور صاحب تصنیف تھے۔ آپ ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے اس حساب سے آپکی عمر اسوقت ۴۲ برس کی ہے آپنے اجمیر شریف میں عربی فارسی انگریزی میں تعلیم حاصل کی۔ پھر حضرت حاجی وارث علی شاہ صاحب ساکن دیوہ کے مرید ہوئے۔ پہلے منشی فسوں شاگرد داغ سے مشورہ کرتے تھے پھر ۱۹۱۰ء میں فصیح الملک میرزا داغ دہلوی سے زانوئے تلمذ تہ کیا اور انکی وفات کے بعد پھر کسی کے سامنے اپنا کلام برائے اصلاح پیش نہ کیا۔ اب آگرہ کے استادانِ فن میں شمار ہے۔ آپ اردو کے مشہور انشا پرداز ہیں اکثر رسائل آپکے مضامین و کلام سے لبریز نظر آتے ہیں۔ ہر قسم کی نظم و نثر لکھنے پر قادر ہیں۔ کئی درامے خونِ بوست بلا، فریبِ وفا آپ کی تصنیف سے ہیں۔ جو شائع ہو چکے ہیں اور مشہور کمپنیوں میں

کھیلے جاتے ہیں۔

اسوقت تک مختلف مضامین کی ۵۰ کتابیں آپکی تصنیف و تالیف سے شایع ہو چکی ہیں جو ہندوستان کے مختلف مطابع میں چھپی ہیں۔ اجمیر شریف میں رسالہ "فانوس خیال" آپکی ارادت میں شایع ہوتا تھا اور اب کئی سال سے آگرہ اخبار کے ایڈیٹر ہیں۔ اطراف ملک میں آپ کے قریبًا ۸۰ شاگرد ہیں اور سلسلۂ تلامذہ روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔

سید محمد صادق صاحب رازؔ چاند پوری شاگرد حضرت سیماب موصوف نے جو حالات راقم تذکرہ کے پاس بھیجے ہیں انمیں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ اکثر مشہور شعرا پوشیدہ طور سے آپ سے اصلاح لیتے ہیں۔ آپ نہایت منکسر المزاج۔ سادہ وضع۔ با اخلاق ہیں اور شہرت و قبولیت کے ہوتے ہوئے بھی جانشینئ حضرت داغ کے مدعی نہیں۔ عمر کا زیادہ حصہ انگریزی دفاتر کی ملازمت میں صرف کیا ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

فطرتاً عاجز طبیعت بن گیا رنگ حیات	عمر بھر سیمابؔ پابند اطاعت ہی رہا

آپکو فن تاریخ میں ید طولیٰ حاصل ہے۔ انجمن اصلاح سخن اور اردو کانفرنس کے سکرٹری رہ چکے ہیں۔ دو دیوان آپ کے پاس غیر مطبوعہ تیار ہیں اور مختلف نظموں کے چار مجموعے مرتب کر رہے ہیں۔ کلام میں درد و سوز و گداز ہے۔ مگر بندش اور تخیل میں اپنے استاد سے الگ ہو جاتے ہیں اور طرز حالی و رنگ اقبال کے درمیان ایک نئی راہ نکالنے میں کوشاں ہیں۔ تغزل میں متانت کو مدنظر رکھتے ہیں۔ بعض بعض شعر نہایت بلند کہہ جاتے ہیں ترکیبوں کے برتنے میں آپ ایک ممتاز ادیب اور سخنور کا پایہ رکھتے ہیں۔ کلام یہ ہے ؎

رات کا جانا و داغ شستۂ و پیمانہ تھا	صبح کا تارا نہ تھا قفل در میخانہ تھا
حسن تنگ آکر بھڑک اٹھا فضا کے طور سے	طالب دیدار کا ارمان گستاخانہ تھا
ڈھونڈتا پھرتا تھا چشم آرزو کی روشنی	میں شب فرقت اندھیری رات کا پروانہ تھا
میری خاکستر سے پیدا تھا جہان آرزو	جو تپنگا دل کے شعلوں سے اڑا پروانہ تھا

کیف اے ساقی ہوا مجھکو نہ پینے کی طرح
کچھ مرے انداز سے چھوٹا ترا پیمانہ تھا

ابتو یہ حال ہے نظرِ سوگوار کا
کیف جمال ہے نہ مزا انتظار کا

گرتی رہی ہیں چشمِ تماشا پہ بجلیاں
ہوتا رہا ہے حسن پہ دھوکا شرار کا

کہتے ہیں جسکو نزع کا عالم جہان میں
پچھلا پہر ہے میری شبِ انتظار کا

دل سرگرانِ حسرتِ دیدار رہ گیا
آنکھوں نے لطف لوٹ لیا انتظار کا

یارب بنا دے شمعِ چمن میری روح کو
جگنو بنا کے بھیج دے شامِ بہار کا

منہ زرد خونِ یاس میں پلکیں بھری ہوئی
عالم تو دیکھئے سحرِ انتظار کا

یہ ناز منفعل یہ ادائیں حجاب کی
منہ ہو تو چوم لوں نگہِ شرمسار کا

سیماب کیا سناؤں میں اپنا کسیکو حال
زندہ ہوں اور شکر ہے پروردگار کا

نامہ گیا کوئی نہ کوئی نامہ بر گیا
تیری خبر نہ آئی زمانہ گذر گیا

ہنستا ہوں یوں کہ ہجر کی راتیں گذر گئیں
روتا ہوں یوں کہ لطفِ دعائے سحر گیا

اب مجھکو ہے قرار تو سب کو قرار ہے
دل کیا ٹھہر گیا کہ زمانہ ٹھہر گیا

یارب نہیں میں واقفِ روداد زندگی
اتنا ہی یاد ہے کہ جیا اور مر گیا

پہنچا دے لاش جذبِ عشق کوئے یار میں
سب ڈھونڈتے پھریں کہ جنازہ کدھر گیا

جان کی جان لی ایمان کا ایمان لیا
مرحبا اے بتِ سفاک ترا کیا کہنا

یوں نہیں کہنا کہ ہوئی ایک جھلک ہوش نہیں
بھید کی بات نہ اے حضرت موسیٰ کہنا

اپنی تعریف سے وہ اور برا مان گئے
اچھی صورت کو بھی اچھا نہیں اچھا کہنا

سچی نہ رہی انکی زباں غیر سے مل کر
جس بات پہ مرتے تھے وہی بات نہیں اب

ہر شوخ کو دعویٰ ہے کہ ہوں رشکِ مسیحا
عیسیٰ نفسی کوئی کرامت نہیں اب

چھپی برقِ تجلی کوند کر موسیٰ تو شکوہ کیا
تماشا تھا باندازِ تمنا رہ گیا ہو کر

یوں ہی ہم تم گھڑی بھر کو ملا کرتے تو اچھا تھا
یہ دونوں وقت جیسے روز ملتے ہیں جدا ہو کر

یقینی حشر میں سیمابؔ کی دید ہے لیکن
وہ پھر پردے میں جا بیٹھے اگر جلوہ نما ہو کر

قیس بنکر پھر نہ اٹھا کوئی خاکِ نجد سے
عاشقی دشوار ہے لیلیٰ وشی مشکل نہیں

جتنے ستم کئے تھے کسی ذی عتاب میں
وہ بھی ملا لئے کرم بے حساب میں

حسرت کو گھر کہیں نہ ملا اضطراب میں
لٹنے کو آ گئی دلِ خانہ خراب میں

اٹھا ہے ابرِ میکدہ دستِ دعا کے ساتھ
اتنی برس پڑے کہ نہالوں شراب میں

آ اے گلِ فسردہ لگا لوں تجھے گلے
تو بھی تو میری طرح لٹا ہے شباب میں

ہر چیز پر بہار ہر اک شئے پہ حسن تھا
دنیا جوان تھی مرے عہدِ شباب میں

رنگ الفت کا حسینوں میں جما دیتے ہیں
آنکھ ملتی ہے تو ہم دل بھی ملا دیتے ہیں

خوش رہیں کوچۂ جاناں میں ہوا کے جھونکے
دل کے ٹکڑے تو مجھے ڈھونڈ کے لا دیتے ہیں

او پردہ دار اٹھ تو نکل آ کہ حشر ہے ۔ دنیا کھڑی ہوئی ہے ترے انتظار میں

جنوں پہنچا بیاباں میں بہار آئی گلستاں میں
یہ دونوں کیوں نہ آ بیٹھے مرے چاکِ گریباں میں

یہ کس کافر نے لیں انگڑائیاں صحنِ گلستاں میں
قیامت جھینپتی پھرتی ہے گلوں کے چاکِ داماں میں

دل نکلیں مداراتِ ستم کی بات رہ جائے
لہو کی بوند بنکر جذب ہو جا نوکِ پیکاں میں

ذرا کھل کر پکارا اے صورِ مجذوبانِ الفت کو
یہ دیوانے کہیں بیٹھے نہ رہ جائیں بیاباں میں

نگاہیں مست ہو ہو کر پڑیں اللہ کے گھر میں
درِ کعبہ پہ کس نے کھینچ دی تصویرِ میخانہ

یہ آنکھیں ساغرِ مے یہ جوانی نشۂ صہبا
خدا رکھے تجھے تو بھی تو ہے تصویرِ میخانہ

کیا ڈھونڈتے ہو مدفنِ بربادگانِ عشق
مٹی کے چند ڈھیر ہیں وہ بھی تباہ سے

گو ہوں ضعیف پھر بھی ترا جاں نثار ہوں
سایہ کہیں گرے تو اٹھا لوں نگاہ سے

اب دل کا حال کچھ نظر آتا ہے اور ہی
کیا جانے تم نے دیکھ لیا کس نگاہ سے

کل جہاں چھاؤنی تھی عشرت کی
اب وہاں حسرتوں کا ڈیرا ہے

انکے دل میں تو ہے خدا رکھے
مجھ سے بہتر خیال میرا ہے

جہاں بیٹھ کر میں نے آنسو بہائے
وہاں موتیوں کی لڑی رہ گئی

روش دیکھکر تری رفتار کی
قیامت کھڑی کی کھڑی رہ گئی

نکلی مرے دل سے تصویر یار
یہ مورت حرم میں جڑی رہ گئی

حیرتِ جلوہ گری مُہرِ لبِ خاموش ہے
آنکھ محوِ دید تھی اتنا مجھے بھی ہوش ہے

آہ دنیا دل سمجھتی ہے جسے وہ دل نہیں
پہلوئے ہستی میں اک ہنگامۂ خاموش ہے

پوچھتا کیا ہے حقیقت لذتِ دیدار کی
کھو گئے خود ہی ترے جلووں کا کسکو ہوش ہے

قصرِ کسریٰ۔ چترِ دارا۔ تختِ نادر۔ بزمِ جم
ہائے وہ عالم جو زیرِ زمیں روپوش ہے

تیری زلفیں بھی نکلی تھیں سوادِ حسن سے
حسرتِ آوارہ جب سے خانماں بردوش ہے

جوش پر ہے جلوۂ مستانۂ عہدِ شباب
او نشیلی آنکھ والے کچھ تجھے بھی ہوش ہے

کششِ دل انہیں چلمن میں تو لے آئی ہے
آ گئے اب حوصلۂ چشمِ تماشائی ہے

دیکھئے خلد میں سیماب کی راحت طلبی
زانوئے حور پہ کیا چین سے نیند آئی ہے

نوائے دردِ شامِ غم نہ کیوں اندوہ گیں ہوتی
یہی ہوتی ہے دیپک راگ جسمیں لے نہیں ہوتی

گواہی خون کے چھینٹوں سے محشر میں نہ دلوائی
خدا کے سامنے کیا ہاتھ بھر کی آستیں ہوتی

میں گنتے گنتے بھول گیا اپنے سب گناہ
یاد آگئی ترے کرمِ بے حساب کی

تنہائیوں میں وہ تری ہمراہیٔ خیال
وہ جنگلوں میں سیرِ شبِ ماہتاب کی

کچھ ناز سے خراب کیا کچھ نیاز سے
دنیا میں لوٹ ہوگئی اُنکے شباب کی

یہ کس نے شاخِ گل لاکر قریبِ آشیاں رکھدی
کہ میں نے شوقِ گل بوسی میں کانٹوں پہ زباں رکھدی

تجلی رخِ روشن نے مرے دل میں نہاں رکھدی
اندھیری کوٹھری میں تم نے یہ بجلی کہاں رکھدی

خلوصِ دل سے سجدہ ہو تو اُس سجدے کا کیا کہنا
وہیں کعبہ سرک آیا جبیں ہم نے جہاں رکھدی

ڈھونڈ لے اے فطرت کسیکو دلربائی کیلئے
جی ترستا ہے مذاقِ آشنائی کیلئے

بھیک کے ٹکڑوں میں شاید دل کی کچھ کڑیاں ملیں
روز لُٹنے در پہ جاتا ہوں گدائی کیلئے

کہانی کہنے والے ہائے کیوں ذکرِ جوانی ہے
جوانی کی کہانی کیا جوانی خود کہانی ہے

مریضِ غم سے وعدہ کر گئے وہ پانچویں دن کا
کسی سے سن لیا تھا چار دن کی زندگانی ہے

سرِ مدفن وہ پھر آئے ہیں مٹانے مجھکو
جمع کر دے مرے اجزائے پریشاں کوئی

باغباں تختۂ گل جا بیچ سے کلیاں گن لے
وہ گیا پھاند کے دیوارِ گلستاں کوئی

موجزن کیا آفتابِ صبح پیمانے میں ہے
آج کچھ بھیگی ہوئی سی دھوپ میخانے میں ہے

اک بلا ہو جائیگی اُڑتے ہی شیشہ کی پری
یہ سنہری رنگ پیمانے ہی پیمانے میں ہے

مجھ سے پوچھ اے قیس اب خیریتِ جوشِ جنوں
تیرے ویرانے میں تھا اور میرے ویرانے میں ہے

سیر ہو نیت تو دیتا ہے خدا بھی برکتیں
جتنی پی لی ہے ابھی اتنی ہی پیمانے میں ہے

کب تک دلِ مایوس کو برباد کرینگے
اب ہم تری امید سے فریاد کرینگے

صیاد قفس لیکے نہ جا صحنِ چمن میں
مرغانِ چمن دیکھ کے فریاد کرینگے

کعبہ ہی پہ موقوف نہیں ضد ہے بتوں کو
جس گھر میں رہینگے اُسے برباد کرینگے

فریاد کی محشر میں نہ رکھ ہم سے توقع
جلوے ترے لوٹینگے کہ فریاد کرینگے

اے خدائے عشق دے ناز و نیاز ایسا مجھے
میں تجھے سجدہ کروں اور بُت کریں سجدہ مجھے

طور پر چڑھنے کا کیا دیگا یدِ بیضا ثبوت
حضرت موسیٰ دکھائیں پاؤں کا چھالا مجھے

صبح تک کیا کیا تری امید نے طعنے دئے
آ گیا تھا شامِ غم اک نیند کا جھونکا مجھے

ہو گیا میں ہم کنار اُن سے ہجومِ حشر میں
لوگ کہتے ہی رہے ایسا مجھے ویسا مجھے

دیکھتے ہی دیکھتے دنیا سے میں اُٹھ جاؤنگا
دیکھتی کی دیکھتی رہ جائیگی دنیا مجھے

وہ انقلاب جو دنیا کو لوٹ سکتا ہے
ترے اشارۂ برہم کی راہ تکتا ہے

تصورات کی خلوت میں کر تلاش اُسکو
تحیرات کی دنیا میں کیوں بھٹکتا ہے

تجھے نہ دیکھ سکوں میں تو کچھ ملال نہیں
یہی بہت ہے کہ تو مجھکو دیکھ سکتا ہے

دینا مجھے فریب نویدِ حیات تم
جب لوگ جائیں میرا جنازہ لئے ہوئے

سیماب ۔ عبد العزیز خانصاحب شاگرد حضرت عبہر شاہجہانپوری ۔ آپ رنگین فکر ہیں ۔ چلبلی طبیعت

یائی ہے، یہ کلام ہے سے

کسی کا ناوکِ مژگاں سوئے جگر آیا
مریضِ غم کی خبر لینے چارہ گر آیا

اجل جو آئی شبِ ہجر میری بالیں پر
یہ محوِ شوق تھا سمجھا وہ فتنہ گر آیا

وہ لا علاج مرض ہوں مجھے کہ بالیں پر
اجل کے بھیس میں آیا جو چارہ گر آیا

کچھ آج ہی نہیں سودا تمہاری زلفوں کا
ازل سے لیکے مرا سر یہ دردِ سر آیا

عدو کا دل نہ ہو سیماب کس لیے بیتاب
کہ آج شام سے مہماں وہ میرے گھر آیا

سبو و دختِ رز کے طالب و یار جمع ہیں
میلا لگا ہے پیرِ مغاں کی دکان پر

بوسوں کے نیل میرے ہی رخ پر تو ہیں حضور
میں ہی گیا تھا رات عدو کے مکان پر

ش

شاد — منشی للتا پرشاد صاحب ورما میرٹھی۔ آپ اخبار ناظم الہند کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔ اُردو زبان اور علم ادب کی خدمت کا شوق ہے۔ انکے تحقیق الفاظ کی تحقیقات۔ محاورات کی چھان بین پر اکثر مضامین نکل چکے ہیں انہوں نے زبان کی اصلاح کیلئے اجمیر میں ایک انجمن بھی قایم کی تھی۔ مگر شعرا و انشا پردازوں کی بے توجہی سے اسکا عدم وجود برابر ہوگیا۔ ذہن میں چلتی ہوئی طبیعت کے انسان ہیں۔ ذوق سلیم رکھتے ہیں غزل گوئی کو ہوس پرستی کے خیالات سے بچاتے ہیں۔ آج سے چار برس پہلے اجمیر کے مشاعرے انکے دم قدم سے رونق پر تھے۔ کلام یہ ہے ؎

ہم نہ مجنوں ہیں نہ وحشی ہیں نہ سودائی ہیں
پھر ہمارے لئے زنجیرِ مصیبت کیا ہے

کیوں ہوا ہاے مکدر دلِ صافی تیرا
خاکسارانِ جہاں سے یہ کدورت کیا ہے

زلف چوٹی کا تصور ہے بتوں کا ہے خیال
گر یہی یادِ خدا کی ہے تو وحدت کیا ہے

اے زمانہ تری آنکھوں پہ ہے پردا کس کا
دیکھ اوروں کی ترقی کو یہ غفلت کیا ہے

کیسی آفت ہے کہ بن آئی مرے جاتے ہیں
موت کیوں آئی نہیں اسکی ضرورت کیا ہے

چشم امید ہے اب تیرے کرم کی نگراں
اپنے اعمال پہ ہم روئیں تو رحمت کیا ہے

صبر کر شاد ذرا دیکھ تو کیا ہوتا ہے
یہ زمانہ ہی بدل جائے گا عجلت کیا ہے

شاد — منشی کالکا پرشاد ولد منشی گلزاری لال فایق قوم کایستھ سکنہ رام نگر ضلع بریلی کے قدیم ساکن ہیں ہنر مندی اور علم پرستی اپنے بزرگوں سے ورثہ میں پائی ہے سنہ ۱۸۶۱ء کو پیدا ہوئے سنہ ۱۸۸۰ء میں انگریزی تعلیم پر توجہ فرمائی۔ ۱۹ سال کی عمر میں سید برعلی اختر سے فارسی تعلیم کی تکمیل کی اسکے بعد ریاست کوٹہ میں سب سے پہلے محکمۂ بندوبست کے ملازم ہوئے سنہ ۱۹۱۲ء میں پولٹیکل ایجنٹی ہاروتی کوٹہ میں محافظ دفتر تھے منشی افضل حسین ثابت نے جو آپکے دوست ہیں جنکی غزلیں بھیجی تھیں انکا انتخاب پیش کش ناظرین ہے ؎

گمان ہے عارضِ پُرنور پر جو زلفِ پیچاں کا — یہ ہوگا دودِ آہ دل کسی خاطر پریشاں کا
فسردہ دل ہوا اپنا کہاں اب جوش وہ باقی — ملے وہ خاک میں آنسو گماں تھا جن پہ طوفاں کا
کہاں اظہار کیجے شاد اپنے دل کی وحشت کو — خیال آتے ہی ویراں ہو گیا گھر بھی بیاباں کا

الفتِ کاکل نے پابندِ مصیبت کر دیا — کس خوشی سے میں پھنسا ہوں خانۂ زنجیر میں
نے گلہ گردوں کا ہے نہ شکوۂ صیاد ہے — تھا مگر کنجِ قفس لکھا مری تقدیر میں

شکوۂ جور و ستم پر ہے جواب انکا شاد — سبھی کچھ ہوگا اگر آپ کو چاہت ہو گی

ویرانۂ دل کو کبھی آباد کرینگے — یا خاک کو میری یوں ہی برباد کرینگے
ہے شکوۂ بیداد عبث ای دلِ مضطر — کیا کیا نہ ابھی یہ ستم ایجاد کرینگے
ہے عار مرے نام سے مذکور سے نفرت — مرنے پہ بھلا خاک ہمیں یاد کرینگے

نہ کھولے مرنے پر صیاد نے پر — مری جانب سے اتنا بدگماں ہے

تحریرِ مقدر کی مٹائی نہیں جاتی — بگڑی ہوئی تقدیر بنائی نہیں جاتی

نہ گھبرا آبلہ پائی سے اے دل — رہِ مقصود کی منزل کڑی ہے

الجھن ہے۔ انتظار ہے۔ دل بیقرار ہے — آتا ہے کون کس کا تجھے انتظار ہے

دشمنِ جاں نہ بنے یہ ہی غنیمت سمجھو — دوست دنیا میں بھلا شاد کہاں ہوتا ہے

شرمندہ برق ہے ترے دنداں کے سامنے — گوہر بھی گوشہ گیر صدف سے حجاب سے

شاد۔ لالہ کالی پرشاد صاحب سندیلوی شاگرد منصب علی سہنر مرحوم طبیعت رسا فکر صائب ہے عرصہ سے شعر کہتے ہیں تقریبًا پچاس سال کی عمر ہو گی کلام میں متانت ہے طبیعت معنی یاب نتیجۂ فکر یہ ہے ؎ شاد

عید میں عید ہوئی عیش کا ساماں دیکھا — دیکھکر چاند جو منہ آپ کا اے جاں دیکھا

دمِ اخیر ہے دکھلا کے شکل جلد ہٹو — مریضِ عشق کا اب غیر حال ہوتا ہے
زباں سے کیا کہوں صورت سوال ہی میری — سکوت ہی سے کچھ اظہار حال ہوتا ہے
بگاڑتا ہے بناتا ہے بار بار فلک — نہ بدر چہرہ نہ ابرو ہلال ہوتا ہے

شاد

شاد - ہز اکسلنسی راجہ راجایان مہاراجہ بہادر سر کشن پرشاد صاحب یمین السلطنت جی۔ سی۔ آئی۔ ای جی۔ سی۔ آئی۔ ای پیشکار سابق مدار المہام سرکار عالی نظام دکن تلمیذ حضرت آصف غفران مکان۔ آپ کی ولادت ۲۸ جنوری ۱۸۶۴ء میں ہوئی۔ آپ دکن کے ایک معزز مہری کھتری نامی خاندان کے سرپرست و رکن اعلیٰ ہیں۔ رائے مولچند جو آصف جاہ اولیٰ کے ہمرکاب دکن گئے تھے اس خاندان کے بانی ہیں وہ کشتر کرورگیری کے عہدہ پر ممتاز کئے گئے تھے۔ مہاراجہ چندولال بہادر بھی آپکے خاندان کے ایک مشہور و معروف رکن تھے جن کے زمانہ میں پیشکاری کا عہدہ موروثی قرار دیا گیا۔ نواب سکندر جاہ نظام الملک کے زمانہ میں ۱۸۰۶ء سے ۱۸۲۵ء تک جمیع مہام سلطنت کو پیشکاری کے عہدہ پر ممتاز رہ کر انجام دیتے رہے۔ پھر مہاراجہ متوفی کے بعد انکے پوتے راجہ ناراین پرشاد ملقب بہ مہاراجہ نرندر بہادر ۱۸۸۴ء میں بعد انتقال سر سالار جنگ منصرم مدار المہام رہے

مہاراجہ موصوف کے بعد مہاراجہ کشن پرشاد بمنظوری حضرت آصف جاہ سادس غفران مکان انکے جائز جانشین قرار دئے گئے اور اپنے نانا مہاراجہ نرندر بہادر کیطرح بمرتبہ اولے خدمت موروثی پیشکاری دولت آصفیہ سے ممتاز ہوے ۱۸۹۳ء سے ۱۹۰۱ء تک وزیر فواج کی خدمت کو انجام دیا اور یہی حسن خدمت اس ترقی کا باعث ہوا کہ ۱۹۰۱ء میں حضرت آصف غفران مآب نے مستقل خلعت مدار المہامی اور خطاب یمین السلطنت سے سرفراز فرمایا ۱۹۰۳ء میں گورنمنٹ آف انڈیا کیطرف سے دربار دہلی کے موقع پر کے سی۔ آئی۔ ای کا خطاب عطا ہوا اور ۱۹۱۰ء میں بزمانہ لارڈ منٹو جی سی۔ آئی۔ ای کا خطاب مرحمت ہوا

مہاراجہ کشن پرشاد صاحب نے علاوہ خانگی تعلیم کے نظام کالج حیدرآباد میں تعلیم پائی انگریزی۔ اردو۔ فارسی عربی۔ گورکھی۔ ہندی سنسکرت میں نوشت و خواند کر سکتے ہیں۔ مرہٹی تلنگی اتنی جانتے ہیں کہ بات چیت سے مفہوم کو سمجھ لیتے ہیں مختلف علوم و فنون میں تقریباً ۳۲ کتابیں تصنیف و تالیف کر چکے ہیں اور یہ سب شایع ہو کر شائقین سے

سند قبولیت حاصل کر چکی ہیں آپ نے اپنی مجمع الصفات ذات سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ امراء کے واسطے صرف ظاہری شان و شوکت ہی کافی نہیں ہے بلکہ جامع العلوم اور کامل الفنون ہونا بھی انکی شایان مرتبت ہی علمی ذوق و شوق تو آپکی فطرت میں پیشتر ہی سے تھا اگر کاروبار سلطنت سے سبکدوش ہونے پر آپ اپنا عزیز وقت مشاغل علوم و فنون ہی میں صرف فرماتے ہیں۔ طب یونانی۔ موسیقی۔ نجوم و رمل۔ خوشنویسی۔ مصوری۔ نقاشی میں بھی کامل دستگاہ حاصل ہے۔ فن سپہگری میں بھی مہارت رکھتے ہیں۔ گو قوم کے کھتری ہیں لیکن مذہب صوفیانہ مسلک صلح کل ہے بغض و تعصب کے ناپاک گرد و غبار سے آپ کا دامن بالکل معرا اور آپ غیبت و بدگوئی سے مبرا ہیں۔ ہر مذہب و ملت کے علماء فقراء سے محبت رکھتے ہیں۔ نکات طریقت رموز معرفت سے ذوق آشنا ہیں۔ سادگی پسند فقیر دوست درویش پسند ہیں راجہ ٹوڈرمل ٹنڈن وزیر اکبر اعظم سے آپکے بزرگوں کی کچھ قرابت بھی تھی۔

آپکے صاحبزادے راجہ ارجن کنور عرف راجہ خواجہ پرشاد سلمہٗ آپکے ولی عہد ہیں۔ آپ نے تمام اطراف و اکناف ہندوستان کی اچھی طرح سیر کی ہے۔ ارباب کمال مثل ظہیر دہلوی سرشار لکھنوی اور جلیل آپ کے دامن دولت سے وابستہ رہے ہیں۔ راقم تذکرہ سے آپکے تعلقات نہایت شگفتہ ہیں۔ اکثر نوازش ناموں سے نہیں مہر و اخلاق کے دفتر کھلنا زیبا ہی ممتاز فرماتے رہے ہیں۔ دکن میں ہنگام قیام مولف تذکرہ مہاراجہ بہادر نے مسافر نوازی کے مراسم اس برادرانہ انس اور وضعداری سے برتے کہ مولف انہیں تا دم زیست فراموش نہیں کر سکتا۔ فن شاعری میں محاسب دفتر سخن ہندس خیالات نو و کہن ہیں۔ کہیں جذبات فطرت کہیں گل و بلبل کا ذکر کرتے ہیں فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں فکر کرتے ہیں ذہن رسا گردوں پیما ہے طبع بلیغ بحر آسا ہے نغمہ معنی طربناک ہی شعر حشو و زوائد مغلق ترکیبوں ناگوار تعقید دل سے پاک ہی۔ نہ غلط محاورات ہیں نہ بے جوڑ تشبیہات۔ متانت شوخی کلام کی جا ہی جہیز فصاحت اور پاکیزگی سو جان سے قربان ہیں۔ شعر میں تصوف کے مسائل بیان کرتے ہیں گلگونہ الفاظ

سے مضامین کے چہرے نکھرتے ہیں۔ رنگینیٔ سخن میں جادو کی تاثیر ہے ہر شعر سامری کی تصویر ہے نظام مرحوم سے جو خصوصیت و محبت آپ کو تھی اسکی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ حضور محبوب علیخاں نے آپکو تلمیذ شاہی کا شرف بخشا جو الامر یہ ہے کہ وہ انسے بالکل عزیز داری کا برتاؤ کرتے تھے سلاطین کی شاگردی کا فخر بھی بڑی مشکل اور قسمت سے ہاتھ آتا ہے۔ الغرض مہاراجہ صاحب موصوف کو خدا نے بڑتر نے ہر طرح نوازا ہے۔ امارت کے اعتبار سے بھی آپ سفر رئیس ورفن کے خیال سے بھی زبردست اور جید شاعر ہیں۔ انتخاب کلام نذر ناظرین ہے۔

دادخواہان ستم کا وہیں جی چھوٹ گیا
جب طرف دار ترا داورِ محشر نکلا

درِ محبوب پہ حاصل ہیں گدائی کے مزے
شاد منت کش ارباب دول کیا ہوگا

ناامیدی کے قدم پیچھے سٹے جاتے ہیں
ہاں مگر اسکا تقاضہ ہے کہ چل کیا ہوگا

آصف کی مہر سے مری رتی بلند ہے
ذرہ سے آفتاب خدا نے بنا دیا

قطرہ قطرہ مل کے اک دن قا دریا ہوگیا
اسقدر آنسو بہے طوفان برپا ہوگیا

زندگی بھر لاکھ سوئے فرشِ تاقم پر کوئی
قبر میں جاتے ہی مٹی کا بچھونا ہوگیا

چشم مستِ یار دیکھی ہوگئی حالت خراب
بے پئے بھی مفت میرا نام رسوا ہوگیا

خانہ زادِ شاہ تھا اور ہوگیا شاگرد بھی
شاد شادانؔ[۱] سے فزوں تیرا نصیبا ہوگیا

آتا نہ تھا خیال بھی وحدت میں غیر کا
کثرت میں آکے طالب دیر و حرم ہوا

کس زمانہ میں مجھے غم سے سروکار نہ تھا
کون سے روز مجھے رنج کا آزار نہ تھا

اے فلک تونے ستم ڈھائے ہیں لاکھوں مجھ پر
اس سزا کا تو کسی طرح سزاوار نہ تھا

مجھے اس گلشنِ عالم میں ملا کب آرام
پھول اس باغ کا کب حق میں مرے خار نہ تھا

یہ ستم ڈھائے گئے کس لئے مجھ پر اے چرخ
کیا کوئی اور محبت کا گرفتار نہ تھا

ہائے رہ غنچہ ہوا بادِ خزاں سے پامال
جو نسیم سحری سے بھی تمسر دار نہ تھا

[۱] سورۂ اعلیٰ مہاراجہ چندولال شاداں تخلص کیطرف اشارہ ہے۔

باعث جاہ و حشم شاد کے ہیں آصف جاہ
ورنہ دنیا سے اُسے کوئی سروکار نہ تھا

دل پھنسا تیرے دام گیسو میں
کوئی رستہ نہیں رہائی کا

بڑھتا جاتا ہے واں غبار دل
خاک موقع رہا صفائی کا

[illegible]

تم رشک مہ و مہر اگر ہو تو کریں کیا
روشن تو کرو آکے سیہ خانہ کسی کا

غیرت کا تقاضا ہے جواں مردوں سے ای شاد
احسان نہ لے ہمت مردانہ کسی کا

زیر نگیں ہو ہند مرے بادشاہ کا
پایہ بلند ہو شہ گردوں پناہ کا

وہ قتل کرکے کہتے ہیں ہنسکر رقیب سے
کشتہ ہے یہ غریب کسی کی نگاہ کا

دنبالہ دار آنکھ میں سرمہ لگا نہ تو
ظلمات کو بھی رشک ہے چشم سیاہ کا

رحمت بڑھی ہوئی ہے گنہ بخشے جائینگے
دریا میں کیا شمار بھلا برگ کاہ کا

اے عشق متاع صبر تو نے لوٹا
اور سنگ الم سے دل کا شیشہ توڑا

بدنام ہوئے کھو دیا ننگ و ناموس
رسوا ہوئے گھر بار سب اپنا چھوڑا

تو مال کو کہتا ہے کہ یہ سب ہے میرا
تیرا نہیں کس وہم نے تجھکو گھیرا

جب سر پہ اجل آئیگی اُسدم اے شاد
رہ جاوے گا سب یہیں یہ "میرا تیرا"

ایک روز جہان سے ہمقدم ہونا ہوگا
اس جان عزیز کو بھی کھونا ہوگا

کیا خاک لحد میں ہوگا اپنا بستر
مٹی کے فرش پہ بچھونا ہوگا

دیکھا جو جہاں میں وہ پایا ہمہ ہیچ
کیا ثروت و دولت یہ بہر دستہ ہمہ ہیچ

دل بستگی اس سے تو نکرنا اے شاد
دنیا ہمہ ہیچ است و کار دنیا ہمہ ہیچ

اے شاد یہ آب و آتش و خاک و باد
ان چاروں سے اپنے جسم کی ہے بنیاد

آجائے مزاج میں جو فرق انکے کبھی
ہوجائے نہ کیوں وجود خاکی برباد

اے شیخ ہے یاں ترک خودی عین عبادت
مشتاق کا مشرب ہے جدا آپکا دین اور

عیاں ہے چار طرف میرے یار کا جلوہ
نماز پڑھتے ہو کیوں شیخ قبلہ رو ہوکر

نشانے پر ترا ہر تیر اے ناوک فگن آیا
رہا کوئی جگر میں کوئی دل میں مہماں ہو کر

مر گیا پر نہ گئی حسرت و یاس و اندوہ
کس ڈھٹائی سے ہیں دل میں مرے مہماں اب تک

اب جواں ہو کے بھی ہے وصل سے تجھکو انکار
بھولی باتیں نہیں جاتیں تری ہاں اب تک

وہ دل لیکر یہ کہتے ہیں بصد ناز
خدا سے مانگ لو اک دوسرا دل

یہ ہیں معشوق یا قزاق یا رب
ہمارا دن دہاڑے لٹ گیا دل

دوزخ جسے کہتے ہیں ہے وسواس کا نام
جنت سے مراد ہے سکون و آرام

آرام و سکون اسی کو حاصل ہو شاد
توحید کی مے کا جو کوئی پی لے جام

روز ہوتا ہے وعدۂ فردا
روز روز شمار کی باتیں

کوئی گریاں ہے کوئی ہے خنداں
یہی ہیں روزگار کی باتیں

مختصر زندگی ہماری ہے
کرو سب اختصار کی باتیں

ایسا نہ سمجھ تو کہ غرض مند ہیں سارے
جانباز محبت بھی مری جان محبت ہیں

خانۂ دل کعبہ ہے یہ کوئی بت خانہ نہیں
بے دھڑک آ جاؤ اس میں کوئی بیگانہ نہیں

آنکھ سے اس نے ملائی آنکھ کیفیت ہوئی
یہ نشیلی آنکھ ہے پر مے سے پیمانہ نہیں

عین مستی میں بھی رہتا ہے اسے پاس ادب
ہاں بڑا ہشیار ہے کچھ شاد دیوانہ نہیں

بادۂ خم خانۂ توحید کا مے نوش ہوں
چور ہوں مستی میں ایسا بیخود و بیہوش ہوں

گر دھرنے دے مجھے ساقی یہ میرا فرض ہے
مثل ساغر دور میں ہوں بادہ سرجوش ہوں

سب کی سن لیتا ہوں لیکن جی کی کرتا ہوں مدام
گرچہ ہوں سامع مگر نارسائے گوش ہوں

دردمند عشق ہو کر ضبط کا خوگر ہوں میں
صورت سیماب ہو کر پیکر خاموش ہوں

دیکھتا ہوں آپ اپنے میں تماشا میں ترا
پا گیا ہوں سر وحدت اور حقیقت کوش ہوں

کس کی فرقت وصل کسکا اور ہے معشوق کون
شاد میں اس عالم تکویں سے ہم آغوش ہوں

منتظر ہوں عاشق الٰہی ہوں میں
توحید کے راستہ کا راہی ہوں میں

روشن رہیگا ہمیشہ عرفان کا چراغ
سمجھو نہ چراغِ صبح گاہی ہوں میں
مجنوں جسے کہتے ہیں وہ دیوانہ ہوں
شمعِ رخِ پرنور کا پروانہ ہوں
ہاں اک نظرِ لطف ادھر بھی ساقی
اس چشمِ سیہ مست کا مستانہ ہوں

وہ عیش کہاں اور وہ دلآرام کہاں
وہ بزم کہاں اور مئے و جام کہاں
سب ٹھاٹ گیا یار کے جانیکے ساتھ
اب چین کہاں اور وہ آرام کہاں

تلاشِ یار میں ہے خاک اپنی سرگرداں
بھٹکتے پھرتے ہیں ہر دشت میں غبار سے ہم

نہ کیوں وہ دن مجھے ہو عید قرباں
ترا خنجر ہم آغوشِ گلو ہو

فنا فی الذات میں ہو جاؤں یارب
جدھر دیکھوں ادھر بس تو ہی تو ہو

ان کی تصویر کلیجہ سے لگا رکھتا ہوں
حرزِ جاں ہے یہ مرے دل کے بہلنے کیلئے

میں نے پوچھا کہ رقیبوں سے بڑھایا کیوں ربط
ہنسکے بولے ترے رستے ترے جلنے کیلئے

کہتے ہیں جادو جسے وہ ہے حسینوں کی نگاہ
حسن کہتے ہیں جسے وہ نسخۂ اکسیر ہے

پھل سب کو ملا ترک تری تیغ کے قرباں
محروم رہوں کیوں میں کوئی وار ادھر بھی

یہ شرمیلی نگہ تیری جگر کے پار کیسی ہے
حیا پرور اگر ہے پھر غریب آزار کیسی ہے

خانہ زاد اور وزیر اور ہو شاگرد نظام
شاد سچ پوچھو تو تم ہو بڑی قسمت والے

نہیں مجھ سے ممکن علاجِ محبت
مسیحا مرا درد ہی لا دوا ہے
مگر کیا کرے کوئی تدبیر کیا ہو
کہ تقدیر سے زور کس کا چلا ہے

ہوں میں دربان شاہِ آصف جاہ کا
بادشاہی سے یہ دربانی مری
میں شہ آصف کا ہوں شاگرد شاد
شاعری کیا ہے یہ سلطانی مری

نزع میں بھی یار کا دل سے نہیں جاتا خیال
بیخودی میں یہ ہماری ہوشیاری دیکھئے

نغمہ سے بھاگتا ہے جو زاہد سبب یہ ہے
انکو سنائی دیتی ہے آواز صور کی

باغِ فردوس تو میراث ہے ہم رندوں کی
شیخ جی نیکے بڑے آئے ہیں جنت والے

لاکھ امید دلائی ترے وعدے نے مگر
مرنیوالے کو جو تھے جان کے لالے پڑ گئے

مر تیغ ابرو کا ہے کیسا زخم کاری دیکھئے
یہ تڑپ دل کی یہ رنگِ بیقراری دیکھئے

ہم کیا بتائیں مرنے کو تیار کیوں ہوئے
فرمایئے تو آپ ستمگار کیوں ہوئے

سچ ہے مثل کہ جانتے والی کی موت ہے
شامت ہماری محرمِ اسرار کیوں ہوئے

مشکل نہیں ہے عشق تو پھر اے دلِ حزیں
آسان تھے جو کام وہ دشوار کیوں ہوئے

کہتے ہیں برملا مجھے کافر جو مومنیں
کیا دوں جواب حجتِ باطل کے سامنے

جگر میں درد سوزش قلب میں خونبار آنکھیں ہیں
ہوا ہے ہمکو یہ حاصل بتوں کی آشنائی سے

اجازت باغ میں گر آشیانے کی نہیں دیتا
تو پھر کنجِ قفس صیاد بہتر ہے رہائی سے

شاخِ گل پر سو رہی ہے عندلیب
باغباں چلّا نہ تو آواز سے

مرگئے خاک ہوئے دل کے یہ چھالے نہ گئے
خارِ حسرت وہ چبھے تھے کہ نکالے نہ گئے

داستانِ زندگانی انکی اب افسانہ ہے
بزمِ عالم حضرتِ آدم کا ماتم خانہ ہے

ہے تغیر ہر زماں لازم زمانے کے لئے
کل کے دن آباد جو تھا آج وہ ویرانہ ہے

کر نظر ہمت پہ اپنی ساقیا مجھکو نہ دیکھ
دل جو میرا ہے وہ اک ٹوٹا ہوا پیمانہ ہے

غیر کا اسمیں گذر ہونے ہے بہت دشوار بات
شاہ کا یہ دل نہیں ہے یار کا کاشانہ ہے

جیتے جی مرتے ہیں تجھ پر ترے مرنے والے
یوں گذر جاتے ہیں ہستی سے گذرنے والے

خود بخود آپ مرے دل میں اتر آئے ہیں
ایسے نقشے نہیں پانی سے اترنے والے

وعدہ کر کے بھی وہ انجان ہوئے جاتے ہیں
ایسے دیکھے ہی نہیں ہم نے مکرنے والے

رباعیات

ہر جائے عیاں نورِ احد پیدا ہے
ہر ذرہ میں قدرتِ صمد پیدا ہے
بحرِ وحدت ہے کیا محیط و ذخار
ہر موج سے اسکی جزر و مد پیدا ہے

گھر سے جو چلے جا کے لحد میں پہونچے
ہم ہو گئے فنا دار ابد میں پہونچے
دریا سے نہیں شاد جدا کچھ یہ حباب
چلتے چلتے سب اپنی حد میں پہونچے

پیری میں ہے حسرت جوانی باقی
طاقت وہ کہاں ہے ناتوانی باقی
پھر آتی نہیں ہے عمر رفتہ اے شاد
رہتی ہی نہیں حیات فانی باقی

چکر ہے زمیں کو آسماں پھرتا ہے
اے شاد تو در بدر کہاں پھرتا ہے
راستی افتخار قدر انساں ہے
قسمت سے ترے ساتھ جہاں پھرتا ہے

قطعات

شادی سے یا غمی سے زمانہ میں ہو بسر
انسان کے لئے جو ازل سے ٹھہر گئی
وہ ذوق تھا اور شوق جوانی کی مستیاں
دو دن کی وہ بہار تھی آ کر گذر گئی

بارہا تجربہ اے شاد ہوا ہے اسکا
مرتبہ جن کا سوا ہے انہیں راحت کم ہے
رات دن فکر میں رہتے ہیں جو ہیں دولتمند
جو تہی تر ہیں انہیں غم سے فراغت کم ہے

تلوار میرے واسطے عزت ہے شان ہے
میدان جنگ کا یہ علم ہے نشان ہے
اے شاد کیوں نہ اسکو رکھوں جان سے عزیز
میں ہوں سپاہی اور یہ سپاہی کی جان ہے

لاکھ دولت ہو لاکھ ہو حشمت
ہو جو آزار خاک راحت ہے
سچ جو دنیا میں پوچھو تم اے شاد
تندرستی ہزار نعمت ہے

تھا محبوب زمانہ میں نہیں ہے آصف
سب کے تم پیارے ہو اور سب ہیں تمہارے پیارے
جسنے آصف سے یہ پوچھا کہ کہو شاد ہے کون
ہنسکے فرمایا وہ تو ہیں ہمارے پیارے

مجھے تو کام ہے تجھسے جہاں سے ہے نہ ہے
زمیں سے ہے نہ ہے آسماں سے ہے نہ ہے

شاد — پنڈت پریم سکھ صاحب متوطن بلند شہر۔ آپ سکندر آباد میں سب انسپکٹر پولیس رہے ہیں۔ رنگین خیال ہیں۔ نکتہ پرداز ہیں۔ سلاست طبع سادگی سے جو دیتے شعر کے شاد

تیور دل میں چھپ جاتے ہیں کس لطف کا شعر کہا ہے ؎

وہ دیکھتے ہیں لطف سے اغیار کیطرف	ہم دیکھتے ہیں چرخِ ستمگار کیطرف

بظاہر سادہ شعر ہے مگر دونوں مصرعوں میں دیکھنے کا تقابل انتہائے بلاغت ہے۔ چرخ ستمگار کیطرف دیکھنے سے مایوسی اور ناکامی کا دردناک منظر سامنے آجاتا ہے۔ دونوں مصرعوں میں "دیکھنے" کے جداگانہ معنی ہیں۔ اظہار رشک بشکوۂ چرخ تمام شعرا نے کیا ہے مگر پنڈت جی نے اس فرسودہ مضمون کو بھی ادا کرتے ہوئے ایک بات نکالی ہے۔ دیوان مطبوعہ کا انتخاب ملاحظہ ہو۔ نمونۂ کلام یہ ہے ؎

جذبۂ دل روکنا وحشت سے جی گھبرا گیا
پھر مجھے جوشِ جنوں سوئے بیاباں لے چلا

مئے محبت جو پی ہی میں نے شراب لیکر میں کیا کروں گا
مزے سے کھاتا ہوں پارۂ دل کباب لیکر میں کیا کرونگا

جوانی ساری یونہی گنوائی سفیدی پیری کی اب سے آئی
گنہ کی منہ پر ہے اب سیاہی خضاب لیکر میں کیا کرونگا

کبھی کشتگانِ ابرو نہ لہو میں یوں نہاتے
ترا خنجرِ دو دستہ گر جو نہ آبدار ہوتا

نہ اڑاتی خاک میری پسِ مرگ لے صبا تو
جو مری طرف سے دل میں ترے غبار ہوتا

ہو گیا حشر قیامت نے قدم چوم لئے
ناز و انداز سے جس دم وہ پری زاد چلا

کس نے نقاب چہرہ سے اپنے اٹھا دیا
ذرہ کو مہر، مہر کو ذرہ بنا دیا

راہِ ناکامی میں مثلِ گرد رہ جائیں گے ہم
قافلہ روحِ رواں کا جب رواں ہو جائیگا

داغِ دل تازہ ہوئے فصلِ گلستاں دیکھکر
زخم میں سوزش ہوئی میرے نمکداں دیکھکر

کھو بیٹھے بیٹھے ہجر میں ہم جسم و جاں تلک
الفت کا اپنی آن کو نہیں ہے گماں تلک

کہا میں نے کہ مرتا ہوں تجھ پہ میاں لگا کہنے وہ ہنسکے جانِ جہاں
تری زندگی بھاتی ہے کسکو یہاں ترے مرنے کا مجکو الم ہی نہیں

بتانِ فتنہ گر بچپن ہی سے چنچل نکلتے ہیں
عجب قدرت خدا کی ہے یہ کم سن چل نکلتے ہیں

نہاں سینہ میں اپنے محشرستاں ہم بھی رکھتے ہیں
کسی خورشید رو کا داغِ ہجراں ہم بھی رکھتے ہیں

بہارِ گل وہاں وہ دیکھتے پھرتے ہیں گلشن میں
یہاں داغوں سے سینہ کو گلستاں ہم بھی رکھتے ہیں

طلب ہے مرہم زنگار کی پھر
ہرے مدت میں زخم دل ہوئے ہیں

یہ دیکھو تم ہمارے دیدۂ پرنم میں خوں آیا
تماشا دیکھنے والو لگی ہے آگ پانی میں

رقیب دشمن جاں کی تو دیکھو فتنہ انگیزی
ہوا انکے رازداروں میں یہ میرے غمگساروں میں

عہد پورا کریں عادت ہی یہ یاں ہیں نہیں
انکے مذہب میں نہیں انکی یہ ایماں میں نہیں

خار کھا کھا کے مری جاتی ہے بلبل جن سے
ہم نے وہ پھول چنے ہیں جو گلستاں میں نہیں

طفل کو کاکل شبرنگ دکھاتے کیوں ہو
تم اندھیرے میں مری جان ڈراتے کیوں ہو

کیوں ذبح کرکے چھوڑا ہے کشتہ کو تم جاں
بسمل کے لپٹنے" اور نہ اک دو لگائے ہاتھ"

موئے مشکیں ہیں رخ یار پہ آتے جاتے
کافر ایماں ہیں قرآن پہ لاتے جاتے

خط غیر سے لکھوا کے مجھے یار نے بھیجا
آیا مری قسمت کا نوشتہ مرے آگے

کہا میں نے آکے یہ جو آج آگ دل میں لگائی جان
لگا کہنے سنکے وہ بدگماں یہ مرا نہیں ہے خطا لگی

وہ قاتل کیا کسی کا "خوں بہا" دے
جو نشتر عاشقوں کا خوں بہا دے

مثال آسیا گوشہ نشیں ہیں
ہمیں تو رزق گھر بیٹھے خدا دے

ادا سے مار ٹھوکر سے جلا دے
قیامت قامت جاناں دکھا دے

شکایت انقلاب دہر کی کرتا ہے کیا غافل
زمانہ آئیگا لے شاد اس سے بھی خراب آگے

شاد - لالہ بال مکند صاحب باشندۂ ضلع رہتک ظریف مزاج ہنس مکھ زندہ دل شخص ہیں آپکے ظریفانہ مضامین اودھ پنچ میں شایع ہوتے ہیں - مرزا مچھو بیگ عاشق لکھنوی سے فن سخن میں استفادہ کیا ہے - اُردو فارسی کے سوا سنسکرت زبان اور انگریزی جانتے ہیں - جدید انشاپردازی کے ماہرین میں انکا شمار ہے - ایک زمانہ میں اخبار بھارت متر کلکتہ کے ایڈیٹر تھے سیاسی معاملات خوب لکھتے ہیں شعر کی طرف کم توجہ ہے پچاس پچپن برس کی عمر ہے -

نمونہ قیصر کا کلام یہ ہے

ہجر میں بیکس کس دن عاشق مضطر رہا
درد دل میں سر میں سودا پاؤں میں چکر رہا

یہ وہی ہے چاہنے والا مرا ارمان بانصیب
ایک مدت آپ کا زانو پہ جس کے سر رہا

ہم ہیں اُن غیرت یوسف کے خریداروں میں
انگلیاں چار طرف اُٹھتی ہیں بازاروں میں

مانع بوسہ ہے افسوس نزاکت اسکی
ڈر ہے دھبا نہ لگے چاند سے رخسار نہیں

شاد — **شاد** ۔ چوبے رگھناتھ ساکن شکوہ آباد تلمیذ حضرت داغ دہلوی شاعر خوش فکر محکمہ مال میں نوکر تھے عرصہ ہوا انتقال فرما گئے ۔ منشی حیات بخش رسا ۔ خدا امین بدایونی کے ہم مشاعرہ اور دوست تھے ۔ شکوہ آباد میں بزم سخن انکے دم سے تازہ تھی ۔ جو کچھ کلام فراہم ہو سکا اسکا انتخاب حاضر ہے ؎

اگر کوئی او جفا رہا وار قاتل
ہنسینگے یہ زخم جگر دیکھ لینا

جس کو نہو صبر وہ پھر کیوں ہمیں چاہے
یہ کہہ گئے وہ میری برابر سے نکل کر

محشر میں اُن سے شاد کچھ ایسا سوال ہو
کافر بتوں کو بات بھی کرنی محال ہو

ابھی توبہ کی کیا جلدی ہے زاہد
قیامت کو تو اک مدت پڑی ہے

پھولونمیں کیوں نہ تولوں تلوار تیری قاتل
یہ بھی گلے کا میرے اک ہار ہو گئی ہے

کافر تری نظر سے سب کو خدا بچائے
نرگس کو تو نے دیکھا بیمار ہو گئی ہے

توبہ توبہ کہیں منہ پھیرینگے میخانے سے
بہکتے ہم نہیں ناصح ترے بہکانے سے

ضبط دل آنکھونمیں آنے نہیں دیتا آنسو
اُلٹی پھر جاتی ہے مے شیشہ میں چھلکنے سے

شاد — **شاد** ۔ منشی محمد عسکر خاں دھول پوری ۔ جوان طبع رنگین فکر ہیں ۔ کلام یہ ہے ؎

چلا اُرک کے خنجر لے ستمگر
کہاں میں جاؤں گا گردن چھڑا کر

ترے کوچہ سے جاتا ہوں سوئے دشت
مقدر لیچلا گلشن چھڑا کر

نکالی ہے لحد سے کیوں مری لاش
کہاں لیجائے گا مدفن چھڑا کر

شاد — **شاد** ۔ مستری قادر بخش ۔ شاگرد حضرت شوکت میرٹھی شملہ اور اضلاع پنجاب میں عمارت کا کام انجام دیتے رہتے ہیں ۔ اپنے اُستاد کے باعقیدت شاگرد ہیں جس زمانہ میں شوکت

مرحوم نے مجدد سخن ہونیکا دعویٰ کیا تھا تو انکی تائید میں اکثر مضامین انہیں کے نام سے نکلے تھے نتائج افکار کا خلاصہ یہ ہے ؎

برائی اے شیخ اسمیں کیا ہی مجاز عرفاں کا رہنما ہی
خدا کو پائیگا کسطرح تو جو پہلے عشق بتاں نہوگا

مسیح کیوں دیر کر رہے ہو لبوں پہ ہی جان زار اب تو
اگر ہو آنا تو جلد آؤ دگرنہ یہ نیم جاں نہوگا

خوشی تو عید کی جب تھی گلے ملتا وہ ماہ پارہ
نہیں تو عید کا بھی چاند ہے گویا محرم کا

باغباں دشمن ۔ عدو صیاد ۔ گلچیں ہی رقیب
کون ہے گلشن میں کہئے مہربان عندلیب

پیری میں کیا یہ آپ کو سوجھی ہے شیخ جی
عشق خدا کو چھوڑ کے عشق بتاں ہے اب

زاہد کو اپنی زہد و عبادت پہ ناز ہے
مجھکو فقط ہے رحمت غفار کا گھمنڈ

کیا کہیں اے شاد اپنا مذہب و مشرب ہی کیا
شیخ سمجھا ہے مسلماں برہمن ہندو ہمیں

شاد ۔ حکیم منشی منولال شاد دہلوی کایستھ ماتھر مقیم پٹیالہ حکیم ذرتی رام دہلوی کے فرزند اور ہوشیار طبیب تھے طبع جدت طراز تھی ۔ زور فکر سے مضامین کو شستگی سے ادا کرتے ۔ عرصہ تک ریاست پٹیالہ میں مطب کرتے رہے ۔ پروفیسر رام چندر ریاضی داں انکے ہم زلف تھے ۱۹۲۰ء کے قریب انتقال ہوا ۔ تقریباً ۶۰ برس کی عمر پائی ۔ کلام یہ ہی ؎

شاد رہنا چاہئے ہر حال اپنے دل میں شاد
نیک و بد جتنا ہی سب ہے مقتضا تقدیر کا

کم ستم پہ کسی گا لیوں پہ منہ کھولا
اور اس پہ آپ دہان و کمر نہیں رکھتے

لیویں کہاں سے قرض کہ تنخواہ قسط میں
ہے جنوری سے تا بہ دسمبر لگی ہوئی

شاد ۔ منشی رام پرشاد صاحب کایستھ دہلوی ۔ شاہ نصیر کے تلامذہ سے تھے کچھ عرصہ آگرہ میں بھی رہی تھی ۔ زبان اور مضمون کی آمیزش سی کلام دلفریب لہذا زبیان حسن فصاحت کی زیب تھا ۔

ابرو کی جب صفت میں یہ ذہن رسا لڑا
مصرعہ مرا ہلال کے مصرعہ سے جا لڑا

آفتاب حشر پر تو ہے جبین یار کا
روز رستا خیز سایہ ہے قد دلدار کا

منہ جو کھولے وہ شب تار میں دن ہو جائے
رات ہو جائے جو زلفیں وہ سنوارے دن کو

کیا شب تار سے تشبیہ ہمارے دن کو	آب خورشید نہیں سر جو اُبھارے دن کو

شاد

شاد - منشی عبدالطیف باشندہ بمبئی۔ شاگرد حضرت امیر مینائی مرحوم طبع میں لطافت ہے صاف ستھرا شعر کہتے ہیں۔ انتخاب یہ ہے ؎

اڑگیا ہے صبر شاید عاشق بیتاب کا	آپ کی شوخی میں بھی کچھ اضطراب آنیکو ہے
کسکی تیغ ناز ہے خمیازہ کش مقتل میں آج	زخم کے انگور سے کھنچ کر شراب آنیکو ہے
اسقدر بیباکیاں کی ہیں نگاہِ شوق نے	وصل میں اُنکی حیا کو بھی حجاب آنیکو ہے

شاد

شاد - تاجر باوقار شیخ عبدالرزاق دہلوی خلف شیخ اللہ دیا صاحب۔ شیخ جیون بخش مرحوم تاجر کلکتہ کے متبنّٰی۔ انہیں کلکتہ اور دہلی کے تجارتی حلقوں میں بڑی قدر منزلت حاصل تھی حکیم سید محمد سجاد اور حضرت داغ کے عقیدتمند شاگرد تھے۔ لاہور کے مشہور سوداگر شیخ رحیم بخش کی دختر ان سے منسوب تھیں کثیر العیال آدمی تھے آخر وقت میں کام بگڑ گیا تھا۔ ماہ مارچ ۱۹۰۶ء میں بمقام دہلی انتقال ہوا۔ وفات کے بعد بہت سی جائداد قرضہ میں فروخت ہوگئی۔ فکر میں رسائی زبان میں صفائی تھی۔ کلام یہ ہے ؎

دیدہ و دل عشق کی سرکار میں دونوں چلے	لعل کوئی لے چلا اور کوئی گوہر لے چلا
میخانہ سے میخانہ سے لے حضرتِ واعظ	بس چپکے چلے جائیے تو قیصر سے باہر
آپ نے کھائی قسم اور مجھکو باور ہوگیا	پھر قسم بھی وہ قسم سو بار بھی کی کھائی ہوئی
عشق میں غصہ بھی کھایا غم بھی کھایا روز و شب	پھر نہیں معلوم کیوں زائل ناتوانی ہوئی
رات ساری سرگرانی میں ہوئی کی تم نے بسر	وصل کی شب سربسر صرف خود آرائی ہوئی

شاد

شاد - شیخ محمد جان معروف بہ پیرو میر ولد شیخ وارث علی صدیقی۔ آپ لکھنؤ کے قدیم شیخ زادگان سے تھے۔ اجداد کا مذہب سنت جماعت تھا لیکن عہد شاہی میں شیعہ مذہب اختیار کرلیا تھا آپ سنہ ۱۲۲۲ھ زمانہ نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ میں پیدا ہوئے۔ شیخ صاحب میر کلو عرش خلف میر تقی میر کے شاگرد تھے۔ انکا بیان تھا کہ میں نے ۱۰-۱۱ برس کے سن میں میر کو دیکھا تھا

وہ نہایت ضعیف دُبلے پتلے آدمی تھے۔ انہیں "پیر و میر" کا لقب اُستاد نے مرحمت کیا تھا۔ قانع۔ وضعدار۔ قدیم رسوم کے پابند تھے۔ لکھنؤ سے باہر جانا انکو دوبھر اور بار خاطر تھا۔ سر راجہ امیر حسن خاں بہادر کے سی۔ آئی مرحوم والئی ریاست محمود آباد کے ہاں سے تیس روپیہ ماہوار مقرر تھا۔ اسی میں اوقات بسر کرتے تھے۔ ناسخ اور آتش کی معرکہ آرائی کو اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔ عمر بھر مجرد رہے ہمیشہ معشوقان خیالی سے دل بہلایا۔ روز یکشنبہ ربیع الثانی کی چھٹی کو وفات ہوئی۔ ۷۹ برس کی عمر پائی۔ اخبار اودھ پنچ کے دفتر میں حضرت جگر و فضا بسوانی کو کلام سُنا رہے تھے کہ شعر پڑھتے پڑھتے روح جسم سے پرواز کر گئی۔ دو دیوان تیار کئے تھے جن میں سے ایک گم ہو گیا۔ اور ایک "سخن بہشتاں" کے نام سے شائع ہوا۔ مولوی سید محمد واثق۔ ننھے آغا صاحب ابد۔ سید عاشق حسین صاحب۔ خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی انکے تلامذہ سے ہیں۔ رنگ کلام کو لکھنؤ کی پر تکلف رعایتوں اور انداز بیان سے کوئی نسبت نہیں۔ غزل میں میر کا رنگ غالب تھا اور انہیں کے محاورات۔ اصطلاحات روزمرہ کے پابند تھے۔ دور حاضرہ نے جو لکھنؤ کی غزل گوئی میں انقلاب پیدا کیا ہے اور شعرا میر و غالب کی طرف کھنچتے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔ اسکی تاریخ جب کبھی لکھی جائیگی تو اسمیں شاد پیر و میر کا نام سب سے اول ہو گا جنہوں نے قدیم تخیل پرانے محاورات کا تحفظ کیا۔ اور آئندہ نسلوں کیلئے رستہ نکالا۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

خبر پیکِ عشق آکے یہ کہہ گیا — پھپھولوں میں دل پھوٹ کر رہ گیا

فروغِ جہاں بود نابود ہے — شرر بجھتے بجھتے یہی کہہ گیا

وہ تیغ زباں جب لڑانے لگے — ہر اک زخم منہ کھول کر رہ گیا

دم لیا دنیا سے جا کر خلد میں — رم کیا اس جا سے اس جا رم رہا

حسن میں اس روئے روشن کے حضور — لاکھ چمکا آئینہ مدہم رہا

شاد نالوں کے سنبھالے عشق میں — ہاں بہالے برچھیاں بلم رہا

کھاتے کھاتے رنج و غم اکتا گیا — بس مرے اللہ جی گھبرا گیا

خیالِ انجامِ گلشن کا جو آیا
بڑھا میں جس قدر اُتنی گھٹی عمر

کاوشِ مژگاں نے بیندھے اشکِ خونیں جس طرح
بھر گئے زخمِ جگر ناخن سلامت ہیں تو پھر

ہاتھ رکھ سر پہ جو لیتا وہ حسیں انگڑائی

شیخ مینا کا جو قلقل عرس میں کرتے صوفی
میکشو نشہ میں کعبہ کی طرف گرنے کو

دن تو یادِ رخِ روشن میں گذر جاتا ہے

رہروِ ملکِ عدم کا نہیں کھلتا احوال
سنا ہمکو آتے جو اندر سے باہر

وہ محرومِ دولت ہوں برگشتہ قسمت
بہار آتی ہے رنگ لانے کے قابل

کفن پوش دنیا سے ہم کیوں نہ جائیں
ذرا بھی لگی ٹھیس دل چور ہو گا

کباب سیخ ہیں کب کروٹیں لیکر سنبھلتے ہیں
غزالِ چشم کب شمشیرِ ابرو سے دہلتے ہیں

وہ دیتے گالیاں ہیں ہم گلِ عارض کو ملتے ہیں

ٹپکتے ہیں یہ آنسو لختِ دل جتنے ہیں مژگاں پر

نہیں ہے پاؤں رکھ دیکھو انقلابِ دہر عبرت کر

خدا ہی اس چپ کی داد دیگا کہ تربتیں روندے ڈالتی ہیں

مرنے پر باندھے ہے کمر سرگرم بازاروں میں ہوں

بسورے ہم جو غنچہ مسکرایا
بگڑتے ہی گئے جتنا بنایا

نشتریں دانۂ مرجان کو برائینگے کیا
پھوٹ کر چھالے نہ دل میں گھاؤ پڑجائینگے کیا

گردِ مہتابِ جہاں تاب کے ہالا ہوتا
مے پرستوں میں شہِ جم کا پیالا ہوتا

لڑکھڑاتے تھے قدم ہاتھ سنبھالا ہوتا

رات بھاری ہے مگر زلف کے بیماروں پر
کیا گذرتی ہے نہ جانے وطن آواروں پر

پھرے اُلٹے پیروں وہ باہر سے باہر
اُڑے خاک گھر میں جو ہم برسے باہر

جنوں سنگِ طفلاں ہے کھانیکے قابل
یہ صورت نہیں منہ دکھانے کے قابل

یہ شیشہ نہیں چوٹ کھانے کے قابل

جل اُٹھا ہی جو یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں
یہ آہو وہ ہیں جو تلوار کے سایہ میں پلتے ہیں

زباں چلتی کسی کی ہے کسی کے ہاتھ چلتے ہیں

جو گل مرجھا کے گرتے ہیں ثمر شاخوں میں پھلتے ہیں

فقیروں کے قدم سر بادشاہوں کے کچلتے ہیں

اجل کے مارے ہوئے کسی سے نہ بولتے ہیں نہ چالتے ہیں

جان کا گاہک جو ہو اسکے خریداروں میں ہوں

بیجرم رکھا تھا تہِ خنجر ہی گلے کو
کچھ بات بری منہ سے نہ نکلی تھی بھلے کو
دکھا دو گر قدرہ مجھ منچلے کو
ابھی رکھدوں تہِ خنجر گلے کو
لہو روتے مجھے اتنی ہوئی دیر
تمہیں جتنی ہوئی منہدی ملے کو
ابھی سمرن تری وردِ زباں تھی
کوئی دم بھر ہوا منکا ڈھلے کو

قبر میں رکھ کے گئے لاش کے لانیوالے
کاندھیاں دے گئے تابوت اُٹھانیوالے

یہ بلا کی ہے دُہواں دھار لگائی مستی
دن دوپہرے ہیں وہ اندھیر مچانیوالے

مفت دل لیکے بڑے تم تو سیانے ٹھیرے
ہمیں فرمائیے ناداں رہے یا نہ رہے

ہم تو صدقے کا بھی مبتلا نہ بنے کیا جانیں
سینکڑوں آپ پہ قربان رہے یا نہ رہے

یہ کد ہے پردہ دری میں شکستہ حالوں کی
لئے جو ظرفِ گلی بھی کبھی بچا کے لئے

قدم جو پڑتے ہیں سرکش صدا یہ دیتے ہیں
فلک نے خوب عوض خاک میں ملا کے لئے

ہم نہ بگڑیں گے اگر چشم نمائی ہوگی
پر کہیں آنکھ لڑائی تو لڑائی ہوگی

شبِ وصال یہ دشمن ہوا ہے گھڑیالی
ہوئی ہے شام بجاتا گجر ابھی سے ہے

دہاں ہے حشر میں دیدارِ حضرتِ موسےٰ
غشی یہاں مجھے آٹھوں پہر ابھی سے ہے

مر کے بھی جس کی رہیں آنکھیں کھلیں
حسرتِ دید اُس کی دیکھا چاہیئے
چشمِ گریاں کو وہی لَو ہے لگی ابرو کی
آنچ تلوار کے پانی سے بجھائی نہ گئی

صدا یہ آتی ہے ہر دم مزارِ یوسف سے
غرورِ حسن دو روزہ ہیں نازنینوں کے

سنبھل کے گورِ غریباں پہ پاؤں کو رکھیں
کہ ہم بھی تھے کبھی سرتاج مہ جبینوں کے

غرورِ حسن سے کیا کیا نہ مہ جبینوں کے
لفافے کھلگئے آتے ہی خط حسینوں کے

کھڑو بالیں پہ نہ آئیں ابھی باہر والے
رو رہے ہیں مری میت پہ مرے گھر والے

غور کر با ہمہ ستہ داغِ دلِ روشن کو مرے
چاند نکلا ہے ذرا دیکھ تو اُدھر والے

دُکھا دل بھی ٹکڑے سے جب جگر ہوتے ہوتے
اِدھر بھی اٹھا درد اُدھر ہوتے ہوتے

شبِ وصل گذری مجھے روتے روتے
ہوئی دل میں بھی نشترِ نوکِ مژگاں
تو عشق کی وہ ہے کہ پتنگے کو جلا کر
آنسو تھمے مژگاں پہ جمے سخت جگر بھی
سر کٹ گئے اِک الفت کا کل میں ہزاروں
حسنِ مہِ نو کم ہو ناخن کے بڑھے سے
پھانسیاں زلف کی دیتے ہیں وہ ٹھگ تیر تو ہے
نہ پوچھو حسرتِ تشنہ دہانی
لگائے تہمت سے ہر سو نامرادی
ملے گا خاک بتخانے میں جا کر
دل کی جگر کی سینے کی پہلو کی جان کی
پسِ فنا بھی یہ لپکا ہے دید بازی کا
کیا خارِ بیاباں کو غم تشنہ دہانی کا
دل شکستوں کی نہ کیوں آنکھ سے آنسو ٹپکیں
ہوں وہ برگشتہ مقدر جسے پھرتے گذرے
رو رہا ہوں میں چلے تم زلف بکھرا کر کہاں
بجھ رہے ہیں داغ دل تربت میں جا نکلے لئے
شمع روئے یار و شمعِ بزم میں اتنا ہے فرق
برق و باراں ہے خلقت عاشق معشوق کی
ہے چشم سیہ میں کودکِ اشک
کیوں موہ نہ لیں دلِ برہمن

سحر اُس نے کی ہاتھ منہ دھوتے دھوتے
کلیجے میں نشتر چبھوتے چبھوتے
سر میں جو لگی شمع کے تلوے میں بجھی ہے
پھولی ہوئی ٹہنی ہے کوئی شاخ پھلی ہے
وہ رات کو گھمسان کی تلوار چلی ہے
جو بات بری بھی ہو حسینوں کی بھلی ہے
لوٹ لے ڈال کے کملی مجھے اندھیر تو ہے
وہ مستسقی ہوں جو پانی کو ترسے
تمنائے دلی نکلے کدھر سے
برہمن اور کچھ پوجیں گے گھر سے
آنسو بہائے آنکھ یہ کس کس مکان کی
کہ مر چکا ہوں پہ آنکھوں میں جان ہے اٹکی
جو آبلہ پا ہے پانی کی وہ چھاگل ہے
قطرۂ آب نہ ٹوٹے ہوئے برتن میں ہے
میری ہستی کا جو وا نہ کسی شمن میں ہے
مینہ برستا ہے گھٹا چھائی ہے کالی رات ہے
روشنی گل ہو رہی ہے نیند آنیکے لئے
وہ تو جلنے کے لئے ہے یہ جلانیکے لئے
وہ بنے ہنسنے کو ہم آنسو بہانے کے لئے
بھونرے میں طفل پل رہا ہے
آنکھوں میں بتوں کی موہنی ہے

فرقت میں درازیِ شب و روز
ہر موج مگر ہے تیغِ قاتل

جنوں میں کھیل مچایا ہے سنگ ساری کا
کھلا نہ آہِ سحر سے بھی غنچۂ خاطر

فوجِ اشک امڈی ہی کیونکر بچ سکی جانِ حزیں
اٹھا سکے کوئی کیا سرگرانیِ فرہاد

وہ خالِ چشم ہو لے شاد کیوں نہ مانعِ دید
ہیں ہوا مٹی تو ہم آغوش ہو گی کس سے تو

گرہ میں زر ہے مستوں کے گھٹا آئی ہی اتر سے
وعدۂ دیدارِ فردا ول کنارِ گور ہے

یہ شکوۂ شبِ وصل کوئی گھڑی ہے
نشانِ قبر وہ ہم دل جلوں کے ہیں اے شاد

قائم ہے ترے ذکر سے میرا تنِ خاکی
کیا جانے کوئی نانِ جویں کا ہری رتبہ

سخت جانوں پہ جو کی تیز چھری قاتل نے
شورِ قلقل سے جھکائے ہوئے سر مینا ہے

"جنگل میں مور ناچا" مجنوں نے تو کس نے دیکھا"
سرگرم آہ ہم ہوں مصروفِ نالہ تم ہو

ہستی و عدم میں نفسِ چند بشر کے
اے شاد موج موج سے تر دامنی مری

دشت پیمائی میں مجنوں کا نہ دامن چھوٹے

دن دونی ہے رات چوگنی ہے
جو دم پہ حباب کے بنی ہے

"بھری پری اُسے ہے لڑکوں کی سنگت سے جھولی
نسیم نے بھی نہ دل کی مرے گرہ کھولی

گریہ پڑے اک دلیہ لاکھوں حسرت و غم ٹوٹ کے
پہاڑ سے بھی زیادہ یہ بار بوجھل ہے

کہ تل کے اوٹ مثل ہے پہاڑ اوجھل ہے
خاک میں مجھکو ملا کر اے لحد پچھتائے گی

خدا چاہے تو ساقی آج میخانہ میں گھن برسے
ہجر کی شب صبح کے ہونے تک اپنی بھور ہے

تو "رات تھوڑی کہانی بڑی ہے
کہ دودِ آہ سے ڈھونی جہاں رمائے ہوئے

کلمہ کے سہارے پہ یہ دیوار کھڑی ہے
"اللہ سے چھوٹی ہے پیمبر سے بڑی ہے

مڑ گئی باڑھ کہیں دھار کہیں بیٹھ گئی
یہ مثل سچ ہے "بڑے بول کا سر نیچا ہے

دیوانگی کا اپنی چرچا گلی گلی ہے
کام و لب و دہن میں یہ بھی کبھی بدی ہے

جھونکے ہیں ہوا کے نہ ادھر کے نہ اُدھر کے
دریا بہاؤں گوشۂ دامن نچوڑ کے

بیستوں پر لیکے نام کوہ کن سر پھوڑ کے

اس دلِ وحشی کے ہاتھوں وہ ہوں بیاباں خیزوں
آبلے روتے ہیں جنکی بیکسی پر پھوٹ کے

ہر نفس اے چشمِ تر کیوں روئیے
کس لئے ہاتھ آبرو سے دھوئیے

جان زلفوں پر کہاں تک کھوئیے
شام کے مرتے کو کب تک روئیے

خطِ پیشانی مٹایا چاہئے
اشک سے قسمت کا لکھا دھوئیے

کرتا ہے مثالِ خضر باتیں
طوطئ خط اُسکا بولتا ہے

سرد مہری سے بتوں کی مر چلے
ٹھنڈے ٹھنڈے ہم خدا کے گھر چلے

دل وہ شیشہ ہے ہوا جو سنگسار
آنکھ کے ڈھیلوں سے بھی پتھر چلے

نیند اڑی یہ چشمِ روزن کی طرح
کر کے بند آنکھیں نہ اک پل سو سکے

دردِ دل اُس گل سے شبنم نے کہا
ہم نہ اُس ہنس مکھ سے دکھڑا رو سکے

مال کی کیا ہراس جو کم ہے
دل لگانے میں جہاں جو کم ہے

اُسے دل دیکے صد سو مفت پائے
اٹھائے رنج و غم بیٹھے بٹھائے

دمِ گریہ یہی کہتے ہیں آنسو
بلایا جس نے ہم آنکھوں سے آئے

شاد

شاد - گنگا پرشاد صاحب کایستھ ساکن آگرہ شاگرد مرزا حاتم علی مہر اکبرآبادی ۱۲۸۰ھ میں ۲۳ سال کی عمر تھی - اور عدالت ہائیکورٹ میں وکیل تھے طبیعت نہایت رسا اور شوخ تھی - یہ کلام ہے ؎

پھرے گردن پہ جب خنجر تو قاتل سے لڑیں آنکھیں
بلا سے جان جائے دید بازی تو ذرا ٹھیرے

حسینوں کے بیان سے جان تن بیجان میں آتی ہے
الٰہی صحبت ہمارے واسطے گویا خدا ٹھیرے

نگاہِ شوق سے اُس بت کو دیکھیں ہم تو کہتا ہے
تمہیں اک گھور فی ولسطے سے نام خدا ٹھیرے

تلمذ مہر سے ہے شاد کیونکر ہوں نہ خوش طالع
یقیں ہے طبع روشن اپنی جلوہ طور کا ٹھیرے

شاد

شاد - بابو جانکی پرشاد ماتھر قوم کایستھ - آپ لالہ درگا پرشاد کے منجھلے صاحبزادے ہیں آپکے دادا لالہ ہردیو بخش خلف لالہ میگھراج اپنے خاندان کے معزز رکن تھے - اجداد کی قدیم سکونت جھنجھنو فتح پور

متصل ریاست جیپور تھی مگر عالمگیر اورنگ زیب کے عہد میں کسی وجہ سے ترک وطن کر کے فتح پور سیکری ضلع آگرہ میں اقامت پذیر ہو گئے۔ یہاں قسمت نے انکو شادمانی کا ہرا بھرا باغ دکھایا۔ جاہ و ثروت کی کمی نہ رہی۔ زمانۂ موجودہ میں بھی آپکا خاندان پچاس ہزار روپیہ کا مال گذار ہے۔ اور آپکی ذاتی مالگذاری دس ہزار روپیہ سے زیادہ ہے۔ آپ سمت ۱۹۴۴ بکرمی میں پیدا ہوئے اس حساب سے آپکی عمر ۲۹ سال کی ہے۔ انگریزی زبان کی تحصیل صرف مڈل تک ہونے پائی تھی کہ سولہ برس کی عمر میں شفیق باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپنے لباس ماتمی اتارنیکے بعد ایک ناقابل برداشت بوجھ کو اٹھایا۔ خانگی انتظام میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا طبیعت میں قدرت نے انتظامی مادہ دیا تھا۔ اسلئے سارے کام خوش اسلوبی سے سرانجام پائے گئے۔ گورنمنٹ نے بھی انکو باپ کے نقش قدم پر قایم دیکھکر ڈسٹرکٹ بورڈ کا ممبر بنایا۔ آنریری مجسٹریٹی کے لئے نامزد کیا۔ آپکو نشانہ بازی میں مشاقی گھوڑے کی سواری میں دستگاہ کامل علم موسیقی میں تھوڑا سا دخل ہے۔ انگریزی لٹریچر کے مطالعہ سے خاصی قابلیت حاصل کر لی۔ انگریزوں سے ملاقات کرنے میں اچھی انگریزی بول لیتے ہیں۔ آپ جوان رعنا۔ جامہ زیب لطیف طبع۔ خوش بیان شاعر ہیں۔ فصیح الملک داغ دہلوی کو مانتے ہیں اور انکے قابل فخر شاگرد حضرت نسیم بھرت پوری مرحوم سے خاص ارادت تھی۔ علم عروض و قوافی سے بہرہ یاب ہیں حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری اجمیری سے خاص عقیدت ہے۔ ایک مرتبہ دس منٹ میں خواجہ صاحب کی منقبت میں غزل کہکر درگاہ سے اٹھے۔ نہایت حاضر طبع اور زود گو ہیں۔ کلام کا انتخاب یہ ہے۔

ہوا ہوں جب سے میں مائل معین الدین چشتی کا
مرا دل ہو گیا ہے دل معین الدین چشتی کا

زبان شمع شب افروز یہ فرط محبت سے
ترانہ ہے سر محفل معین الدین چشتی کا

جو انکا روضۂ پُرنور پر آکر وہی پایا
پھرا صحرا دم کب سائل معین الدین چشتی کا

جگر ہے میرے قابو میں نہ دل ہے میرے کہنے میں
یہ ہے کشتہ دہ ہے بسمل معین الدین چشتی کا

گنہگار محبت ہیں نہ ہم بیمار الفت ہیں
مگر اچھوں کے بندے ہیں شہید حسن صورت ہیں

غبار آیا ہے کچھ میری طرف سے دامن دل پر
تری باتوں سے ظاہر صاف آثار کدورت ہیں

جناب شاد کی تعریف ہم سے ہو نہیں سکتی — سراپا خلق ہیں تفسیر لفظِ آدمیت ہیں
غیر کے ملنے سے اور انکار رہنے دیجئے — مجھکو باور آگیا سرکار رہنے دیجئے
نالہ وزاری سے رغبت ہے اگر تھوڑی بہت — اک مرا بستر پسِ دیوار رہنے دیجئے

شاد **شاد**۔ شیخ محمد عثمان خلف شیخ عبدالقادر صاحب پنشنر صوبہ دار میجر سب انسپکٹر پولیس پٹنہ سنہ ۱۸۸۸ء سن ولادت ہے اس حساب سے اب ۳۷ برس کی عمر ہے۔ ظہیر مرحوم دہلوی کی وفات سے دو برس پیشتر آپنے تلمذ اختیار کیا تھا۔ ابتدا میں محمد عبدالرزاق بہار احمد آبادی سے بھی اصلاح لی تھی۔ اکثر شور زمینوں میں تخم ریزی کی ہے۔ جس سے طائر فکر کی قوت پرواز کا حال معلوم ہوتا ہے۔ الفاظ اور محاورات قدیم کا استعمال کلام میں بہت زیادہ ہے مگر بعض بعض اشعار خوب کہ جاتے ہیں۔ تیر طلب کرتے ہیں۔ زنجیر طلب کرتے ہیں۔ اس زمین میں خوب شعر نکالے ہیں۔ ایسی سنگلاخ زمین میں کتنا صاف مقطع لکھدیا ہے ؎

ایک وہ دن تھا کہ تھی شاد سے نفرت اُن کو — ایک یہ دن ہے کہ تصویر طلب کرتے ہیں

گو اس شعر میں کوئی مضمون آفرینی نہیں کیگئی ہے۔ مگر فکر رسا کی رسائی دیکھئے کس خوش اسلوبی سے تصویر کے قافیہ کو سہل ممتنع بنا دیا ہے۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں رسالہ آفتاب سخن پٹنہ سے نکالتے تھے جو بند ہو گیا۔ اب انجنیری کے محکمہ میں کلرک ہیں۔ پٹنہ میں راقم تذکرہ سے سنہ ۱۹۱۵ء میں ملے تھے مدتوں خط وکتابت کا سلسلہ رہا۔ جو کلام بھیجا اُسکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

بلبلِ ناشاد ہیں یہ سختیاں صیاد کی — ٹل رہا ہے ہونٹھ سیدوں گا اگر فریاد کی
غنیمت جانتا ہوں بیکسی میں دیدۂ تر کو — دمِ آخر مجھے قطرہ تو مل جائے گا پانی کا
تمہیں شک ہو تو مقتل میں دوبارہ امتحاں ٹھہرے — ہماری طرح دشمن کا کلیجہ ہو نہیں سکتا
تیری ہنسی کی بات مری دل لگی کی بات — آپس میں ہو نہ جائے کہیں دشمنی کی بات
تم قول دے کے قول سے اپنے مکر گئے — یہ آج ہی کا ذکر ہے یہ ہے ابھی کی بات
حضرت شاد وہ کہتے ہیں کہ امید نہیں — ایسے مجمع میں سُنے داورِ محشر فریاد

ذبح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ فریاد نہ کر
ہر لب زخم جگر سے یہ صدا آتی ہے
ہم اونے پونے بیچ ہی ڈالینگے دل کبھی
مٹا نہ بعد فنا دل سے داغ حسرت کا
لگی رہتی ہیں جبتک آک ہیں صیاد کی آنکھیں
مری آنکھوں پہ پٹی باندھکر مقتل میں لیجاؤ
جان لینے کے لئے تیر نظر کافی ہے
پھر ذرا شوخ نگاہوں سے کہو کام کریں
آواز بھی چلمن سے سناتے نہیں اپنی
جام الفت نے کردیا بے خود
اٹھ ہوئے میکدے سے مستی لیگی یارو
کبھی تو بھول کر تم یاد کرلو اپنے عاشق کو
قتل پر مرے اٹھاتے تو ہو تلوار مگر
خس و خاشاک وہاں کے ہیں سمجھے گل سے سوا
مدت کے بعد خواب میں آکر گلے ملے
کچھ نہ کچھ مطلب ہی ہوگا ورنہ یہ ممکن نہیں
جناب شیخ کے ہمراہ مے جو پی ہوتی

ظلم اتنا تو مرے حال پہ جلاد نہ کر
کچھ رعایت مری اے خنجر بیداد نہ کر
لیکن نگاہ ناز ہے خریدار دیکھکر
یہی چراغ ہے میرے مزار کے قابل
پھرا کرتی ہیں ہر سو بلبل ناشاد کی آنکھیں
نہ دیکھی جائیگی جاں باز سے جلاد کی آنکھیں
آپ کیوں قتل کو شمشیر طلب کرتے ہیں
پھر مرے قلب و جگر تیر طلب کرتے ہیں
دنیا میں انوکھے وہی اک پردہ نشیں ہیں
ہم نشیں ہم چلے سنبھال ہمیں
شیخ بازار میں دوکان لئے بیٹھے ہیں
ترستی ہیں تمہارے دیکھنے کو شاد کی آنکھیں
دوہری تہری ہوئی جاتی ہے کمر دیکھو تو
میری آنکھوں سے کوئی دیکھے وطن کا نقشہ
دن پھر گئے ہیں آج شب انتظار کے
چھیڑ کر یوں آپ سے اغیار ہنستے بولتے
تو اس گناہ کی پرسش نہ جیتے جی ہوتی

شاد - عالیجناب خان بہادر مولانا سید علی محمد صاحب شاد۔ سادات حسینی الحسنی اور امام زین العابدین سے اپنا سلسلہ نسب ملاتے ہیں۔ انکا بیان ہے کہ محمد شاہ کے بخشی نواب خاندوران خاں جو نادر شاہ سے لڑائی میں بمقام کرنال مارے گئے آپکے اجداد میں تھے۔ شاہ گردی میں آپکے بزرگ بھی دہلی چھوڑ کر پٹنہ جا بسے۔ آپ آجکل کے رؤسائے پٹنہ میں ہر طرح موقر ممتاز اور بارسوخ سمجھے جاتے شاد

ہیں عرصہ دراز تک میونسپل کمشنر اور آنریری مجسٹریٹ رہے اور عوام وخواص کو اپنے طرزِ عمل سے خوش رکھا۔ انگریزی حکام سے بہت میل جول رہا۔ قیصر ہند مرحومہ اور بادشاہ ایڈورڈ کی ہر تقریب اور جشن میں بہ نظرِ خیرخواہی قصائد تہنیت لکھ کر پیش کرتے رہے اور اسی طرح لاٹ صاحب اور دیگر جلیل القدر حکام جب کبھی پٹنہ آئے آپ نے اُنکے خیر مقدم میں نظم تہنیت پڑھ کر خاطر خواہ داد حاصل کی۔ جشن جوبلی شصت سالہ قیصر ہند کی تقریب پر آپ نے ایک قطعہ تاریخ تہنیت ۸ اشعار کا قرمزی مخمل پر کار چوبی حروف میں زرکار اور سچے موتیوں کی بیل سے سجا کر بطور ارمغان حضور شاہی میں گذرانا جسکے صلہ میں قیصر ہند کے سکرٹری نے شکریہ لکھکر بھیجا۔ اور بندگانِ شاہی کیطرف سے اظہار خوشنودی کیا۔ اس ارمغاں میں کئی ہزار روپیہ لاگت آئی۔ اسی طرح اعلیحضرت نظام مرحوم کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھکر تیار کیا مگر بدقسمتی سے کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ باریابی کا موقعہ نہ ملا اور علالت نے حیدرآباد جانے نہ دیا۔ آپکی حسن توجہ سے ۱۸۷۴ء میں رؤسا کی جانب سے ایک اخبار پٹنہ سے جاری ہوا۔ اور آپ چار برس تک اُسکے آنریری اڈیٹر رہے۔ اس زمانہ میں ایک مدرسہ بھی جاری کیا۔ تصنیف کا ہمیشہ سے شوق رہا۔ چنانچہ چھوٹی بڑی ۳۵ کتابیں اور رسالے ابتک چھپ چکے ہیں جنپر ہندوستان کے مختلف مشاہیر اور اہل علم سے خاطر خواہ داد پائی۔ ان خطوط کو فریم کراکے مولانا نے پورا ایک کمرہ اپنے دولت خانہ میں سجا رکھا ہے زودنویسی اور شعرگوئی کا یہ عالم ہے کہ پوری ایک الماری نظم و نثر کے مسودوں سے بھری ہوئی ہے۔ اُردو کے ضخیم کلیات میں صرف رباعیات دس جز میں آئے ہیں۔ مراثی اور قصائد بھی لاتعداد رقم کئے ہیں۔ ایک خاص بات قابل ذکر یہ ہے کہ جس طرح آپ علوم وفنون مشرقی کے زبردست ماہر ہیں علوم جدیدہ فلسفی طبعیات والہامات وغیرہ کے دقیق مضامین اور مسائل بھی بلاتکلف سلیس اور بامحاورہ زبان میں جابجا نظم فرماتے ہیں۔ مرثیہ گوئی میں روایاتِ کاذبہ سے اجتناب کرتے ہیں اور واقعات کی حقیقت اور اصلیت قائم رکھتے ہیں۔ میر نفیس مرحوم نے جب لکھنؤ میں آپکے مرثیہ سنے تو بہت تعریف فرمائی اور اس امر پر تعجب کیا کہ باوجود مبالغہ اور کاذبی روایات سے احتراز کرنے کے کلام میں پورا درد اور اثر نمایاں ہے اور مرثیہ کی علت

غنائی یعنی رقت پیدا کرنے کی صفت معدوم نہیں ہوئی اور اسی طرح قایم رہی۔

قطعات تاریخ کہنے میں بھی آپکو خاص ملکہ ہے۔ اور پُرگوئی کا یہ عالم ہے کہ قطعات کی تعداد کا اندازہ دو ہزار کے قریب کیا جاتا ہے۔ پٹنہ کے اکثر عمائد کی قبروں اور مکانوں پر آپ ہی کی کہی ہوئی تاریخیں کندہ ہیں۔ اسیطرح مختلف تقاریب شادی وغیرہ پر نہایت کثرت سے رقعہ جات نظم و نثر آپ کی تصنیف سے مشتہر ہو چکے ہیں۔ آپکے کلام میں پختگی اور متانت بدرجۂ اعتدال موجود ہے۔ صفائی زبان اور بندش کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ پرگوئی کے باعث البتہ بعض غزلوں میں یہ کیفیت قایم نہیں رہتی۔ اخلاق اور تصوف کی بھی جھلکیاں جابجا اپنا رنگ دکھا جاتی ہیں۔ البتہ محاورات جابجا غلط نظم کئے ہیں جس سے انکی زبان دانی پر حرف آتا ہے یہ شعر ملاحظہ ہو

زرِ گل مفت لٹتا ہے خزاں کی مہمانی میں	الٰہی خیر ہو وارا نیارا ہے ہزاروں کا

محاورے میں تصرف کرنے سے غرابت لفظی کا عیب پیدا ہو گیا ہے۔ کیونکہ صحیح وارے نیارے ہیں۔ آج تک کسی نے اسکو مفرد استعمال نہیں کیا۔

تذکیر و تانیث کا فرق بھی ملحوظ نہیں رکھتے ہیں۔ جیسا کہ اس شعر سے واضح ہے

یہ بزمِ مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی	جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اُسی کا ہے

اساتذۂ زبان اُردو نے مینا کو مونث لکھا ہے۔ مذکر غیر فصیح سمجھا جاتا ہے۔ کلام یہ ہے

پیرِ مغاں کے مجرے دیکھے چلے ہو واعظو	تم نہ پیو جو مے تو خیر حکم تو دو جواز کا
بارِ سبو وہی اٹھائے جس پہ ہو فضلِ مے فروش	زاہدِ خشک یہ بھی کیا بوجھ ہے جانماز کا
ہیں نگاہِ شوق میں متحد ترا کوچہ ہو کہ ہو قتل گہ	تری جلوہ گاہ میں دونوں ہیں جو منا ہی یہ تو وہ بلا
ہمیں شاد جس کا بہت تھا ڈر وہی پیش آ گیا الحذر	تمہیں کہتے تھے کہ امید سے زیادہ نہ رکھو بھلا ملا
وہ ذبح کر کے مری لاش پر یہ کہتے ہیں	تڑپ رہا ہے کہ منہ دیکھتا ہے تو میرا
ٹھہر ٹھہر کے پھرا کچھ مزا تو لینے دے	چھری کہاں تری قاتل کہاں گلو میرا

ستم ہے آدمی کے واسطے مجبور ہو جانا — زمیں کا سخت ہو جانا فلک کا دور ہو جانا
شبِ وصل اپنی آنکھوں سے یہ سب اندھیر دیکھا ہیں — نقاب انکا الٹنا رات کا کافور ہو جانا
کچھ کہے جاتا تھا غرق اپنے ہی افسانے میں تھا — مرتے مرتے ہوش باقی تیرے دیوانے میں تھا
دیر تک میں ٹکٹکی باندھے ہوئے دیکھا کیا — چہرۂ ساقی نمایاں صاف پیمانے میں تھا
نگاہ شوقِ مجنوں فرش سے تا عرش جاتی ہے — کہاں تک پردۂ محمل چھپائے روئے لیلا کو
زباں پہ مرتے ہوئے انکا نام آہی گیا — وہ اک خلوص جو تھا دل میں کام آہی گیا
کہا تھا میں نے کہ واعظ بتوں کا ذکر نہ چھیڑ — خدا کے باب میں آخر کلام آہی گیا
ق کیا مفت کا زاہدوں نے الزام لیا — تسبیح کے دانوں سے عبث کام لیا
یہ نام وہ تھا کہ جس کو بے گنتی لیں — کیا لطف کہ گن گن کے ترا نام لیا
وہانِ زخم ندیں کس طرح دعا قاتل — تمام عمر تو کھایا کئے نمک تیرا
جہاں میں پھیلے ہیں جتنے مذہب ہر اک میں آخر کلام نکلا — نہ کشف سے مدعا بر آیا نہ کچھ دلیلوں سے کام نکلا
جلو میں پیرِ مغاں سا رہبر بغل میں ساقی سا فیض گستر — بڑے تکلف سے آیا ساغر بڑے تجمل سے جام نکلا
بڑا تعجب تو شاد یہ ہے وہ شاد سب جسکو جانتے ہیں — اسی کو سمجھے تھی لاابالی وہ شیخ بیت الحرام نکلا

پوچھو نہ حال چشمِ دلِ آویز یار کا — کھولو نہ راز گردشِ لیل و نہار کا
پیغام آرہے ہیں برابر وصال کے — ہر ہر نفس فراق میں قاصد ہے یار کا
کٹ جاتی ہیں پہاڑ سی راتیں امید کی — اللہ رے اگر تو مرض انتظار کا
اس کعبۂ مراد کے عارض پہ دی ہے جان — شمعِ حرم چراغ ہے میرے مزار کا
اے باغ کیا رہیگی ہمیشہ یوں ہی خزاں — کیا پھر کبھی نہ آئے گا موسم بہار کا
غزل سے کیا مراد اے شاد ہے صاحب کمالونکی — کسی دن تصفیہ اسکا مرا دیوان کر دیگا

صفائی دل کی لگا کے عینک کبھی جو کھولی کتاب ہمنے — حرام جو تھا حلال نکلا۔ حلال جو تھا حرام نکلا
رہے ہے دلبستگی غم سے بڑھے ہے سوز و گداز اُس کا — گرہ کھل جائیگی اُن کی تو کھل جائیگا راز اُسکا

جفا و مہر میں بھی فرق کرنا سخت مشکل ہے
وہ خود چاہیں تو ہو عاشق کو حاصل امتیاز اسکا

اب اس کا ذکر کیا قاصد پہ جو گذری وہ گذری
نہ کہنا اس خبر کو شاد سے دل ہے گداز اسکا

روپ پر حسن خداداد کو آنے دیجیے
آئینہ ہاتھ میں ہوگا کبھی شانہ ہوگا

بال سلجھاتے ہیں ہر وقت مگر میرے بعد
یوں ہی رکھا ہوا آئینہ پہ شانہ ہوگا

روح چھپتی ہے جو آتا ہے عدم کا مذکور
موت کہتی ہے مقرر تجھے جانا ہوگا

زاہد سے جب سنو تو زبان پر ہے ذکر حور
نیت ہوئی خراب تو ایمان کب رہا

کبھی تو آپ کے حسرت زدہ سمجھ لینگے
کبھی تو موقع اظہار آرزو ہوگا

اُف اُف وہ ہتھیلی سے انکا شرما کے چھپانا آنکھوں کو
برچھی کا ادا کی چل جانا اس تیز نگہ کا رہ جانا

ہم باغ میں ناحق آئے تھے بلبل کی حکایت کیا کہئے
منقار کو رکھکر کلیوں پر کچھ اپنی زباں میں کہہ جانا

جب اہل ہوش کہتے ہیں افسانہ آپ کا
ہنستا ہے دیکھ دیکھ کے دیوانہ آپ کا

احوال جوانی پیری میں کیا عرض کریں دل اک قصہ ہے
وہ طرز گئی وہ وضع گئی انداز گیا اسلوب گیا

زیست ہے نام تیری فرقت کا
کچھ ٹھکانا ہے اس مصیبت کا

زندگی بھی لقب اسی کا ہے
نام مرنا بھی ہے محبت کا

مطیع عشق بنایا ہے ایک عالم کو
کہاں کہاں جاری ہے حکم عام ترا

نہ اضطراب ہے باقی نہ بیقراری ہے
ہمیں تو موت نے پہنچا دیا پیام ترا

تو ہی بتا کہ رسائی ہو شاد کی کیونکر
کمند آہ سے اونچا بہت ہی بام ترا

زندگی تک فقط اے شاد عداوت کرلی
میرے مرجانے پہ مداح زمانہ ہوگا

ترے عاشقوں کی بھلی کہی یہ امنگ ہے سر عشق میں
کہ وہ کام کرتے ہیں شیب میں کہ جو مقتضا ہے شباب کا

مرے قاصدوں کی خبر صبا جو سنا سکے تو یہ جا سنا
کوئی انتظار میں مرگیا کوئی منتظر ہے جواب کا

جو مر گئے ترے دھیان میں وہ ہیں غرق اپنے ہی حال میں
نہ کریں گے شکر ثواب کا نہ گلہ کریں گے عذاب کا

یہی آرزو ہے ملیں اگر مجھے شاد مجلس وعظ میں
کہیں ان سے کان میں جھک کے ہم کہ خیال کیا ہے جناب کا

سراپا یاس ہو جا یا سراپا درد ہو جا
جہاں تک بن پڑے لے جسم لاغر زرد ہو جا

غفلت میں ہوئی اوقات بسر اے عمر گریزاں کچھ نہ کیا
جانے کا وہاں کے شوق ہی تھا جانے کا ساماں کچھ نہ کیا

کچھ ضبط نہ اپنے کام آیا بات آ گئی آخر کہنے میں
سب ہم نے کیا جو ہم سے ہوا پر ہم نے مری جاں کچھ نہ کیا

اے ننگ جہاں اے شاد حزیں کچھ شرم بھی اس کی ہے کہ نہیں
اے جہل مرکب اے حیواں لے بے خبر انساں کچھ نہ کیا

پھر ضرر کیا تری یکتائی میں پیدا ہوتا
تجھ سا ہوتا جو کوئی وہ بھی تجھی سا ہوتا

میں تو اک حسرت و اندوہ کا پتلا ٹھیرا
بھول جاتا تجھے پر تو تو نہ بھولا ہوتا

جہاں ہے مکتبِ الفت خموش ہو رہنا
بڑا گناہ یہاں ہے الف سے بے کہنا

بانٹے جنھوں نے خلعت تقسیم کی تھی دولت
مردہ بھی شاد اُن کا محتاج ہے کفن کا

کٹتی تھی عمر صحبت میں مرنے والوں کی
لحد میں پاؤں عزیزوں نے اب دراز کیا

لقب کیونکر نہ ہو طبعِ رسا معجز رقم میرا
عصا موسیٰ نبی کا تیغ حیدر کی قلم میرا

ترے رستہ میں ثابت پا کیے اک حسرت سی آتی ہے
خود اپنے نقشِ پا کو پھر کے تکتا ہے قدم میرا

ہوس سو کی نہ دو سو کی اسی اک خم کا طالب ہوں
تری سرکار ہے ساقی نہ روزینہ ہو کم میرا

فقط تشکر و شکایت کے لئے اک آڑ رکھی ہے
حقیقت میں جو سچ پوچھو کرم میرا ستم میرا

جانے بھی دے محل یہ نہیں کبر و ناز کا
آخر ہے رات وقت ہے راز و نیاز کا

صانع کو دیکھنا ہے تو عالم پہ کر نظر
آئینہ آئینہ ہے خود آئینہ ساز کا

اس عیش مستعار پہ ہوتے و یا نہ خوش
احسان مانتا ہوں نسیمِ دل نواز کا

اُن کی نگاہ ناز جو پلٹی تو دیکھنا
منہ دیکھتی رہے گی حقیقت مجاز کا

ترکِ امید بھی مری آنکھوں میں ہے امید
اے یاس حوصلہ ترا یا امتیاز کا

تجھ میں پوشیدہ دلا نالۂ غماز بھی تھا
کیا سمجھتے تھے کہ اک خانہ بر انداز بھی تھا

اب تو ہلنے کی بھی طاقت نہیں باقی صیاد
کبھی اس باغ میں میں لائق پرواز بھی تھا

ہزاروں کام معطل ہیں ایک دل کے بغیر
چلا گیا ہے پرائے کے بس میں حال اپنا

کوئی تو روئے گا اے شاد اپنی محنت پہ

بسی ہوئی ہے امیدوں کی اک نئی دنیا

مریضِ غم کو عبث پوچھتے ہیں مجھ سے آپ

محو ہیں اپنی جگہ آسودگانِ کوئے دوست

خط گلے میں پڑ گیا تھا خون دیتی تھیں رگیں

ہو گئے دنیا کے اندر کیسے کیسے انقلاب

تو بڑا عاقل ہے ناصح تو ہی سمجھا دے مجھے

کس خوشی سے تہنیت دے دے کے کہتا پھر لیا

شاد اہلِ شک یوں ہی تنگی میں سے تڑپ کر نکلنگی

نکلے آتے ہیں زمیں سے پھول کس کس رنگ کے

اپنی بربادی سے بھی نکلا نہ کوئی مدعا

لاشۂ عریانِ عاشق کا کوئی دیکھے وقار

رہے جو پاس سے محفوظ ڈھونڈا ایسی تمنا کو

نہ کہہ ناصح برا ہم میکشوں کو تیری پیری ہے

چشمِ سیہ میں سرمہ دے زلفِ رسا میں شانہ کر

شستگیٔ زبانِ عبث دل میں کھٹک ہیں خار و خس

بھر گئے راستے سے وہ گرد و غبار دیکھ کر

شگفتگی کر خدا کو مان لے مری دل گرفتگی

شبنم اگر ہے چشمِ نم خندہ زناں ہی عندلیب

دل ہی میں لیجیے صبا دل کی اس آرزو کو ہم

میں حیرت و حسرت کا مارا خاموش کھڑا ہوں ساحل پہ

کوئی تو یاد کرے گا کبھی کمال اپنا

اسی کی شان ہے آنے سے دل کی وسعت کیا

گذر چکا ہو جو حالت سنی اسکی حالت کیا

آرزو دل میں ہے دل آنکھوں میں آنکھیں سوئے دوست

ولے قسمت کس جگہ آ کر تھکا پائے دوست

آسماں بدلے زمیں بدلی نہ بدلی خوئے دوست

کون سنے رہ رہ کے دلکو کھینچتی ہے سوئے دوست

وصل کی شب ہے مبارک دوست کو ہمکو دوست

ہم انہیں آنکھوں سے اک دن دیکھ لیں گے روئے دوست

شعبدے دکھلا رہی ہے نرگسِ جادوئے دوست

لے اڑی آخر بگولے بنکے خاکِ کوئے دوست

ڈھانکتی ہے اٹھ کے کس الفت سے خاکِ کوئے دوست

نہ ہو حسرت کا جسکو خوف وہ ارمان پیدا کر

خدا کو مان ظالم کچھ تو اب ایمان پیدا کر

قتلِ جہاں کے واسطے تازہ پھر اک بہانہ کر

چھوڑا بھی برونِ در فکرِ درونِ خانہ کر

رہ گئی میری بیکسی سوئے مزار دیکھ کر

جائیں گے خود قفس میں ہم اب کی بہار دیکھ کر

دونوں یہ دو اثر ہوئے ایک بہار دیکھ کر

دے نہ سکے پیام کچھ طرۂ مشک بو کو ہم

دریائے محبت کہتا ہے آ کچھ بھی نہیں پایاب ہیں ہم

اے شوق پتہ کچھ تو ہی بتا اب تک یہ کرشمہ کچھ نہ کھلا
مرغانِ قفس کو پھولوں نے اے شاد یہ کہلا بھیجا ہے
ہیں شاد تنہا اک طرف دنیا کی دنیا اک طرف
دیدارِ جاناں کا بھلا کیونکر تحمل ہو سکے
وہ تیغ ٹیکے کہتے ہیں دیکھیں تو حق پر کون ہے
چاند سے منہ پہ خال دو ایک ذقن پہ زخیلہ ایک
عشوۂ دل گداز وہ ذبح کرے جو بے چھری
نرگسِ پُرخمار یار کرتی ہے کام زہر کا
جہاں چاہو میسر ہے نہ میلا ہو نہ بوسیدہ
ہونگی زیادہ اس سے بھی عشق میں جگ ہنسائیاں
فصلِ خزاں ہے بد بلا اس سے خدا بناہ دے
ترچھی نظر سے لیکے کام پھیر کے منہ چلے گئے

تمناؤں میں الجھایا گیا ہوں
دلِ مضطر سے پوچھ اے رونقِ بزم
لحد میں کیوں نہ جاؤں منہ چھپائے

دل گیا سینہ سے جب اپنے تو آزادی کہاں
اس گلی کی خاک جتنی چھانئے ہو چھان لیں
نے مے فروش نہ بلبل نہ بادہ خوار عمل ہیں
بدعہد وہی بلکہ دل آزار وہی ہیں
نعمت ہیں حسرتیں جو دلا انتہا کی ہیں
اُنہیں دیکھو کہ اب تک غفلتوں سے کام لیتے ہیں

ہم ہیں ہے دلِ بیتاب یہاں یا آپ دلِ بیتاب ہیں ہم
آجاؤ جو تم کو آنا ہو ایسے میں ابھی شاد اب ہیں ہم
سارا سمندر اک طرف آنسو کا قطرہ اک طرف
ترچھی نگاہیں ایک سو زلفِ چلیپا اک طرف
ہم اک طرف شاد اک طرف سارا زمانا اک طرف
اُس سے خرابی عرب اس سے تباہی عجم
ناز وہ دشمنِ وفا رحم کی جسکو ہے قسم
بادۂ خوشگوار میں گھول دیا کسی نے سم
خدا نے کیا شرف رکھا ہے مٹی کے کھلونے میں
دل نے تو آپ مول لیں اپنے لیے برائیاں
منہ پہ صبا کے بھی گلو اچھٹنے لگی ہوائیاں
ہائے رے کم نگاہیاں ہائے رے کج ادائیاں

کھلونے دیکے بہلایا گیا ہوں
میں آپ آیا نہیں لایا گیا ہوں
بھری محفل سے اٹھوایا گیا ہوں

جس کا مالک مر گیا اُس گھر میں پھر آبادی کہاں
لے اجل پھر ہم کہاں اور دل کی بربادی کہاں
سبب ہے کچھ جو تماشائی ہیں بہار میں
سب کچھ ہیں مگر کچھ مرے غمخوار ہی ہیں
آخر نشانیاں یہ کسی آشنا کی ہیں
ہمیں دیکھو کہ بے دیکھے انہیں کا نام لیتے ہیں

ہوا ناسور سینہ میں تو دل ہنس ہنس کے یوں بولا
نظر بھر کر کہاں ساقی کی آنکھیں دیکھنے پائے

ایں اور سیر لالہ و گل ہجر یار میں
اسیر دل کو صبا مژدہ بہار آنے کا دیتی ہے

دل ہے کدہر کھچا ہوا منتظر ہے کس کا حسن
الفت بتوں کی حق ہے ہمارے یقیں میں

وہ حسرتیں لحد میں ہیں دنیا تھی جس سے تنگ
آب و ہوا ہمیں نہیں دنیا کی سازگار

عبث دریافت کرتے ہو سبب اس سخت جانی کا
دل یہ کہتا ہے ہمیں دیکھ کتابوں پہ نہ جا

فکر کر رکھتی ہے سرما کیلئے گرما میں
دشت امید کی جانب جو بڑھاتا ہوں قدم

فنا کے بعد لحد پر وہ آکے روتے ہیں
الفت میں تری پاک ہر الزام سے ہم ہیں

جس چیز کو کہتا تھا بُرا صبح سے واعظ
نگاہ شوق مجنوں فرش سے تا عرش جاتی ہے

لباس اہل تقویٰ پر نہیں کچھ منحصر واعظ
ہے عطا تری ہے کرم ترا وہ ستم کہ جس میں دوام ہو

کبھی دشت غم میں پھرا کریں کبھی انکے در پہ پڑے رہیں
یہ دو زندگیاں تو خلاف ہیں یہ بنے گی شاد سے ساقیا

جب میں کہتا ہوں گوارا مری ذلت نہ کرو

ادھر ہم کام کرتے ہیں اُدھر انعام لیتے ہیں
یہ تہمت مفت کی رندانِ بے آشام لیتے ہیں

کیسی بہار آگ لگا دو بہار میں
جو اڑنے کی نہیں طاقت قفس پر تول لیتے ہیں

کیا کہوں اس کی وجہ کو ترک کی ہے نماز کیوں
چھوڑیں جو اسکو ہم تو خلل آئے دین میں

وسعت کہاں کی آگئی دو گز زمین میں
اب جا رہیں گے اور کسی سرزمین میں

خدا معلوم ہم اے شاد کس مطلب سے جیتے ہیں
قدرت صانع مخلوق کے دفتر ہم ہیں

ایک چیونٹی سے بھی تدبیر میں کمتر ہم ہیں
موت آہستہ سے یہ کہتی ہے کہ سر پر ہم ہیں

کہاں کی چھیڑ نکالی ہے کہہ دو سوتے ہیں
دل پاس نہیں ہے تو کس آرام سے ہم ہیں

بوتل ہے وہی چیز بھرے شام سے ہم ہیں
کہاں تک پردہ محمل چھپائے روئے لیلا کو

کہیں کیا ہم نے کس کس بھیس میں دیکھا ہے دنیا کو
اگر اس میں کوئی کلام ہو تو بہشت مجھ پہ حرام ہو

نہیں شل اپنے بنا فلک کہ نہ کوچ ہو نہ مقام ہو
جو خمار ہو تو ہمیشہ ہو جو شراب ہو تو مدام ہو

سر جھکا لیتے ہیں یہ کہتے ہیں محبت نہ کرو

زیادہ ہم سے کہیں ہُما پایا، امید کیوں تم پہ چھا گیا
اجل سلا دیگی سب کو آخر کسی بہانے تھپک تھپک کر
یوں ہی راتوں کو تڑپینگے یوں ہی جان اپنی کھوئینگے
وفاداروں کا خوں اسوقت رنگ اپنا دکھائیگا
زندگی سے دل کو بھاری موت عزت کو پسند
پلٹ کر پھر نہ پوچھا شاد جیتا ہے کہ مرتا ہے
گستاخ بلبلوں سے بھی بڑھکر صبا ہوئی
موتی تمہارے کان کے تھرا رہے ہیں کیوں

بس اب جواب ملیگا یہی رہی امید
پلٹ کے دیکھ تو لیتا دیا تھا گر نہ جواب
نہ خم نہ جام نہ میخوار بزم ہے سنسان

رہا کیا ہے دلِ ویران میں اک ارمان خالی ہے
احوال ہے برہم اعضا کا اس دل کی شہادت دیتا ہے
جو رات کٹ گئی ہے کیا آئیگی نہ اب کے
لپٹی بلا کی صورت آخر شب جدائی
اے شاد دیکھتے ہو کچھ شمع بجھ چلی ہے
ہزاروں آرزوئیں ساتھ ہیں اسیر اکیلی ہے
ہم اور گل دونوں ہی باغ جہاں کے پھول ہیں لیکن
دل کو میل آتا ہے فرقت سے نہ ساز آتا ہے
بھلا منظور ہوا اپنا تو خدمت کر فقیروں کی
نہ دوست اور نہ کسیکا کوئی عدو نکلے

یہ زعم اپنا بہت غلط تھا کہ تو ہمیشہ جوان رہیگی
نہ ہم رہینگے نہ تم رہوگے نہ شاد یہ داستاں رہیگی
تری مرضی یہیں اے دردِ دل اچھا نہ سوئینگے
وہ مقتل میں خفا ہو ہو کے جب تلوار دھوئینگے
بات نازک ہی بہت اے شاد تو مشکل میں ہے
وفادار عدم میں تم بھی جا کر بے وفا نکلے
کچھ جھک کے گوش گل میں کہا اور ہوا ہوئی
فریاد کس غریب کی گوش آشنا ہوئی

پکارتے رہے تجکو پکارنے والے
حیا سے گڑ گئے تجھکو پکارنے والے
غرض سدھار گئے سب سدھارنے والے

جدھر کو دیکھئے کوسوں تلک میدان خالی ہے
لشکر میں تلاطم برپا ہے سردار کے مارے جانے سے
پھر شمع کیوں بحسرت منہ دیکھتی ہے سب کے
کچھ آج شام ہی سے آثار تھے غضب کے
دلسوز تھے پتنگے کیا جانیں اس کے کب کے
ہماری روح سے بوجھی ہوئی اب تک پہیلی ہے
وہاں مٹھی میں زر ہے اور یہاں خالی ہتھیلی ہے
اور نہ کمبخت ترے عشق سے باز آتا ہے
قضا کو روک دیتی ہے دعا روشن ضمیروں کی
اگر یہ نقش مٹا دیں تو تو ہی تو نکلے

عجب نہیں کوئی مے خوار راہ میں لٹ جائے
جو گھر سے نکلے تو انسان با وضو نکلے

یہ دیکھی ہے جبتک جیے جینا اسی کا ہے
پیئے جو سیر ہو کر رات دن پینا اسی کا ہے

نگہ کی برچھیاں جو سہ سکے سینہ اسی کا ہے
ہمارا آپ کا جینا نہیں جینا اسی کا ہے

تصور اُس رخِ صافی کا رکھ مد نظر واں
لگائے منہ جو آئینے کو آئینہ اسی کا ہے

قدم اپنا فرازِ ہمت عالی پہ رکھتا جا
جسے کہتے ہیں زاہد عرش زینہ اسی کا ہے

بسر ہو میکدہ میں پنجشنبہ بیٹھکر جس کا
جو مینوشی میں کر دے صبح آدینہ اسی کا ہے

فضائے دہر میں یہ سیر گہ حسن نے بنا دی ہے
تماشائے جہاں میں دیدۂ بینا اسی کا ہے

کدورت سے دل اپنا صاف رکھو شاد پیری ہے
کہ جس کو منہ دکھاتا ہے یہ آئینہ اسی کا ہے

شاد منشی اکرام احمد ولد مولوی اعجاز احمد صدیقی بدایونی۔ آپ شیخ عبدالرحمن متولی کی اولاد میں ہیں جو شیخ عبداللہ مکی کے فرزند اکبر تھے ۱۲۹۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اردو و فارسی۔ انگریزی میں کافی استعداد ہے آج کل آپ محکمہ پوسٹ آفس میں کلرک ہیں۔ اشعار میں حسن ترکیب بلندی فکر و سادہ بیانی کا خیال رکھتے ہیں۔ فن سخن میں حضرت احسن مارہروی کے شاگرد ہیں کلام کا انتخاب یہ ہے

یہ شکر ہے کہ وہ نامہرباں نہیں ملتا
ملے گا حشر میں کیا جو یہاں نہیں ملتا

قفس سے چھوٹ کے ہواؤں میں خانماں برباد
کہ شاخِ گل پہ مرا آشیاں نہیں ملتا

یہ کس کی موت پر اب رنج کا اظہار رہنے دیں
ملا کر خاک میں دل کو وہ جھوٹا پیار رہنے دیں

ہماری جان بخشیں دیکھیے دل بس ہم نے بھر پایا
ہمیں بیمار رہنے دیں ہمیں بیمار رہنے دیں

میں سنے جاؤں محبت میں برابر طعنے
تم کہے جاؤ برا ہاں سرِ محفل مجھکو

جانِ محزوں کے شب ہجر پڑے ہیں لالے
چین دیتا نہیں دم بھر کے لئے دل مجھکو

فلک سے کیا گلہ دردِ ہجرِ یار ہے مجھے
کہ اپنے دل پہ نہیں آپ اختیار مجھے

نہ صبر لے مری حسرت کا صبر اصبر!! اجل
ٹھہر ٹھہر کہ ہے قاتل کا انتظار مجھے

گذر گیا کوئی جی سے تو اُن کو یاد آیا
کسی کا ترکِ ستم بھی ستم میں داخل ہے

جفا کے بعد وہ سمجھے وفا شعار مجھے
بنائے کیوں وہ کرم کا امیدوار مجھے

شاداب

شاداب - جناب سید مہدی حسن خاں صاحب بہادر خلف جناب امیر حسن خاں بہادر مہین فرزند نجم الہند حاجی مولوی مولا بخش خان بہادر سی۔ ایس۔ آئی تعلقہ دار رسول پور ضلع مظفر پور۔ آپکی ولادت سنہ ۱۲۷۰ھ میں ہوئی۔ آغاز شاعری میں تعلی تخلص کرتے تھے اور اپنی خیال بندیوں کے ذریعہ سے اہلِ معنی کو طبیعت کی کرشمہ سازیاں دکھاتے رہے۔ پھر شاداب تخلص رکھکر ابرِ فصاحت کی آبیاری سے کشتِ سخن کو تر و تازہ کیا اور اپنے برادرِ بزرگ جناب مولوی حکیم محمد ہادی حسن خاں متخلص بہ نایاب کے شاگرد ہو گئے۔ انکے راہیِ عدم ہو جانے پر حضرت امیر مینائی لکھنوی کو اپنا کلام دکھانے لگے۔ آپ کی زود گوئی مشہور ہے کہ مشاعرہ میں جانے کیلئے فٹن پر سوار ہوئے اور اثنائی راہ میں دس پندرہ منٹ کے اندر طرح کی غزل تیار کرلی۔

حضرت امیر مینائی مرحوم سے آپ کو دلی محبت تھی اور اُن سے بے تکلفانہ ملتے تھے۔ شعر کمتر کہتے تھے۔ مگر جو کچھ کہتے وہ انکو دکھا دیتے۔ آپکا اخلاق نہایت وسیع تھا۔ افسوس ہے کہ سنہ ۱۳۲۰ھ روز یکشنبہ ماہ شعبان میں آپنے عالمِ فانی کو الوداع کہکر گلزار بقا کو سرسبز و شاداب فرمایا۔ انتقال سے کچھ دیر پہلے یہ رباعی کہی تھی ؎

موت آئیگی مرجائینگے ڈرنا کیا ہے
دل کی الجھن تو دور ہو جائیگی

مرضی ہے یہی رب کی تو کرنا کیا ہے
یہ راز تو کھل جائے گا مرنا کیا ہے

آپنے اپنا کلام کبھی جمع نہیں کیا۔ طرزِ کلام سادہ اور صاف تھی۔ معاملہ بندی اور مضمون کی طرف بھی طبیعت کا رجحان پایا جاتا تھا۔ کہیں کہیں استعارہ کے نمک سے شعر کو نہایت مزیدار بنا دیتے تھے۔ کلام ملاحظہ ہو ؎

ہے عکسِ رخ سے ترے ساغرِ شراب میں چاند
عقیقی کا ذرا دھیان نہیں وارفتہ ہیں

عجب یہ ہے نظر آتا ہے آفتاب میں چاند
گھر بھول گئے چار گھڑی رہ کے سرا میں

اے آہ مری اشک کے پانی میں نہالے — بے غسل کیے جاتی ہے درگاہِ خدا میں

کیوں شگفتہ نہ داغ ہوں دل کے — پھول سب ہیں تمہاری محفل کے
ہم پر آیا ہے پھونکنے افسوں — سر پہ کیا جن چڑھا ہے عامل کے
ہے خموشی جواب واعظ کا — منہ لگے کون ایسے جاہل کے
لطف رونے کا جب ہے اے غم یار — آئے اشکوں میں خونِ دل کے

منفعل باب اجابت سے جو ہو آئی ہوئی — ہم دعا سے اور دعا ہم سے ہی شرمائی ہوئی
کون سی بات آگئی یاد آنکھ اٹھتی ہی نہیں — اک ذرا دیکھو تو چتون کیوں ہے شرمائی ہوئی
چارہ گر ہیں نہیں جینے کا دوا رہنے دے — ہو گی اب خاک شفا خاکِ شفا رہنے دے
بے خبر و ہوش میں آ فکرِ مداوا کیسی — چارہ گر وقت دعا کا ہے دوا رہنے دے
ملک الموت کو بھی موت کا ارماں ہو جائے — نزع میں سر جو وہ زانو پہ دھرا رہنے دے
دل کے آئینہ میں رخ عکس فگن کسکا ہے — دیکھیے شہرِ حلب میں یہ حسن کسکا ہے
بے دہانی کا ہے دعویٰ تمہیں تقصیر معاف — بوسہ لیکر میں بتادوں یہ دہن کسکا ہے
دل میں دنیا کے خیالوں کو جگہ دوں کیونکر — یہی ظالم ہیں تری یاد بھلانے والے
آئے وہ گور غریباں میں تو حسرت سے کہا — سوتے ہیں یہ مرے راتوں کو جگانیوالے
کوئی روئے کوئی پیٹے تجھے کیا پروا ہے — تو ہنسے جا مرے ہنس ہنس کے رلانیوالے
کس کا گھر پھنکتا ہے یہ آگ کہاں لگتی ہے — اک ذرا سوچ تو اے دل کے جلانیوالے

یہ جو سینہ کے پار ہے کیا ہے — چھرہ ہے یا کٹار ہے کیا ہے
ہاتھ ماتھے پہ دونوں آنکھیں بند — نیند ہے یا خمار ہے کیا ہے
کون سی شے چھپی ہے محرم میں — سیب ہے یا انار ہے کیا ہے
ایسے مرجھائے کیوں ہوئے شاداب — درد سر ہے بخار ہے کیا ہے

شاداب **شاداب** ۔ شیخ احمد بخش ولد شرف الدین ساکن آگرہ شاگرد مولوی نیاز علیصاحب پریشاں

سنہ ۱۲۸۶ھ میں ۴۲ سال کی عمر تھی اکبرآباد میں جمنا کے پل پر محرر تھے اپنے اُستاد کے جاں نثار شاگرد تھے۔ یہ کلام اُنکا انتخاب ہوکر درج تذکرہ ہوتا ہے ؎

خطا کی ہیں نے بے شک زلفِ مشکیں آپکی چھو لی　　طبیعت میں جو کچھ آئے وہی میری سزا ٹھہرے
زباں سے کیا نکالیں ہم نہیں کیا اُسکے شکووں کو　　خدا جانے وہ کیا سمجھے ہماری جی میں کیا ٹھہرے
رہا شاداب برسوں ہمکو لپکا دید بازی کا　　حسینوں کا جھمگڑا دیکھنے کو جا بجا ٹھہرے

شاداں — **شاداں** ۔ منشی شرف الدین شاداں۔ قدیم زمانہ کے شاعر معلوم ہوتے ہیں چنانچہ متروک شدہ ترکیبیں انکے کلام میں بہت پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ فکر کی رسائی اچھی ہے مگر کلام اسقام شعری سے پاک نہیں زیادہ حال معلوم نہیں کہ کہاں کے تھے اور کس کے شاگرد تھے۔ ایک پرانی قلمی بیاض میں کچھ غزلیں نظر سے گذریں اُنکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

آج اُس خوش ادا نے کام کیا　　باادب مجھکو جھک سلام کیا
حلقۂ زلف عنبریں اپنا　　واسطے بے دلاں کے دام کیا
شکر کر تو خدا کا اے شاداں　　اُس بُتِ سنگدل کو رام کیا
ہے مجھے وردِ زباں تجھ نام کا　　یہ وظیفہ ہر صبح و ہر شام کا
نگہ کے تیر سے ابرو کماں نے　　اچانک آنکر زخمی کیا دل
ہاتھ آوے جو کبھی یہ رقیب اے شاداں　　سر سے تا پانوں جدا کیجے پوری پوری
رنگ پچکاری بھری شوخ نے چوری چوری　　لے گلال آپ پکارا اُٹھی ہوری ہوری

شاداں — **شاداں** ۔ فخر قوم و افتخار الملک سخنور بے مثال ناظم ستودہ خصال راجۂ راجگان مہاراجہ چندولال مورد افضال ذوالمنن وزیر اعظم و مدار المہام سرکار نظام۔ انکے والد رائے نراین داس خلف رائے لچھمی نراین کھتری رائے بریلی کے عمائدین میں سے تھے۔ انکے چچا رائے نانک رام کمشنر کروڑگیری دکن تھے انھوں نے انہیں کے ظلِ عاطفت میں پرورش پائی۔ اور نواب ارسطو جاہ کے وزارت میں ملازم ریاست ہوکر درجہ بدرجہ ترقی پاکر نواب سکندر جاہ کے عہد حکومت سنہ ۱۸۰۶ئہ میں عہدۂ پیشکاری وزارت آصفیہ پر ممتاز

ہوئے بہت بڑے منتظم فیاض و نیکنام اور انکی سیرچشمی اور دریا دلی کے متعلق آجتک صدہا حکایتیں زبان زد خاص و عام دکن میں جو اعلیٰ درجہ کی عزت و نیکنامی انہیں ملی آجتک کسی امیر وزیر کو نصیب نہیں ہوئی۔ مہاراجہ صاحب نے شاہ نصیر دہلوی سے استفادہ کیا تھا اور اپنا دیوان نواب الٰہی بخش خاں معروف کے پاس ہدیتاً بھیجا تھا۔ سحر البیان و شیریں زبان تھی۔ انتظام ریاست میں منہمک رہنے کے باوصف ارباب کمال کے عموماً اور شعراء کے خصوصاً قدردان سے تھے۔ استاد ذوق اور حضرت ناسخ کو آپنے دکن بلایا۔ بتیس برس تک منتظم ریاست دکن رہکر ۱۲۶۸ھ میں راہی ملک بقا ہوئے اور اکثر انکی لاولد گزری جملہ ماہران علوم و فنون کے قدردان تھی۔ بالخصوص شاعری کا شوق اسقدر تھا کہ دوسو سے زیادہ شعرا وابستۂ دامن دولت تھی۔ سخاوت کی بابت ایک روایت یہ بھی مشہور ہے کہ جبتک ہزار آدمی خیرات میں کھانا لیتے رسوئی نہ کھاتے تھے۔ اسمیں شک نہیں کہ اس روایت میں کسیقدر مبالغہ ضرور ہے۔ تاہم اسمیں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا کہ بڑے سیرچشم اور عالی حوصلہ باذل امیر تھے۔ مہاراجہ صاحب مرحوم کے زمانہ سے عہدۂ پیشکاری اس خاندان میں موروثی ہے۔ موجودہ جانشین مہاراجہ کشن پرشاد بہادر کو سرکار نظام سے وزیر افواج اور مدار المہامی کی عزت ملی۔ مہاراجہ مرحوم فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے فارسی میں قتیل کے شاگرد اور معتقد تھے۔ مہاراجہ کشن پرشاد نے آپکا اردو دیوان چھاپ کر شایع کر دیا اور سوانح عمری شہرت کدۂ آفاق بھی چھپوا دی ہے۔ آپکا کلام تصوف اور معرفت کے رنگ سے پر ہے اور اس زمانہ کی سیدھی سادھی زبان کا مرقع ہے ؎

سب ہوئے محو اسے دیکھ جدھر سے نکلا	تھی تعجب میں کہ یہ چاند کدھر سے نکلا
کسی کے پڑ کے گلے دل کا ہار ہو رہنا	بنے تو پھول بنے ورنہ خار ہو رہنا
گئے وہ دن کہ وہ رہتا تھا صنوبر بیتاب	ملا تھا رات کو شاداں بہت خوش ۔ ا
جب غنچہ نے سر اپنا گریباں سے نکالا	بلبل نے قدم پھر گلستاں سے نکالا
چین کس طرح سے ہو چھوڑ چلا در اپنا	بھول جاتا ہے مسافر بھی گھر اپنا
صبح کو جو کچھ وہ کہتا تھا سراسر لاف تھا	کیوں نہ آیا رات کو گر دل میں ہم سے صاف تھا

پھول سی تو ہے نہیں بلکہ صبا سے نازک　　میں چھپا لوں گا تجھے آ مری داماں میں آ
اپنے معشوق سے ہم جوش میں　　کب سے کہتے ہیں کہ آغوش میں آ
پردۂ چشم اٹھا، دیکھ ادھر　　اتنا بیہوش نہ ہو، ہوش میں آ

[illegible]

جس نے تجھے جانا پھر اس نے یہی لیا جانا　　بس وہی موحد ہے جو ایک خدا جانا
سوائے لطف کے ایسے بہار میں کیا تھا　　بجز پیالۂ کیفِ بادہ خوار میں کیا تھا
جلوۂ حسن تیرا کیا کہیے　　جس نے دیکھا وہ بس نشانہ تھا
کیا عاشق کو تو نے یوں نظر بند　　کہ جوں آنکھوں میں پھرتی ہے نظر بند
جدھر دیکھا مری نظروں میں تو تھا　　مثال آئینہ خود روبرو تھا
نہ تھا کچھ ہوش محوِ بے خودی تھا　　کبھی میرا یہ رنگِ عاشقی تھا
مکاں ایک ہی گرچہ راہیں ہیں دو　　یہ دیر آپ کا وہ حرم آپ کا
جب سے دیکھا تجھے نہ ہوش رہا　　ہو کے حیرت زدہ خموش رہا

دیکھا تو خواب میں بھی ترا ہی خیال تھا　　اٹھا جو چونک کر وہی شوقِ وصال تھا
جس نے دیکھا اُسے سو جان سے تماشائی تھا　　طاقِ نسیاں یہ وہاں دفترِ دانائی تھا
گل میں جوں رنگ ہو پیوستہ نزاکت آمیز　　پیرہن یار کا یا جامۂ زیبائی تھا
نقش دیوار ہوا دیکھ کے ہر ایک اس کو　　تل کے غازہ کو وہ جب محوِ خود آرائی تھا
سختیاں عشقِ بتاں میں نہ اٹھاؤ شاداں　　کون جوڑے گا اُسے دل جو تمہارا ٹوٹا
اس طرف دھوم سے ساون کا مہینا آیا　　اُس طرف یار لئے ساغر و مینا آیا
بھلی لگے سے کسے سیرِ بوستاں تنہا　　نہ جاؤں باغ کو بے یار باغباں تنہا
جس طرح بحر میں حباب رہا　　اپنا اس طرح سے شباب رہا
راہبر ہو تو تجھے تا سرِ منزل پہنچائے　　راہ تو دور ہے اور بیچ میں روڑے پتھر
کام رستم کا کرے جو اُسے کہئے رستم　　وہ زبردست ہے جو ہاتھ سے توڑے پتھر

ہو تیرا اسہارا تو پہنچے کاہ سے آہن
پتھرا کے رہ گئی وہیں موسیٰ کی چشم شوق
بہار ایسی کبھی چھائی نہیں دیکھی گلستاں پر
ہوتا ہے کون عاشقِ ناشاد کی طرف
کیا رنگ رنگ کی ہیں طرحدار صورتیں
باقی نرہا حرف دوئی پیشِ رخِ یار
وہ پوچھتے ہیں جو ہم کو شاداں
جنہوں کو کشف ہوتا ہی عیاں ہوتا ہی سب اُنپر
برنگِ بوئے گل رہتے ہیں گل میں اور جدا اُس سے
صنم وہ جس گھڑی کھولے ہی منہ پر اپنی بالوں کو
اپنے ہاتھوں سے پلاتا ہے پیالہ لے ساقی
آنکھ سے پردہ نکر پڑے کا گھر یہ بھی تو ہے
چھپکے اُسکو دیکھنا چاہیں تو دیکھیں کس طرح
سُنا نہ تم نے یہ گفت و شنیدیں ہی گئی
خدا کا شکر کہ شاداں امید بر آئی
بہار لیکے ہمارے ہی گھر میں آئی ہے
صفحۂ دل پر میں کھینچوں شکل جاناں تو سہی
یوں چاہتا ہوں سینہ سے سینہ لگا رہے
گر وہ نہیں ہے یار تو پھر یار کون ہے
زاہد کرے ہے زہد گنہگار ہے خجل
تک لینی تھی مجنوں کی خبر دشتِ جنوں میں

ہمراہ بگولے کے چڑھے سنگ ہوا پر
نور اُسکا جلوہ گر جو ہوا کوہسار پر
گماں ہوتا ہے جنت کا زمینِ کوئے جاناں پر
سارا جہاں ہے اُس ستم ایجاد کیطرف
کچھ تو نگاہ کیجئے ایجاد کی طرف
آئینہ کو دیکھا تو نظر آئے ہمیں ہم
تم کہدو کہ جاں نثار رہیں ہم
دِوانے بھی کہیں دنیا میں دانشمند ہوتے ہیں
جو ہیں آزاد دنیا میں وہ کب پابند ہوتے ہیں
کھلاتا ہے دو طرفہ ہاتھ میں لے کے کالوں کو
آج توڑا اک ہی بیٹھی ہوئی پیمانوں کی
تُو تو دیکھے ہم نہ دیکھیں طرفہ تر یہ بھی تو ہے
دیکھتے دیکھے نہ کوئی ہم کو ڈر یہ بھی تو ہے
ملے نہ تم سے ہم اب کی بھی عیدیوں ہی گئی
جو تھی رقیب کے دل میں امیدیوں ہی گئی
گھٹا بھی عیش کی چاروں طرف سے چھائی ہے
اے مصور لکھ کے دکھلادوں گلستاں تو سہی
انگشتری میں جیسے نگینہ لگا رہے
اُس میں وفا نہیں تو وفادار کون ہے
دیکھیں کرم کا اُس کے سزاوار کون ہے
افسوس یہاں صاحبِ محمل نے کمی کی

آنکھیں ہوں تو کوئی اس کو دیکھے　　آنکھوں ہی کے پردے میں نہاں ہے
اے پری وش تو نے پائی ہے وہ صورت دلفریب　　آدمی کا ذکر کیا آئینہ بھی حیراں ہے
کر دیا دل تنگ غنچہ کو دہانِ یار نے　　آگ پھولوں میں لگائی آتشِ رخسار نے
قطرہ دریا کی جدائی سے کرے جب اضطرا　　ابرِ رحمت قطرہ کو اِک آن میں دریا کرے
آنکھ سے نیند بھی راتوں کو اُچٹ جاتی ہے　　دل میں کھٹکا جو ترا آٹھ پہر رہتا ہے
تیری الفت نے کیا لپیٹا ہے　　مثلِ موجِ گہر سمیٹا ہے
ہماری یار سے اچھی بنے گی　　چھنیگی اس سے اور گاڑھی چھنیگی
ہزاروں تجھ پہ شیدا ہیں قمر سے　　کروروں تجھ پہ غلطاں ہیں گہر سے
نشکل ہستی سراب کی سی ہے　　بے ثباتی حباب کی سی ہے
جلوہ گر وہ جو بام پر ہے آج　　چاندنی ماہتاب کی سی ہے
چھپانا رازِ محبت کا بوئے گل کی طرح　　جو بات دل میں تھی وہ درمیاں نکل آئی
اُچٹ گئی مری آنکھوں سے نیند اے ہمدم　　حدیثِ عشق کی جب داستاں نکل آئی

رباعی

سو طرح سے کرکے جبہ سائی دیکھی　　ہر رنگ میں شانِ کبریائی دیکھی
کچھ اور تو آیا نہ نظر شاداں کو　　جو کچھ دیکھا تری خدائی دیکھی

مخمس

اللہ رے اس کی کبریائی　　بندے کو نہیں وہاں رسائی
شاداں یہ خدا کی ہے خدائی　　کرتا ہے وہ سب سے جو بھلائی
حمد اسکی نہ طاقتِ بشر ہے

شاداں

شاداں - منشی بساون لعل شاداں قوم کائتھ میر منشی نواب امیر خاں بہادر والئ ریاست ٹونک۔ منشی صاحب بہت ذہین اور ذکی شخص تھے کتاب امیر نامہ یعنی سوانح عمری نواب موصوف کی انکی تصنیفات سے ہے اور ایک فارسی مثنوی بھی انہوں نے نواب ممدوح کے امیروں کے حالات میں لکھی تھی۔ ہندی کی شاعری میں بھی قاصر نہ تھے۔ ایک دن امیر خاں نذر باغ کی سیر کر رہے تھے

منشی جی بھی آئے نواب صاحب نے فرمایا کہ دیکھو گلاب کیا پھول رہا ہے۔ عرض کیا کہ حضور کے قدموں کی برکت ہے اور فکر کر کے یہ رباعی فی البدیہہ موزوں کی۔ نواب صاحب ٹہلتے ہوئے انکی طرف آئے تو کہا سنئے۔

گل گلاب نے خوبی عجب دکھائی ہے — بہار جامۂ گل گوں پہن کے آئی ہے
جو پوچھیے تو یہ ہے برکت قدوم حضور — وگرنہ گل نے یہ خوبی کہاں سے پائی ہے

شاداں

شاداں ۔ عندلیب چمن زار شیریں مقالی۔ گلچین بوستان نازک خیالی۔ جناب منشی ٹھاکر پرشاد۔ متخلص بہ شاداں لکھنوی آپکے والد لالہ منولال قوم کایستھ۔ رؤسا کے طبقہ میں ممتاز تھے۔ اسی خاندان میں لالہ لاچند محرر شاہی، نواب سعادت علیخاں کے زمانہ میں تھے۔ لالہ لاچند ابن لالہ سکھانند سدبرتی نے لکھنؤ محلہ مشک گنج میں طرح اقامت ڈالی۔ نواب کیطرف سے انہیں اخبار نویسی۔ کارخانہ جات طاہر خانہ کے خدمات سپرد کیے گئے۔ رائے بختاور رائے نے اپنی ہمت ذاتی سے غازی الدین حیدر کے عہد میں آسمان سے باتیں کرنیوالی عمارتیں بنائیں۔ اپنے اقبال کی تاریخ کو دوبارہ دہرایا مگر ہنگامہ غدر میں انقلاب کے ظالم ہاتھوں نے انکو ڈھا دیا۔ منشی صاحب نے ان تمام حالات کو نظم کا لباس پہنایا ارشاد فرماتے ہیں ؎

مکان ہائے مشک گنج کے ہوئے مسمار — یہ شاہ گردی سے پایا نتیجہ آخر کار

اب یہ خاندان محلہ حسین گنج میں آباد ہے۔ منشی صاحب کے پسر سوم بابو شنکر دیال صاحب ابھی حیات ہیں جو پرتاب گڑھ اودہ کی عدالت میں وکیل ہائیکورٹ ہیں۔ گو شاعر نہیں مگر شعرا کے قدردان ہیں۔ اور وہاں کے مشاعروں میں شرکت فرماتے ہوئے داد سخن دیتے ہیں منشی شاداں کا دیوان ۱۳۲۲ھ میں شایع ہوا ہے۔ جو خیالات عجیب مضامین غریب کا گلدستہ ہے طبیعت قیود متروکات کی پابند نہیں۔ قدیم زبان بولتے ہیں۔ طبع کی روانی میں کبھی ایسے صاف اور عمدہ شعر کہہ جاتے کہ خود بھی احساس نہیں ہوتا ہم نے کیا کہا۔ باایں ہمہ آپ نیچرل شاعر ہیں مگر علم بیان و معانی کو ادائے بیان میں ملحوظ رکھتے ہیں۔ قدیم مشرقی ادب کے شیفتہ۔ صنایع بدایع کے فریفتہ۔ ناظرین آپکی قابلیت کا اندازہ ایک رقعہ سے کر سکتے ہیں جو طبابت کے تلاذمہ میں اپنے بھائی منشی سالک رام کو

لکھا ہے۔ اسکو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگلے بزرگ اُردو زبان کی انشا پردازی فارسی زبان سے کسقدر مشابہ بنانا چاہتے تھے۔ چند جملے یہ ہیں۔

نبض شناس درون سینۂ ریشاں۔ باعث تندرستیٔ خویشاں۔ سامی نامہ سعادت آگیں کہ جس کے الفاظ خاصیت نوشدارو۔ ہر حرف فواکہ میوۂ اتحاد سے ہم پلۂ ترازو سنبل الطیب آسکے روبرو سرنگوں۔ عبارت پر پیچ سے نافہ لبطن آہو میں آمادۂ صحرائے جنوں نکتوں کو مصری کی ڈلی یا دانہ مسلسل انار شیریں یا بیدانہ طراوت آگیں سے مناسبت یا دانۂ عناب لائچی سے مشابہت دیجئے۔ فقروں کو قاش سردۂ کابلی طرحدار یا خوشۂ کیلۂ خوشگوار کہئے۔ عین انتظار میں سایہ فگن ہوا۔

افسوس ہے کہ آپکا دیوان کاتبوں کی عنایت سے اکثر جگہ غلط چھپا۔ کلام کا انتخاب یہ ہے۔

جام جم جاتا رہا طشت زمیں باقی رہا
کاسۂ چرخ کہن بھی ویسا کورا رہ گیا

رخ و زلف سیہ سی ہے شبانہ روز اک دہشت
شب ہجرت کٹی "جیوں تیوں" تو آیا روز رستخیز کا

طوطیٔ خوش مقال سے خالی قفس رہا
دل بستگی کو ہائے یہ تار نفس رہا

کبھی راتیں وہ تھیں حاصل کہ مینا ہی کا قلقل تھا
نشوں کی تھی چڑھائی اور سرور عیش بالکل تھا

بغل میں اک طرف ساقی تھا اور تھی چاندنی چھٹکی
مئے الفت میں سرخوش تھا کہ سرتاپا تغافل تھا

فلک کو رشک یہ آیا کیا برباد سب جلسہ
کہے ہے یہ مغاں اٹھ اٹھ یہاں شیشہ وہاں قلقل تھا

باطن کے دانت اور ہیں ظاہر کے اور ہیں
سچ ہے مثل کہ ہاتھی کے ہیں دو رقم کے دانت

چشم بددور کہ ہیں آپ قمر کی صورت
حوریں پائینگی کہاں ایسے بشر کی صورت

گھر میں آرام جو ہے وہ ہمیں غربت میں کہاں
ایک ہوتی ہے سفر اور سقر کی صورت

ملک ہستی میں کہاں دیکھوں کمر کی صورت
ہاں عدم سے کوئی مل جائے خبر کی صورت

زر سے شاداں نہیں کوئی نشہ زور
سب پہ بالا ہوئے ہیں زر کے پیچ

دہن میں اسکے یوں سرخی نمایاں
شفق میں جس طرح ہو مہر انور

ہے شب ہجراں میں رونے سے مرے بیزار شمع
میری حالت دیکھکر گھلتی رہی ہر بار شمع

سانپ کاٹے تو ہو دوا ممکن
زلف کاٹے تو کیا کرے تریاق

یاد آئی اُس لبِ رنگیں کی سرخی یک بیک
اشکِ سرخ آئے نکل روتا رہا میں دیر تک

اُس کے کوچہ میں جو چلتی ہے نسیم عطر بیز
کیا عجب ہوں نشگفتہ اسکی سمت جا کے در پھول

وحشت اُس گلرو کو ہے اس درجہ میرے نام سے
قبر پر جاکر نہ ٹھہرا واپس آیا دھر کے پھول

قصر میں اور سقف در میں اسکے ہیں گلکاریاں
گلشنِ رخسار پر خنداں ہوں اسکے در کے پھول

روشنی یادِ حق دل میں ہوئی جب آشکار
دل منور ہوگیا اور طور آنکھیں ہوگئیں

تجھکو کہئے یا فرشتہ یا کہ غلمانِ بہشت
نور کا سارا بدن اور حور آنکھیں ہوگئیں

بے حجابانہ کریں وے بات غیروں سے یونہی
ہم سے کہنے کیلئے رکھتے ہیں پردہ کان میں

نور اسکا ہے دہر میں چھایا
ہے شجر میں حجر میں ہر شے میں

عیاں ہے میری یہ شور شر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ بارا
یہ آہ سوزاں و چشم تر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

تم جو آؤ نعمتیں سب جمع ہوں محفل میں خوب
ابر و بادہ جام و ساقی شمع جوہر آئینہ

عکس آئینہ کی مانند ہیگا یہ کارجہاں
گور میں کب لے گیا اپنی سکندر آئینہ

جو دیکھے چہرہ ترا گل تو بیکلی ہو جائے
چہ ذقن کو پری دیکھ باؤلی ہو جائے

داغ چیچک کے جو اُس مہ کے چہرے پہ ہیں عیاں
دن کو معلوم یہ ہوتا ہے کہ اختر نکلے

باغباں غافل نہ ہو بادِ خزاں کا خوف کر
ایک دن دیکھے گا تو پھولوں کو مرجھائے ہوئے

سلائی سرمہ کی مرغوب چشمِ یار کو ہے
عصا ضرور ہو بیمار ناتواں کیلئے

جو دیکھے مہر کو واں اسکی برتری ہو جائے
پڑے جو سایہ زمیں پر تو وہ پری ہو جائے

شاداں

شاداں ۔ خان بہادر مولوی سید زین العابدین خاں پنشنر سبارڈنیٹ جج و رئیس علیگڑھ انکے والد مولوی محمد حسین مرحوم جونپور کے قدیمی عمائد میں تھے۔ مگر انہوں نے سر سید احمد خاں مرحوم سے یک جہتی و دلی اختصاص کے باعث علیگڑھ میں اقامت اختیار کی اور وہیں ۷۲ برس کی عمر میں انتقال کیا

مولانا زکی کے گہرے دوست تھے۔ غالباً فن سخن میں بھی انہیں سے مشورہ ہوگا۔ راقم تذکرہ کو بھی آپ سے نیاز حاصل تھا۔ اُنکے بیٹے ڈپٹی زین الدین مین پوری میں کلکٹر ہیں۔ یہ چند شعر تبرکاً درج ہیں۔

طلب عیش میں تن سے طلب یار میں روح ۔۔۔ کیا عجب تن سے جدا ہو اسی تکرار میں روح

جان ہے تن سے جدا اس سے الفت چھوٹے ۔۔۔ گور میں جسم ہے اور کوچۂ دلدار میں روح

خواب میں ڈھونڈنے کے واسطے اس یوسف کو ۔۔۔ گھر سے راتوں کو نکل جاتی ہے بازار میں روح

میں بھٹکا تھا تیری نصیحت سے واعظ ۔۔۔ ملا اس صنم سے خدا کرتے کرتے

شاداں

شاداں۔ مہر سپہر شاعر خورشید فلک سخنوری ناظم رطب اللسان۔ شاعر معجز بیان مرزا حسین علیخاں المتخلص بہ شاداں دہلوی خلف اصغر نواب زین العابدین خاں عارف نبیرۂ مرزا قاسم جان سہراب جنگ (جنکے نام سے ابتک قاسم جان کی گلی دہلی میں مشہور ہے) مرزا زین العابدین خاں عارف۔ نواب الٰہی بخش خاں معروف کے نواسے اور مرزا غالب کی حقیقی سالی کے لڑکے تھے اور بچپن سے اُنہیں کے زیر سایہ پرورش پائی۔ مرزا ہی کی تعلیم و تربیت کے زیر اثر رہ کر رموز و نکات شاعری حاصل کئے۔ فارسی کی استعداد نہایت عالمانہ تھی۔ اُردو میں بھی پُرگو اور قادر الکلام شاعر تھے۔ چنانچہ دو دیوان اُردو کے مؤلف ہذا کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔ گو عام طور پر انکی شہرت نہیں ہے۔ زین العابدین خاں عارف نے عنفوان شباب میں انتقال کیا۔ انکا مفصل ذکر ردیف (ع) کی جلد میں آئے گا۔ دو بچے۔ مرزا باقر علیخاں کامل اور مرزا حسین علیخاں شاداں اپنی یادگار چھوڑے۔ ان دونوں کو مرزا غالب نے نہایت ناز و نعم سے پالا اور دونوں کو اپنا متبنیٰ کر لیا۔ مرزا کی وفات کے بعد مرزا باقر علیخاں کامل نے ریاست الور میں بہ عہدۂ وکالت سلسلہ ملازمت اختیار کیا اور مرزا حسین علیخاں ریاست رامپور میں مرزا غالب کے تعلق قدیمانہ کی وجہ سے بزمرۂ شعرائے دربار ملازم ہوئے۔

مرزا شاداں کو زمانہ طفلی میں اکثر حضرت غالب کے تلامذہ چھیڑا کرتے تھے کہ تم کو جب شعر ہی کہنا نہیں آتا تو تم مرزا کی فرزندی کا کیا دعوے کرتے ہو یہ سنکر خاموش ہو جایا کرتے تھے۔ ایک دن کا

واقعہ ہے کہ مرزا شاداں پتنگ اُڑا رہے تھے طبیعت نے جوش جو مارا تو ایک شعر موزوں ہوگیا فوراً مرزا قربان علی بیگ سالک کے پاس آئے اور کہا کہ آج ہم نے ایک شعر کہا ہے آپ اسے درست کر دیجئے۔ یہ کہکر یہ شعر پڑھا ؎

دلِ مضطرب کا ہے اپنے قصور
نشانہ جو اُنکا خطا ہوگیا

اسوقت مرزا شاداں کی عمر بارہ تیرہ سال کی تھی حضرت سالک اور تمام سامعین سنکر حیران ہوگئے۔ اسی طرح فغانِ دہلی کی تحریر کے وقت بھی اُنکی عمر تیرہ چودہ برس کی ہوگی کہ متعدد شعرا کے شدید تقاضے سے عاجز آکر کہ اُستاد کے بیٹے ہو کچھ تو کہو۔ انہوں نے دہلی کا مرثیہ کہا جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

مٹ گیا خوب ہوا نام و نشانِ دہلی
میری پاپوش سے بنے مرثیہ خوانِ دہلی

رامپور میں اُنکو پہلے تیس روپیہ ماہوار ملتے تھے مگر پھر ساٹھ روپیہ ملنے لگے۔ نواب کلب علی خاں خلد آشیاں کا دربار اسوقت مرجعِ اہلِ کمال ہو رہا تھا امیر و داغ کی شاعری کا پورا پورا شباب تھا یہ بھی اُسوقت انہیں کے ہم صحبت تھے مگر متواتر شعر کہنے کا اُس وقت تک اتفاق نہ ہوا تھا۔ مگر ایک مرتبہ نواب صاحب نے ان سے لہجہ طنز میں کہا کہ مرزا غالب کی تنخواہ تو لیتے ہو شعر بھی تو اُنکا سا کہا کرو۔ چنانچہ ایک مرتبہ مشاعرہ ہوا۔ ؏ جلوے مری نگاہ میں کون و مکاں کے ہیں اسی بحر اور اسی قافیہ ردیف کی طرح تھی۔ مرزا شاداں نے بھی اس زمین پر گلکاری کی اور سچ تو یہ ہے کہ نہایت سیر غزل لکھی۔ شریکِ مشاعرہ ہوکر اور اپنی اس پہلی غزل سے سامعین کے دلوں کو ہلا دیا۔ آخر زمانہ میں انکو مالیخولیا ہوگیا تھا جسکی وجہ سے یہ خیال انکے ذہن نشین تھا کہ شاعر کے لئے دُبلا ہونا نہایت ضروری ہے۔ مرزا ارشد گورگانی جو انکے جگری دوست تھے اُن سے مرزا شاداں کہا کرتے تھے کہ داغ کو کبھی شعر کہنا نہ آئے گا کیونکہ شاعری اور فربہی سے بہت بُعد ہے۔ ہوتے ہوتے یہ جنوں یہاں تک بڑھا کہ پانی بھی پینا بہت کم کر دیا۔ ایک چھوٹی سی سیپ کی ڈبیہ میں احتیاط کی وجہ سے پانی پیا کرتے تھے۔ حکیم غلام رضا خاں مرحوم نے انکو خمیرہ کا ایک نسخہ لکھدیا۔ ا۔ بسنفدا

بھی بالکل ترک ہوگئی تھی۔ یہ معمول کرلیا کہ دس بارہ آنے کے پیسے جیب میں ڈال کر بازار میں آکر کھڑے ہوگئے اور دو دو چار چار پیسوں کا خمیرہ لیکر کھانا شروع کیا جب سب پیسے ختم ہوگئے مکان پر آکر لیٹ رہے۔ اب نقاہت اس درجہ بڑھی جس نے جان ہی لیکر چھوڑا۔ آخر ۲۷ برس کی عمر میں مرض توہم میں مبتلا رہکر اس دارفنا سے عالم بقا کو رخصت ہوگئے۔ شاداں نے مرزا کی وفات کے بعد کمتر مولانا حالی سے اور بیشتر نواب مرزا قربان علی بیگ سالک سے مشورہ سخن کیا۔ مرزا شاداں کی طبیعت میں بچپن سے شوخی و شرارت بھری تھی، ایک دن کا قصہ ہے، کوئی تیرہ چودہ سال کی عمر ہوگی کہ انہوں نے مرزا غالب سے کہا کہ نانا جان ہمیں پچاس روپیہ کی ضرورت ہے ابھی دیدو۔ مرزا نے کہا بیٹا میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے تمکو کہاں سے دوں، شاداں بضد ہوئے اور کہا ہم تو لیکر ہی ٹلینگے اسپر غالب نے جواب دیا کہ روپیہ تو نہیں ہے میری بوٹیاں کاٹ لو یہ سنکر مرزا شاداں چھری لیکر کھڑے ہوگئے اور کہا نانا جان آپکی ایک ایک بوٹی بھی تو پچاس پچاس روپیہ کو بک جائیگی۔ مجھے جگہ بتادیجئے کہ کہاں سے کاٹوں۔

سبحان اللہ کسقدر پرلطف شوخی تھی۔ اور اسی شوخی کے باعث کلام بھی نہایت درجہ شوخ نظر آتا ہے۔ مجموعہ کلام آنکی وفات کے بعد اُنکے اعزا و احباب کی غفلت سے تلف ہوگیا۔ اکمل الاخبار ان ایام میں جاری تھا۔ اُسکے پرانے فائلوں اور بعض دہلی کے مشاعروں کی غزلیں بجد کاوش و جستجو سے ملیں وہ درج ذیل ہیں۔ میرا خیال ہے کہ سجاد۔ میرزا ارشد۔ نواب احمد سعید خاں طالب۔ منشی بہاری لال مشتاق انکے ہم صحبت و ہم مشق تھے۔ جودت فکر اور نازک خیالی اور مضمون آفرینی کیطرف طبیعت کا رجحان زیادہ تھا۔ اپنے والد گرامی قدر کی طرز شاعری کے اسیر تھے۔ زندہ رہتے اور عمر وفا کرتی تو لوگوں کو ان سے امیدیں تھیں کہ انکا نام خوب روشن کرتے کلام ہدیۂ ناظرین ہے ؎

ہے مژدۂ وصل اب مجھے پیغام قضا کا	ہمادی ہوں غم و رنج کا خوگر ہوں جفا کا
خلوت میں زلیخا سے چھٹا دامن یوسف	اچھا جو ذرا ہاتھ پڑا بخت رسا کا

چھوٹے نہ غم و رنج سے ہم بعد فنا بھی ۔ ہے تعزیت عشق تو ماتم ہے وفا کا
نازک ہی وہ کتنا کہ تصور میں بھی میرے ۔ آنکھوں سے اٹھایا نہ گیا پردہ حیا کا
یاں ضعف سے رنگ اُڑ نہ سکا اور وہ سمجھا ۔ ہے رنگ کچھ اچھا ہدف تیر قضا کا
ہی فتح نہ ہزیمت بھی بتوں کی کہ جہاں کو ۔ پھرنا صف مژگاں کا ہے پیغام قضا کا
وہ معنیٔ روشن کی تجلی ہے کہ شاداں ۔ باطن ہے ہر اک شعر مرا اہل صفا کا
ناز کرنا تو ذرا اُس سے یہ سمجھکر کرنا ۔ آپ کی طبع سے نازک ہی سوا دل میرا
آئینہ توڑ کے کہتا ہے وہ مغرور جمال ۔ اور بھی کوئی جہاں میں ہی مقابل میرا
تری لافِ نازکی کا مجھے اعتبار ہوتا ۔ ترا تیر او ستمگر جو نہ دل کے پار ہوتا
تری ہر ادا پہ مرتا ترے ہر سخن پہ جیتا ۔ مجھے موت زندگی پر اگر اختیار ہوتا
انہیں سمجھا بیاں تھیں مری بیخودی کے باعث ۔ کبھی آپ میں نہ آتا جو میں ہوشیار ہوتا
مری خاک ہو تسلی ترے وعدۂ غلط پر ۔ تجھے گر نہی نہ آتی مجھے اعتبار ہوتا
مدد اے بخت کہ سب کام بنے جاتے ہیں ۔ گر یوں ہی کچھ اثر نالہ و فریاد رہا
مژدہ اے یاس کہ پھر آئی مصیبت دل پر ۔ حسرت اے دل کہ انہیں وعدہ بھی یاد رہا
غمیں ہیں یہاں وہ لطف کہ بڑھتے ہیں ہمیشہ ۔ ہم پر یہ ستم ہے کہ ہوا ہو نہیں سکتا
ذوقِ نظارہ سے نہیں باقی ادب کا نام ۔ سر مجھ سے زیر تیغ جھکایا نہ جائے گا
شاداں نے دل لگا کے بتوں سے بُرا کیا ۔ اُس سے یہ راز عشق چھپایا نہ جائے گا
آئینہ دیکھ کے کہتے ہیں یہ منہ پھیر کے وہ ۔ کوئی کھینچے لئے جاتا ہے اُدھر دل میرا
پردہ اٹھا ہوا ہے رُخ پُر جمال کا ۔ اڑتا ہے آج رنگ ہمارے خیال کا
میری نگاہ شوق پھر آئی مگر کہیں ۔ نظارہ ساز غیر ہے اُسکے جمال کا
ایسا نہ کچھ ضعف کہ اُس در کی راہ میں ۔ دم ٹوٹ جائے غیر کے گھر پر خیال کا
ہیں اہل بزم ہاتھ جگر پر دھرے ہوئے ۔ کچھ ذکر آگیا تھا وہاں میرے حال کا

سر مرا جبکہ تہ زانوئے قاتل آیا ۔ اک مزا وصل کا مجھکو دم بسمل آیا
اُس کے کوچہ سے نہ نکلا کوئی بچکر ہرگز ۔ کشتہ نکلا کوئی واں سے کوئی گھائل آیا

ایک سکتہ کا سا عالم ہوا سب کو شاداں ۔ آج محفل میں جو وہ حور شمائل آیا
کیا اسپر ترکش کوئی اس کی نگاہ شوخ ۔ بدلا ہوا جو طور ہے قاصد کی چال کا

خاموشی اک بیاں ہے میری راز عشق کو
رنگِ شکستہ آئینہ ہے میرے حال کا

عالم نہ پوچھیے میرے خیال کا
آئینہ بن گیا ہوں کسی کے جمال کا

دہاں خامشی نے قفل دہن لگا دیا
یاں شوق سے ہجوم ہے لب پر سوال کا

بھڑکے اگر چراغ تو ہستی تمام ہو
ہر چیز کا کمال ہے باعث زوال کا

شاداں کو کچھ گرا ہوا سمجھو نہ اہلِ بزم
یہ شخص بھی جہاں میں ہے اب کمال کا

میرا ہی لاغری سے نہ پایا نشاں مگر
کیا کیا نہ تنگ میرے لئے پیرہن ہوا

نہ جاگا روزِ جزا میں بھی خواب شیریں سے
ہنوز طالع خفتہ ہے نوجواں میرا

محشر کو سنے گا نہ کوئی صور کی آواز
ہے شور جو یہ ہی مری نالوں کی صدا کا

پایا نہ فروغ آگئے شب ہجر کے ہرگز
چمکا نہ ستارہ سحر روز جزا کا

اُس گل کا تصور تھا جو آنکھوں میں دم نزع
گویا دم آخر مرا جھونکا تھا صبا کا

جس کے نقش پا پہ شاداں ہو رہے ہیں فتنے نثار
ہو کہاں سکتا ہے محشر اسکی ٹھوکر کا جواب

حشر تک ہوتا نہ دیدار رخ جاناں نصیب
آئینہ ہوتا اگر میرے مقدر کا جواب

عکس سے اُس سنگدل کے صورتِ دل ٹوٹ جائے
آئینہ بنجائے گر سدِ سکندر کا جواب

بھول جاؤگے سب خوشی شاداں
کسی غمگین سے جب ملینگے آپ

کس جائے ہوا میرے تصور کا گذر آج
آتی نہیں جو اپنی حقیقت بھی نظر آج

اس موت پہ قربان کروں زندگی خضر
اُس کوچہ میں پہونچی مرے مرنیکی خبر آج

کل ہو کے دوچار اُس نگہ شوخ سے یارب
آنکھوں میں ٹھہرتی ہی نہیں میری نظر آج

وہ دیکھنے آتے ہیں مرے حالِ زبوں کو
اچھا ہے جو پڑ جائے میرا دردِ جگر آج

برسوں میں نظر آئی ہے شام شب عشرت
یارب رہے کچھ دور گماں سی بھی سحر آج

یاں جنبش لب کی بھی نہیں ضعف سے طاقت
مشتاق ہے گو میری دعاؤں کا اثر آج

دیکھا ہے مری بیخودی شوق کو تو نے
قاصد نہ رہے گی تجھے اپنی بھی خبر آج

ٹرجائے اگر سروِ قدِ یار کا سایہ
گو چلتے ہیں آہستہ نزاکت سے وہ لیکن

وہ خوگرِ غم ہوں کہ بھر آئے وہیں آنسو
کل تک بھی مجھے تاب تھی کچھ کہنے کی شاداں

دل مضطرب بھی ہے پہلو میں قاتل
شب وعدہ اُنسے نہ پہچانا مجھکو

یہ بھری ہوئی تھی شوخی کہ تمہارے گھر سے یہانتک
ہوئی دوچار اپنے عکس سے وہ بہ پیش آئینہ کوئی صورت

شب ہجراں میں یہ تڑپا میں سحر ہونے تک
رفتہ رفتہ رخِ تاباں سے اٹھا دو پردہ

تم تو آتے ہی رہے بہر عیادت اور ہم
دیکھیں وہ اچھے ہیں یا ہم ہی اُنسے اچھی

مژدۂ وصل ہی لاتا ہوا گر قاصد
وہ یہ کہتے ہیں جو کرتے ہو دعا بھی کر لو

جلد شاداں کی خبر لے کہیں ظالم ورنہ
ہیں آرزو کا مقدر میں تھا نہ بر آنا

بھرتی ہے کوئی جیسے آنکھوں میں
ہر لحظہ سدِ راہ جو میرے فغاں کے ہیں

لے ضعف دیکھ بھال کے مجھکو گرائیو
کس نازکی سے آتے ہیں میری خبر کو وہ

میں ناتواں ہوا اور وہ نازک شبِ وصال

آجائے مری نخلِ تمنا میں ثمر آج
دوڑی ہوئی جاتی ہے خوشی غیر کے گھر آج

مجھ پہ تبسم جو ہوا زخمِ جگر آج
آتے ہیں وہ سُننے کو مرا دردِ جگر آج

ذرا پانوں سینہ پہ رکھنا سنبھل کر
خوشی نے دیا رنج صورت بدل کر

کہیں نامہ بر کے منہ پر نہ رکا جواب ہرگز
کہ لگی تھی نگاہِ شوخ اُنکے جو یہاں کی نقابِ عارض

مل گیا خاک میں اُس بُت کو خبر ہونے تک
چاہیئے عرصہ مجھے تابِ نظر ہونے تک

مر گئے چارۂ آزارِ جگر ہونے تک
رنگ کھلجائے گا اُس کا بھی سحر ہونے تک

کیا بچوں گا ترے آنے کی خبر ہونے تک
ہم مزا تم کو دکھا دینگے اثر ہونے تک

گذرے گا جان سے وہ تیر اگذر ہونے تک
وہی ہوئی دلِ ناکامیاب میں داخل

یہ میرے بخت کا تو خواب نہیں
سینہ میں یہ بھرے ہوئے ارماں کہاں کے ہیں

نزدیک دشمنوں کے بھی گھر ہاں کے ہیں
گویا قدم یہ مجھسے کسی ناتواں کے ہیں

پڑے کبھی نہ اٹھیں گے جو درمیاں کے ہیں

جاگا ہے پاسباں درِ یار رات بھر
اُلٹے اثر نصیب ہیں میرے فغاں کے ہیں

دیکھا ہے میں نے خوب مریدوں کو شیخ کے
اچھے وہی ہیں یار جو پیرِ مغاں کے ہیں

روتے ہیں آکے قبر پہ غیروں کے ساتھ وہ
کیا کیا مٹانیوالے ہمارے نشاں کے ہیں

میں اپنی داستانِ محبت جو کہہ چکا
وہ پوچھتے ہیں مجھ سے وہ نازک کہاں کے ہیں

پہلو میں میرے اور یہ پیدا ہوا رقیب
آثارِ عشق رُخ پہ میرے رازداں کے ہیں

کیا اُن سے اٹھ سکیں گی یہ باتیں رقیب کی
میں بھی تو دیکھوں ایسے وہ نازک کہاں کے ہیں

غم ایک میرے دل میں زمانے کے بھر گئے
دل ایک زلف میں تری سارے جہاں کے ہیں

بدنامی اسکی کیوں کی مری دردِ آہ نے
پردے میں اسکے مجھ پہ ستم آسماں کے ہیں

گھر سے گئے ہیں یا کہیں باہر سے آئے ہیں
کچھ ہوش آج بگڑے ہوئے پاسباں کے ہیں

شاداں چھپائے لاکھ یہ چھپتے بھی ہیں کہیں
آثار اُس کے چہرہ پہ عشقِ بتاں کے ہیں

اے برق وہ جلائیگی کیا آہِ آتشیں ۔ تنکے بچے ہوئے جو مرے آشیاں کے ہیں

بیخودی کام آگئی آخر
کہ انہیں مجھ سے کچھ حجاب نہیں

اُس نے پوچھا تو کہہ دیا بتاؤں گا
حسرتوں کا مری حساب نہیں

خیر ہو آج بزم کی شاداں
کہ وہ آتے ہیں اور نقاب نہیں

آفت کا توڑ ہے ترے تیرِ نگاہ میں
پیدا اثر کہاں سے ہو عاشق کی آہ میں

تعزیر اپنے ہاتھ سے دیتے ہیں بار بار
ملتی ہیں راحتیں مجھے کیسی گناہ میں

بچتے ہیں دور کر کے مری خاک کا گماں
اُڑتی ہوئی جو دیکھتے ہیں گرد راہ میں

شرماتے ہو کہ نیند کا آنکھوں میں ہے خمار
کل کی سی بات ہی نہیں طرزِ نگاہ میں

میں ان بتوں کے عشق میں یاں تک پہنچ گیا
اب خود نہیں سماتا ہوں اپنی نگاہ میں

دیکھی ہوئی ہے تیری درازیٔ شبِ فراق
کیوں آئے روزِ حشر ہماری نگاہ میں

آمد جفائے تازہ کی آتی ہے چرخ سے
جاتا ہے میرا نالہ تو رکتا ہے راہ میں

یہ ناتواں ہوا ہوں کہ اب کوئی یا تنگ
نالہ بھی میرا جائے تو سو جا راہ میں

کیا بھید ہے کہ روز وہ آ کر یہ کہتے ہیں
ہے کس بھروسہ پر تمہیں شاداں امیدِ وصل

کہتے ہیں عہد شکن تمہیں سمجھے ہو کیا تم مجھکو
پوچھتے ہیں کہ تمنا تو بتاؤ کیا ہے

ناتوانی نے کیا ہے یہ سبک نظروں میں
نالہ و آہ سے ہی رنجشِ جاناں منظور

کہتے ہیں دیکھتے ہیں آئینہ یونہی ہم بھی
اسکو حالت یہ مری پہونچی ہے کچھ ایسی شاداں

تم بھی آ جاؤ یکایک تو خبردار نہوں
بیقراری مری یہ انکی ہی شوخی وہ سمجھ

یاس سے کہتا ہوں کوئی چارہ گر آئے یا رب
ساقیا جام کے بدلے دے کوئی خم مجھکو

کوئی ہنگامہ ہی یا گھر سے وہ نکلی ہیں کہیں
ایک وہ ہیں کہ جو دل چاہے وہ کہتی ہیں مجھے

حسرت گریہ گئی ہو نہ کبھی جائیگی
ساقیا اس تیرے مے خانے میں کھلا کیا ہے

کوئی سنتا نہو اسکی بھی ذرا فکر رہے
نزاکت سے زیادہ ہے تجلّی

الٰہی نازکی بڑھ جائے انتہی

بتلا تو کچھ اثر بھی ہوا تیری آہ میں
ہے نالہ میں اثر نہ ہے تاثیر آہ میں

وعدہ کے ساتھ جو آتا ہے تبسم مجھکو
جانتے ہیں کہ نہیں تاب تکلم مجھکو

پتلیاں پھیرتے ہیں دیکھ کے مردم مجھکو
مار ڈالیگی غلط فہمی مردم مجھکو

جس طرح دیکھتے ہو آنکھ بھر تم مجھکو
خود وہ کہتے ہیں کہ آتا ہے ترحم مجھکو

بیخودی نے شبِ عشرت یہ کیا گم مجھکو
میں تمہیں دیکھ سکوں گا نہ کبھی تم مجھکو

زخم بھی دیکھ کے کرتے ہیں تبسم مجھکو
تا کہ اس بزم میں ہو تاب تکلم مجھکو

آج آتی ہے نظر کثرتِ مردم مجھکو
ایک میں ہوں کہ نہیں تاب تکلم مجھکو

سخت شدت سے رونے کو ہا رب کوئی قلزم مجھکو
خم گردوں کے برابر دے کوئی خم مجھکو

شکوۂ غیر سناتے ہو اگر تم مجھکو
وگرنہ تم تو نظروں سے نہاں ہو

کہ ان کو ناز کرنا بھی گراں ہو

کام کیا ہم کو تری رہ میں کسی رہبر کے ساتھ
لاگ اس ظالم کو ہے ہر عاشقِ مضطر کے ساتھ

جب تصور آگے آگے ہو دلِ مضطر کے ساتھ
گردشیں گردونِ دوں کی ہیں ہمارے سر کے ساتھ

اُن سے نازک کو نکلنے دے نہ قابو سے مرے
اے طبیعت ہاں اُلجھ اچھی طرح دلبر کیساتھ

اپنی مرگ و زیست پر ہوتا جو ہمکو اختیار
مرا دا پر اُنکی مرتے جیتے ہر ٹھوکر کیساتھ

نعش پر منہ ڈھانکنے کا ہے بہانہ ورنہ میں
رنجشیں در پردہ وہی عاشق مضطر کیساتھ

خدمت اُس بُت نے بلا گردانیوں کی دی مجھے
گردشِ تقدیر سے نکلا مگر چکر کیساتھ

ہے وہ نازک خواب میں پہنچو نہ مجھ تک گر ہو
جذبِ دل میرا خیالِ قامتِ دلبر کیساتھ

ہو چکی شیشے میں ہے مجھ تک جو آیا دورِ جام
گردشِ قسمت تھی اپنی گردشِ ساغر کیساتھ

بتیوں پر آ گئی صورت پرستوں کو نظر
وہ جو اک نسبت دلِ شیریں کو تھی پتھر کیساتھ

ظرف سے اپنی کہیں ساقی نکلجائے نہ مے
گردنِ مینا جھکائے رکھ ذرا ساغر کیساتھ

بیخودی نے ضعف میں مجبور ایسا کر دیا
آپ میں آتا ہوں یادِ شوخیٔ دلبر کیساتھ

اضطرابِ دل نے اس رہ میں بڑہایا وہ قدم
نقشِ پا تک بھی نہیں میرا مرے رہبر کیساتھ

پہنچ نہ جائیں دلِ عیسیٰ میں کہیں یا رب
کہ میرے سینے میں ارمان سما نہیں سکتے

وہ خاک رحم کریں نازکی سے ہیں مجبور
کہ ہاتھ میرے ستم سے اُٹھا نہیں سکتے

کسی کی سُن لے کہیں کیا یہ ناتوانی ہے
کہ بات کا بھی مزا ہم اُٹھا نہیں سکتے

یہ بار بار جو پیکاں کو دیکھتے ہو تم
نکل گئی کوئی کیا آرزو مرے دل کی

اُٹھکر درِ جاں سے کہو کوئی کدھر جائے
جی سے نہ گذر جائے تو دنیا سے گذر جائے

ڈر ہے کہ وہ تکفین کو اُسکی نہ چلے جائیں
یا رب نہ عدو میری شبِ وصل میں مر جائے

سالک ہیں میخانہ تو بیعت ہوں ناصح
وہ نشہ نہیں مجھکو جو باتوں میں اُتر جائے

کیونکر نہ گھٹے لطفِ شبِ وصل عدو کا
عارض پہ ترے زلفِ پریشاں جو بکھر جائے

دیدار میں وہ لطف جسے دیکھکے ہو زیست
رفتار میں وہ قہر جو دیکھے وہ مر جائے

رنجوریٔ الفت کا مری پوچھ نہ انجام
آغاز میں وہ درد سے جو تند گذر جائے

آرائشیں ہر دم سے نہ ہوئے جسے فرصت
شاداں کی پریشانی پہ کیوں اُسکی نظر جائے

مرجاؤں گا اک روز فغاں کرتے ہی کرتے — حالِ دلِ بیتاب بیاں کرتے ہی کرتے
پورا نہ کہا جائے گا حالِ تپِ ہجراں — گذرے گی شبِ وصل بیاں کرتے ہی کرتے

محبت نے مجھے کھینچا کہاں سے — کہیں آیا زمیں پر آسماں سے
سنو میرا درد ہے حالِ دلِ زار — مزا پاؤ گے تم اس داستاں سے
بس اب خاموش کیا کیا کہہ چکے ہو — نکل جائے نہ کچھ میری زباں سے
تم اپنا رنگ آئینہ میں دیکھو — تمہیں کیا کام رنگِ عاشقاں سے
بہت سی خاک چھانی تم نے شاداں — قدم باہر نہ رکھو اب مکاں سے

دل کسی شخص پہ آجائے تو کچھ حال کھلے — آپ کیا جانیں کہ عاشق کی طبیعت کیا ہے

نشانہ دل ہے بسم اللہ کیجے — اگر کچھ شوق ہے تیر و کماں سے

شاداں (شاداں) — مولانا مولوی سید اولاد حسین صاحب شاداں بلگرامی ابن مولوی سید تفضل حسین صاحب انکا بیان ہے کہ انکا نسب ۳۳ واسطہ سے امام علی نقی تک پہنچتا ہے۔ انکے اجداد میں سید جلال بخاری و سید نظام الدین اولیا و جہانیاں جہاں گشت ہیں۔ بعد غدر انکے دادا مولوی سید فدا حسین آرہ میں وکالت کرتے تھے اور انکے والد بھی وہیں رہتے تھے۔ اس وجہ سے آپکی ولادت وہیں یکم ربیع الثانی ١٢٧٦ھ کو ہوئی۔ تین برس کی عمر میں اپنے دادا کے ہمراہ بلگرام میں تشریف لائے اور وہیں کے قصباتی اسکول میں تعلیم پائی۔ چودہ برس کی عمر تک وہاں فارسی پڑھتے رہے اسکے بعد لکھنؤ میں تحصیل علوم انگریزی و عربی میں مصروف ہوئے۔ سنہ ۱۸۹۱ء میں انٹرنس تک انگریزی پڑھکر ترک تعلیم پر مجبور ہوئے اور قلت معاش نے نوکری پر مجبور کیا۔ سہارنپور محمود آباد وغیرہ میں مدرسی کرتے رہے۔ مگر آپنے زمانہ تدریس میں بھی طلبا کیساتھ پنجاب یونیورسٹی کا امتحان اینٹرنس انگریزی کیساتھ دیا ہو اسمیں کامیاب ہوئے اور سنہ ۱۸۹۵ء میں آپنے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ اسی وقت دُرّہ نادرہ کی شرح لکھی۔ آپ سنہ ۱۹۰۱ء میں ریاست رامپور تشریف لائے اور جناب نواب سید النظیر حسن صاحب خلف ماہر لکھنوی کی سعی و کوشش سے مدرسہ عالیہ میں فارسی پڑھانیکے واسطے مقرر

ہو گئے۔ اس زمانہ قیام میں ریاست رامپور شعرا کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ رسا۔ بزم۔ کمال۔ آغا مظہر۔ صمیم طپش وغیرہ کا شمار درباری شعرا میں تھا۔ اور اُردو کا ایک ماہوار رسالہ نیرنگ کے نام سے جاری تھا شاداں صاحب نے رسالۂ مذکور میں فن تنقید کا سلسلہ شروع کیا مثنوی میر حسن اور گلزار نسیم کے محاکمہ میں زبردست حصہ لیا شعر کے حسن و قبح پر گہری نظر ڈالنے اور اُسکے عیوب اور نقائص کو دکھانے میں آپکو بڑی مشاقی تھی مگر نقادان سخن میں بعض اعتراضات کو اسلئے وقعت حاصل نہوئی کہ آپنے جہاں عیوب شعری کو دکھایا وہاں مشہور اور مسلم الثبوت اساتذہ کی خوبیوں پر پردہ ڈالنے کو ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا تھا اسمیں کامیابی حاصل نہ ہوئی رسالہ عدم توجہی سے بند ہو گیا آپنے سنہ ۱۸۹۱ء میں فن شعر میں جناب سید محمد مصطفیٰ صاحب رشید لکھنوی سے تلمذ حاصل کیا آپ غزل گوئی میں لکھنؤ والوں کی شاعری کو ناپسند کرتے ہیں قدیم اساتذہ دہلی کے معتقد ہیں کلام غالب کے عاشق ہیں اور مرزا صاحب کے اشعار پڑھکر جھوم جھوم کر مزے لیتے ہیں جن اشعار میں درد ہوتا ہے وہ دل کے مقابلہ میں زیادہ پسند کرتے ہیں نیچرل شاعری کے شایق ہیں۔ آپکا انداز سخن رندانہ شوخی اور مستانہ مضامین سے بھرا ہے شرح دُرۂ نادرہ۔ شرح معمائے حدائق البلاغت۔ شرح معمائے جام۔ شرح نور تن ظہوری۔ آپکی قیمتی تالیف ہیں عُرفی کے بعض اشعار کا خوب حل کیا ہے۔ انکو اپنے اس مطلع پر بڑا ناز ہے ؎

غلط ہے یہ مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں
یہ لوگ کیوں نہیں میری نظر کو دیکھتے ہیں

اسمیں شک نہیں کہ اس شعر میں ایک لطیف اور نازک خیال کو پیدا کیا گیا ہے اور دیدار محبوب کا عجیب و غریب حیلہ نکالا گیا ہے مگر اس مطلع کے دونوں مصرعوں میں "یہ" اور "کیوں نہیں" کی تعقید نے تمام معنوی خوبیوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ کاش اس شعر میں جیسے عمدہ معانی پیدا کئے گئے ہیں اسیطرح ادائے بیان میں بھی تعقید کا الجھاؤ نہ ہوتا تو اسکی خوبی دوبالا ہو جاتی دوسرا شعر یہ ہے

نگاہِ لطف تمہاری جدھر کو دیکھتے ہیں
تمہارے چاہنے والے اُدھر کو دیکھتے ہیں

جدھر اور اُدھر کا قافیہ ناجائز ہے تعجب ہے کہ ایسے محقق کے کلام میں ایسی کمزوری کیوں

موجود ہے۔ شاید یہ اوائل عمری اور نومشقی کے زمانہ کا کلام ہو۔ انتخاب کلام بہم رسیدہ یہ ہے

مرے ارمان نکل جائیں مگر دل ہی فغاں ہو کر
اب اتنی بھی نہیں امید مجھکو ناتواں ہو کر

وہ بگڑنا کسی کا دم پر دم
بھا گئی ہمکو یہ ادائے ستم
گالیاں دینا کوسنا پیہم
سنتے ہیں آنکو چھیڑ چھیڑ کر ہم
کس منہ سے عتاب کی باتیں

میرا کیا بگڑا جو وہ زلفیں بناتے میں رہے
دوست کا جو دوست ہو دشمن اُسے کیونکر کہیں
مر گیا میں مشکلیں سب میری آساں ہو گئیں
الفتیں غیر دل کی پھر کیوں آفت جاں ہو گئیں

امتحاں کے لئے سینہ پہ رکھا اُس نے ہاتھ
یہ بتاؤ کہ نہ آنا شب فرقت کیا ہے
اب تڑپ کس لئے تجھ میں دل ناشاد نہیں
لے اجل آ کہ طرح تیری بھی عادت کیا ہے

یوں تو کہتا ہوں کروں گا میں شکایت اُن سے
سامنا ہو تو ہو معلوم شکایت کیا ہے
آپکے ظلم کی لے جان بس اب ہو گئی حد
وقت آخر بھی نہ پوچھا تری حسرت کیا ہے

قید ہستی سے جو چھوٹیں تو رہائی پائیں
قیدی کنج قفس کے لئے مدت کیا ہے
اک جگہ مجمع عشاق کا ہو جانا ہے
حشر کہتے ہیں کسے اور قیامت کیا ہے

شاداں ۔ لالہ درگا پرشاد صاحب ساکن پھپلی بھیت شاگرد قاضی ممتاز حسین ممتاز مرحوم۔ مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اختراع پسند طبیعت پائی ہے۔ بندش الفاظ بھی چست تر ہے مگر قوت مشق کم معلوم ہوتی ہے ؎ شاداں

زخم کھاتا ہوں مزے سے اور ہنستا، بھرتی آہیں
میں تو ہوں غمخوار اور غم اُسکا مردم خوار ہے
آ گیا کیا حسن قاتل کا نمک تلوار میں
ہڈیاں غم نے نہ چھوڑیں میرے جسم زار میں

شاذ ۔ ملک محمد صادق خانصاحب خلف شیخ فضل الدین صاحب ککے زئی۔ آپ سبحانپور ضلع گورداسپور پنجاب کے باشندے ہیں ۱۸۹۰ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے انٹرنس کے درجہ تک تعلیم پائی ہے۔ اب تعلقات سے دفتر وزارت میں کلرک ہیں۔ ابھی ابتدائے مشق ہے۔ شاذ

مگر کلام سے ترقی کی جھلک نمایاں ہے۔ راقم تذکرہ کو جو کلام روانہ کیا ہے اسکا انتخاب مندرجہ ذیل ہے ؎

بتوں کی آرزو مدت سے ہے پر بت نہیں ملتے	خدا کی آرزو کرتے تو اب تک مل گیا ہوتا
سوزِ دل سے جو بھرے ہیں ترے نالے بلبل	برگِ گل پر کہیں پڑ جائیں نہ چھالے بلبل
چلی جب تیغ رک رک کر تو قاتل بھویں تانے ہیں	ہمارے قتل کرنے کو نئے خنجر نکالے ہیں
اے منکر و نکیر پھر آنا کبھی کہ اب	ذوقِ خیالِ یار سے ہوں محوِ خواب میں
اب انحصار زیست ہی خط کے جواب پر	یعنی ہماری جان کفِ نامہ بر میں ہے
ذرا تم شمع و پروانہ کو دیکھو کیا تماشہ ہے	کہ اک عاشق کا اک معشوق کے کاندھے پہ لاشہ ہے
ہم صفیروں کی زبانی یہ خبر پائی ہے	کہ چمن میں وہی پہلی سی بہار آئی ہے
اک نقطہ میں ہی ترا طالبِ دیدار نہیں	سارا عالم ترے جلوہ کا تمنائی ہے

شارق

شارق ۔ منشی محمد مظفر حسین ۔ مولد ریاست بنگن پلی مدراس خلف منشی غلام رسول ۔ انکے بزرگ بیجاپور کے مشاہیر سے تھے تاریخ نوالطبع کے پڑھنے سے انکے حالات کا پتہ چلتا ہے ۔ آپ صاحب جائداد اور مشہور تاجر ہیں ۔ انگریزی ۔ فارسی ۔ اردو سے واقف ہیں ۔ مولانا مانیاں سے فن شعر میں استفادہ کرتے ہیں تیز طبع ہونہار نوجوان ہیں عشقیہ شاعری سے لگاؤ نہیں نعت میں خامہ فرسائی کرتے ہیں ۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

زور پر گشتہ پھر جوشِ جنوں ہونے لگا	پاؤں کا ہر آبلہ ہمرنگِ خس ہونے لگا
ہجر نفسِ احمد مختار کی تاثیر ہے	میرا ہر آنسو ابھر کر لالہ گوں ہونے لگا
"قوسین او ادنیٰ" کا تصور ہے رات دن	سدرہ مرا مقام ہے شارق کہاں ہوں میں
طرزِ عشق سے جو آشنائے راز نہیں	کبھی قبول عبادت نہیں نماز نہیں

شاطر

شاطر ۔ مولوی رضا احمد ابن مولوی حکیم نیاز احمد ۔ صدیقی آپ بدایوں کے قدیم معزز شرفا سے تھے عربی ۔ فارسی میں اچھی استعداد تھی اپنے والد سے فن خوشنویسی میں کمال حاصل کیا تھا

لطیفہ گو نکتہ سنج شاعر تھے سلیس سادہ گو تھے اور شعر میں صفائی کو پسند کرتے تھے بلند شہر سہسوان میں وکالت کرتے رہے پھر اپنے وطن بدایوں میں آکر وکالت شروع کی سنہ ۱۸۵۵ء میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۹۱۰ء میں وفات پائی جو دو چار شعر دستیاب ہوئے ہیں درج کئے جاتے ہیں

گیسوئے مشکبوں کا سودا ہو گیا
سامنا کالی بلا کا ہو گیا

ساقی تو بھر دے میرے پیالہ کو ٹینک سے
گھری چھنیگی آج کسی سبزہ رنگ سے

گو ضد سے لاکھ بار کرے بیوفائیاں
لیکن خدا قسم تری عادت وفا کی ہے

اے اہل بزم حضرت شاطر کو دیکھیو
کیسے چلے ہیں ٹھوکریں نعلین داب کے

شاطر

شاطر منشی بیلی رام خلف لالہ متھرا داس از خاندان دیوان کرٹوری مل امرتسری حال ساکن راولپنڈی شاگرد حکیم کریم بخش نادر قنوجی و خواجہ عشرت لکھنوی۔ ۲۱ جون سنہ ۹۰ء سال پیدایش ہے اکثر مشاعرہ بھی کیا کرتے ہیں۔ آجکل نوشہرہ میں انسپکٹر آف ورکس کے عہدہ پر فائز ہیں طبیعت اچھی پائی ہے۔ فارسی کی استعداد خاصی رکھتے ہیں شعر موزوں اور قریب قریب بے عیب کہتے ہیں۔ انکے کلام کا انتخاب پیش ناظرین ہے

طور پر حضرت موسیٰ کو کیا کیوں بیہوش
ٹالنا تھا تو کسی ڈھنگ سے ٹالا ہوتا

اٹھ نہ سکے مر کے بھی نہ تری رہگذار سے
مست خمار بادۂ سر جوش نقش پا

پوچھا جو حال شوخی رفتار یار کا
بت بنکے رہ گئے لب خاموش نقش پا

زندگی زلف کے سودے میں ہماری گذری
قصۂ عمر بھی اک خواب پریشاں نکلا

اُسکے وعدہ کا ہی کیا سہل وفا ہو جانا
جس کو ہر بات میں آتا ہے خفا ہو جانا

دنیا کے مزے اور تو ملجاتے ہیں قاتل
مرنے کا مگر لطف مکرر نہیں ملتا

صحرا میں پھریں کیوں نہ ترے چاہنے والے
ان خانہ بدوشوں کو ترا گھر نہیں ملتا

صانع سے کہیں عمر ہے صنعت کی زیادہ
آئینہ تو ملتا ہے سکندر نہیں ملتا

نہ کھینچ دیکھ ستمگر عتاب میں تلوار
کہیں نہ ٹوٹ کے رہجائے داب میں تلوار

خیالِ ابروئے قاتل میں تھی جو آنکھ لگی
تمام رات نظر آئی خواب میں تلوار

پہلے نظر ملاتے تھے پر فتنہ گر سے ہم
اب جھینپتے ہیں آپ ہی اپنی نظر سے ہم

خلشِ دل کا ہم اسطرح مزا لیتے ہیں
تیر آتا ہے تو پہلو میں بٹھا لیتے ہیں

دل کیا گیا کہ اٹھ گئی امیدِ زندگی
کشتی ہماری ڈوب گئی ناخدا کے ہاتھ

کہتے ہیں عاشقی میں یہاں در بے بہا ہی صبر
کیا چیز آگئی دلِ غم آشنا کے ہاتھ

بیخود کیا ہے جذبۂ شوقِ وصال نے
اب اپنی شرم ہے تری شرم و حیا کے ہاتھ

ملتی ہے بعد رنج کے راحت جہان میں
موسیٰ نے لیلیا یدِ بیضا جلا کے ہاتھ

نشۂ جوشِ جوانی نہیں دائم رہتا
یہ بھی دریا کی طرح چڑھکے اُتر جاتا ہے

کئے اُسنے مری حسرت بھری تحریر کے ٹکڑے
اُڑائے خوب ظالم نے خطِ تقدیر کے ٹکڑے

وہ عیادت کو آئے غیر کے ساتھ
مر مٹوں کونسی خوشی کے لئے

جی رہے ہیں امیدِ وصل پہ ہم
مر رہے ہیں اِسی خوشی کے لئے

مٹ گیا جھگڑا دلِ بیتاب کا
آنکھ لڑنے پہ صفائی ہوگئی

مل کے درباں سے میں پہنچا یار تک
بخت یاور تھا رسائی ہوگئی

گیا بچپن جوانی آئی اُن کی
ستم میں کم سنی سے یہ بڑی ہے

مرنیکے بعد بھی نہ مٹی گردشِ نصیب
ہم دفن بھی ہوئے تو تہِ آسماں رہے

تم نے دنیا پہ جب نظر ڈالی
تہ و بالا زمین کر ڈالی

پتے پتے میں تو نظر آیا
ڈالی ڈالی پہ جب نظر ڈالی

اُٹھ گئے سب حجاب کے پردے
آنکھ والوں نے وہ نظر ڈالی

معجزہ ہے شبِ مصیبت بھی
شام سے ہم نے صبح کر ڈالی

وہ قتل کرتے ہیں تو موت ہنسکے کہتی ہے
کہ فکر آپ کو ہوگی ابھی کفن کے لئے

مجھے بھی رہنے دے حیرت زدہ پڑا کیا ہے
اِک آئینہ ہی سہی تیری انجمن کے لئے

یقین کامل ہے مومن عقیدت اسکو کہتے ہیں — برہمن بھی بتوں میں بن گیا تصویر پتھر کی

شاطر

شاطر - منشی بلدیو پرشاد صاحب کایستھ سکسینہ سری واستو تلمیذ حضرت مومن حسن صفی امروہوی بزرگوں کا قدیم وطن دہلی ہے - ایام غدر ۱۸۵۷ء میں لکھنؤ سے آگئے تھے والد متھرا میں پہونچے ۱۹۱۰ء میں قصبہ سعد آباد ضلع متھرا میں آپکا قیام تھا اور اسی زمانہ میں کچھ کلام بھیجا تھا - قصائد و تاریخ گوئی سے زیادہ دلچسپی ہے - اُردو غزلیات میں معرفت و تصوف کے جذبات بیان کرتے ہیں علم نجوم میں بھی دخل ہے - اُردو ہندی میں صاحب تصنیف ہیں - دہر و چترا اور بزم حقیقت شایع ہو چکی ہیں کبھی کبھی فارسی بھی کہتے ہیں تاریخ کہنے میں مشاق ہیں - کلام مرسلہ رنجنہ کا انتخاب یہ ہے ؎

کیوں یہ سودائے تعصب شیخ تیرے سر میں ہے — ہے جو کعبہ میں وہی بت خانہ کے پتھر میں ہے

چشم دل سے دیکھ گر ہے تجکو نظارہ کی تاب — نور کس کا شعلہ و مہر و مہ و اختر میں ہے

ہر جگہ ہے ایک ہی دلدار دلبر جلوہ گر — نشہ مے میں آب گوہر میں شرر پتھر میں ہے

ہیں علیحدہ نام کو کعبہ کلیسا بت کدہ — ایک ہی ہے شمع جس کا نور تینوں گھر میں ہے

مجکو اس سے عشق ہے اسکو محبت مجھسے ہے — ہے صنم دل میں مگر شاطر دل دلبر میں ہے

شاطر

شاطر - مولوی عبدالرحمن صاحب رئیس مدراس - جائے حیرت ہے کہ جس مقام میں لکھنے والے تو کجا چند آدمی صاف اور شستہ زبان کے بولنے والے بھی نہوں وہاں ایسا باکمال زبان دان نشو و نما پائے جسے ماہران زبان اہل زبان کے ہم پلہ ہونے کا سرٹیفکیٹ عطا کریں - عالی فکر خوش دماغ سخنور ہیں قصائد کے لکھنے میں خاص ملکہ ہے - خواجہ الطاف حسین حالی - مولانا شبلی - لسان الملک حضرت اکبر جیسے بزرگ انکی شاعرانہ قابلیت کے مداح اور معترف رہے ہیں ؎

ہائے کیوں مرتے ہی آنکھیں بند کر دیتے ہیں یار — اک تغافل کیش کا ہمکو ابھی ہے انتظار

جان تو حاضر ہے کر سینہ سپر تیرے قدموں پہ نثار — جلد لے پیک قضا لانا پیام وصل یار

راز الفت کیا چھپے جب دل ہی قابو میں نہو — زور تجھسے کیا چلے لے گریۂ بے اختیار

بال و پر بلبل کے ہیں اے گل ہوا میں منتشر — مژدہ لاتی ہے صبا سنا ہے کہ کیا اب فصل بہار

حسرتیں گن گن کے کٹتی تھیں جو راتیں اب کہاں — کیا ہوا جادو جو تھا تم میں وہ اے شب ہائے تار
کس طرح آساں ہو تیغ و گلو کا مرحلہ — کیا کریں اے تشنہ کامی کند ہی خنجر کی دھار
ناخدا کے ناز ہم کب تک اٹھائیں یا خدا — ڈوب جائیں گے یہیں اچھا نہ پیدا ہو کنار
ہم ہیں شاطر اور ہے طوف حریم میکدہ — رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار

شاعر **شاعر** ــ ناصر بیست عرف میر کلو دہلوی۔ حضرت خواجہ میر درد کے قریبی عزیز اور انہیں کے شاگرد تھے۔ صرف دو شعروں کا ایک قطعہ دستیاب ہوا ہے جس سے انکا ذوق طبع ظاہر ہوتا ہے ؎

تو نہ تھا افسوس ظالم کیا کہیں — حال شاعر ہجر میں کیسا رہا
بیقراری۔ جاں کنی۔ بے طاقتی — غم، الم، وحشت، جنوں، سودا رہا

شاعر **شاعر** ــ خواجہ کمال الدین صاحب۔ یہ بھی حضرت مرزا جانجاناں مظہر کے مرید اور صاحب دیوان شاگرد تھے۔ زیادہ حال انکا متحقق نہیں ہوا اسلئے ہم مجبوراً انکے دیوان سے چند غزلوں کا انتخاب درج ذیل کرتے ہیں انکے شاعرانہ خیالات قدیم زبان اور پرانے رنگ میں ہیں۔ کلام بہت بے تکلف ہے۔ موجودہ عہد کے متروکات پر انکی شاعری میں نظر نہ کرنی چاہیے کیونکہ اس زمانے میں یہی الفاظ فصیح سمجھے جاتے تھے ؎

کس شاہ بحر کا اس گھر میں ہوا گذارا — یوں بے چراغ کب تھا یہ ملک دل ہمارا
پھبتا ہے کیا یہ تجھکو اے یار مسکرانا — ٹک واسطے خدا کے اک بار مسکرانا
غنچوں کو اے ستمگر تیرے دہن کے آگے — ہنسنا تو اک طرف ہے دشوار مسکرانا
شاعر ہے پوچ گوئی اپنی پہ آپ قائل — یارو نہ اس کے سنکر اشعار مسکرانا

کس سے جا کر کروں تری فریاد — تو ہی دے آپ اپنے ظلم کی داد
جائے تو بھی نہ یہ جنوں میرا — رگ جاں کھول دے اگر صیاد
شاعر آکر تری غلامی میں — دونوں عالم سے ہو گیا آزاد

زخموں کی ترقی کا مزا قتل کرے ہے — کھاؤں میں غم ناز ترا یا کہ غم تیغ

عارض پہ اُس کے تِل نہیں دل ہے جلا ہوا	شاعر جو مدتوں سے پڑا تھا بکام زلف
شاعر آنسو نہ پوچھو ہرگز	میں نے ان بیقرار آنکھوں میں
یار کی نذر کو یہ رکھے ہیں	گوہرِ آبدار آنکھوں میں
کیا کیا اثر دیئے ہیں بتوں کی نگاہ کو	یارب عطا ہو کچھ تو ہماری بھی آہ کو
یار دل کو لئے ہی جاتا ہے	مجھکو بیدل کئے ہی جاتا ہے
فکر چاکِ جگر تو کر ناصح	جیب کو کیا سئے ہی جاتا ہے
بول اُٹھا دردِ عشق سن کے طبیب	یہ مرض جی دیئے ہی جاتا ہے
آہ تو کس امید پر شاعر	ہجر میں یوں جئے ہی جاتا ہے

شاعر

شاعر - میرزا ابو القاسم معروف بہ شاعر میرزا ۱۲۶۲ھ میں پنجاب میں ہنگامہ آرائے سخن ہو کر شاعری کی دنیا میں اپنی فصاحت اور بلاغت کے سکے بٹھا رہے تھے - فارسی گوئی سے ذوق اور کلام ریختہ سے شوق تھا - دونوں زبانوں میں صاحب دیوان تھے - سادہ گوئی کیساتھ مضمون آفرینی پر قربان تھے انکے شاعرانہ خیالات پرانی زبان میں جلوہ افروز ہو کر شاہد اثر کا جلوہ دکھاتے تھے اُدھر تلے تئیں - ستی - اور دیگر متروک الفاظ بے تکلف برت جاتے تھے - الفاظ کی تذکیر و تانیث کا بہت کم خیال تھا مگر ہر شعر زیور مضمون سے مالامال تھا فعل کے مفرد یا جمع ہونیکی مطلق پرواہ نہ تھی سنگلاخ زمینوں کو پانی پانی کر دینا انکے سخن کا اعجاز تھا - شاہ نصیر کی زمینوں میں بھی جولانی طبع دکھاتے تھے انکے رعنائے خیال اور شوکت الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم معانی و بیان میں اچھی مہارت رکھتے تھے شاہزادہ والا گوہر اور نواب عبدالمجید خاں نبیرۂ نواب مظفر خاں والئی ملتان کے مداحوں میں تھے انہوں نے مولانا غلام رسول صاحب جیسے عالم خاص اور مولوی غلام محی الدین جیسے عارف کی صحبت سے استفادہ حاصل کیا تھا - انکا دیوان فارسی و اردو ۱۲۷۲ھ کو مطبع قادری لاہور میں چھپا تھا - جو مؤلف تذکرہ کے کتبخانہ میں موجود ہے ؎

تو ریب کے پردہ کو اگر دل سے اُٹھائے	ہو جلوہ نما دیر میں سب نور حرم کا

راہ لے بھاگے عدم کو وامق و فرہاد و قیس
تیرے دیوانے نے اُنکو بھی گریزاں کر دیا

محتسب کچھ تیرے دلمیں کیا خدا کا ڈر نہیں
شیشۂ مے پر جو تو نے سنگِ باراں کر دیا

دیکھتے ہی اُس بتِ کافر کو ہے دلمیں یقیں
باندھکر زنار زاہد برہمن ہوجائے گا

ہجر میں لیلی ادا کے گر رہے جاری سرشک
غرقِ طوفانِ بلا مجنوں کا بن ہوجائے گا

نظر آیا نہ حرفِ مہر و وفا
دفترِ حسن سربسر دیکھا

پاکبازی خیالِ باطل ہے
دامنِ چشمِ عشق تر دیکھا

لیگیا دل کو مرے آ کے ایک بار
ہوتے گلرخ نے سمن رخسار

گر کہوں سرو اُس کے قامت کو
سرو باشد چگونہ خوش رفتار

بیوفائی نکر خدا کے لئے
اے بتِ شوخ دلبرِ عیار

دامِ زلفِ سیاہ کا بس ہے
دوستو مجھکو مت کرو زنجیر

اُس محبت کی نہر میں شیریں
خونِ فرہاد ہے بجائے شیر

عشق ہی دیتا جلا آئینہ دل کے تئیں
عشق ہادی عشق رہبر عشق مرشد عشق پیر

دستِ جنوں نے پرزے پرزے پھاڑ اڑایا وحشت سے
ناحق چاکِ گریباں میرا ناصح آ سیتے ہیں

پھرا ہوں گلشنِ گیتی میں بس چمن بہ چمن
نہ دیکھا تجھسا کوئی سروِ گلعذار کہیں

شام و سحر گذرتے ہیں اسکے خیال میں
بے ڈھب اُلجھ گئے ہیں محبت کے جال میں

دیتے ہیں قدِ یار سے تشبیہ سرو کو
کیا شاعروں نے دیکھی ہے خوبی نہال میں

عیدِ قرباں ہے صنم پہ جان و دل قرباں کرو
حج اکبر ہے طوافِ کوچۂ جاناں کرو

حجرِ اسود خال ہے اور چاہِ زمزم ہے ذقن
شربتِ اجرِ عظیم بوسۂ نوشِ جاں کرو

خدا کے واسطے اے چشمِ گریاں
غبارِ خاطرِ جاناں دُہلا تو

مے پرستوں کو نگاہِ مست دکھلا یار کی
دخترِ رز کی محبت سے چھوڑا دوں تو سہی

اُس بتِ کافر کے جلوہ کو دکھا کر آن میں
زاہد و کعبہ سے میں تمکو پھرا دوں تو سہی

ہجر میں لیلیٰ ادا کے بسکہ آیا ہوں بہ تنگ　　آپ کو مجنوں بنا بن بن پھرا دوں تو سہی
کھود لانی کام کیا ہے پتھروں سے جوئے شیر　　دیدۂ گریاں سے نہر خوں بہا دوں تو سہی

اوج میں بے ہنر اور اہل ہنر نیچے ہیں　　مشتری سعد تو ہے لیک ہے کیواں کے تلے
تار تسبیح کا اور رشتۂ زنار ہے ایک　　زاہدا کفر ہے پنہاں ترے ایماں کے تلے
سر کو رکھ پاؤں پہ روئے تو لگے یوں کہنے　　نہر ہے خوب سے واں سرو خراماں کے تلے

اگر دیکھ پاوے پری رخ کو میرے　　سلیماں بھی بلقیس سے منہ کو پھیرے
نہ کیلا گیا ناگ زلف سیہ کا　　کئی سر پٹکتے گئے ہیں سپیرے
ہوا عیش پامال اقلیم دل میں　　کئے جس گھڑی لشکر غم نے ڈیرے

قول و قرار یار کے جتنے ہیں سب درست　　لیکن گلہ ہے اپنے ہی بخت سیاہ سے
لاتقنطوا پہ چشم توقع ہے اپنی واہ　　ہوں منفعل اگرچہ سراپا گناہ سے
خونیں دلوں کو شاعر مزا نہیں غرض　　حرص و ہوائے دہر سے یا عز و جاہ سے

الٰہی یہ کیسا جگر میں قلق ہے　　قلم کی زباں جس کے لکھنے میں شق ہے

شاعر

شاعر ۔ میر بسم اللہ صاحب شاگرد کرامت علیخاں صاحب فرخ زیادہ حال و کلام دستیاب نہو سکا اشعار دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ طبیعت میں آمد کم اور آورد زیادہ ہے۔ علاوہ اسکے کوئی خاص بات نہیں پائی جاتی۔ یہ نمونہ کلام ہے ؎

نہ سرمہ ہے صنم بے حجاب آنکھوں میں　　خدا کا نور ہے ان لاجواب آنکھوں میں
نظر پڑا ہے ترا جب سے چہرۂ روشن　　ہوا ہے ذرہ سے کم آفتاب آنکھوں میں
جسے نہیں ہے مروت وہ آدمی ہی نہیں　　بشر کو چاہئے شاعر حجاب آنکھوں میں

شاعر

شاعر ۔ مولوی علی حسین صاحب بریلوی۔ آپ حضرت عبد اللہ صاحب احرار کی اولاد میں ہیں جو مولانا جامی کے پیر و مرشد تھے۔ مولوی صاحب موصوف ظریف مزاج اور لطیفہ سنج شخص تھے پیرانہ سالی میں جوان طبیعت پائی تھی۔ آپ کو فن سخن میں نواب عبد العزیز خانصاحب عزیز بریلوی

سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ فن شاعری کے رموز سے واقف تھے مگر پھر بھی ترکیب و بندش چست ہوتی تھی اور صحت لفظی کا خیال بھی نہ تھا۔ فارسی، عربی کے سوا تھوڑی سی انگریزی بھی جانتے تھے۔ بریلی میں بذریعہ معلمی اپنی بسر اوقات کرتے تھے۔ خود ہمیں کچھ غزلیں بھیجی تھیں انکا انتخاب درج تذکرہ کیا گیا ۸۰-۱۰ برس ہوئے وفات پائی سنہ

یہ شبِ غم کی حرارت ہے کہ ٹھنڈا نہوا
ایک غم ابرو یہ اترا کے وہ یہ کہتے ہیں
جب کہا میں نے شبِ غم کوئی غمخوار نہ تھا
کیوں ڈر سے بیٹھے ہو کیا زخمِ جگر دیکھ لیا
کوئی ایسا نہیں پایا کہ نہ ہو حاجت مند
قبر سے بڑھ کے نہیں کوئی جگہ بھی وحبیب
یہ کہہ کہکر ستم کرتا ہے ظالم
بتوں نے وہ ہوا باندھی ہے اتو
نقشِ قبا ہیں ضعف میں پیٹے ہیں برسی ہم
لے بیخودی حواس نہیں اپنے آپ میں
گلے پہ چڑھ کے میرے تو بھی عمر دکھاتی ہے
الجھا دیا ہے مجھے نگہ نازِ یار میں
کر کے سنگھار سیر کرو لالہ زار میں
جلتی ہوئی بلا کی ہے قاتل یہ تیری تیغ
دنیا کے دائرہ میں کسیکو نہیں قیام
دلوں کی باتیں ہیں الفت میں قیل و قال نہیں
میں اپنی یاد دلاؤں انہیں تو کیا ساعہ

[illegible]

صورتِ شمع کئی بار کٹا سر اپنا
تیغ اپنی ہے کماں اپنی ہے خنجر اپنا
دہنِ زخم پکارا یہ گنہگار نہ تھا
تم نے بھولے سے مگر آج ادھر دیکھ لیا
بے نیازی کا تمہاری یہ اثر دیکھ لیا
نکلا تا حشر نہ وہ جس نے یہ گھر دیکھ لیا
سکھاتا ہوں تمہیں فریاد کرنا
کہ مشکل ہے خدا کو یاد کرنا
وہ دن گئے جو گرتے تھے انکی نظر سے ہم
حیران ہو رہے ہیں کہ آئیں کدھر سے ہم
کہہ ہے تیغِ قاتل سے ذرا ٹھہرو تو چلتے ہیں
لے ضعف یہ اضافہ کیا حالِ زار میں
تم بھی تو کچھ بہار دکھاؤ بہار میں
قبضہ میں آتے ہی نہ رہی اختیار میں
مر کر نہیں ہے گردشِ لیل و نہار میں
ہے گفتگو تو ہر اک وقت بول چال نہیں
یہی جواب وہ دیتے ہیں کچھ خیال نہیں

پہلے تو مشتِ خاک کو انساں بنا دیا — پھر کھیل سے بگاڑ کے مٹی خراب کی
میں یہ کہتا ہوں کہ میں بوسہ نہ مانگوں گا کبھی — وہ یہ کہتے ہیں یہ اندازِ سوال اچھا ہے
وصفِ رخِ جاناں میں قلم توڑ دیا ہے — کچھ بھی نہیں لکھا ہے مگر خوب لکھا ہے
جرمِ گندم خوردنی کا تھا یہ جرمِ مے خوری — دانۂ آدم کو ملا تھا اب ملا پانی مجھے
ٹھیک جو ہر ایک غم نامہ چسپاں ہو سکے — کاتبِ تقدیر نے دی ہے پیشانی مجھے
یہ سب دو دن کی باتیں ہیں جو کچھ کرتے ہیں کر دے — کبھی کیا ہوں گے ہم اے چرخ ظالم نوجواں پھر بھی

شاعر

شاعر۔ مولوی سید فضل حسین صاحب متخلص بہ شاعر ابن منشی فضل رسول صاحب واسطی تعلقہ دار قصبہ سندیلہ۔ شاگرد ظہور لکھنوی آپ نہایت خلیق اور منکسر مزاج رئیس تھے اپنے والد کی وفات پر تعلقہ کے مالک ہوئے علم موسیقی سے بھی شوق تھا علم دوست اور فیاض رئیس تھے منشی اطہر صاحب شاگرد حضرت اسیر اور منشی سید منصب علی صاحب منیر مرحوم سندیلوی کے فیض صحبت سے آپکی طبیعت میں قدردانی اہل ہنر اور سخن گستری کا مادہ پیدا ہو گیا۔ چونکہ حضرت منیر مرحوم بھی باکمال شاعر تھے اس لئے اس زمانے میں مشاعروں کا سندیلہ میں طرز و در رہا۔ نامی نامی شعرا تشریف لا کر جناب شاعر کے مہمان ہوا کرتے تھے۔ آپکے فرزند ارجمند جناب خان بہادر منشی سید التفات رسول صاحب ہاشمی تعلقہ دار سندیلہ بھی خوش فکر شاعر تھے۔ جناب شاعر صاحب کا مرتب شدہ قلمی دیوان انکے بیٹے ہاشمی صاحب کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ افسوس کہ حضرت ہاشمی نے ماہ جنوری ۱۹۲۱ء میں انتقال فرمایا۔ جناب شاعر کا پایۂ فکر اعلیٰ اور انداز بیان نرالا تھا۔ انکے بیٹے معراج رسول مسوری میں ملے تھے اور مفصل حالات و کلام بھیجنے کا اقرار کیا تھا۔ مگر باوجود یاد دہانیوں کے ایفائے وعدہ کی نوبت نہیں آئی۔ انتخاب ملاحظہ ہو۔

کل مجھ سے پوچھتے تھے وہ دم دیکھے راہ میں — یوسف گرے کنوئیں میں ہوس کی چاہ میں
سینے میں دل کے ساتھ تمنا بھی ہے اسیر — یوسف کی چاہت ہے زلیخا بھی چاہ میں
ہو کے سید مدنہ اس ابرو کا تصور موقوف — سامنے آنکھوں کے ہر دم یہی تلوار رہے
اے غم ہجر نہ احسان ملک الموت کا ہو — جان جاتی ہے لے کاش قضا سے پہلے

لٹ گئے راہ میں ہم منزلِ مقصود کہاں / راہ زن ہمکو ملا راہ نما سے پہلے
وہ صورت جو پیشِ نظر ہوگئی / عیاں شامِ غم کی سحر ہوگئی
اگر کٹ گیا سر تو کچھ غم نہیں / مہم عشق بازی کی سر ہوگئی
جوانی کی تھی نیند چونکے نہ ہم / سحر سے جو سوئے سحر ہوگئی

شاعر

شاعر ۔ منشی سید اولاد حسین خلف و شاگرد حضرتِ ذاخر لکھنوی۔ رسالہ النیران لکھنؤ کے منیجر ہیں کلام سے پختہ مغز ہونا پایا جاتا ہے۔ دل میں سوز اشعار میں درد ہے۔ زبان میں سلاست اور بیان میں لطافت ہے مصرعہ پر مصرعہ خوب لگاتے ہیں جس سے اچھی خاصی مشق ظاہر ہوتی ہے مضمون آفرینی میں زبان کی چاشنی کا ذائقہ موجود ہے۔ کلام کا انتخاب یہ ہے

نزع میں اور بھی بڑھ جائیگی الجھن اس کی / اپنے بیمار کے آگے نہ پریشاں ہونا
جلانے شمع تربت اسطرح آتا ہے وہ کمسن / کبھی دو گام بڑھ جانا کبھی ڈر کر ٹھہر جانا
جہاں ہمراہِ لاش آئے ہو اور آتنی کرو تکلیف / ملا لو خاک میں ہم کو تو پھر تم اپنے گھر جانا
رونے والا تھا مرا اے بیکسی زنداں میں کون / حلقۂ زنجیر میں ہاں کچھ دنوں ماتم ہوا
حالتِ فرقت کہی زانو پہ پیک کے رکھا سر / آشنا روئے پھول سا رخسار آخر نم ہوا
ہوش آیا ختم پیری پر مجھے بعدِ شباب / رات کا جاگا ہوا تھا دن چڑھے سو کر اٹھا
چشم بد بیں کور ہو کسکی نظر ہے سوئے دوست / آج بن بن کر بگڑتے جاتے ہیں گیسوئے دوست
شامِ مہلت رحم کر للہ گردوں رحم کر / اور تھوڑی نیند لے لوں میں سرِ زانوئے دوست
زیرِ سر حسرت بھرا آخر خط اپنا رکھ لیا / مر گئے ہم اور نہ پایا جانیوالا سوئے دوست
لاغری میں مجھکو رکھ ثابت قدم اے شوقِ دید / دو قدم کا فاصلہ ہے سامنے ہی کوئے دوست
عار اسکو شبِ غم ہے مرے گھر آنے میں / موت کو ڈھونڈتا پھرتا ہوں سیہ خانے میں
بیٹھے رہنے کا بہانہ ہمیں قسمت سے ملا / منہ برسنے لگا جب آچکے میخانے میں
عکس سے اہلِ فلک کو صاعقہ کا خوف ہے / دھوپ میں کیوں گردشیں دیتے ہو تم تلوار کو

ناامیدی اس طرح تیرے نہ آنے سے ہوئی
اور بھی ارمان شہادت کا مزا دینے لگے
یہ نہ سمجھے مجھ پہ کیا گذری ہے کیوں بے ہوش ہوں
چارہ سازو خاک اچھا ہو مریض عشق یار
مر جائیگا بیمار شب ہجر تڑپ کر
ترے وعدہ کی شب فرقت میں کیونکر چین سے کاٹوں
یہ دُزدیدہ نظر سے جستجو بیکار کرتے ہو
تجھے درمان زخم دل کی کوشش چارہ گر کیوں ہے

سب لئے بیٹھے رہے شب بھر ترے بیمار کو
آپ نے تلوار باندی ہم دعا دینے لگے
چارہ گر جھک جھک کے دامن کی ہوا دینے لگے
تم نے سمجھا نا مرض ہی یا دوا دینے لگے
وہ سورۂ والشمس اگر دم نہ کرینگے
ترا آنا بھی مشکل نیند کا آنا بھی مشکل ہے
جہاں پر ہاتھ تم رکھدو وہیں سمجھو مرا دل ہے
نکلنا تیر زنگ آلود کا سینے سے مشکل ہے

شاعر

شاعر — محمد حبیب اللہ صاحب نایب صیغہ دار محکمہ نظم جمعیت سرکار عالی حیدرآباد۔ دکن خوش فکر اور ذہین ہیں۔ زبان صاف کہتے ہیں۔ انتخاب یہ ہے

نہیں کس دل میں جستجو تیری
کیوں نہ ہو دل فدا تصور پر
میرے رونے پہ ہنس کے کہتے ہیں
باز آ باز آ جفاؤں سے
خاک شاعر غبار میں مل کر

نہیں کس لب پہ آرزو تیری
شکل رہتی ہے روبرو تیری
آنکھ کھوتی ہے آبرو تیری
یہ بُری ہے بُری ہے خو تیری
جستجو میں ہے کو بکو تیری

شاعر

شاعر — سخنور شیوا بیان سحر زبان۔ شاعر جادو طراز آغا ظفر علی بیگ قزلباش دہلوی۔ قدرت کا منشاء تھا کہ یہ شاعری کی دنیا میں نامور ہوں شہرت پائیں۔ دلی کے فصیح محاورات ٹکسالی زبان کو بڑ میں طبیعت لڑکپن ہی سے چلبلی اور شوخ تھی۔ نواب احمد سعید خاں طالب کے فیض خدمت اور مرزا شجاع الدین خانصاحب تاباں کی حوصلہ افزائی نے اسمیں اور بھی چار چاند لگا دئے۔ آپ دلی کے مشاعروں میں اپنی خوشگوئی کی داد لینے کے بعد حضرت داغ کے تلامذہ میں داخل ہوگئے اور خط و کتابت کے ذریعہ سے انکو اپنا کلام دکھانے لگے۔ ابتدا میں طبیعت کی تیزی۔ روانی کا یہ حال تھا کہ ایک

ایک دن میں چار سو پانچ سو اشعار کہہ لیتے اور وہ مشاعروں میں اپنے شاگردوں کو تقسیم کر دیتے۔ شعر گوئی کے آغاز ہی سے انہوں نے دہلی میں اپنا علمِ اُستادی بلند کیا تھا اور انکے ماننے والوں کی تعداد کافی تھی۔ رفتہ رفتہ بعض غزلیات اربابِ نشاط کے کوٹھوں اور گلی کوچوں میں گائی جانے لگیں اور اُس وقت کے اساتذہ مثلاً۔ مولانا حالی۔ ظہیر۔ مجروح۔ طالب۔ ثاقب۔ راسخ۔ برتر۔ وغیرہ انکی ذہانت طباعی سلاستِ بیانی کی معترف تھے۔ بندش کی خوش اسلوبی اور اندازِ بیان کی ندرت مضمون کی شوخی سے مل کر مزا دوبالا کر دیتی ہے اور مشاعرہ میں آپکی غزل خوانی قابل شنید ہوتی ہے۔ اسی عرصہ میں اخبار وکیل امرتسر سے انکا تعلق ہو گیا اور اسمیں ایک فسانہ شایع ہونے سے انکی ادبی حلقوں میں شہرت ہونے لگی۔ مگر اخبار نویسی اور مضمون نگاری کا سلسلہ تھوڑے ہی روز میں جاتا رہا۔ دہلی سے بتلاش معاش حیدرآباد تشریف لیگئے۔ اُس زمانہ میں فصیح الملک مرزا داغ کی شاعری کا آفتاب سپہر نظم پر تاباں تھا دکن کے مشاعروں میں انکی شاعری کا طوطی بولنے لگا۔ بعض حسّاد اور تنگ نظر شعرا نے انہیں اپنے علم و فضل کے اثر سے دبانا چاہا لیکن ذہن کی خوبی اور طبیعت کی خوش اسلوبی خصوصاً زبان کی روانی سے انپر کوئی غالب نہ آسکا اور ہمیشہ بزمِ سخن میں انکا وقار قایم رہا۔ اسی عرصہ میں یہ مہاراجہ کشن پرشاد و راجہ امانت ونت کے ہاں زمرۂ شعرا ملازم ہو گئے مگر قسمت نے وہاں بھی رہنے دیا۔ جوانی کا زمانہ تھا شباب کے دن تھے طبیعت عشق آشنا خیالات شورش پسند آخر کار ناٹک کمپنیوں تک پہونچے اور ڈراما نگاری کے ذریعہ سے کلکتہ میں بسر اوقات کرتے رہے۔ دو تین سال تک بیگم صاحبہ مرشدآباد کے داماد نواب نصیر الملک سفیر ایران کی مصاحبت میں رہے وہیں سے "افسر الشعرا" کا خطاب پایا ہم اس موقعہ پر حضرت داغ کی جانشینی کا مسئلہ چھیڑنا چاہتے ہیں ورنہ دنیا کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ آغا شاعر کو اُستاد مان لے لیکن یہ ضرور کہینگے کہ طبع رواں کے جوہر تغزل کی اصل شان۔ عاشق و معشوق کی گفتگو اور روزمرہ کے دلفریب اسلوب اور بے تکلفانہ محاورات جو داغ کی شاعری کا زبردست عنصر ہیں آغا شاعر کے کلام میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ گو جذباتِ فطرت اور تخئیل کی بلندی نے داغ کی شاعری کا زمانہ ختم کر دیا ہے۔ مگر جبتک دنیا میں اُردو زبان کا وجود رہے گا محاورات داغ زندہ رہینگے۔ اسوقت انکی عمر ۵ - ۵۵

بر سکی ہو گی۔ جو شوخی اور بانکپن انکے کلام میں ہے اسکی نظیر موجودہ شعرا کے ہاں کم ملتی ہے۔ آغا صاحب کئی کتابوں کے مصنف ہیں جس میں قتیل نظیر نے بہت شہرت پائی ہے۔ فسانہ نگاری میں یگانہ اور ڈراما نویسی میں فخر زمانہ ہیں علم مجلسی اور اخلاق میں فرد۔ آزادیٔ ہند کے حامی اور قلم کے مرد ہیں۔ آپنے ریاست جھالا واڑ سے ایک رسالہ "آفتاب" کے نام سے نکالا تھا۔ آپ مہاراجہ صاحب جھالا واڑ کے درباری شعرا میں دس برس سے منسلک ہیں۔ آپنے فصیح اردو میں کلام مجید کا ترجمہ نظم کیا ہے۔ مزیدار شعر کہتے ہیں انکا شعر

حشر میں انصاف ہوگا بس یہی سنتے رہو
کچھ یہاں ہوتا رہا ہے کچھ وہاں ہو جائیگا

حوادث زمانہ سے چوٹ کھائے ہوئے دل کا مرقع اور کسقدر دلفریب ہے۔ دیوان اول "تیر و نشتر" کے نام سے مخزن پریس میں شایع ہو چکا ہے۔ دوسرا دیوان بھی تیار ہے۔

بہ تحریک اپنے محسن مہاراجہ سر بھوانی سنگھ والئی جھالا واڑ جنہیں علم و دانش کا پتلا کہنا زیبا ہے رباعیات عمر خیام کا فصیح ٹکسالی اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے اور اب اُسے چھپوانے کا ارادہ کر رہے ہیں راقم تذکرہ سے عرصہ تیس سال سے انکے نہایت خوشگوار مراسم ہیں کئی مرتبہ میرے مکان پر مشاعروں میں شریک ہوئے ہیں اور مشاہیر عصر مثل راجہ محمود آباد۔ نواب امداد امام سر علی امام کو کلام سنایا اور انسے داد لی ہے۔ مذہباً شیعہ ہیں اور مرثیہ کہتے بھی ہیں اور پڑھتے بھی۔ دو تین مرتبہ ریاست خیرپور سندھ میں ایام عشرہ میں بلائے گئے اور وہیں وقت کیطرف سے آپکی قدردانی بھی کیگئی۔ شاگردوں کی تعداد دو تین سو سے کم نہیں جیسے برق دہلوی۔ سائل دہلوی۔ ہاشم۔ نسیم۔ شوق وغیرہ اچھا کہنے والوں میں ہیں عرصہ سے آپ اپنا تازہ کلام راقم تذکرہ کو بھیجتے رہتے ہیں اسلئے کلام کا بہترین حصہ شائقین اور قدردانان سخن کی ضیافت طبع کیلئے پیش کیا جاتا ہے پڑھیں اور مزے لیں ؎

دم نہ نکلا صبح تک شام الم گرچہ ہی رنگِ سخن ہے شاعرِ رنگیں بیاں شوقِ نظارہ اسے کہتے ہیں اللہ اللہ میری آنکھیں ہیں جو موجود انہیں فرش کریں	انتخاب	حسرتوں نے رات بھر بھرا دیا تو بھی اکدن طوطیٔ ہندوستاں ہو جائیگا تیلیاں جم گئیں عارض پہ ترے تل ہوکر میرے پہلو میں رہیں آپ مرا دل ہوکر

دن جوانی کے جو آئے انہیں پردہ سوجھا
کھنچ گئے آہ وہ تصویر کے قابل ہوکر

خون ہو ہو کے بہے لختِ جگر آنکھوں سے
دو گھڑی بھی نہ بہی درد کے شامل ہوکر

جستجو میں تری ہستی کو مٹا کر چھوڑا
ٹھوکریں کھائیں غبارِ رہِ منزل ہوکر

کعبے سے دیر، دیر سے کعبہ
مار ڈالے نہ راہ کی گردش

دل کی قیمت نہ چکی تھی کہ نگاہیں بھی پھریں
تم تو رکھتے ہی نہیں طالبِ بیدار سے ربط

جل جل کے گل کیا تو فضائی چراغِ داغ
لیکن بہار پر ہی رہا رنگ باغِ داغ

نہ چھیڑو اب شکستہ خاطروں کو
کوئی غم سے اٹھائیگا کہاں تک

بچایا ہر طرح سے ناخدا نے
گئی ہے جب مری کشتی بھنور تک

ٹھیس لگتے ہی ٹوٹ جائے گا
شیشۂ دل حباب سے بالکل

بس خدا کے واسطے بس چار آنکھیں ہوگئیں
سب گلے جاتے رہے جب چار آنکھیں ہوگئیں

اس محبت کا برا ہو کچھ نہ ان سے کہہ سکے
مرمٹا میرے جگر کے پار آنکھیں ہوگئیں

تم کیا سنوگے واہ ستمگر سے کیا کہیں
ہاں کوئی اہل درد ہو تو پھر سے کیا کہیں

دامن پہ انکے خون ہے مجھ بے گناہ کا
شرمندہ ہیں کہ داورِ محشر سے کیا کہیں

پھرتا نہیں کبھی جو کسی طرح دل پھریں
یہ بھی تری نظر ہے مقدر سے کیا کہیں

نقرے کسو نہ غیر کی خاطر سے بزم میں
دلمیں اترتے جاتے ہیں نشتر سے کیا کہیں

ایسا ہو جو بلائیں بھی لے اور خط بھی دے
بیچارہ جانور ہے کبوتر سے کیا کہیں

شاعر ہمارا کوچ مقدر کی بات ہے
تاباں سے کیا گلہ کریں نیر سے کیا کہیں

تم تک آ بھی نہ سکوں تمکو بلا بھی نہ سکوں
یہ تو کچھ ایسی دہری ہے کہ اٹھا بھی نہ سکوں

نقشِ ہستی مرا دم بھر میں فنا ہوتا ہے
تیری حسرت تو نہیں کہ مٹا بھی نہ سکوں

میٹھی میٹھی وہ خلش دی ہے ترے تیروں نے
دلمیں رکھ بھی نہ سکوں جان سے جا بھی نہ سکوں

یہ نیا ظلم ہے بیداد بھی ہے تھم تھم کر
چین لے بھی نہ سکوں اشک بہا بھی نہ سکوں

ہلکی ہلکی وہ پلا ساقی کہ ہوش مجھکو
مست رہ بھی نہ سکوں ہوش میں آ بھی نہ سکوں

تمکو اکسیر مبارک رہے دولت مندو
میں وہ ہوں خاک جو نظروں میں سما بھی نہ سکوں

صفحۂ دہر سے کس طرح مٹے گریۂ خوں
حرف نم ہے کہ جو کاغذ سے مٹا بھی نہ سکوں

شکوۂ ظلم بھی اسدرجہ گراں ہے شاعر
راز کیطرح زباں تک جسے لا بھی نہ سکوں

روز فرماتے ہیں ہم چاہیں تو مٹ جاؤ ابھی
دیکھنا کیا مری تقدیر بنے بیٹھے ہیں

کلیجہ مرا چھد گیا۔ تیر برسے
اسیطرح او فتنہ گر دیکھتے ہیں

محفل میں حسین بھی ہے تجھے فتنہ گر کہیں
دل ہی کہیں خیال کہیں ہے نظر کہیں

عارض پہ مرٹا کبھی گیسو میں جا پھنسا
دل کی ہمارے شام کہیں ہے سحر کہیں

بس چلو ہو چکا آشنا نہیں بنتے توبہ
دیکھنا رات گذر جائے نہ افسانوں میں

ماشاء اللہ رقیبوں کا یہ جمگھٹ آہا
آج تو شمع بنے بیٹھے ہو پروانوں میں

ہم تمہیں یاد بھی آئیں تو کبھی بھولے سے
تم ہمیں بھول بھی جاؤ تو بہت یاد کریں

پہلے یہ حکم تھا آواز نہ نکلے منہ سے
اب یہ ضد ہے کہ تڑپتے ہوئی فریاد کریں

جھلاتا ہے مرا داغِ جگر آہوں سے
تیر چھوٹے نہ کہیں شمع کو برباد کریں

دل پہ مرتے ہیں یہ پیکاں تیرے
ایک جاتا ہے تو دو آتے ہیں

جب کبھی ہم نے بلایا اُن کو
یہی کہتے ہیں کہو آتے ہیں

آدمی آدمی سے ملتا ہے
بات کرنی تو کچھ گناہ نہیں

بس مجھکو داد ملگئی محنت وصول ہے
سن لے غزل یہ بلبل ہندوستاں کہیں

وہی خاک میں مل گئے سب سے پہلے
جنہیں حسن و خوبی کے دعوے رہے ہیں

نام کو بھی کبھی تسکینِ دلِ مضطر میں نہیں
موت ہی آئے جو تم میرے مقدر میں نہیں

نگہ مست سے پھر مجھکو بنا دو بیخود
کیا مئے ہوش ربا آپکے ساغر میں نہیں

تم نہ سمجھے تھے کہ مایوسیاں کیا کرتی ہیں
ہم نہ کہتے تھے کہ بیمار گھڑی بھر میں نہیں

ایک دن جان مری کاوشِ مژگاں میں نہیں
یہ کھٹک وہ ہے کہ جو تیر کے پیکاں میں نہیں

آپ چاہیں تو ابھی دل مرے پھر جاتے ہیں
کونسی بات ہے جو آپکے امکاں میں نہیں

او جنوں ہوش کی لے دست درازی کبتک
دیکھ لے اب تو کوئی تار گریباں میں نہیں

اور بل کھا گئیں کھلتے ہی لٹیں شانے پر
کونسا پیچ تری زلفِ پریشاں میں نہیں

روح کو تن سے نکلتے ہوئے موت آتی ہے
یہ وہ قیدی ہے اذیت جسے زنداں میں نہیں

چار دن کی ہے جوانی اسے کیا سمجھے ہو
روز جوبن پہ کوئی پھول گلستاں میں نہیں

ابھی دو دن ہوئے شاعر تو بھلا چنگا تھا
سانس کا کھیل ہے بس کچھ بھی تو انساں میں نہیں

کسکو امید اسکی ہوتی تھی میرے مولیٰ
بگڑی بنانے والے قربان تیرے جاؤں

قطرے کو آب دے کر گوہر بنا دیا ہے
عزت بڑھانے والے قربان تیرے جاؤں

سوزِ فرقت نہ بجھے گا کسی پہلو دل میں
کاش آنکھوں سے برستے نکلیں آنسو دل میں

پھر وہی ٹیس وہی درد وہی بے چینی
چارہ گر آگ لگا دے کسی پہلو دل میں

میں بھی نہیں ٹلنے کا جو دشمن نہیں مرتا
اٹھ جاؤں جو تم سے وہ پردہ تو نہیں میں

جب میں نے یہ کی عرض چلا لیجئے مجھکو
ہنس کر کہا اے شخص مسیحا تو نہیں میں

جاتی رہی پہلو میں رہا کرتی تھی اک چیز
تر بھر نہ ہوں کچھ آپ سے کہتا تو نہیں میں

اچھوں پہ بری بنتی ہے شاعر یہ سنا ہے
صد شکر کسی بات میں اچھا تو نہیں میں

کبھی آنکھوں میں رہتے ہیں کبھی وہ دل میں رہتے ہیں
بڑے بےچین ہیں ہم تو بڑی مشکل میں رہتے ہیں

ادھر جو دیکھتا ہے وہ ادھر بھی دیکھ لیتا ہے
تری تصویر بن کر ہم تری محفل میں رہتے ہیں

تیرے کوچے میں بھی سفاک عجب عالم ہے
سینکڑوں چاک گریباں چلے آتے ہیں

وہ راہ میں ہیں سنا ہے۔ اب آئے کہ آئے
کدھر کا قصد ہے او جانِ بے قرار نہیں

کبھی ان آنکھوں سے مرتے چلے جاتے تھے
انہیں میں آج مروت نہیں ہے پیار نہیں

ملنا نہ ملنا یہ تو مقدر کی بات ہے
تم خوش رہو۔ رہو میری پیاری جہاں کہیں

جاتے کدھر ہو تم صفِ محشر میں خیر ہے
مشکل میں ہوں وہ کہ پوچھتا ہوں اُٹھ کے حشر میں
جاؤ سدھارو تم سے نبھی ہے نہ نبھ سکے
پہرہ بٹھا دیا ہے یہ قیدِ حیات نے
اب تو ہم جتنی منگائیں ٹوٹ جائے فروش
پی بھی لو شاعر سمجھ رکھی ہے توبہ آپ کی
بہت رونا مجھے آتا ہے غنچوں کے تبسم پر

دامن نہ ہو خدا کے لئے دھجیاں کہیں
کیوں جی شراب کی ہیں دکانیں یہاں کہیں
لیتے ہیں دل میں بیٹھ کے یوں چٹکیاں کہیں
سایہ بھی ساتھ ساتھ ہے جاؤں جہاں کہیں
پھر حساب اگلے برس ہو جائیگا برسات میں
چھوڑ سکتا ہے کوئی مردِ خدا برسات میں
فقط کھلنے ہی کی ہے دیر ساری کھل کے بگڑی ہیں

کس طرح اُس بشر سے کسیکو ضرر نہو
وہ خود ہیں بیقرار لگی کے لگاؤ سے
ناصح کسیکی آنکھ جو کھ جائے بزم میں
للّٰہ جب عروج پہ مستِ غبار رہو
دُھل جائیں سب گناہ جو رحمت برس پڑے
جھلکی دکھائی سامنے آئے چلے گئے
ہم سے نہ ملئے آپ نے تو کہدیا مگر
کس ناز سے وہ پوچھتے ہیں مجھکو دیکھکر
ترے گیسو مٹا دینگے پریشانِ محبت کو
بڑے مجبور ہیں کس طرح چھوڑیں اپنی عادت کو
جہاں تم مسکرائے دوڑ کر ہم پیار کر لینگے
یہی رفتار کے انداز ہیں تو کیا ٹھکانا ہے
کوئی ہم سی زیادہ لذتیں کیا لیگا دنیا میں
ہر بات چھانٹ لیتی ہیں مشکل تراش کے

بندہ تو بندہ جس کو خدا کا بھی ڈر نہو
یہ بھی ہے کوئی بات اِدھر ہو اُدھر نہو
تیرے فرشتہ خاں کو بھی اسکی خبر نہو
اُس بت کی ٹھوکروں میں ہمارا مزار ہو
پردہ ہمارا سایۂ دامانِ یار ہو
یا دشمنِ بخیر تم بھی عجب پردہ دار ہو
وہ کیا کرے غریب جو بے اختیار ہو
شاعر مزاج کیسا ہے کیوں بیقرار ہو
بلا کی الجھنیں رہنے لگیں کافر طبیعت کو
بتوں پر لوٹ کر آنا سکھایا ہے طبیعت کو
لگا نا آنکھ پیچھے پہلے سُن لو دل کی قیمت کو
خدا جانے کہاں چھپنا پڑے جا کر قیامت کو
کلیجے سے لگائے پھرتے ہیں دردِ محبت کو
پیکاں نکالتے ہیں مرا دل تراش کے

دل میں ہے درد، درد میں ارماں بھرے ہوئے
اُسکا جواب دیر و حرم میں کہیں نہیں
کانٹے کیطرح دل میں کھٹکتے ہیں موت کے
اک دن برس پڑو گے ہمیں پر یہ کھل گیا
دل میں گھر کر گئی اس طرح محبت تیری
تاڑ لیتے ہیں نظر باز شباہت تیری
بیڑیاں کاٹ کے شمشیر رکھی گردن پر
وہ بھی دن ہوں کہیں اللہ غریبوں کی سنے
تجھکو کیا ہو گیا شاعر جو مٹا جاتا ہے
غضب دیکھو خیال ابروئے خمدار میں آئے
ملتوں کی حکومت ہی تو شوخی کا زمانہ ہے
نگاہِ یار کی برچھی غضب کی دل نشیں نکلی
ہمارا ہی جگر ہے یہ ہمارا ہی کلیجہ ہے
نہیں سنتا کسی کی ان ضدوں کا کیا ٹھکانا ہے
ہمارے پاس بیٹھو اور دشمن پر بھی نظریں ہوں
سوالِ وصل بس اتنا کہا تھا جس پہ روٹھے ہو
خلیلِ عصر کہلایا مجھے بھی مل گئی جنت
خدا کی شان کیا تقدیر آئی ہے بگڑنے پر
قدم کو پھونک کر رکھے کوئی کیسا ہی دنیا میں
شرر اڑنے لگے سوزِ دروں کی لاگ سے شاعر
ابرو ہیں دونوں دل کے خریدار دیکھئے

سینے میں تیر تیر میں پیکاں بھرے ہوئے
جس دل میں ہوں خزانۂ ارماں بھرے ہوئے
پھولوں سے بھر رہے ہیں جو داماں بھرے ہوئے
کب تک پھرو گے روز مریجاں بھرے ہوئے
ذرہ ذرہ سے چمکنے لگی صورت تیری
لاکھ پھولوں میں بھی چھپتی نہیں رنگت تیری
کہتے ہیں خیر گھٹا دیتے ہیں مدت تیری
ہر سحر آئینے میں دیکھا کروں صورت تیری
اس کو ضد ہے وہ نہیں دیکھتا صورت تیری
گلے ملنے لگے تلوار سے یہ پیار میں آئے
نگاہِ یار میں آئے مزاجِ یار میں آئے
کھٹکنے میں نہیں چکی تڑپنے میں نہیں نکلی
نگہ نے نیمچہ مارا زباں سے آفریں نکلی
قیامت آ گئی بس جب تری منہ سے نہیں نکلی
کھٹکتی تھی جو دل میں پھانس وہ ابتک نہیں نکلی
ابھی تو بات بھی پوری مرے منہ سے نہیں نکلی
لبوں سے پھول برسائی جو آہِ آتشیں نکلی
ہماری بات بھی اب تکرار گالی ہوتی جاتی ہے
نہیں رکتی کسی سے ہونیوالی ہوتی جاتی ہے
ہماری آہ بھی پھولوں کی ڈالی ہوتی جاتی ہے
آپس میں چلنے والی ہے تلوار دیکھئے

آہستہ چلئے ایسی بھی جلدی کہاں کی ہے
ٹپکتا ہے برستا ہے یہی اندازِ قاتل سے

یہ ان کو رات دن افسردگی تھی اپنی بسمل سے
خدا جانے کہاں کی دل لگی تھی درد کی دل سے

بسر ہو جاتی ہے ہر طرح منعم خاکساروں کی
قیامت میں خدا کے سامنے کیا منہ دکھاؤ گے

سنورتے زلف کے حلقے جدھر زنجیر ہو جاتے
تماشا بن گئیں تھیں ہجر میں بیتابیاں اپنی

جدا ہوتا تھا ہونے کی خطا ہوتا تھا ہو نکلے
کہاں ہیں حضرتِ شاعر ذرا آنکھیں ملا لیتے

قیامت بن کے سر شوخی تری رفتار سے نکلی
کہیں انکار سے نکلی کہیں اقرار سے نکلی

لہو ٹپکا بجائے اشکِ غم عبرت کی آنکھوں سے
خدا جانے یہ کیا ہی سیدھی باتیں الٹی ہو گئیں

کیا ہمیشہ کوئی دنیا میں جواں رہتا ہے
مجھ سے فرماتے ہیں شاعر یہ ستاؤ دیکھو

بہار آئی ہے پھر چمن میں نسیم اٹھلا کے چل رہی ہے
وہ آن پہونچے وہ جی اٹھا میں عدو کی امیدیں ٹوٹ گئیں

بتاؤ دل دوں نہ دل کہو تو عجب نازک معاملہ ہے
تڑپ رہا ہوں یہاں میں تنہا وہاں عدو وہ ہم بغل ہیں

دکھائی یار کی ترچھی نظر میں کیوں نہ رہے
دل پسند جائے دیکھئے سرکار دیکھئے

رنگیلا آج ہولی کھیلنے نکلا ہے بسمل سے
چڑھائے قبر پر دو پھول بھی تو کس تیرِ دل سے

ابھی چونکا دیا پھر کیا لگی تھی آنکھ مشکل سے
فقیروں کو غرض کیا ہے تری خورشید منزل سے

نہ اتراؤ ذرا مہندی رچا کر خونِ بسمل سے
بگڑتے آپ جس پہلو مری تقدیر ہو جاتے

ہمیں تم دیکھتے آ کر اگر تصویر ہو جاتے
سبھی کچھ ہو چکا اب کیا مری تقدیر ہو جاتے

کہ وہ بھی آنکر اس گنجفہ میں میر ہو جاتے
جہاں سایہ پڑا گویا پری دیوار سے نکلی

نہیں کیا تھی چھری بنکر زبانِ یار سے نکلی
زلیخا جب گدائی کے لئے بازار سے نکلی

کہاں کی لاگ شاعر تیغ کج رفتار سے نکلی
ہوش میں آؤ یہ جوبن ہی کہاں رہتا ہے

ہونٹ دکھ جاتے ہیں بوسہ کا نشاں رہتا ہے
ہر ایک غنچہ چٹک رہا ہے گلوں کی رنگت بدل رہی ہے

عجب تماشا ہے دل لگی ہے قضا کھڑی ہاتھ مل رہی ہے
ادھر تو دیکھو نظر ملاؤ یہ کس کی شوخی مچل رہی ہے

کسی کے دل پر بنی ہوئی ہے کسی کی حسرت نکل رہی ہے
چھری سی اک مرے زخمِ جگر میں کیوں نہ رہے

اُدھر یہ شوق تلوّن کو بے حجاب پھرول
زباں سے جلے جو ترے تیر کی شکایت ہو
غمِ رقیب میں چھپ چھپ کے ہم سے رو لینا
برائی بات جو اپنی بھی ہو برائی ہے
کھٹکتی رہتی ہے اک اک خطا جو شاعر کی
قسمیں دے دے کر دلِ زار کو سمجھایا ہے
آپ اُٹھتے تو ہیں پہلو سے خدا خیر کرے
مینہ برستا ہے برس دیدۂ پرخوں تو بھی
جلوہ دکھا کے آپ جو روپوش ہو گئے
اب کیا ہماری یاد زمانہ گذر گیا
بت ہو گئے وہ سُن کے مری داستانِ غم
کل کی یہ بات ہے کہ ہمیں سے تھا ربط ضبط
وہ مسکرائے تھے تیوری بدل گئی کیسی
طراوت آ گئی دل کی کھل گئی کیسی
مجھی یہ بات بنا کر وہ آئے تھے لیکن
جوانی آئی پھر آ کر سدھارنے بھی لگی
تمہارے قد نے قیامت اُٹھائی کیا کیا کچھ
کسی کے سامنے جا کر کبھی کچھ نہیں کہتا
تمہیں حیا ہی دیا عشق موت آ ہی گئی
تمہارے آتے ہی اک چین آگیا دل کو
ابھی زباں سے نکلی کہ لے اُڑیں پریاں

ادھر یہ ضد ہے کہ نیچی نظر میں کیوں نہ رہے
یہ دل میں کیوں نہ رہے یہ جگر میں کیوں نہ رہے
عجیب لطف ہے پھر درد سر میں کیوں نہ رہے
مری زباں دہنِ نامہ بر میں کیوں نہ رہے
گناہ گار ہے تیری نظر میں کیوں نہ رہے
آج بھی تم جو نہ آئے تو قیامت ہو گی
دیکھئے کیا دلِ بیتاب کی حالت ہو گی
دل سنبھل جائے گا آنکھوں میں طراوت ہو گی
ایسی چڑھی ہیں وہیں سب بے ہوش ہو گئے
برسوں ہوئے کہ تم کو فراموش ہو گئے
ایسا مزا ملا ہمہ تن گوش ہو گئے
اللہ ایسے زود فراموش ہو گئے
ہنسی ہنسی میں یہ تلوار چل گئی کیسی
ہے جو اشک طبیعت بہل گئی کیسی
خدا کی شان وہ اور دنیہ ڈھل گئی کیسی
عجب شراب تھی پل بھر میں ڈھل گئی کیسی
تمہاری چال بیکھیے مسل گئی کیسی
مری زباں مری آہوں سے جل گئی کیسی
یہ دل کی بات تھی منہ سے نکل گئی کیسی
تمہارے جاتے ہی دنیا بدل گئی کیسی
تمہارے ہاتھ سے شاعر غزل گئی کیسی

نہ دینگے نہ دینگے دل اپنا نہ دینگے
چلو جاؤ بس خوب سمجھا ہوا ہے

پھرے در بدر لیکے بزم عدو سے
یہاں بھی کبھی تال بیٹھا ہوا ہے

وہ زہرہ جبیں تجھپہ مائل ہے شاعر
نصیبا ترا یار چمکا ہوا ہے

نہیں غیر تم سے جدا ہونے والے
یہی زہر کے بیج ہیں بونے والے

تم آئینہ لیکر دکھا دو جہاں کو
کہ یوں ایک سے دو ہوئے ہونے والے

اُدھر زلف بکھری اِدھر دم سدھارا
سر شام سے سو گئے سونے والے

یہ کسنے کہا قتل کیا تم نے ادا سے
کچھ خبر ہے سنبھلو ذرا اڑتے ہو ہوا سے

اب نیم نگاہی میں بھی ہے برق کا عالم
کیا جانے کہا کیا تری شوخی نے حیا سے

بوسہ کا اگر وہ بیاں بھی آجائے کسی کو
چھپ جائیں وہ تصویر کے پردہ میں حیا سے

ٹھہر تو ذرا چال چل جانیوالے
نگاہیں بدل کر نکل جانے والے

غریبوں کے مرقد کو ٹھکرانے والے
سنبھل جانیوالے سنبھل جانیوالے

چار آنکھیں کبھی ہوتی ہیں آتے جاتے
نظر لطف کہاں چشم مروت کیسی

خوب تڑپایا ہے اٹھ اٹھ کے تسلی کیلئے
درد نے کی ہے تلافی شب فرقت کیسی

حسن رفتہ کا اب ملال ہی کیا
عارضی چیز تھی رہی نہ رہی

تم کہاں وصل کہاں وصل کی امید کہاں
دل کے بہلانیکو اک بات بنا رکھی ہے

چھری پھیر کے آپ تڑپایا مجھکو
مجھی سے پھر الٹا گلا ہو رہا ہے

فائدہ خاک نہیں علم و ہنر ہونے سے
زندگی خوب بسر ہوتی ہے زر ہونے سے

کس طرح دن کٹینگے ترے انتظار کے
کیونکر اٹھینگے ناز دل بیقرار کے

صیاد نے چمن کی ہوا تک نہ دی ہمیں
آئے بھی اور چلے بھی گئے دن بہار کے

بڑے چین سے قبر میں سو رہا ہوں
نیا آسماں ہے نرالی زمیں ہے

عدو کا ذکر شب وصل واہ کیا خوب ہے
چلو ہٹو یہ کلیجے میں چٹکیاں کیسی

کبھی نمک ہیں کبھی تیر ہیں کبھی جوہر کے
ملی ہیں زخمِ جگر منہ بھرائیاں کیسی

کسے یقین ہے تم دیکھنے کو آؤ گے
اخیر وقت مگر انتظار اور سہی

تم کبھی آتے تو ہم تک حشر ہوتا تو کہیں
کچھ تو ہم کو داد ملتی داد کی بیداد کی

تازیانے کیضرورت گیسوئے مشکیں تو ہیں
اپنے دیوانے کو چھڑیاں مار دے شمشاد کی

پھولوں کو چھوڑ کر مرے پہلو میں آ رہے
بلبل جو پائے زخمِ جگر کی ہوا کبھی

ناکامیوں میں کوئی نہ کوئی تو راز ہے
مایوس کیوں ہوں میں کہ خدا کارساز ہے

لایا ہوں سی کے پھر جگرِ زخم زخم کو
پھر انکو اپنی نیم نگاہی پہ ناز ہے

مانا کہ پاک صاف ہے دل بھی تو پاک ہو
زاہد خدا کے واسطے یہ کیا نماز ہے

اُس کی چشمکی سی چھپا سینے میں تو اُلٹی تھا
کیا دھکا ناتواں کا سہلے تو دیکھو تیر کے

خارِ حسرت چبھ نہ جائے دل نہ لو
پھول توڑے بھی تو کانٹا دیکھ لے

تم نہیں ہو تو مجھے خار ہے ایک ایک کلی
ہائے یہ پھولوں بھرا باغ ہے یا جنگل ہے

داغ کے بعد نہیں لطفِ غزل کا شاعر
یوں تو کامل ہے کوئی اور کوئی اکمل ہے

آنکھیں نہیں جو دیکھیں خالی ہیں دماغ انکے
اندھیرے ہے دنیا میں منصف نہ کوئی جج ہے

دروازے پہ اُس بُت کے سو بار ہمیں جانا
اپنا تو یہی کعبہ اپنا تو یہی حج ہے

اے ابروئے جاناں تو آشنا تو بتا ہمکو
کس رُخ سے کریں سجدہ قبلہ میں فرق کج ہے

مٹتے مٹتے بھی محبت کا نشاں رہتا ہے
تھمتے تھمتے بھی سرِ شمع دھواں رہتا ہے

کسی کے روکنے سے کب ترا دیوانہ رکتا ہے
بہار آئی چلا میں یہ دھری ہیں بیڑیاں میری

ڈال دو منہ پر کفن آلودۂ عصیاں ہوں میں
شرم آتی ہے خدا کے سامنے جاتے ہوئے

وصل کی صورت نہ نکلی آجتک میرے لئے
ایک بھی گردش نہ کی تو نے فلک میرے لئے

مثلِ بلبل یادِ عارض پہ تڑپ جاتا ہوں میں
کیا بتاؤں کیا ہے پھولوں کی مہک میرے لئے

آنکھ لگتی ہے خیالِ نوکِ مژگاں میں کہاں
برچھیاں کھاتی ہیں چھپکائی پلک میرے لئے

چارہ گر بیزار ہیں چارہ سازی سے تری
اس واسطے کہا تھا نہ شاعر سے روٹھئے
ہمارے جیتے جی ہرگز نہ سمٹا حرص کا دامن
ہزاروں سے سُنے وہ لفظ لیکن لفظ تھی خالی
یہ سچ کہا ہے کسی نے ضرور ہوتا ہے
اب جوانی میں چھپا لو منہ چھپا لو شوق سے
مرگیا ہوں یادِ مژگانِ بتِ سفاک میں
ہر تصور میں ہوا ں ہیں اشکِ خونی اس لئے
ہمیں تو ایسی کچھ عادت نہیں ہے بادہ نوشی کی
چھُریاں چلنے لگیں لو اور قیامت دیکھو
نزع میں دیکھنے آئے ہیں مری داغِ جگر
بس ایک ہی نظر کی تمنا تھی آپ سے
شاعر میں بھی اُن کو کھینچ تو لایا تھا خوب میں
زرد چہرہ وہی ساغر میں گلابی ہوگیا
خالِ مشکیں بھی عجب کا فرہ سے بڑھ گیا
تم سدا رہے گریۂ خوں نے دکھائی یہ بہار
ہاتھ رکھکر سوئے ہو گیسو جھکے ہیں کیا ہوا
اُسکی قسمت پر منہ خورشید کو بھی رشک ہے
دل دیا ہم نے جگر اپنا دیا
کہتے ہیں وہ اشکِ گلگوں دیکھکر
حق شناسی۔ انکساری عقل۔ علم

[illegible] انتخاب دیوان ثانی

جب مزا ہے زخمِ دل پر ہو نمک میرے لئے
اب کیا وہ آنے والی ہیں سرِ کار بس گئے
یہی سنتے رہے ہم تو یہاں تک ہو دہاں تک ہو
تمہاری بات کی شوخی تمہاری ہی زباں تک ہے
نظر سے دور جو ہو دل سے دور ہوتا ہے
سینکڑوں بوسے لئے ہیں چاند سی تصویر کے
خاکِ تربت سے مری پیکاں اُگینگے تیر کے
زینتیں ہیں یہ بھی دامانِ خیالِ یار کی
بہار آئی ہے زاہد اس لئے پی لی ہے تھوڑی سی
بات کرنے کا بھی اب تم سے تو پہلو نہ رہا
پھول کُملا گئے جب اُن کو چمن یاد آیا
لو پھیر دو چھُری مرا ارماں نکل گیا
افسوس میرے ہاتھ سے داماں نکل گیا
تیری آنکھیں دیکھکر میں بھی شرابی ہوگیا
حسنِ عارض پر یہ نقطہ انتخابی ہوگیا
اس قدر رویا مرا دامن گلابی ہوگیا
کیوں تمہارا پھول سا رخسار آبی ہوگیا
لو خدا کی شان شاعر بو ترابی ہوگیا
آپ بھی تو منہ سے بولو کیا دیا
رنگ ان پھولوں میں کیسے ملا دیا
آدمیت نے ہمیں کیسا کیا دیا

نغمۂ نے بن گیا شورِ عنادل ہوگیا
نالۂ دل چٹکیاں لینے کے قابل ہوگیا

مسکن بھی کوئی قبر سے بہتر نہیں ملتا
آرام کہیں گھر کی برابر نہیں ملتا

اک جہاں کو مشغلہ ہے نالہ و فریاد کا
نام نکلا ہے خدا رکھے تری بیداد کا

مرمٹا شاعر تری خوش قامتی کو دیکھکر
واہ کیا موزوں ہے یہ مصرعہ کسی اُستاد کا

یہ کس نے روزنِ دیوار سے ہنسکر مجھے جھانکا
کہ شعلہ بھر گیا آنکھوں میں میرے برقِ سوزاں کا

نہ پوچھو بیخودی کی جب وہ لبے بال سونگھے ہیں
چڑھا ہے زہر کیا کیا مجھکو مارِ سنبلستاں کا

دنیا میں کوئی دوست کسی کا نہیں ہوتا
اپنا بھی بُرے وقت میں اپنا نہیں ہوتا

کس طرح جوانی میں چلوں راہ پر ناصح
یہ عمر ہی ایسی ہے سجھائی نہیں دیتا

جگر تھام کر آپ بیٹھیں تو پہلے
ہنسی کھیل ہے کچھ تڑپنا کسی کا

گلِ رنگیں ہے نہ یہ خونِ دلِ مضطر ہے
آگیا ہے سرِ مژگاں یہ جگر کا ٹکڑا

حسنِ رخسار سے ہے کان کی بجلی روشن
مہر کے ساتھ چھلکتا ہے قمر کا ٹکڑا

منائیں تو اب جان دیکر منائیں
قیامت ہے یہ روٹھ جانا تمہارا

بتاؤ تو نیچی نظر آج کیوں ہے
یہ کیوں وار پڑتا ہے اوچھا تمہارا

خدا کے لئے ہاں نہیں کچھ تو کہدو
کہ منہ تک رہی ہے تمنا تمہارا

کہاں اُٹھکر چلے ہم بھی تو اُٹھتے ہیں ذرا ٹھہرو
گھڑی ساعت کے ہیں اب کیا بھروسا زندگانی کا

چمن میں قمریوں نے نالۂ دل کی روش سیکھی
اُڑایا بلبلوں نے رنگ میری خوش بیانی کا

ہائے اس کہنے کے صدقے کیوں نہ مر جائے کوئی
مرمٹا کوئی تو پھر احسان ہم پر کیا ہوا

صبحِ پیری جو ہوئی آہ کے شعلے نکلے
کیا بھڑکتا ہے چراغِ سرِ منزل اپنا

جس خاک میں ہوں چاند سے ٹکڑے ہزار ہا
نسبت ہے آسماں کو بھلا اُس زمیں سے کیا

بجلی کی طرح آئے ہوا کی طرح گئے
کیا تم بھی کوئی دل ہو کسی بیقرار کا

کیا لینگے آپ شاعرِ خستہ کو پوچھکر
جس حال میں ہے شکر ہے پروردگار کا

شیخ کو جو پارسا کہتا ہے اُس کو کیا کہوں
شاعرِ نازک طبیعت ہوں مرا دل کٹ گیا
دامن ہے آسماں پہ ہمارے خیال کا
مسافرانِ عدم کس طرف کو جاتے ہیں
عجب چیز تھی شاعر شباب بھی کیا تھا
لگی ہوئی تھی مرے منہ وہ لاجواب شراب
کسطرح اُٹھ جاؤں تیرے پاس سے ای لالہ رو
کسی کے رخ پہ ہیں زلفیں کہ آفتاب میں سانپ
کچھ تمہیں یاد بھی ہے رات کی بات
اُن بن ہوئی جہاں وہیں تم بھی الگ ہوئے
لیگیا ضعف اُڑا کر مجھے قیدِ غم سے
دو اجازت تو کلیجہ سے لگا لوں رخسار
عمر بھر آنکھ سے اوجھل نکروں پردہ نشیں
دل مسلتا ہے کوئی پاؤں کے نیچے ظالم
کچھ نہ کچھ عالمِ ایجاد نے بخشا ہم کو
مر کے بھی چین نہیں لے دلِ دیدار طلب
زیبِ رفتار ہیں اس وقت ہزاروں فتنے
ایسی بے رحمیاں صیاد کہ گھر سے لاکر
یہ چمن کا ہے تصور کہ قفس میں پھروں
تو اگر بخشدے رحمت سے نہیں تو خالق
نمود و بود کو اک وہ عشرت باطل سمجھتے ہیں

[illegible]

میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا وہ میخانے میں تھا
ساقیا لینا کہ شاید بال پیمانے میں تھا
زیبا ہے اس قبا میں گریباں ہلال کا
کسی کا گور سے آگے پتا نہیں ملتا
ہزار عیش ہیں پر وہ مزا نہیں ملتا
پکارتا آگیا کوثر پہ بھی "شراب شراب"
لہلہاتا پھول کیونکر چھوڑ جائے عندلیب
خدا کی شان کہ بنے لگا نقاب میں سانپ
تم مکرتا نہیں ہے بات کی بات
ہم سے کبھی بنا نہیں بگڑا ہوا مزاج
ایک پرچھائیں سی پھرنے لگی دیواروں پر
سینک لوں چوٹ جگر کی انہیں انگاروں پر
دل میں بھلوں تری چاند سی صورت لیکر
خاک میں تو نے ملا دی مری دولت لیکر
خالی ہاتھ آئے تھے اب جائینگے حسرت لیکر
حسرتیں آج اڑی جاتی ہیں تربت لیکر
گھر سے نکلے ہو خدا رکھے قیامت لیکر
ذبح کرتا ہے مجھے باغ کی دیوار کے پاس
ڈالیاں جھومتی ہیں مرغِ گرفتار کے پاس
اور توبہ کے سوا کیا ہے گنہگار کے پاس
جو اپنا نقص سمجھے تم اُسے کامل سمجھتے ہیں

یہ دل سی چیز لیکر تم نہیں واپس بھی کروگے
نظر پہچانتے ہیں ہم تمہارا دل سمجھتے ہیں

زلف و گیسو چھوڑ دو لیلیٰ شب کا کوچ ہے
چاند کو دیکھو نہ دیکھو چاند سی تصویر کو

اپنی ہستی کا اگر روشن نہ ہوا انجام کار
شمع رو رو کر نہ دیکھے خندۂ گلگیر کو

چار دن کے بعد غنچہ پھولوں کا ہم شکل تھا
رنگ دیتے ہیں تو نہیں تصویر سے تصویر کو

اک تبسم زیرلب کی یاد میں مرتا ہوں میں
قبر میں پھولوں سے بھر دینا مری تصویر کو

بدل دی انقلاب دہر نے تاثیر مینا نہ
یہ آنکھیں رہ گئیں اتری ہوئی تصویر مینا نہ

اثر اتنا تو ہو آنے لگے بوئے شراب اُس سے
کہ حسن کاغذ پہ کوئی کھینچ دے تصویر مینا نہ

خرابات جہاں میں ایک ہی بدبخت ہیں ہم بھی
اٹھا کر لے گئے ہیں بار بارہ گیر مے خانہ

نہ نکلا منہ سے کچھ نکلی نہ کچھ بھی قلب مضطر کی
کسی کے سامنے میں بن گیا تصویر پتھر کی

کلیجے میں ہزاروں داغ دل میں حسرتیں لاکھوں
کمائی لے چلا ہوں ساتھ اپنے زندگی بھر کی

لحد میں انکے جسم نازنیں پر کیا گذرتی ہے
سحر تک جن کو چبھتی رہی ہے چین بستر کی

سنبھلکر دیکھنا آرائشوں کے بعد آئینہ
یہ آئینہ نہیں ہے اب یہ ٹکر ہے برابر کی

بزم دشمن سے اب آئے ہو مزے لوٹے ہوئے
ہوش میں آؤ کہیں جڑتے ہیں دل ٹوٹے ہوئے

چاہنے والے تری فرقت میں جی سکتے نہیں
زندگی سے ہیں وفاداروں کے جی چھوٹے ہوئے

دلفریبی لالہ رویوں کی نہیں ٹلتی کبھی
یہ ستمگر خاک ہوکر بھی ہیں گل بوٹے ہوئے

اپنی سوزش کا کیا ہے شمع نے اچھا علاج
رکھ لئے ہیں دل میں پروانوں کے پر ٹوٹے ہوئے

یہ کیسے بال کھولے ہیں یہ کیوں صورت بنی غم کی
تمہارے دشمنوں کو کیا پڑی تھی میرے ماتم کی

کوئی ایسا ہو آئینہ کہ جسمیں تو نظر آئے
زمانہ بھر کا جھوٹا کیا حقیقت ساغر جم کی

شمع ساں خاموش ہوں لیکن وفور یاد سے
اب بھی اکثر پھول جھڑتے ہیں لب فریاد سے

عشق صلوق کا نتیجہ ہے وصال انجام کار
شمع کی مٹی میں بھی خاک پر پروانہ ہے

حشر میں بھی حضرت شاعر کی سج دھج دیکھئے
شیشۂ مے ہے بغل میں ہاتھ میں پیمانہ ہے

میں کہتا ہوں مجھ میں تو نہیں کوئی ہنر بھی — دل کہتا ہے خاموش کسی کو ہو نظر بھی
نالے کئے کیا کیا تری دیوار کے نیچے — دل ہل گئے لیکن نہ ہلا پردۂ در بھی
اب بھی جو گذر جاتی ہے چلتی ہوئی صورت — دل کھنچتا ہے دم کھنچتا ہے کھنچتی ہے نظر بھی
گری گر کر اٹھی پلٹی تو جو کچھ تھا اٹھا لائی — نظر کیا کیمیا تھی رنگ چہروں سے اڑا لائی
خدا کے واسطے سفاکیاں یہ کس سے سیکھی ہیں — نظر سے پیار مانگا تھا وہ اک خنجر اٹھا لائی
فرشِ زمیں سے موجِ ہوا پر بلند ہے — اب آدمی بھی ایک طرح کا پرند ہے
بلبل کو ایک مشتِ پرِ استخواں سمجھ — گل کیا ہے دستۂ ورقِ چند چند ہے
لو آؤ میں بتاؤں طلسمِ جہاں کا راز — جو کچھ ہے سب خیال کی مٹھی میں بند ہے
وہ صاف دل ہوں کوئی بات پیچدار نہیں — اس آئینہ میں کہیں نام کو غبار نہیں
میری چتون صاف ہی پاتیں تری ابرو پہ بل — آئینہ موجود ہے اسکی صفائی کے لئے

شاعر — منشی شرف الدین احمد شاعر خلف محمد یحیی ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۵ء شہر بنارس میں پیدا ہوئے اصلی وطن مچھلی شہر ضلع جونپور ہے۔ پانچ چھ سال تک مولوی علی حسن صاحب اختر سے فارسی پڑھتے رہے۔ اسکے بعد ۱۸۹۸ء میں شاعری کا شوق پیدا ہوا اور مولوی صاحب موصوف سے اصلاح لیتے رہے۔ ۲ مارچ ۱۹۰۲ء کو حضرت ظہیر دہلوی مرحوم کے شاگرد ہوگئے حضرت ظہیر ہی کا عطیہ کلام درج تذکرہ کیا جاتا ہے جو انہوں نے ۲۳ دسمبر ۱۹۰۳ء میں ارسال کیا تھا۔ بلا کی طبیعت داری اور ذہانت ظاہر ہوتی ہے۔ ابتدائے شباب میں تحصیل سردھنہ ضلع میرٹھ میں ملازمت کرلی تھی اور وہیں سکونت تھی اُسکے بعد کچھ حال معلوم نہیں ہوا۔ آپکی خوش کلامی اور شان تغزل کا نمونہ درج ذیل ہے۔ شاعر

کیوں بیاں تجھ سے کریں کون ہے تو اے ناصح — ہم نے جو چاہا کیا خوب کیا دل اپنا
آج آئینہ سے شرمائے ہوئے بیٹھے ہیں — نظر آیا ہے انہیں مدِ مقابل اپنا
آئینہ لیکے ذرا دیکھئے اپنی صورت — ڈھونڈتے پھرتے ہیں کیوں آپ مقابل اپنا
حورِ فردوس کی تعریف جو واعظ سے سنی — آگیا یاد ہمیں حور شمائل اپنا

نہ کروں چاہ بتوں کی تو کروں کیا واعظ
دوسرے کام کے قابل ہی نہیں دل اپنا

اسکو یہ ضد ہی نہو آئینہ دم بھر بھی جدا
مجھکو یہ رشک نہو جائے وہ مائل اپنا

اسکے کوچہ میں عجب سیر نظر آتی ہے
سر لئے ہے کوئی ہاتھوں میں کوئی دل اپنا

بتوں پر جان جاتی ہے حسینوں پر فدا دل ہے
مری مٹی میں خاک کشتگان عشق کا گل ہے

لیا ہے جس نے دل میرا وہ کوئی اور ہی ہوگا
چرایا ہی نہیں جب تم نے کیوں پھر آپکا دل ہے

فراہم دل میں لیتے تو وہ انداز شوخی کے
دکھا دینگے تمہیں ہم بھی تمہارا اک مقابل ہے

وہاں لطف و غضب دونوں یہاں ہے قہر ہی تنہا
خدا سے عشق آساں ہے بتوں سے سخت مشکل ہے

شبیہ غیر لیکے دیکھا تو دیکھ سکتا ہوں
قیامت ہے یہ سننا پیار کر لینے کے قابل ہے

زمیں پر لوٹ کر دل نے کہا حسرت سے اے شاعر
نگاہ یار سے گر کر سنبھلنا سخت مشکل ہے

غم نہیں اس کا جو ہم جان سے ایجان گئے
خیر عاشق تو ہیں آپ کا سب جان گئے

جستجو ہی میں رہے سب نہ ملا تیرا پتا
برہمن دیر میں کعبہ میں مسلمان گئے

بت پرستی کو نہ چھوڑینگے نہ چھوڑینگے کبھی
بندۂ عشق ہیں مدت ہوئی ایمان گئے

دیکھو شوخی کہ ہوئیں حشر میں جب چار آنکھیں
کہتے ہیں کون ہوں میں تم مجھے پہچان گئے

شاغل

شاغل ۔ واقف رموز شاعری کاشف اسرار سخنوری منشی آغا مرزا شاغل مرحوم دہلوی خلف آغا تراب علی بلبل بوستان خوشنوائے حضرت داغ دہلوی کے چھوٹے بھائی تھے۔ نہایت خوش فکر ذہین اور طباعی میں فرو زمانہ تھے۔ غدر کے بعد سے ریاست رامپور جائے قیام رہا اور سرکار نواب کے دعاگو رہے گاہ گاہ دہلی آنے کا بھی اتفاق ہوتا تھا مزاج میں استغنا اور بے پروا ہی زیادہ تھی کلام جمع نہیں کیا اکثر مشاعروں میں ایسی غزل پڑھتے تھے کہ بڑے بڑے استاد اُسے سنکر دنگ ہوجاتے تھے۔ بایں ہمہ انکسار کا یہ عالم تھا کہ کبھی اپنی خوش کلامی پر ناز نہیں کیا۔ منکسر مزاج۔ زبان دانی میں طاق سخنوری میں شہرۂ آفاق، جدت طرازی پر فریفتہ حسن بیان کے شیفتہ کہیں عشق کا افسانہ پُر تاثیر ہے کہیں حسن کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ طائر فکر رسا نے بام عرش پر آشیاں بنایا اور کمند خیال نے صید مضامین کو اسیر کیا۔

محاورات کا استعمال مناسب چال بست بندش کا نام نہیں پیچیدہ درمغلق استعارات سے انکو کام نہیں جلوۂ سخن پر آفتاب اور تازگی تراکیب پر گل شاداب نازاں ہے۔ انتخاب کلام گوش نواز سامعاں ہے۔ ۴۸ برس کی عمر پائی افسوس کہ کلام اکثر ضایع ہوگیا شہرت نصیب نہوئی ہزارہا کاوشوں سے یہ چند غزلیں دستیاب ہوئیں جنہیں سالہا سال کی کوشش کا نتیجہ کہنا چاہئے۔ دکن میں انکے بیٹے مراد صاحب تھے۔ اب انکا بھی انتقال ہوگیا ہے

لاشہ پہ دن کو دھوپ پڑی شبکو چاندنی
دو چادروں کا ہم کو میسر کفن ہوا

تم سے بڑھکر نہیں دل لیلو مگر ڈرتا ہوں
کم سنی ہے کہیں بھول اٹھوگے کھو جائے گا

درد بیچارہ بھی دق ہے میری ہمدردی سے
میں نہوں گا اسے آرام تو ہو جائے گا

کیوں سی رہا ہے زخموں کو قاتل کہ روز حشر
روکے گا منہ تمام سے کس کس گواہ کا

سرشار ہے کہ چال تمہاری اڑائی ہے
کچھ تو سبب ہے لغزش پائے نگاہ کا

سکتہ ہے گر حسینوں میں اُس کی نگاہ کا
جھنڈا ہے عاشقوں میں ہماری بھی آہ کا

اے دل سُنیں سبب بھی کچھ اس آہ آہ کا
تیرا قصور ہے کہ ستم اُس نگاہ کا

ظلمت سے قدر نور اگر ہے تو ہے کرم
ہر خوش نصیب پر مرے بخت سیاہ کا

اپنے خیال جلوۂ رُخ کو بھی رو کئے
کیا کام غم کدہ میں میرے نور ماہ کا

جرم وفا پہ دیتے تو ہو تم سزا مجھے
ڈر جائے دل نہ بوالہوس بے گناہ کا

خاطر شکن سمجھ کے ستم کر کہ اصل میں
یکساں ہے دل فقیر کا اور بادشاہ کا

واعظ خدا کے واسطے کہوا نہ بھید کی
واں ہے مزا کرم کا یہاں ہے گناہ کا

شاغل تری بلا کو غم باز پرس ہو
تو ہے غلام آل رسالت پناہ کا

اللہ رے نازکی کہ دم عرض مدعا
انکو ہے اک پہاڑ اٹھانا نگاہ کا

جسدن سے آپ کا گذر آنکھوں میں ہوگیا
کیا رکھ رکھاؤ ہے ہمیں اپنی نگاہ کا

کہیں دکھلا رہی ہے تیغ ابرو بانکپن اپنا
کہیں پھیلا رہی ہے جال زلف پُرشکن اپنا

بتائیں کس سے یاں ہی ہم خزاں دیدہ وطن اپنا
نہ اُجڑے یوں کسی کا جس طرح اُجڑا چمن اپنا

نبھایا ہم نے وقتِ مرگ تک دیوانہ پن اپنا
بنایا قطع کرکے دامنِ صحرا کفن اپنا

نہ ہو کیونکر گماں تم پر پرائے دل چُرانے کا
کہ عادت ہے تمہیں اکثر چُراتے ہو بدن اپنا

مقامِ عشق کی ہم پہلی چوکھٹ اُسکو کہتے ہیں
جسے سمجھے عبادت خانہ شیخ و برہمن اپنا

جہاں گردی میں صورت آشنا جب کوئی ملتا ہے
نظر پڑتے ہی پھر جاتا ہے آنکھوں میں وطن اپنا

عجب سرکارِ حسن و عشق میں انصاف ہوتا ہے
مزے شیریں اُڑائے خوں بہائے کوہکن اپنا

سُبک ہوتا ہے شاغل آدمی اظہارِ مطلب سے
رہے جبتک کہ منہ میں لاکھ من کا ہے سخن اپنا

مرا حالِ زبوں بنتے باعثِ تفریحِ عالم ہے
مجھے جو دیکھتا ہے بھول جاتا ہے محن اپنا

چار پیسے گرہ میں ہوں شاغل
اپنے بیگانے سب ملینگے آپ

مالکِ خلد بنے بیٹھے ہیں کیا ممبر پر
دیکھنا واعظِ بے خوف و خطر کی صورت

رشکِ خوں پی سے لئے غم کھا لیا اور شکر کیا
اب تو مدت سے ہے یہ اپنی بسر کی صورت

غیر دل میں ہے آنکھوں میں ہے تقدیر میں ہے
پھر دعا جا کے کہاں دیکھی اثر کی صورت

آ مہ بر دیکھ نہ مجھ خستہ جگر کی صورت
پہلے کچھ کہہ دے مرے یار اُدھر کی صورت

شرمِ عصیاں سے کہیں منہ نہ دکھا سکا ہیں
خاک اُسپر اِدھر کی نہ اُدھر کی صورت

رات دن فکرِ زیارت ہے سمجھے کیوں شاغل
خود بلا لینگے جو آقا کو بلانا ہوگا

مجھسے کیا پوچھتے ہو روزِ جزا کیا ہوگا
کیا کہوں دیکھ ہی لوگے جو تماشا ہوگا

دل کدھر لیچلے یاں آئے قیمت سنئے
مفت کا مال مگر آپ نے سمجھا ہوگا

اُنسے مطلب کی نہ سوتے میں بھی جب کہتا ہوں
وہم کہتا ہے کہ چُپ رہ کوئی سنتا ہوگا

قصۂ عشقِ زلیخا کو وہ سُنکر بولے
آپ نے خواب کوئی رات کو دیکھا ہوگا

کثرتِ ضعف یہی ہے تو بس اے شوق
اُسکو دشوار تصور میں بھی لانا ہوگا

بھید اور غیر کے دل کا جسے کھولیں پھر آپ
وہ کبھی کیا رازِ محبت سے جو افشا ہوگا

کوہکن لایا تو جوئے شیر پر
پڑ گئے پتھر تری تقدیر پر

دل لگی زندانِ وحشت میں بھی ہے
ہنس رہا ہوں نالۂ زنجیر پر

دیکھکر ہم شکل کیوں دیکھا مجھے
ہاں تمہیں کو فوق ہے تصویر پر

قولِ فیصل کس طرح ایسے سے ہو
پیار آئے جس کی ہر تقریر پر

شمع پروانے کے جلنے پر ہنسی
مجھکو غصہ آگیا گلگیر پر

جرم بیجا ہیں مرے بندہ نواز
منفعل ہوں کوتہی تقصیر پر

جانکر ہمدرد اکثر قید میں
رو دیا ہوں نالۂ زنجیر پر

اپنے ہاتھوں آپ شاغل تم مٹے
رکھتے ہو الزام جس تحریر پر

صورتیں یہ دو ہی مرنے کی ہیں آپ پر یا آپ کی تصویر پر

بیٹھا تھا میں اور غیر یوں اُس وقت محفل کے پاس
ظالم سوالِ وصل پر قیمت کی ہے تکرار کیوں
شوقِ مقامِ یار میں ایسے چلے مدہوش ہم
ہوتے ہیں قاتل سنگدل دنیا میں پر ایسے نہیں
لے لے جگر مہمان کو کر حقِ ہمسایہ ادا
ہم بزمِ دشمن یار ہے یہاں لب تک یہ سر ہر بار ہے
اللہ رے ہمت قیس کی ہر گام پر کہتا تھا یہ
تاثیرِ صحبت سے کہیں پتھر پگھل کر موم ہو
ہوں لاکھ ظاہر میں جدا لیکن جدا دم بھر نہیں
غارتگرانِ دیر سے ملنے لگے تھے غیر سے
ہمیں تو ہے ثوابِ حج طوافِ کوئے دلبر میں
کہاں سے زور ہو آہِ دلِ بیتاب و مضطر میں
میں اپنی سخت جانی کی نہ کھوتا آبروئے قاتل

ہو نقطۂ حق تحریر میں جب خط ہے باطل کے پاس
نقدِ وفا موجود یا جان ہے سائل کے پاس
آیا خیالِ راہبر جب آ گئے منزل کے پاس
پھر کر نہ دیکھا دور سے آ تو گیا بسمل کے پاس
آیا ہے چل کر دور سے پیکانِ قاتل دل کے پاس
اے چرخ تو مختار ہے دو شخص بیٹھیں دل کے پاس
اے شوق گو ہوں ناتواں پہنچوں مگر محمل کے پاس
حاضر ہی دل کیا عذر ہے رکھئے پر اپنے دل کے پاس
وہ دور سمجھیں آنکھ میں دیکھتا ہوں دل کے پاس
کہتے ہیں نقدِ دل نہیں پھر حضرتِ شاغل کے پاس
مگر یہ آسماں کیوں پڑ گیا ناحق کے چکر میں
کہ گنجائش نہیں اب ضعف کی بھی جسمِ لاغر میں
جو پہلے سے سمجھتا ہے یہ برش تیرے خنجر میں

کوئی تڑپے کوئی سسکے کسی کے دم پہ بنجائے
مزے سے چین سے آرام سے تم تو رہو گھر میں

کوئی ہمسانہ ہوگا محوِ نظارہ زمانہ میں
نگاہِ شوق کا گویا ہے گھر اُس روزنِ در میں

تمہاری بے نیازی ہے جو بت کرتے خدائی ہیں
وگرنہ بات کیا ہے کونسا جوہر ہے پتھر میں

سیاہ خانہ مرے دل کا ہوا ہے داغ سے روشن
چراغ آکر جلایا عشق نے اللہ کے گھر میں

ترا عاشق عدم کو اس طرح بشاش جاتا ہے
سفر کے بعد آتا ہے مسافر جس طرح گھر میں

گنہ ثابت کریگا بعد میرے قتل کے قاتل
ابھی تو جرم لکھا ہے نہ میرا نام دفتر میں

الٰہی خیر سے پہونچے امانت اس ستمگر کی
کہ خط کے ساتھ دل باندھا ہے بازوئے کبوتر میں

دمِ فریاد اُس کا سر جھکے میدان محشر میں
ندامت یہ بھی لکھی تھی مگر میرے مقدر میں

الٰہی کچھ یہاں ہو کچھ مرا انصاف محشر میں
ہزاروں فیصلہ کرنے پڑینگے تجکو دن بھر میں

نہیں ہے وجہ مے نوشی کی یہ بیباکی و مستی
مگر گھر کر گئیں ساقی کی نظریں چشمِ ساغر میں

جدھر کروٹ بدلئے ہجر میں برچھی سی چبھتی ہے
تصور اُسکے مژگاں کا ہے یا کانٹے ہیں بستر میں

دوبارہ پھر ذرا کہنا کہ ہم تجھسے نہ بولیں گے
ثنا ہے لطف بڑھ جاتا ہے الفاظِ مکرر میں

میں قربان اس تجاہل کے سرِ نعش آکے کہتے ہیں
یہ کیا ہے کیوں پڑے ہو منہ لپیٹے آج چادر میں

مرا حلقِ بُریدہ چھوڑتا ہے اسکو کب ثابت
ابھی مجھ میں تو دم ہے گر نہیں ہے تیرے خنجر میں

زمانہ گر موافق ہو تو شاغل تو مزہ غافل
بھروسہ کیا ہے دم کا کچھ سے کچھ ہوتا ہے دم بھر میں

مرے ارمان ہیں یا ہیں ترے پیکان قاتل
کہ نکلنا تو کہاں دل سے اُبھرتے بھی نہیں

جس سے ملتے ہو بنا لیتے ہو عاشق اپنا
رسمِ اخلاق کو اتنا کوئی برتے بھی نہیں

ہاں شوخ نگاہی خللِ اندازِ حیا ہو
آپس کی لڑائی میں کسی کا تو بھلا ہو

دے اب وہ جواب انکو جسے ہوش رہا ہو
لو پوچھتے ہیں مجھسے کہ تم چاہتے کیا ہو

بیمارِ غمِ ہجر کو کیا خاک شفا ہو
جو جان کا دشمن ہو اُسے پاس دوا ہو

پھر لذتِ دردِ جگری بھی نہ ملے گی
اے دل نہ بہت اُنسے طلبگارِ جفا ہو

تم پاؤں زمیں پہ تو رکھو سوچتے کیا ہو
کچھ فرض بھی ہے کہ قیامت ہی بپا ہو

صد حیف کہ بیمارِ غمِ ہجر کی اپنے
تم لو نہ خبر اور خبر گیر قضا ہو

درماندۂ و مجبور زمانے میں بتوں کے
ہم ایسے ہیں جیسے کہ کسی کا خدا ہو

قرض لیلینگے کسی سحر نگہ سے ہم بھی
گم ہوا ہے جو زمانہ سے اثر ہونے دو

منہ شبِ وصل میں زلفوں سے چھپاؤ اچھا
ہم بھی راضی ہیں بلا سے نہ سحر ہونے دو

یہ نئی طرز جفا ہے کہ بگڑ بیٹھے ہیں
خود بخود جان کے مایوس ترحم مجھکو

پھول کملائے ہوئے کھل گئے سب تربت کے
آگیا یاد کسی کا جو تبسم مجھکو

وہی کوچہ وہی قاتل وہی دشمن وہی رشک
لیچلے کس طرف اے حضرتِ دل تم مجھکو

ہائے شاغل دمِ رخصت وہ کسی کا کہنا
دیکھو پچھتاؤگے چھیڑوگے اگر تم مجھکو

حسن کا عشق سے پردہ کہیں ہو سکتا ہے
نگہِ شوق کا دیکھوں نہ گذر ہونے دو

شکوہ ہو کہ ہو شکر گلہ ہو کہ دعا ہو
کچھ ہو مگر اے دل اثر انگیز ذرا ہو

یکتا ہو حسینوں میں تو شیوہ بھی نیا ہو
چاہے جو تمہیں دل سے اُسے آپ بھی چاہو

کیا جرم محبت کی ہے تعذیر میں لذت
کہتی ہے مری بے گنہی بھی کہ سزا ہو

منزل ہے کڑی چھوٹ گئے قافلہ والے
اے شاہِ امم شاغل بیکس کو نباہو

جب اُسنے کہا زلفِ معنبر کو سنگھا دو
بولے تمہیں کچھ ہوش ہے بس جاؤ ہوا ہو

مشتاقِ سخن مرگئے لاکھوں مگر اے بت
کیا دخل جو تیرا لبِ جاں بخش ہلا ہو

اے قاتل بے مہر کہے دیتے ہیں اتنا
پیدا نہیں انسان برا ہو کہ بھلا ہو

ہر روز جدائی ہے یہاں روزِ قیامت
سچے ہو تو بس وعدۂ دیدار وفا ہو

کچھ یاس سے تسکین ابھی دل کو ہوئی تھی
پھر چھیڑ دیا ہائے تمنا کا برا ہو

چھوڑیے عشقِ فرہاد ای دل کہ ہے ضرب المثل
چلیو اُس رستے سے بچکر جسمیں کا نشاں کچھ ہو

واعظ تری حوروں کے ابھی ہم ہیں خریدار
کچھ ملتی ملاتی تو شباہت ہو کسیکی

دل لیجئے اب جان کے خواہاں وہ ہوئے ہیں
اچھی کہی لے کوئی امانت ہو کسی کی

میری دعا نے فرشتوں کے کان کھائے ہیں
فلک پہ پوچھتے پھرتے ہیں یہاں اثر بھی ہے

دل تو کہتا ہے کہ وہ آیا مسیحا دیکھئے
موت کہتی ہے کسی کا اب نہ رستا دیکھئے

اس طرف پہلے دمِ عرضِ تمنا دیکھئے
شوق سے پھر آئینہ میں روئے زیبا دیکھئے

ابتدائے عشق میں حیرت ہی کیا کیا دیکھئے
دل کا آنا دیکھئے یا جی کا جانا دیکھئے

نیچی نظروں سے نہ ہر اک کو خدارا دیکھئے
خاک میں ملجائے گا سارا زمانہ دیکھئے

تھے کہاں آئے کہاں جائینگے کس جا دیکھئے
ایک مشتِ خاک کا چکر میں آنا دیکھئے

دیکھتے ہیں دیکھنے والے بہر صورت تجھے
طور پر جا جا کے جلوہ آپ موسیٰ دیکھئے

ایسے بیچینوں کی گنجایش ترے گھر میں نہیں
حضرتِ دل اور کوئی اب ٹھکانا دیکھئے

کہتے ہو دن بھر طبیعت آج برہم سی رہی
اور اٹھکر صبح کو منہ ہر کسی کا دیکھئے

دیکھتے ہیں اپنے بیگانے مرے دل کی تڑپ
آپ بھی اپنی نگاہوں کا کرشمہ دیکھئے

حضرتِ واعظ نہ چھیڑیں ہم سی میخواروں کو آپ
قصد تھا توبہ کا لیجے ابر چھایا دیکھئے

آجتک تو آپ کے اقرار سب پورے ہوئے
کیا قیامت لائے اب امیدِ فردا دیکھئے

لکھدیا ظالم نے اتنا بس جوابِ خطِ شوق
آپ پہلے اپنی قسمت کا نوشتا دیکھئے

جب ہر اک انداز پر سمجھوں گا قاتل آپ کو
پھر اسی دن کی طرح مجکو دوبارا دیکھئے

کیا کہوں گا داورِ محشر نے گر اتنا کہا
لیجئے یہ نامۂ اعمال اپنا دیکھئے

گو تڑپتا ہے وطن جانیکو دل شاغل مگر
دیکھی ہے جسکی بہار اُسکی خزاں کیا دیکھئے

لڑ گئی جس کی وہی تقدیر میں تقدیر ہے
بن پڑی جس کی وہی تدبیر میں تدبیر ہے

اپنی دانائی پر انساں بھول کر نازاں نہ ہو
جو موافق ہو وہی تدبیر میں تدبیر ہے

پاسِ رسوائی کسیکا زندگی کی وجہ ہے
کیا کہوں کس کی مری تشہیر میں تشہیر ہے

دیکھنا اس چھیڑ کو شاغل کہ فرماتے ہیں وہ
اب تو تیری آہ بے تاثیر میں تاثیر ہے

نظروں میں جب تک وہاں تو یہاں جی پہ گراں ہے
اس دل کا ٹھکانا نہ یہاں ہے نہ وہاں ہے

وہ صورت رعنا تو ہر شکل عیاں ہے
اے چشم نظر باز ترا دھیان کہاں ہے

آخر کوئی حد بھی تری اے عمر رواں ہے
ہر دم کا سفر اب تو مسافر پہ گراں ہے

کیا پوچھتے ہو دل ترے پہلو سے ہوا کیا
کیونکر کہوں میں کس پہ مجھے انکا گماں ہے

قاصد ابھی خط لیکے گیا ہی نہیں او ر سم
کہتے ہیں اسی سے کہ بتا خیر تو واں ہے

کیا فرض ہے ان سنگدلوں کیلئے مرنا
اے دل تجھے کچھ صبر بھی ہے تو جہاں ہے

ق

کیا پوچھتے ہو حال غریب الوطنوں کا
کیا خاک بتائیں کہ کہاں اپنا مکاں ہے

شرم آتی ہے اب نام بھی لیتے ہوئے اُسکا
گو نام کو بدبخت کا اب تک تو نشاں ہے

دلّی جسے کہتے ہیں وطن ہے وہ ہمارا
تھی رشک جہاں پہلے وہ اب صرف خزاں ہے

تھے اہل کمال اُس میں کبھی منتخب دہر
اب بے ہنری میں وہی مشہور جہاں ہے

بس شاغل ناکام نہ کر دل کو پریشاں
ہم سمجھے کہ اُس شہر کا تو مرثیہ خواں ہے

شاغل

شاغل - جناب حکیم علی محمد صاحب رئیس بمبئی تلمیذ حضرت نائب شاہجہانپوری - کلام بشتہ بے عیب ہوتا ہے - زبان لکھنے کی زیادہ کوشش کرتے ہیں اور زبان کیساتھ مضمون بھی اکثر اچھا لکھ جاتے ہیں - سوز وگداز کی البتہ کمی ہے - کئی چھوٹے چھوٹے دیوان بھی شایع کر چکے ہیں - اکثر غزلیات گلدستوں میں شایع ہوا کرتی ہیں - اس سے زیادہ حال معلوم نہیں - یہ انکے کلام کا انتخاب ہے -

الفت نہیں قصور محبت نہیں خطا
تمکو اگر کسی نے کیا پیار کیا ہوا؟

بگڑی ہوئی ہے عادت اہل زمانہ کیا
کیا روبرو بیان ہو اور غائب نہ کیا

ترک اُن کی محبت ہو تو کسطرح ہو ناصح
میں ہوتا ہوں راضی تو مرا دل نہیں ہوتا

لڑ جھگڑ کر یا خوشامد سے میں بدلے حور کے
حق سے لیلوں گا تمہیں روز قیامت دیکھنا

اس بندہ پروری کے قربان جاؤں آ ہ
اسکو بھی تو نہ بھولے بھولے جو نام تیرا

فریاد ستم حق سے کرتا میں تو کیا ہوتا
تیری ہی سُنی جاتی تیرا ہی کہا ہوتا

چلمن سے جو تم جھانکتے تو حشر کیا برپا
بے پردہ دکھا دیتے دیدار تو کیا ہوتا

ہونیوالی تھی قیامت ہو گئی رفتار سے
حشر برپا کرنیوالا حشر برپا کر گیا

دکھاتا ہے عجب کیفیت اہلِ بزم کو ساقی
تری متوالی آنکھوں سے مرا سرمد ہو جانا

آ گئی شوخی نگاہِ ناز میں
بھولی صورت کا مزا جاتا رہا

گر دیکھنا ہو تم کو تماشائے روزِ حشر
کیا دیکھتے ہو منہ سے الٹ دو نقاب آج

عالم میں ترے چاہنے والے تو ہیں بہت
پر وہ ہے خوش نصیب کرے جسکو تو پسند

نام ہی حور پری کا ہے جہاں میں لیکن
شیفتہ حضرتِ شاغل ہیں زمانہ کس پر

میں اور عدو دونوں سرِ بزم ہیں لیکن
پڑتی ہے نظر انکی ادھر اور ادھر اور

چشمِ پرفن طاق ہے ہر بات میں
مکر ہیں جھانسے ہیں دم ہیں گھاتیں ہیں

کیا داد خواہ داد طلب روزِ حشر ہوں
تیور وہی حسینوں کے پیشِ خدا بھی ہیں

ہنس ہنس کے دے رہے ہیں محبت سے گالیاں
مجھ پر وہ مہرباں بھی ہیں اور خفا بھی ہیں

تمہارے وعدۂ فردا سے تسکینِ دل کیونکر ہو
یہاں جب تم نہیں ملتے ملوگے کیا قیامت میں

سارے عالم سے نرالی ہے طبیعت انکی
جو انہیں یاد کرے اسکو بھلا دیتے ہیں

اللہ رے کوئے یار میں رہنے کا اشتیاق
میں تو اٹھا مگر مرے اٹھتے قدم نہیں

خاک سے خلق ہوا خاک میں ملجانیکو
سب ہے انسان میں مگر پھر بھی کچھ انساں نہیں

محبت میں برائی کون سی ہے
اگر ہو پاک دل اچھی نظر ہو

وصل کی شب شوخیوں کو آنکھ میں آنے بھی دو
روکتے ہو کیوں حیا جاتی ہے تو جانے بھی دو

مدتوں جو دشتِ الفت میں نہ کھائے ٹھوکریں
خاک اسکو زندگانی کا مزا حاصل نہ ہو

فراقِ یار میں ہے زندگانی تلخ لے ساقی
پلا دے زہرِ قاتل بادۂ انگور کے بدلے

کیا پئیں اور کیا پلائیں حضرتِ زاہد کو ہم
مفلسی میں آج تھوڑی سی شراب آئی تو ہے

یہ بتلا دو وہ ہے جا کر لامکاں کی سیر کر آیا
فرشتے کیا کمالِ حضرتِ انساں نہ مانیں گے

دبی زبان سے کیا جب سوالِ وصل اُنسے
ملتے بھی ہو ہم سے تو ستانیکی غرض ہے
کہا میں نے جو مرتا ہوں تو بولے کس ادا سے وہ
چھپا رکھا ہے دل میں راز کی مانند عشق اسکا
وہ خوب جانتی ہے جیسا ہوں میں حسن پرست
لیگئے ہوش و خرد دے گئے یاس و حرماں
کرتا ہوا افسوس بہاتا ہوا آنسو
صورت بہت اچھی تھی مری جان تمہاری

ملانا زہر شربت میں برا ہے
تصور رقیب کا نہ شب وصل چھیڑیے

ہکینگے منہ مرا روزِ قیامت لوگ حیرت سے
کس طرح کر سکیگا اب انکار وصل سے
بچپن میں چال فتنۂ محشر سے کم نہیں

ظلم ہے قہر ہے ترا ملنا
جلسے ہیں نئے روز ملاقات نئی ہے

ہل چل مچائی ہے مرے نالوں نے اسقدر
اب ہنسو۔ بولو۔ چلو غم ہو چکا

خفا ہو گئے جب خفا ہونے والے
جدا ہو گئے سامنا ہے غضب کا

بڑھ کر لگاؤ ہاتھ کہ جھگڑا تمام ہو
خیر دل کا مرے چرا اور ہی کوئی ہوگا

وہ بولے ہو کے خفا کیا کہا کہو تو سہی
خالی نہیں مطلب سے ملاقات تمہاری
جسے ہے شوق مرنیکا وہ اتبک جی رہا کیوں ہے
الٰہی پھر مری الفت کا چرچا جا بجا کیوں ہے
بدل کے حور کا بھیس آئے گی قضا میری
سامنے سے مرے بن ٹھن کے گذرنیوالے
بیٹھا ہے دمِ نزع کوئی آکے سرہانے
دی ہوتی مروت بھی جو تھوڑی سی خدا نے

نہ دو گالی لبِ شکر فشاں سے
پہلو نکالے نہ خوشی میں ملال کے

خدا سے جب میں انکو مانگ لونگا حور بدلے کے
ہم منہ میں ہیں زبان ستمگر لئے ہوئے
ہو کر جوان دیکھئے کیا کیا کرے کوئی

تجھے اچھی ہے آرزو تیری
معشوق نیا لطف نیا بات نئی ہے

خیر آسمان والے مناتے ہیں جان کی
مرگ دشمن پر بہت کچھ رو چکے

مقدر کو روتے رہے رونے والے
لپٹ کر گلے سے مرے سونے والے
کیا سوچتے ہو ہاتھ میں خنجر لئے ہوئے
کس لئے آنکھ چراتے ہیں مکرنیوالے

شاکر

شاکر ۔ منشی محمد شاکر صدیقی ۔ اعظم پور کے رہنے والے درویشانہ زندگی بسر کرتے ۔ علم نجوم میں اچھی مہارت تھی ۔ آبرو ناجی نامی شعرائے قدیم کے ہم عصر اور ہم زبان تھے ۔ قدرت اللہ شوق کے تذکرہ سے چند شعر جو دستیاب ہوئے ہیں انکی صفائی روزمرہ کے شاہد ہیں ۔ نساخ نے اپنے تذکرہ میں انہیں محمد علی حشمت کا شاگرد لکھا ہے ۔ انتخاب یہ ہے

رو رو ترے غم میں شب سحر کی	تیں آکے مری بھلی خبر لی
کچھ اس میں بھی فائدہ نہ دیکھا	فریاد و فغاں بھی ہم نے کر لی
گلچیں تجھے کیا تیری بلا سے	گل توڑ کے تو نے جیب بھر لی
شاکر نے تمام ڈھونڈا شہرا	سب کہتے ہیں راہ جنگل لی

شاکر

شاکر ۔ کسی عطار پیشہ کا تخلص ہے جو حافظ عبدالرحمٰن خاں احسان کا شاگرد تھا اور ۱۲۶۱ھ میں بعمر ۳۰ سال حیات تھا ۔

تجھ بن یہ رات کو مری حالت تباہ تھی	فریاد تھی زباں پہ اور لب پہ آہ تھی
خسرو کو عشق میں ہوس عز و جاہ تھی	یاں سینہ کوبی سینہ زنی اور آہ تھی
دل تو کہتا ہے کہ خط بھی اُسے لکھا کیجئے	پر نہ تقدیر میں لکھا ہو تو پھر کیا کیجئے

شاکر

شاکر ۔ منشی عبدالسبحان ولد قاضی اکبر علی مرحوم ساکن کلکتہ ۔ مولوی عصمت اللہ صاحب انتخ کے فیض تلمذ سے بہرہ یاب مذاق سخن اچھا تھا ۔ نمونۂ فکر یہ ہے ۔

تڑپتے ہیں ترے کوچہ میں قاتل نیم جاں کیا کیا		تماشے مرغ بسمل کے دکھاتے ہیں جواں کیا کیا
کا ہید گئی جسم کا ممنون کیوں نہوں		پہونچا ہیں کوئے یار میں باد صبا کیساتھ
کہنے لگا وہ شوخ یہ جھنجلا کے ناز سے	ق	دیکھا جو ہم کو اور کسی مہ لقا کے ساتھ
دو دن میں حال آپ کا کچھ اور ہو گیا		کیا خوب ہم سے پیش تم آئے وفا کیساتھ
نہیں معلوم کس منزل پہ یہ جا کر اترتے ہیں		یہاں سے قافلہ ہر روز یاروں کا روانہ ہے

شاکر

شاکر ۔ محمد حسن خاں ۔ ۳۰ برس سے زیادہ عرصہ ہوا کہ شاہجہانپور میں زندہ و سلامت موجود تھے کلام

سے انکی خوش کلامی ہویدا ہے سہ

تھرایا عرش خوف سے قدسی جھجک گئے / دو چار تیر آہ جو سوئے فلک گئے
شعلہ رخوں کے عشق کی تاثیر ہو گئی / انگارے اپنے مجمر دل میں دہک گئے
اکثر ہمارے نالوں سے آیا ہے زلزلہ / کانپی زمین مکان بے در چٹک گئے
اللہ ری نازکی کہ پہلنے سے ہار کے / گردن میں موج بوجھ سے آئی لچک گئے
مضمون ملا نہ کوئی بھی معدوم کے سوا / شاکر دہانِ یار پہ کیا کیا نہ تھک گئے

شاکر

شاکر سخنور باخبر مرزا محمود شاہ خلف مرزا منجھو نبیرۂ شاہ عالم ثانی۔ آپ ابوظفر بہادر شاہ ثانی کے نواسے اور مرزا صابر مرحوم کے شاگرد ہیں۔ چند سال سے شاہزادہ اسکول دہلی میں مدرس ہیں۔ کلام استعارات سے مزین۔ زبان پرلطف ہے۔ انتخاب یہ ہے سہ

جان پہچان کا کب ساتھ کوئی چھوڑتا ہے / دل نکل آیا جو ہیں تیر کا پیکاں نکلا
ایک عالم تھا جسے صبح قیامت سمجھا / غور سے دیکھا تو عاشق کا گریباں نکلا
آنے سے میرے کہنے لگے کچھ رقیب بھی / دم اپنا انکے واسطے تلوار ہو گیا
چاہا تھا اپنی دید کا ارماں نکالئے / غیر آکے سامنے مرے دیوار ہو گیا
ایک بوسہ میں مزا پایا ہے ہم نے چار کا / دل لگی کا دل ہی کا دل کھلے کا پیار کا
غربت میں اپنی اسکو سینہ سے ہوں لگائے / ہے داغِ ہجر گویا تحفہ مجھے وطن کا

سمجھا یہ ہر اک آیا جو وہ گھر سے نکل کر / محشر یہ چلا عرصۂ محشر سے نکل کر
آگیا اتنا مزا فریاد میں / لطف پاتے ہیں تری بیداد میں
سختی بے مہر قاتل دیکھکر / بال آیا خنجرِ فولاد میں

غریقِ بحرِ الفت کی نہیں چارہ گری ممکن / کہیں ڈوبے ہوئے موج تبسم کے ابھرتے ہیں
ایک تم ہو کہ کسی بات کا اقرار نہیں / ایک ہم ہیں دل و جان دینے سے انکار نہیں
جلوہ آرا ہوا جب مصرِ محبت میں وہ شوخ / کھوٹے داموں کوئی یوسف کا خریدار نہیں

ہائے جاکر وہ رہے ایسے مکاں میں اب کے — دیکھنے کو بھی جہاں روزن دیوار نہیں
تم اپنے دل سے بہر خدا بدگماں نہ ہو — الفت وہ شے نہیں کہ یہاں ہو وہاں نہ ہو
آج اُسکے واسطے ہی توکل اپنے واسطے — دیکر کسی کو رنج کوئی شادماں نہ ہو
تیر کا پیکاں آہن دل مرا آہن ربا — کیونکہ چھوٹے تیر تیرا دل کو اور دل تیر کو

شاکر

شاکر ۔ جناب پنڈت شیونا تھ صاحب کشمیری لکھنوی خلف پنڈت کاشی ناتھ صاحب کول لکھنو اور اجمیر میں تعلیم پائی۔ پنڈت شوراج ناتھ صاحب آپکے بڑے بھائی ہیں۔ آپ ذہین طباع۔ قناعت پسند۔ منکسر المزاج شاعر ہیں۔ وجیہ خوش خلق آدمی ہیں۔ انگریزی زبان میں بخوبی مہارت حاصل ہے۔ انگریزی انشا پردازی میں بھی اچھی طرح ماہر ہیں۔ فارسی زبان میں اعلیٰ درجہ کی لیاقت رکھتے ہیں۔ مثنوی مرات الخیال خود آپکی تصنیف ہے اسمیں معرفت اور قدرت کے جلووں کو بہت پسندیدہ طرز پر نظم کیا ہے بعض بند توفی الواقع لاجواب ہیں۔ آپ سب سے پہلے راج بنارس میں ملازم تھے اور وہاں نایب دیوان کے خدمات کو نہایت خوش اسلوبی سے ادا کرتے رہے ہیں اور انکی خوش اخلاقی اور دیانت داری سے تمام عملہ خوش تھا۔ بنارس کے قیام میں آپ مرزا قیصر بخت فروغ دہلوی کے شاگرد ہوئے۔ اب ریاست گوالیار میں سپرنٹنڈنٹ جنگی و آبکاری ہیں۔ آپ عارف اور خدا پرست شخص ہیں سنہ ۱۹۱۱ء میں آپکی عمر ۳۵ - ۴۰ برس کی تھی۔ صرف چند شعر ہاتھ آئے ہیں جو درج ذیل ہیں ؎

نظر نے پھوٹ مچائی وہ خانۂ تن میں — کہ دل بھی صاف اُڑا لے گئی جگر کیسا
سبب چلے جو تیر مژہ تیرے چھوڑ کر اُن کو — تو پھوٹ پھوٹ کے رؤے دل و جگر کیسا
ملا ہی حسن تمہیں عشق لا زوال مجھے — تمہیں ہے اسمیں کمال اسمیں کمال مجھے
بہت ہی تنگ ہے وحشت میں وسعت عالم — الٰہی اس قفس تنگ سے نکال مجھے
دل کے آئینہ میں ہے صورت بت بے پیر کی — اس مرقع میں جگہ ہے یار کی تصویر کی
جادۂ دشت جنوں روشن ہے مثل کہکشاں — پانوں میں گردش ہے چکر آسمان پیر کی

اس خموشی میں بھی سو باتیں نکلتی ہیں صنم
عین گویائی ہے خاموشی تری تصویر کی
پاؤں کے چھالوں سے ہوں مجبور ورنہ ای زمیں
آدمی گردش بانٹ لوں میں آسمان پیر کی

شاکر

شاکر ۔ جناب محمد عبد القادر صاحب ایم بارڈوی ضلع مدراس پختہ کلام اور ماہر زبان شاعر ہیں قصۂ بہار اور چندر بدن بہت پاکیزہ زبان میں نظم کیا ہے ۔ گلزار شاکر اس مثنوی کا نام ہے ۔ کلام میں بجد پختگی ہے ۔ رعایت لفظی کیساتھ سلاست بیان اور لطف زبان قابل داد ہے استعارات سے کلام کو بے مزہ نہیں ہونے دیتے ۔ مضامین آفرینی کیطرف طبیعت زیادہ مائل ہے مگر محاورہ اور زبان کا بھی لحاظ رکھتے ہیں ۔ ۱۳۱۶ھ میں دیوان شاکر طبع ہوچکا ہے ۔ تلمذ کا حال معلوم نہیں مگر کلام اسکا شاہد ہے کہ کسی ماہر فن زبان سے استفادہ کیا ہے ۔ کلام کا انتخاب ہدیۂ ناظرین ہے ۔

اُڑا کے لے نہ گیا ہو وہ گیسوؤں والا
تلاش سے بھی تو ملتا نہیں پتا دل کا
بیچتا ہوں نگہ لطف کے بدلے دل و دیں
آگے بس لے بت کافر ترا ایمان رہا
ابھی یہ دیکھ رہا تھا کہ میں ہوں اُنکے گھر
کھلی جو آنکھ تو وہ گھر نہ تھا وہ خواب نہ تھا
مے دو آتشہ ساقی مجھے پلا دینا
جگر میں آگ لگی ہے اُسے بجھا دینا
آئینہ سامنے رکھ دو جو کرو ذبح مجھے
دیکھوں پھر کس طرح سے ہے حلق پہ خنجر پھرتا
غم ہستی نے عدم کا مجھے مشتاق کیا
تکلیف سفر کی تو وطن یاد آیا
اہل نظر کے واسطے عبرت کا ہی مقام
دم بھر کی زندگی یہ اُبھرنا حباب کا

ہوائے گل سے دم نکلا قفس میں
صبا لائی تھی پیغام قضا کیا
شہید ناز نے مانگا نہ پانی
بجھی تھی زہر میں تیغ ادا کیا
اس سے تو اور تشنگی شوق بڑھ گئی
اچھا اثر ہے شربت دیدار یار کا
یوں جامۂ حیات کو بدلا ہی روح نے
گویا لباس تھا کہ بدن سے نکل گیا

رشک عیسیٰ نہیں کہتا ہے زمانہ لیکن
نہیں پاتا کوئی بیمار شفا کیا باعث
ستم سہہ سہہ کے آنکو قاتل عالم بنایا ہے
الٰہی خون کس کس کا رہیگا میری گردن پر

کھوتی ہے آبروئے بشر زر کی احتیاج
ذلت ہے عمر بھر کی گھڑی بھر کی احتیاج

لاگ ہوتی ہے تو ہو جاتا ہے آپسمیں لگاؤ
آبلے جائیں کہاں خار مغیلاں چھوڑ کر

اُس شکر لب نے لیا ہونٹوں میں زلفوں کو دبا
مصریوں کا دانت پہونچا کشورِ تاتار پر

دانت کلیاں ہیں چنبیلی کی تو گلبرگ ہیں ہونٹ
اے گل گلشن خوبی ہے گلستاں عارض

نامہ بر کو دیکے خط جب بھیجتے ہیں ستودہ سست
آگے آگے اشک پیچھے پیچھے خود جاتے ہیں ہم

دیکھا ہے میں نے تمکو آغوش آرزو میں
آؤ تو مل کے سوچیں تعبیر خواب ہم تم

گن گن کے بوسے لینا ای کاش ہو میسر
پھر بھولتے بھی جائیں اس کا حساب ہم تم

نظر سے سینۂ عاشق میں کرتی ہیں سوراخ
نئے طریق سے وہ دل میں راہ کرتے ہیں

اُس کا منہ کیا ہی کہ آنکھ اُس مہ کامل سے ملائے
نہ خط و خال نہ خورشید کے رُخ پر گیسو

وہ سرِ زلف کو ہونٹوں سے دبائے ہیں مگر
چشمۂ خضر لب اُن کے ہیں سکندر گیسو

اک نگہ میں دل کو لے اُڑنا نئی ایجاد ہے
اس تری چشم عنایت پر مرا بھی صاد ہے

کہتے ہیں ترکِ ملاقات کا شکوہ بھی نہ ہو
یہ نئی شرط ہوئی شرط وفا سے پہلے

ہوا عکس آئینہ حیرت فزا
انہیں آج اپنی نظر ہو گئی

درد بنکر دل میں آنا چھوڑ دے
جان ہو کر جی جلانا چھوڑ دے

کرچکا برباد میری قبر بھی
اب تو ظالم خاک اُڑانا چھوڑ دے

دیکھ لینے دے کبھی دیدار بھی
دل میں رہ کر منہ چھپانا چھوڑ دے

دل خون گشتہ شاید بھر چلا ہے
لہو آنے لگا کیوں چشم تر سے

میری قسمت کا اندھیرا شام کر بھی
شمع تربت کو تمنا ہی رہی جلنے کی

خیال اسکو جو لینے کشتگان غم کا آیا ہے
کف افسوس ملکے رنگ مہندی کا اڑایا ہے

نہیں اتنا پڑھا اور دل کھلا جاتا ہے فرحت سے
یہ کس کا نامۂ جاں بخش قاصد لیکے آیا ہے

اے جنوں دست درازی کا مزا تو جب ہے
نہ سلامت رہے دامن نہ گریباں رہنے

قاصد کے پاس خط ہی مرے لیکن جوشِ اشک	دوڑا رہا ہے ساتھ دلِ بدگماں مجھے

شاکر

شاکر۔ مسٹر پیارے لال صاحب۔ باشندہ میرٹھ مقیم لکھنؤ شاگرد حضرت شوکت میرٹھی۔ مذہباً عیسائی مگر زبانِ اردو کے اچھے ماہر اور انشا پردازی کے دلدادہ ہیں۔ پہلے مختلف رسالوں میں مضامین نظم و نثر ایک مدت تک شایع کراتے رہے۔ پھر رسالہ ادیب الہ آباد میں دو سال کے قریب اڈیٹر رہے جب رسالہ بند ہو گیا تو خود لکھنؤ سے العصر نامی ایک باتصویر رسالہ جسکو ادیب کی تمثال کہا جائے شایع کرنا شروع کیا وہ بھی دو برس سے زیادہ نہ چلا۔ رباعیات کہنے کی خوب مشق کی ہے۔ کلام میں شوخی اور متانت دونوں موجود ہیں۔ اب مجاز سے حقیقت کی طرف بڑھ رہے ہیں اور طبیعت کی ترقی کہہ رہی ہے کہ کچھ دن میں مدارجِ ارتقا تک پہنچ جائینگے رباعیاں بیشتر اسی رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ مدتوں منشی نوبت رائے نظر سے دوستی اور رفاقت رہی اور کلام میں بھی آپنے مشورہ کرتے رہے۔ بہترین کلام کا انتخاب نذرِ ناظرین ہے ؎

رباعی

دنیا کو عجب طرفہ تماشا پایا	اک حال پہ قائم نہیں ماشا پایا
جب نظروں میں تولا اسے ہمنے شاکر	تولہ کہیں پایا کہیں ماشا پایا
آنکھوں سے خمارِ ذوقِ مستی اترا	خاطر سے غبارِ اوج و پستی اترا
پہنا جو کفن تو سرگرانی نہ رہی	ہلکے ہوئے ہم کہ رختِ ہستی اترا
ناتوانی کا بھلا ہو کہ یہ احساں اس کا	اس کے کوچے میں جو آتا ہوں گرا جاتا ہوں
وصل کے وعدے رقیبوں سے وفا ہوتے ہیں	میں ہی بدبختوں میں محروم رہا جاتا ہوں
پشتِ خم مجھکو بتاتی ہے نہ سمجھے کوئی	بارِ عصیاں سے زمیں میں جھکا جاتا ہوں
اس دارِ محن میں آ کے خورسند ہے تو	او خاک نشیں! زمیں کا پیوند ہے تو
دل دولتِ فقر سے غنی کر منعم	کیوں حرصِ زر و مال میں پابند ہے تو
منہ مانگے وہ دیگا نہ دے گا تجھکو	سو طرح سے آب و دانہ دیگا تجھکو
غم رزق کا کھا رہا ہے کیوں اے غافل	دیتا ہے جو سب کو کیا نہ دیگا تجھکو

غیر دنیا پہ بھروسہ ہے تو یہ گت ہوگی
عزت ہی نہ حاصل کبھی دولت ہوگی
تم اپنی کرو آپ مدد اے شاکر
ہر طرح کی پھر رفع شکایت ہوگی

یکساں نہیں ہیں ظاہر و باطن جنکے
جیتوائیگی اُن کو یہ دورنگی انکے
گر دل میں نہیں چور تمہارے شاکر
کیوں سہمتے ہو ڈر ڈر کے قدم گن گن کے

دل بجھ گیا ہے دل کے داغ ابتک نہ بجھے
سوز الم فراغ ابتک نہ بجھے
تھی سینہ میں جو ہوس ہوا بن کے اُڑی
محفل کے مگر چراغ ابتک نہ بجھے

دکھلا کے یہ سبز باغ بجھ جائینگے
سینے کے لحد میں داغ بجھ جائینگے
ہو جائیگا نظروں میں زمانہ تاریک
آنکھوں کے جو شب چراغ بجھ جائینگے

دنیا کی بلا سر سے ہٹی جاتی ہے
سودا و اسیری کی گھٹی جاتی ہے
ہونیکو ہے قطع سلسلہ ہستی کا
جو پاؤں کی بیڑی ہے کٹی جاتی ہے

شاکر

شاکر۔ مولوی سید شاکر حسین صاحب خلف مولوی سید عنایت حسین صاحب کنتوری وکیل ریاست چرکھاری بندیل کھنڈ۔ آپکے حقیقی چچا مولانا کرامت حسین صاحب جج مرحوم الہ آباد ہائیکورٹ میں ججی پر ممتاز تھے۔ شاکر صاحب ریاست چرکھاری کیطرف سے نوگانوں چھاؤنی ایجنسی میں وکیل ہیں۔ آپکے حقیقی ماموں خان بہادر سید اصغر علی صاحب کوثر ریاست چرکھاری میں مدار المہام ہیں اور خوش فکر، عالی خیال شاعر ہیں۔ شاکر صاحب کی طبیعت بھی بہت شوخ اور چلبلی واقع ہوئی ہے۔ مشورۂ سخن دوستانہ طور پر مولوی سید نذیر حسن صاحب فتنہ سندیلوی سے کرتے ہیں۔ علم عروض اور عربی فارسی۔ انگریزی میں قابلانہ استعداد ہے۔ انکے اشعار کے چنے ہوئے چند شعر درج ذیل ہیں۔

عشق کر لیں ابروئے خمدار سے
زندگی سے کہدو کٹیں تلوار سے
سخت جانی نے مجھے نادم کیا
قتل گہ میں یار کی تلوار سے
چشم میگوں دیکھتے ہی یار کی
مست دوڑے خانۂ خمار سے

سو جاؤں نہ کیوں غم سے کہ پیرانہ سری ہی
جو آہ کا جھونکا ہے نسیم سحری ہے

شاکر

شاکر۔ محمد محمود حسن صاحب جیپور کے رہنے والے ہیں۔ مڈل اسکول رودسہ میں ہیڈ مولوی ہیں مولانا عباس وتسکین بھرسری کے تلامذہ سے ہیں۔ اُردو فارسی سے واقف ہیں نمونہ کلام یہ ہے۔

قیامت سی قیامت ہو رہی ہے بزم دشمن میں
گروہ ڈالے ہوئے ہیں ہاتھ اپنے اُسکی گردن میں

ہزاروں مدعی دل کے ہیں اور دل ایک ہی تن میں
الٰہی کسکو دوں کسکو نہ دوں ہوں سخت الجھن میں

ضرورت شمع کی ہرگز نہیں بعد فنا مجھکو
اُجالا ہو رہا ہے شمع داغ دل کا مدفن میں

خدا ہی تجھسے چرخ تفرقہ پرداز سمجھیگا
چھوڑایا تو نے مجھسے دلربا کو سیر ساون میں

نہیں معلوم شاکر تمکو کیا کیا خلق کہتی ہے
ہوئے بدنام ناحق الفت طفل برہمن میں

شاکر

شاکر۔ عبد الغفور صاحب عظیم آباد پٹنہ کے رہنے والے ہیں ۱۹۱۱ء میں عمر تخمیناً تیس سال تھی۔ فارسی اور عربی میں عمدہ لیاقت رکھتے ہیں۔ لکھنؤ میں کچھ دنوں مطب بھی کیا ہے حافظ محمد عبد الرحمٰن صاحب سنسار وی بہاری کے شاگرد ہیں۔ غزل کے علاوہ ٹھمری دادرہ بھی کہتے ہیں۔ کلام کا انتخاب یہ ہے

نرگسیں آنکھیں تمہاری نوخیز دو اُبھرے ہوئے
ہے گلستان جوانی میں بہار آئی ہوئی

وہ سے رہی ہے خانۂ دشمن سے آنیکا پتہ
یہ نظر چھپی ہوئی یہ آنکھ شرمائی ہوئی

راستہ اُسکو نکلنے کا کہیں ملتا نہیں
حسرت دل بھرتی ہے سینہ میں گھبرائی ہوئی

میکدہ میں کل تھی آئی محفل رندوں میں آج
دختر رز کس بلا کی تو بھی ہرجائی ہوئی

کس بت نوخیز پر دل آگیا شاکر ترا
ان دنوں کیسی اُداسی تجپہ چھائی ہوئی

شاکی

شاکی صاحب عالم مرزا انجا ور شاہ خلف الرشید ظل سبحانی بہادر شاہ ثانی مرزا الٰہی بخش کے داماد اور قطب الدین منیر کے شاگرد تھے۔ غدر میں بعمر ۲۲ سال نشانہ تفنگ اجل ہوئے اور ایک فرزند مرزا مبارک شاہ نامی اپنی یادگار دنیا میں چھوڑ گئے۔ فکر سخن کے متعلق اسی قدر کہنا کافی ہے کہ زبان تو خاص انکے گھر کی ہے جب دوسرے انکی صحبتوں سے استفادہ حاصل کرتے تھے۔ پھر

انکے لطف بیان اور سلاست کا کیا کہنا۔ افسوس ہے کہ زیادہ کلام دستیاب نہ ہوسکا صرف دو شعر کوشش بلیغ سے بہم پہونچے وہ ہدیۂ ناظرین ہیں ؎

لائے لے آہ جگر تو لئے یا نالۂ دل
ایک پر زخم ایک پر ہے داغ

کون دونوں میں کرے جلد اثر دیکھیں تو
دل تو وہ ہے اور جگر یہ ہے

شاکی

شاکی۔ جناب سید احمد حسن صاحب مرحوم فارسی میں "فرقانی" اُردو میں شاکی وباکی تخلص کرتے تھے ۱۲۵۱ھ مطابق ۱۸۳۶ء میں پیدا ہوئے۔ ۴۷ برس کی عمر میں ۱۸۸۳ء میں دنیا کو خیرباد کہی۔ اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے تھے اور اپنے چچا منشی سید عمر دراز علی کے زیر سرپرستی پرورش پائی۔ طبیعت میں خداداد جودت اور ذکاوت تھی۔ دماغ علم ادب اور شاعری کیلئے پیدا ہوا تھا علوم و فنون کو اہل کمال سے عموماً ذاتی شوق اور مطالعۂ کتب سے خصوصاً حاصل کیا تھا۔ آپ معنی بیان۔ لغت۔ عروض۔ قافیہ اور صنایع سے ماہر تھے۔ آپنے عالم شباب میں علماء فضلا یکتائے روزگار اشخاص کی صحبتیں اٹھائیں اور اپنی فطرتی قابلیت سے فارسی زبان کے اُستاد مانے گئے۔ سات برس کی عمر میں شعر کہتے تھے اور انہوں نے کبھی اپنے کلام کو کسی کے سامنے بہ نظر اصلاح پیش نہ کیا۔ حافظہ بلا کا تیز تھا آپ ایک مرتبہ جو مشکل شعر سن لیتے اُسکو فوراً حل کر دیتے ایک دفعہ کے سننے سے دو تین ورق یاد ہو جاتے۔ اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں برجستہ شعر کہتے تھے ایکبار مرزا مغل شاگرد مرزا دبیر لکھنوی میرٹھ میں وارد ہوے اور انہوں نے ممبر پر بیٹھکر اپنے اُستاد کا یہ سلام پڑھا ؎

مجرئی ہے سوگوار ماہ حیدر چاندنی
اشک ہیں شبنم ٹپکا کرتی ہے شب بھر چاندنی

لوگوں نے کہا یہ سلام بےمثل ہے اور اسکا جواب نہیں ہوسکتا۔ آپنے قلم برداشتہ اسکے جواب میں سلام کہا جس کا مطلع یہ ہے ؎

شہ کے جسم پاک پر تھی جلوہ گستر چاندنی
مجرئی کیا نور تھا تھی چاندنی پر چاندنی

متقدمین عرب و عجم کے تمام اساتذہ کا کلام آپکی نگاہ سے گذرا تھا تحقیق اور تنقید سخن کی

تمام کتب مطالعہ میں رہتی تھیں۔ آپکے انتقال کے بعد ایسی کتب خانہ میں بہت ایسی کتابیں نکلیں جنپر یادداشت مطالعہ درج تھی اور مضامین کے سقم و صواب کو بیان کیا تھا۔ آپ ۱۸۶۸ء میں حضرت غالب سے ملے اور وہ آپکا کلام سُنکر نہایت خوش ہوئے۔ سید مہدی علی مرحوم کا بیان ہے جب مرزا صاحب نے آپ کا یہ قصیدہ سُنا ؎

شد وقت کہ در طرّہ سنبل شکن افتد ۔۔۔ با غنچۂ گل لالہ چو در مقترن افتد

آپنے نہایت تعریف کی اور اثنائے داد میں یہ فرمایا کہ "غنچہ" کا لفظ کم سے کم تین دن کی تلاش میں ملا ہوگا۔ انہوں نے مرزا کی تشخیص کو مان لیا اور انکی وسیع النظری پر متعجب ہوئے میرزا دبیر مرحوم سے اور ان سے دوستانہ ربط ضبط تھا۔ آپ مرزا صاحب کی مرصع خیالی شوکت الفاظ۔ بلندیٔ مضامین کے قایل تھے اور انکی مدح میں ایک قطعہ لکھا تھا جس کے دو شعر یہ ہیں ؎

زہے بنظم مصائب یگانہ در آفاق ۔۔۔ علم بمرثیہ گوئی و مرثیہ خوانی
شنیدہ ایم کہ بر آسمان دبیری ہست ۔۔۔ ندیدہ ایم بروئے زمین ترا ثانی

آپ کا کلیات آپکے فرزند اصغر سید کرار حسین رودھانی سابق ڈپٹی کلکٹر صوبجات متحدہ نے شایع کرایا ہے۔ راقم تذکرہ سے انکے دوستانہ مراسم تھے انہیں کے عطا کردہ دیوان سے اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔ سید کرار حسین اساتذہ سلف کے اچھے یادگار رہتے بارہ تیرہ برس ہوئے دہلی میں انتقال کیا کلیات کے قصائد۔ غزلیات۔ رباعیات۔ قطعات پڑھنے سے آپکی قادر الکلامی کا حال معلوم ہوتا ہے۔ فارسی انشاپردازی کا اعلیٰ نمونہ انشائے فرقانی ہے جو کلیات کیساتھ موجود ہے تہذیب النسا۔ انشائے میور۔ آداب الطلاب۔ طاق کسریٰ وغیرہ اردو انشاپردازی کے ذیل میں مشہور ہیں۔ اردو زبان کے ماہر اپنے رنگ میں خوب کہتے تھے۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

اس تجمل سے مرے قتل کو قاتل آیا ۔۔۔ کہ مجھے خندۂ بیجا دم بسمل آیا
بلا سے جان گئی کوہکن مگر تو نے ۔۔۔ بنائے قصر محبت کو استوار کیا

کیوں عرضِ تمنا کا تقاضا نہیں ہوتا
کیوں نیچی نگاہوں سے کچھ ایما نہیں ہوتا

ہوں میں وہ سبک سیر بیابانِ محبت
آگاہ مرا آبلۂ پا نہیں ہوتا

درد اٹھتا ہی ہے سینہ میں ایسا نہیں اٹھتا
ہوتا ہے جگر چاک پر اتنا نہیں ہوتا

کیا جانے چشمِ مست نے کیا سحر کر دیا
یہ بھی مجھے خبر نہ ہوئی ختم کب ہوا

سبک سری کا ترا ہو کہ مرے قتل کا حکم
ملا رقیب کو تسلیم میں بجا لایا

نیاز و ناز کا ہنگامہ کم نہ تھا لیکن
ترے زمانہ میں رنگ آسماں نیا لایا

تابِ نگاہِ گرم نہ لایا جمالِ یار
نظارہ حسن کو پر پرواز ہو گیا

نہ داد جور نہ فریاد خوں بہا لایا
ترے شہید کو محشر عبث اٹھا لایا

نہ تو نے بات کبھی بدنصیب کی پوچھی
نہ وہ زباں پہ کبھی حرفِ مدعا لایا

فلک نے بارِ محبت سے ہار دی ہمت
یہ آدمی تھا کہ سر پر اسے اٹھا لایا

جسکو ہم جانتے تھے ولولۂ ناز و نیاز
وہ بھی اک شعبدۂ گردشِ دوراں نکلا

وہ نہ آئے نہ گئی تو نہ ہمیں موت آئی
تجھسے کیا کام کسی کا شبِ ہجراں نکلا

تیری نظر جو صورتِ تقدیر پھر گئی
کافی ہمارے واسطے کیا آسماں نہ تھا

اک دیدۂ پُر آب کی کیا بود کیا نمود
ساغر حریفِ گردشِ چشمِ تپاں نہ تھا

سببِ التفاتِ ستم ہائے روزگار کیا
تمہارے غمزے کو عنوانِ یادگار کیا

بتائیں کیا نہ کیا اور کیا نثار کیا
سوائے یار جو کچھ تھا فدائے یار کیا

ہنسے ہے صبح کو ترا نشان لیے شبنم
کہ تو نے دیدۂ بلبل کو اشکبار کیا

بیقراریٔ دل بے سبب نہیں ہوتی
ضرور غیر سے کچھ آپ نے قرار کیا

زاہد نہ پوچھ حسن کی عالم فریبیاں
انسان تو آدمی ہے فرشتہ پھسل گیا

روئے نورانی کو تیرے دیکھکر
چودھویں کا چاند آدھا رہ گیا

شیخ سے خانہ سے بستر لیگئے
اک پرانا سا مصلا رہ گیا

نہ لو نام دلِ گم گشتہ میری جان جاتی ہے
اب ان باتوں سے کیا حاصل مجھی بھی یاد ہے ہاں تھا

رسوائے روزگار ہیں سودائیان عشق
ہو جس کو پاس ننگ وہ عاشق ہے نام کا

امید وعدۂ دیدار سے ہے گرم ہنگامہ
اسی حجت سے ثابت ہو گیا آنا قیامت کا

پھرے مکاں میں سراپائے لامکاں دیکھا
کہاں کہاں تجھے ڈھونڈا کہاں کہاں دیکھا

غبارِ عمر کو ہم تائے گردِ رہ پایا
ہوائے عشق کو صرصر کا ہم عناں دیکھا

تشنہ ہر جزوِ بدن ہے ترے پیکانوں کا
دان زبانیں ادھر انہوہ زباں دانوں کا

کسی مذہب میں کسی قوم میں یہ رسم نہیں
چرخ پیتا ہے لہو اپنے ہی مہمانوں کا

کھوئی اثبات وہانِ و کمرِ یار میں عمر
اندہنا راس نہ آیا ہمیں بہتانوں کا

دلِ یعقوب حزیں چشم زلیخا بے خواب
کیا ٹھکانا ہے محبت ترے طوفانوں کا

اب اُرو بقفا ہیں غلط انداز نگاہیں
سر پیٹ لے لے شوقِ پریشاں نظر اپنا

غمزہ کو ملا حکم پریشانیٔ عالم
اور وعدۂ انصاف رہا حشر پر اپنا

کیا کیجئے بدآموزیٔ غماز کا شکوہ
سچ یوں ہے مٹانا ہی تھا مدِ نظر اپنا

پہلی ہی نظر سلسلہ جنبانِ جنوں تھی
کیا سوچئے آغاز میں نفع و ضرر اپنا

اُلٹی قضا نے جب ورقِ دفترِ وجود
سو بار لاکھ بار وہی منتخب ہوا

رنگ لائی بدگمانیٔ قیس کی
پردۂ رنگین محمل دیکھ کر

سچ کہو تھا کس طرف روئے خطاب
کیوں ہنسے سوئے عنادل دیکھ کر

آئی اک موج صبا زلف چلیپا ہو کر
بے نصیبوں کے پھرے دن شبِ یلدا ہو کر

مدتوں سایہ صفت چرخ مرے ساتھ پھرا
برسوں قدموں میں رہا آبلۂ پا ہو کر

بے حجابی سے مٹا حرفِ شکایت شاکی
خود گلے تنگ ہوئے محوِ تماشا ہو کر

کیا توقع ہمیں زمانہ سے
صبح کو خود امیدِ شام نہیں

ہائے دشمن کی نامرادی ہائے
کہ مجھے فکرِ انتقام نہیں

کبھی انسان نے آئینہ بنایا ہوگا
آپ انسان کو آئینہ بنا دیتے ہیں

بس چھوڑ دے خدا یہ مجھے اپنے چارہ گر
بھرتے کبھی مرے زخم جگر عمر بھر نہیں

بھرتے ہو دم جفا کا اگر یہ نہیں جفا
تو یہ ستم سے کرتے ہو کیا یہ ستم نہیں

ہر روز غم سیاہ شب گور سی سوا
ہر صبح ہجر شام قیامت سے کم نہیں

کوتاہی نظر نے دکھائی رہِ دراز
کیا بتکدہ میں لطف حریم و حرم نہیں

اُسے لذتِ وصل کی قدر کیا
جسے ذوقِ آزارِ ہجراں نہیں

راتیں نہ ہجر یار کی کاٹیں پہاڑ سی
کاٹا پہاڑ عقل لڑی کوہ کن کہاں

اندیشۂ عزت کبھی اندوہِ ملامت
ہوتے ہیں عجب رنج محبت میں بشر کو

آئندہ سب خیال گذشتہ تمام وہم
صوفی پسند اسلئے کرتے ہیں حال کو

قاصد غلط، عریضہ غلط، مدعا غلط
لو آؤ دیکھ جاؤ تمہیں میرے حال کو

نہ کھینچا منتِ برقِ طپاں کو
مرے نالے نے پھونکا آشیاں کو

مے گلگوں کے پیمانہ سے اے خضر
بدل لیں ہم تو عمر جاوداں کو

فریاد تیرے جور سے اے دورِ شامِ غم
اندھیر ہے کہ عمر بسر ہو سحر نہ ہو

انکو بھی آج میری طرح شوق وصل ہے
یہ بات ہی جدا ہے کہ تقدیر سے نہ ہو

کسے روئیں جن اشکوں کو تری فرقت کا رونا ہو
کسے دیکھیں جن آنکھوں نے تری صورت کو دیکھا ہو

نگاہ یار گلشن میں اگر گرم تماشا ہو
وفور شرم سے ہر شاخ پر انگور صہبا ہو

ذرا آہستہ و بیرنگ سے لے خونِ رگ بسمل
کہیں ایسا نہ ہو قاتل کے نازک دل کو اندیشہ ہو

چلے ہم تو دلِ ناکام لیکر خلق سے شاکی
نہیں کیا بعد مرجانے کے غیر انکا نہ ہو یا ہو

ہماری ناتوانی غم اٹھانے سے غلط ٹھہری
تمہیں عذرِ نزاکت ہے تو اتنے سر گراں کیوں ہو

زلیخا اب نہ کنعاں میں ہے اور یوسف نہ زنداں میں
ہجوم اشکِ حسرت کا رواں درکار کیوں ہو

ہمیں بھی اسکی ماہیت بتاؤ ماجرا کیا ہے
کہ تم اے مچھلیو۔ دریا میں گریاں کیوں ہو

نگاہِ برق میں یکساں ہیں وہ انا ہو کہ ہو خرمن
اجل قیمت شناس قامت پیر و جواں کیوں ہو

سر محفل نقاب عارض تاباں اگر وا ہو
نظر پروانہ ہو پروانہ گل ہو گل تماشا ہو

شاکی کے انتقال سے کتنے وہ خوش ہوئے
پرسیر ہے اگرچہ خبر معتبر نہ ہو

کس طرح تیرے رخ کا نظارہ کرے کوئی
حائل ہیں دو رقیب حیا بھی نقاب بھی

چشم طپش کی ایک جھپک مدت حیات
چلتا ہوں تیز گامی عمر شرار سے

تسبیح پر نہ بھولیو زاہد کہ رند بھی
سو سے اگر بُرے ہیں تو اچھے ہزار سے

کس نامراد کا تیری چتون نے خون کیا
دشمن بھی آج پھرتے ہیں کچھ سوگوار سے

ہم نہ دردِ کشِ پیمانۂ دیدار ہوئے
ساغر چشم مے ذوق سے سرشار ہوئے

سچ بتا دو ہمیں تم رات کہاں تھے شاکی
آج مذکور تمہارے سر بازار ہوئے

زیر نقاب حسن کے جوہر عیاں رہے
فانوس میں بھی شمع کے شعلے زباں رہے

اپنی ہوس میں آپ ہی پروانہ جل بجھا
عشق ہوس فروش کا انجام نار ہے

نسیم کان میں گل کے ضرور کہہ دینا
کہ جان بلبل رنگیں نوا نکلتی ہے

اُسنے جو گرم جانب دشمن نگاہ کی
میں نے فلک کو دیکھ کے اک سرد آہ کی

ہو جائے کچھ یہ عالم لے لذت طپیدن
قاتل کو میں دعا دوں قاتل مجھے دعا دے

شاکی

شاکی ۔ آغا سید الحسن عرف سید امیر حسن شاکی قصبہ سلون ضلع رائے بریلی۔ وطن ہے کلام سے جدت کی جھلک نمایاں ہے۔ کسی کے شاگرد نہیں۔ نمونۂ فکر یہ ہے ؎

اس سے کیا تسکین مشتاق شہادت ہو سکے
زخم اوچھا ہی ابھی قاتل تری شمشیر کا

غنچۂ لب پیش تصویر تھا عبث محو سکوت
ہم نے بوسہ لے لیا منہ کھل گیا تصویر کا

شاکی

شاکی ۔ سید عبد الرسول رضوی عرف سید محمد جواد۔ ۱۰ جون ۱۸۸۱ء کو مٹیا برج کلکتہ میں پیدا ہوئے۔ انکے نانا نواب انتظام الدولہ احمد علیخاں مصنف تحفۂ احمدیہ۔ واجد علیشاہ بادشاہ کے ان رفقا میں سے تھے جو ترک وطن کرکے شاہ مغفور کے ہمرکاب کلکتہ گئے تھے اور تمام عمر بادشاہ کی

رفاقت میں بسر کردی حتی کہ اپنے آقائے نامدار کیساتھ آج بھی خاک بنگال پر میٹھی نیند سو رہے ہیں۔ شاکی کے جد امجد میر مصطفےٰ شاہ علوم عربیہ کے ماہر اور مسلم الثبوت اُستاد تھے۔ انہوں نے اپنی شادی سید ابوالحسن عرف ابو صاحب مجتہد العصر کی ہمشیرہ کے ساتھ کی اُنسے لڑکے والد پیدا ہوئے۔ انہوں نے بھی علم و فضل میں خاصی شہرت حاصل کی۔ اتفراغ علوم کے بعد سید محمد جواد کا عقد سید محمد باقر صاحب مجتہد کی ہمشیرہ کے ساتھ ہوا جب کچھ دنوں کے بعد انہوں نے انتقال کیا تو نواب انتظام الدولہ کی دختر کیساتھ عقد ثانی ہوا جن سے جناب شاکی پیدا ہوئے۔ دینیات کی تعلیم پاکر انگریزی زبان سیکھنے کا شوق ہوا تو سات برس کی مسلسل تعلیم کے بعد سنیئر کیمرج کا امتحان پاس کیا۔ اُردو میں طبع آزمائی کی ہے اور کلام میں فارسی ترکیبوں کے باوجود دلکشی اور درد دونوں چیزیں موجود ہیں۔ یزدانی مرحوم جنکا وطن پنجاب تھا اور شیراز میں رہکر زبان فارسی کی تحصیل کی تھی اور آخر میں کلکتہ میں بود و باش کرلی تھی اور فارسی کے زبردست ماہر تھے اُنسے جناب شاکی کو فخر تلمذ حاصل ہے۔ مٹیا برج کے مشاعروں میں اکثر شریک ہوتے ہیں اور شاعری کو قابل تعظیم فن تصور کرتے ہیں۔ کلام بہم رسیدہ کا انتخاب نذر ناظرین ہے

بلائے عشق میں بیدرد یا رب مبتلا ہوتا
علاج دردِ دل ہوتا جو وہ درد آشنا ہوتا

بہ انداز طپش گر آتش غم مشتعل ہوتی
تو دل جلکر دھواں ہوتا دھواں اُڑکر ہوا ہوتا

نہ مرتا وادیٔ وحشت میں گر سر پھوڑ کر اپنا
سر شوریدہ شاکی تیرے در پر دھرا ہوتا

ساقیا اتنی پلائی تھی نہ بزم غیر میں
میں تو تھا بیہوش تیرے ہاتھ میں پیمانہ تھا

مرنیوالے کی جو بالیں پر کھڑے تھے رو دئے
سر نگاہِ واپسیں پر درد کا افسانہ تھا

غمزدوں کی ہیں حکایات پرانی بلطف
آپ کی بات نئی آپ کا افسانہ جدا

غش ہوئے موسیٰ عمران ہی یہاں دلکو سکون
طور کا ذکر جدا جلوہ جانانہ جدا

روشناس خلق دیوانہ ترا آخر ہوا
سب کی نظریں پڑتی ہیں جاک گریباں دیکھکر

گر ہم نہیں تو گرمی بازار بھی نہیں
اے حسن خود فروش خریدار بھی نہیں

دل کو وزدیدہ نگاہیں لیکے پنہاں ہوگئیں
حسرتیں نفلوں کی اجزائے پریشاں ہوگئیں

مصحف رخ پر ترے زلفیں پریشاں ہوگئیں
رشتۂ شیرازۂ اجزائے ایماں ہوگئیں

اے مہ کنعاں ذرا آنکھیں اٹھا کر دیکھ تو
کسکی آنکھیں روزن دیوار زنداں ہوگئیں

پہلی منزل پر سبک باری نے پہونچایا ہمیں
اپنی بے سامانیاں آخر کو ساماں ہوگئیں

وعدہ بھی تم آؤ گے بھی ہاں بھی ہیں لول
سمجھا دو دل کو بھی کہ اسے اعتبار ہو

میری ہمت مرا جگر دیکھو
دل زخمی کو اک نظر دیکھو

جب تصور کمال کو پہونچے
دیکھ لو یار کو جدھر دیکھو

جسے بیگانہ سمجھے تھی یگانوں سے وہی اچھا
تعلق آجتک سبزے کو ہی گور زلیخا سے

یہ پاس پردہ داری ہے کہ باہر جانہیں سکتی
صدا زنجیر خانے سے نظر سوراخ زنداں سے

مرنا تو مقدر تھا۔ مرجانے کو کیا کہئے
سمجھانے سے کیا حاصل دیوانے کو کیا کہئے

اللہ رے آبادی پھر ویسی ہی بربادی
دل تھا کہ بھری بستی ویرانے کو کیا کہئے

جب دل نہ ہوا اپنا پھر تم سے شکایت کیا
اپنا نہ ہوا اپنا بیگانے کو کیا کہئے

اے آنسوؤں کے تار رہے سلسلہ قایم
آتے ہیں مدد کرنے کو اب لخت جگر بھی

داغ دل۔ داغ جگر مرقد میں سوزاں لیچلا
دونوں پہلو میں یہ دو شمعیں فروزاں لیچلا

کرکے روشن داغ دامندار ہجراں لیچلا
تیری محفل سے چراغ زیر داماں لیچلا

شاکی۔ شیخ بنے میاں ساکن بریلی روہیلکھنڈ سخنور خوش فکر تھے طبع میں رسائی اور مضمون آفرینی تھی۔ مولانا احمد علیخاں عاصی شوخ بیچین بریلوی کے تلامذہ سے تھے۔ ظرافت کے مضامین خوب لکھتے تھے۔ پونا میں کسی تاجر کے ملازم تھے۔ وہیں انتقال کیا۔ شاکی

جلا دیتا ہوں میں درد لفظوں میں مضمون مردہ کو
مسیح وقت اپنے عہد میں گویا ہے دم میرا

بگڑنے میں بھی بنتا ہوں میں لفظ کی صورت
شکستہ دل ہوں پر زیبا ہے سب پیچ و خم میرا

ہیں وہ بلبل ہوں جس سے طائر سدرہ ہو گویا
لئے بیٹھے ہیں رضواں آجتک باغ ارم میرا

کبھی تو اے فلک ہم پر بھی ہوگا مہرباں کوئی
کبھی تو دل بھرے گا غیر سے اُس آفتِ جاں کا

آغازِ جوانی میں ستم ڈھائے ہوئے ہیں
اُٹھتے ہوئے جوبن پہ وہ اترائے ہوئے ہیں

ڈرتے ہیں وفا کرتے ہوئے حضرتِ شاںؔ کی
یہ لوگ حسینوں سے دغا پائے ہوئے ہیں

شان

شانؔ۔ نواب میرزا محمد صادق علیخاں صاحب بہادر بیرسٹر ایٹ لا۔ نواب باقر علیخاں تپش محل صاحب کے بڑے صاحبزادہ ہیں۔ انگریزی۔ فارسی۔ عربی میں اچھی مداخلت رکھتے ہیں آپ ۱۸۹۸ء میں بی اے پاس کرکے ولایت تشریف لیگئے تھے وہاں ۱۹۰۱ء میں بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ آپ کو رفاہ عام کاموں اور سیاسی معاملات سے بڑی دلچسپی ہے۔ شاعری کا بھی مذاق ہے۔ خیرآباد ضلع سیتاپور میں اُنکی تعلقہ داری ہے عرصہ ہوا کلام بھیجا تھا اُسکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

رازِ الفت مرا نہاں نہوا
اسکا چرچا کہاں کہاں نہوا

لوگ خورشیدِ حشر دیکھینگے
گرمیِ آہ کا دھواں نہوا

تھامے اپنی کلائی بیٹھے ہیں
ذبح آخر سخت جاں نہوا

عید ہے آج اُنکا ہے دربارِ عام
نذر دینے نقدِ دل جاتے ہیں ہم

کبھی تو اُس بتِ کافر کو ہم پر رحم آئے گا
یہی کہہ کہہ کے ہر دم اپنے دل کو شاد کرتے ہیں

قفس میں بیٹھے بیٹھے کیا چمن کو یاد کرتے ہیں
فقط کچھ غم غلط ہم اے دلِ ناشاد کرتے ہیں

مہک پھولوں کی پھر آنے لگی شاید بہار آئی
اسیرانِ چمن گلزار کو پھر یاد کرتے ہیں

کچھ ایسا پڑ گیا ہے ہمکو اُنکا خوفِ رسوائی
لبوں پر دم ہے تب بھی ضبط ہم فریاد کرتے ہیں

ہزاروں زخم کھائے سخت جانی دیکھیے اے شاںؔ
دعائیں دم نکلنے کی مرے جلاد کرتے ہیں

نہیں خوفِ عصیاں نہ دہشت کسیکی
کہ پلے پہ اپنی ہے رحمت کسیکی

اگر بوسہ مانگا وہ جھنجھلا کے بولے
کہیں کھلکے آئی ہے شامت کسیکی

مرے نالے سنکر وہ فرماتے ہیں
نہ آئے کسی پر طبیعت کسیکی

چھپاتے ہو کیا گردِ پائے حنائی
ابھی روند آئے ہو تربت کسی کی

پوچھتے کیا ہو ترا ہجر میں نقشہ کیا ہے
ہم نہ ہوں گے فقط اور ہونا ہوانا کیا ہے

ہے تو قسمت سے ہے تم سے مجھے شکوہ کیا ہے
اپنی آنکھوں سے میں روتا ہوں تمہارا کیا ہے

شب ہجر ہی یار کہاں کوٹھے پہ کیوں جاتی ہو شان
لٹ چکی دولتِ دیدار تمہیں ملنا کیا ہے

شاہ

شاہ - منشی شاہ علیخاں دہلوی مرزا رفیع السودا کے ہمعصر اور نواب سراج الدولہ و نواب عالیجاہ میر قاسم خاں ناظم بنگالہ کی سرکار میں بزمرۂ شعرا منسلک تھے انجام کار دکن جاکر انتقال کیا انکی یہ غزل اکثر اربابِ نشاط محفلوں میں گاتی ہیں ؎

ارمان وصل کا دلِ ناداں میں رہگیا
میں عمر بھر تمہاری نہیں ہاں میں رہگیا

پائی رہائی یوسفِ دل نے نہ قید سے
زلفوں سے چھوٹا چاہِ زنخداں میں رہگیا

ہمتو مرینگے یار کی دیوار کے تلے
مجنوں کو تھا جنوں جو بیاباں میں رہگیا

کعبہ گیا نہ دیر گیا اور نہ کربلا
گھر سے نکل کے کوچۂ جاناں میں رہگیا

جلوہ دکھایا یار نے کوٹھے پہ آن کر
جیسے نکل کے چاند بدخشاں میں رہگیا

شاہ

شاہ - میرزا داؤد شاہ گورگانی خلف مرزا محمود شاہ ابن مرزا بابر خلف اکبر شاہ ثانی انکے بیٹے مرزا شجاع کو ریاست حیدرآباد دکن سے ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار بطور وظیفہ ملتا ہے مشق سخن کم تھی تاہم رنگ طبیعت اچھا تھا - مرزا مجاہد الدین شاہی نے کچھ کلام دیا تھا جسمیں سے دو شعر انتخاب ہوئے ؎

وہ پھلا پھولا جہاں میں جو شجر پیدا ہوا
ایک نخل دل ہمارا بے ثمر پیدا ہوا

موجود تھے وہاں سب حسرت رہی یہیں
محفل میں اسکی میں بھی اک دن گذار ہوتا

شاہ

شاہ - شاہ عالم کسی قدیم شاعر کا یہ شعر ہے - تذکرہ فرا صاحب سے نقل ہوا - کیا تعجب کہ شاہ عالم بادشاہ کا ہو ؎

کل کا وعدہ نہ کرو جی مرا بیکل نہ کرو
کل پڑے گی نہ مجھے بیکل نہ کرو

شاہی - مرزا انور الدین گورگانی نبیرۂ صاحب عالم مرزا سلیمان شکوہ برادر اکبر شاہ ثانی. شاعر حریف باںٹ وخوش منش خواجہ آتش کے شاگرد تھے۔ انکی شاعری کا رنگ بہت اچھا تھا اور ۱۸۴۰ء کے بعد کئی مرتبہ لکھنؤ سے دہلی آئے بہادر شاہ ثانی کے مزاج میں بہت دخل پیدا کر لیا تھا چنانچہ شاہی روزنامچہ میں اکثر انکا ذکر آتا ہے انہیں کی صحبت کے طفیل بادشاہ کے خیالات شیعہ مذہب کیطرف زیادہ رجوع ہوگئے تھے. رسالہ موسوم بہ علم حیدری انکی تصنیف سی ہے اور راقم کے کتب خانہ میں موجود ہے کلام اگرچہ سوز و گداز سے خالی ہے مگر بلاغت زیادہ پائی جاتی ہے فکر صائب سے بڑے بڑے مضامین کو مختصر لفظوں میں ادا کر جاتے ہیں۔ زبان کا لطف بھی موجود ہے اور سلاست بیان بھی اچھی خاصی ہے ؎

ملو گلے سے تو جاتا رہے گلہ دل کا
تمہارے وصل پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

نہ کیوں کہوں ترے ابرو میں عبرت شمشیر
کیا ہی ایک اشارے میں فیصلہ دل کا

مژدہ بادہ لے مے پرستو میکدہ کا در کھلا
خم سر شیشہ کھلا شیشہ سر ساغر کھلا

رنگ لائی ہی عجب ہمت مردانۂ عشق
داغ پر داغ دئے فرض ہی شکرانۂ عشق

روش فرش گل ہے دل دیوانۂ عشق
رشک صد فصل جنوں ہمت ویرانۂ عشق

رونق باغ جہاں سبزۂ بیگانۂ عشق

غیرت قصۂ بلقیس ہے افسانۂ عشق
کسطرح قصر سلیماں ہو نہ ویرانۂ عشق

کیوں نہ زیبا ہو اسے شوکت شاہانۂ عشق
کیوں نہ قبضہ میں ہو میراث پریخانۂ عشق

خلف الصدق جنوں ہے دل دیوانۂ عشق

شاہی - فروغ دودہ شاہی چراغ خانوادۂ گورگانی مرزا مجاہد الدین شاہی خلف الرشید مرشدزادہ مرزا ظہیر الدین عرف مرزا مغل بہادر خلف پنجم حضرت ظل سبحانی بہادر شاہ ثانی. خاتم خاندان گورگانی۔ حضرت شاہی زمانۂ غدر میں سات سال کے تھے کہ فلک کجرفتار نے روز بد دکھایا اور انہیں داغ یتیمی نصیب ہوا یعنی انکے والد مرزا مغل بہادر ایک ظالم سفاک زشت خو فوجی لفٹنٹ ہاڈسن نامی کے ہاتھ سے بلا تفتیش جرم مارے گئے۔ اسکے بعد انہوں نے اپنی دادی نواب شرافت محل صاحبہ

کے دامنِ عافیت میں پرورش پائی اور علوم رسمیہ کی تکمیل کی۔ مرزا قادر بخش صابر گورگانی کے فیضِ صحبت سے شاعری کا شوق دامنگیر ہوا۔ چنانچہ اس فن شریف میں انہیں سے تلمذ رہا۔ انکی وفات کے بعد امراؤ مرزا انور دہلوی کے شاگرد ہوئے پھر چند غزلیں نواب مرزا خانصاحب داغ دہلوی کو بھی دکھائی تھیں۔ آخر میں جو کچھ کہتے تھے اسمیں مرزا ارشد دہلوی سے مشورہ کر لیتے تھے۔ کئی سال اجمیر میں مقیم رہکر دہلی واپس آئے اور انجمن تیموریہ کے سکرٹری بھی رہے تھے۔ زبان میں صفائی اور طبیعت میں متانت ہے رعایت لفظی اور استعارات کے گورکھ دھندوں سے انکے کلام میں پیچیدگی کا دخل نہیں الفاظ نہایت ستھرے اور بندش نہایت چست ہوتی ہے۔ منکسر مزاج اور نہایت شریف صاف گو راستباز انسان تھے۔ مرزا عبد الغنی ارشد سے جو انکے رشتہ میں بھانجے ہوتے تھے بہت محبت کرتے تھے اور اُنکے کمال شاعری کے معترف تھے کئی مرتبہ فیروزپور اُنکے پاس جاکر رہے اور اُنکے کلام کو مرتب کیا۔ راقم تذکرہ سے بھی انہیں بڑا اُنس تھا ہنگام قیام دہلی روزانہ تشریف لاتے تھے۔ حیدرآباد دکن سے ساٹھ روپیہ ماہوار کا وظیفہ ہوگیا تھا اُسپر بسر اوقات تھی آخر ساٹھ سال کی عمر سنہ ۱۹۰۶ء میں بمقام دہلی انتقال کیا۔ انہیں کے قلمی عطیہ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے۔

غضب کا نشہ ہے ساقی کی چشم میگوں میں ‏ ‏ ادھر نگاہ ملی اور اُدھر سرور آیا

دروازہ میرا لوگ بتاویں خدا کرے ‏ ‏ پھرتا ہے کوئی غیر کا گھر پوچھتا ہوا

بعدِ فنا بھی انکا جلانا تو دیکھئے ‏ ‏ رکھا چراغ گور پہ میری بجھا ہوا

وہ آجاتے تو ٹلجاتی قضا کیا ‏ ‏ ذرا ہم دیکھ لیتے اور تھا کیا

اس ستم پرور نے یہ کیسا کیا ‏ ‏ اِک جہاں کے گھر میں دل پیدا کیا

جان و دل دیکر لیا رنج والم ‏ ‏ عمر بھر میں ہم نے یہ سودا کیا

کبھی علاجِ دلِ داغدار ہو نہ سکا ‏ ‏ مٹائیں ہاتھ سے اپنے بہار ہو نہ سکا

سوئے تو اپنا طالع خوابیدہ جاگ اُٹھا ‏ ‏ آنے کا انکے خواب میں ہمکو گماں نہ تھا

جلتا وہ جوشِ آتشِ گل سے بہار میں ‏ ‏ گلزار میں بھلے کو میرا آشیاں نہ تھا

اس پہ بھی سایہ پڑ گیا کیا میرے اضطراب کا
کوئی پوچھے تو پتہ خاک بتاؤں شاہی
جانِ شوقِ دید میں اب تک نکل جاتی مگر
قاصد سے یہ کہا مرے خط کے جواب میں
میں تو آزادی میں بھی گویا قفس میں بند ہوں
آچکے اک روز محشر ہو چکے جھگڑا تمام
دل کو ہم تیرِ حوادث سے بچا سکتے نہیں
آرزوئے غیر پر پھیرو گے پانی خاک تم
اپنی رحمت سے خدا گر بخشدے تو بخشدے
واں کا بھی لکھا نہ شاہی ان بتوں کے عشق نے
یہ اتفاق ہے پڑتا ہے آنکا اچھا ہاتھ
کہیں نہ منہ سے انہیں اپنی بات کی پچ ہے
محبت میں عدو کی بےخبر مجھ سے سوا تم ہو
برا کہتے ہیں ناحق چرخ کو دشمن کو قسمت کو
کونسی بات ہے شاہی جو نہیں کی تم نے
منع بچوں نے خوب سمجھا شیخ کی توقیر کو
ہے لڑکپن ہی میں وہ آفت کا پتلا فتنہ گر
روئے انور کو کسی کے تک رہا ہوں دیر سے
خدا کرے کہ مرا حال یہ تباہ رہے
یہ بڑھا یا گریہ نے مرتبہ کہ فلک بھی دیکھتا رہ گیا
جو ہی عیش بخت رقیب میں سبھی چاندنی سی کیا غرض

کھلتا نہیں ہے حال کچھ زلف کے پیچ و تاب کا
کہ وطن کا ہے نشاں یاد نہ گھر کی صورت
زندگی عشق سے ہے تمہارے عشق کے بیمار پر
مطلب کا ہوش خوب رہا اضطراب میں
فلک گلچیں ہے گھڑی صیاد ہر دم تاک میں
سنتے سنتے واعظوں کی آ گیا دم ناک میں
ہاتھ سے قسمت کے لکھے کو مٹا سکتے نہیں
آتشِ فرقت تو اے اشکو بجھا سکتے نہیں
نامۂ اعمال تو اپنا دکھا سکتے نہیں
داور روزِ جزا کو منہ دکھا سکتے نہیں
کہیں وہ اپنی طرف سے قصور کرتے ہیں
وہ دل میں یاد نہیں بھی ضرور کرتے ہیں
کہ پاسِ آبرو تمکو نہ پابندِ حیا تم ہو
اگر سچ پوچھئے تو بانیٔ جور و جفا تم ہو
ایک توبہ ہی رہی جاتی ہے یہ بھی کر لو
ریشِ قاضی کر دیا عمامۂ زاہد کو
اور ابھی تو خیر سے عہدِ شباب آنکو ہے
اب کوئی دم میں نزع پر آفتاب آنکو ہے
مجھے جو دیکھ لے اسکو نہ تیری چاہ رہے
وہ جو گھر تھا اسکا وہ لامکاں ہے عرش سے بھی مقام اسکا
اسے یاد وہ بنایا ہلال ہو کے نہ ہر کہا تا حرام ہے

مری بات کا نہ یقیں کیا کبھو پھر گیا کہ نہ پھر گیا
وہی غیر جسکہ تھا باوفا تمہیں ناز تھا کہ غلام ہے

سر بزم اُنسے نہ چھپ سکا مجھے دیکھتے ہی یہ کہدیا
وہی آپ چاہنے والے ہیں وہی شاہی آپکا نام ہے

وقف ہے خارِ مغیلاں پہ مرا پیراہن
کہ گریباں سے لئے جاتا ہے تو داماں کوئی

مجھسے پوچھو کہ نقش ہیں دلپہ
خوبیاں پنجۂ حنائی کی

کیا کریں شکوۂ جفا شاہی
اپنی عادت نہیں برائی کی

آدمی ہو تو کچھ گلہ کیجئے
تیرا کیا بخت نارسا کیجئے

اک زمانہ ہے مدعی اپنا
کس سے اظہارِ مدعا کیجئے

دل کی پُرسی کو آئے بیٹھے ہیں
نذر اب جانِ مبتلا کیجئے

لے چکے دل تو جان کی ہے طلب
کیا کسی سے معاملہ کیجئے

ستم ایجاد آپ ہم غم دوست
روز مجھ پر ستم نیا کیجئے

شاہی آپ اور عشق سے توبہ
ابھی حضرت خدا خدا کیجئے

ہمت یہ کہہ رہی ہے کہ دیدیجئے جان بھی
شرطِ وفا نہیں ہے کہ دل جا کے دم رہے

کیا جانے کسکا جلوہ نظر میں سما گیا
کعبہ کہ دیر دونوں سے بیزار ہم رہے

شاہی فلک کی چالوں سے کیا دیکھو بنے
وہ سروری رہی نہ وہ جاہ و حشم رہے

آتشِ حسن سے نہ جل جائے
غیر کو دور رکھئے محفل سے

سخت جانی غضب کیا تو نے
کیا ندامت ہوئی ہے قاتل سے

نہیں جائز ہے بت کافر کے قدم پر سجدہ
ہم سمجھتے ہیں مگر دھیان کہاں رہتا ہے

شاہی میں کیونکہ مان لوں تم جا سکو گے واں
جس جا گذر نسیم و صبا نہو سکے

دل میں الفت غیر کی مٹھی میں میری جان ہے
اور کیا اسکے سوا ہے رازدانی آپکی

یہ تو ہم سمجھے ہوئے بیٹھے ہیں پہلے روز سے
نذر ہوگی ایک دن یہ زندگانی آپکی

حرفِ مطلب یاں نہ آیا ہی زباں پر تھا ابھی
ہنس کے فرمایا کہ سن لی سب کہانی آپکی

کوچۂ جاناں تو واعظ دیکھتے ہیں آنکھ سے | اور وصفِ خلد سنتے ہیں زبانی آپ کی
زخم اچھے ہوگئے لیکن نشاں لگنے رہے | شکر ہے تن پر رہی کچھ تو نشانی آپ کی
آپ ترکِ عشق کا غیروں کو دیں ناصح سبق | بوالہوس ہیں وہ کریں گے قدردانی آپ کی
بتوں کے حسن میں بھی ایک نور ہوتا ہے | خدا کی شان کا سب میں ظہور ہوتا ہے
یہ بے سبب نہیں آتی ہیں ہچکیاں پیہم | کہیں تو ذکر ہمارا ضرور ہوتا ہے
تمہاری اسمیں خطا کیا خدا کی قدرت ہے | حسیں جتنے ہیں سب میں غرور ہوتا ہے
سمجھ گئے تری باتوں سے تجکو ہم ناصح | پڑھا لکھا بھی مگر بے شعور ہوتا ہے
جفائیں سہنے کی عادت جو ہو گئی ہے ہمیں | تو بے ارادہ بھی ہم سے قصور ہوتا ہے
سنتے ہیں وعظ کی مجلس میں حسن کے اوصاف | تمہارا ذکر تو اب دور دور ہوتا ہے

ملکہ وکٹوریہ کے مرثیہ کا قطعۂ تاریخ رقت آمیز لکھا تھا وہ تاریخ نقل ہے

نہ پوچھ تھا شاہی کہ کیا بات ہے | یہ اتوا پ نے کیوں ہلا دی زمیں
گیا کونسا شاہ دنیا سے آج | کہ جو ایک سو ایک توپیں چلیں
سلامی کی توپوں نے ملکر کہا | شہنشاہ وکٹوریہ اُٹھ گئیں

۱۰۱+۱۸۰۰=۱۹۰۱

شایق شایق۔ میر محمد قلندر بخش جرأت کے شاگردوں میں نہایت قابل مستعد اور خوشگو شاعر تھے۔ شروع میں چند غزلیں ہاشمی کو بھی دکھلائیں تھیں آخر اٹھارویں صدی میں شباب کا عالم تھا معاملہ خوب کہتے تھے اور زبان کیطرف بھی توجہ تھی۔ اس سے زیادہ حال معلوم نہو سکا۔

کریں شیخ و برہمن دیر او کعبے کو سجدے ہیں | رہِ دل سے ہیں غافل تو سراہیں دل تو ڈھونڈا
تماشا دیکھ تو جراح کے مرہم لگانے کا | ہمارے زخم ٹانکے توڑ کر کھل کھل کے ہنستے ہیں
جو لیکر جانِ عاشق سے ملیں ہو جانِ ہندوستاں | سمجھنا مت گراں شایق انہیں تو بھی یہ سستے ہیں
ظلم کا شیوہ سکھا اس ظالم کو ایسا یاد ہے | ہر گھڑی ہر لحظہ اک تازہ ستم ایجاد ہے
نچلے ہو کر بیٹھتے اک دم نہیں یہ طفلِ اشک | چشمِ گریاں کی بھی کتنی ناخلف اولاد ہے

جایئے کعبے کو یا کیجے صنم خانہ کا طوف
حضرت دل آپ کا اب کیا یہی ارشاد ہے

شایق

شایق - منشی نظر الدین ساکن بریلی۔ فراسو صاحب کے تذکرہ میں ایک اچھا شعر نظر سے گذرا درج کیا گیا۔ غدر سے ۳۰ برس پیشتر زندہ تھے ؎

گر اسی طرح سے ہمیشہ کو تیرے غم سی چشم تر رہی
تو مزارعوں کو یہ مژدہ دو کہ تمہاری کھیتی ہری رہی

شایق

شایق - عزیز الدین شایق خلف الصدق غلام محی الدین سرہندی۔ زیادہ حال معلوم نہوا۔ انکا کلام دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی پرانے زمانے کے شاعر ہیں کیونکہ متروکات انکے کلام میں بیشتر پائے جاتے ہیں ؎

گلشن میں اگر ناز سے ہو وہ خراماں
غنچے بھی کریں لپٹ گریباں کے ٹکڑے

نہ ہو اس حسن پہ مغرور اے گل
پیسن لے ہر گلے راز والے

کبھی تو وصل کا وعدہ وفا ہو
کہاں تک دوگے جاناں ٹالے بالے

لگے بے طرح دلپر داغ ہجراں
پڑے ہیں مجھ کو اب جینے کے لالے

اگر شایق تو چاہے لذت عشق
بتوں سے بھاگ اور راہ خدا لے

شایق

شایق - حافظ الٰہی بخش خلف شیخ محمد حاجی باشندہ کانپور سید وارث علی سیفی کے تلامذہ میں گذرے ہیں۔ مشاق اور پر گو تھے ۱۲۹۵ھ کا چھپا ہوا دیوان موسوم بہ گلزار منظوم مطبوعہ نظامی میرے کتب خانہ میں موجود ہے اسکا انتخاب درج ذیل ہے۔ فن تاریخ گوئی میں آئینۂ تاریخ انکی تصنیف ہے۔ انتخاب یہ ہے ؎

سب بارگاہ عشق میں یکساں ہیں دوستو
یہاں فرق کچھ نہیں ہے امیر و فقیر کا

سو تیر محبت اسکو کہ دل میں اتر جائے
الٰہی درد دے دل میں تو ایسا اپنی الفت کا

جس کو سمجھے تھے باوفا یارو
کیا غضب ہے کہ بے وفا نکلا

کیا پرزے پرزے جو نامہ ہمارا
خطا انکی کیا ہے کہ لکھا ہمارا

ظلم ہی کیجئے کچھ تو کیجے خبر
لطف تم کو اگر نہیں آتا

معشوقوں سے یہ کہدو کہ نہ توڑیں دل عشاق
سب ملتے ہیں پر چاہنے والا نہیں ملتا

کیا کہوں الفت نے مجھے کیا کیا
دل کو شعلہ آنکھ کو دریا کیا

قتل کرکے قتل گہ میں تا بدیر
بسملوں کی سیر وہ دیکھا کیا

زلف کا اسکی رہا سودا مجھے
سانپ سا سینہ پہ لہرایا کیا

ہزاروں شخص ہاں ہونگے نیمجاں قاصد
یہی ہے کوچۂ جاناں کا بس نشاں قاصد

شہیدوں کا بہا ہی خون ایسا کوئی جاناں میں
شفق ہی چرخ پر شرمندہ اور لالہ گلستاں میں

خانہ بدوش جو کہ ہیں انکا ہے یہ کلام
غربت میں وہ مزہ ہے کہ یاد وطن نہیں

پان کی سُرخی گلے سے جب نظر آنے لگی
سب شراب سُرخ سمجھے شیشۂ بلور میں

خشم جاناں دفع ہو رونے سے میری کسطرح
شعلۂ رخسار کو پانی کا ڈر ہوتا نہیں

جو قسمت سے کبھی ہم کوچۂ دلدار میں آئے
نئے جلوے نظر ہمکو در و دیوار میں آئے

دشت وحشت نے کیا ہی چاک پیراہن میرا
پھاڑ ڈالوں دامن کوہ و بیاباں تو سہی

نہ ملنا تھا تجھے گر ہم سے اے بت
قسم کیوں کھائی تھی تو نے خدا کی

محبت میں ہماری تم تو پہلے
نہ سنتے تھے عزیز و اقربا کی

اب ایسے ہو گئے بے مہر صاحب
ذرا باتیں کرو یاد ابتدا کی

وہاں سرمہ کی آنکھوں میں تری تحریر پھرتی ہے
دل عشاق پر گویا یہاں شمشیر پھرتی ہے

تجکو ہم اپنا ادیب حرف بنا سینگے
سارے جہان کو جان کا دشمن بنا ئینگے

واعظا بہر خدا اگر کوئی ایسی تدبیر ہے تجکو فردوس ملے مجھکو ملے کوئے صنم + کچھ کسیکو نہ ہا دیر و حرم سے مطلب شیفتہ تجھ سے ہوئی کافر و دیندار تمام

شایق

شایق ۔ ناظم بیمثال شاعر شیریں مقال جناب منشی سید حسن صاحب شایق رئیس قصبہ سندیلہ ضلع ہردوئی۔ شاگرد جناب فصاحت صاحب لکھنوی۔ آپ منشی سید فضل رسول خان بہادر واسطی تعلقہ دار سندیلہ کے خلف اصغر ہیں اور اپنے والد ماجد مغفور کے علاقہ سے معقول گذارا پاتے ہیں۔ اردو فارسی میں خاصی دستگاہ ہے۔ سترہ سال کی عمر تک اپنے خالو منشی عبد العلی صاحب کے پاس لکھنؤ میں تعلیم پاتے رہے اسی وجہ سے آپ کی زبان لکھنؤ کی زبان ہے

اہل کمال اور فصحائے لکھنؤ کیساتھ نشست و برخاست رہتی تھی اس پاکیزہ صحبت نے یہاں تک آپ پر اثر کیا کہ آپکی شاعری کا چرچا ہونے لگا کلام کا رنگ کھر رہا ہے کہ آپ اپنے اُستاد کیلئے باعث فخر ہیں منشی سید التفات رسول خاں بہادر ہاشمی جو آپکے حقیقی برادر زادے تھے۔ ہر سال ایک عظیم الشان مشاعرہ سندیلہ میں کیا کرتے تھے جسمیں ہندوستان کے بڑے بڑے مشہور شعرا شرکت فرماکر سامعین کو محظوظ کرتے تھے۔ آپ اُن مشاعروں کے سکرٹری ہوتے تھے اور گلدستہ کی ترتیب اور انتخاب بھی آپ ہی کے ذمہ تھا۔ آٹھ دس سال تک یہ سلسلہ قایم رہا پھر ہاشمی صاحب مرحوم کا دماغ بگڑ جانے پر یہ سلسلہ درہم برہم ہوگیا۔ رعایت لفظی کی قید اور تشبیہ و استعارہ کی پابندی سے آپ کا طائر خیال آزاد ہے۔ ہر شعر میں ایک بات پیدا کرتے ہیں لطف زبان کیساتھ متانت اور سنجیدگی بھی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ عمر تخمیناً ۰۵ سال کی ہوگی مگر طبیعت بہت شوخ اور چلبلی ہے۔ آپکے دوست سید نذیر حسن صاحب فتنہ نے اُنکا کلام منگا کر دیا۔ شایق صاحب نہایت نیک طینت اور صاف باطن خلیق اور منکسر مزاج ہیں اپنی وضع کے پابند اور اپنے بزرگوں کی روش کے کاربند ہیں۔ اب آپکے کلام کا انتخاب نذر ناظرین و اراکین کرتا ہوں ؎

اِس ادا سے کھنچکے اُس قاتل کا خنجر رہگیا
خونِ مشتاقِ شہادت جوش کھا کر رہگیا

کوند کر بجلی گری جب آشیانہ پر مرے
پتہ پتہ ہر شجر کا ہاتھ مل کر رہگیا

ڈوب کر دریا میں مجھ وحشی عریانی لت
خوب پردہ میرا لیے پانی کی چادر رہگیا

عمر بھر کی شرحِ غم اور وہ بھی اتنی مختصر
ایک قطرہ خون کا ٹپکا کے خنجر رہگیا

سُن چکے تم کہہ چکا میں ماجرا سوزِ دل
دیکھلو اک آبلہ پڑکر زباں پر رہگیا

پھیر کر منہ دیکھ لے او جانیوالے ناز سے
راہ میں شایق کا دل پامال ہوکر رہگیا

پردہ اٹھا چمک سی ہوئی غش میں ہوگئے کلیم
ادنیٰ یہ اک کرشمۂ برقِ جمال تھا

آخر کو آنسوؤں میں لہو ہوکے بہگئیں
جن حسرتوں کا دل سے نکلنا محال تھا

قابو نہ رکھ سکے دلِ بے اختیار پر
مُنہ سے نکل گیا جو نہ کہنے کا حال تھا

مجھے غش میں وہ انکا گیسوئے مشکیں سنگھا دینا
ستمگر کیا یہی اک شان ہے اِٹھلا کے چلنے کی
دہانِ زخم شکوہ کچھ نہ کرنے پائیں قاتل کا
یہ سن رکھ اے صبا شکوہ جو وہ پردہ نشیں آئے
یہ کہکر سونیوالے سو رہے ہیں مرقدیں جا کر
یہ شرمیلی ادا تیری عدوئے جان شایق ہے
کسی کے جھوٹے وعدوں پر کسی کی یوں بسر ہونا
تڑپنا آہ کرنا ہجر کی شب نوحہ گر ہونا
کئے دیتا ہے تازہ واقعاتِ طور موسیٰ کو
نہیں معلوم اس میں کونسی حسرت کہاں پر ہو
مریضِ ہجر کو آنا ادھر اک آخری ہچکی
نکل آیا کوئی پردے کے باہر بے حجابانہ
رہے جو دل میں مخفی راز کہتے ہیں سن اے شایق
رات کو چھپ کے نکلنا وہ کسی کا گھر سے
کماں سرگوشیاں کچھ کر رہی ہے تیرِ قاتل سے
مریضِ ہجر تنہائی میں کیا باتیں کرے دل سے
دلِ خوں گشتہ کا جب ذکر آیا اہلِ منزل سے
ابھی تو دل بھی ہے اور دل میں ہیں ارمان بھی لاکھوں
چمک اٹھے غبارِ قیس کے ذرّے بیاباں میں
کہاں تک جذب ہوتا کوئی خونریزی کی حد بھی تھی
وصال میں بھی یہ دھڑکا لگا رہا شب بھر

وہ کچھ پڑھ پڑھ کے دم کرنا وہ قرآں کی ہوا دینا
لحد جو سامنے آئے اُسے ٹھوکر لگا دینا
مناسب ہی تجھے اے بخیہ گر ٹانکے لگا دینا
ترا احسان ہوگا شمع تربت کی بجھا دینا
ذرا اے صورِ محشر وقت پر ہم کو جگا دینا
ذرا پھر آنکھ نیچی کر کے ظالم مسکرا دینا
سحر سے شام ہونا شام ہو کر پھر سحر ہونا
نہ دل کا درد کم ہونا نہ آغازِ سحر ہونا
کسی کا بام پر وہ مسکراتے جلوہ گر ہونا
سمجھکر میرے دل کے پار اے تیرِ نظر ہونا
ہوا سے جھلا کر گل اُدھر شمعِ سحر ہونا
غضب تھا میرے مرنیکی خبر کا مشتہر ہونا
زباں تک بات آنا۔ اور عالم میں خبر ہونا
اور وہ چاہنے والوں کو خبر ہو جانا
جدا ہو لے ہجومِ ناامیدی دامنِ دل سے
دہن کھلتا ہے دقت سے زباں ملتی ہے مشکل سے
اُڑے کچھ سرخ ذرّے سرزمینِ کوئے قاتل سے
جب اُٹھینگے۔ تو دامن جھاڑ کر اٹھینگے محفل سے
پھیلی چاندنی ہر سو وہ نکلا چاند محمل سے
اُبل آیا لہو آخر زمینِ کوئے قاتل سے
فلک نہ دیکھ لے آپس میں گفتگو کرتے

جگا دیا یہ غضب کیا کیا دلِ بیتاب
زخم گہرا چارہ گر کتنا دلِ بسمل کا ہے
کون آیا۔ کون بیٹھا۔ کون رو کر اُٹھ گیا
خونِ ناحق کی ملیگی داد شایق روزِ حشر
کہاں تک غم کروگے مرنیوالے روز مرتے ہیں
بُرا میں ہوں بُرا دل ہی بُرا سارا زمانہ ہے
یہی کہنا تو اُنکا چھیڑ پر کرتا ہے آمادہ
جگر کے زخم شاید رس رہے ہیں آج اے شایق
کھینچتے ہیں دل مرا وہ ساتھ اپنے تیر کے
پوچھتے ہو کیا ہوئے پیکاں ہمارے تیر کے
دل کو بھلایا کیا زنداں میں بھی وحشی ترا
جو پسند آئے تمہاری تم اُٹھا لو شوق سے
آمد آمد موسمِ گل کی جو گلشن میں ہوئی
چمن کا شوق نہ حسرت ہے آشیانے کی
تبا رہے ہیں قفس کے یہ آخری جھٹکے
غضب تھا آنکھ پھرانا کسی ستمگر کا
کھلی ہوئیں ہیں دمِ نزع شوق میں آنکھیں
بڑھی ہے جوششِ سودا ہیں حقنی آزادی
چمن میں شاخ وہی باغباں نے کاٹی آج
ستم کرینگے جفا کرینگے وفا نہ بیوفا کرینگے
نہ بوئے گل ہے نہ سیرِ گلشن جفا صیاد ہر گھڑی ہے

ہم اُنسے خواب میں کچھ اور گفتگو کرتے
اٹھو قاتل تو بھی زورِ بازوئے قاتل کا ہے
کچھ خبر بھی ہے تمہیں کچھ ہوش بھی محفل کا ہے
بسملوں کا بھی وہی ہے جو خدا قاتل کا ہے
کہیں ایسا نہو دکھ جائیں نازک ہاتھ تم سے
تمہیں اچھے تمہیں اچھے تمہیں اچھے ہو عالم سے
بگڑ جائیں گے ہم دیکھو اگر بولا کوئی ہم سے
ٹپکتے ہیں گلابی اشک میری چشمِ پُرنم سے
کھینچ لیں اب کھینچنے والے مری تصویر کے
آؤ تم خود دیکھ لو میرا کلیجہ چیر کے
نقشے دیوار دل پہ کھینچے طوق کی زنجیر کے
اکطرف ہیں دل کے ٹکڑے اکطرف ہیں تیر کے
جُڑ گئے ٹوٹے ہوئے حلقے مری زنجیر کے
قفس سے دیکھ رہا ہوں روش زمانے کی
کہ ٹوٹنے کو ہے زنجیر قید خانے کی
نظر میں پھرنے لگیں گردشیں زمانے کی
ہے دل کو آس کسی بیوفا کے آنے کی
ہٹی ہیں آتنی ہی دیواریں قید خانے کی
کہ جس سے آڑ تھی بلبل کے آشیانے کی
جو دل لیا تھا تو کیا کیا تھا جو جان لینگے تو کیا کرینگے
ہے اس سے بہتر کہ جان دیدیں قفس میں کبتک گذر کرینگے

وہ انکا باتوں میں ٹالدینا وہ میرا گھبرا کے پھر یہ کہنا
کہ رات تھوڑی سی رہ گئی ہے یہ عہد پیماں ہوا کرینگے

خفیف ہونا پڑے نہ شایق وہ دیکھو تحفہ ہو کہنے لایق
پڑے ہوں نا سو جنہیں لاکھوں وہ ایسا دل لیکے کیا کرینگے

اشارے ہیں کسی تیر نظر کے
جگر برمائینگے دل میں اتر کے

یہ جوش گریۂ غم تھا شب ہجر
نکل آئے کئی ٹکڑے جگر کے

روانہ سینکڑوں نامے انہیں کئے شایق
زمانہ ہو گیا قاصد کو بھی گئے شایق

نہ پوچھو ہجر میں کس واسطے جی شایق
سسکتے ہیں ابھی تک اسی لئے شایق

لگا ہے آسرا خط کے جواب آنے کا

شایق ۔ شایق ۔ مسٹر جان برنارڈ فانتوم عرف جانی صاحب انکا خاندان عرصہ سے دہلی میں سکونت پذیر تھا۔ اور طرز معاشرت بالکل ہندوستانی اسلامی وضع کی کر لی تھی۔ زبان بہت صاف ہے نازک خیالی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ زیادہ تشبیہات اور استعارات سے کام نہیں لیتے جس کے باعث ہر شعر میں آمد معلوم ہوتی ہے۔ تلمذ کا حال معلوم نہ ہوا ۱۸۷۰ء کے زمانہ کا کلام درج ذیل ہے۔

ہم نے دل سو جگہ لگا دیکھا
کوئی تجھسا نہ دلربا دیکھا

کان رکھکر سُنا نہ اُس گل نے
حال دل بارہا سُنا دیکھا

گر نہ پہنو ماتم عاشق میں پوشاک سیاہ
سر مگیں آنکھوں سے دو آنسو بہانا چاہئے

شمع کی پروانگی پروانہ کو کب ہے ضرور
بن بلائے محفل جاناں میں جانا چاہئے

اسقدر رنجش نہ تجکو مجھسے جانی چاہئے
ہر گھڑی ہر لحظہ تجھپر مہربانی چاہئے

کہنے سے اغیار کے گر تم ہو مجھپر خفا
سخت بیجا ہے نہ ایسی بدگمانی چاہئے

شایق ۔ شایق ۔ منشی محمد بدر الاسلام صاحب شایق فرزند مولوی محمود الحق صاحب ۱۸۹۵ء میں تحصیل پٹی ضلع پرتاب گڈھ اودھ میں تحصیلدار تھے فن سخن میں اپنے چچا سیف الحق ادیب کے شاگرد تھے پرگو زیادہ معلوم ہوتے ہیں مگر کلام بے نمک ہے زیادہ تر فرسودہ مضامین نظر آتے ہیں۔ انتخاب پیش ناظرین ہے ۔

واعظ نہ پند و وعظ کی تکلیف کیجئے
کیجئے نہ خوف کشتۂ پاس قضا ہوں میں
ناحق قصور وار نہ ٹھہرائیے ہمیں
واں جو عدو سے مشغلۂ دورِ گل ہوا
فلک ہے چرخ میں جوں کشتیِ طوفاں وہ یاد
ہے آج شام وعدہ نہ آئے تو دیکھنا
ادھر خنجر سے نادم ہوں ادھر اُسنے عجل باز
غذائے رنج و غم وہ سیر ہو کر میں نے کھائی ہیں
کونسا موقعہ حجاب ہے آج

عشقِ تپاں کو جی سے بھلایا نجائیگا
محشر میں حالِ زار دکھایا نجائیگا
پوچھیں گے گر سبب تو بتایا نجائیگا
یاں تابِ ضبط صبر کا ہجراں میں گل ہوا
مگر طوفان بپا ہے آج اشکوں کی روانی کا
اپنا چراغِ عمر کوئی دم میں گل ہوا
مجھے کس کس سے شرمایا برا ہو سخت جانی کا
نہ شرمندہ ہوں دلنے کا نہ کچھ ممنون پانی کا
وصل میں منہ پہ کیوں نقاب ہے آج

فصلِ گل میں ہم ہیں اور ظالم قفس کی تیلیاں
کس طرح جی میں تقاضا ذوقِ نظارہ کا ہے
جوڑتا صیاد ہے اگلے برس کی تیلیاں
اُسکے جلوں میں لگیں تا قفس کی تیلیاں

نشانی جو مانگی تو ہنسکر وہ بولے
گر یہی طرزِ دلربائی ہے
آؤ منت بھی غیر کی کر لیں
تن ہے مسجد میں پر میں ہی روح
دل لیا اور خبر نہیں ہوتے
آج اُنکا وعدۂ دیدار ہے
اس تغافل پر یہ دعوئے وفا
ہوا جہاں سے معدوم قصۂ مجنوں
ہزار دل جان گنوائیں گے مثلِ پروانہ

یہی داغِ دل ہے نشانی ہماری
تو اجل غیر کی بھی آئی ہے
یہ بھی اک قسمت کی آزمائی ہے
نام کی شیخ پارسائی ہے
واہ کیا خوب دلربائی ہے
صبح سے ہیں منتظر ہم شام کے
کیا ستم ہوتا جو ہوتے کام کے
رہی تو الفتِ شایق کی گفتگو باقی
رہیگا کون تیرے آگے شمع باقی

شایق — احمد حسن خاں المعروف بہ کالیخاں ولد نواب محمد حسن خاں - نواب احمد سعید خاں صاحب شایق

بہادر طالب مرحوم کے پاس رہ کر بسر اوقات کرتے تھے اور انہیں کے تلامذہ سے تھے۔ عرصہ ہوا کہ انتقال ہوگیا۔ ذہین طبیعت دار مگر کم استعداد شخص تھے مشکل زمینوں میں کہنا کثرت مشق کا ثبوت ہی جس سے قدرت کلام کا اندازہ ہوسکتا ہے ؎

جو آیا اسکو ہوئی فکر یاں سے جانیکی
عجیب سیر ہے کچھ ہر یاں زمیں کے تلے

یہ جلسے سیمتنوں کے یہ صحبت احباب
دکھائی دینگے یہ ساماں کہاں زمیں کے تلے

کہاں ہیں قیصر و فغفور انکو گرد ڈھونڈو
ملے نہ نام کو نام و نشاں زمیں کے تلے

بتوں کے ظلم سے اک روز ہم بھی اے شایق
بسا بینگے کوئی جا کر مکاں زمیں کے تلے

سر روش پہ گل نہائے ہیں جو تنے تو باغباں
توڑ دینگے اپنے آنسو ایکدم میں پل کے پل

دیکھکر اغیار جلتے ہیں شب مہتاب میں
سامنے بیٹھے اگر ہم اُس مہ کامل کے تل

موت تھی دامن کشاں اور زندگی تھی دست کش
ہاتھ میری قتل پر جس دم گئے قاتل کے تل

رات دن بدمست رہتے ہیں شراب ناب سے
سر جگہ پر ہو رہے ہیں اُس مہ رشا غل کے غل

شایق۔ مولوی سدید الدین عباسی بدایونی۔ نہایت ذہین طباع صاحب استعداد پہلے بدایوں کے قابل وکلا میں انکا شمار تھا۔ وکالت کی سند ضبط ہوجانیکے بعد مختلف قانونی کتابیں لکھتے رہے ۱۸۹۲ء میں اخبار انتخاب عالم نامی جاری کیا فن سخن میں حضرت افضل لکھنوی سے تلمذ تھا۔ ۴۶ ۶۵ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ کلام کا انتخاب یہ ہی ؎

سلام

ماتم شاہ شہیداں میں عزادار ہے آنکھ
تار اشکوں کا جو توڑے تو گنہگار ہے آنکھ

بادۂ حب علی سے ہیں عجب کیف و سرور
یہ جو دو مست ہے مدہوش ہے ہشیار ہے آنکھ

لخت دل حضرت زہرا کا لہو میں جو ہو تر
خون اشکوں میں نہ آئے تو خطاوار ہے آنکھ

اشک غم خون جگر یاد میں شہ کے ہی رواں
گہر و لعل کا کھولے ہوئے بازار ہے آنکھ

گوہر نظم پہ کہتے ہیں سخنداں شایق
اہل بینش کا یہ سودا ہے خریدار ہے آنکھ

دست سفاک جو دم بھر ٹھہرے
دیدہ بازی تہ خنجر ٹھہرے

جب کبھی وادیٔ وحشت میں گئے ۔۔۔ دو قدم قیس سے بڑھ کر ٹھیرے
بل بہت کرتی ہے وہ زلفِ رسا ۔۔۔ دیکھئے دوش پہ کیونکر ٹھیرے
رند مشرب ہوئے شایق مشہور ۔۔۔ واہ کیا آپ کے جوہر ٹھیرے

شایق

شایق ۔ مولوی سید اعظم علی تلمیذ ڈاکٹر احمد حسین خاں مائل حیدر آبادی ۔ کلام سے خوش فکری کا اندازہ ہوتا ہے ۔ زیادہ حال معلوم نہیں ؎

قتل گہ میں ہاتھ قاتل کا پڑا آخر کب ۔۔۔ ایک گردش میں نگہ کی سب کا قصہ پاک تھا
لیکے دل واپس نہ آیا دیکھئے دیکھو کا چلدیا ۔۔۔ تھا تو وہ کم سن مگر ہشیار تھا چالاک تھا
منہ سے اُنکے بات نکلی دل پہ کندہ ہوگئی ۔۔۔ کیسا عمدہ تھا نگینہ واہ کیا حکاک تھا
نہ مانی تو نے کیوں میری نصیحت ۔۔۔ ہوا آخر گرفتارِ بلا دل

شایق

شایق ۔ مولوی شمس الدین سابق ایڈیٹر رفارمر لاہور ۔ طبیعت بہت دشوار پسند پائی ہے ایک ہی قافیہ میں زیادہ طبع آزمائی کیا کرتے ہیں ۔ کلام میں لطف اور وجد موجود ہے مضمون آفرینی کی شان انکے اشعار سے پیدا ہے ۔ آپ ۱۸۹۵ء میں لاہور کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے ۔ انتخاب درج ذیل ہے ؎

جنوں سے ہو سکا ہم سر نہ حسن اس آفتِ جاں کا ۔۔۔ بہت سا منہ چڑھایا مانگ نے چاکِ گریباں کا
اُکھڑتا ہی جو دم دستِ جنوں کے ایک جھٹکے میں ۔۔۔ رگِ جاں سے ہی کیا رشتہ مرے چاکِ گریباں کا
الٰہی شکر اس نے سی دیا منہ اپنے ہاتھوں سے ۔۔۔ مبارک آج ہنستا ہوگیا چاکِ گریباں کا
گلے ملکر وہ رخصت ہوں تو زلفوں سے لپٹ جائے ۔۔۔ کبھی اُلجھاؤ کام آئے کسی تارِ گریباں کا
پڑے ہیں ہاتھ اُس خورشید رو کے میری گردن میں ۔۔۔ ستارہ ان دنوں ہے اوج پر بختِ گریباں کا
بہار آئی ہے اے ضعف اتنی تو ملنے کی اجازت دے ۔۔۔ کہ ہے دستِ جنوں خواہاں ملاقاتِ گریباں کا
کریں قطع تعلق اہل دنیا خوش لباسی سے ۔۔۔ جو منظر اضعوں میں ہو نقشہ مرے چاکِ گریباں کا
نہ رکھا ہاتھ دل پر یار نے لئے دم ناکامی ۔۔۔ مدام آغوش خالی ہی رہا چاکِ گریباں کا

شایق

شایق - نواب باقر علیخاں عرف ببن صاحب لکھنوی - آپ نواب اقتدار الدولہ بہادر کے پوتے ہیں مشتاق لکھنوی کے شاگرد ہیں - ابتدائے عمر سے شاعری کا شوق ہے اپنے مکان پر بھی مشاعرے کرتے رہتے ہیں - اپنی خداداد طبیعت سے ہر مشکل سے مشکل زمین پانی کر دیتے ہیں کلام میں گل و بلبل کے مضامین اعتدال کیساتھ برتتے ہیں - سیدھی سادی ترکیبیں شستہ خیالات قابل داد ہیں - دیوان مرتب ہوگیا ہے - اکثر کلام گلدستوں میں شایع ہوتا رہتا ہے - یہ کلام ہے -

تنے ہیں دیکھ کے وہ سر اُٹھانا جوبن کا　　ادا کو مژدہ کہ گذرا زمانہ بچپن کا

یہ کس نے خاک اُڑائی پس فنا آکر　　غبار اُٹھ کے نہ بیٹھا جو میرے مدفن کا

چلا جا دُچراغ قبر انجمن ہے اندھیری میں　　رخ روشن کا قصد واسطۂ زلف پریشاں کا

لیجائینگے دل پہلوئے عشاق سے کیونکر　　جادو تری آنکھوں کو اگر یاد نہ ہوگا

پگھلے گا کبھی تو دل سخت ادیب کافر　　کب تک اثر گرمی فریاد نہ ہوگا

ایک جب ہوگئے ہم تم نہ رہا شوق وصال　　حد سے گذری جو محبت کوئی ارماں نہ رہا

صیاد کے گھر میں اسے اک عمر ہوئی ہے　　اب بلبل نالاں کو چمن یاد نہ ہوگا

ابھی آئے ہیں زخم قلب عاشق　　ذرا لیں آپ انگڑائی سمجھ کر

وفا میں اپنی رسوائی سمجھ کر　　جفا کرتے ہو شیدائی سمجھ کر

کیا کھلے حال غریق یم الفت اشہر　　ہر زبان موج کی ساکت لب ساحل خاموش

چاک دامن کا لگا دیگی زلیخا دھبا　　پارسائی تری لے یوسف کنعاں کبتک

توڑ ڈالے نہ کہیں چھیڑ کے مضراب فنا　　نغمہ ہائے طرب لے تار رگ جاں کبتک

چھوڑ دو زلفوں کو پیچاں ہی اگر برہم مزاج　　گر اُلجھتی ہے طبیعت بال سُلجھاتے ہو کیوں

کسی پہلو نہیں آرام لینے دیتی یاد اُن کی　　مسیحا ہیں مگر وہ درد بنکر دل میں رہتے ہیں

ادھر ابرو ہلا تیرا اُدھر مطلب کو ہم سمجھے　　اشارے تیری چتون کے ہمارے دل میں رہتے ہیں

اک مقدر انکا جو ہوں باریاب بزم یار　　اپنی اک قسمت کہ ہر سول خدمت درباں کریں

زیر زمیں بھی دل جو بہل جائے کیا عجب
باشندے سب وہاں بھی ہمارے وطن کے ہیں

گستاخیاں یہ سینہ پہ جوشِ جنوں کی ہیں
ٹوٹے ہوئے جو بند ترے پیرہن کے ہیں

گلے سے کیوں جدا ہوتا ہی وقتِ ذبحِ بسمل کر
مروت بھی ذرا اے خنجرِ جلاد کرتے ہیں

وہ چاہتے ہیں مجھے نہ شکوا کرے کوئی
منہ سے نکل ہی جائے تو پھر کیا کرے کوئی

الٹ کر نقاب آ کے میت پہ بولے
سحر ہو گئی چونک اٹھو سونے والے

نہ جائے گا وہ طائر جاں کو پر پرواز
عاشق کے جگر میں جو ترے تیر کا پر ہے

انگڑائی جو لی ناز سے اٹھلا کے کسی نے
دل تھام لیا ہاتھوں سے تھرا کے کسی نے

چھپائیگا کہاں تک دھو کے خوں دامن سے اے قاتل
زبانِ تیغ پر بسمل کے مرنیکی خبر ہو گی

فقط دو داغ ہیں اب پہلوؤں میں
نشانی ایک دل کی اک جگر کی

جگر پتھر کا دل آہن کا فصلِ گل میں رکھتے ہیں
اسیرانِ قفس کی بیقراری دیکھنے والے

سرِ بزم آج جنبش دے رہے ہیں تیغ ابرو کو
اشارہ پر ہماری جاں نثاری دیکھنے والے

شایق

شایق۔ صاحبزادہ یوسف علیخاں شایق شاگرد صاحبزادہ احمد سعید خاں ساکن ٹونک۔ شاعر خوش بیان ہیں قریب پچاس سال کے عمر ہے۔ کچھ دنوں حضرت داغ سے بھی اصلاح لی ہے نہایت خلیق اور منکسر مزاج آدمی ہیں طبیعت میں شوخی کیساتھ متانت بھی ہے حضرت ظہیر نے ایک غزل بھیجی تھی اُسکا انتخاب درج تذکرہ ہوا ہے

لذت درد سے ہنس ہنس کے لب زخم لیتے
حوصلہ اور بھی قاتل کا بڑھا دیتے ہیں

ہائے مجبوری الفت کہ ہم اپنے آگے
بات بگڑی ہوئی غیروں کی بنا دیتے ہیں

کیوں کوئی جان دے اپنی کوئی مجبور ہو کیوں
ڈال کر غیر پہ وہ مجھکو سنا دیتے ہیں

شایق

شایق۔ خواجہ منیر الدین صاحب ملکہ پوری۔ بیان میں شوخی۔ زبان میں سادگی ہے طبیعت مضمون کیطرف دوڑتی ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے

مریضِ عشق کے صحت کی پھر امید ہی کیا ہے
کسیدن یہ نہ پوچھا تو نے اسکا حال کیسا ہے

ہمارا نقدِ دل لیکر دیئے غم سینکڑوں تونے	ذرا انصاف کر ظالم لیا کیا ہے دیا کیا ہے
گھر رہے ہیں صاف یہ بند قبا ٹوٹے ہوئے	غیر کی محفل سے آتے ہو مزے لوٹے ہوئے
شکوۂ بے اعتنائی تھا تقاضۂ شوق کا	کس لئے ہو تنے ہو ہم خیر ہم چھوٹے ہوئے
کیا کسی بد مست و ساقی میں ہوئی ہو کشمکش	کیوں پڑے ہیں خم کے خم ٹوٹے ہوئے پھوٹے ہوئے

شایاں

شایاں ۔ منشی طوطا رام شایاں خلف منشی آتما لکھنوی۔ آپنے امیر حمزہ کی داستان اور الف لیلیٰ منظوم کی تھی اور مہابھارت کا بھی منظوم ترجمہ منشی نول کشور کی فرمائش سے کیا تھا۔ پر گو اور مشاق کہنے والے تھے مگر زبان میں سلاست اور طرز بیان میں روانی اور دلکشی نہ تھی۔ تذکرہ گلزار سخن مصنفہ ڈپٹی جگن ناتھ پرشاد میں دس بارہ غزلیں بھی نظر سے گذریں بمشکل یہ چند شعر انتخاب ہوئے۔ سُنا ہے کہ قصہ خوانی میں مشہور تھے۔ عرصہ دراز تک منشی نولکشور کے مطبع میں ملازم رہے۔ پندرہ برس سے کچھ حال معلوم نہیں ؎

فی الحقیقت درد میں ہمدرد آجاتا ہے یاد	کوہ فرقت جب اٹھایا کوہکن یاد آگیا
آئی نہ نظر خواب میں بھی یار کی صورت	دیکھی نہ کبھی طالع بیدار کی صورت
دُھوم ہے جب سے تمہارے حسن کی	مصر میں یوسف کا ہے بازار بند
بام پر بیٹھو نہ کھڑکی کھول کر	راستہ ہو جائیگا اے یار بند
چلو میں مئے ناب پلا دے مجھے ساقی	رکھتا نہیں میں ساغرِ بلّور کی خواہش
کیا عجب اے باغباں بلبل جو پھنکر کباب	آتش گل تیز ہے اور آشیاں نزدیک ہے
بزم ساقی میں ہمیشہ دورِ ساغر چاہئے	کوئے قاتل میں سبیلِ آب خنجر چاہئے
دلسوزی پروانہ جلاتی ہے مراجی	جل جاؤں سرِ بزم یہ لو دل سے لگی ہے

شایاں

شایاں ۔ سید نور الحسن شاہ صاحب بیلوی برادرزادہ جناب فرمان۔ صاف اور سادہ شعر کہتے ہیں۔ چند شعر درج کئے جاتے ہیں۔

نہ سنبھالے سے کسی کے بھی یہ سنبھلا ہرگز	جب مچلنے پہ ہمارا دلِ مضطر آیا

دیکھ لے تیری اگر شب رنگ کاکل آفتاب / روز کھائے پیچ و خم مانند سنبل آفتاب

شام کو تھا وصل کا وعدہ وفا فرمائیے / ہو گیا اب تو غروب اے ماہ وش کل آفتاب

زلف و رخ دیکھ کے اوسان رہیں کیا جائیں / شیخ گو شام وظیفے میں سحر کرتے ہیں

جو وہ چودھویں شب چڑھی بام پر / خجل روشنی قمر ہو گئی

شباب - نواب احمد حسن خانصاحب شباب بریلوی۔ شاگرد جناب عزیز معمولی فکر کے شاعر ہیں تین شعر منتخب ہوئے۔ زیادہ حال معلوم نہیں ؎

گلہ جور و جفا میرے نہ لب پر آیا / پھر بھی تجھ کو نہ کبھی رحم ستمگر آیا

دیکھ لیں قاتل تجھے اور ایک نگاہ یاس سے / ذبح کرنے میں اگر دو چار دم تاخیر ہو

وفائے عہد ہو یا تن سے سر جدا ہو جائے / ہمارا آپ کا سب آج فیصلہ ہو جائے

شباب - سید دلدار حیدر۔ شاگرد صفدر۔ باشندۂ قدیم قصبہ سانڈی ضلع ہردوئی۔ حال فرخ آباد ۱۲۶۳ھ میں پیدا ہوئے۔ کلام درخیز ہے انتخاب یہ ہے ؎

ہیں بس میں بتوں کے دل ناداں ترے بس میں / اس پر یہ قیامت ہے نہیں تو مرے بس کا

صیاد خدا کے لئے دے حکم رہائی / ہے اب تو برا حال اسیران قفس کا

چاہت وہ روگ ہے جو کسی بت پر آئے دل / تم بھی کہو پکڑ کے کلیجہ کہ ہائے دل

لیتے ہیں ہم بھی غیر بھی وقت خرام ناز / پامال کر رہے ہیں وہ اپنے پرائے دل

بزم و چمن میں بلبل و پروانہ ہیں گواہ / اے شمع رو نہ جھوٹ سمجھ ماجرائے دل

شباب - جناب سیف الدین پنجابی شاعر ہیں۔ غزل گوئی کا شوق نہیں۔ نیچرل نظمیں لکھتے ہیں۔ الفاظ میں قدرت کے عجائبات کی تصویر دکھاتے ہیں۔ اکثر رسائل و اخبارات میں کلام شایع ہوتا رہتا ہے۔ رسالہ مخزن سنہ ۱۰ء سے ذیل کی نظم نقل کیجاتی ہے ؎

ستی

اے شمع زندگانی آخر لب اجل نے / اک بار جل بجھی تو اس طرح تجھ کو پھونکا

ممکن نہیں کہ روشن پھر ہو شرارہ تیرا / اس تیرہ خاکداں میں کیونکر گذر ہو میرا

اے نخلِ زندگانی پائے قضا نے تجھکو / افسوس بیخ و بن سے پامال کر کے چھوڑا
ممکن نہیں کہ پھر تو سرسبز بارور ہو / جو نخل سوکھ جائے دشوار ہے کہ تر ہو
اے وجہ زندگانی تجھکو مرگ نے یوں / ہم کو کیا دو پارہ جوں نقطہ ہوں شکستہ
فی الاصل ایک تھے ہم جب ہو چکی جدائی / بے جان ہو کے قالب باقی نہیں رہیگا

شباب

شباب - منشی بشن دیال کلرک ڈرائینگ کلاس تلمیذ حضرت رسا شاعر دربار رامپور اوسط درجہ کے شاعر ہیں زبان صاف ہے - یہ انکا کلام ہے

مسجد کو گئے بھول تو ساقی کے گھر آئے / یہ حضرت واعظ بھی کدھر سے کدھر آئے
آئے نہ شباب آپ کے گھر وہ کبھی تنہا / یوں غیر کے ہمراہ تو شام و سحر آئے
یہ تو مجھے خوشی ہے کہ دیں تم نے گالیاں / غم یہ ہے دشمنوں کو خوشی انتہا کی ہے
ہے لاکھ لاکھ شکر نہ گھبراؤ اے شباب / کچھ ان مصیبتوں میں بھی رحمت خدا کی ہے

شباب

شباب - جناب صاحبزادہ میرزا محمد اختر یار خاں صاحب خلف صاحبزادہ مرزا برکت اللہ خاں صاحب گلشن آبادی برادر خالہ زاد نواب غوث محمد خاں والئی جاورہ - جناب میاں شاہ نظام الدین صاحب خلف جناب میاں نصیر الدین صاحب عرف میاں کالے صاحب کے ہاں آپکی ننہیال تھی - مرزا عبدالقادر بیگ دہلوی داروغہ تسبیح خانہ و جواہر خانہ اکبر ثانی و بہادر شاہ آپکے حقیقی نانا تھے - شجرہ نسب سے سلسلہ حسب ظاہر ہے کہ آپ شریف خاندان ہیں اور آپکے بزرگوں نے [illegible] کئے ہیں آپکے دادا مرزا غلام نبی خاں صوبہ دار [illegible] شاہ نظام الدین کے خلیفہ تھے صاحبزادہ صاحب موصوف جاورہ کی پیدائش ہیں - پیدائشی نام نیکو اختر ہے ۱۲۸۰ھ [illegible] آپنے مولانا عبدالرحمن صاحب دہلوی سے فارسی کی تعلیم پائی اور خوشنویسی کی مشق فرمائی ابھی علوم رسمیہ کی تکمیل کا وقت بھی نہ آیا تھا کہ آپکو نوعمری میں شعر و سخن کا شوق پیدا ہوا - لڑکپن سے آپ ذہین اور طبیعت دار تھے اور آخر ۱۲۹۵ھ میں اختر تخلص کیا - اور صاحبزادہ مرزا محمد شہید یار خاں صاحب شرف جو انکے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے انکے تلامذہ میں داخل ہو گئے - کچھ دنوں بعد شوق سخن

دل میں گدگدی پیدا کی اور اختر کے بجائے شباب تخلص اختیار کیا اور شاہدان سخن کی اداؤں پر نثار ہونے لگے سنہ ۱۸۹۸ء میں جناب داغ مرحوم کے سرچشمۂ تلمذ سے فیض یاب ہوئے ہنستے کھیلتے شعر کہتے ہیں شگفتہ زمینوں میں زور طبع دکھایا۔ قصائد میں ہمیشہ شاہزادہ مرزا عبدالغنی ارشد سے اصلاح لیتے رہے آپکا ایک قصیدہ جو تحفۂ احباب در مدح نواب سر امیرالدین خاں کے نام سے طبع ہو چکا ہے اسپر حضرت جلال لکھنوی مرحوم نے نہایت عمدہ ریمارک کیا ہے۔ آپ غزل گوئی کے سوا قصائد اور نیچرل نظمیں بھی لکھتے ہیں۔ ریاست مالیر کوٹلہ اور جاورہ کے جلسوں میں آپ سخنوران باکمال سے داد پا چکے ہیں اور سب لوگ آپکی تیغ زبان کے جوہر کو مانتے ہیں۔ صاحبزادہ صاحب موصوف ریاست جاورہ میں عرصہ تک مختلف شعبوں میں ملازم رہے ہیں ہز ہائنس نواب محمد اسمٰعیل خاں مرحوم سابق والئی جاورہ آپکو نہایت عزیز رکھتے تھے اور آپکے خدمات کی قدر کرتے تھے۔ آپ مشہور مقامات ہند کی سیر و سیاحت کر چکے ہیں مہاراوت اودے سنگھ کی ہمراہی میں دیولہ پرتاب گڑھ میں بھی رہ چکے ہیں علم موسیقی سے دلی ذوق۔ مرثیہ خوانی کا بہت شوق ہے۔ آپنے ایک تمثیل ڈرامہ بھی تصنیف کیا ہے جسمیں نظم و نثر کے دلکش نمونوں کو پیش کرنے میں سحر بیانی کے کرشمے دکھا دئے ہیں۔ ٹھمری اور فارسی غزل بھی کہہ لیتے ہیں چند قصائد تحفۂ احباب۔ نور سحر۔ ثواب حج کے نام سے شائع ہو چکی ہیں طبیعت کا بانکپن اور شوخی اکثر اشعار میں اپنی جھلک دکھاجاتا ہے سنہ ۱۳۰۶ھ میں بعمر ۱۹ سال انکی شادی نواب قاسم جان کے خاندان میں نواب محمد حسین خاں کی دوسری بیٹی سے دہلی میں ہوئی اسکے بعد بارہا نواب نصیرالدین احمد خاں برادر نواب صاحب لوہارو (جو انکے ہمزلف بھی ہیں) کے پاس امرتسر۔ لاہور۔ بھوانی رہے۔ لوہارو اور کوٹلہ میں سنہ ۱۸۹۶ء میں نواب سر امیرالدین احمد کے مصاحب رہے۔ اور کئی ریاستوں میں بطور معتمد بھیجے گئے اور نواب صاحب انکی خدمات سے راضی و خوش رہے سنہ ۱۹۰۱ء میں آپکے والد کا انتقال ہوگیا اور اعزا کے اصرار سے جاورہ میں مستقل قیام ہوگیا۔ انکے متعلق ایک عجیب اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ آپنے بلا کسی قسم کی سابق شناسائی کے اپنا پورا قلمی دیوان جسمیں دو ہزار سے زاید شعر ہیں راقم تذکرہ کو بھیجدیا۔ اور پھر جب کبھی کسی غزل یا قصیدہ کی ضرورت ہوتی تو اسمیں سے نقل منگا لیتے تھے

سال خط و کتابت رہی پھر سلسلہ مسدود ہو گیا۔ سالہا سال بعد نواب سر امیر الدین احمد خاں صاحب والیٔ لوہارو سے انکے ذکر پر معلوم ہوا کہ جوان انتقال کر گئے۔ افسوس۔ کلام فصاحت التیام ملاحظہ ہو

گردیدہ ہو کس طرح نہ عالم ترے دم کا ہے ڈھنگ ہی کچھ اور ترے طرزِ کرم کا
بیٹھی ہوئی کہتا ہوں اثر اس کا پڑے گا دل تھام کے بیٹھو یہ ہے قصہ شبِ غم کا
کس صفائی سے لے گئی دل کو تیری ترچھی ادا نے کام کیا
گر مفت کی ملے تو ہے قاضی کو بھی حلال اے شیخ خوب مسئلہ چھانٹا جواز کا
کیوں ہو گئی آج پاؤں میں زنجیرِ غم پڑی آتا جو ہاتھ سلسلہ زلفِ دراز کا
شمعِ جمالِ حسنِ رخِ یار سرد ہو عالم جو دیکھ لے مرے سوز و گداز کا
ہاں اے فشارِ ضعف ذرا دیکھ بھال کر دل ہے پلا ہوا کسی آغوشِ ناز کا
جو سجدہ ہائے کوچۂ جاناں میں لطف پائے کعبہ میں بھی مزہ وہ نہ آیا نماز کا
میری شبِ فراق سلامت رہے شباب قصہ ہزار طول ہو زلفِ دراز کا
آپ ہیں ایسے پریشاں کیوں شباب کیا ہوا کہئے تو کیا جاتا رہا
کیا پوچھنا اُسکی انتہا کا بگڑا ہوا ہو جو ابتدا کا
ارمان بھری نگہ نے تیری دل کو مری جان خوب تاکا
نہ گذری پہر رات بھی ہم نشیں ابھی سے وہ "پیتے" بتانے لگا
درازیٔ شبِ ہجر کی دیکھ کر کلیجہ مرا منہ کو آنے لگا
یہی کہہ دو تو صبر آ جائے حشر کے روز فیصلہ ہو گا
کوئے جاناں میں لے شباب اپنا کوئی تو صورت آشنا ہو گا
جب مرے نام سے نفرت ہے انہیں کیوں پڑھا کرتے ہیں دیواں میرا
محفلِ غیر میں کن انکھیوں سے اُسنے گردن جھکا کے دیکھ لیا
ہاں دیکھنا شباب کی حالت بگڑ گئی لینا خبر کہ جان سے والا ترا گیا

بحرِ الفت میں سہارا ہے تمہارا درکار
کوئی ڈوبا ہوا مدت کا اُبھر جائیگا

سینہ خراشیاں ہیں کبھی سینہ کوبیاں
بیٹھے بٹھائے کیسی مصیبت میں پڑ گیا

لو مبارک ہو تمہیں بھی ناصح
وقت آیا مری رسوائی کا

جیتے ہیں اسی امید پر ہم
یہ چرخ کبھی تو یار ہوگا

جب تک نہ کروگے قتل مجھکو
کس طرح تمہیں قرار ہوگا

ہم دیکھ رہے ہیں راہ آنکی
واں غیر کا انتظار ہوگا

آئینہ دیکھتے ہی تھام لیا دل اپنا
شکر ہے دیکھ لیا مدِ مقابل اپنا

جو بیعت میں پیرِ مغاں کی رہا
وہ زاہد بڑا مردِ کامل ہوا

تبسم کیا میرے زخموں نے جب
وہ غنچہ دہن پھول سا کھل گیا

چلا آتا ہے جھگڑا اُن سے دل کا
پڑا اب یہ قصہ آج کا کیا

شباب اک ماہ وش سی ہم بغل ہیں
ہمارے حال کا اب پوچھنا کیا

شرم سے نیچی نگاہ ہوئیں وہ کہتے ہیں شباب
لو چلے آؤ دکھا دیں تمہیں جوبن اپنا

اُٹھاتے ہیں ہم روز کی بدمزاجی
یہ دل ہے ہمارا کہ جیسا ہمارا

بزم میں دیکھو گے تم ہنسکر جو غیروں کی طرف
ٹکڑے ٹکڑے رشک سے میرا جگر ہو جائیگا

دوا غلط تقدیر بھی کرتی ہے گر مدِ نظر
پہلے رکھدو سامنے تم بادۂ انگور کا

ہے مثل مشہور صورت سے فقیروں کی طلب
پوچھتے کیا حال ہو مجھ خستہ دل رنجور کا

کہو اپنے پہ جبر نہیں سہہ کر دلِ ناداں
ہے اختیار انہیں آنے کا نہ آنے کا

کیا ہوا اُٹھے سحر ہم شکوۂ بیداد
بجھا کے شمع کہا اب نہیں جلانے کا

ہزاروں آبلے ڈالے ہیں آتشِ غم نے
یہ دل نہیں ہے خدا کی قسم دکھانے کا

وہ دن گئے وہ زمانہ گیا وہ دل نہ رہا
رہے نہ دوست جو پیارا وہ دل لگانے کا

خدا میں انہیں پڑی ہے عجیب شے آکر
لگے بتانے کا شوق اور انہیں ستانے کا

سکھا دو اپنے منانے کے کچھ ہمیں بھی گر
نشیلی آنکھوں نے انکی بنا دیا مدہوش
تمہارے ذکر پہ وہ آ شباب کہتے ہیں
کہنا کسی کا ہائے وہ ہنسکر دم وصال
آ گئی پھر مرے دل کی شامت
دل کو کس طرح سے دیدل سکو
افسوس کہیں ہم کو وہ تنہا نہیں ملتا
سنکے میرا حال دل کہنے لگے
کشتہ ہی شباب اک بت عالم گردیں کا
قفس بلبلو آشیاں ہو گیا
سنبھالے سے بھی اب سنبھلتا نہیں
نہ جانے دیا غیر کے بھیس میں
مزا برسات میں ہے مے کشی کا
جو یاد آتا ہے اسکا مسکرانا
شب وعدہ کہاں تم نے گذاری
پلا دے ساقیا ہم کو ذرا سی
جوبن پہ کھر رہا ہے کسی گل عذار کا
دست جنوں اگر ہے گریباں کی تاک میں
پوچھتے کیا ہو کہ کیا جاتا رہا
تھا دعوی ضبط کس بلا کا
تھ گر نہ بنا سبب مجھے جفا کا

تمہیں تو یاد ہے ڈھب غیر کے منانیکا
دکھایا آنکھوں میں نقشہ شراب خانیکا
خدا بچائے وہ اک رند ہی زمانیکا
ارماں نکل چکا دل امیدوار کا
پھر ترا طرز ستم یاد آیا
اور اگر مجھکو کبھی یاد آیا
دو باتیں کریں وقت بھی اتنا نہیں ملتا
ذکر چھوڑو اس خدائی خوار کا
افسوس کہ اسنے اسی رکھا نہ کہیں کا
کہ صیاد خود باغباں ہو گیا
تجھے کیا دل ناتواں ہو گیا
مرا رشک خود پاسباں ہو گیا
نکالو حوصلہ تم بھی کسیکا
تو میں منہ چوم لیتا ہوں کلی کا
نہیں ہے رنگ ہونٹوں پر مسی کا
مزا ہے آج منہ کا پھیکا پھیکا
اب آ گیا قریب زمانہ بہار کا
دامن پہ میرے دانت ہے ہر نوک خار کا
اعتبار اک شخص کا جاتا رہا
دل ہو گیا ایک ہی ادا کا
آنے نہ لگے مزہ خطا کا

اُنکے آنے کی خبر سنی ہے / آکے دیکھے کوئی ساماں میرا

پرانے ہوگئے انداز ظلم کرنے کے / نیا نکال کوئی ڈھنگ اب ستانے کا

ہے مقابل آج اُنکے آئینہ فولاد کا / ہو رہا ہے سامنا جلاد سے جلاد کا

رنج اور رنج بھی جدائی کا / اب تو ملنا ہے بے حیائی کا

حسرتِ دید کو دل بھر کے نکلنے نہ دیا / جلوۂ طور نے موسیٰ کو سنبھلنے نہ دیا

بنا ہے زلف کی تصویر سہرا / کسے پہنائے گا زنجیر سہرا

تھی بھری ہوئی طبیعت یہ بہانہ مل گیا بس / نہ وہ اس قدر ستاتے نہ میں اشکبار ہوتا

کیا عجب گر تم کو دے ڈالے مجھے روزِ جزا / پوچھ لو احوال موسیٰ سے خدائی داد کا

جس کا جی چاہے پئے ہم کیوں پلائیں آپ سے / اُسنے میرے سامنے یہ کہہ کے ساغر رکھدیا

کہا میں نے دکھا کر آئینہ میں اس پہ مرتا ہوں / تو کہا اُسنے کہ دعوے تھا اسی منہ پہ محبت کا

اک اُمید پر یہ صورت کوئی وعدہ گر وہ کرتا / تری حسرتوں کا اے دل نہ کوئی شمار ہوتا

ایسی باتوں کے نتیجے بھی کہیں نکلے ہیں / دیکھو ابھی نہیں یہ روز کی "کل کل" کرنا

گو انکی تو عادت ہے دل لیکے دغا کرنا / ہم اپنی طبیعت سے مجبور ہیں کیا کرنا

ہاتھ اپنے کلیجہ پر دیکھو تو ذرا رکھکر / آسان نہیں پہلو سے کچھ دل کا جدا کرنا

دل تیری جدائی سے رہتا ہے تپاں ہر دم / یہ گوش گذار اُسکے اے بادِ صبا کرنا

دم مارنا مشکل ہے اے راہروِ الفت / یہ عشق کا کوچہ ہے اُف تک نہ ذرا کرنا

چاہا تمہیں گر دل نے کیا اسمیں قصور اسکا / "منہ دیکھی" نہ تم کہنا انصاف ذرا کرنا

کچھ اپنے پرائے کی تمیز نہ ہو جس کو / بے سود ہے پھر اُس سے اظہارِ وفا کرنا

بیداد کے ہوتے ہو تم دادطلب مجھسے / اس ظلم کی کچھ حد ہے انصاف ذرا کرنا

جبتک کہ رہے آپے میں ہم تنگ رہے بھولنے کو / جب آپے کو بھول گئے اپنے تب آپکو آپ ہی میں پایا

لن ترانی کی کھلی تم پہ حقیقت موسےٰ / جلوۂ حسن رخِ یار کو دیکھا نہ گیا

نوکِ مژہ کا ورد رگِ جاں میں رہ گیا
یا دل اُلجھ کے تیر کے پیکاں میں رہ گیا

لطف پینے کا ہے جب ای دلِ بیتاب شراب
چڑھ کے سینہ پہ پلا دے کوئی نایاب شراب

دیکھکر چشمِ فسوں ساز کی گردش ساقی
ہو گئی دیکھتے ہی سینہ میں بیتاب شراب

زہر کے گھونٹ ہوا کرتے ہیں ہمراہ عدو
کیوں پلاتے ہیں مجھے وہ شبِ مہتاب شراب

دیر میں آتے ہیں کعبہ کو مسلماں چھوڑکر
سب ہوئے جاتے ہیں کافر دین و ایماں چھوڑکر

ہائے چھپتا ہوں بعدِ مرگ کیونکر جی اٹھوں
یوں نکل جائے کوئی گورِ غریباں چھوڑکر

دردِ دل میرا کہ اُن کی زلف ہو
ہے گھٹا اک چاند سے رخسار پر

اللہ رے خوشی تیری کبوتر تہِ خنجر
غنچے کی طرح کھل گیا ہر زخمِ خنجر

آئینۂ رخسار میں ابرو کا پڑا عکس
آیا نظر اک اور بھی خنجر تہِ خنجر

مری تصویر بنوا لی ہے اُسنے سنگِ مرمر پر
میں ہوں تصویر پتھر کی کہ ہے تصویر پتھر پر

رہا نہ آپے میں اپنے کوئی بیان ہو کیا آب و تابِ عارض
بنا دیا اُسنے محو سب کو اٹھا دیا جب حجابِ عارض

پڑی نگہ جس کی پھر نہ اُٹھی رہی وہ بنکر نقابِ عارض
ہمارے ہی واسطے ہماری بنی ہیں نظریں حجابِ عارض

گلی میں اُسکی ہزاروں عاشق اسی غرض سے پڑے ہوئے ہیں
کہ اک جھلک دیکھ پائیں اُسکی کھلے جو بندِ نقابِ عارض

جہاں میں اک حشر ہوگا برپا کھلے جو بندِ نقابِ عارض
یہ شور ہوگا قیامت آئی عیاں ہوا آفتابِ عارض

نہ دیکھنا دل کے آئینہ میں کبھی اٹھا کر نقابِ عارض
گری بجلی کی طرح دل پر تجلیِ آفتابِ عارض

کہاں وہ جائینگے ہم سے بچکر نہ اتنا ای دل ہو تو مکدر
اُٹھیگا اک حسن حیا کا پردہ کھلینگے بندِ نقابِ عارض

کیا مستِ چشمِ ناز ہوں اللہ ری بیخودی
ساغر کو دیکھتا ہوں میں مدت سے خواب میں

کیا کیا مزے اٹھاتے ہیں ہم انکو چھیڑ کر
کھل جاتے ہیں خدا کی قسم وہ عتاب میں

حیران ہوں لکھدیا انہیں کیا اضطراب میں
پرزے اڑا کے بھیجے ہیں خط کے جواب میں

کرتا ہوں انکا جب میں تصورِ شبِ فراق
وہ چونک چونک اٹھتے ہیں راتوں کو خواب میں

ہر اک یہ سمجھتا ہے ادھر دیکھ رہے ہیں
اے بندہ نواز آپ کدھر دیکھ رہے ہیں

رہ گئے سارے ترے تیر کے پیکاں دل میں
ولولے اٹھتے ہیں کیا کیا شبِ ہجراں دل میں
ہوں شکلِ درد سر سے قدم تک بنا ہوا
تمہاری بات کا کیونکر یقیں ہو
حیرت سے دیکھتا ہوں اس قوتِ نظر کو
ہوتی نہیں دعا بھی مقبول اب ہماری
اللہ رے ڈھٹائی دل لینے پر اڑے ہیں
ستم سے پاسباں کے۔ دردِ دل کی بیقراری سے
تماشہ دیکھنا منظور ہے گر اپنے بسمل کا
کہیں رکتا ہی نہیں عمرِ رواں کا تلوا
کیوں چھوڑا اسکو دل بھی ہے حاضر جگر کیا تھا
کوستا اُنکا مرے حق میں دعا ہوتا ہے
زلفِ جاناں سے الجھنا نہیں اچھا اے دل
کچھ نہ پوچھو مجھے کس درجہ خوشی ہوتی ہے
ہلال بنکے بنا بدر بدر سے خورشید
مجھے دیکھا تو بولے پاسباں سے
خواب میں آتے ہی اُنکے مری آنکھیں کھل گئیں
کچھ اس انداز سے جلوہ نمائی ہوتی جاتی ہے
اُس نے جب قتل پر اٹھائی تیغ
ساری محفل کو چکا چوند سی آجاتی ہے
عالمِ فکر میں لیستا ہے بلائیں کوئی

ڈر ہے یہ بھی کہیں بن جائیں نہ ارمان دل میں
بگڑے بیٹھے ہیں ترے وصل کے ارماں دل میں
کیا پوچھتے ہو درد کہاں ہے کہاں نہیں
تمہارا دل کہیں ہے تم کہیں ہو
ہوتے ہی چار آنکھیں ٹکڑے کیا جگر کو
کیا ہوگیا دعا کو کیا ہوگیا اثر کو
دروٹے پر کھڑے ہیں روکا ہے رہ گذر کو
کراہا اُس گلی میں رات بھر آہستہ آہستہ
چلے تھم تھم کے خنجر حلق پر آہستہ آہستہ
پھرتی رہتی ہے سدا گردشِ ایام کیا کیا
تیغِ ادا کا وار ہے تو تیرِ نظر کے ساتھ
اس برائی کا نتیجہ تو بھلا ہوتا ہے
کہ برے کام کا انجام برا ہوتا ہے
جب کوئی زخمِ دل زار ہرا ہوتا ہے
یہ چھوٹیوں ہی برس میں کمال کیا ہے
یہ صاحب آئے ہیں پوچھو کہاں سے
قسمتِ خوابیدہ پھر بیدار ہو کر رہ گئی
کہ اُس بت کی طرف ساری خدائی ہوتی جاتی ہے
ہاتھ باندھے ہوئے قضا آئی
کام کر جاتی ہے بجلی کا چمک سہرے کی
صاف آتی ہے کلیوں کی چٹک سہرے کی

آنکھ بھر بھر کے تجھپہ پڑتی ہے	چشمِ بد دور کیا جوانی ہے

شباب

شباب ۔ منشی محمد یوسف صاحب وارثی۔ باشندۂ دہلی حویلی میر افضل شاگرد مولوی نذیر حسین صاحب فتنہ ۔ خوش فکر نوجوان ہیں طبیعت میں روانی ہے۔ ابتدائے عمر سے شاعری کا شوق ہے۔ زبان شستہ اور خیالات پاکیزہ ہیں ۔ انکے کلام کا انتخاب نذر ناظرین ہے ؎

پوچھا جو اُن سے کیا ہوا بچپن کا التفات
کہنے لگے اجی وہ زمانہ بدل گیا
جب اُس نے آکے بام پہ رُخ سے ہٹائی زلف
ثابت ہوا کہ چاند گہن سے نکل گیا
دلِ مایوس مدفن ہے ہزاروں رنج و ارماں کا
گماں ہوتا ہے سینے میں مجھے گورِ غریباں کا
مثالِ مہر داغِ دل شبِ ہجراں میں روشن ہے
ہلالِ شامِ فرقت چاک ہے میرے گریباں کا
شباب اپنی جوانی کے بھی دن کیسے گذرتے ہیں
یہاں پہنچے وہاں پہنچے لئے تاکا کسے جھانکا
لگا دیگی زلیخا نقدِ جاں تک
بڑھیگی قیمتِ یوسف کہاں تک

شبنم

شبنم ۔ منشی محمد امتیاز احمد خاں صاحب راز کے کسی شاگرد کا تخلص ہے طبیعت کا رنگ مندرجہ اشعار سے ہویدا ہے ؎

وصل میں چین نہ تجھکو دلِ مضطر آیا
ہاتھ کس کام سے سینے کے برابر آیا
کششِ عشق نہیں یہ تو پھر اچھا کیا ہی
ہو کے مضطر وہ مری قبر پر اکثر آیا
میرے قاتل نے کئی آج جگر کے ٹکڑے
شکر صد شکر کہ ارمانِ دلی بر آیا
تو نے کیا کیا نہ ستم مجھ پہ کئے اے ظالم
کبھی شکوہ بھی ترا میری زباں پر آیا
آپکی یاد کے صدقے کہ بہت یاد آئی
آپ کے دھیان کے قربان کہ اکثر آیا
دیکھکر یار کو شبنم سے کہا دشمن نے
آپ چل دیجے وہ مہرِ منور آیا

شبلی

شبلی ۔ فخر المتقدمین شرف المتاخرین مبصر و محقق و مورخ نثار باکمال ناظم بے مثال شمس العلماء تاج الفضلا حضرت مولانا شبلی نعمانی اعظم گڈھی ۔ سر سید احمد خاں کی نظرِ انتخاب اُن پر پڑی اور انہوں نے انہیں مدرستہ العلوم علیگڈھ میں فارسی زبان کا پروفیسر مقرر کیا۔ آپ اس زمانے کے بڑے مشہور

معروف عالم تھے تبحر علمی آپکا ضرب المثل ہے۔ فن تاریخ میں آپکو ید طولیٰ حاصل تھا فلسفہ اور الٰہیات پر بھی بڑی وسیع نظر تھی۔ انشا پردازی میں دستگاہ کامل حاصل تھی بہت سی معرکۃ الآرا کتابیں آپکی شایع ہوکر مقبول اہل علم ہو چکی ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور تصنیفات آپکی یہ ہیں۔

الفاروق۔ المامون۔ الغزالی۔ سیرۃ النبی۔ سفرنامہ یورپ علاوہ انکے اور بھی بہت سی ضخیم کتابیں تصنیف و تالیف فرمائی ہیں۔ شعر العجم کا ایک تذکرہ بھی چار جلدوں میں تالیف فرمایا ہے علیگڑہ سے استعفیٰ دیکر آپ ندوۃ العلماء کے ناظم مقرر ہوئے اور اسکی ترقی میں نمایاں حصہ لیا اسلامی مشاغل میں آپکو زیادہ انہماک تھا اور اپنی قوم کی بہبودی رات دن مدنظر تھی بقیہ زمانہ سے بیخبری تھی۔ علیگڑھ کالج کا نصاب تعلیم بھی درست کیا ان جملہ خدمتوں اور سیرۃ النبی کی تالیف کے صلے میں سرکار نظام اور بھوپال سے آپکا تین سو روپیہ وظیفہ مقرر تھا۔ آپکی خطوط نویسی کا خداداد ملکہ۔ انداز اور اسکی روانی مکاتیب شبلی کے ملاحظہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اسمیں سے ایک خط نقل کرتا ہوں جس سے حضرت مولانا مرحوم کی انشا پردازی کی مہارت ظاہر ہے۔ مندرجہ ذیل خط آپنے مولوی محمد سمیع صاحب کو اپنے منجھلے بھائی مہدی کی وفات پر تحریر فرمایا تھا جس کے ایک ایک جملہ سے آپکے دردِ دل اور سچی محبت کا اظہار ہوتا ہے اور بے ساختگی اور بے تکلفی کا لطف ملاحظہ فرمایئے۔

لو بھائی ہم میں کا ایک عنصر کم ہوگیا۔ عزیزی مہدی نے جان دی اور کس حالت کے ساتھ کہ کلیجے کے ٹکڑے اڑ گئے ہیں بدبخت پاس تھا اور اس لئے جتنے تیر پھینکے سب میری ہی جگر پر لگے۔ ہائے اسکی جوانا مرگی! ہائے کیا معلوم تھا کہ وہ اسقدر جلد دنیا جائیگا ورنہ مجھ پر لعنت اگر میں اس سے ناراض رہتا۔

ہائے سب برائیوں پر وہ سب سے اچھا تھا، آج چوتھا دن ہے لیکن خدا کی قسم اسوقت تک دل نہیں ٹھہرتا۔ سو بار رو چکا ہوں اور دل نہیں ٹھہرتا۔ اسکی ایک محبوب یادگار ہے جس کو وہ بٹن کہتا تھا یعنی شاقیہ[1]، اس سے بار بار لپٹ کر رو دیا ہوں لیکن کچھ بھی تو تسلی نہیں ہوتی، اسکو تسلی دینا چاہتا ہوں لیکن خود بیقرار ہو جاتا ہوں، ایک اور اسکے

لہ مہدی [illegible]

نام سے وابستہ بدقسمت ہی جو پہلے چھوٹی بھاوج تھی لیکن اب پیاری بہن ہے۔

تم لوگ غرے سے باہر ہو۔ ہاں آفت زدوں کو سنبھالنا میرے سر چھوڑا ہے

ہائے مہدی، وائے مہدی۔ بدبخت ازلی شبلی نعمانی ۲ جولائی ۱۸۹۷ء اعظم گڈھ

آپکی وفات ۱۹۱۹ء میں ہوئی ساٹھ سال سے زاید عمر پائی۔ فن شاعری میں بھی آپکو کمال حاصل تھا مگر غزلیات فارسی اردو کا ذخیرہ زیادہ نہیں۔ قومی۔ تاریخی اور ملکی نظمیں زیادہ پائی جاتی ہیں اور فی الحقیقت یہ رنگ مقبول ہوا۔ واقعات نویسی میں جو کمال اور سحر بیانی آپکو حاصل تھا اسکی مثال پیش کرنی آسان نہیں۔ آپکی مختلف نظموں کا مجموعہ کلام شبلی کے نام سے شایع ہو چکا ہے آخر عمر میں ٹانگ میں گولی لگ جانے سے اپاہج ہو گئے تھے اور اپنے وطن اعظم گڈھ میں دارالمصنفین نامی ایک ادبی انجمن قایم کر کے مختلف ریاستوں سے اُسکے اخراجات کیلئے رقوم حاصل کی تھیں۔ چنانچہ آج تک وہ سلسلہ جاری ہے۔ کلام شبلی کا انتخاب نذر ناظرین کرتا ہوں ؎

پوچھتے کیا ہو جو حال شب تنہائی تھا
رخصت صبر تھی یا ترک شکیبائی تھا

شب فرقت میں دل غمزدہ بھی پاس نہ تھا
وہ بھی کیا رات تھی کیا عالم تنہائی تھا

میں تھا یا دیدۂ خونبانہ فشاں تھی شب ہجر
اُنکو واں مشغلۂ انجمن آرائی تھا

پارہ ہائے دل خونیں کی طلب تھی پیہم
شب جو آنکھوں کو مری ذوق جبہ آرائی تھا

رحم تو ایک طرف پایہ شناسی دیکھو
قیس کو کہتے ہیں مجنون تھا صحرائی تھا

خون رو رو دئے دو ہی قدم میں چھالے
یاں وہی حوصلۂ بادیہ پیمائی تھا

کون اس راہ سے گذرا ہے کہ ہر نقش قدم
چشم عاشق کی طرح اسکا تماشائی تھا

خوب وقت آئے نکیرین جزا دیگا خدا
لحد تیرہ میں کیا عالم تنہائی تھا

ہم نے بھی حضرت شبلی کی زیارت کی تھی
یوں تو ظاہر میں مقدس تھا پہ شیدائی تھا

تیس دن کے لئے ترک مے و ساقی کر لوں
واعظ سادہ کو روزوں میں تو راضی کر لوں

پھینک دینے کی کوئی چیز نہیں فضل و کمال
ورنہ حاسد تری خاطر سے میں یہ بھی کر لوں

اے نکیرین قیامت ہی پہ رکھو پرسش
میں ذرا غمِ گذشتہ کی تلافی کر لوں

کچھ تو ہو چارۂ غم بات تو یکسو ہو جائے
تم خفا ہو تو اجل ہی کو میں راضی کر لوں

اور پھر کس کو پسند آئے گا ویرانۂ دل
غم سے مانا بھی کہ اس گھر کو میں خالی کر لوں

دل ہی ملتا نہیں سفلوں سے وگرنہ شبلی
خوب گذرے فلکِ دوں سے جو یاری کر لوں

یار کو رغبتِ اغیار نہ ہونے پائے
گلِ تر کو ہوسِ خار نہ ہونے پائے

اسمیں در پردہ سمجھتے ہیں وہ اپنا ہی گلہ
شکوۂ چرخ بھی زنہار نہ ہونے پائے

فتنۂ حشر جو آنا تو دبے پاؤں ذرا
بختِ خفتہ مرا بیدار نہ ہونے پائے

ہائے دل کھول کے کچھ کہہ نسکی سوز دروں
آبلے ہم سخنِ خار نہ ہونے پائے

باغ کی سیر کو جاتے تو ہو پر یاد رہے
سبزہ بیگانہ سے دوچار نہ ہونے پائے

جمع کر لیجئے غمزوں کو مگر خوبیِ بزم
بس وہیں تک ہو کہ بازار نہ ہونے پائے

آپ جاتے تو ہیں اس بزم میں لیکن شبلی
حالِ دل دیکھئے اظہار نہ ہونے پائے

ایک جاں نثار بی بی

کافروں نے یہ کیا جنگِ احد میں مشہور
کہ پیمبر بھی ہوئے کشتۂ شمشیرِ دودم

ہو کے مشہور مدینہ میں جو پہونچی یہ خبر
ہر گلی کوچہ تھا ماتم کدۂ حسرت و غم

ہو کے بیتاب گھروں سے نکل آئے باہر
کودک و پیر و جوان و خدم و خیل و حشم

وہ بھی نکلیں کہ جو تھیں پردہ نشینانِ عفاف
جس میں تھیں سیدۂ پاک بھی با دیدۂ نم

ایک خاتون کہ انصار نکونام سے تھیں
سخت مضطر تھیں نہ تھے ہوش و حواس انکے بہم

موقعۂ جنگ پہ پہنچیں تو یہ لوگوں نے کہا
کیا کہیں تجھ سے کہ کہتے ہوئے شرماتے ہیں ہم

تیرے بھائی نے لڑائی میں شہادت پائی
تیرے والد بھی ہوئے کشتۂ شمشیرِ ستم

سب سے بڑھکر یہ کہ شوہر بھی ہوا تیرا شہید
گھر کا گھر صاف ہوا لوٹ گیا کوہِ ستم

اس عفیفہ نے یہ سب سن کے کہا تو یہ کہا
یہ تو بتلاؤ کہ کیسے ہیں شہنشاہِ امم

سب نے دی اسکو بشارت کہ سلامت ہیں حضور
گرچہ زخمی ہیں سر و سینہ و پہلو و شکم

بڑھ کے اُس نے رُخِ روشن کو جو دیکھا تو کہا
تو سلامت ہے تو پھر ہیچ ہے سب رنج و الم

میں بھی، اور باپ بھی، شوہر بھی، برادر بھی فدا
اے شہِ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

جزائے احسان

مدتوں حضرتِ عباس بھی تھے شاملِ کفر
کم سے کم یہ کہ رسالت پہ نہ تھا اُن کو یقیں

"بدر" میں آکے لڑے اور گرفتار ہوئے
بس کہ تقدیر میں تھی خانۂ زنداں کی زمیں

قیدیوں کے لئے جو گھر کہ ہوا تھا تیار
اتفاقات سے تھا خانۂ مسجد کے قریں

رات کو حضرتِ عباس کراہے اکثر
قید کرتے ہوئے لوگوں نے جو مشکیں تھیں کسیں

دیر تک سرورِ عالم کو رہی بے خوابی
کروٹیں لیتے تھے اور نیند نہ آتی تھی قریں

وجہ پوچھی جو صحابہؓ نے تو یہ فرمایا
آتی ہے کان میں عباس کی آوازِ حزیں

جب سُنا یہ تو وہیں کھول دیئے ہاتھ اُنکے
چین سے حضرتِ عباس نے راتیں کاٹیں

تھا انہیں حضرتِ عباس کا پوتا منصور
جو کہ ایوانِ خلافت میں ہوا تخت نشیں

ایک دن حکم دیا اس نے کہ اولادِ رسول
ایک جا جمع کئے جائیں جہاں مل جائیں کہیں

پھر دیا حکم کہ ان سب کو پنہا کر زنجیر
کہدو ان سے کہ نہیں خانۂ زنداں کے مکیں

ایک دن سیر کو اس شان سے نکلا منصور
پابہ زنجیر تھے سادات یسار و یمین

ساتھ ساتھ آتے تھے پیدل جگر و جانِ رسول
اور منصور تھا زیبِ حرمِ خانۂ زیں

ایک نے مجمعِ سادات میں بڑھ کر یہ کہا
گرچہ اس لطف کے مشکور ہیں ہم خاک نشیں

غزوۂ بدر میں لیکن جو کیا ہم نے سلوک
وہ تو کچھ اور تھا ہی یاد بھی تم کو کہ نہیں؟

عدلِ جہانگیری

قصرِ شاہی میں کہ ممکن نہیں غیروں کا گذر
ایکدن نورجہاں بام پہ تھی جلوہ فگن

کوئی شامت زدہ رہ گیر اُدھر آ نکلا
گرچہ تھی قصر میں ہر چار طرف سے قدغن

غیرتِ حسن سے بیگم نے طمنچہ مارا
خاک پر ڈھیر تھا اک کشتۂ بے گور و کفن

ساتھ ہی شاہ جہانگیر کو پہونچی جو خبر
غیظ سے آگئے ابروئے عدالت پہ شکن

حکم بھیجا کہ کنیزانِ شبستانِ شہی
جاکے پوچھ آئیں کہ سچ یا غلط ہی سخن

نخوتِ حسن سے بیگم نے بصد ناز کہا
ہاں مجھے واقعۂ قتل سے انکار نہیں
اسکی گستاخ نگاہی نے کیا اسکو ہلاک
مفتیِ دیں سے جہانگیر نے فتویٰ پوچھا
مفتیِ دین نے بے خوف و خطر صاف کہا
لوگ دربار میں اس حکم سے تھرا اُٹھے
ترکنوں کو یہ دیا حکم کہ اندر جا کر
پھر اسی طرح اُسے کھینچ کے باہر لائیں
یہ وہی نورجہاں ہے کہ حقیقت میں یہی
اسکی پیشانیِ نازک پہ جو پڑتی تھی گرہ
اب نہ وہ نورجہاں ہے نہ وہ انداز غرور
ایک مجرم ہے کہ جس کا کوئی حامی نہ شفیع
خدمتِ شاہ میں بیگم نے یہ بھیجا پیغام
مفتیِ شرع سے پھر شاہ نے فتویٰ پوچھا
وارثوں کو جو دیے لاکھ درم بیگم نے
ہم کو مقتول کا لینا نہیں منظور قصاص
ہو چکا جب کہ شہنشاہ کو پورا یہ یقیں
اُٹھکے دربار سے آہستہ چلا سوئے حرم
دفعتاً پاؤں پہ بیگم کے گرا اور یہ کہا

میری جانب سے کرو عرض بآئین حسن
مجھ سے ناموسِ حیا نے یہ کہا تھا کہ "بزن"
کشورِ حسن میں جاری ہے یہی شرع کہن
کہ شریعت میں کسی کو نہیں کچھ جائے سخن
شرع کہتی ہے کہ قاتل کی اُڑا دو گردن
پر جہانگیر کے ابرو پہ نہ بل تھا نہ شکن
پہلے بیگم کو کریں بستۂ زنجیر و رسن
اور جلاد کو دیں حکم کہ "ہاں تیغ بزن"
تھی جہانگیر کے پردہ میں شہنشاہِ زمن
جا کے بن جاتی تھی اوراقِ حکومت پہ شکن
نہ وہ غمزے ہیں، نہ وہ عربدۂ صبر شکن
ایک بیکس ہے کہ جس کا نہ کوئی گھر نہ وطن
خون بہا بھی تو شریعت میں ہے اک امر حسن
بولے جائز ہے "رضا مند ہوں گر بچۂ و زن"
سب نے دربار میں کی عرض کہ اے شاہِ زمن
قتل کا حکم جو رک جائے تو ہے مستحسن
کہ نہیں اس میں کوئی شائبۂ حیلہ و فن
تھی جہاں نورجہاں معتکفِ بیت حزن
تو اگر کشتہ شدی، آہ چہ کردم من

شبیر — شبیر۔ نازک خیال عدیم المثال تازگی بخش مذاق کہن منشی شبیر حسن صاحب ولد بشیر احمد خاں بشیر مرحوم۔ آپکا وطن ملیح آباد ہے۔ رسالدار فقیر محمد خاں گویا مرحوم آپکے اجداد میں تھے۔ پہلے آپ کا

بشیر تخلص تھا اب "جوش" ہے دورِ حاضر کے نامور شعرا میں شمار ہے علیگڑھ کالج میں آپنے بی اے تک تعلیم پاکر خانہ داری کے بار کو اپنے ذمہ لیا اور خوش اسلوبی سے جائداد کے انتظام کے ساتھ ساتھ آم اور اسکی قلموں کی تجارت کا مشغلہ بھی رکھتے ہیں۔ غزل میں واقعۂ قدرت اور مناظر فطرت کو حسن و خوبی سے ادا کرتے ہیں۔ لکھنؤ کی شاعری کا جو رنگ پلٹا ہے اسمیں دیگر شعرا کے نام کے سوا آپکا نام بھی لیا جاتا ہے۔ آپ تعلیم یافتہ اور قابل نوجوان ہیں۔ بندشوں کی خوبصورتی ترکیبوں کی صفائی۔ الفاظ کی نشست قابل داد ہے بعض اشعار مشرقی تخئیل کی نوعیت سے آزاد ہو کر مغربی استعارات کا جامہ پہن لیتے ہیں جنمیں بعض اشعار کے مضامین کی تصویریں کھینچکر ادبی دنیا کے سامنے پیش کیگئی ہیں جس طرح یورپ میں عمر خیام کے خیالات نئی نئی گلکاریوں کیساتھ آئے دن شایع ہوتے رہتے ہیں آپکو نیچرل نظمیں کہنے کا زیادہ شوق ہے غزل میں علم و حکمت معرفت کے مضامین خوب لکھتے ہیں فلسفہ کے مشکل مسائل کو سادہ طور پر بیان کرتے ہیں۔ انکے کلام کی باریکیوں پر نگاہ رکھتے ہوئے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہے کہ مغربی خیالات کی آمیزش نے اردو شاعری کو کس درجہ پر پہونچا دیا ہے اور آئندہ شعرا کی تخئیل کونسی راہ اختیار کریگی آپکے قدیم و جدید کلام کا مجموعہ اس دو برس میں مقبول عام ہو چکا ہے خمخانۂ جاوید کی دوسری جلد میں "جوش" تخلص والے تمام شعرا درج ہیں مگر ترتیب حصۂ ثانی کے وقت آپ شبیر تخلص کرتے تھے۔ اسلیئے ہم جیم کی ردیف میں آپکے حالات و کلام درج نہ کر سکے۔ آٹھ سات برس ہوئے دہلی آکر مؤلف تذکرہ سے بھی ملے تھے اور واپس جاکر اپنا کلام بھی بھیجا تھا اسمیں سے کچھ اور مطبوعہ دیوان میں سے اکثر منتخب ہو کر نقل ہوا۔ ناظرین تراوش طبع گہر سنج کو ملاحظہ کریں ؎

آنکھوں میں رہنے والے آنکھوں کے سامنے آ
اے رازِ دل سراپا افشائے راز ہو جا

یوں مسکرا کہ گم ہو صبحِ ازل کا جلوہ
اے حسن بے نیازی خورشید ناز ہو جا

کیفِ شگفتگی دے افسردہ خاطری کو
ہو جا ذرا ادھر بھی او عشوہ ساز ہو جا

گدازِ دل سے باطن کا تجلی زار ہو جانا
محبت اصل میں ہے روح کا بیدار ہو جانا

جب فضائے قدس میں پرچم اڑا تقدیر کا
عقل سجدہ میں گری سر جھک گیا تدبیر کا

دیدۂ گریاں میں غلطاں ہے ترا عکسِ جمال
میرا آنسو ہے کہ شیشہ ہے تری تصویر کا

ہم جن تصورات میں رہتے ہیں رات دن
کتنوں کو اس جنوں نے بیکار کر دیا

درد نے دل میں چمک کر طرفہ ساماں کر دیا
پیکر تاریک کو فانوس عرفاں کر دیا

ہم نے پھولوں کو چھوا مرجھا کے کانٹے ہو گئے
تم نے کانٹوں پر قدم رکھا گلستاں کر دیا

چاہنے والی کی آنکھوں سے حجاب آ ہی گیا
جب نگاہیں لڑ گئیں مجھ سے وہ شرما ہی گیا

سینے کو جگمگا دے لذت فروز ہو جا
اے روح مشتعل ہو لبریز سوز ہو جا

نتیجہ جن کا ہے خوش ہوتے ہی محروم ہو جانا
کہیں بہتر ہے ان لذات سے محروم ہو جانا

اب کیا ہمارے پاس ہے کیا دیں کسی کو ہم
لے دیکے ایک دل تھا وہ تم نے چرا لیا

بھلا پہلے وہ کب تھے ایسے بد خو
ہمیں تو یاد ہے بچپن کسی کا

اپنے پہلو پہ کی نظر ہم نے
جب کسی کا کسی پہ دل آیا

دیکھتے ہی انہیں وہ حال نہ تھا
مجھکو جیسے کبھی ملال نہ تھا

جلوہ گاہِ ناز کے پردہ کو جنبش ہو چلی
اور تھوڑی سی کشش اے طالب دیدار دوست

دنیا کی گردشوں کو حسرت سے دیکھتے ہیں
ہر شئے کو اہل باطن عبرت سے دیکھتے ہیں

نظر فریاد کرتی ہے نگاہیں تھرتھراتی ہیں
محبت ہے وہ افسانہ جسے آنکھیں سناتی ہیں

کہاں دل کی رسائی سرمدی جلووں کے تاروں میں
نظر الجھی ہوئی ہے حسن فانی کے نظاروں میں

جس زندگی پہ نازاں یہ صاحب ہوس ہیں
وہ کیا ہیں فی الحقیقت گنتی کے کچھ نفس ہیں

صبر کی طاقت جو کچھ دل میں ہے کھو دیتا ہوں میں
جب کوئی ہمدرد ملتا ہے تو رو دیتا ہوں میں

مجھے بیساختہ تیرا تبسم یاد آتا ہے
لب دریا شب مہتاب میں جب پھول کھلتے ہیں

مرے حواس تری شانِ حسن میں گم ہیں
کہ اک نگاہ اٹھائے ہیں سو تبسم ہیں

ٹھنڈی سانسیں ہیں گرم آہیں ہیں
جب سے ہم پر تری نگاہیں ہیں

جان لینگے فلسفہ ہر چیز کا — پہلے ہم اپنی حقیقت جان لیں
صدر ہے یہ کون بزمِ حشر میں — اک ذرا صورت تو ہم پہچان لیں

یاد آتی ہیں جب تری باتیں — ہم کلیجہ پکڑ کے روتے ہیں

ایک طوفان ہوں اک تلاطم ہوں — میں یہ کس کے خیال میں گم ہوں

دل دھڑکتا ہے اشک بہتے ہیں — ہائے ہم کس بلا میں رہتے ہیں

بات رہ جائے اس پہ مرتے ہیں — ہم جو کہتے ہیں کر گذرتے ہیں

تم نہیں "میں ہوں" میں نہیں تم ہو — صاف کہہ دوں تو اک تلاطم ہو

زمیں روز سجاتی ہی جسکو ذرّوں سے — پڑہو درود کہ پیشانیِ نیاز ہے وہ

میرے رونے کا جس میں قصہ ہی — عمر کا بہترین وہ حصہ ہے

موت سے قبل زندگی کیسی — جی رہا ہوں ابھی خوشی کیسی

ہنسکے یوں عرضِ وصل پر بولے — جو نہ پوری ہو یہ وہ حسرت ہے

مجھ وفادار سے اور ایسی خطا توبہ کر — داورِ حشر سے پھر کسکی شکایت تیری!

کچھ سوچ کے ہر ایک طلبگارِ فنا ہی — کیا راز مرے بعد زمانے پہ کھلا ہی

انجامِ عشق لوح پہ لکھو نہ دوستو — دنیا وفا کے نام سے بیزار ہو نہ جائے

سازِ عشرت کی دلفریب صدا — ہمسرِ گریۂ سحر نہ ہوئی

رات دن مسجد کے گنبد میں رہوں — حضرتِ اعظم یہ کوئی بات ہے

دور اے خیالِ وضع پھر اس در پہ جا پڑیں — آ اے سیاہ رات کہ تو پردہ پوش ہے

پھر لہر سبزہ زار کی دوڑی ہے خون میں — پھر رو رہا ہوں دامنِ صحرا لئے ہوئے
پھر بارگاہِ عشق میں پہونچا ہوں سر بکف — زخموں سے پاش پاش کلیجا لئے ہوئے

جلوۂ شامِ طرب سے ہو کے برہم روئیے — خندۂ صبحِ ظفر پر مثلِ شبنم روئیے
برق کی صورت تڑپئے لوٹئے دل کی طرح — شمع کی مانند جلئے مثلِ شبنم روئیے

روکے ہوئے ہیں گو کہ تحمل کی قوتیں
اے جوش یہ کلام میں ہوتیں نہ گرمیاں
صبر کی دنیا ہمارے ضبط سے آباد ہے
اُف یوں ہی گو زعریاں سی گذر جاؤگے کیا
جفائے زندگی کو مختصر کرنا ہی بہتر ہے
صفائی نفس کی خاطر سکونِ خواب کے بدلے
ہزاروں تجربوں کے بعد میں یہ بات کہتا ہوں
گن گن کے دل نے بیٹے ساماں مری خوشی کے
جا کے گوشہ میں کسی صحرا کے رو لیتا ہوں میں
ذوقِ کرم نہیں ہے تابِ جفا نہیں ہے
خوشی سے اجنبی ہوں جاں کا کھونا ہی آتا ہے
میری حالت تری فرقت میں سنبھل جائیگی
بڑی نمود سے دنیا میں وہ اُبھرتا ہے
ترے جمال سے میری حیات مشتق ہے
اِس اعتقاد میں پنہاں عجیب حکمت ہے
شامیانہ بن گیا ہے دل کی آہوں کا دُھواں
آ رہی ہے باغ سے مالن وہ شرماتی ہوئی
فتنۂ دوشیزگی، نازک ادا، کافرِ جمال
خوش نما گردن میں اک ہلکا سا خم پیدا کئے
بوسۂ کاکل سے جھجکتی ہر قدم پر خطر سا
پانوں رکھتی ناز سے شبنم کے قطروں کی طرح

رگ رگ تڑپ رہی ہے دلِ ناصبور کی
تم نے کبھی کسی سے محبت ضرور کی
دل حریفِ آہ ہے لب دشمنِ فریاد ہے
وہ کسی کا رد کے کچھ کہنا بھی تم کو یاد ہے
مرے نزدیک اس جینے سے تو مرنا ہی بہتر ہے
سحر کے نور میں آہوں کا سر کرنا ہی بہتر ہے
خوشی کے نام سے انساں کو ڈرنا ہی بہتر ہے
جینے کا اب مزا کیا اب کیا کروں گا جی کے
یاد آتی ہے جو لُٹنے گھر کی ویرانی مجھے
بزدل کو زندگی کا کوئی مزا نہیں ہے
مجھے لو دیکھے کچھ آتا ہے تو رونا ہی آتا ہے
کیا یہ دنیا ہے کہ دو دن میں بدل جائیگی
جو کارخانۂ قدرت میں فکر کرتا ہے
مراد جو مرے واسطے انا حق ہے
کشادہ روئی سے ملنا بھی اک عبادت ہے
اک اُداسی ہے ہماری قبر پر چھائی ہوئی
مسکرانے میں لبوں کے پھول برساتی ہوئی
سینکڑوں رفتار کے ہنگام بل کھاتی ہوئی
دونوں ہاتھوں سے گھنی زلفوں کو سلجھاتی ہوئی
نقشِ پا سے ہر روش پر رنگ دوڑاتی ہوئی
سبزۂ خوابیدۂ گلشن کو چونکاتی ہوئی

ہار گردن میں لپیٹے مانگ پھولوں سے بھری
بال بکھرائے جبیں سے رنگ برساتی ہوئی

بار بار آنکھیں اٹھاتی سانس لیتی تیز تیز
باغ کی ٹھنڈی ہوا سے دل کو گرماتی ہوئی

پیار سے رنگین غنچوں پر نگاہیں ڈالتی
رنگ سا اک مدبھری آنکھوں سے چھلکاتی ہوئی

نصف آنکھیں بند کر کے سونگھتی پھولوں کے ہار
رس جوانی کا سیہ پلکوں سے ٹپکاتی ہوئی

کاکلوں سے دیکھنے والوں کی نظریں بیں ہیں
تازہ ارمانوں کی کلیاں دل میں چٹکاتی ہوئی

درد پیدا کر رہی ہے نغمۂ رفتار میں
دل فسردہ پتیاں زیرِ قدم گاتی ہوئی

پھول بر ہوتی ہیں یا افشاں کبھی رخسار پر
جھٹ پٹے میں تتلیاں شاخوں پہ تھراتی ہوئی

ہائے کیا گوری کلائی میں ہے کنگن دلفریب
ہائے کیا سینہ کی ہیکل ہے غضب ڈھاتی ہوئی

کاش پوچھے کوئی اس کافر ادا مالن کا نام
آرہی ہے جوش کے دل کو جو تڑپاتی ہوئی

کیا روحِ فزا جلوۂ رخسارِ سحر ہے
کشمیرِ دل زار ہے فردوسِ نظر ہے

ہر پھول کا چہرہ عرقِ حسن سے تر ہے
ہر چیز میں اک بات ہے ہر شے میں اثر ہے

ہر سمت بھڑکتا ہے رخِ حور کا شعلہ
ہر ذرۂ ناچیز میں ہے طور کا شعلہ

لرزش وہ ستاروں کی وہ ذروں کا تبسم
چشموں کا وہ بہنا کہ فدا جس پہ ترنم

گردوں پہ سپیدی و سیاہی کا تصادم
طوفان وہ جلووں کا وہ نغموں کا تلاطم

اڑتے ہوئے گیسو وہ نسیم سحری کے
شانوں پہ پریشاں ہیں یا بال پری کے

وہ پھیلنا خوشبو کا وہ کلیوں کا چٹکنا
وہ چاندنی مدھم وہ سمندر کا جھلکنا

وہ چھاؤں میں تاروں کے گلِ تر کا مہکنا
وہ جھومنا سبزی کا وہ کھیتوں کا لہکنا

شاخوں سے ملی جاتی ہیں شاخیں وہ اثر ہے
کہتی ہے نسیم سحری عید سحر ہے

جہاں زمیں پہ رگڑ کا نشاں ہویدا ہے
نشاں ہلال نما راہ کا بتاتے ہیں
غبارِ راہ نشاں ہے کسی تگ و دو کا
تپک کے جھاڑیوں سے خوں یہ بہتا آ ہے
صنم تراشش نہ ہو تو صنم نہیں بنتا
یوں ہی یہ گرد سرِ راہ خوش نما تا رہے

دلیل اسکی ہے سانپ اسطرف سے گذرا ہے
کہ تھوڑی دور یہ آگے سوار جاتے ہیں
یقیں ہوتا ہے نقشِ قدم سے رہرو کا
کہ زخم کھا کے ادہر سے شکار بھاگا ہے
قدم نہ ہو تو نشانِ قدم نہیں بنتا
رواں ہیں جنکی جبینوں سے حسن کے دھارے

زمیں کا نور ہیں اور آسماں کی زینت ہیں
کس کی شوخیٔ رفتار کی علامت ہیں!!!

جھٹ پٹا وقت ہے لبِ دریا
روشنی روح کو لبھاتی ہے
موجیں تھم تھم کے ہو رہی ہیں رواں
حسن کی روح سے نمودِ چراغ
چرخ پر ہے شفق کی گل کاری

ایک مندر میں جل رہا ہے دیا
بس کے لہروں میں مسکراتی ہے
قطرہ قطرہ ہے مشعلِ ایماں
کاکلِ پر شکن ہے دودِ چراغ
ہر طرف اک سکوت ہے طاری

شبیر

شبیر۔ عالیجناب صاحبزادہ محمد شبیر علیخاں صاحب بہادر عرف ننھے صاحب تلمیذ حضرت داغ دہلوی۔ نواب کلب علیخاں مرحوم والیٔ رامپور کے چھوٹے صاحبزادہ ہیں ۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۲ء تک دہلی میں مقیم رہے اور دورانِ قیام میں جنابِ بیخود سے مشورۂ سخن فرماتے رہے۔ اکثر اپنے مکان پر بھی بزم مشاعرہ منعقد کرتے تھے۔ اب کئی برس سے پھر رامپور جا رہے ہیں اور سرکار نواب صاحب سے ڈھائی سو روپیہ وظیفہ کے علاوہ مجسٹریٹی کا عہدہ بھی ملگیا ہے بہت شریف طینت اور منکسر مزاج رئیس زادہ ہیں۔ راقم تذکرہ سے برابر خط کتابت رہتی ہے۔ شاعری کا ذوق ابتدائے عمر سے ہے اب کہتے کہتے طبیعت بہت رسا ہو گئی ہے۔ زبان میں شستگی اور شگفتگی ہے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو ؎

تم یہ کہتے ہو کہ ہم جا کے پشیماں ہوئے
ہم یہ کہتے ہیں کہ گھر غیر کے جا ہی نہ تھا

کیوں ستم بھولے ہوئے یاد دلائے اسکو
ایسے سوتے ہوئے فتنہ کو جگانا ہی نہ تھا

تونے خود کی ہی قیامت پہ قیامت برپا
شور محشر تجھے سوتوں کو جگانا ہی نہ تھا

تیغ کے پھل کا نہیں کوئی خریدار مگر
نقد جان دیکھے ہیں لینگے یہ سودا قاتل

جب تو نہیں ہے پاس تو کیسا خیال وصل
ہم سے خفا ہے تو تو تری آرزو سے ہم

وہ آرزو ہی مٹ گئی انکار سے ترے
کوچے میں تیرے آئی تھی جب آرزو سی ہم

پوچھتے ہو کیا کہ جاتے ہو کہاں
جس جگہ لیجائے وحشت کیا کہوں

جفائے تازہ کیا ایجاد ہوگی
نئی تکلیفیں ہیں پھر جسم کہن میں

رہے سب منتظر انکے مگر وہ
نہ آنا تھا نہ آئے انجمن میں

نہیں ہیں باغبان گلشن میں کلیاں
قفس میں بلبلیں دل ہیں چمن میں

نہ پوچھو حال سوز ہجر شبیر
لگی ہے آگ سارے تن بدن میں

ہمیں کیا گر ہمارا ذکر ہو سارے زمانہ میں
کبھی تیری زباں پر نام اپنا ہو تو ہم جانیں

ہماری طرح اک دن بیوفائی غیر سے کرلو
محبت کا اگر پھر اسکو دعوی ہو تو ہم جانیں

کہا جب میں نے فرقت میں نکل جائیگا دم میرا
تو وہ بولے کسی کو مرتے دیکھا ہو تو ہم جانیں

کسی سے تم نے اے شبیر پھل الفت کا پایا ہے
کہ تم تو سب کے ہو کوئی تمہارا ہو تو ہم جانیں

ستم کے بعد جو قول و قرار ہوتے ہیں
یہ تیر اور کلیجہ کے پار ہوتے ہیں

نگاہ پڑتی نہیں ہے کبھی بھلائی پر
برائی دیکھنے والے ہزار ہوتے ہیں

سرخ کچھ قطرے سے نکلے اشک افشانی کیا تھ
خون پانی ہوکے کیا بہنے لگا پانی کیا تھ

اب بھی ناخوش ہوکے وہ جائیں تو اسکا کیا علاج
دل تک آ گئے رکھدیا سامان مہمانی کے ساتھ

فلک کے نیچے بنانے کو گھر زمیں نہ ملی
وہ بدنصیب ہوں راحت مجھے کہیں نہ ملی

مزا ہی کیا ہے تڑپنے کا اے دل مضطر
کہ جب زمیں سے فلک چرخ سی زمیں نہ ملی

جگر کے چھالوں کو دیدۂ تر ہمارا تو رکھنا برس برس کے
کہیں نہ بن جائیں داغ کالے یہ سوز غم سے پھپھولے جلکے

ہمارے دل میں بھی حسرتیں تھیں ہمیں بھی حاصل مسرتیں تھیں
وہ مست جھکیں اب جو عادتیں تھیں تمھیں تذکرے ہیں کبھی کبھی کے

نہ اب ہے ساقی نہ اب ہے ساغر وہ دن گئے عیش تھا میسر
ہمیں رُلایا ہے خون شب بھر گھٹا نے رشک کو برس برس کے

ستائیں غمخواریوں کی آہیں کھائیں کیا یاس کی نگاہیں
عبث بھریں ہم نے سرد آہیں کہ اُڑ گئے ہوش ہم نفس کے

کبھی چمن کے تھے رہنے والے کبھی تھے آزاد رنج و غم سے
نہ پوچھ صیاد وہ فسانے کہ اب تو قیدی ہیں ہم قفس کے

نگاہ شبیر سی جو پھیری تو تو نے ساقی پلائی کیوں تھی
یہ بے رخی ایسی بیوفائی نہ پھر چکھائی لگا کے چسکے

غبار قیس اُڑ کر نجد میں لیلےٰ کے ڈھونڈھنے میں
ہر اک ناقہ سے ملتا ہی ہر اک محمل سے ملتا ہی

سیاہ کاروں کو راہِ جناں بتا یارب
یہ حکم ہو کہ چراغ آفتاب لیکے چلے

تو برس کر ٹھہر جاتا ہے یہ تھمتی ہی نہیں
ابر تیری کیا حقیقت چشم تر کے سامنے

توبہ کی تھی شراب سے لیکن
دی جو اُس شوخ نے پیے ہی بنی

وضعداری نے کر دیا مجبور
بیوفا سے وفا کئے ہی بنی

وصل کی شب نہ بس چلا اُن کا
جو کہا میں نے وہ کئے ہی بنی

شبیر

شبیر۔ شبیر احمد صاحب تلمیذ حضرت عزیز لکھنوی۔ خوش فکر ذکی الطبع شاعر ہیں۔ نتیجۂ فکر یہ ہے۔

ہو گیا ہوں اسقدر محوِ جمالِ روئے دوست
مجھکو اپنے پیرہن سے آرہی ہے بوئے دوست

حوصلہ خنجر کا شوق اپنا۔ مرا ارمان نکال
اے مرے مشکل کشا اے قوت بازوئے دوست

شکلوں پر رو دیئے اُس غمزدہ مایوس کے
چھوڑ دے جو ایک آہ سرد بھر کر سوئے دوست

آکے دشمن نے خطائیں بخشوائیں اُف رے جذب
ایسی مایوسی سے میں نے آج دیکھا سوئے دوست

شجاع

شجاع۔ شاہ شجاع الملک والئی کابل۔ احمد شاہ دُرانی کے تیسرے بیٹے تھے۔ اپنے برادر اکبر شاہ زمان کے انتقال کے بعد اُنکے جانشین شاہ محمود کو قید کر کے خود مسند نشین تخت کابل ہوئے مگر انتظام حکومت کا مادہ نہ ہونیکی وجہ سے سرداروں نے شور و شر قایم رکھا اور تمام ملک میں بدنظمی پھیل گئی اور سرداران افاغنہ کے ہاتھوں ایسے دق اور مجبور ہوئے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں پہلے کشمیر آکر رہے اور پھر لاہور کی سکونت اختیار کی۔ اسی زمانہ میں کوہ نور ہیرا اور دیگر بیش بہا جواہرات مہاراجہ

موصوف کی نذر کئے انہوں نے مبارک حویلی رہنے کو عنایت کی اور ایک لاکھ سالانہ کا وظیفہ مقرر کر دیا تعظیم و تکریم مساوات عمل میں آئی کئی سال بعد انگریزوں سے استداد کی امید پر انگریزی علاقہ لدھیانہ میں چلے آئے۔ اور چونکہ سرکار کو انکی حمایت منظور تھی اسلئے افواج انگریزی کی ہمراہی میں درہ بولان سے قندھار، غزنی۔ کابل فتح کرکے پھر تخت حکومت پر فائز ہوئے مگر سردار اکبر خاں نے چند ہی ماہ بعد ایسی سرکشی اختیار کی کہ بالاحصار میں انہیں قتل کر ڈالا اور انکے خاندان کو دوبارہ جلاوطن ہونا پڑا۔ ہندوستان کے قیام کے زمانہ میں ہندی شاعری کا بھی چسکا پڑ گیا تھا چنانچہ انکے کلام میں سے چند اشعار منتخب ہو کر درج تذکرہ کئے جاتے ہیں ؎

اے کہ مستانۂ نابی مجھے معلوم تھا	تیری آنکھیں ہیں گلابی مجھے معلوم نہ تھا
ناخنے بر دل من میزنی و میدانم	مائل چنگ و ربابی مجھے معلوم نہ تھا
خواستم بوسہ ز لعل تو گزیدی لب خویش	باز در خشم و عتابی مجھے معلوم نہ تھا
شد شجاع از پس اندوہ غم عشق تپاں	وا نما دیدہ پر آبی مجھے معلوم نہ تھا

شجاعت

شجاعت - شیخ بہادر علی شجاعت شاگرد ناسخ۔ اپنے اُستاد کے رنگ میں شعر کہتے تھے تشبیہات و استعارات کو کام میں زیادہ لاتے تھے ؎

تجلی رخ تاباں پہ میں نے دی ہے جان	لگاؤ طور کے پتھر کا قبر پر تعویذ
یہ جس پہ کھودا ہے فرہاد شکل شیریں کو	بنے گا سنگ وہی تری قبر پر تعویذ
اک ایک پھول سے ہے ترا رنگ جلوہ گر	ہر گل کو باغ میں ہے تری بو سے ارتباط
جو مری قبر پہ وہ شمع رو جلائے چراغ	تو روح صورت پروانہ ہو فدائے چراغ
یعقوب سے یوسف کو زلیخا نے چھڑایا	جذب دل عاشق سے کھنچے جاتے ہیں معشوق

شرر

شرر - سید علی رضا ساکن بلگرام ضلع ہردوئی ملک اودھ شاگرد خواجہ آتش لکھنوی - صاحب دیوان تھے مگر ایام غدر میں غیر مطبوعہ مکمل دیوان تلف ہو گیا ۱۲۹۴ھ میں رہگرائے عالم جاودانی ہوئے مشکل دو شعر دستیاب ہو سکے وہ درج ذیل ہیں ؎

ذبح تیغ نگاہِ قاتل کبسمل بن پھڑک رہا ہے ‫ لبوں پہ دم ہی کھلی ہیں آنکھیں اجل رشید سک رہا ہے
فدا تھا اگلے میں گل سو رُخ کا اب عشق آنکھو کو ہی ثمرہ کا ‫ گئی وہ سرسی ہوائے گلشن بگریہ کا شتا کہتک رہا ہے

شرر — میر آغا حسن ولد آغا محمد فیض آبادی مقیم لکھنؤ صاحب دیوان۔ شاگرد خواجہ حیدر علی آتش۔ شاعر آتش زبان۔ زبان اور بندش میں اپنے اُستاد کی روش پر چلتے ہیں۔ خیالات میں متانت اور سنجیدگی کے جوہر نمایاں ہیں ؎

کچھ بھی مجھے نظر نہیں آتا سوائے دوست ‫ عالم کو دیکھتا ہوں جو وحدت کی آنکھ سے
ظاہر میں جو ذلیل ہے باطن میں ہے عزیز ‫ ادنیٰ کو بھی نہ دیکھ حقارت کی آنکھ سے
جتنی عمارتیں ہیں نظر آئیں مقبرے ‫ اے بے خبر جو دیکھئے عبرت کی آنکھ سے
بھولے سے بھی نظر نہیں کرتے وہ اس لئے ‫ ڈرتے ہیں مبتلائے مصیبت کی آنکھ سے

شرر — میر حافظ مرحوم نبیرۂ حافظ محمد اشرف دہلوی شاعری کا فن ورثہ پایا تھا اور اصلاح کا کمال اپنے اسلاف کی روح سے ہاتھ آیا تھا۔ بسا اوقات شعر گوئی پر مائل اور اصلاح کے متعلق اپنے بزرگوں سے روحانی فیض کے قائل تھے ؎

تم جانتے تو تھے کہ مروت نہیں ذرا ‫ مرنا تمہیں بتوں پہ شرر کیا ضرور تھا
یہ بیخودی ہے شرر کو کہ جانتا ہی نہیں ‫ زمیں ہوتی ہے کیسی اور آسماں کیسا
اللہ اللہ ترے ابرو کا اشارہ قاتل ‫ سرِ عشاق گرے بزم میں کٹ کر لاکھوں
اللہ اللہ رے سجدہ کی تمنا مجھکو ‫ اُسکے ہر نقش کف پا پہ جھکا جاتا ہوں
یہاں تک داغ کھائے میں نے دل پر ‫ کہ سینہ بن گیا رشک گلستاں

شرر — مرزا غیاث الدین مرحوم خلف مرزا قمر الدین شہید نبیرۂ شاہ عالم ثانی سنہ ۱۲۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔ غدر سے پہلے کوچۂ بلاقی بیگم کے قریب ایک باغیچہ میں رہتے تھے۔ وضعداری میں طاق ملنساری میں شہرۂ آفاق ۴۵ برس کی عمر تھی اور اُستاد ذوق سے تلمذ تھا کہ غدر میں پھانسی مل گئی۔

دعوے ہے محبت میں نہیں مہر و وفا کا ‫ وہ تجھسے گلہ خاک کریں جور و جفا کا

پہونچائے اگر خاک میری کوچہ میں اُسکے
احسان نہ پھولوں میں کبھی بادِ صبا کا

تجھے دکھادوں تماشا میں بیوفائی کا
یہ کیا کروں کہ مجھے منہ سے آشنائی کا

چشم دریائے خوں ہے یا طوفان
کیا بلا ہے یہ ماجرا نہ کھلا

دل میں تجھے رکھ لیجیے کہ آنکھیں تجھی دیکھیں
تو ایک ہے اور شوق ہی کیا کیا نہیں ہمکو

ہر جفا کو تری وفا کہئے
یہ نہ کہئے تو اور کیا کہئے

شرر ہیں جب سا تپخانے میں آج
نظر آتے تھے کل تو با خدا سے

شرر شرر۔ منشی محمد یعقوب علیخاں۔ انکے والد حسن علیخاں نواب احمد علیخاں والیٔ رامپور کے مصاحبوں میں تھے۔ یہ خود میر احمد علی رسا کے شاگرد اور سنہ ۱۲۹۰ھ میں ۲۴ برس کے تھے اور رامپور میں موجود تھے۔

عاشق کی بعدِ مرگ بھی مٹی خراب ہے
پروانہ کو نصیب نہ گور و کفن ہوا

نہ آؤ مگر کہہ تو دو آئیں گے
اسی دھیان میں کٹ جائیگی رات

شرر شرر۔ صاحبزادہ محمد شبیر علیخاں صاحب شرر۔ عزیز والیٔ ٹونک پہلے سید اصغر علی آبرو سے تلمذ تھا پھر منشی سلیمان خاں اسد سے استفادہ کیا۔ ۴۶-۴۵ سال کی عمر ہے۔ ناظم علاقہ سرونج متعلق ریاست ٹونک بڑے خوشرو۔ وجیہ نوجوان ہیں طبیعت رسا اور فکر صائب ہے۔ ذی علم اور منکسر مزاج ہیں۔ یہ انکا کلام ہے ؎

یہ صہبائے جوانی ہے۔ نرالا ہے سرور اسکا
کہ ایسے بے پئے مست مئے ناز و ادا تم ہو

شرر تم حال دل اپنا عبث ہمسے چھپاتے ہو
تمہاری طرز کہتی ہے کسی پر مبتلا تم ہو

چھپا حال اسطرح سے گویا کہ زباں مجھ میں نہیں
بت مجھے کسکی خموشی نے بنا رکھا ہے

آج پھانسے گا کسی بلبل شیدا کو ضرور
دام صیاد نے پھولوں میں بنا رکھا ہے

بدگمانی مری دنیا سے نرالی ہے شرر
حال اپنا دل مضطر سے چھپا رکھا ہے

شرر شرر۔ محمد ارتضیٰ علی صاحب کاکوروی نائب تحصیلدار شاہ آباد ضلع ہردوئی شاگرد فصیح الملک حضرت داغ دہلوی آپ قصبہ کاکوری ضلع لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ عربی۔ فارسی۔ انگریزی ہیں

اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ آپنے سنہ ۱۸۸۸ء میں فیض آباد کالجیٹ اسکول سے انٹرنس پاس کیا اور وہیں کتاب ارمغان اودھ تصنیف فرمائی تعلیم حاصل کرنیکے بعد آپ سرکاری ملازمت میں داخل ہوگئے۔ عرصہ تک اضلاع اودھ میں نائب تحصیلداری کرتے رہے پھر ملیح آباد شاہ آباد مقامات پر تحصیلداری کے فرائض ادا کئے صیغۂ آبکاری میں بھی کچھ دن رہے۔ سہارنپور، دہرہ دون، مراد آباد وغیرہ مقامات میں بھی برسرکار رہ چکے ہیں سنہ ۱۸۸۸ء میں جب آپنے استاد کو اصلاح کے واسطے کلام بھیجا تو انہوں نے رنگ طبیعت کو دیکھکر شررؔ تخلص قرار دیا۔ آپکی تصنیفات و تالیفات میں سے مضامین ایڈیشن، مثنوی ارمغان احباب، ارمغان اودھ، شام شملہ، صبح وصل، سیر ہمالیہ، یادگار شرر نظمیں شایع ہوچکی ہیں نیچرل نظموں کے کہنے میں خاصے مشاق تھے۔ رفتار زمانہ سے بخوبی واقف تھے شعرائے انگلستان کے خیالات کو اردو زبان میں ادا کرنیکی قابلیت رکھتے تھے اور یادگار شرر سے آپکے حسن لیاقت کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔

ہندوستان میں نیچرل شاعروں کا خاصہ مجمع ہے اور ملک میں ایسے باکمال پیدا ہوتے جاتے ہیں جو شعر کو فلسفیانہ نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں اور اسکی سادگی کو زندہ جاوید مانتے ہیں مگر شرر نے تھوڑی سی عمر میں جو زبان اور ملک کی خدمت فرمائی وہ ایسی نہیں جو ادبی دنیا کے دل سے فراموش ہوجائے۔ اصلی نیچرل شاعری وہی ہوسکتا ہے جو پہلے ایشیائی شاعری میں اچھا ملکہ پیدا کرے اور اسکے بعد ادھر توجہ کرے جو لوگ قدیم شاعری سے متنفر ہوکر جدید خیالات کی جولانگاہ میں قدم رکھنا چاہتے ہیں انکی بندشیں بھونڈی ہوتی ہیں خود ساختہ الفاظ کے ذریعہ سے نظم کو بدمزہ اور پھیکا بنا دیتے ہیں۔ شرر نیچرل نظموں میں بھی واقع کے ادائے بیان کا لحاظ رکھتے تھے۔ وہ قدرت کی خوبصورتی اور انسان کے اندرونی جذبات کے ادا کرنے میں نہ استعارات کی خاردار جھاڑیوں میں اپنے دامن کو پھنساتے تھے اور نہ عامیانہ تشبیہات کی جانب رخ کرتے تھے اور نہ الجھی ہوئی ترکیبوں کو استعمال کرتے تھے بلکہ انکی سادہ بیانی میں اثر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ غزل، قصیدہ، نظم جو کچھ کہتے۔ اسمیں دور از کار مبالغہ اور شوکت الفاظ کے بجائے نیچر کے حقیقی مرقع کو پیش نگاہ رکھتے

انکی نظم بارہا رکو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی ہے اور اُنکے اکثر اشعار زبان زد خاص و عام ہیں اسکی غزل کا شعر یہ ہے ؎

وہ ہوجانا دلوں کا نیم بسمل — وہ اُٹھ جانا نگاہ شرمگیں کا

نگاہ شرمگیں کا اُٹھنا۔ دل کا نیم بسمل اور بیقرار ہوجانا معمولی بات ہے اور اس مضمون پر مختلف شعرا اپنے کرشمۂ خیال کی طاقت دکھا چکے ہیں۔ الفاظ بھی عامیانہ ہیں مگر "وہ" کے اشارے نے شعر میں جان ڈالدی ہے اور ایک سیدی سی ادائے معشوقانہ کو گرمی ہنگامہ بنا دیا ہے۔ لفظ "وہ" گذشتہ نظر بازیوں کی یاد کو دلوں میں تازہ کردیتا ہے اور سامع پر عجب کیفیت طاری ہوجاتی ہے اسی طرح شرر کے اکثر اشعار میں بھی میٹھی چھریاں موجود ہیں جو دلوں کے زخموں کو چھیڑتی رہتی ہیں۔ انہوں نے عین عالم شباب میں اپنی موت کی خونچکاری سے دوستوں کا دل جلایا مگر منشی مظفر حسین خاں شاہ آبادی نے انکے اوراق پریشاں کو جمع کرکے سوختہ دلوں کے لئے مرہم کا کام کیا۔ انتخاب یہ ہے

عجب تھا حال شب کو اُس حسیں کا — اُڑا تھا رنگ روئے آتشیں کا
غبارِ خاکِ عاشق ہو نہ برباد — بنے پردہ کسی محمل نشیں کا
جگر میں ہے جلن تو دل میں سوزش — اثر ہے ہمنشیں پر ہمنشیں کا
شرر کو کھو دیا دونوں جہاں سے — نہ رکھا ہائے دل تو نے کہیں کا
جو رنج دیتے ہیں اللہ انکو خوش رکھے — ہم اپنے منہ سے کسیکی کریں بُرائی کیا
نہیں آتا یقیں وعدوں کا مجھکو — ملا ہے رنگ کچھ ہاں میں نہیں کا
چلے بدنام ہونے حضرتِ دل — ہُوا دیکھوا رادہ پھر وہیں کا
بُرا کون کہتا ہے تجھکو محبت — مگر تیرا انجام اچھا نہ دیکھا
ستم کرگئیں تیری نیچی نگاہیں — کہ دیکھا تو اس طرح گویا نہ دیکھا
شرر مر گئے اُن پہ اغیار لاکھوں — نکلتے جنازہ کسیکا نہ دیکھا
یہ کیا موقع ہے آئینکا ہم آغوشی ہے خلوت ہے — کہو شرم و حیا سے جائیں پردہ ہو نہیں سکتا

یہ حضرت شرر ہیں زمانے کے چالے
پس فنا ہوئے یوں لطف وصل کے حال
یاد پھر اگلی محبت کی ہے مہماں دل میں
یاد بھی اپنی خدا کے لئے لیتے جاؤ
میرے مرنے سے ہوا حسن تمہارا مشہور
ہو بات نئی تیرے ہر انداز و ادا میں
کہتے ہیں وہ آنچل کو اڑا دیتی ہے کمبخت
کچھ شغل جو باقی ہے شرر شغل یہی ہے

آخر لگا ہی لائے لئے اپنی راہ پر
مزار ہم سے لپٹتا رہا مزار سے ہم
ہر طرف آج قیامت کے ہیں ساماں دل میں
کہ بہت صبر و تحمل ہیں پریشاں دل میں
پھر بھی ہوتی نہیں شرمندۂ احساں دل میں
شوخی بھی مچلتی رہے آغوش حیا میں
ہے بات بڑے عیب کی یہ باد صبا میں
پی تھوڑی سی اور بیٹھ رہے یاد خدا میں

شیخ جی میکدے سے نکلے ہیں
فریاد میں اثر دل خانہ خراب ہو
چہرہ کا سرخ رنگ عجب دلفریب تھا
نہیں معلوم کس کی یاد دل میں اک نزاکت سی
ابھی تک انتظار یار باقی ہے لئے شاید
نہ گھبرا دل زار اب غم کرتے کرتے
نہ آیا ہمیں ہوش اللہ ری غفلت
شرر چلے دیکھو بتوں کا تماشا
تیرے نقش قدم بھی کہتے ہیں
پھرے جاتے ہیں کیوں مگر گھر تک آ کر
الٰہی آج دعائیں قبول ہو جائیں
ہم رند خرابات ابھی دامن تر کو
کہتے ہیں رہ کے نقش تمہارا ہو خواب میں

کچھ بغل میں دبائے جاتے ہیں
وہ خود دعا کریں کہ شرر کامیاب ہو
للہ پھر کسی پہ تمہارا عتاب ہو
کلیجہ مل رہی ہے بار بار آہستہ آہستہ
نکلتی ہے لبوں سے جان زار آہستہ آہستہ
وہ اب تھک گئے ہیں ستم کرتے کرتے
تھکے وہ دعاؤں کو دم کرتے کرتے
ہوئی دیر سیر حرم کرتے کرتے
ستم ہیں چلتے ہوئے زمانے کے
ستم کرتے ہیں وہ کرم کرتے کرتے
مچل رہی ہے بڑی دیر سے اثر کیلئے
جاتے ہیں سکھا لائیں گے جنت کی ہوا ہم
ہم بھی تمہارے دل سے فراموش ہو گئے

اچھا نہیں ہے ذکر مے و جام روز کا — واعظ کو دیکھئے کہ وہ بیہوش ہو گئے
آج اُن کو منا کے چھوڑیں گے — گدگدا کے ہنسا کے چھوڑیں گے
بزم رنداں میں آئی کیوں تشریف — شیخ تجھکو پلا کے چھوڑیں گے
چار ہونگی نہ وصل میں آنکھیں — آپ پردے حیا کے چھوڑیں گے

کلی

آج جب دم صبح کو مرغ سحر نے دی صدا — آنکھ میری کھل گئی میں اپنے بستر سے اُٹھا
تھا سہانا وقت چلتی تھی نسیم مشکبو — اور ہی کچھ اُس گھڑی تھی باغ عالم کی ہوا
از سر نو پڑ گئی تھی عالم فانی میں جان — پھر صدائیں آرہی تھیں شب کو سناٹا نہ تھا
نیند پوری ہو چکی تھی جمع تھے ہوش و حواس — ہاتھ منہ دہو کر برائے سیر میں گھر سے چلا
تھے ابھی تک میری دیمیں خواب شیریں کے خیال — کر رہا تھا غور اُن پر تھا عجب اُنکا مزا
جا رہا تھا میں اسی حالت میں پہونچا اک جگہ — بام کے نیچے جہاں سے آرہی تھی یہ صدا
تھی عجب آواز دلکش اُٹھ گئی میری نظر — اپنے دل کو تھام کر میں غور سے سننے لگا
ہار کچھ باسی پڑے تھے اک طرف دیوار پر — با زبان حال می کردند ایں مطلب ادا
دیدۂ عبرت سے دیکھیں سب ہمارا حال زار — پہلے کیا تھے ہم ہماری قدر کیا تھی اب ہیں کیا
باغباں کی کوششوں سے اور امیدوں کیساتھ — پہلے کلیوں سے ہوئی شاخوں میں اپنی ابتدا
پیارے پیارے خوبصورت خوشنما غنچہ تھے ہم — تھا گماں ہر ایک کو ہم پر دہان یار کا
سادگی کے ساتھ سبزی اور سفیدی ہم میں تھی — سبزہ فامی نور آنکھوں کی صباحت دلربا
تھی قیامت سادگی سو شوخیاں جن پر نثار — تھی کلی یا سیم تن دوشیزۂ ناکتخدا
تازگی اسکی چمک گلگونۂ روئے شباب — دیکھنے والوں کے دل سے پوچھئے اسکا مزا
موسم گل کے سبب سے تھا نمو ہر چیز میں — اس لئے لحظہ بہ لحظہ اپنا قد بڑھتا گیا
دست گلچیں خود بخود جنبش میں آئے دیکھکر — یہ ہماری خوش نمائی نے اثر پیدا کیا
مالیوں نے قدر دانوں کے لئے توڑا ہمیں — اپنی شاخوں سے جدا ہونا نہایت شاق تھا

خشک ہو جاتے اگر ہوتا نہ کوئی قدرداں
رشتۂ الفت میں ہم سب اک جگہ گوندھے گئے
حسن خوبی خوشنما ترتیب جب آئی نظر
کھل کھلا کر ہنس پڑیں کلیاں مہک پیدا ہوئی
جن کا غنچہ نام تھا اب انکو گل کہنے لگے
خوشنما پہلے سے تھی تو باس اب پیدا ہوئی
ہو چکے تھے حسنِ انسانی سے واقف باغ میں
تھا حسینوں تک پہونچنے کا نہایت اشتیاق
مول ہمکو لے لیا اک نوجواں نے دیکھکر
تھا ضرورت سے زیادہ شاد یہ رنگیں مزاج
تھا عیاں اسکی نگاہوں سے بلا کا اشتیاق
خانۂ دل محشرِ صد حسرت و صد آرزو
تھا وہ نوشہ پہلی شب کا گھر میں آئی تھی دلہن
ہر طرف جوشِ مسرت ہر جگہ جوشِ طرب
وہ شب مہتاب وہ تاروں کی کم کم روشنی
بام تھا خلوت کدہ حسرت نکلنے کی جگہ
جتنی چیزیں تھیں وہاں سب سادہ سادہ صاف صاف
ایک ہلکی سی مسہری اُس پر اک زہرہ جبیں
تھا عرق اسکی جبیں پر شرم سے آنکھیں تھیں بند
اُس پسینہ سے کھلا تھا اور بھی رنگِ شباب
اُف وہ اُسکا حسن اسکی کم سنی اُسکا شباب

خیر قصہ مختصر اُس نے ہمیں یکجا کیا
لطف یکجائی جو پہلے تھا وہی حاصل رہا
بوسے لینے کو بڑھی کس شوق سے بادِ صبا
کھل کے ہر غنچہ دہانِ یار کی صورت کھلا
ہو گئے وہ تھوڑی ہی مدت میں دیکھو کیا سے کیا
ہو گئے وہ تھوڑی ہی مدت میں دیکھو کیا سے کیا
ہم میں سے نرگس نے دیکھا ہم سے سوسن نے کہا
خوبیِ تقدیر سے آخر ہمیں موقعہ ملا
عشق اور جوشِ جنوں جسکے گلے کا ہار تھا
کھو رہا تھا صاف اپنا بے سبب ہر بار کا
سامنے کیا پیاری امیدوں کا تھا نقشہ کھنچا
حسرتوں کے مضطرب ہونے سے وہ بےچین تھا
وہ عروس مہ لقا تھا حسن خود جس پہ فدا
اہتمام جشن ہر سو اور چرچا عیش کا
ہو نہیں سکتی زباں سے اسکی کیفیت ادا
تھی دلہن اسپر عروس مہ جبیں خود نام تھا
واہ کیسا صاف فرش پرتوِ مہتاب تھا
سرو قامت سیمتن گل پیرہن نازک ادا
شوخیوں سے بھی زیادہ دلربا طرزِ حیا
ایک تو کندن پھر اُس کندن پہ تازہ جلا
دل مسلنے کے لئے جوبن وہ گدرایا ہوا

راستی قامت کی اعضا کا تناسب بے بدل
سرگیں آنکھیں لب رنگیں و نازک دست و پا

قہر تھی اس حسن پردہ شرم اسکی خامشی
سحر تھی نیرنگ تھی افسوں تھی اسکی ہر ادا

اس سمی کو دیکھکر ہر ایک شے بیتاب تھی
لوٹنا بیجا نہ تھا کچھ پرتو مہتاب کا

جی میں آتا تھا کہ خود اڑکر گلے میں جا پڑیں
اتنے میں وہ نوجواں جو ہم کو لایا تھا اٹھا

پہلے دیکھا روئے گلگوں کیطرف پھر شوق سے
لے لئے دو چار بوسے اور ہمیں پہنا دیا

سب سے پہلے ہم ہوئے اس گلبدن سے ہم کنار
سب سے پہلے ہم نے لوٹا اسکے جوبن کا مزا

مل گئی بوئے عروسی سے ہماری بھی مہک
منتشر خوشبو ہوئی فردوس کا در کھل گیا

زینت آغوش تھے ہم اور سینہ کی بہار
رنگ تھا اپنا کہ سونے پہ سہاگا ہوگیا

ہم کناری کی کشاکش نے کیا کیا کیا ستم
دبگئی پس پس کے ہم پر اور نہ کچھ منہ سے کہا

بھول جائے لاکھ کوئی یاد ہوگا ماہ کو
کیا ہوا برتاؤ ہم سے اور ہم نے کیا کیا

رات بھر ہم سے اٹھایا لطف جب آئی سحر
اور ہم میں سے ہر اک کملا گیا مل دل گیا

توڑ کر پھینکا ذرا پروا نکی اس بات کی
یہ گلے کا ہار تھا اسکو جدا ہم نے کیا

وہ تو کہئے خادمہ نے قدردانی اتنی کی
اپنے جوڑے سے لپیٹا یہ کرم ہم پر کیا

الغرض خوشبو رہی جبتک ہماری قدر تھی
ہم ہیں یا دیوار ہے کوئی نہیں اب پوچھتا

ہائے دیکھئے تھوڑی سی مدت میں کیا کیا انقلاب
رنگ ہی تغیر ہے اس عالم ایجاد کا

گر پڑینگے خاک پر مل جائینگے ہم خاک میں
ہونے والا ہے یہی اک دن نتیجہ عشق کا

شرر

شرر۔ نواب حاجی سید سلطان علیخاں خلف نواب سید قاسم علیخانصاحب لکھنوی۔ آپ ذی علم اور عالی خاندان تھے سرکار انگلشیہ کیطرف سے کچھ وثیقہ مقرر تھا۔ ذکی الطبع۔ روشن خیال ہونیکے سوا منکسر المزاج اور خلیق تھے۔ فن شاعری میں دستگاہ کامل تھی۔ زبان کی لطافت اور بندش کا حسن دونوں ملکر کلام میں سونے دو آتشہ کا لطف دیتے ہیں ٹکسالی محاورات باندھتے

تھے۔ آپ حضرت جلال لکھنوی کے عزیز شاگرد تھے۔ باوجود گوشہ نشینی انکے مشاعروں میں حضرت جلال خود شریک ہوا کرتے تھے۔ کچھ دن ہوئے کہ انتقال ہوگیا۔ پچاس یا ۵۵ برس کی عمر پائی۔ کلام یہ ہے ؎

پھر خیالِ ستم و بانیِ بیداد آیا / کچھ تو باعث ہے کہیں آج تجھے یاد آیا
نہ نصیب ہوگا نہ دیدارِ گل ہی بلبل کو / لیا اجارہ جو گلچیں نے اب کے گلشن کا
غصہ بھی عنایت بھی لگاوٹ بھی ادا بھی / دل لینے میں تم سا کوئی استاد نہ ہوگا
پسِ فنا بھی نہ کچھ سوزِ عشق کام آیا / چراغ اس سے ہماری لحد کا جل نہ سکا
رنگ لائی ہے مری مہر و وفا میرے بعد / ترک ظالم نے کئے جور و جفا میرے بعد
ذرا پیکاں سے کہدے اپنے قاتل / ہے دل میں ہمارے گھر سمجھکر
مذمت مے کی آگے میکشوں کے / ذرا واعظ سرِ منبر سمجھکر
جھکا پڑتا ہے ساقی دل ہمارا / نشیلی آنکھ کو ساغر سمجھکر
سر پھرا جاتا ہے سُن سُن کے نصیحت تیری / مجھکو سمجھائیگا اے ناصحِ ناداں کب تک
قفس کے چاک شاید نیند اب صیاد کرتے ہیں / کہ مرغانِ قفس جی کھول کر فریاد کرتے ہیں
نہ آئی کوئی ہچکی بھی کبھی صحرائے غربت میں / ہمارے ہم وطن دیکھیں ہمیں کب یاد کرتے ہیں
دل بیتاب سے میرے کہتے ہیں شب فرقت / تہہ بتہہ تیری ہم بھی لئے ناشاد کرتے ہیں
نہ خلوت میں مقام انکا نہ وہ محفل میں رہتے ہیں / خدا جانے کہاں رہتے ہیں کسکے دل میں رہتے ہیں
کبھی چہرہ سے ہوجاتے ہیں ظاہر گاہ آنکھوں سے / نہاں رازِ محبت کب کسی کے دل میں رہتے ہیں
الجھائینگے تجھے ابھی دستِ جنوں بہت / باقی جو چند تارے پیرہن کے ہیں
آتی نہیں ہے نیند شبِ ہجر یار میں / آنکھوں کو کیا یہ روگ لگا انتظار میں
کرے جو سینہ کے اندر جگر کے سو ٹکڑے / سوائے تیغِ ادا یہ کسی کا کام نہیں
دیتے ہو کس کو تسلی سینہ پر تم رکھ کے ہاتھ / آنسوؤں میں خون ہو کر بہہ گیا اب دل کہاں

یہ کھو کے اور مرا دل دکھائے دیتے ہیں
کسی سے دل نہ لگانا جتائے دیتے ہیں

ادھر تیر آپ نے جوڑا کماں میں
ادھر تھا مرغ جاں صید آشیاں میں

کچھ اس ادا سے گلے پر چلا ہے بسمل کے
دعائیں زخم جگر دے رہا ہے خنجر کو

دیکھیے اپنے تماشائی کی حیرت اک نظر
دیکھوں تو پھر سکتے ہیں آپ کیونکر آئینہ

شیشہ ساقی کی بغل میں ہاتھ میں پیمانہ ہے
ناز معشوقانہ میں ہر اک ادا مستانہ ہے

بعد میرے بزم مے نوشاں میں اڑتی ہوگی خاک
مجھ خراباتی کے دم سے رونق میخانہ ہے

کہتی ہے ہمت بٹھا دیتی ہے جب منزل میں یاس
دو قدم بس اور باقی یار کا کاشانہ ہے

نہ مٹانے سے مٹا بخت کا لکھا اپنے
آستاں پر ترے کی لاکھ جبیں سائی بھی

آنکھ اٹھا کر ترے بیمار نے دیکھا نہ کبھی
ہو رہی کر سر بالیں جو قضا آئی بھی

تیرے پیکاں نے کیے سینہ میں رہ کر دو کام
کاہش جان بھی ہوا دل کی توانائی بھی

کیا گلہ ناز و ادا سے جو کیا قتل اس نے
لب جاں بخش میں ہے انکے مسیحائی بھی

اف ری بیدردی عجب انداز معشوقانہ ہے
درد دل کہتا ہوں میں تم کہتے ہو افسانہ ہے

لگا دے تیر اک ایسا نہ جائے جس کی خلش
کوئی تو دل کے بہلنے کا مشغلہ ہو جائے

فرقت میں تیری تڑپے نہ نالہ کرے کوئی
اچھا تو ہمیں بتا دے کہ پھر کیا کرے کوئی

جب خوں بہا طلب دل خوں گشتہ کا کیا
بولا کہ جا کے حشر میں دعوے کرے کوئی

دعوے یہ کیوں کرے کہ مسیحائی وقت ہوں
بیمار عشق کو جو نہ اچھا کرے کوئی

نہ لائی کچھ خبر اس بے خبر کی
بڑی غفلت ہے آہ بے اثر کی

حضرت دل نذر دلبر ہو چکے
ہاتھ اپنی جان سے ہم دھو چکے

شرر

شرر۔ صاحبزادہ وجیہ الدین خاں مرحوم۔ از خاندان نواب جاورہ۔ جوان شگفتہ طبع نازک خیال شاعر تھے۔ حسن ظاہری کے سوا خلیق بھی تھے۔ فن شعر میں حضرت داغ دہلوی سے تلمذ تھا۔ افسوس ہے کہ عین عالم شباب میں انتقال کیا۔ کلام کا انتخاب یہ ہے۔

جان ہے یہ دلی والوں کی خدا رکھے اسے
داغ کے دم سے ہے اب شہرہ جہاں آباد کا

سخت جاں ہوں یہ تقاضا ہی مری فریاد کا
حلق پر رکتا ہوا خنجر چلے جلاد کا

میرے نالہ پہ ہنس رہے ہو یہ کیا
کہیں یہ کار گر نہ ہو جائے

میں نے ناحق وفا کا نام لیا
اب کوئی میرے سر نہ ہو جائے

شرر

شرر سخن سنج صاحب ہنر مولوی علی بخش خانصاحب شرر ولد سلطان بخش مرحوم۔ مولوی اکرام اللہ محشر بدایونی مصنف تاریخ روضۃ الصفا آپکے اجداد میں سے تھے۔ آپنے اپنی ذکاوت۔ قدرتی ذہانت کی وجہ سے سرکاری ملازمت میں عہدۂ صدر اعلی حاصل کیا۔ پھر پنشنر ہوگئے۔ کچھ دنوں علم جفر۔ رمل نجوم۔ وغیرہ سے بھی شوق رہا۔ پھر اس شغل کو شرع اسلامیہ کے مطابق ناجایز سمجھکر چھوڑ دیا۔ سر سید احمد خاں مرحوم سے دینی عقائد میں اختلاف تھا۔ انکی رد میں بھی کئی کتابیں لکھی ہیں جو اہل مناظرہ اور صاحبان مباحثہ میں مشہور ہیں۔ ایک عاشقانہ دیوان مطبع اسعد الاخبار آگرہ میں شایع ہوا تھا۔ مگر اسکے بعد عشقیہ شعر گوئی سے متنفر ہوگئے۔ دنیاوی جاہ و منزلت۔ ثروت کے لحاظ سے آپ اپنے خاندان میں مقتدر اور اپنے قصبہ کے اُن اشخاص میں سے تھے جنہوں نے ذاتی ہمت و قابلیت سے عزت اور ناموری حاصل کی ہو۔ ۱۸۸۱ء کے قریب انتقال ہوا۔ متقدمین شعرا کے رنگ میں شعر کہتے تھے۔ مگر کلام لطف سے خالی نہوتا تھا۔ زبان میں صفائی اور سادگی تھی۔ لیکن طبیعت بلند۔ فکر رسا تھی۔ مولوی یعقوب بخش راغب آپکی قابل یادگار ہیں۔ انہوں نے جو کلام روانہ کیا ہے۔ اسکا انتخاب درج ہے۔

جلوہ ہے لب بام جو اُس رشک پری کا
خورشید یہ عالم ہے چراغ سحری کا

غم کھانے سے دل سیر ہمارا نہیں ہوتا
تھوڑی سی غذا پر تو گذارا نہیں ہوتا

ہم اور رقیبوں کی شب و روز خوشامد
کیا کیا تری خاطر سے گوارا نہیں ہوتا

ہے فکر کہ پھر مشق جفا کس پہ کرینگے
مرنا بھی مرا اُن کو گوارا نہیں ہوتا

لطافت اُسکے بدن میں ہے آئینہ سے سوا
کہ دل کا راز بھی ہے دور سے عیاں ہوتا

پیر مغاں نے مجھکو پلائے ہیں خم کے خم
حقیقت کھل گئی جب وہ بھی چٹکی میں ہوا خالی
لینے پائے تھے زباں سے نہ ترا نام تمام
نامہ بر جا نہ سکا ختم نہ تقریر ہوئی
عجب نہیں ہے جو عزت پہ انکی حرف آئے
خماری انکھڑیاں جھپکیں نہ کیونکر پاس عارض کے
خفا ہیں آدمی بھی انکے جب جاتا ہوں کہتے ہیں
تو ابرو جو دنبالہ ہے اسکی چشم کیفی میں
کیا ہے خواب و بیداری میں وعدہ کتنے آنے کا
شرر بدمست ہوں منکر نکیر آئے ہیں مرقد میں
قیامت آئے جو مسجد میں وہ قیام کریں
اگرچہ وعدہ کیا زلف و رخ دکھانے کا
غضب ہے ہم تو جلیں شمع ساں کھڑے جھپکے
میکدہ میں بن کے بیٹھا ہے شرر پیر مغاں
مہرباں یار رہے کام کسی سے کیا ہے
ضعف سے پاؤں پہ سر آیا ہے آہ
پھر چھپے آنکھوں سے وہ رخ اور زلف
گرد ان آنکھوں کے جو ہیں وہ مژہ
میکدہ کو جو کوئی جائے شرر
لیا تھا بوسہ کبھی اسکی مست آنکھوں کا
خیالِ خال سے آنکھوں میں یا روشنی آئی

مرشد نے ظرف دیکھ لیا ہے مرید کا
ہمارا زخم دل ہنسنے لگا ظرف نمکداں پر
لب تک آنے بھی نہ پایا کہ ہوا کام تمام
عمر گذری نہ ہوا وصل کا پیغام تمام
نہ پوچھو ہم سے جہاں ہم شرر کو دیکھتے ہیں
قریب صبح اکثر مردم بیمار سوتے ہیں
چلو رخصت ابھی فرصت نہیں سرکار سوتے ہیں
حرم میں پاؤں پھیلائے ہوئے میخوار سوتے ہیں
کہ سو سو بار ہم اٹھتے ہیں سو سو بار سوتے ہیں
وہ اپنا مغز خالی کرتے ہیں اور یار سوتے ہیں
نماز پڑھ لے جو زاہد تو ہم سلام کریں
مگر یہ دیکھئے کب تک وہ صبح و شام کریں
رقیب آپ کی محفل کا انتظام کریں
جائے مسجد میں ابھی تو پارسا معلوم ہو
اے حضرت شرر ناصح کو خفا ہونے دو
ہو گئے نالوں سے ہم اپنے تباہ
دیکھنا ہے مجھکو یہ روز سیاہ
آئی ہے کعبہ کو بھی گھیرے سیاہ
شیخ ہے مستی میں وہ پوچھے ہے راہ
تمام عمر اسی کا رہا شرر ڈر مجھے
ہوا ہے یار کا تل پتلیوں کا نور مجھے

غیر ممکن ہے کہ اُس بت سے جدائی ہو جائے
اسمیں گو ہم سے خفا ساری خدائی ہو جائے

اُلجھ پڑتے ہیں جو زاہد شراب خواروں سے
ہوئی ہے کیا حرکت ان بزرگواروں سے

ہوتے ہیں ناحق وہ خفا دیکھئے
دیکھا ہے کب ہم نے بھلا دیکھئے

ساقی تو بھر دے میرے پیالے کو تنگ سے
گھری چھننے لگی آج کسی سبزہ رنگ سے

ہمارے دلمیں رہے داغِ آتشیں بھی ضرور
چراغ چاہیے اک خانۂ خدا کے لئے

ہے غضب غیر نہیں میرے دلِ سوزاں پر
گھر کسی کا جلے اور دیکھے تماشا کوئی

شرر

شرر۔ منشی محمد ایوب شرر دہلوی تلمیذ راسخ دہلوی زبان میں شیرینی اور کلام میں شوخی و رنگینی ہے۔ چند اشعار انکے درج ذیل ہیں ؎

لے عدو کو جو قاتل میں اگر جائے گا
کانپ اٹھیگا دل جائے گا مر جائے گا

چھپایا میری نظروں نے کسی کے روئے روشن کو
الٰہی آتشِ حسنِ بتاں لگجائے چلمن کو

ہمارے دل میں کیا ممکن خیالِ غیر آجائے
غضب ہے انجمن میں آ گئی ہو دخل دشمن کو

جس چرخ نے پھینکا سنبھالا یار نے
صدقے ایسی گردشِ ایام کے

کٹیں گے کسطرح پر زیست کے دن سخت مشکل ہے
نہ تیری تیغ ملتی ہے نہ تو بسمل سے ملتا ہے

یہ ہوس ہے یہ تمنا ہے یہ ارماں ہے مجھے
مری تربت ترے قدموں تری ٹھوکر میں رہے

تم سے تو وضعدار تمہارا خیال ہے
اس بیکسی میں ساتھ نہ چھوڑا کمال ہے

ابھی آئے ہو ذرا ٹھہرو چلے بھی جانا
ہر گھڑی تم کو تو جانے کی پڑی رہتی ہے

شرر

شرر۔ جناب منشی عزیز احمد خانصاحب عرف پھول خاں صاحب شرر خلف منشی گلاب خانصاحب متوطن ریاست چرکھاری ملک بندیلکھنڈ۔ پہلے احقر تخلص تھا اب کچھ عرصہ سے شرر ہے۔ ریاست چرکھاری کے شعرا میں پرگو اور مشاق سمجھے جاتے ہیں غزل پڑھنے کا انداز نہایت دلکش ہے۔ مولانا سید نذیر حسن فنا سے تلمذ ہے۔ کلام میں سلاست و متانت کیساتھ زبان بھی موجود ہے۔ تعقیدات اور حشو سے اجتناب کرتے ہیں منتخب کلام

صاف اور اچھا ہوتا ہے۔ بارہ پندرہ برس سے شعر کہتے ہیں۔ فی الحال ریکارڈ ہاؤس پرگھاری میں کلرک ہیں۔ کلام یہ ہے؎

ہوگیا ہے اُس پری پیکر سے یارانہ مرا
دل کا دیوانہ ہوں میرا دردل ہے دیوانہ مرا

مجھسا محروم ازل ہوگا نہ کوئی دردمند
مدتوں روئے فلک سُن لے جو افسانہ مرا

شمع ساں جلتا ہی داغ ہجر جاناں کا چراغ
اس سیہ بختی میں بھی روشن ہے کاشانہ مرا

عشق میں خانہ خرابی گر یوں ہی بڑھتی گئی
قیس و لیلےٰ سے بھی بڑھ جائیگا افسانہ مرا

لینا ہے گر تو لے بھی لے باغ سخن کے پھول
گلچیں کو پھر ملیں گے نہ میرے چمن کے پھول

اِک گلبدن کے عشق میں مرکر بھی ہی بہار
اور کفن کے ہار ہیں اندر کفن کے پھول

صحن چمن میں پڑھتی جو ہیں بلبلیں درود
ہیں آج کس شہید غریب الوطن کے پھول

زخم جگر رہے ہیں ہمیشہ ہرے بھرے
کملائے آج تک نہ ہمارے چمن کے پھول

بتوں کی بیوفائی نے یہاں تک پاؤں پھیلائے
نہیں ثابت قدم رکھا کسی کے عہد و پیماں کو

پھیلی دشت میں جب دم مجھے وحشت میری
پاؤں پڑنے لگی زنجیر کے قسمت میری

اُس نے جب پیار سے چھیڑی عدو کو سر بزم
پھوٹ کر رو ئی ہے ناکامی قسمت میری

جب کہیں ساغر ملا ہاتھوں سے گر کر چور تھا
ہر جگہ نادم کیا پھوٹی ہوئی تقدیر نے

زندگی و مرگ اب احقر اُسی کے ہاتھ ہے
کوئے قاتل تک تو لو پہنچا دیا تقدیر نے

شرر۔ جناب منشی عبدالکریم صاحب پھولپوری الہ آبادی شاگرد جناب امیر مینائی۔ صاف اور سیدھا شعر کہتے ہیں۔ بناوٹ اور تصنع کا نام نہیں۔ اچھی طبیعت ہے؎

تو حسن میں خوبی میں کہیں اُس سے سوا ہے
دیکھا ہے تجھے حضرت یوسف کو سنا ہے

اس ابر میں پرہیز تجھے مے سے ہے زاہد
پی لے ارے کمبخت کہ ایسے میں روا ہے

کچھ دوست سے امید نہ اندیشۂ دشمن
ہوگا وہی جو کچھ مری قسمت میں لکھا ہے

شرر۔ جناب منشی سید عبدالعلیم صاحب ۱۸۷۶ء میں شہر ترچناپلی احاطہ مدراس میں پیدا

ہوئے آجکل چکل گوڑا سکندرآباد میں رہتے ہیں۔ آپکے والد بزرگوار ۳۰ رجمنٹ مدرسہ میں مدرس تھے۔ ۲۰ برس کی عمر میں شعرگوئی کی جانب راغب ہوئے۔ ابتدا میں مولانا تسنیم مدراسی کو اپنا کلام دکھایا پھر ترکی صاحب کی وساطت سے حضرت ظہیر دہلوی مرحوم کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہوگئے اور اب انکے ارشد تلامذہ سیدنا در علی برتر کو اپنا کلام دکھاتے ہیں غزلیات کا انتخاب یہ ہے ؎

آئینہ کی طرح صورت آشنا ہی کیوں / ہر دل صافی میں جلوہ ہے جمال یار کا
یہ بدگمانی الفت بھی کیا بری شئے ہے / جو بے حجاب ہوئے تم مجھے حجاب ہوا
کریم سے ہو کسی بدنصیب کو کیا فیض / شرر نہ آب سے پُر کاسۂ حباب ہوا

اللہ ری شوخی جوانی
چلتا نہیں زور کچھ حیا کا
شوخی نے کیا جو انکو بے باک
منہ تکنے لگی حیا خدا کا
وہ کوسنے دے سکے نہ جب بولے
اب ہوگا اثر تری دعا کا

صیاد کیوں خفا ہے ابھی سے ہزار پر / نکلے قفس میں ہیں ابھی دو تین چار پر
وہ مست ناز مست نشۂ حسن و جوانی ہو / نظر آتی نہیں توبہ کی خیر پینے والوں میں
یہ کس بے رحم کی قسمت جگائی رات بھر تو نے / یہ کیسے نیل کے دھبے پڑے ہیں گورے گالوں میں
ندو جینے ندو کوثر کے مجھکو حضرت واعظ / خبر بھی ہے تمہیں ڈوبا ہوا ہوں کن خیالوں میں
تمنا لیکے جاتے ہیں نہ حسرت لیکے جاتے ہیں / نقد ایسے ہیں انکے در سے فرقت لیکے جاتے ہیں
بنا ہے یہ تحیرگاہ عالم آئینہ کس کا / جو دل دینے کو آتے تھے وہ حیرت لیکے جاتے ہیں
تصدق میں اس تیری دریا دلی کے / یہ تھوڑی سی کیوں ساقیا مل رہی ہے
مری آہ پر تیغ اٹھاتا ہے کوئی / کہ یا رب اثر سے دعا مل رہی ہے
کہاں شوق پر بھی ترقی ہو ہجوم و یاس کی / رنج و غم دل میں امیدوں سے سوا ہونے لگے
انہیں سوجھی ہے پھر مشق جفا کی / یہ کس نے میرے جینے کی دعا کی

شرر۔ مولوی رضی احمد صدیقی خلف مولوی رفیع احمد صاحب عالی وکیل بدایوں ۱۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۹۱۰ء سے پولیس کے صیغہ میں ملازم ہوگئے۔ قیام شاہجہانپور میں شاعری کا شوق ہوا مگر اصلاح کسی سے نہیں لی مذاق سلیم خود رہبر ہوگیا۔ اب ضلع اناؤ اودہ میں کورٹ انسپکٹر ہیں۔ خندہ رو۔ خوش سلیقہ ہیں معاملات میں سوجھ بوجھ اچھی ہے اور فن سراغ رسانی میں اعلیٰ درجہ کی قابلیت ہے۔ شعر پرلطف اور بامزہ کہتے ہیں۔ کلام میں صفائی زبان کا خیال رکھتے ہیں اور مضامین بھی دلستاں ہیں اور بندشیں شستہ اور دلنشیں ہیں۔ جو غزلیات راقم تذکرہ کو ہنگام نظر ثانی تذکرہ بھیجیں انکا انتخاب ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے پیش کش ہے۔

وہ وعدہ ہائے امید آفریں قیامت ہیں — خوشی تو کیسی غم جاوداں نہیں ملتا
نگاہیں ڈھونڈتی ہیں عہد عیش ماضی کو — وہ دن وہ وقت وہ مدت وہ سماں نہیں ملتا
صبر آزما جو حوصلۂ ضبط راز تھا — پیغام مرگ ہر نفس جاں گداز تھا
کعبہ کی قید وسعت مشرب نے توڑ دی — ہر ذرہ سجدہ گاہ جبین نیاز تھا
دیوانگی عشق نے ڈھانکے تمام عیب — دامن کا چاک پردۂ اخفائے راز تھا
تھا ذرہ ذرہ مرکز جذب نگاہ شوق — کیا دلفریب نقش طلسم مجاز تھا
یہ پردہ شوخی برق تجلی کا غنیمت ہے — رہے گا ہوش پھر کسکو اگر تو بے نقاب آیا
جلوہ دکھا دو حسن حقیقت طراز کا — کب تک رہے گا پردہ طلسم مجاز کا
رہتا نہیں ہے عشق میں فرق امتیاز کا — محمود بندہ ہے خم زلف ایاز کا
بزم حسن و عشق کا نقشہ بدل کر رہ گیا — شمع جھلکر رہ گئی پروانہ جل کر رہ گیا
نا بلد منزل سے خستہ پاؤں غلبہ شوق کا — دو قدم میں ساتھ ہر رہرو کی چل کر رہ گیا
کون ہے زنداں میں اب آزاد کرتی ہو جسے — ایک ڈھانچہ ہڈیوں کا تھا کہ گل کر رہ گیا
عروج شان عاشق ہے ذلیل و خوار ہو جانا — محبت کیا ہے پابند رضائے یار ہو جانا

دمِ عرضِ تمنا اے نگاہِ شوق کام آنا / زبانِ التجا بننا لبِ گفتار ہو جانا

فلک سے انتقامِ کج ادائی آج لینا ہے / ذرا دم بھر کو سیدھی اسکے نگاہِ یار ہو جانا

یہ کیا ہے سامنے سے آئینہ دم بھر نہیں ہٹتا / کہیں خود ہی نہ محوِ جلوۂ رخسار ہو جانا

بے کہے شمع صفت سوزِ دروں ظاہر ہے / کام دیتی ہے خموشی مری گویائی کا

یادِ جاناں ہے رضی انجمن افروزِ خیال / بزمِ فردوس ہے گوشہ مری تنہائی کا

موت ہے نشۂ ہستی کا سوا ہو جانا / زندگی کیا ہے محبت میں فنا ہو جانا

شعلۂ طور کو ہے جلوہ فروشی کی ہوس / چاہتا ہے ترا نقشِ کفِ پا ہو جانا

بزمِ دشمن سے تم اور رات کو اٹھکر آتے / دقت کی بات تھی نالہ کا رسا ہو جانا

وجہِ جمعیتِ خاطر ہے پریشاں ہونا / سر و ساماں ہے مرا بے سر و ساماں ہونا

سخت جاں ہوں میں چھری کند ہے قاتل نازک / سخت مشکل مری مشکل کا ہے آساں ہونا

سیدھی بھی کی نگاہ تو بسمل بنا دیا / آنکھوں نے اور بھی تمہیں قاتل بنا دیا

تیغ کھنچنے بھی نہ پائی تھی کہ بسمل ہو گیا / میں شہیدِ خنجرِ اندازِ قاتل ہو گیا

تمکو تو شوخیوں سے نہیں ایک جا قرار / کس پر پڑے گا صبرِ دلِ بے قرار کا

آتا ہے وہم رات کو جاگے نہ ہو کہیں / کچھ چشمِ سرمگیں میں اثر ہے خمار کا

ذرہ ذرہ میں فروغِ جلوۂ جانانہ تھا / دیدۂ حق بیں میں یکساں کعبہ و بتخانہ تھا

شرحِ رازِ دردِ دل بھی حالتِ ہنگامِ نزع / اک نگاہِ حسرت آگیں میں تمام افسانہ تھا

قید کیا دیر و حرم کی مشربِ عشاق میں / جس جگہ بھی شمع گرمِ سوختن پروانہ تھا

مجھے طرزِ ادائے شوخیِ قاتل پسند آیا / کہ اسکو شیوۂ بے تابیِ بسمل پسند آیا

قطعِ تقریبِ عیادت کی بھی امید ہوئی / ہو گیا اور بھی بیمار میں اچھا ہو کر

کچھ دمِ سرد ہے کچھ نالے ہیں کچھ آہیں ہیں / ہیں غرض ایسے ہی ٹکڑے مرے افسانے میں

اختلافِ نظرِ شیخ و برہمن کا ہے فرق / ورنہ کعبہ میں جو ہے ۔ ہے وہی بتخانے میں

نہ پھڑکا شمع کے گرد آکے بھولے سے بھی پروانہ
اُسے بھی دھو دیا رو رو کے ماتم کے بہانے سے
امید و آرزو و شوق و تمنا حسرت و ارماں
تمہیں جو جان کہا مدعی نے کیا سمجھے؟
مری تسلی کو پیغام بر نہ کہتا ہو
بل جو ابرو میں ہیں وہ خنجر براں میں نہیں
صبر کی ہوتی ہے عاشق کو شب غم تاکید
ٹھہرنا آنکھ مشکل ہے فروغ حسن کے باعث
منا کرتے ہیں آئیگی قیامت آ نہیں سکتی
دل ترے صدقے کہ ایجان مرا دلدار ہی تو
کوئی نیرنگ محبت کا تماشا دیکھے
کچھ دیر نہیں لگتی نظر پھرتے تم کو
ہم حشر میں خوش ہیں کہ وفا ہوتا ہے وعدہ
گالیاں لب پہ دم ذبح ہوئی تکبیر کیساتھ
جی بہلنے کی شب ہجر یہی صورت ہے
ذرہ ذرہ کو ترے جلوہ کا مظہر پایا
بدلہ دنیا ہی میں لے لیتا ہے عشرت کا فلک
اے عدو لطف ہو دو دن کو اگر مل جائے
صلائے عام ہے صیاد و برق و صرصر کو
قفس تک آئے جو اڑ کر چمن سے کچھ تنکے
ہوش گم کر دئے ایسے تری زیبائی نے

اٹھایا پردہ رخسار جب سے تم نے محفل میں
ہمارے خون کا دھبا تھا جو داماں قاتل میں
بسی ہے عشق کی دنیا مری اجڑے ہوئے دل میں
یہ مدعا ہے تمہارا کچھ اعتبار نہیں
وہ اور آئیں یہاں مجھکو اعتبار نہیں
نوک جو تیر مژہ میں ہے وہ پیکاں میں نہیں
آپ اس بات کو کہتے ہیں جو امکاں میں نہیں
تمہاری بے حجابی کو بھی ہم پردا سمجھتے ہیں
اُسے بھی ہم تمہارا وعدۂ فردا سمجھتے ہیں
دل کسے ہیں صدقے کہ ہی تیری تمنا دیں
دل تری زلف میں ہے زلف کا سودا دیں
قسمت ہو پلٹنے میں بدلنے میں ہوا ہو
وہ کہتے ہیں ہم اب بھی مکر جائیں تو کیا ہو
تیز ہاں تیغ زباں بھی رہے شمشیر کیساتھ
رات بھر رہتی ہیں باتیں تری تصویر کیساتھ
ہر ورق میں نظر آئی تری تصویر مجھے
خواب میں خواب کی ملجاتی ہی تعبیر مجھے
میری تقدیر تجھے اور تری تقدیر مجھے
کہ طرح ڈال رہا ہوں میں آشیانے کی
نظر میں پھر گئی تصویر آشیانے کی
کچھ نہ دیکھا ترے جلوہ کے تماشائی نے

دیر تک لاکے ملادی ہے حرم کی سرحد
تیری خود رنگیٔ شوقِ جبیں سائی نے

پرتو مہرِ جمالِ یار عالم گیر ہے
جتنے آئینے ہیں سب میں ایک ہی تصویر ہے

کچھ تو آتا ہے شبِ غم میرے بستر پر نظر
دیکھ تو اے ضعف میں ہوں یا مری تصویر ہے

ہے بقا کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہستی مری
بیخودِ ذوقِ فنا ہوں اے خوشا مستی مری

سوزِ دل سے ہر نفس شمعِ جہاں افروز ہے
قدر لازم ہے تجھے اے محفلِ ہستی مری

اک نگاہِ ناز کی گردش خمار آموز ہے
بے نیازِ دورِ ساغر ہے یہ مستی مری

اٹھ گیا یہ پردۂ حائل بھی جب میں اٹھ گیا
اک حجابِ جلوۂ محبوب تھی ہستی مری

ولائے ساقیٔ کوثر میں دل کو جوشِ مستی ہے
تصدق جس پہ ہو تقویٰ وہ مری مے پرستی ہے

نئی ایک ایک دنیا دل کے ہر ذرہ میں بستی ہے
یہ دو حرفوں کا مجموعہ کتابِ رازِ ہستی ہے

ملا ہے لامکاں کا صحن بھی اک وسعتِ ہمت
پئے ذوقِ تماشا کم فضائے بزمِ ہستی ہے

کبھی اے مسکرا کر جانے والے اس طرف ہو جا
کہ مری قبر دو پھولوں کو مدت سے ترستی ہے

سرِ محفل نقاب الٹی ہے کس نے روئے روشن سے
الٰہی آج کیوں برہم نظامِ بزمِ ہستی ہے

سکونِ ضبط میں پوشیدہ اندازِ فغاں تک ہے
مری حد خموشی وسعتِ حسنِ بیاں تک ہے

ستم ہے مجھکو تڑپا کر کسی کا ناز سے کہنا
ذرا ہم بھی تو دیکھیں ضبط کی طاقت کہاں تک ہے

غرض کیا دیر سے مجھکو حرم سے مجھکو کیا مطلب
مری معراجِ سجدہ تیری سنگِ آستاں تک ہے

نہ پوچھو جوشِ خونباری اسیرانِ ستم کش کا
رواں اک سیلِ اشکِ خوں قفس سے آشیاں تک ہے

اسی سے اوجِ شانِ مرتضیٰ معلوم ہوتا ہے
وہ بندہ ہے نصیری کو خدا معلوم ہوتا ہے

سجا ہے کوچۂ دشمن میں شب کو تم نہیں آئے
ذرا دیکھو یہ کس کا نقشِ پا معلوم ہوتا ہے

مصیبت میں ہوں دل دیکر تو ہیں حضرتِ ناصح
تمہارا کیا ہے تم کو کیوں برا معلوم ہوتا ہے

فلک کو یہ سلیقہ ظلم کرنے کا کہاں توبہ
پسِ پردہ کوئی کافر ادا معلوم ہوتا ہے

غصہ اترا تو سنورتے رہے گیسو شبِ وصل
نکلے ابرو سے جو بل زلفِ معنبر میں رہے

مسل کر کچھ دمِ گل گشت ابھی پھینکا ہے چٹکی سے
کیا آسودۂ ذوقِ تن آسانی نقاہت نے

موج زن دل میں ہے اک جذبۂ ناکام ابھی
تم اٹھا دو جو نقاب اپنے رخِ روشن سے
دیکھی جائیگی سحرِ حشر جو کل گذرے گی
دمِ آخر ہے انہیں دیکھ لوں کچھ کہہ سن لوں

اک نوائے درد تھی آہنگِ سازِ زندگی
شمع سے سن قصۂ سوز و گدازِ زندگی

حسرتِ جلوۂ عارض نے نہ دی رخصتِ دید

ہوں محوِ ذوق غرقِ فنا بر سبیلِ سیر
تاب آزما ہے حوصلۂ انتظارِ شوق
دلِ شوق پائے بوسی میں پھر سجدہ ریز ہے
یوسف کو عشق لایا ہے بازارِ مصر میں
بے پردہ سوزِ چشمِ تماشا فروغِ حسن

سازِ آہنگِ شکایت ہوں نہ چھیڑ مجھکو
جان ہی تن سے نکل جائے تو شاید نکلے
زندگی موت ہے شرمندۂ احساں ہوکر
موت ہے اپنے لئے مایۂ عمرِ جاوید

حشر میں تاب کسے جلوۂ رخسار کی ہے
کچھ تو ٹوٹا ہے صدا مست جو جھنکار کی ہے
تم ہی کہو کہ دیکھ کے یہ حسنِ دلفریب

وہ کہتے ہیں کہ غنچہ ہی نہیں کہتا ہوں "مرا دل ہے"
جہاں ہم گر گئے تھک کر سمجھتے ہیں کہ منزل ہے

لے ٹھہر لے کہ ندا لے جوشِ تپش نام ابھی
خلوتِ خاص بنے جلوہ گہِ عام ابھی
زندگی تلخ نہ کر اے غمِ انجام ابھی
دم لے اے موت کہ ہے مجھکو بہت کام ابھی

بعد مرنے کے ہوا معلوم رازِ زندگی
یہ زبانِ راز میں ہے شرحِ رازِ زندگی

یوں مرے سامنے آیا کہ آیا کوئی

کشتی کو نذرِ موجۂ دریا کئے ہوئے
محوِ فریبِ وعدۂ فردا کئے ہوئے
داغِ جبیں کو نقشِ سویدا کئے ہوئے
ساماں شرحِ خوابِ زلیخا کئے ہوئے
نظارہ کو نقابِ تجلی کئے ہوئے

لب تک آجائے نہ بیداد کا شکوا کوئی
یوں تو نکلی ہے نہ نکلے گی تمنا کوئی
ہو نہ منت کشِ اعجازِ مسیحا کوئی
کون طالب ترا اے آبِ بقا ہوتا ہے

دھوم ہی دھوم فقط وعدۂ دیدار کی ہے
شیشۂ مے تھا کہ توبہ کسی میخوار کی ہے

کوئی اگر کرے نہ تمہیں پیار کیا کرے

صیاد پر شکستہ ہو جو بلبل اسیر
وہ بد نصیب حسرتِ گلزار کیا کرے

یہ رنگ ابر مست کا ساقی کی اس پہ ضد
توبہ اگر نہ توڑے تو مے خوار کیا کرے

بہا تا آکے چار آنسو لحد پر کون تھا ایسا
مرے مرقد سے روتی ہی لپٹ کر بیکسی مری

اے برق نظر سوز کسے تابِ نظارہ
یہ جلوہ نمائی تری پردہ سے سوا ہے

ہے قطع راہِ شوق میں اس درجہ بیخودی
یہ بھی خبر نہیں کہ ارادہ کدھر کا ہے

وعدہ کے روز شام سے دونوں ہیں بیقرار
دھڑکا ہے انکو رات کا ہمکو سحر کا ہے

کیا دیکھا دیکھنے کی ہوس دل ہیں رہ گئی
بجلی سی ایک کوند کے محفل میں رہ گئی

جانا ہی تھا تو ساتھ لئے جاتے اپنی یاد
یہ کیا کہ تم تو چل دئے یہ دل میں رہ گئی

کہتا ہے جان الفت مژگاں میں جا لگی
ناصح کی بات چبھ کے مرے دل میں رہ گئی

ہوتیں نہ چھائیاں تو ترے رخ کا تھا جواب
اتنی ہی بس کسر مہ کامل میں رہ گئی

شوخی ہے چشم شعبدہ گر میں بھری ہوئی
ہیں بجلیاں ہر ایک نظر میں بھری ہوئی

پیدا کچھ اشکِ شوق نے رنگِ اثر کیا
نوکِ مژہ ہے خون جگر میں بھری ہوئی

شکلِ حباب بیخودِ ذوقِ فنا ہوں میں
کس کی ہوائے شوق ہے سر میں بھری ہوئی

کچھ تتلیاں کہ فاتحہ خواں ہیں بہار میں
ہیں دامنِ نسیم سحر میں بھری ہوئی

کاہیدہ لاغری نے کیا مثلِ خس مجھے
طوفان ہے تموجِ بادِ نفس مجھے

ہے غم میں خضرِ راہِ عدم ہر نفس بھی
بانگِ شکستِ شیشۂ دل ہے جرس مجھے

شکر ہے قصۂ غم خوابِ فراموش ہوا
کم جوانی کا خمار سے سرجوش ہوا

بیخودی دور ہوئی آنکھ کھلی ہوش ہوا
حرفِ اربابِ نصیحت گہرِ گوش ہوا

خضرِ توفیق نے کی راہ نمائی میری
ہو گئی کوچۂ گیسو سے رہائی میری

اب نہ بیہودہ مشاغل ہیں نہ وہ باتیں ہیں
نہ وہ چھپ چھپ کے حسینوں سے ملاقاتیں ہیں

رُوسیاہی کے نہ وہ دن ہیں نہ وہ باتیں ہیں
اپنے اللہ سے ہر وقت مناجاتیں ہیں

رہ نما جذبۂ توفیق خداداد ہے اب
حلقۂ شرع ہے اور گردنِ آزاد ہے اب

اب وہ وحشت نہ رہی سر میں وہ سودا نہ رہا
قاضی و محتسب شہر سے جھگڑا نہ رہا
جاں ستانِ سوزِ غم حوصلہ فرسا نہ رہا
دامن آلودہ سے جامۂ تقوےٰ نہ رہا

آسرا کوئی بجز لطفِ خداوند نہ تھا
خیر گذری کہ درِ توبہ ابھی بند نہ تھا

شرر — شرر۔ ناظمِ باکمال ناثرِ عدیم المثال منشی کندن لال صاحب ناظر عدالت سکرواری ریاست گوالیار۔ سہارنپور کے باشندے اور گوالیار میں ملازم تھے نظم کے علاوہ ہر قسم کی نثر لکھنے پر قادر تھے۔ ہندوستان کے اخبارات و رسائل میں آپکے مضامین نکلتے رہے ہیں منشی نیلوری لال شعلہ کے عزیز اور اُنہیں کے شاگرد تھے۔ مولانا راسخ دہلوی کے یار صادق اور اُنکے ظریف اخبار کے قلمی معاون تھے۔ صرف موزوں طبع شاعر نہ تھے بلکہ مشاہیر میں انکا شمار تھا۔ مضامین لطیف اخلاق آموز۔ زبان صاف اور برجستہ۔ تراکیب دلنشیں اور اسلوب بیان قابل تعریف تھا شیریں زبانی کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔ افسوس کہ جوانی میں انتقال کیا۔

شیخ دیوانہ ہے جنت کی سُنی باتوں پر
ہائے گھبرا کے کس انداز سے ہنسنے آپ قتیل
خموشی خوبیٔ غنچہ دہن سے ہے
نقاب روئے رعنائے سخن ہے

مر ہی جائیگا اگر کوچۂ جاناں دیکھا
کبھی خنجر پہ نظر کی کبھی داماں دیکھا
سخن آموز چشم سحر فن ہے
وفورِ شوق اہل انجمن ہے

زبانِ حال کی تقریر ہے تُو
کہوں کیا بولتی تصویر ہے تُو

نرالی تو نرالے تیرے انداز
ادا ہر اک بجائے خود ہے آواز

ستم ہے داد کیونکر پائیں جانباز
کہ محشر میں بھی چپ ہیں صاحب ناز

لب پان خوردہ کی دمساز ہے تو
شریک قاتل طناز ہے تو

متانت بنکے ہے توقیر میں تو
معین رائے ہے تدبیر میں تو
نہاں ہے عالم تسطیر میں تو
مضامین بنکے ہے تحریر میں تو

جگہ آنکھوں میں تجکو دے رہے ہیں
مزے ہم دل ہی دل میں لے رہے ہیں

دلہن آئی مسرت کے نشاں ہیں
ادہر گھیرے ہوئے ہم جولیاں ہیں
دلہن کچھ بولے اس پر ہم زباں ہیں
ترے جلوے وہاں بھی دلستاں ہیں

عروس تو کا جھومر بن گئی تو
حیا کا اور زیور بن گئی تو

کہا اک روز امید وفا پر
کہاں تک یہ جفائیں سہے ستم گر
لگی چپ شکوۂ بیداد سنکر
نہ ہوں ہاں ہم بنے بیٹھے ہیں پتھر

یہاں بیتابی دل صد زباں ہے
وہاں اک خامشی قفل دہاں ہے

یوں ہی جل بجھتی ہے شمع منور
کبھی لائی نہ سوز دل زباں پر
بصد غم خاک پروانہ یہ شب بھر
سرشک افشاں رہی با دیدۂ تر

نہ اُف کی تا دم آخر زباں سے
گئی خاموش بیچاری زباں سے

برشکال

آتے ہی جہاں میں فصل برسات
جی اٹھے زمیں کے سب نباتات
دم بھر میں فلک بدل گیا طور
کچھ اور ہے ابھی تھا کچھ اور

چلنے لگیں دل کُشا ہوائیں
اُٹھنے لگیں جھوم کر گھٹائیں
دلچسپ ہیں رنگ بدلیوں کے
مستانہ ہیں ڈھنگ بدلیوں کے
امنڈے ہیں عجیب دھج کے بادل
برسے وہ گرج گرج کے بادل
شاداب نہال و نخل و اشجار
پُر آب تمام حوض و انہار
ہر ایک حباب نقشِ تسخیر
موجوں میں نظر ہے پائے زنجیر
باغوں میں گڑے ہوئے ہنڈولے
آموں میں پڑے ہوئے ہیں جھولے
تانیں وہ ملار کی فسوں ساز
دلکش وہ صدائے نغمۂ ساز
رخنہ گرِ دل نوائے نے ہے
غارتگرِ صد شکیب لے ہے
کوئل کی صدا پپیہوں کا شور
پر کھول کے ناچتے ہوئے مور
بیخود نہ ہوں کیوں بہار میں دل
رہ سکتا ہے اختیار میں دل
کہسار میں آبشار کے لطف
سرچشمہ و جوئبار کے لطف
دریا کا چڑھاؤ زور کیساتھ
پانی کا بہاؤ شور کے ساتھ
ہر سین پہ شیفتہ مرا دل
قدرت پہ فریفتہ مرا دل
برسات کے ہیں نرالے ایام
طرفہ ہے سحر عجیب ہے شام

ہند

زمینِ ہند بیشک تو کبھی جنت نشاں ہو گی
تری ہستی جہاں میں انتخابِ دو جہاں ہو گی
ترا ہر کوچہ گلشن ہر گلی رشکِ جناں ہو گی
بجا ہے حسنِ تمکیں میں جوابِ آسماں ہو گی
شرف حاصل تھا تیرے آدمیوں کو فرشتوں پر
گلِ خنداں ترے دامن میں ہنستے تھے بہشتوں پر
یہ مانا عالمِ امکاں کی ہستی اک مشیت تھی
خصوصاً ہند کی خلقت نمودِ حسنِ قدرت تھی
بجز اس سرزمیں کے اور کس میں آدمیت تھی
حقیقت جلوہ گر ہندوستاں میں فی الحقیقت تھی
کھلے تھے کچھ یہیں والوں پہ عقدے رازِ عرفاں کے
ہوئے ہیں اہلِ باطن کو نظارے رازِ پنہاں کے
تقدس میں تھا اعلیٰ تر یہاں کا عالمِ نسواں
پتی ورتاؤں کے افسانے سنکر عقل تھی حیراں

زن و شوہر میں تعلق ایسا جیسے ربطِ جسم و جاں
وفاداری میں تھیں ثابت قدم ست دہرم تھا ایماں

خواتینِ حیا پرور پہ عصمت ناز کرتی تھی
جلالِ پاک دامانی پہ عصمت ناز کرتی تھی

اسی طبقہ میں تھی اک نامور خاتوں دمینتی
برار اک قطعۂ زرخیز تھی واں کی شہزادی

فروغِ روئے روشن میں ضیا تھی شمعِ قدرت کی
کمالِ صنعتِ صانع کا لاثانی نمونہ تھی

زمیں کو فخر تھا نقشِ قدم کے ہاتھ آنے سے
فلک کو آرزوئے جبہ سائی آستانے سے

روایت ہے کہ وادِ عاشقی دی ہے زلیخا نے
جہاں میں آبروئے عشق رکھ لی قیس و لیلیٰ نے

نظیرِ عشق قایم کی ہے وامق اور عذرا نے
رہینگے تا قیامت خسرو و شیریں کے افسانے

حدیثِ حسن و عشقِ نل دمن افسونِ الفت ہے
سراسر درد آگیں سرگذشتِ رنج و راحت ہے

شناسا حسنِ دلجو کی نہ تھی چشمِ تماشائی
وہ دونوں طالب و مطلوب تھے نادیدہ شیدائی

یہاں بیتابیٔ دل واں طبیعت وقفِ ناشکیبائی
دو طرفہ ہمنشیں کی دردافزا چارہ فرمائی

یہاں جو حالتِ نل تھی وہی واں عالمِ دل تھا
بظاہر امتیازِ عاشق و معشوق مشکل تھا

بہت سے تاجور دلدادۂ حسنِ دل آرا تھے
بہت شوریدہ سر سودائے زلفِ چلیپا تھے

بہت یوسف لقا گردیدۂ رشکِ زلیخا تھے
سوئمبر میں بصد شانِ تجمل رونق افزا تھے

بصد انداز دمینتی نے بزمِ رشکِ گلشن میں
حیا سے ڈالدی جے مال راجہ نل کی گردن میں

وہ آوارہ وطن پھرتا رہا وادیٔ غربت میں
بدا تھا چار دن بے آب و دانہ جسکی قسمت میں

ترقی روز افزوں تھی بلائے رنج و آفت میں
شریکِ درد و غم تھی ایک دمینتی رفاقت میں

اُٹھائیں سختیاں اس نازنیں نے دشت گردی کی
خوشی کیساتھ جھیلیں کلفتیں صحرانوردی کی

بہت سمجھایا دمینتی کو نل نے اس مصیبت میں
ندے جان اپنی لے آرام جا راہِ محبت میں

بسر کر باپ کے گھر رہ کے اطمینان و راحت میں
کبھی مل جائینگے ملنا اگر لکھا ہے قسمت میں

ستم ہے دشت پیما اسطرح نازوں کے پالے ہوں
قیامت ہے کہ رہ پُرخار ہو تلووں میں چھالے ہوں

لگی اک چوٹ سی اُس نازنیں کے قلبِ نازک پر
کہا آنکھوں میں آنسو بھر کے نل سے اے وفا پرور

بلائے ہجر جاں فرسا ہے ان آفات سے بڑھ کر — مجھے یہ کلفتِ صحرا ہے اس آرام سے بہتر — زہے قسمت کہ سیوا کیلئے حاضر ہوں خدمت میں — یہی راحت ہے وہ جو چاہی تھی اپنی قسمت میں

نوٹ [illegible]

شرر

شررؔ سخنور سحر نواز منشی احسن میرزا شررؔ عرف منے مرزا صاحب خلف میرزا سجاد حسین عرف شہزادے مرزا لکھنوی انکے جدِ اعلیٰ نیشاپور کے رہنے والے تجارت پیشہ فیروزہ فروش تھے دہلی کی بربادی اور تباہی کے بعد یہ خاندان میر انیس کے بزرگوں کی رفاقت میں دہلی سے فیض آباد چلا گیا۔ اور وہاں سے میر انیس لکھنؤ گئے تو یہ بھی ساتھ تھے۔ حضرت شررؔ کے والد گھوڑے پر خوب سوار ہوتے اور مرثیہ خوانی کا بھی ذوق تھا محرم میں مستورات کی مجالس میں ہر روز دو۔ دو تین تین گھنٹے تک مرثیہ پڑھتے وقت آنسوؤں کی لڑیاں بندھی رہتیں۔ مستورات کو غش پر غش آتی رہتے مگر وہ مرثیہ بغیر ختم کئے ہوئے ہاتھ سے نہ رکھتے۔

میرزا شررؔ نے ابتدائی تعلیم و تربیت پاکر جب ہوش سنبھالا تو منشی گوبند پرشاد صاحب صباؔ لکھنوی سابق ملازم ریاست رامپور سے فارسی اور علم حساب شروع کیا منشی صاحب کا سن اُس زمانہ میں نوّے سال کا تھا اور فارسی دانوں میں درجۂ امتیاز رکھتے تھے اور انکے مکان کے قریب ٹھاکر گنج۔ نواز گنج میں فروکش تھے۔ اسی دوران میں آپنے انگریزی بھی شروع کی تھی لیکن فارسی اور عربی کی طرف میلان خاطر تھا اسلئے اُسکو چھوڑ دیا۔ اردو شاعری میں مظہر آغا سے تلمذ اختیار کیا۔ منشی گوبند پرشاد صاحب کے فیض صحبت سے آپنے فارسی زبان میں شعر گوئی کا آغاز کیا تھا۔ جناب موصوف کے انتقال فرمانے پر مشہور عصر خواجہ عزیز الدین عزیزؔ مرحوم کو اپنا کلام دکھایا۔ خواجہ صاحب نے مرثیہ گوئی اور اردو غزل گوئی میں کافی استعداد اور قابلیت دیکھکر یہ رائے دی کہ فارسی کہنا ترک کردو جس کا یہ انجام ہوا کہ دورِ موجودہ کے عمدہ اردو کہنے والوں میں آپکا شمار ہے۔ انجمن معیار کے معزز اراکین میں گنے جاتے ہیں۔ مجالس محرم میں عرصہ تک جناب نفیسؔ کی پیش خوانی کرتے رہے ہیں۔ رؤسائے عظیم آباد کے ہمراہ بلوچستان۔ افغانستان۔ خراسان۔ طہران وغیرہ کی سیر و سیاحت اور نجف کربلا کی زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں۔ عظیم آباد۔ ریاست حیدرآباد۔ بنگلور۔ بانس بریلی وغیرہ میں ذاکر رہ چکے ہیں۔ نواب بہرام الدولہ بہادر کے یہاں حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ کی مجالس محرم میں اُنکو شاہی شاعری کے معاملہ میں لکھنؤ اور

دہلی کی طرفداری کو برا جانتے ہیں۔ ایک کتاب "فلسفہ صرف و نحو" کے نام سے تالیف کی ہے جسمیں عربی صرف و نحو کے دقیق مسائل کو آسان اور فصیح زبان میں لکھا ہے۔ نثر و نظم دونوں میں دستگاہ ہے۔ آپنے جو تقریظ حصۂ اول تذکرہ پر لکھی تھی وہ قابل دید ہے اور حصۂ دوم کیساتھ چھپ چکی ہے اور اس سے آپکی قدرت نثر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اب ۵۳ برس کی عمر ہے اور کلکتہ میں مقیم ہیں تذکرہ کی نظر ثانی کے وقت مؤلف کو جو حالات و کلام بھیجے اسکا انتخاب نذر ناظرین ہے

ہزاروں طرح زلفیں روش پر بکھرائی جاتی ہیں
تکلف دیدنی تھا شام وعدہ میری مہماں کا

مری آنکھوں نے قدرت سے عجب تعلیم پائی ہے
ہے دو لفظوں میں مضمر فلسفہ کوہ و بیاباں کا

فریب حسن جس کو عالم اسباب کہتا ہے
وہ اک رنگین پردہ ہے ہمارے طاق نسیاں کا

سر میں سودا ہے اگر حسن کی رعنائی کا
دل کو آئینہ بنا چشم تماشائی کا

انتہا حسن کی معلوم اگر ہو جاتی
تجھکو الزام نہ دیتا کبھی یکتائی کا

اے شرر حسن جسے کہتے ہیں ناواقف راز
ایک جلسہ ہے حقیقت میں خود آرائی کا

سجا گیا ہے شہیدوں سے حشر کا میداں
سنا ہے آج وہ سرگرم گفتگو ہوگا

یہ ادائیں کہہ رہی ہیں کہ شباب آرہا ہے
رہے کیوں نہ آئینہ میں اُسے انتظار اپنا

وہ ستم کی مست آنکھیں کہیں دل نہ چور کر دیں
ترے واسطے ہی کافی ہے سر پر خمار اپنا

میں تو اسکی بزم سے بہت مضطر اٹھا
کیا خبر کس نے اٹھایا کب اٹھا کیونکر اٹھا

اک مجسم نور آیا شب کو میرے سامنے
جب تصور کی حدیں طے کر کے میرا سر اٹھا

سانس اکھڑی۔ روح نکلی۔ دل نے چھوڑا اسکا ساتھ
بادباں کھولا گیا کشتی چلی لنگر اٹھا

ہمت فرد شکیب دل فرزانہ ہو گیا
جب فکر حد سے بڑھ گئی دیوانہ ہو گیا

پردے دماغ و چشم کے سب دل کے کام آئے
آراستہ مکاں ہے جانانہ ہو گیا

آفتاب عشق کے پرتو سے غم پایا ہوا
دل ہے سینہ میں کہ ہے اک پھول مرجھایا ہوا

غم کو سمجھینگے خوشی اور بقیہ ارنی کو سکوں
اپنے قابو سے کہیں جاتا ہے دل آیا ہوا

اپنی خلوت کے فدا اپنے تصور کے نثار
سامنے بیٹھا ہے جیسے کوئی شرمایا ہوا

اپنے عاشق کی لحد غصہ سے کیوں ٹھکراؤ تم
سو رہا ہے چین سے برسوں کا دکھ پایا ہوا

اُٹھ نہیں سکتے ہیں جن سے اس دل مردہ کے پھول
ہائے یہ کعبہ انہیں ہاتھوں کا ہے ڈھایا ہوا

اس اندھیری میں جسے بیٹھا ہو پی لی چھپ کے ہو
میکدہ پر آج ہے ابر سیہ چھایا ہوا

دل کو دکھلا دی ہے کسکی یاد نے اپنی جھلک
کچھ ضرورت سے سوا ہے آج گھبرایا ہوا

مے پرستوں کی طلب میں بھی ہے کیا حسن قبول
جام اٹھا کر جب دعا مانگی سحاب آ ہی گیا

بے ثباتی دہر کی ہر چند چمکاتی رہی
غافلوں کے سر پہ لیکن آفتاب آ ہی گیا

جب اٹھائی آنکھ پردہ بن گئی حد نگاہ
دیکھنا چاہا تجھے جس نے حجاب آ ہی گیا

دل لینے کے انکار میں ہیں لاکھوں ادائیں
شہرہ ہے زمانہ میں ترے حسن طلب کا

دل آتے ہی معذور ہوئے ہوش و خرد بھی
صد حیف برے وقت کوئی کام نہ آیا

دونوں کے دامنوں پہ ہیں بدنامیوں کے داغ
منعم رہا نہ کچھ کف سائل میں رہ گیا

یوں تھم کے دیکھا ناقہ لیلی کو قیس نے
ناز نگاہ پردہ محمل میں رہ گیا

تغافل کی طرح سے ناامیدی بڑھتی جاتی ہے
سنبھلنا اب ہے مشکل آپکے بیمار ہجراں کا

فریب حسن ہے وہ سمجھتے ہیں سکوں جسکو
برا ہوتا ہے دل کا مضطرب بنکر ٹھہر جانا

یہ کیسی آگ بھڑکی مری آہوں سے فرقت میں
جلا جاتا ہے اتنو سینہ سوزاں میں دم میرا

اٹھ گئے یہ کہہ کے میرے پاس سے چارہ ساز
ہے دوائے انتہائے درد دل پہلوئے دوست

کیا کہوں کیا ہو گیا الٹی جو چہرہ سے نقاب
آنکھ ملنا تھی کہ مجھ پر چل گیا جادوئے دوست

قابل نازش ہے وہ دل ہو جو وقف دوستی
دید کے لائق ہیں وہ آنکھیں جو دیکھیں سوئے دوست

حاصل عمر رواں کیفیت بزم وصال
لذت سرمایۂ عیش و طرب پہلوئے دوست

گردش جام مئے گلگوں نظر کی گردشیں
ساغر صہبائے عشرت نرگس جادوئے دوست

سورۂ اخلاص کی تفسیر ہر خال سیاہ
مصحف اسرار اخلاق و محبت روئے دوست

کس طرف جاؤں شرر خاموش ہوں اس سوچ میں
اسطرف کعبہ کا رستہ اسطرف ہی کوئے دوست

چلیے بیانِ غم سے کہنے کو آنکھیں خونچکاں کریں
ذرا رنگین خونِ دل سے عنوانِ بیاں کرلیں

بہت مشکل سے اک شیشہ بنا تھا آبلہ دل کا
ارادہ تھا کہ محفوظ اسمیں اجزائے فغاں کرلیں

فنا ہو کر بنے ہیں آئینے درد دل کی حالت کے
نہ بند آنکھیں کرو یہ قصۂ حیرت بیاں کرلیں

ہوئی ہے تنگ دنیا ضبطِ کیفیاتِ باطن سے
اجازت دے ترا جلوہ تو آنکھیں کچھ بیاں کرلیں

جو تو اے بربطِ صبحِ گلستاں ہمکو ملجائے
یہ حسرت ہے ترے نغموں کے پردہ میں فغاں کرلیں

جنہیں ہو دیکھنا آ کو شبستانِ محبت میں
وہ مثلِ شمع سوزِ غم سے روشن استخواں کرلیں

شرر ہیں کم سخنداں آج کل ور مدعی لاکھوں
مناسب ہے یہی بس بند ہم اپنی زباں کرلیں

اے فلک گر تجکو اس دل کی خوشی ہے ناپسند
تو اجازت جسکی دے اب ہم وہی ارماں کریں

نزع کی ہچکیوں کو کم سنی کا پاس ہے
وہ جو بالیں سے سرک جائیں بڑا احساں کریں

دنیا بھی ہے عجیب طلسمی قفس کہ یاں
میں قید بھی نہیں ہوں گرفتار بھی نہیں

کیا کہیں درد محبت کیسا ظالم درد ہے
اور ظاہر ہو جو اس کمبخت کو پنہاں کریں

مختصر یہ ہے کہ دردِ ہجر ایسا درد تھا
عمر رفتہ گر ملے تو پھر غم ہجراں کریں

بے مزا زیست ہے گر وصل کا ارماں نہیں
جس کے دل میں نہ محبت ہو وہ انساں نہیں

حال پوچھو نہ اسیری کا اب اے ہم نفسو
قید سے چھوٹ کر آیا ہوں مگر جان نہیں

ہوگیا معلوم مجھسا نیم جاں کوئی نہیں
انکے ترکش میں خدنگِ امتحاں کوئی نہیں

اک متاع بنگئی ہے بے ثباتی شباب
سب جوانی میں جواں ہیں پھر جواں کوئی نہیں

منحصر اسکی خوشی پر زندگانی ہے مری
وہ نہیں راضی تو مجھپر مہرباں کوئی نہیں

خواب کے عالم میں جب ہر چیز آتی ہے نظر
پھر یہ دعویٰ کون کرسکتا ہے بیداری نہیں

دل کے خاکستر کو تم کب تک کریدے جاؤگے
سوزِ غم اس راکھ میں ہے کوئی چنگاری نہیں

حیف ہے گر بیوفائی کا لگے الزام دوں
دیکھتا ہوں میں تو خود مجھ میں وفاداری نہیں

جان کو راحت سکوں دل کو غشی طاری نہیں
مری افسردگی ہونا سحر کا شمع کا بجھنا
اے ضبط گریہ موت کی تدبیر چاہئے
ہجر میں انکو فراہم جو کیا تھی میں نے
ہے جوانی کے ہی عالم میں یہ ہنگامۂ عشق
ہمیں تو زندگی پر انکی رشک آتا ہے اے واعظ
سوادِ چشم سے دیکھے بہت مناظرِ حسن
انقلابِ عیش کی صورت کبھی ایسی نہ تھی
تیرے شیدائی لحد میں ہیں بہت آرام سے
قدم قدم پہ گرے کیوں نہ کوئے جاناں میں
کھو رہے ہیں اُبھر اُبھر کے حباب
دیکھکر شکل مریضِ غم ہوئے یوں بدحواس
اے شررؔ نادم ہوا بے حد دلِ ہمت پسند
کالی کالی یہ گھٹا باعث سودا ہوگی
جس کے باعث ہیں کل ساغر کوثر پاؤں
جنہیں الفت کے سبب جذب و کشش تھی باہم
صبر لازم ہے غم و رنج و تعب میں تا زیست
مجمع عام میں کرنا جو بڑی بات سے تجھے
نہ سر و پا کی خبر ہے نہ دل و دیں کا ہوش
ہو کے مجبور محبت میں یہ دل کہتا ہے
خلاصہ شرحِ تمنا کا اس نگاہ میں ہے

آپ جتنک پاس ہیں کوئی بھی بیماری نہیں
دمِ رخصت یہ کیفیت بھی دم بھر دیکھتے جاؤ
اِن آنسوؤں میں زہر کی تاثیر چاہئے
کبھی ٹکڑے دلِ بیتاب کے باہم نہ رہے
چار دن بعد نہ دل ہوگا نہ ارماں ہونگے
کچھ ایسے بے تکلف ایک جا مئخوار بیٹھے ہیں
عجیب روشنی اس نقطۂ سیاہ میں ہے
اب زمانہ کی ہے جو حالت کبھی ایسی نہ تھی
غم زدوں کے واسطے راحت کبھی ایسی نہ تھی
ہمارے ساتھ دلِ بیقرار راہ میں ہے
نقش بر آب زندگانی ہے
لوگ اُسکو زہر کے بدلے دوا دینے لگے
جب مجھے میری وفا کا دھ صلہ دینے لگے
اور دیوانہ بنا جائیگی برسات مجھے
وہ عمل آج بتا پیرِ خرابات مجھے
کر گئے آج پریشان وہ ذرات مجھے
یہی معلوم ہے سو بات کی اک بات مجھے
کیا پسند آئی قیامت کی ملاقات مجھے
محو رکھتا ہے تصور ترا دن رات مجھے
اے شررؔ چاہئے غیروں کی مدارات مجھے
نتیجہ قلب کی کیفیتوں کا آہ میں ہے

ویں تیرا گلہ کیا میں نے — ہاں خلاف وفا کیا میں نے
فکر اُس درد کے علاج کی ہے — جسکو خود لادوا کیا میں نے
دل میں کی عشق سے کشش پیدا — کاہ کو کہربا کیا میں نے
کھینچکر کوہِ طور کا سُرمہ — چشم کو حق نما کیا میں نے

جینے کا مزا عمرِ رواں سے چھوٹا — سب لطفِ حیات ناتواں سے چھوٹا
کیا جلد گیا جوشِ شباب لے پیری — معلوم ہوا تیر کماں سے چھوٹا
پیری میں کسی وقت بھی مسرور نہیں — ہو جائیں جواب گوشہ نشیں دور نہیں
کھینچکر تا دیر روئے مصطفےٰ دیکھا کیا — اپنی قدرت کی حدیں خود کبریا دیکھا کیا
تھا زبانِ حال سے رن میں یہ صغریٰ کا بیاں — کوئی آنسوں میں پلادے بوند بھر پانی مجھے
کھینچکے نقشہ بول اٹھا اکبر کا لے صلِّ علیٰ — دیکھنے والے کھینچے احسنِ ثانی مجھے
جب زباں سوکھی دکھائی شہ نے اکبر سے کہا — اسطرح تم مانگو اور ممکن نہو پانی مجھے
اخلاق نتیجہ ہے وجودِ بشری کا — آفاق میں باعث ہے یہی ناموری کا
مغرور میں کیوں عیب نہو کج نظری کا — بدلا یہ ملا ہے اُسے شوریدہ سری کا
کج خلق کوئی شہرۂ آفاق نہیں ہے — انسان نہیں جو صاحبِ اخلاق نہیں ہے
وہ سر بلند کوئی کہ دشوار ہے بیاں — پالاں سے تا گوش عجب زینتیں عیاں
لٹکی ہوئی وہ دونوں طرف سبز ڈوریاں — وہ اُنمیں سرخ پھول کہ حیراں ہو کہکشاں
آرائشیں ہوئی تھیں عجب آب و تاب کی — کلیں تھیں گویا سر میں شاخیں گلاب کی
ہر سو وہ زنگلوں کی صدائیں بہت بلند — پہونچے جنکی وجہ سے راہوں میں کچھ گزند
اونی وسرمئی وہ مہاریں وہ فرق بند — گھنٹے وہ زرو زر دوہ پالان دل پسند
کہتے تھے خود سجے ہوئے ناقے پکار کے — لکتے ہوا پہ آئے ہیں ابر بہار کے
سرکردئی لشکر ہے حشم کہتا ہے اُسکا — جھک جائینگے سرکش بھی یہ خم کہتا ہے اُسکا

کھا جائیگی نوجوں کو سکم کہتا ہی اُس کا
اونچی ہو نظر خوف سی یہ تاب نہیں ہے
اب کھلیں بھی تو کھلیں باغ میں کیونکر کلیاں
گل نہاں لاکھوں ہیں پوشیدہ ہیں اکثر کلیاں
اور کلیوں میں ہے بُو۔ بو کا اثر باہر ہے
کثرتِ گل کا کوئی یوں نہ اگر ہو قائل
آنکھ دکھلا کے کہو اُس سے کہ دیکھا و جاہل
پھر جو پوچھے کہو کس طرح نظر باہر ہے
کیوں نہ کلوں کی ہو نہ کثرت کہ ہی رحمت اسکی
ایک جز سے ہی یہ کل دیکھیے قدرت اسکی
غنچے باغوں میں چٹکتے ہیں تو کیا کہتے ہیں
ہاں ساقیا علاجِ دلِ مبتلا کا ہو
جام و سبو بنا ہوا خاکِ شفا کا ہو
شامل نہ کوئی چیز مگر اس طرف کی ہو
ساقی جو داروئے دلِ مضطر ہی وہ شراب
صہبائے معرفت کی جو ہمسر ہی وہ شراب
اہلِ ولا میں آبِ بقا جس کا نام ہے
ساغر میں جسکے لطفِ حیات و ممات ہے
ہر قطرہ جس کا ساغرِ آبِ حیات ہی
جس کے بغیر حسنِ عمل بے حصول ہی
ساقی وہ پھول ہو جو عروسِ بہار ہو

چھوڑیگی نہ خون جسم میں دم کہتا ہے اُسکا
ہیروں کی ہے دامن میں چمک آب نہیں ہے
دب رہی ہیں جو ہیں غنچوں کی برابر کلیاں
پھول میں پھول ہیں اور پھولوں کے اندر کلیاں
جس طرح آنکھ کے پردوں سے نظر باہر ہے
پھول میں پھول کا اثبات نہیں کچھ مشکل
ہی سپیدی میں سیاہی تو سیاہی میں ہی دل
کہدو جس طرح ترے دل سے اثر باہر ہے
پھول میں رنگ تو کلیوں میں ہی نکہت اسکی
ایسی کثرت میں نظر آتی ہے وحدت اسکی
سُننے والا ہو تو سب صلِ علیٰ کہتے ہیں
شیشوں کی آب و تاب میں جلوہ خدا کا ہو
ساغر ہوں کاظمین کے خم کربلا کا ہو
بصرے کا ہو گلاب تو صہبا نجف کی ہو
جو وجہ قوتِ تنِ لاغر ہی وہ شراب
جس کا خمار طاہر و اطہر ہے وہ شراب
جس کے بغیر عمر دو روزہ حرام ہے
جس کا خیال شربتِ قند و نبات ہے
موقوف جس پہ بادہ کشوں کی نجات ہے
اعمال بے اثر ہیں عبادت فضول ہی
جو باعثِ سکونِ دلِ بیقرار ہو

ساغر وہ دے کہ حسنِ ازل آشکار ہو	حاصل سرورِ معرفتِ کردگار ہو
جنت میں جاؤں جام کے لب چومتا ہوا	تربت سے روزِ حشر اٹھوں جھومتا ہوا
ہو قابلِ قبول عبادت وہ مے پلا	بن جاؤں جسسے لایقِ رحمت وہ مے پلا
معدوم ہو تصورِ کثرت وہ مے پلا	جس میں ہو لذتِ مئے وحدت وہ مے پلا
رائج ہوئی جو ساقیِ کوثر کے ہاتھ سے	شیشہ ملا ہے جس کا پیمبر کے ہاتھ سے
جائیگا اُنکے دل سے نہ تا زیست اضطراب	تم جنکو اپنے حسن کی جھلکی دکھا چکے
حقیقت میں جو دیکھو حسن ہی ہے عشق کا باعث	جلانے روشنی جاتی ہے جب پروانہ آتا ہے
پتہ پتہ سے ہوا پھر جوشِ قدرت آشکار	رنگ بدلا آسماں کا آئی پھر فصلِ بہار
تھے جو ویرانے وہ اب جوشِ نمو سے سبز ہیں	کل جو تھے سنسان صحرا آج ہیں وہ لالہ زار
ہیں ہرے سب خشک جنگل جھاڑیاں ہیں تر بتر	ندیاں ہر سمت جاری ہیں رواں ہیں آبشار
عاشق و معشوق میں ہے وصل ایسی فصل ہے	سرو پر قمری تصدق گل پہ ہے بلبل نثار
سبزہ خوابیدہ لب جو ہے ہوائے سرد سے	بھر گیا ہے نرگسِ شہلا کی آنکھوں میں خمار

سبز ہے ساری زمیں فصلِ نمو کا جوش ہے
آسماں رنگِ شفق سے آجکل گل پوش ہے

شرر

شرر۔ بابو بھولا ناتھ دہلوی ملازم پوسٹل ڈیپارٹمنٹ راولپنڈی شاگرد داغ دہلوی عمر ۵۰ سال کے قریب ہے۔ زبان میں صفائی اور سلاست ہے۔ یہ کلام کا انتخاب ہے ؎

دل جلایا کئے ہم سوزِ دروں سے لیکن	نالۂ آہ شرربار نکلنے نہ دیا
شور ہی کنجِ قفس میں داد کا فریاد کا	خوب طوطی بولتا ہے اندنوں صیاد کا
بوسہ گر مانگا تو یہ کہنے لگے	منہ کی تم کھاؤ گے ہوس دھیان میں
ہاں تیرِ ستم دیکھ دہی چھیڑ چلی جائے	ایسا نہ ہو کم بخت مرا زخمِ جگر بھر آئے

شرر

شرر۔ منشی صدیق حسن صاحب۔ شاگرد استاد داغ ظہیر۔ صرف دو شعر ملے۔ درج ہیں ؎

خدا کی شان ہے منت سے جو نہ آتے تھے | وہ آج آئے ہوئے بن بلائے بیٹھے ہیں
چلا کہاں دلِ آفت نصیب تو خوش خوش | وہ تجھ سے خاک ہیں لاکھوں ملائے بیٹھے ہیں

شتر۔ جناب صاحبزادہ مصطفٰے علیخاں صاحب مرحوم سابق پرائیویٹ سکرٹری نوابصاحب رامپور خلف صاحبزادہ محمود علیخاں صاحب۔ موجودہ نوابصاحب کے عہد میں انہیں کی دلچسپی اور کوشش کی وجہ سے مشاعروں کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے ذاتی صرف سے بھی ایک عام مشاعرہ کیا تھا۔ جسمیں مشاہیر شعراکو مدعو کیا گیا تھا۔ شاعری میں حضرت مضطر خیرآبادی کے شاگرد تھے۔ ہمیشہ شعراکیساتھ مراعات کرتے تھے۔ رامپور سے علیحدہ ہونیکے بعد نینی تال چلے گئے تھے۔ مگر ہز ہائنیس نوابصاحب رامپور نے کمال خوش اخلاقی سے انکو دوبارہ پرائیویٹ سکرٹری کے خدمات سپرد کئے کہ اچانک یہ فالج کے مرض میں مبتلا ہو گئے اور وہیں انتقال ہو گیا۔

طرح داروں نے تیری ساری دنیا لوٹ لی باز
قیامت ہو گیا سامانِ عشرت ہجر ساقی میں
دلِ شیدا شرابِ عشق کی موجیں قیامت ہیں
یہ متوالے قیامت ہیں اُڑا لیتے ہیں نظروں میں
گلے سے مے اُتر کر حال سارا کھول دیتی ہے
میں کیا کروں کہ آپ بھر آتا ہے دل مرا
حقیقت کھل گئی داغِ دلِ پُرخوں سے گلشن کی
زانو پہ عدو کا سر قدموں پہ مرا سر ہے
ہم نے درِ جاں پر ٹکرا کے یہ حالت کی
تم بھول گئے وعدے میں بھول گیا شکوہ
کس ناز سے کہتا ہے ہم اور تجھے چاہیں
ایسے فرہاد میں کیا لعل لگے ہیں شیریں

یہ کس نے کہدیا تجھسے کہ تو انسان پیدا کر
شرابِ ناب کی موجیں نہیں تلوار شیشے میں
پری کو بند کرنا ہے بہت دشوار شیشے میں
ذرا اے دخترِ رز رہنا بہت ہشیار شیشے میں
یہ کہئے بند ہیں انسان کے کردار شیشے میں
اپنے کسی ارادے سے رکتا نہیں ہوں میں
مری آنکھوں نے کھو دی آبرو رورو کے ساونکی
وہ اُس کا مقدر ہے یہ میرا مقدر ہے
اب کوئی نہیں کہتا یہ سر ہے یہ پتھر ہے
یہ عشق کا شیوہ ہے وہ حسن کا جوہر ہے
کہنے کو یہ فقرہ ہے دل کیلئے نشتر ہے
کوہکن نام اُسی کا ہے جو پتھر کا ٹے

ہم نے اس عمر کے دن رات برابر کاٹے		الفت زلف رخ یار میں یکساں گذری

شرر

شرر - مولوی عبدالحلیم صاحب۔ آپ نسبتاً شیخ ہاشمی وعباسی ہیں اور دورِ حاضرہ کے مشہور فسانہ نگار۔ جدید انشاپردازی کے آسمانِ شہرت کی اختر تاباں آپکی ذات ہے۔ اصلی وطن کرسی ضلع لکھنؤ ہے۔ ۱۸۵۶ء میں جب سلطان عالم واجد علیشاہ بعزم انگلستان کلکتہ کو روانہ ہوئے ہیں تو آپکے نانا منشی قمرالدین صاحب بھی انکے ہمراہ تھے۔ مولنا شرر ۱۸۶۰ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم بھی لکھنؤ میں ہوئی۔ مگر سات آٹھ برس کی عمر میں انکے والد نے کلکتہ بلا لیا۔ شاہزادہ میرزا جہاں قدر بہادر کے استاد۔ ملا باقر سے عربی پڑھی۔ آخر زمانہ حیات شاہ جمجاہ دیکھکر لکھنؤ آئے تو اساتذۂ فرنگی محل سے معقول کی کتابیں پڑھیں پھر دہلی تشریف لائے۔ مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی کے مدرسہ میں قیام پذیر ہوکر اُنسے حدیث پڑھنی شروع کی۔ انگریزی کی استعداد خاصی ہے انگریزی کتب ادب و تاریخ کے ترجمے کی انکی اکثر تصانیف ممنون ہیں۔ منشی احمد علی کسمنڈوی مرحوم جو اودہ پنچ کے لایق اور قابل نامہ نگار تھے انہوں نے آپ کو ایک عمدہ مضمون نگار بنانیکی کوشش فرمائی اور انہوں نے اس میدان میں اپنے قلم کی جولانیاں دکھا کر اپنے طرز تحریر کا رنگ جما لیا۔ اور پبلک کے سامنے اپنا پہلا ناول دلچسپ پیش کیا ۱۸۸۷ء میں رسالہ دلگداز شایع کیا۔ ملک میں انکی انشاپردازی کا ڈھنگ بہت مقبول ہوا۔ شہرت اور قسمت کی یاوری نے حیدرآباد تک پہنچایا۔ نواب وقار الامرا بہادر کے صاحبزادہ کے ساتھ آپ انگلستان تشریف لیگئے۔ انگلینڈ سے واپسی کے بعد آپ نے جو کتابیں لکھی ہیں انہیں کسی قدر آزادی کی روح سرایت کئے ہوئے ہے۔ عام طور پر انکے ناول مذہبی تفضیلت اور تعصب کے اظہار سے بری نہیں کہے جا سکتے۔ بلاضرورت ایسے مضامین جن سے کثیر التعداد فرقہ کی دل آزاری کا پہلو نکلے جابجا پائے جاتے ہیں۔ خلقی طور پر شوخ نگاری اور ظرافت کا مادہ انہیں فیضان قدرت سے نہیں ملا۔ اسلئے انتہائی سعی و کوشش سے بھی سرشار کا سا حسن قبول نصیب نہوا تاہم آپ ایک عمدہ ناولسٹ اور نثار ہیں کسی زمانہ میں شعر گوئی کا مذاق تھا اور آپ اس فن میں سید حیدر علی صاحب طباطبائی نظم کے شاگرد تھے لیکن

شرر کی طرح انہیں شاعری کی دنیا میں عظمت حاصل نہ ہوئی۔ اور گلزار نسیم، جیسی بے مثل مثنوی پر اعتراضات کرنے سے انکے تعصب اور سخن پروری کی شہرت دوگنی ہوگئی مگر ارباب سخن میں کوئی درجۂ امتیاز حاصل نہ ہوا بلکہ اودھ پنچ نے انکی ناموری کو نقصان پہنچانے میں کوئی بات اٹھا نہ رکھی اور جب لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ یہ مسلمہ مقبول کاملوں کی تصانیف پر حملے کرتے ہیں تو دنیائے ادب کے انصاف پسند ارا کین ان سے بددل ہوگئے۔ کتابوں کی فروخت سے معقول معاش کر لی ہے۔ سرکار رامپور کے بھی کئی سال نمک خوار رہے ہیں۔ ۶۵ برس کے قریب عمر پاکر ابھی حال میں انتقال کیا۔ چند اشعار بطور نمونہ کلام پیش کئے جاتے ہیں ؎

اٹھے تھے دمِ وعظ وہ واعظ سے نشہ میں — منتے ہیں نکالے گئے مسجد سے شرر آج

کروڑوں آرزوئیں نوحہ خواں تھیں ساتھ میت کے — ہزاروں حسرتیں سر پیٹتی ہیں میرے مدفن پہ

نرالی چھیڑ ہے وہ پوچھتے ہیں ہم سے رہ رہ کر — مرے سر کی قسم کہہ دو فدا ہو کس کے جوبن پہ

شرر کی شکل پر کیوں ان دنوں وحشت برستی ہے — مٹے ہیں آجکل حضرت کسی کافر کی چتون پہ

مرا ذمہ جو ہو پھر فکرِ عقبےٰ حضرت واعظ — کسی دن دو گھڑی کو بیٹھ جاؤ بادہ خوار بنیں

لیا دل گیسوئے پرپیچ نے کن کن کرشموں سے — کبھی موباف میں لپٹے کبھی پھولوں کے ہار بنیں

یارب مجھے ہے داغِ تمنا بہت عزیز — پہلو سے دل جدا ہو مگر یہ جدا نہ ہو

یہ شوخیاں یہ ناز و ادا یہ لگاوٹیں — کیا چیز تم ہو ہائے اگر بے وفا نہ ہو

تم اور وفا کرو یہ نہ مانوں گا میں کبھی — اس کو فریب دو جو تمہیں جانتا نہ ہو

کیا کیا شرر ذلیل ہوئے آبرو گئی — ایسا بھی عاشقی میں کسی کو مزا نہ ہو

صدمۂ فرقت ہوش ربا ہے — غم کا سماں آنکھوں میں بندھا ہے

رات اندھیری کالی بلا ہے — ہو کا عالم رنج فزا ہے

درد کے مارے رو رو دینا — آفت جاں ہے سانس کا لینا

چرخ پہ بسنے والے تارو — پیارے پیارے چمکنے والو

جاگو

آنکھیں پھاڑ کے دیکھتے کیا ہو
حاصل! ایک جلے کو جلانا
لذتِ وصل اُٹھانے والو
کوئے یار میں جانے والو
دل میں تمہارے اور ٹھنی ہے
آئی کتنی رات خدایا
کتّوں نے شور الگ ہی مچایا
چپ ہیں سارے محلے ٹولے
میکشو وقتِ صبوحی آیا
برہمنو لو دیر کا رستا
واعظو رات قضا ہوتی ہے
پچھلی رات کے سونے والو
کلفتِ غم کے دھونے والو
آنکھیں ملتے اُٹھ اُٹھ بیٹھو
چرخ پہ کچھ کچھ چھایا اندھیرا
چڑیاں ڈھونڈ رہی ہیں بسیرا
دیکھتے ہی دو وقتوں کے ملتے
شور ہوا ہر سمت اذاں کا
بجنے لگا ہر دیر میں گھنٹا
دوسری جانب دنیا پلٹی
آئی رات ہوئی اندھیاری

دم بھر کو تو سو لینے دو
سینے کے اندر آگ لگانا
دل پر قابو پانے والو
گھر میں کسی کو بلانے والو
کیا جانو جو ہم پہ بنی ہے
اب تک کچھ نہیں سننے میں آیا
ہر جانب سناٹا چھایا
پرندا ابھی آج نہ بولے
مہ وشو جاؤ نہانے گنگا
طائرو نکلو چھوڑو بسیرا
دیکھو نماز قضا ہوتی ہے
صبحِ وطن کے کھونے والو
او بیدار نہ ہونے والو
کھوئی ہوتی ہے منزل جاگو
کوئی کوئی ستارہ چمکا
کوّوں نے ایک شور مچایا
موت کے حوالاں اٹھ اٹھ بیٹھے
برہمنوں نے شنکھ بجایا
تارا شام کا ہر جا چمکا
چرخ فلک نے کروٹ بدلی
چرخ پہ تاروں کی گلکاری

کیسی رات مبارک ساری — اچھی اچھی پیاری پیاری
اب پازیب بڑھاتے ہونگے — تھوڑی دیر میں آتے ہونگے
سامان وصل کا کرلیں آؤ — شیشے مے سے بھر لیں آؤ
پھر کرک کچھ جلد منگاؤ — اچھی پلنگڑی لاکے بچھاؤ
اُٹھو جاکر شمع جلا دو — سارے کمرے میں پھول بچھادو
جام و صراحی و میناکاری — سرخی مے کی سہانی پیاری
عطر آگیں ہے باد بہاری — انکے آنے کی ہے تیاری
غم غلط آج ہمارا ہو گا — پہلو میں کوئی پیارا ہو گا
ٹھہرو کس کی آہٹ پائی — چُپ ہو چلنے کی چاپ سی آئی
دیکھو کس نے جھلک دکھلائی — سنبھلو دور ہوئی تنہائی
اُٹھو دوڑ کے بوسہ لے لو — دوڑ دو جان کو صدقے کر دو
آئے اور کس ناز سے آئے — سہمے گھبرائے شرمائے
سینہ اُبھارے سر کو جھکائے — نیچی نظر آنچل لٹکائے
کمرہ میں ہم کو بیٹھا پا کر — جھینپ گئے دروازہ پہ آکر
رُک رُک کے وہ کسی کا آنا — چُپکے چُپکے پانوں اٹھانا
بیٹھتے ہی باتوں کا بنانا — باتوں باتوں میں شرمانا
ہائے غضب ڈھانا وہ کسی کا — دور سرک جانا وہ کسی کا
روٹھ گئے لو بیٹھے بیٹھے — کون خطا تھی جس پر بگڑے
آخر کچھ کہئے تو ہم سے — لیٹ رہے کیوں منہ کو چھپا کے
کہتے ہیں جب کچھ زیادہ چھیڑو — نیند آئی ہے ہم سے نہ بولو
خود ہی دل میں رحم بھی آیا — دھانی دوپٹہ منہ سے ہٹایا

پیارا پیارا ہاتھ اٹھایا
ڈال کے گردن میں فرمایا
کیوں پھر ایسی بات کہو گے
وصل کا پھر ارمان کرو گے

شریر

شریر تخلص کسی شاہجہاں آبادی آشفتہ خاطر، عاشق مزاج کا تھا جو ۱۸۷۵ء میں زندہ تھا۔ اُردو شاعری کے سوا بھاشا زبان پر بھی عبور رکھتا طبیعت میں سوز و گداز زبان میں تاثیر تھی۔ اس نے نظیر اکبر آبادی کے جوگی نامہ پر جو مصرعے لگائے ہیں وہ عوام الناس میں نظیر ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ بازاری کتب فروش بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور وہ نظیر کو خمسہ کا مصنف قرار دیکر کئی ایڈیشن چھاپتے رہتے ہیں مگر مولوی کریم الدین پانی پتی نے جو ایک تذکرہ گلدستۂ نازنینان کے نام سے ۱۲۶۱ھ میں شایع کیا تھا اُسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خمسہ مذکورہ شریر کا نتیجۂ فکر ہے۔ ناظرین اسکا انتخاب ملاحظہ فرمائیں اور شوخیٔ طبع کی داد دیں ؎

یاد اُس شوخ کی کیا کیا ہی ستم لاتی ہے
جان بیچینی سے تن میں مرے گھبراتی ہے
آہ کرتا ہوں تو بجلی سی نکل آتی ہے
جب میں روتا ہوں تو آنکھوں سے برس جاتی ہے
کبھی ساون کی جھڑی اور کبھی بھادوں کی بھرن

دشت اور کوہ میں وحشی سا پڑا پھرتا ہوں
برق کی طرح سے بیتاب سدا پھرتا ہوں
میں غرض تجھ سے صنم جب سے جدا پھرتا ہوں
رات دن ہجر میں جوگی سا بنا پھرتا ہوں
بیقراری سے ترے نام کی جپتا سمرن

عشق میں جوگی ہوئے جب سے رمائی بھبوت
بیٹھے در پر ترے اور گرد بھی پھیلائی بھبوت
دیکھ ٹک آن کے کس روپ میں لگائی بھبوت
پیرہن گیروا اور تن کے اُوپر چھائی بھبوت
سر سے پاؤں تلک خاک ملی سو سو من

گہ در کعبہ پہ پیشانی کو اپنی گھسنا
گاہ مسجد میں میاں مانگنا جا جا کے دعا
انکساری سے کبھی دیر میں ہر دم جا جا
دم بدم آہ کی پونگی سے بجانا یہ صدا
دیکھئے کون سے دن پھر ہمیں دینگے درشن

دیکھا جو میرے تئیں تن کے اوپر گل کھائے
دیکھ یہ حال تعجب سے بشر گھبرائے
اور کپڑے بھی رنگے گیروا تن پر پائے
کوئی کہتا ہے کہ جوگی جی کدھر سے آئے

سچ کہو کون سی نگری میں تمہارا ہے وطن

ہمکو جوگی جی بتا دیجئے احوال اپنا
اور مرشد سے تمہارے ہی تمہیں کیا پہونچا
تم جو بیراگی بنے اسمیں نفع کیا ہے بھلا
نام کیا جوگ میں ہے تم کو گروؤں نے بخشا

دہیان کیا رکھتے ہو کس گیان کا رکھتے ہو چلن

کس لئے جوگ لیا اور رنگا کپڑوں کو
کیونکر اوقات بسر ہوتی ہے ہم سے تو کہو
کس پہ عاشق ہو دیا رنج یہ کس نے تم کو
کیا اہل کھاتے ہوا ور کس کی طلب رکھتے ہو

دُہونی جل پان بھی یا یوں ہی کردے لنگن

ہم نے دنیا میں اجی سینکڑوں دیکھے جوگی
پر غرض تم سے نہیں دیکھے ہیں ہم نے جوگی
ہر برن اور ہر اک رنگ کے نرالے جوگی
تم تو آتے ہو نظر ہمکو نئے سے جوگی

سچ کہو جوگ لیا تم نے یہ کس کے کارن

کیا غرض تجکو جو پوچھے ہے تو احوال مرا
اور اُسکی ہی جدائی میں پھریں ہیں ہر جا
جوگ کی پوچھے تو بس عشق میں یہ جوگ لیا
اور وطن پوچھے ہمارا تو یہ سن رکھ بابا

یا گلی دوست کی یا یار کے گھر کا آنگن

دیکھ نیرنگی زمانہ کی ہوئے گل در گل
کپڑے رنگنا تو۔ تو آسان نہ جان او غافل
اور ملا تن کو بھبوت اپنے گئے خاک میں مل
رنگ وہ رنگتے ہیں جس رنگ کا رنگنا مشکل

روپ وہ بھرتے ہیں جس روپ کا بھرنا ہے کٹھن

رنگے کپڑوں سے نکر ہم پہ تو جوگی کا گمان
گر تو عاقل ہے تو بس پردہ سے اپنی پہچان
ہم سے کیا جانے کیا کس لئے ایسا سامان
ہم میں اور جوگی کی صورت میں بڑا فرق ہے جان

کہاں جوگی کی ادا اور کہاں عاشق کی پھبن

آتشِ عشق میں جب سے جلا دل جان | تب بیا کیمیا کی ہمکو تو کھلا اسمیں نہ جان
تو غافل ہے بس اب عشق ہی دینی پہچان | خاک ہو یار کے کوچہ کی بھبھوت اسکو نہ جان

ہم نے یہ راکھ رمائی ہے جلا کر تن من

خواہش نہ کریں نہ کسی سے کچھ مانگیں | تخت اور چتر کی بھی کچھ نہیں پرواہ ہمیں
گر گل اور چتر ہمیں بٹنے کی بھی ذرہ کھیں | جا پڑیں یاد میں اُس شوخ کی جب بستی میں

وہی گلگشت ہے ہمیں اور وہی نندا بن

خاطر آشفتہ لیے پھرتا ہوں از بس دل گیر | عشق میں اُسکے سبھی کھو چکا عزّ و توقیر
پھرتا ہوں گلیوں میں دیوانہ سا بہ روز شتر | کیا لکھوں اب تو جو کچھ مجھ پہ گذرتی ہے نظیر

دل من داند و من دانم و داند دل من

شہیر — قمر ریاست منشی عبد الغفار خلف منشی حسین بخش ساکن ریاست جودھپور تقریباً ۳۰ سال کی عمر ہو۔ کرنال میں رکن الدولہ نواب رستم علیخاں شیر جنگ بہادر کے یہاں ملازم تھے۔ سید نذیر حسن صاحب تنقید سے تلمذ حاصل ہے۔ شاعر خوش فکر و طبیعت دار ہیں مضمون آفرینی کیساتھ زبان بھی اچھی ہے غزل پڑھنے کا ڈھنگ نہایت تو۔ اُنکے کلام کا انتخاب پیش ناظرین ہوتا ہے

ہوا یہ غم کہ خوشی کا خیال بھی نہ رہا | نہیں تو یاد وہ لطف وصال بھی نہ رہا
یہ کس زباں سے کہا تھا کہ ہم نہ بولیں گے | حضور کو تو ہمارا خیال بھی نہ رہا
ملا ہیں خواب میں اُن سے اگر وہ یوں نشت | ہوا نہ وصل تو ہمیں بے وصال بھی نہ رہا
شہیر تیغ کشیدوں کی اب ہے خاموشی | شریف کا کوئی پرسانِ حال بھی نہ رہا
بڑنگ تیر گیا اور پر لگا وہ آیا | جو دل میں ضبط بھی آیا تو بے قرار آیا
غضب ہے ہوش میں بھی جو آیا تو رو رو کے | نگاہ ترچھی کی جو تھی وہیں قرار آیا
ہے اپنی آنکھوں پہ احسان گریۂ ست | وہ ایک بار نہ آئے یہ لاکھ بار آیا
کسی پہ محو ہوا کوئی میں ہوا جیوں و | ذرا کسی نے کہیں پی مجھے خمار آیا

دیکھنے بھی نہیں دیتیں تری آنکھیں کچھ بھی
کوئی ڈالے کہیں پڑتی ہے نظر آنکھوں پر

تو نے مارا نہیں مارا ہے نگاہوں نے تری
تجھ یہ دعویٰ نہیں دعویٰ ہے مگر آنکھوں پر

کیا سے کیا ہوگئی حالت تری اب دیکھ شریر
ہم نہ کہتے تھے کہ کمبخت نہ مر آنکھوں پر

شرابی

شرابی۔ محمد نظیر ملازم تھانہ رائکوٹ متوطن ہاپور شاگرد جناب فدا۔ زیادہ حال معلوم نہوا۔

کیا رخ یار کو سمجھا ہے مقابل اپنا
داغ تو دیکھ لے پہلے مہ کامل اپنا

گر رحم مسیحا تجھے کرنا نہیں آتا
کیا جان سے بھی ہمکو گذرنا نہیں آتا

عاصی تو اسی کے ہیں وہی بخشیگا اے شوخ
ہاں ہم تو شرابی ہیں مکرنا نہیں آتا

شرابی کو نہ چھیڑ و عشق میں شعلہ بھبوکا ہے
جلا دیگی عدو کا گھر جو آہ آتشیں نکلی

شرف

شرف۔ صاحبزادہ محمد عبد الرحیم خاں بہادر نبیرۂ نواب محمد امیر خاں بہادر شمشیر جنگ بانی ریاست ٹونک سادہ بیانی میں طبیعت کے رنگ کا اظہار فرماتے ہیں۔ یہ کلام ہے۔

پھول ہیں خندہ زناں گریہ کناں ہے شبنم
نالے بلبل کے بھی کیا طرفہ اثر رکھتے ہیں

اور پھولوں سے نہ کیونکر ہو گل سرخ عزیز
قدر دنیا میں انہیں کی ہے جو زر رکھتے ہیں

اسکی رزاقی سے ملتا ہے شرف رزق ہمیں
ورنہ فن یاد ہے کوئی نہ ہنر رکھتے ہیں

شرف

شرف۔ شیخ شرف الدین۔ انکا اصلی وطن لاہور تھا مگر انکے والد احمد شاہ بادشاہ کیوقت میں دہلی آن رہے تھے۔ احمد شاہ ابدالی کے حملوں سے جب دہلی تباہ ہوئی تو انہوں نے غلام حسین خاں کروڑی کی رفاقت اختیار کی اور لکھنؤ چلے گئے۔ شرف نے سودا سے تلمذ اختیار کیا اور انکی وفات کے بعد سید ہاشم علی کو اپنا کلام دکھایا۔ بڑے پرگو اور خوش کلام شاعر تھے۔ آخر اٹھارویں صدی میں لکھنؤ میں حیات تھے متین و مہذب اور نکتہ سنجی میں انوکھے شخص تھے اُس زمانہ کا خیال کر کے زبان کی شستگی قابل داد ہے۔ محاورات پر کم نظر رکھتے تھے مضمون آفرینی زیادہ ملحوظ تھی۔ یہ انکا کلام ہے ؎

آج تلک دیکھا ہی نہیں کوئی دشمن کا دوست کہیں
ایک شرف ہی کو ہیں دیکھا دوست ہوا ہے دشمن کا

دُرِ دنداں ہیں یہ تیرے لبِ خنداں کے بیچ
یا کہ الماس کے معدن ہیں بدخشاں کے بیچ

پہنچے کب اُسکی حلاوت کے تئیں سیب بہی
جو حلاوت ہے تری سیبِ زنخداں کے بیچ

شمعِ سوزاں شیشۂ گریاں چشمِ ساغر ہے پُر آب
حیف یوں ساقی چلا تو انجمن کو چھوڑ کر

ایک تو ہے رگِ گل رشتۂ پائے بلبل
تس پہ صیاد یہ چاہے ہے کہ میں باندھوں پر

ہمدموں سے ہے یہ تمنا میری اُس قاتل کے
ہو وے خنجر بکف اور سر ہو میرا پاؤں پر

جیوں ہی چلا چمن سے وہ دامن کو جھاڑ کر
گل گر پڑے زمیں پہ گریباں کو پھاڑ کر

لوٹے چمن میں گل کو خزاں یوں بہار حیف
اور عندلیب تو رہے جیتی ہزار حیف

میں تو اب ہار گلے کا ترے ہوں گا ظالم
دیکھیں جاتا ہے کہاں اب تو مُجھا کے پھول

اُس رشکِ چمن کو ہوا آہنگِ گلستا (ن)
پرواز ہو سنتے ہی وہاں رنگِ گلستان

اُس رشکِ چمن کے ہے یہ چہرہ پہ خطِ سبز
یا گرد میں ہے ثبت یہ فرہنگِ گلستان

وہ اُٹھ گئے گل جن سے شرف آباد تھا گلشن
ایک خار رہا میں بھی سو ہوں ننگِ گلستان

نہ سیرِ دریا سے فائدہ کچھ نہ دل کو دے آب تابِ گلشن
جو دم ہے اپنا حباب آسا تو پھر ہے نقش بر آبِ گلشن

نہیں یہ شبنم پڑے ہے نرگس تری تصور میں زلف و رخ کی
مدام شام و سحر ہے ہی تو نہیں چشمِ تر آبِ گلشن

مانند مرغِ قبلہ نما گرچہ مضطرب
پھرتا ہوں اپنے گھر میں یہ عزلت گزیدہ ہوں

امرت سی زیادہ تر ہے مرے حق میں تو اجل
زہرِ غمِ فراق زبس میں چشیدہ ہوں

غربت میں مجھ غریب کو چھوڑو نہ ہمرہو
رہزن بہت ہیں راہ میں اور میں جریدہ ہوں

شرف

شرف منشی شرف الدین حسین ولد شہاب الدین حسین باشندہ علیگڑھ حضرت رشک لکھنوی کے شاگرد قبل از غدر واحد علیشاہ کے زمانہ میں کانپور میں تھانہ دار تھے۔ استعارہ بندی میں ہوشیار ماہر۔ قدیم تخئیل کے دلدادہ۔ سراپا سخن میں سے کلام منتخب ہو کر درج ہوا۔

یہ سبز پیرہن نہیں فانوسِ شمع ہے
ہے شمعِ جسم شمع کی لو ہے اگر زباں

اُس گل کا نام لینے کے قابل نہ ہو کبھی
بلبل گلاب و عطر سے دھوئے اگر زباں

مانگی دعا مگر نہ ملے لب سے لب کبھی — اللہ کرے کہ لال ہو یہ بے اثر زباں
کل عاشقوں کو عالمِ حیرت دکھا دیا — دانتوں میں اُس پری نے شرف وا کبھی زباں
نیچی نظر جبیں پہ عرق رہتا ہے مدام — کیا باحجاب آنکھیں ہیں کیا شرمگیں جبیں
نظر پڑا نہ کوئی تجھسا دوسرا سفاک — لڑائیں ہم نے بھی جاکر کہاں کہاں آنکھیں
قتل کو اپنے رہا کرتی ہے خنجر کی تلاش — یاد آتے ہیں جو قاتل ترے خندار ابرو

شرف

شرف - نواب میر محمدی خلف نواب سید جعفر خاں صوبہ دار مرشد آباد برادر زادہ نواب خان دوراں خاں - تاریخ مرشد آباد سے انکا میر جعفر کا بیٹا ہونا پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا - غالبًا بھتیجے یا بھانجے تھے طرزِ بیان سادہ اور زبان صاف ہے - قدیم خیال بندی کے نمونے کلام میں ہیں - آزاد منش صاف گو امیرزادے تھے - انتخاب یہ ہے

رباعی

قزاق نہیں کہ لوٹ لاتے ہیں ہم
نوکر بھی نہیں کہ روز پاتے ہیں ہم
کیا پوچھتے ہو اپنی حقیقت یارو
اللہ دیتا ہے "بیٹھے کھاتے ہیں ہم"

اک صفائی قلب بس ہے بہرِ تسکین جہاں — خاتم دستِ سلیماں ہے نگین آئینہ
صاف دل کا مرتبہ ہے عرش و کرسی سے بلند — جلوہ گر ہے آسماں زیرِ زمین آئینہ
توتیائے چشمِ مردم خاکساری کیوں نہو — فی الحقیقت خاکساری نسخۂ اکسیر ہے

شرف

شرف - ناظم مرصع خیال - شاعر جادو مقال جناب میر سادات حسین خاں عرف آغا مجو صاحب مرحوم - میرزا حامد علی کوکب ولیعہد واجد علیشاہ کے خسر تھے اور ولی عہد کے لڑکے بڑے میرزا اور ننھے میرزا انہیں کی بیٹی کے بطن سے تھے - ۱۲۸۰ھ میں جبکہ اودہ کا خاندان شاہی اپنے اقبال کی داستان ختم کرچکا تھا اور کلکتہ کے مٹیا برج میں رہتا تھا یہ بھی ولیعہد کے ہمراہ موجود تھے - انہیں ولی عہد کے جوان گذر جانے کا دلی صدمہ تھا جو کلام سے ظاہر ہوتا ہے - معنی بند خوش فکر شاعر تھے - فن سخن میں حضرت آتش کے شاگرد رشید تھے - زبان سلیس - بیان میں لطف ہے - بندشوں میں تشبیہات کی دل آرائی - ترکیبوں میں استعارات کی زیبائی - انکی

مشاقی پر دال ہے ٹکسالی زبان باندھتے ہیں۔ ذہن صائب کی جدت طرازی قابل تحسین۔ فکر باریک بیں کی رسائی لائق آفریں ہے کلام یہ ہے ؎

جہاں میں حسن پرستوں کی جان لینے کو
نکھر نکھر کے نکلتے ہیں خوبرو کیا کیا

ٹپک ٹپک کے کہیں گل بنا کہیں لالہ
چمن میں رنگ نہ لایا مرا لہو کیا کیا

زباں جو انکی شرف نشہ میں بہکتی ہے
مزے مزے کی وہ کرتے ہیں گفتگو کیا کیا

پھڑک کے جان نہ دیتا تو آہ کیا کرتا
قفس سے اور نکلنے کی راہ کیا کرتا

دم نکل لے تو چھری روکیو تو اے قاتل
سانس ہے مجھ میں ابھی ہاتھ نہ اپنا ٹھہرا

قریب مرگ ہوں للہ آئینہ رکھدو
گلے سے مرے لپٹ جاؤ پھر نکھر لینا

دعا کو ہاتھ میں اس شرط سے اٹھاتا ہوں
کروں جو عرض تو اسکو قبول کر لینا

اندیشۂ اجل سے نہ مہلت کبھی ملی
جو لطف زندگی تھا وہ حاصل نہ کر سکا

اس شمع رو کی بزم کا اللہ رے انتظام
پروانہ تک بھی شامل محفل نہ ہو سکا

تری تلاش تھی ہمکو ادھر بھی آ نکلے
ارم کا شوق نہ تھا اشتیاق حور نہ تھا

کمال ربط دل بے قرار میں دیکھا
کہ عمر بھر اسے پہلوئے یار میں دیکھا

چہار سمت مجھے تو ہی تو نظر آیا
اٹھا کے آنکھ جدھر انتظار میں دیکھا

ضعیف ہو کے زمانہ کی ٹھوکریں کھاتا
بھلا ہوا کہ میں دنیا سے نوجواں اٹھا

قیامت آئی ہوا آفتاب حشر بلند
گناہ گاروں کے لشکر کا وہ نشاں اٹھا

جا کے جمعیت محشر جو پریشاں دیکھی
عشق بازوں کی ہیں اجڑی ہوئی محفل سمجھا

اے شرف حسن پرستی کا مزا تھا مجھکو
دل دیا اسکو جسے پیار کے قابل سمجھا

شمار کون کریگا تمہارے کشتوں کا
یہ بے حساب ہیں انکا حساب کیا ہوگا

ہر وقت وہ موجود رہا باغ جہاں میں
لیکن نہ کسیکو صفت بو نظر آیا

مجنوں نے میرا داغ جگر سر پہ رکھ لیا
یہ گل وہ ہے جو طرۂ دستار ہی رہا

بولے وہ میری قبر چھڑ کے سے جھانک کر
تو رہ گیا فقط ترے سودائی رہ گئے

جہاں میں حسن پرستوں کا کارواں نہ رہا
قفس میں پائی وہ آسایش اے شرف ہم نے

نہ ہم سے پوچھو کہ کرتے ہیں ہم ستم کیسا
شاخِ گل جھوم کے گلزار میں سیدھی جو ہوئی

بہار آنے سے خوشدل ہوں قفس میں چھپا ہا ہوں
جسے دیکھو وہ سیرِ شہرِ خاموشاں پہ مرتا ہے

واہ ری تقدیر ہم جب پہنچے بزمِ یار میں
حسن آئینہ میں دیکھ کے اپنے شباب کا

شمع رو خاموش تھے بہتے تھے آنسو شمع کے
ملے گا خاک میں اک دن طلسم دنیا کا

کہے سُنے سے حسینوں کو دل جو دیدیتے
دو روزہ ہی بہار عمرِ انساں باغِ عالم میں

گلوں کی شکل بھی ہم نے نہ آنکھ سے دیکھی
رما کے دھونی جو بیٹھا ہوں مانگ بُرا اُسکی

ہمیں جو نزع میں دیکھا تو رو دیا اُس نے
صرف شیرازہ جو ہوتی رگِ جانِ بلبل

اسقدر موسمِ گل میں ہے مجھے ضعف اسال
تجکو بربادیٔ عالم جو نہ ہوتی منظور

آہ ہم کرتے ہیں اے یار کی محفل والو

یہ شخص مر کے بھی پسِ دیوار ہی رہا
یوسف رہے نہ مصر کا بازار ہی رہا

مٹے ہوؤں کا کہیں منزلوں نشاں نہ رہا
چمن کو بھول گئے یادِ آشیاں نہ رہا

تمہیں بتاؤ تمہیں چاہتے ہیں ہم کیسا
پھر گیا آنکھ میں نقشہ تری انگڑائی کا

اسیری میں یہ خوشیاں ہیں رہا ہوتا تو کیا ہوتا
خدا جانے یہ ویرانہ بسا ہوتا تو کیا ہوتا

شمعیں سب گُل ہو چکی تھیں دم نہ پروانوں میں تھا
کُھل کھیلینگے وہ نام نہ لینگے حجاب کا

رات کو ماتم ہمارے دل کا پروانوں میں تھا
یہ کارخانہ ہے مشتِ غبار سے پیدا

ہماری جان پہ بنتی کسی کا کیا جاتا
غرض یہ چلتی پھرتی چھاؤں ہے عالم جوانی کا

بہار آتے ہی ہم کو اسیر ہونا تھا
اسی لکیر پہ مجھکو فقیر ہونا تھا

اک اور صدمہ یہ وقتِ اخیر ہونا تھا
پھر گلستاں کا نہ مجموعہ پریشاں ہوتا

دونوں ہاتھوں سے نہیں چاکِ گریباں ہوتا
کیوں ہرا باغ بھرا گھر کوئی ویراں ہوتا

دونوں ہاتھوں سے جگر تھام لو اپنا اپنا

پوچھتے ہیں جو کوئی نام مرا لیتا ہے
جانتے ہیں وہ مجھے عاشق شیدا اپنا

رخسار ہے کہ پھول کھلا ہے گلاب کا
غنچہ نہ میں کہوں تو کہوں پھر دہن کو کیا

ہو جاتی شبیہ آپکے کشتہ کی جو بے رنگ
چلا و لہو بھرنے کو تصویر میں آتا

دیدار کی خاطر مجھے تڑپا نیکو اس نے
جھانکا تو جھروکے سے مگر سر نہ نکالا

وحشت میں مجھے دیکھنے آئے جو پری زاد
کس کس نے شرف جیب سے تیور نہ نکالا

ایسی بے رحمی سے صیاد نے بازو توڑے
عمر بھر قابل پرواز کوئی پر نہ ہوا

امید میں دیدار کی آیا ہوں یہاں تک
ارمان بھرا ہوں مجھے ناشاد نہ کرنا

آخر کو ہوا حیرت و حسرت کا یہ نقشہ
مٹی کے کھلونے کو بھی تصویر میں سمجھا

دل کو بچاؤں یار کی ترچھی نظر سے کیا
پہلو تہی کروں میں قضا و قدر سے کیا

قسمت میں داغ تھے سو ملے باغ عشق سے
پھولوں سے کام کیا ہمیں مطلب ثمر سے کیا

کیا ٹھہری تم سے ان سے ملاقات کی شرف
پیغام ادھر سے کیا گئے آئے ادھر سے کیا

چھپتا ہے گل رخوں میں دل مجھ نحیف تن کا
پھولوں میں تل رہا ہے کانٹا مرے چمن کا

جاری ہوا ہے کب سے داغ وفا جہاں میں
موجد ہے کون اسکا سکہ ہے کس چلن کا

پروانہ بھی تو جاکر ابھرتا نہیں واں سے
کیونکر کھلے کسی پر حال اسکی انجمن کا

کیا لگاوٹ تھی کہ دل کھینچ لیا پہلو سے
ہاتھ اس ناز سے اس گل نے کمر پر رکھا

زلف الجھیگی تو شانہ سے سلجھ جائیگی
دل جب الجھیگا تو کوئی نہیں سلجھانے کا

اے شرف بلبل ناشاد کا ہوں میں ہمدرد
داغ ہوگا مجھے ہر پھول کے مرجھانے کا

اے پری رو دیکھکر عالم ترا
کیا بتاؤں دل کا کیا عالم ہوا

عمر بھر رہ رہ کے اٹھا دل میں درد
صدمہ پر صدمہ مجھے پیہم ہوا

خیال دل کی تباہی کا آگیا مجھکو
کسی غریب کا اجڑا ہوا جو گھر دیکھا

شوق میں ذوق میں کیا کیا نہ مرادیں مانیں
کوئی ارمان محبت میں نہ نکلا دل کا

پانی ہو جانے کو یہ ہے وہ لہو ہونے کو
نہ بھروسا ہے جگر کا نہ بھروسا دل کا

روزِ ازل سے غنچۂ دل میں بسا ہے تو
پھر مجھسے بوئے گل کی طرح کیوں نہاں رہا

کچھ بس نہ میری گردشِ قسمت سے چل سکا
چکر میں لاکھ لاکھ طرح آسماں رہا

تنکے مری تلاش میں صیاد نے چنے
دیوانہ جستجو میں مرے باغباں رہا

ڈبویا جب مجھے دریائے غم میں یاس و حسرت نے
نہ کوئی آشنا نکلا نہ کوئی ناخدا نکلا

جل جائیو بھن جائیو پروانو میں ای دل
زندہ کبھی اُس شوخ کی محفل سے نہ پھرنا

بارش کبھی ہوتی ہے تو بھر جاتے ہیں جل تھل
لیکن کبھی رونے سے مرا دل نہیں بھرتا

کہا اشاروں سے میں نے کہ تم پہ مرتا ہوں
جو نطق بند مرا اُنکی گفتگو سے ہوا

بڑوں بڑوں کو لگایا نہ مُنہ کبھی میں نے
وہ ظرف ہوں کہ نہ واقف کبھی سبو سے ہوا

میں وہ دیوانہ ہوں مجنوں گرد پھرتا ہے مرے
کرتی ہے لیلیٰ طواف آکر مری زنجیر کا

جل بھی جاؤنگا تو تیری بزم کا ہونگا چراغ
میں وہ پروانہ ہوں تیرے حسنِ عالمگیر کا

سراپا نور ہے جلوہ نظر آتا ہے قدرت کا
ہمارا دل بنا ہے آئینہ کس خوبصورت کا

نشو و نما جو کر کے مجھے بے نشاں کیا
کیا جانے اُس نے میری طرف کیا گماں کیا

ہم نے دل دیکے انہیں داغ ہزاروں پائے
ایک غنچہ کے عوض ہیں ہمیں گلزار ملا

ہمیشہ ہم نے شرف وجد و حال کو ڈھونڈا
کہیں پتا نہ سنا اُسکی انجمن کے سوا

باغباں کے ظلم سے تنکے گلستاں میں چنے
بازوؤں کو توڑ کر صیاد نے بے پر کیا

کوئی پھرتا تو خبر ہم رفتگاں کی پوچھتے
کون سی منزل پہ اترے ہیں کہاں بستر کیا

جگر کا درد جو معشوق دلربا سے کہا
کوئی بتائے کہ بیجا کہا کہ وہ جا سے کہا

مری طرح سے کلیجہ پکڑ لیا اُس نے
فسانہ درد جگر کا جس آشنا سے کہا

جب سے ہوا ہے عشق ترے اسم ذات کا
آنکھوں میں پھر رہا ہے مرقع نجات کا

موجد جو نور کا ہے وہ میرا چراغ ہے
پروانہ ہوں میں انجمن کائنات کا

تیرا دیوانہ بسا تھا جا کے جس ویرانہ میں

چھری مجھ پر اسیری سے جو پہلے تیز کرتا ہے

انہیں آغوش میں لینے کی حسرت جب میں کرتا ہوں

کبھی جو شاخِ گل لاکر قفس کے پاس رکھدی ہے

روح رخصت ہی جگر خون ہی دل ہی پرزے

نہ آئیگا وہانتک خون تو کیوں سر کا جاتا ہے

بے نیازی پر انہیں ناز مرے دم تک تھا

شیشۂ دل بھی تم اندر کے اکھاڑے سے نہیں

چمن کے سایہ سے بھاگتا ہوں اُسی بھی صیاد بیٹھا ہوں

وہ مشتاقوں میں جب آئے تو آئے جانِ جاں ہو کر

تربتِ قیس سے کہتی ہے لپٹ کر لیلے

آنکھوں سے بہ رہی ہیں لہو ہو کے حسرتیں

اک اک سے پوچھتے ہیں وہ آئینہ دیکھکر

رستے ہیں بند بھیڑ سی ہے بھیڑ ہر طرف

"چندرا کے" مجھکو بولے وہ آخر جو شب ہوئی

جہاں تک جسقدر عالم ہوا اُسپر اسقدر کم ہے

حسینوں کو خدا نے حسن کے سانچے میں ڈھالا ہے

ہوں بہت بیتاب رونے دو نہ سمجھاؤ مجھے

انقلاب اُس کے تلوّن کا مرقع ہے شرف

کسی سے عشق میں یارب نہ آنکھ ہو نیچی

حسرت ہی خوب جور و ستم خو برد کریں

کون سا عالم وہ تھا جو اُس بہا بانیں نہ تھا

خدا معلوم گلچیں نے جڑی صیاد سے کیا کیا

لپٹتی ہے تمنا آکے مجھ ناشاد سے کیا کیا

تو بلبل نے کئے ہیں جو جلے صیاد سے کیا کیا

آج شیرازۂ ہستی ہے پریشاں اپنا

الگ میں تو تڑپتا ہوں ترے دامن سے کیا مطلب

لن ترانی کی نہ پھر آئی صدا میری بعد

اسمیں معشوق اُترتے ہیں پری رو ہو کر

بہار نو دل الٹے یا ہی گماں قفس کا ہی آشیاں پر

چھپے آنکھوں کے پردے میں ہی دلمیں نہاں ہو کر

ہم تڑپتے ہیں پڑے تمکو خبر کچھ بھی نہیں

شاید ہے کشتِ فرخوں دلِ خانہ خراب میں

معشوق پاؤں پیار کے قابل تو کیا کروں

محشر میں اُسکو ڈھونڈنے کی راہ کیا کروں

فق ہو گیا ہی رنگ کسی کا سحر نہیں

دیا ہی کم سنی نے ہاتھ اسکا دستِ قدرت میں

حقیقت میں یہ سب آئینہ رو تصویر ہوتے ہیں

صبر کی اسوقت گنجایش مرے دلمیں نہیں

جس کی الفت میں سوا مٹنے کی کچھ حاصل نہیں

کلیم طور پر جائیں میں عرش پر جاؤں

وہ بے نیازیاں کریں ہم آرزو کریں

چھری اوچھی لگانے سے یہی نشا تھا قاتل کا
خیانت کی نہیں ہوتی جو نیت خاکساروں کی

کیا خدا ہیں جو بلائیں تو وہ آ ہی نہ سکیں
شعلۂ دل کو وہ چاہیں تو ابھی گُل کر دیں

داغِ ہجراں جگر و دل میں نہاں رکھیں گے
اُسکو حیرت ہی اُدہر مجھکو ادہر سکتا ہے

تری گلی میں جو دھونی رمائے بیٹھے ہیں
فریفتہ ترے اس ترچھی ترچھی چتون کے

ہمارے دفن و کفن کی بس اب کرو تدبیر
شبِ وصال سے بہتر وہ دن گذرتا ہے

اس مرے سودے کا دنیا میں ٹھکانا ہی کہیں
راحتیں سمجھے حسینوں نے جو ایذائیں دیں

عمر تو کہتا ہے کہ مانگو جان بچنے کی دعا
نوجوانی میں تھی کیفیت بہارِ عمر کی

پوچھتے ہو جو حقیقت مری بیتابی کی
کیا کہوں کیسی ہے اُس شوخ کی ترچھی چتون

مار ڈالا ہے جو بے جرم قضا نے ہمکو
رہ گئے دیکھ کے سکتے میں ہم انکا جلوہ

اک بات اُس میں پائی جو شوخیِ یار کی
نکل رہا ہے مرا دم ہرا سس ہی دل کو

پہونچ کے قتل ہوئے کوئے یار میں عشاق
کبھی تڑپوں کبھی بیکس رہوں میں ہیجان سوں

زمیں بھی انکی رکھتی ہے امانت استخواں سوں
ہم یہ کہتے ہیں کہ آجائیں تو جا ہی نہ سکیں

کچھ جہنم یہ نہیں ہے جو بجھا ہی نہ سکیں
آپ کا حسن نہیں ہے جو چھپا ہی نہ سکیں

یار تصویر ہے آئینہ دیوار ہیں ہم
اجل رسیدہ ہیں مرنیکو آئے بیٹھے ہیں

چھُری کلیجوں میں اپنے لگائے بیٹھے ہیں
خبر بھی ہے تمہیں ہم زہر کھائے بیٹھے ہیں

کبھی کبھی جو ترا منہ سحر کو دیکھتے ہیں
جان کا گاہک جو ہے اُسکے خریدار ہیں ہم

پیار آیا تو پسند ان کی جفائیں آئیں
ہمت دل کھو رہی ہے التجا اچھی نہیں

ابتدا ہی میں مزا تھا انتہا اچھی نہیں
آئو ہیں تم کو کلیجے سے لگا لوں تو کہوں

اک چھُری اپنے کلیجے میں لگا لوں تو کہوں
داد دینے کو بلایا ہے خدا نے ہمکو

بیخودی نے ندیا ہوش میں آنے ہمکو
ہم نے بھی اپنی جان لڑا دی قضا کیسا تھا

آؤ اس صاحب خانہ ہی میہماں کے لئے
قیامت آگئی منزل پہ کارواں کے لئے

شکار ہوں گے عنادل لٹیں گے غنچہ و گل
بہار آئی ہے صیاد و باغباں کے لئے

جھروکے سے جھلک ظالم دکھا جا شام ہوتی ہے
ترے دیدار کا مارا تڑپتا ہوں میں دن بھر سے

ذرا دم لینے دو منکر نکیر آرام کرنے دو
تھکے ماندے مسافر ہیں چلے آتے ہیں باہر سے

ترس کھا کر کہیں بہلا دو طفلِ اشک کو مردم
نکلتا ہے جنازہ لختِ دل کا دیدۂ تر سے

ہم جو کہتے ہیں نقاب الٹو تو مکھڑا دیکھیں
ہنسکے کہتے ہیں تمہیں تابِ نظر کب ہوگی

مرتے ہیں بیان صدمۂ ہجراں نہیں کرتے
کیا درد مزے کا ہے کہ درماں نہیں کرتے

تمام عمر نہ بیٹھے کہیں ٹھکانے سے
لئے پھری ہیں دن رات جستجو تیری

صورت جو چشم یار نے پکڑی غزال کی
چتوں نے بے چھری مری گردن حلال کی

کیا اس کے رخ سے چودھویں کا چاند بخشتا
نازاں وہ جس پہ تھا وہی شب تھی زوال کی

ہمیں جو ہجر میں پیستے ہو یہ جانتے ہو کہ کیا کرینگے
خدا نے چاہا تو سرمہ ہو کر تمہاری آنکھوں میں جا کرینگے

ملا ہے آرام آشیاں کا نہیں کچھ اندیشہ باغباں کا
رہا بھی ہوں گے تو آ کے اکثر ہم اس قفس میں رہا کرینگے

حسرت سے اس لئے میں اترتا ہوں قبر میں [له]
ملتی ہے جان دیکھئے یہ دو گز زمیں مجھے

پیسیگی کیا سرشت مری بھی اسی سے ہے
آغوش کھول کھول کے لیگی زمیں مجھے

پیسکر بھی نہ ہمیں آنکھ اٹھا کر دیکھا
سرمہ بھی ہو کے نہ ظالم کی نظر تک پہونچے

ڈبڈبانے کو ہیں آنسو چشم تر ہونے کو ہے
دل بھر آتا ہے کیا پانی جگر ہونے کو ہے

زخم ہیں رونے کو ہم دم توڑنے کے واسطے
دل لہو ہونے کو ٹکڑے جگر ہونے کو ہے

کنج لحد میں مجھکو سلا کے پوچھتے ہیں لوگ
نیند انہیں اب آگئی کیونکر کیا ہوئی بیخوابی کی

شرف

شرف ـ وقار الاعظم صاحبزادہ مشرف یار خانصاحب نکتہ سنج شوخ رقم شاعر پاکیزہ خیال داخل تمیز۔ نواب صاحب بہادر والئی جاورہ کے عزیز۔ میرزا محمد اسد یار خانصاحب سپرنٹنڈنٹ کارخانہ جات ریاست کے فرزند سعید اور داغ دہلوی کے تلمیذ رشید ہیں۔

آپکے آباؤ اجداد میں میر حیدر بیگ خاں بخاری اور میر چپا بریلچ خاں جاگیردار

[له] میر انیس کی رباعی سے مضمون لڑگیا ہے۔

دہارور واقع افغانستان ولاوری اور شجاعت میں مشہور تھے۔ محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں ہندوستان آئے۔ میرزا شرف سنہ ۱۲۸۴ھ مطابق سنہ ۱۸۶۸ء میں جاورہ میں پیدا ہوئے۔ جاورہ کے بارہائی اسکول۔ رتلام کے سنٹرل کالج میں تعلیم پائی خوش قسمتی سے مسٹر ہربرٹ اور مسٹر ذوالفقار حسین خانصاحب ایم۔ اے جیسے شفیق اساتذہ ہاتھ آئے۔ ۱۶ سال کی عمر میں مہاراجہ سر رنجیت سنگھ بہادر والئی رتلام کے مصاحب ہوئے۔ سنہ ۱۸۹۸ء میں ۲۲ برس کی عمر تھی صاحبزادہ عبید اللہ خاں نے ریاست ٹونک میں بلاکر پرائیویٹ سکرٹری کے عہدہ پر مقرر کیا۔ مگر چند ماہ بعد جاورہ آکر پہلے نائب تحصیلدار مقرر ہوئے۔ پھر مجسٹریٹی کے عہدہ تک ترقی کی۔ جاورہ کے مشہور تجربہ کار اہلکار ہیں قحط اور حفظان صحت کے متعلق قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ نظم و نثر میں دستگاہ کامل ہے ڈائمنڈ جوبلی سنہ ۱۸۹۷ء آتالیق قیصری سنہ ۱۸۹۷ء۔ زراعت مالوہ آپکی تصنیف سے ہیں۔ دل بےقرار موسوم بہ دیوان شرف حسن و عشق کا نگارخانہ ہے۔ تخمیناً ۳۰ سال سے شعر کہتے ہیں۔ تغزل کی حقیقت اور جامعیت سے بخوبی واقف ہیں۔ مشاق اور قادر الکلام سخنور ہیں۔ شاگردان داغ میں ممتاز ہیں۔ غزل کے علاوہ قصیدہ تاریخ ہر صنف سخن میں دخل رکھتے ہیں۔ جذبات محبت جو انکے اشعار میں نظر آتے ہیں وہ استاد کی شاعری کا پورا چربا ہوتے ہیں۔ زبان میں خداداد شوخی ہے شباب۔ انتظار حسن۔ شاہد و مینا کے مضامین جس خوبی سے ادا کرتے ہیں وہ اپنی رنگ میں لاجواب ہیں۔ روزمرہ محاورات کی تہ میں بذلہ سنجی اپنا جلوہ دکھاتی ہے۔ سوز و گداز دلوں میں چٹکیاں لیتا ہے طریقۂ بیان میں انتہا کا لطف ہے اور اسی رنگینی کی وجہ سے ہر شعر دل میں گدگدی پیدا کر دیتا ہے۔ شریف الطبع خلیق شخص ہیں۔ افسوس ہے کہ آپکے بڑے صاحبزادے کا حال میں انتقال ہو گیا۔ ہنگام نظر ثانی کلام عنایت کیا جس کا انتخاب ناظرین کی تفریح اور دلچسپی کیلئے ذیل میں درج کیا جاتا ہے ؎

ہو دشمن سے بھی ہم سے بھی ایسا ہو نہیں سکتا	ہماری بندگی یہ ہم سے جھگڑا ہو نہیں سکتا
یہ وضع عشق مارے ڈالتی ہے ورنہ اے ظالم	وہ جب کیا ہو نہیں سکتا تھا اب کیا ہو نہیں سکتا

صدمہ کب تک سہیں جدائی کا
اتنا جینا ہے بے حیائی کا

صلح کے نام پر بگڑتے ہو کیوں
صلح کیا نام ہے لڑائی کا

شوق اور شوق خود آرائی کا
تو بھی دشمن ہے تماشائی کا

ہے حسن یہ ایک آدمی کا
کیوں نام بتائیں ہم کسی کا

اسے موسیٰ کا دل ہی جانتا ہے
کہ آیا طور پر اُن کو نظر کیا

بہت کھوئے گئے مذکور دل پر
یہ کہتے ہی تڑپے کیسا۔ کدھر کیا

اک نہ اک غم لگا ہے سب کے ساتھ
ساری دنیا کو مبتلا دیکھا

کچھ سوا اپنی نارسائی سے
رنج ہے غیر کی رسائی کا

ہو رہی ہے ستم سے کیوں توبہ
یہ بھی پہلو ہے دلربائی کا

دل بھی ہے دل میں درد بھی ہے اللہ کا دیا
"اپنی کہو" جو، کہ ہمیں تم نے کیا دیا

اے شمع دل کا درد تو ہم سے بیان کر
کمبخت تیری بے سخنی نے جلا دیا

مدفن پہ میرے خاک بھی ڈالی نہ دو تنگ
دامن جھٹک کے خاک میں تم نے ملا دیا

دل بیچنے گئے تھے حسینوں میں کل شرف
دامن کسی نے ہاتھ کسی نے بڑھا دیا

جلوۂ جاناں بہت کھیلا ہے میری دل کے ساتھ
روز پردہ توڑ ڈالا روز پردہ کر لیا

دل کے اندر تم ہی تم ہو دل کے باہر تم ہی تم
کیا دکھانے کو کسی کے تم نے پردہ کر لیا

ترک مے کے بعد بھی بھولے نہ راہِ میکدہ
جب چلے گھر سے اُدھر کا ایک پھیرا کر لیا

صبح تک آنسو بہائے انتظار یار میں
رات بھر میں موتیوں کا ہار پورا کر لیا

اُن کے آگے اشک بھر بھر لائی آنکھوں میں شرف
آپ چپکے چپکے بے شکوے ہی کا شکوہ کر لیا

نظر ڈالی ہے تم نے غیر پر کیا
بری ہے تم سے بھی میری نظر کیا

لگا ہے قفل دروازے میں اشک
عدو سے گھر گیا ہے "گھر کا گھر کیا"

دل سے کہ ہیں دل کے ارمان کیا مطلب
تم جان سے پیارے ہو تو جان کا کیا مطلب

بتخانہ میں کافر ہوں کعبہ میں مسلماں ہوں
تم سے مجھے مطلب ہے ایمان سے کیا مطلب

توحید کا دریا بھی سرچشمۂ راحت ہے
سرچشمۂ راحت کو طوفان سے کیا مطلب

خوبرویوں پر پڑی ہیں چٹھیاں
تم نکل آؤ ہمارے نام پر

دم اور ذرا سا دلِ مضطر میں ہے قاتل
تیرِ نگۂ ناز کی ایک چوٹ وہیں اور

ہر بات پہ آ جاتا ہے مذکور عدو کا
گو مجھ سے مخاطب ہیں مگر دل ہے کہیں اور

یہ آج رخ پر نقاب کیوں ہے یہ وصل کی شب حجاب کیوں ہے
کہ پردہ پکڑے کھڑی ہے آگے تجلیِ آفتابِ عارض

کرے بہانا نہ کیوں غشی کا دھرا ہے زانو پہ سر کسی کا
سنگھا رہی ہیں وہ مشکِ گیسو چھڑک رہے ہیں گلابِ عارض

سماں تھا دمِ واپسیں دیر تک
رہے غش مرے ہم نشیں دیر تک

مزا دے گیا بوسۂ آستاں
نہ سرکی ہماری جبیں دیر تک

شرف روزنِ در سے جھانکا کیا
تجھے ایک پردہ نشیں دیر تک

عجب مدعا تھا دلِ زار کا
کہ کہکر نہ سمجھے ہمیں دیر تک

نئی عمر ہیں نئی چاہت نیا حسن
نئے ہم ہیں نئے تم ہو نیا دل

چہرہ پہ اُدھر ڈالیں ادھر زلفیں اٹھائیں
گویا کہ شبِ وصل نہیں دیر سحر میں

پھر پوچھنا تم ہاتھ مرے سینہ پہ رکھکر
کم بخت کہاں درد ہے دل میں کہ جگر میں

بیمارِ غمِ عشق ادھر ہو کہ اُدھر ہو
تم دیکھ تو لو فیصلہ ہے ایک نظر میں

کسی کا پوچھنا انجان بنکر
شرف تم مبتلا ہو کسی بلا میں

سرور افزائے دل ہیں جسقدر یہ دیکھی بھالی ہیں
مئے الفت بھری ہے انمیں یہ مئے کے پیالے ہیں

کیا انمیں نمک کم ہے نمکداں کو جو دیکھیں
منہ انکا مرے زخمِ جگر دیکھ رہے ہیں

منتیں مان رہی ہیں وہ دمِ نزع شرف
کیوں نہ مر جائے کہ جینے کی دعا دیتے ہیں

وہ غیر کی الفت میں پشیماں ہیں کیا کیا
ہم اپنی دعاؤں کا اثر دیکھ رہے ہیں

بیچین ہیں وہ جذبِ محبت سے کسی کے
مڑ مڑ کے خدا جانے کدھر دیکھ رہے ہیں

دل لائیے بس آنکھ نہ ہم سے چرائیے
کچھ دیر میں دیکھا نہ کچھ اللہ کے گھر میں
اس دردِ محبت کو سو کھیل کھلاتے ہیں
جنت کا بیاں کر کے حوروں کی جاتے ہیں
منہ موڑ کے جاتے ہو دل توڑ کے جاتے ہو
مُردوں کا جلانا تو دستور میں داخل ہے
وہ کون کہ دل آرا ہیں کون کہ دلدادہ
بات کیا ہے وہ ان حسینوں میں
نزع میں ہم سے یہ ہُوا شکوہ
پسِ مردن بھی میرے ضعف میں تھی [illegible]
تو ہے قاتل تری ہر تیغِ ادا قاتل ہے
ہاں ذرا خونِ جگر اور ٹپکنا کہ کوئی
ربطِ دشمن یہ سمجھے جی سے اُترنے ندیا
سُنکے قصہ وصل کی شب وہ مرے اندوہ کا
کہاں لیجائیگی اے بے قراری
سنبھالے نہ سنبھلی طبیعت کسی کی
سمجھائیں گے رو رو کے دل کی لگی کو
ہائے قاصد سے بصد ناز وہ کہنا کیا ہے؟
جان اُسکی ہے دل اُسکا ہے جگر اسکا ہے
میں فدا تم پہ مری جان تم اُس پر شیدا
چلو حضرتِ دل حسینوں سے ملنا

ہم اپنے دل کا چور پکڑ لیں ہزار میں
جو اپنی نظر میں ہے وہ ہے اپنی نظر میں
چھٹتا ہی نہیں پہلو سے سینہ سے لگاتے ہیں
یہ حضرتِ واعظ بھی کیا دُور کی لاتے ہیں
عاشق کی تمنائیں اس طرح مٹاتے ہیں
اللہ رکھے اُنکو جیتوں کو جلاتے ہیں
دل کون کہ شیدائی پھر دل کو ستاتے ہیں
بے وفا ہو کے یاد آتے ہیں
ہم تو آئے ہیں آپ جاتے ہیں
کر اُٹھا سے مرا مشتِ غبار آہستہ آہستہ
چشمِ بد دور نظر جس پہ پڑی بسمل ہے
کہہ رہا ہے یہ کسی سے "یہ مرا بسمل ہے"
کس قدر ٹوٹ کے آیا ہوا مجھ پر دل ہے
بولے نیند آنے لگی کیا خوب یہ افسانہ ہے
اُٹھا جب آنہیں مجھ ناتواں سے
بُری چیز ہے اچھی صورت کسی کی
کلیجا اسی طرح ٹھنڈا کرینگے
اور خط دیکھ کے پھر پوچھنا لکھا کیا ہے
ہم بھی اُسکے ہیں خدا جانے ہمارا کیا ہے
مجھے کیا تم سے بھی غیر کی قسمت اچھی
ٹھکانے سے تکیہ لگا نہیں تمہاری

غم کھاؤں کیا کہ غم کو مرے دل نے کھالیا
حیران ہوں کہ کھاتی ہے میری غذا مجھے

دردِ دل سے وہ بنی ہے جان پر
بات کرتا ہوں کلیجہ تھام کے

شر ہے شرف کے نام میں ایہ اعتراض ہے
رکھنا پڑے گا نام کوئی دوسرا مجھے

عشق کی راہ ہے مجنوں نہ کوئی منزل ہے
تو جہاں ہے وہیں لیلیٰ ہے وہیں محمل ہے

آپ کے نام پہ آتی ہے ہنسی ہم کو شرف
کون سی بات یہ حضرت کو شرف حاصل ہے

بتوں کی محبت میں دنیا گئی
ارے کیسی دنیا کہ عقبیٰ گئی

مجھے کوستے تھے وہ صبحِ وصال
جو آنکھیں ملیں تو ہنسی آگئی

خدا کی جدائی تو سہہ لی شرف
بتوں کی جدائی مگر کھا گئی

یہ عداوت ہے یا محبت ہے
لپٹی جاتی ہے تیغ بسمل سے

عشق پروانوں کا ہے کچھ الٹا
جلتے ہیں یہ چراغِ محفل سے

"مجھکو بے چین کر دیا مجنوں"
یہ صدا آرہی ہے محمل سے

آج بیتاب ہوں بہت قاصد
کچھ نہ کچھ کہدے جوڑ کر دل سے

یاد کرتے ہی آگئے وہ شرف
ہے مثل دل کو راہ ہے دل سے

ہر سانس میں دردِ آرزو ہے
سر بھر کے اسی کی جستجو ہے

ہا خنجر ہو ترا کہ بادۂ ناب
جو کھنچ گیا اسکی آبرو ہے

ابھرے ہوئے سینہ سے دبا دو
دل میں مرے دردِ آرزو ہے

دوپٹہ کسی کا کدہر کا کدہر ہے
جوانی کا عالم بھی کیا بے خبر ہے

مسل ڈالا گلشن میں لا لے کو اسنے
کسی نے کہا تھا یہ میرا جگر ہے

مزے لوٹتی ہیں ہماری نگاہیں
تمہیں کیا خبر ہے جو ہمکو خبر ہے

زمانہ کی پڑتی ہیں تم پر نگاہیں
تمہاری بھی آخر کسی پر نظر ہے

ضبط کبتک شعارِ عاشق ہو
صبر کب تک کہ آدمی ہی تو ہے

اب بتکدے کی سیر کرو چل کے ای شرف — کعبے میں رہتے رہتے تو مدت گذر گئی
اس عشق میں بتوں کے کچھ بھولے نہ بھولے — بھولے ہیں ہم خدا کو ہم کو خدا نہ بھولے
ظالم بری گھڑی تھی صبح مفارقت کی — بھولے ہیں تیرا آنا جانا ترا نہ بھولے
خدا تم کو توفیق دے اب وفا کی — امیدوں میں پھر جان ڈالی ہے ہم نے
دھرا کیا ہے پیر فلک کی گرہ میں — شرف جو تری ہے اٹھالی ہے ہم نے
تم سلامت رہو کس بات کا شکوا ہی ہے مجھے — بیوفائی کا گلہ اور گلہ کیا ہے مجھے
اے منجم کبھی تو دیکھ ستارا میرا — کیا ابھی اور اسی حال میں جینا کیا ہی مجھے
اُٹھ کے پہلو میں وہ کروٹ تو لوا دیتا ہے — آخر اس درد سے آنا تو سہارا ہے مجھے
تمہیں سوچو کہ کس امید پہ انسان جئے — نہ تسلی نہ تشفی نہ دلاسا ہے مجھے
وہ بھی مقام دوست ہی یہ بھی مقام دوست — دیر و حرم کا تفرقہ اک دل کی بات ہے
سامان آخرت میں یہاں ہے خدا کا نام — یہ کائنات ہے تو تری کائنات ہے
جلوے کہاں وہ روئے تجلی نقاب کے — یوں سینکڑوں ورق ہیں خدا کی کتاب کے
پھر اے شرف کہاں یہ زمانہ بہار کا — دو گھونٹ اور بیٹھ کے پی لے شراب کے
ہمیں راہ بتاں میں مل گئی ہیں حضرت ناصح — خدا جانے کہاں تک یہ مصیبت ساتھ جائیگی
شرف اعمال کرا یسے کہ جو عقبیٰ میں کام آیا — وہاں جنت نہیں دنیا سے جنت ساتھ جائیگی
عیسیٰ جو تم نے مردے جلائے تو کیا مجھے — اس درد دل کی کوئی بتا دو دوا مجھے
تصویر اپنی اُسنے شرف مجھسے چھین لی — کہتا ہے اعتبار نہیں آپ کا مجھے
دیر و حرم کا ہم اُسے پابند کیوں کریں — مختار ہے جہان کا چاہے جہاں رہے
حسن صورت ہی نیا روز کا آئینہ میں — مجھکو پہچانو گے اپنی تمہیں پہچان بھی ہی

شرف - حافظ محمد ابو شرف نام شرف تخلص خلف شاہ محمد معصوم صاحب مجددی آپ اپنے والد کے ساتھ مدینہ منورہ میں رہتے ہیں شعر گوئی میں پہلے آپنے حضرت امیر مینائی لکھنوی

شرف

مرحوم سے فیضِ تلمذ حاصل کیا تھا بعد وفات اُنکے جانشین حضرتِ جلیلؔ سے مشورہ لیتے رہے ہیں زبان صاف ہے۔ پروفیسر حامد حسین قادری نے کلام بھیجا تھا اُسکا خلاصہ درج ذیل ہے

اس نے تو آسمان و زمیں ایک کر دیئے	اللہ رے اضطرابِ دلِ بے قرار کا
گل نشانی آج کیوں ہوتی نہیں گلزار میں	کیا کوئی کانٹا لگا بلبل تری منقار میں
لب پہ کچھ ہے اور چتون کہ رہی ہے اور کچھ	مل رہا ہے کیا مزا اقرار کا انکار میں
وہ حُسن دیکھ کے بُت بن گیا دلِ بیتاب	نئی ہے سیر کہ بجلی کو اضطراب نہیں
اُن کو آئینہ دکھایا کیسی نادانی ہوئی	وہ بنے تصویر مجھکو اور حیرانی ہوئی
چُومنے پائے نہ ابرو مار بیٹھا وہ چھری	وائے قسمت حج سے پہلے اپنی قربانی ہوئی
قضا شکر ادا نے جان عاشق کی نکالی ہے	جمالِ یار میں اللہ کیا شانِ جلالی ہے
لگی ہے آگ گلشن میں بنے ہیں پھول انگارے	جلے دل سے یہ کیسی آہ بلبل نے نکالی ہے
ابھی وہ منزلوں ہے دُور اور دل چل بسا عالم میں	قیامت ہی قیامت بھی کہ تیری چال اُٹھالی ہے
دوپٹہ آسمانی لے اُڑا ہے اُس ستمگر کو	دماغ اُسکا نہ پوچھو اب تو گردوں سے بھی عالی ہے
مرے ہی دل میں گھر کرنا مری ہی آنکھ سے چھپنا	حیا اُسکی انوکھی ہے ادا اُسکی نرالی ہے
دل کو پکڑ کے بیٹھ گئے وہ سرِ مزار	بولے یہ قبر ہائے مرے باوفا کی ہے
ہاں سچ ہے تم سے پھر کے بتو جائینگے کہاں	بس اک تمہیں تلک تو خدائی خدا کی ہے
زنجیرِ عرش بن گئی ہے جاکے عرش پر	اللہ کیا پہنچ مری آہِ رسا کی ہے

شرف

شرف - جناب سید محمد نذر صاحب رئیس سرسی تلمیذ حضرتِ راز لکھنوی بہت مشاق شاعر ہیں۔ مصرعہ پر مصرعہ خوب لگاتے ہیں۔ استعارہ اور تشبیہ کلام میں بقدر مناسب استعمال کرتے ہیں۔ یہ اُنکے کلام کا انتخاب ہے

چھائی حیرت جو نقاب رخِ زیبا اُٹھا	اُڑ گیا اور یہ پردہ جو وہ پردہ اٹھا
آج پہلو میں مرے درد کچھ ایسا اُٹھا	کبھی تڑپا کبھی لوٹا کبھی بیٹھا اٹھا

دستِ نازک سے جو شمشیر گلے پر نہ پھری — ہنسکے سینے سے مرے وہ ستم آرا اُٹھا
بے طرح آج وہ بگڑے ہیں خدا خیر کرے — اب کوئی آئی بلا اب کوئی فتنہ اُٹھا
سینکڑوں گر گئے موسیٰ کی طرح غش کھا کر — آج کس کے رخِ پُرنور سے پردہ اُٹھا
تھی یہ امید کہ تربت پہ چڑھائینگے وہ پھول — فاتحہ کو بھی شرف ہاتھ نہ اُن کا اُٹھا

شرق

شرق - میر غلام عباس خلف سید غلام رضا باشندۂ لکھنؤ۔ آپ میر وزیر علی صبا کے شاگرد و صاحب دیوان تھے۔ قدیم رنگ کا کلام ہے۔ غدر سے پیشتر زندہ تھے۔ کلام درج ذیل ہے ؎

مجھسے نہ کیجئے مری جاں اس قدر دماغ — کچھ خیر ہے بشر ہے کرے یوں بشر دماغ
اک بوئے زلف نے تو یہ آشفتہ کر دیا — پیدا کرے نہ اور کوئی دردِ سر دماغ
آتا ہے غش پہ غش مجھے اب بات بات میں — وقت میں یہ ضعیف ہوا ہے جگر دماغ
اس حسنِ عارضی پہ یہ نخوت خدا سے ڈر — اے بُت نہ لیجئے چاہنے والوں سے کر دماغ
باتیں غرور کی وہ کسی اور سے کریں — ہم سے تو اُٹھ سکے گا نہ یہ عمر بھر دماغ
اے شرق سب سے جھک کے برابر ملا کرو — رکھتا ہے آدمی کو سُبک عمر بھر دماغ

شرق

شرق - محمد وزیر خاں خلف محمد اکبر خاں پٹھان۔ آپکے بزرگ ولایت ہزارہ سے ہندوستان میں آئے اور قصبہ باری ریاست دھول پور میں قیام کیا۔ آپ کے جد امجد مرتضیٰ خاں چین پوری علاقہ بھوپال میں تحصیلدار تھے انکے والد علاقہ بھوپال سے دھول پور میں چلے آئے۔ یہ خود ریاست گوالیار میں عرصہ تک ملازم رہے۔ ۱۸۹۵ء سے ریاست دھول پور کی عدالت میں وکالت کرتے ہیں۔ فن سخن میں حضرت داغ دہلوی سے تلمذ ہے۔ متروکات کے پابند نہیں ہیں۔ سادہ زبان میں شعر کہتے ہیں۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

جھوٹے وعدوں پہ وصل کی امید — کیا خبر ہے ہُوا ہوا نہ ہوا
جس کو پالا تھا ناز سے ہم نے — وہی دل اپنا آشنا نہ ہوا
آپ ہی جور کریں آپ ہی شکوا اُلٹا — کیا قیامت ہے زمانہ کا ہے نقشا اُلٹا

سخت جاں ہوں میں غضب ہے مرا قاتل ناداں
ابھی خنجر کو سمجھتا نہیں سیدھا الٹا

آنکھ کے تل میں نظر آ گئی قدرت اس کی
کیا کہوں طالب دیدار نے کیا کیا دیکھا

منہ شب وصل میں عاشق سے چھپانا ہے غضب
او حیادار تری شرم و حیا نے مارا

نہ چین دل کو نہ صبر جی کو بڑی مصیبت ہے جان دیکھو
فراق جاناں میں جل رہا ہوں لگی ہیں شعلے بدن کے اندر

چلے ہیں ہستی سے ہاتھ خالی خدا کے آگے ہے شرم محشر
حجاب عصیاں سے منہ کو اپنے چھپا لیا ہے کفن کے اندر

زمانہ میں اندھیر برپا کریں گی
ترے رخ پہ زلفیں پریشاں ہو کر

غضب آیا بلا ٹوٹی قیامت ہو گئی برپا
ہمارے قتل کا وہ غیر کو ارشاد کرتے ہیں

کر دیا دل کو جگر کو مرے پارہ پارہ
بڑھ کے اس تیغ نظر سے کوئی شمشیر نہیں

روکا جب غیر کو میں نے تو کہا ظالم نے
میرا یہ گھر ہے تمہاری کوئی جاگیر نہیں

رخسار گل ہے غنچہ دہن چشم نرگسیں
شیدا ہوں جس پہ میں وہ گلستاں تمہیں تو ہو

گردوں سے بڑھ کے موجد بیداد ظلم و جور
محشر میں بھی کہوں گا کہ ہاں ہاں تمہیں تو ہو

قربان جس کے ناز پہ صد قد ادا پہ ہوں
ایسے عزیز مجھ کو مری جاں تمہیں تو ہو

کیوں شرق منہ کو پھیر کے بیٹھے ہو بار بار
ہاں شیخ جی سے بڑھ کے مسلماں تمہیں تو ہو

دعائیں مانگیں نہ کیوں بادہ خوار ساون کی
گھٹا دکھاتی ہے کیا کیا بہار ساون کی

حال فرقت کہا تو یوں بولے
زہر ہی کیوں نہ کھا لیا تم نے

شرقی — منشی سید ابوالحسن خلف سید تصدق حسین باشندہ باندہ۔ منشی رشید محمد صاحب رشید سے تلمذ۔ اردو فارسی کی استعداد معقول تھی سنہ ۱۸۸۰ء کے قریب شملہ پر کسی محکمہ میں ملازم تھے۔ وہاں سے ریاست جودھپور میں آ کر سب انسپکٹر پولیس ہو گئے سنہ ۱۹۲۰ء میں بعمر ۶۵ سال انتقال ہو گیا۔ انکا ایک دیوان غیر مطبوعہ تھا جو چوری ہو گیا۔ منشی جمیل احمد طاہر نے کچھ کلام بہم پہنچایا انکا انتخاب حسب ذیل ہے۔

جو درد و الم باقی ہیں پیش آئیں گے شرقی
تقدیر کے لکھے کو مٹایا نہیں جاتا

خط لکھوں اُس بُت کو جو مضطر ہو کر
نامۂ شوق اُڑے میرا کبوتر ہو کر

کیا خدا کو بھی ہے منظور بتوں کی خاطر
اُلٹی پھر آئی دعا چرخ سے اکثر ہو کر

دن کو آہوں کے شرارے جو اُڑے تھے شرقی
رات کو چرخ پہ پہنچے وہی اختر ہو کر

رکھنا امید وفا کی نہ بتوں سے شرقی
دوست کس کے یہ بھلا دشمنِ ایماں ہونگے

شریف

شریف تخلص منشی نبا نک پرشاد نام ہے ذات کے کایستھ ہیں موضع کھتولی ضلع بنارس وطن ہے آپ کی پیدایش ۱۲۹۹ء میں ہوئی اور اٹھارہ برس کی عمر میں تحصیل علم ضروری سے فارغ ہوکر سرکار بنارس میں اپنے موروثی عہدۂ نظامت پر ملازم ہو گئے۔ تخمیناً ۴ برس پیشکاری کا کام انجام دیکر پنشن لے لی شعر و سخن سے طبعی دلچسپی ہے۔ اندراج تذکرہ کیلئے کچھ مختصر کلام بھیجا ہے جس کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

چبھیگی نوکِ مژہ کسی کی جو دل میں میرے خدنگ ہو کر
تو آہِ زار بھی کام اپنا کریگی تیر و تفنگ ہو کر

جب اُنکی آنکھیں لڑیں تو دل پر چلا یہ نیزہ مژہ کا اُنکی
یہ وہ ہیں آہو جو چوٹ کرتے ہیں ایک تو پلنگ ہو کر

صباحتِ رُخ کو دیکھکر دل چلا ہے زلفِ سیہ کی جانب
حبش کو جیسے کوئی روانہ ہوا ہے مالکِ فرنگ ہو کر

مرے لئے تم جگہ نکیرین اپنے دل میں بنائے رکھنا
عجب نہیں کثرتِ گنہ سے رہے مری گور تنگ ہو کر

شریف حصہ میں عاشقوں کی پڑی ہے رسوائی و فضیحت
اگر ہوا بھی تو کیا کریگا خیالِ ناموس و ننگ ہو کر

باکمیں جھک جھک کے کرتا ہے سلام
لٹے ابرو سبب وہ خم ہیں دیکھتے

ہو کے سائل ہاتھ پھیلاتے نہیں
ہمت اہلِ کرم ہیں دیکھتے

خاک میری لاکھ پابوسی کرے
پر وہ کب زیرِ قدم ہیں دیکھتے

شریف

شریف۔ شیخ شریف الزمان خانصاحب صدیقی۔ شاگرد حضرت امیر مینائی لکھنوی۔ ذکی الذہن اور روشن طبع ہیں۔ شعر میں لطف پیدا کرنیکی کوشش کرتے ہیں۔ زبان کی صفائی کا خیال بھی ملحوظ ہے۔ استعارات اور دور از قیاس تشبیہوں سے اپنے کلام کو بچاتے ہیں۔ زیادہ حالات باوجود کوشش معلوم نہ ہوئے۔ یہ انتخاب ہے ؎

کرنے لگے بل ابروئے خمدار کیا ہوا
بیٹھے بٹھائے کھچ گئی تلوار کیا ہوا

کیا پوچھتے ہو حال دلِ بے قرار کا
بندہ نواز شکر ہے پروردگار کا

ہم زخمیوں کے زخم بھی پورے بھرے نہیں
لو خیر سے پھر آگیا موسم بہار کا

شامِ قیامت آگئی اسکی ہوئی نہ صبح
اللہ رے طول میرے شبِ انتظار کا

سات پردوں میں چھپی رکھی نہ ہو تصویر غیر
آنکھ میرے سامنے کیوں آپکی ہوتی نہیں

کچھ اثر رکھتی ہے الفت سبزہ رنگوں کی اگر
شاخِ نخلِ آرزو پھر کیوں ہری ہوتی نہیں

ہے سنورنے سے بھی بڑھ چڑھ کر بگڑنے کی ادا
بات کوئی بھی ان اچھونکی بری ہوتی نہیں

باز آیا میں محبت سے مرا دل پھیر دو
نازبرداری یہ مجھسے روز کی ہوتی نہیں

گھونٹ بھر پانی پلایا جسکو تیری تیغ نے
بھول کر اس کو کبھی پھر تشنگی ہوتی نہیں

عشقِ دلدار و غمِ ہجر کو مونس نہ سمجھ
یہی غمخوار ہیں مٹی میں ملانے والے

آنکھ غیروں سے لڑاتے ہو خبر بھی ہے تمہیں
دلمیں گھر کرتے ہیں آنکھوں کے لڑانیوالے

راستہ روک کے وہ بت جو کھڑا ہو جائے
سوئے بتخانہ پھریں کعبہ کے جانے والے

خدا کے خوف سے کب میکشی رندوں کی خالی ہے
دعائے توبہ لب پر ہاتھ میں مے کی پیالی ہے

لہو میں تر ہیں آنکھیں سینہ داغوں سے چراغاں ہے
مزا ہے اسکے ساتھ ہی ساتھ ہولی اور دوالی ہے

غضب کا رس بھرا ہے چشمِ میگوں میں تری ساقی
بلوریں جام میں گویا شراب پرتگالی ہے

وصل میں تڑپتے ہوئے دیکھا جو میرا دستِ شوق
بڑھکے جوبن کی نگہباں جبیں پیشانی ہوئی

الٰہی خیر پھر اُسنے شکن ابرو پہ ڈالی ہے
سنبھل او مرنیوالے تیغ قاتل نے سنبھالی ہے

شبِ فرقت میں بیکس ہوں مسیحا مجھسے ہے غافل
کہاں ہے اے اجل ایسے میں آ میدان خالی ہے

تدبیر نے کچھ وصل کے پہلو جو نکالے
بل اور اُلجھ کر مری تقدیر نے ڈالے

بیٹھے ہیں مرے دلمیں مری جان کے دشمن
قسمت نے کیا ہے مجھے قاتل کے حوالے

جی بھر کے نظارہ دمِ آخر تو میں کر لوں
تھم تھم کے چھری پھیر گلا کاٹنے والے

شریف

شریف - خواجہ محمد صادق - مدراس کے عمائد میں انکا شمار ہے ذاکر امام بھی ہیں اور مدراس میں جو شعر شاعری کا چرچا ہے ملیسے ہی دو چار نفوس کے دم قدم کی برکت ہی ۱۳۳۳ھ میں ۶۵ برس کا سن تھا - کلام اچھا ہوتا تھا - یہ انتخاب ہی سے

دو عدم کے بیچ میں ثابت ہے تکرار وجود
سر نہاں پیدا ہے ہر پیدا نہاں ہو جائیگا

خوشا یہ گمشدگی اپنی خاکساری کی
کھنچی شریف نہ مانی سے بھی مرا خاکا

اب سنبھلنے کی جنوں میں کوئی تدبیر نہیں
بیڑیاں پاؤں میں منت کی ہیں زنجیر نہیں

شریف

شریف - مولوی محمد شریف احمد فاروقی انکے والد مولوی نیاز احمد رؤسائے گوپامؤ سے ہیں علمی استعداد رسمی ہے مگر طبیعت نہایت شوخ اور چلبلی واقع ہوئی ہے - مولوی سید نذیر حسن صاحب فتنہ سے اصلاح لیتے ہیں - مرثیہ پڑھنے کا بھی شوق ہے - ابھی نوجوان ہیں - انکے استاد فتنہ صاحب نے جو کلام منگا کر دیا اسکا انتخاب درج ذیل ہے سے

جلوہ گر ہر شئے میں ہے لیکن نظر آتا نہیں
تو ہی پردے کیلئے یا خود نمائی کے لئے

جب تماشا دیکھنا تک بھی تمہیں آتا نہ تھا
اب تماشا ہو تمہیں ساری خدائی کے لئے

ہم سے اچھے ہوں تو ہم جانیں وہ اچھے ہیں شریف
پھر ہیں کیا گر وہ اچھے ہیں خدائی کیلئے

گھر میں رہے کہ رات کہیں مہمان رہے
وہ قدر ہے یہ کیوں نہ لگے کہاں تھے کہاں رہے

جائینگے ہم تو چاہنے والوں کو آپ کے
جو دوست کے ہوں دوست وہ دشمن کہاں رہے

لے سکے نہیں وہ دکھ سہی آخر دیا تو کچھ
یہ کس طرح کہوں کہ وہ نامہرباں رہے

شریف

شریف - جناب محمد حسین صاحب ساکن بہاری تلمیذ جناب احمد - رسالہ تحفۂ خوشتر میں انکا کلام شائع ہوتا رہتا ہے - انتخاب یہ ہے سے

تقدیر سے جو وصل میسر ہو یار کا
مٹ جائے اضطراب دل بیقرار کا

آہٹ پہ کان - در پہ نظر - دل میں وسوسہ
کیا ہو بیان حال ترے انتظار کا

ساقی پلا دے بادۂ گلفام اب ہمیں
ہے گلستان دہر میں موسم بہار کا

کیا فائدہ ہو چارہ گری سے طبیب کی	ممکن نہیں علاج دلِ بےقرار کا

شریفی

شریفی ۔ شریف الحسن صاحب وکیل ریاست قرولی ملک راجپوتانہ ۔ موزوں طبع معمولی درجہ کے شاعر ہیں ۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

قصہ گویوں سے نہ سنئے داستانِ اہلِ درد	ہے بیانِ درد کو لازم زبانِ اہلِ درد
واہ کیا تاثیر ہے جذب دلِ عشاق میں	ڈھونڈتے پھرتے ہیں وہ خود آستانِ اہلِ درد
ترا حسن حیرت نما ہو رہا ہے	مرے سامنے آئینہ ہو رہا ہے
شریفی اٹھا پردۂ خواب غفلت	ذرا دیکھ دنیا میں کیا ہو رہا ہے

ششدر

ششدر ۔ مرزا روشن الدولہ گورگانی خلف مرزا آغاجان مضطر ولد مرزا سلیمان شکوہ ۔ برادر اکبر ثانی اور دوسرے رشتے سے اکبر شاہ کے نواسے ۔ داستان گوئی میں فرد تھے ۔ مرزا رحیم الدین حیا سے تلمذ تھا ۔ عمر کا زیادہ حصہ لکھنؤ میں بسر کیا مگر جبتک قلعہ آباد تھا دلی بھی آتے رہے ۔ کلام کی لطافت زبان کی فصاحت قابل دید ہے ۔ جو کچھ کلام فراہم ہوسکا نذر احباب ہے ؎

جنوں یہ دست درازی کی ہی عبث تہمت	کہ اپنے ہاتھ گریبان سے تار تار کیا
کام تو کچھ بھی نہیں ہے حشر میں اپنا مگر	آن نکلیں گے تری خاطر اگر آنا ہوا
الٰہی کس کے مژگاں کا تصور ہی یہ ششدر کو	کہ جوں نشتر کھٹکتا ہی نفس ہر دم رگِ جاں میں
ستم کا یہ مزا ہے دل کو الفت ہی کہ ای ظالم	لئے پھرتے ہیں ہم سر بریدہ اگر دو سے دشمن کو

ششدر

ششدر ۔ محمد نور اللہ صاحب ساکن مرزا پور ۔ حضرت وسیم خیرآبادی کے شاگرد ہیں ۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

کالی گھٹا ہو اور ہو موسم بہار کا	ساقی ہو اور دور رہے خوشگوار کا
بعدِ فنا بھی سوزِ دروں کا یہی اثر	جلتا رہا چراغ ہمارے مزار کا
کچھ آسماں مٹائے تو کچھ وہ اسے مٹائے	باقی رہے نشاں نہ میرے مزار کا
بعدِ فنا بھی دل کی تڑپ سے یہ خوف ہی	تختہ الٹ نہ جائے ہمارے مزار کا

	اقرار وصل کیجئے ہو جھوٹ ہی نہ کیوں		دل توڑئیے نہ تشنۂ امیدوار کا	

شعاع

شعاع ظل سبحانی ابو النصر معین الدین اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی حضرت شاہ عالم ثانی کے دوسرے فرزند تھے۔ باپ کی حیات میں مرزا جہاندار شاہ جواں بخت ولی عہد کے انتقال کرجانے سے یہ وارث تخت و تاج شاہی ہوئے۔ ۷ رمضان ۱۱۷۳ھ مطابق ۱۷۵۹ء کو مکند پور ریواں میں بروز چہار شنبہ پیدا ہوئے اور ۷ رمضان ۱۲۲۱ھ کو تخت سلطنت پر بیٹھے ۱۲۵۳ء میں ۸۰ برس کی عمر پاکر عالم جاودانی کو رستہ لیا اور درگاہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے قریب اپنے پدر والا قدر کے پہلو میں آرام کیا۔ مرقد منور پر حضرت ظفر کی تاریخ کندہ ہے ؎

	شاہ اکبر فرعِ بخش جہاں پئے سال وفات گفت ظفر		منخسف گشت از قضا چوں بدر عرش آرام گاہ عالی قدر	

موزونی طبع ظل سبحانی کی موروثی ہمدم تھی لیکن فکر سخن کیطرف توجہ کم بلکہ برائے نام تھی لیکن قدر دانی فن بطریق شاہانہ مرکوز خاطر تھی فخر الشعرا امیر نظام الدین ممنون۔ غالب علیخاں سید۔ شاہ نصیر انکے شعرائے دربار میں تھے۔ شہر دہلی میں انگریزوں کی حکومت تھی مگر قلعہ معلی میں بدستور قدیم حکمراں تھے۔ لڑکوں میں مرزا ابو ظفر جو بادشاہ ہوکر بہادر شاہ مشہور ہوئے اور مرزا سلیم مرزا جہانگیر مرزا جہاں خسرو مرزا بابر نام آور ہوئے ہے ؎

	تجھ زلف کے سودے سے یہ دل کیونکر بر آوے		آ خشر نہ چھوٹے یہ بلا جس کے گھر آوے	

شعاع

شعاع منشی سید وقار علی مرحوم کی زندگی کا بڑا حصہ آگرہ میں صرف ہوا اور وہیں تکمیل علم کے بعد مرزا حاتم علی بیگ مہر مرحوم کے فیض صحبت سے شاعری کی ابتدا ہوئی۔ ذہانت خدا داد کے باعث بہت جلد اس فن میں استعداد معقول حاصل کی چنانچہ مہر مرحوم انہیں ارشد تلامذہ میں سمجھتے تھے۔ ۲۸ سال کی عمر میں عالم شباب میں ہیضہ کر کے راہی ملک بقا ہوئے منشی کفایت علی رسوا انکے چھوٹے بھائی نے چند غزلیں بنگام ترتیب تذکرہ ارسال کیں۔ اُس میں سے چند اشعار حوالہ قلم ہوئے ؎

موج زن ہے سیلِ اشکِ چشمِ گریاں تا کمر
دامنِ دریا ہوا ہے اپنا داماں تا کمر

دستِ قاتل کی صفائی کے ہیں خستہ تن نثار
سر سے جب اُتری تو پہونچی تیغِ براں تا کمر

آبروئے چشمِ نم تر دامنی سے بڑھ گئی
ابرِ رحمت سر تک آیا سیلِ عصیاں تا کمر

بے قراروں سے فروغِ حسنِ روئے یار ہے
ہوتی ہے سیماب سے افزوں ضیائے آئینہ

اسکو نظارہ کی عادت اُسکو خود بینی کا شوق
آئینہ اُس پر فدا اور وہ فدائے آئینہ

صحبتِ اسفل سے برہم ہوتے ہیں نازک مزاج
جب گرے پتھر پہ بیشک ٹوٹ جائے آئینہ

ہمسری کرکے ہوئی سکتہ کی حالت اے شعاع
خاک اُس آئینہ کو منہ دکھائے آئینہ

شعاع

شعاع ۔ مولوی ضیاء الرحمن خلف مولوی محمد حسین باشندہ حیدرآباد دکن۔ آپکے آبا و اجداد دکن کے مشہور و معروف علما میں سے تھے۔ حضرت شعاع ۱۶ رجب ۱۳۰۵ھ کو پیدا ہوئے بچپن میں ہی ذہین اور ہونہار تھے۔ فارسی عربی کے علاوہ کچھ انگریزی بھی جانتے ہیں۔ میر محبوب علیخاں فاخر کی توجہ سے شعر و سخن کا شوق ہوا مگر پھر حضرت داغ کے کمالِ شاعری نے انہیں اپنی جانب کھینچا چنانچہ اُنسے افادہ کیا۔ نیچرل جذبات کو نئے پیرایہ میں دکھاتے ہیں۔ سحر مقال۔ سخن طراز ہیں۔ اُردو میں ۲ غیر مطبوعہ دیوان موجود ہیں۔ [illegible]ء میں حال اور کلام بھیجا تھا اسمیں سے حسب ذیل انتخاب درج کیا جاتا ہے ؎

ہمراہ قافلہ ہے درد و غم و الم کا
آباد آج بھی کیا ملکِ عدم نہ ہوگا

بُلبل چمن میں تیرا چھیڑنا گلوں کو
حسرت نصیب دل پر نشتر سے کم نہ ہوگا

صحرا میں خاک میری اڑتی پھری گی ہر سو
جوشِ جنوں یہ میرا ہرگز بھی کم نہ ہوگا

اب وہ رونق ہی نہ محفل میں ضیا میرے بعد
باغ میں خاک اُڑاتی ہے صبا میرے بعد

بھولی ادا سے ہائے وہ کہتے ہیں وصل میں
تم کیا کروگے تم سے اگر روٹھ جائیں ہم

پتھر بھی ہو تو سنکے پگھل جائے گا شعاع
دردِ جگر کا حال جو اسکو سنائیں ہم

چلے آتے ہیں دل میں کارواں کے کارواں غم کے
جگہ تھوڑی ہے لاکھوں رنج [illegible]

نہ بھولینگے کبھی یادِ ستم اے فتنہ گر برسوں
رہے گا یادگارِ عاشقی داغِ جگر برسوں

ہوش اُڑتے ہیں دیکھکر اُن کو
بُت بھی کیا لاجواب ہوتے ہیں

حضرتِ دل کہیں سُنا بھی ہے
خط کے پُرزے جواب ہوتے ہیں

تو عدو اور آسماں دشمن
مفت میں ہم خراب ہوتے ہیں

بہار آئی گھٹا چھائی ہی ساقی جوشِ مستی ہے
خدا آباد رکھے میکدہ رونق پرستی ہے

خیالِ یار کی سرکار سے رخصت نہیں ملتی
پھر آنا اے اجل مرنیکی اب فرصت نہیں ملتی

شجاعِ زار کا کیا خاک دل بہلے حسینوں میں
کسی سے ہائے اُسکی چاند سی صورت نہیں ملتی

غمِ فرقت میں اب جانِ حزیں مہمان ہی اکدم کی
کہ لب پر سے ہی دودِ نفس تصویر ماتم کی

جنازہ تیرے کشتہ کا اٹھا کس شان و شوکت سے
الم کا ہی نشان آگے تو پیچھے فوج ہی غم کی

کرشمہ جو نہ ہوتا اس میں تیری خودنمائی کا
فرشتے کرتے کیوں سجدہ حقیقت کیا تھی آدم کی

مرنے والے ہائے تم پر مر چلے
آئے تھے جس کام کو وہ کر چلے

زندگی تھی اپنی جب تک تھی امید
نامرادی کا بُرا ہو مر چلے

ابرو بھی دونوں تنتے ہیں آنکھیں چڑھانے سے
چلتی ہے ساتھ تیر کے تلوار دیکھئے

بعدِ مردن بھی رہی بیتابیِ دل اسقدر
میرے مرقد کی زمیں کو زلزلے آنے لگے

مری بربادیِ دل سے تجھے اے یاس کیا حاصل
کسی کی یاد ہے اسکے سوا کیا دل میں رکھا ہے

خدائی میں خدا کی تم سے بڑھکر کوئی کیا نکلے
حسینوں میں حسیں ہوکر عجب شانِ خدا نکلے

ہوا ہوں اسقدر ایذا طلب ذوقِ محبت میں
ستم تو وہ کئے جائیں مری دل سے دعا نکلے

تصور میں بھی آتے ہیں تو کیا انداز ہیں اُنکے
ابھی وہ جا چھپے دل میں ابھی آنکھوں میں آنکلے

طلب میں حور و جنت کی عبادت کرنے والا ہے
اسی منہ پر تمہیں دعوے ایزد پرستی ہے

شعاع — جناب شعاع لکھنوی۔ نام اور حال معلوم نہو سکا۔ کلام سے خوش فکر اور روشن خیال معلوم ہوتے ہیں ؎

بلا کس کس کے سر آتی ہے دیکھیں — کھلے ہیں بال آئے ہیں نہا کے
کیا بدنام مرکر نام الفت — چلا ہوں قبر میں منہ کو چھپا کے
اُدھر غیروں کو بخشے جام پر جام — ادھر سے پھینکدی ہم کو دکھا کے
پھنسا جو پھر نہیں ممکن رہائی — بلا کے پیچ ہیں زلف رسا کے
شعاع مضطرب پر رحم کھاؤ — بٹھالو پاس محفل میں بلا کے

شعاع

شعاع ـ جناب سید مصطفےٰ علی صاحب سندیلوی خلف منشی باقر علی صاحب حقانی مرحوم انگریزی اُردو میں اچھی لیاقت ہے طبیعت بھی بہت شوخ اور چلبلی پائی ہے ـ ابھی نوعمر ہیں بچپن سے شاعری کا ذوق ہے ـ سید نذیر حسن صاحب فتنہ اپنا عزیز بتاتے تھے ـ یہ کلام کا انتخاب ہے

کچھ انتہا کا ہے نازک تعلق الفت کا — کہ بات بات میں پیدا ملال ہوتا ہے
ہمارے شیشۂ دل کو نہ توڑ او ظالم — کہ اسکا ٹوٹ کے جڑنا محال ہوتا ہے
خرام ناز سے اُوچھول روندنے والے — خبر ہے یہ بھی کہ دل پائمال ہوتا ہے
کھنچی ہوئی نظر آتی ہے سامنے تصویر — کبھی شعاع جو محو جمال ہوتا ہے

شعلہ

شعلہ ـ پنڈت امرناتھ پسر پنڈت واتا رام کشمیری لکھنوی ـ نواب سبحان علیخاں کنبوہ کی سرکار میں متعلق تھے موزونی طبع سے شعر کہتے تھے طبیعت کا رنگ ان اشعار سے ظاہر ہے

غم اسیروں کی بھی ہے کچھ اندمال زخم کا — باغباں پھول ایک دو رکھ لے قفس کے چاک میں
تھے نہ سیماب مہوس نے طلا زرگر کے ہم — کیا سمجھکر چرخ نے ہمکو ملایا خاک میں
غبار راہ ہیں پر ہے ہوائے عالم بالا — فلک پر ایکدن پہنچینگے ہم اس خاک ساری سے

شعلہ

شعلہ ـ منشی نراین داس بدایوں کے متوطن اور ایک نہایت ہوشیار لایق اور آتش زبان بزرگ تھے شعر بھی خوب کہتے تھے ـ افسوس کلام نہ ملا ـ یہ کلام ہے

دو قالب ایک جان کہتے ہیں جسکو وہ ہمیں تو ہیں — ہمارا حال اُنسے اُنکا ہم سے کیونکر نہاں کیوں ہو
رہوں گا جب تلک زندہ نہ مانگوں گا کبھی بوسہ — دہن اُسکے نہیں ہے اُسکی عاشق کی زباں کیونکر

ہماری آہ وگریہ سے یہ ہے قایم جہاں ورنہ
زمیں پانی پہ کیوں ہوا ور زمیں پر آسماں کیونکر

شعلہ — **شعلہ** — مولوی محمد یحییٰ علوی سب انسپکٹر پولیس خلف مولوی محمد ابراہیم کاکوروی کوتوال شہر و مجسٹریٹ ریاست چرکھاری ملک بندیل کھنڈ۔ مضمون آفرینی کے ساتھ متانت اور سنجیدگی کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں۔ مولوی سید نذیر حسن صاحب تقنہ رئیس سندیلہ کے عزیز اور شاگرد ہیں۔ جو کلام انکی وساطت سے دستیاب ہوا وہ نذر ناظرین ہے ؎

جا نکر کاکل پیچاں کے گنہگاروں میں
پا بزنجیر پھرایا مجھے بازاروں میں

ہے کسی عاشق ناشاد کی تربت کی تلاش
بلبلیں پھول لئے پھرتی ہیں منقاروں میں

غم کونین سے آزاد ہیں پینے والے
فکر آتی نہیں بھولے سے بھی میخواروں میں

آتشیں رخ پہ ترے مرتے ہیں اغیار اگر
پھونک دے سب کو دکھا دو انگاروں میں

شعلہ — **شعلہ** — ٹھاکر شیولال صاحب رئیس و تعلقدار ڈبائی ضلع بلند شہر سید ہا سادہا شعر کہتے ہیں کسی قسم کی بنوٹ نہیں ہوتی۔ زبان صاف ہے۔ یہ کلام ہے ؎

ہماری نیست جاں کھولیگی دم میں سب جوہر
ذرا ہم بھی دیکھیں آپ کی تلوار کیسی ہے

تبسم برق ہے۔ آفت ادا ہے۔ قہر غمزہ ہے
قیامت ناز ہے لیکن نگاہ ناز کیسی ہے

جدھر دیکھو اُدھر عالم میں اک شور قیامت ہو
تری چال آن کل سے چنچل خونخواری ہے

ہمیشہ راست گوئی آپکا شیوا تھا اے شعلہ
خلاف شان مگر یہ آج کی گفتار کیسی ہے

نیند انکو نہ آئے گی اگر میری بلا سے
مجھکو بھی کوئی تازہ کہانی نہیں آتی

شعلہ — **شعلہ** — لالہ راو سنگھ صاحب خلف لالہ دیوکی نندن وکیل مرحوم دہلوی تلمیذ داغ دہلوی علم موسیقی پر خاص عبور تھا اور ستار کی بندش خاص کر لی تھی۔ میوزک کانفرنس دہلی کے سکرٹری بھی ہوئے تھے پچپن برس کی عمر میں دو برس ہوئے انتقال کیا ؎

مرتے مرتے بھی رہی دل میں مرے یاد بتاں
ہائے میں دنیا سے چھاتی پہ یہ پتھر لیچلا

ہو گئے شاملِ حسرت بادہ اس سراپا ناز کے
کیا ہوا دُزدِ حنا گر دلِ خنجر لیکر چلا

ترے کوچے کی ہوا بھی نہ میسر تھی جنہیں
وہی وہ اب تو رہا کرتے ہیں اندر باہر

خاک ہی اپنی اٹھیگی تو اٹھیگی وہاں سے
ہم ترے کوچے سے بس نکلینگے مر کر باہر

ابھی ہے دور شعلہ منزل عشق
دیا دل چھوڑ کیوں تم نے یہیں سے

شعلہ

شعلہ ۔ شمع بزم سخن دانی۔ صدر نشین محفل معانی۔ منشی بنواری لال صاحب خلف منشی موتی لال ناظر۔ آپ قوم کے کایستھ اور حصار کے رہنے والے تھے مگر علیگڑھ میں قیام تھا۔ پیشۂ وکالت سے معقول آمدنی تھی۔ نازک خیال سخنور اور پختہ سنج شاعر تھے۔ شعرائے علیگڑھ ہی میں نہیں بلکہ دور دور شاعری کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ فن شعر میں مرزا تفتہ تلمیذ مرزا غالب سے تلمذ تھا۔ مرزا حاتم علی مہر اور مرزا عنایت علی ماہ کے ہمعصر اور ان سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ طبیعت میں جدت۔ کلام میں پختگی اور متانت تھی۔ مکروہ الفاظ اور عامیانہ خیالات سے پرہیز کرتے تھے۔ غزل میں تصوف اور اخلاق کے مضامین زیادہ باندھتے تھے۔ عالم باطن کے مناظر کو عجیب اور نئے اسلوب سے بیان کرنے میں خداداد ملکہ تھا۔ باریک بینی اور نزاکت خیال انکا حصہ تھی۔ شعر کو تشبیہات کے زیور سے بھی سجاتے تھے۔ کلام میں استعارات کی مرصع کاری بھی ہے۔ مگر کہیں مضمون کی اصلیت اور حقیقت کو اس نمایش کے پردہ میں نہیں چھپایا ہے۔ کلام میں پختگی بھی ہے اور سوز و گداز بھی اور درد بھی۔ خوش گوئی اور پاکیزہ خیالی نے علیگڑھ ہی میں نہیں بلکہ صاحبان مذاق سلیم کے دلوں میں آپکی استادی کے ڈنکے بجادئے تھے۔ یوں تو آپکے تلامذہ کی کافی تعداد تھی مگر منشی کندن لال شہر سہارنپوری سب میں ممتاز تھے۔ نازک طبعی کا نمونہ اسطرح دکھایا ہے ؎

خط کو پیدا کیا اللہ نے رخساروں پر
کانٹے رکھدیتے ہیں سب باغ کی دیواروں پر

باغبان پھولوں کی حفاظت کیلئے باغ کی دیواروں پر کانٹے بچھا دیتا ہے۔ محبوب کے گل رخسار کا محافظ سبزہ خط ہے۔ کانٹے اور پھولوں کی مناسبت۔ پھر خیال کی جدت غضب کی آفرینی دکھاتی ہے۔ دیوان اور مثنوی بزم خیال ان میں اچھے اچھے دلکش سین نہایت خوبی اور دلچسپی سے نظم کئے ہیں۔ جو لائق دید ہیں کئی بار چھپ چکے ہیں۔ اسیطرح آپکے دیوان مطبوعہ میں جدت خیال

سکے اکثر دلکش نمونے نظر آتے ہیں۔ کیا بیمثل مطلع فرمایا ہے ۔ انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

میں جبہ سا ہوں اُس درِ عالی مقام کا
کعبہ جہاں جواب نہ پائے سلام کا

یاں اور آرزو ہے وہاں اور آرزو
دل میرے کام کا ہے نہ میں دل کے کام کا

خنجر سنبھالئے سپر تسلیم خم ہیں ہم
گردن جواب لیکے اُٹھیگی سلام کا

نکلے گی روح توڑ کے ایک ایک بند کو
ثابت کہیں اُترتا ہے جامہ حیات کا

فرصت شگفتگی کی نہ پائی کہ مٹ گیا
غنچہ تھا میں بھی کس چمن بے ثبات کا

ناتوانی میں سخت جانی ہائے
ضعف بھی طاقت آزما نکلا

کیا کروں اسکا کچھ علاج نہیں
غیر بھی درد آشنا نکلا

میں وہ گناہ گار ہوں پہنچا جو دیر میں
رحمت لپٹ کے کہنے لگی تو کہاں رہا

دل بھی گیا جگر بھی گیا جان بھی گئی
میں پھر بھی دیکھتا ہی تری شوخیاں رہا

محشر بھی کوئی درد ہے جو اُٹھ کے رہ گیا
شکوہ بھی کوئی غم ہے جو دل میں نہاں رہا

غیر! اور دید طلب مثل کلیم
کہیں باتوں میں نہ آجائیگا

شعلہ کچھ بات بھی ہے طعنۂ غیر
یوں ہی مرنا ہے تو مرجائیگا

بیوفا! نقش ہیں جی پر ترے سارے انداز
بے مروت! مری نظروں میں ہے شیوا تیرا

دیکھ ہم صحبتیٔ غیر سے اک دم میں ہوا
روز پھروں کی ملاقات کا چرچا تیرا

دلمیں کچھ عشق صنم تل کی برابر ہی سہی
کفر اتنا بھی نہ ہو جس میں مسلمان کیسا

ہر برگ خزاں دیدہ بنا ہے کف حسرت
گلشن میں نئے رنگ سے شیون ہے ہمارا

وہ چھپتے پھرتے ہیں گھبرائے کیا قیامت ہے
یہ کون عرصۂ محشر میں بیقرار آیا

تکلیف ذرا جنبش لب کی اُٹھاؤ
باتوں سے علاج دل بسمل نہیں ہوتا

ہجر میں اور بھی مشکل ہے نکلنا دم کا
میں اسی بات پہ مرتا تھا کہ آساں ہوگا

کیا شب ہجر میں یہ درد کا درماں ہوگا
دل کا آرام سے رہنا قلق جاں ہوگا

اک قدم چل کے دو عالم کو کروگے پامال
پاؤں رکھوگے جہاں گنج شہیداں ہوگا

جگر آنکھوں سے ٹپکا اور دلِ شیدا نکل آیا
میں ایک آنسو ہی سمجھا تھا یہاں کیا کیا نکل آیا

اے جنوں ہے گلشنِ ایجاد ویرانہ مرا
کس کا دیوانہ ہوں اک عالم ہے دیوانہ مرا

میں وہ کشتِ نامرادی ہوں زمانہ بھر میں
برقِ خرمن سوز کا مشتاق ہر دیوانہ مرا

باغ میں بندِ قبا آپ سمجھ کر کھولیں
دمِ بلبل نہ نکل جائے کہیں بو ہو کر

مہوشوں کو ہے مرے گھر سے کچھ ایسی نفرت
چاندنی تک نہیں پڑتی مری دیواروں پر

بہت بیباک محشر میں بھی تو نادم نہیں ہوتا
وہی دم خم ہے ابرو میں وہی شوخی ہے چتون میں

خود رفتگی نہ پوچھئے گم کردہ عشق کی
میری تلاش میں ہے مرا راہبر ہنوز

یاں ایک جو رہی میں جہاں سے گذر گئے
اور واں کسی ستم سے نہیں درگذر ہنوز

پڑتی رہی عدو پہ نگاہِ غضب غلط
ناوک فگن کے تیر گئے سب کے سب غلط

اے دل کچھ اس کا پاسِ نزاکت بھی چاہئے
ہیں بیقراریاں تری او بے ادب غلط

واعظ کا ربط ضبط چھپاؤں کہاں تلک
توبہ کی بات پہنچی ہے پیرِ مغاں تلک

ڈھونڈوگے پھر بھی مشقِ ستم کے لئے مجھے
دشمن جفا سہیگا تمہاری کہاں تلک

کیا لئے جاتے ہو چپکے سے چھپا کر ہاتھ میں
دل نہیں ہے گر تو کیا ہے بندہ پرور ہاتھ میں

ہزاروں کروٹیں بدلیں نہ آیا دل ہی قابو میں
خدا نے کوٹ کر بھر دی ہے بجلی دل کی پہلو میں

ابھی سے بیٹھ گئے تھک کے قافلے
ابھی تو دور ہے منزل چلو پڑہو بھی کہیں

وابستگیٔ کاکلِ خمدار ہے ہمیں
پھانسی بھی دیجئے تو سزاوار ہی ہیں

اے ضعف اب تو جان بھی گرانبار ہے ہمیں
اک لاکھ من کا بوجھ دلِ زار ہے ہمیں

پسند طبع آرائش نہیں وحشت پسندوں کو
کبھی دیکھا بھی ہے سرمہ کسی نے چشمِ آہو میں

دمِ ذبح ہے کیا صیاد کا اندازِ بے رحمی
دبائے بال و پر مٹھی میں اور منقار چٹکی میں

نہ نکلے دم اگر تم پر لگے آگ ایسے مرنے کو
مٹے ایسا کفن یارب پڑے خاک ایسی مدفن میں

ادائیں ناز میں غمزہ میں یکتا ہیں تری آنکھیں
بیخودی میں نہ کھلا کچھ کہ خدائی کیا ہے
اپنے پر اپنی ہی منقار میں نوچے میں نے
دل خراشی سے ہے کیا کوہ کنی کو نسبت
نہ نکلے سینہ سے باہر کچھ آرزو تو نہیں
رہنے دو۔ بُرائی ہے اگر میری وفا میں
یارانِ رفتگاں سے وہ کیا روشناس ہو
تم بھی دکھاؤ جلوۂ عالم فروز کو
دل سکھائے گا اگر جور و جفا یاد نہیں
خدا کرے کہیں آجائے دامن ہاتھ میں
ابھی سے ہو جو ہے روزِ شمار رہنے کو
ہزار میں مجھے تم ایک ہو خدا کی قسم
برا ہو آرزوئے وصل کا کہ تو نے مجھے
رہے نہ عشق میں لے شعلہ دین دنیا کے
آفریں وقتِ تصور آہ کی تاثیر کو
دیکھ او ناوک فگن شوقِ دمِ خنجر کو
تمہیں دل ہو تمہیں جاں ہو تمہیں جینے کی امید
بات سچی ہو تو محشر ہی کی امید کریں
قابو میں دل رہے تو ہے عشقِ بتاں کا لطف
کب تک دکھائے جائیے زخمِ جگر انہیں
کشمکش بعدِ فنا بھی نہ گئی دنیا کی

غضب کے دل چلے ہیں وسپاہی سارے لشکر میں
دکھ کر بت کو یہ بھولے کہ خدا یاد نہیں
کیا کروں تاب فراموشیٔ صیاد نہیں
ناخنِ غم سے فزوں تیشۂ فرہاد نہیں
لگا ہوا ترے پیکاں کے منہ لہو تو نہیں
جانے دو شکایت ہی سہی شکرِ جفا میں
جو آنکھ نقشِ پائے سرِ رہ گذر نہیں
موقوف حشر میری ہی فریاد پر نہیں
ہم نبا لینگے اگر تم ستم ایجاد نہیں
وہ کھیل سمجھے ہیں بے اختیار ہونے کو
وہ ہو چکے بھی جو ہے ایک بار ہونے کو
میں ایک ہوں تمہیں مجھ سے ہزار ہونیکو
بغل میں کھینچ لیا ہم کنار ہونیکو
ملے بتوں سے خدائی میں خوار ہونیکو
کروں میں لاکھوں بدلوائیں تری تصویر کو
حسرتِ زخمِ جگر کھا گئی ہے تیر کو
تمہیں جب غیر کے ٹھیرے تو ہمارا کیا ہو
جھوٹے وعدے ہوں تو مرنیکی تمنا کیا ہو
گویا طواف کعبہ ہو بیت الصنم کے ساتھ
کب تک نباہ ہے جائیے اہلِ ستم کے ساتھ
ایک کے ہاتھ سے چھوٹے تو پڑے چار کے ہاتھ

شراب پینے میں لے شعلہ حجتیں کیا ہیں — تمام شہر میں تو دیندار باقی ہے

کچھ آپ کو ہے اپنی نزاکت کی خبر بھی — زلفوں کو سنبھالو نہیں جاتی ہے کمر بھی

نگاہِ ناز یہ پیہم ہیں دل و جگر میں چلی — الٰہی خیر کہ تلوار گھر ہی گھر میں چلی

دل جائے بیٹھ رہنے کو تھوڑی جگہ کہیں — کعبہ اگر نہیں ہے تو بیت الصنم سہی

دل اور ایک بوسہ کو انصاف کیجیے — اس پر بھی یہ گراں ہے تو کچھ اور کم سہی

ہو کے پابندِ قفس طاقتِ پرواز بڑھی — پر جو توڑے مرے صیاد نے شہپر نکلے

اب کیا ہی جوشِ گریہ میں دل کو بھی کھو چلے — ہم تو بُرے کی جان کو پہلے ہی رو چکے

میں آپ پر فدا ہوں قد آپ غیر پر — میرا اور آپ کا تو کچھ افسانہ ایک ہے

دل ایک اور خون کے پیاسے ہزار ہا — سو رند بادہ نوش ہیں پیمانہ ایک ہے

نگاہ چہرہ پہ دل زلفِ پُرشکن میں ہے — قفس کا رستہ بھی نکلا ہوا چمن میں ہے

وہ ذکرِ وحدتِ حق ہے کہ ہر سخن میں ہے — مثالِ رشتۂ تسبیح سو دہن میں ہے

کھینچ خنجر سے رگِ گردن کہ بیڑا پار ہو — فرق اک دو ہاتھ ہی کا کشتیٔ ساحل میں ہے

خمارِ ہستیٔ ناپائدار دیکھ چکا — چلا ہوں جوش میں پھر ساغر و سبو کیلئے

اُس دہانِ تنگ میں دانتوں کے ہونے سے کھلا — سر بہ مہر نقشِ تقدیر دانہ دانہ ہے

کیوں نہ ہوں ہنگامۂ محشر مری بیداریاں — دفترِ روزِ قیامت مرا اک افسانہ ہے

ہجر میں یہ بیقراری وصل میں یہ اضطراب — دل کی ہر اک بات میں اک طرز بیگانہ ہے

دل پھینک دوں نکال کے سینہ سے جب کہو — حسرت مگر نہیں ہے مرے اختیار کی

اپنا ہی ایک غم ہے سو کیا کم ہے ہم نشیں — دل میں جگہ کہاں ہے غمِ روزگار کی

چھپا ہوا سا ہے طرزِ حجاب شوخی میں — کھُلی کھُلی ہوئی شوخی ترے حجاب میں ہے

آئینہ خانہ ہوئی عشق میں حیرت میری — تیری صورت میں نظر آئی ہو صورت میری

چھوڑ دو تھوڑی جگہ او سونے والو گور کے — اُٹھ کے بیٹھو اور اک خانہ خراب آنیکو ہے

گزشتۂ دل میں خیالِ بے نقاب آنیکو ہے
ذرہ کی خلوت سرا میں آفتاب آنیکو ہے

جنوں کا سلسلہ در پردہ نکلا حسنِ پنہاں سے
حجابِ یار رسوا ہے مرے چاکِ گریباں سے

غلط یہ ہے کہ خوفِ خوں بہا سے گھر میں چھپ بیٹھے
مگر ہاں پاک دامن بنگئے خونِ شہیداں سے

خدا سے مانگ رہا تھا تمہیں خفا کے لئے
قدم اثر نے اتر کر مری دعا کے لئے

مژدہ اے جانِ حزیں سے ستم ایجاد آیا
ہاں مبارک سرِ شوریدہ وہ جلاد آیا

منظرِ شبِ مہتاب

کدھر ہے ساقیِ بزمِ شبِ ماہ
کھلا بند نقابِ حسنِ دلخواہ

صدائے نغمہ کی افسوں گری ہے
عجب در پردہ سازِ دلبری ہے

فلک جلوہ فروشِ ماہِ تاباں
زمیں برجِ بن گستردہ داماں

شبِ ماہتاب فرشِ چادرِ نور
بیاباں در بیاباں جلوۂ طور

مجلّا نور تھا ہر اک طبق میں
زمیں لپٹی تھی چاندی کے ورق میں

شکنِ موجِ ہوا سے آسماں میں
جھلک سیماب کی ریگِ رواں میں

زمیں پر فرش تھا گل چاندنی کا
مہِ تاباں تھا اک گل چاندنی کا

ملمع تھا ہر اک گل پر سنہرا
نظر آتا تھا ہر تہ روپہرا

معطر دشت تھا عطرِ حنا میں
لپٹ کافور کی موجِ ہوا میں

عجب شفاف دریا کی روانی
بہ انکھرا ہوا چاندی کا پانی

یہ آب و تاب تھی انوارِ مہ میں
جھلکتی تھی زمیں جمنا کی تہ میں

رگِ تارِ نظر پائی نظر تھی
نظر کو بھی نظر آئی نظر تھی

نبا افشاں تھا ہر تابندہ کوکب
مہِ انور تھا اک خالِ رخِ شب

وہی تھی روشنی جو طور میں تھی
عروسِ شب مغرق نور میں تھی

مہِ گردوں عجب جلوہ فشاں تھا
زمیں پر جو گرا سایہ کتاں تھا

بھرا تھا نور مہ سے تا بہ ماہی
بنی تھی چاندنی ظلِ الٰہی

نمونہ دشت تھا حسنِ جہاں کا
نقاب الٹا تھا روئے مہ وشاں کا

بہارِ حسن کا تھا جوش بن میں
شجر باہم تھے ہم آغوش بن میں

لبِ جو کنج کی ٹھنڈی ہوائیں
خمیدہ برج بن کی تھیں لتائیں

چمک تھی ہر رگِ برگِ شجر میں
چکا چوند آ رہی تھی دشت و بر میں

پئے سیرِ بہارِ حسنِ صحرا
شبِ مہتاب و موجِ آبِ دریا

دل و جاں۔ دلربا۔ دلبر۔ دل آرام
چھبیلے چھیل۔ بانکے چھب سری شیام

سراپا عشوہ گر سر تا قدم ناز
بہ رنگِ حسن خود طاؤسِ طناز

ہوا یوں جلوہ فرما برج بن میں
بہارِ ناز جوں صحنِ چمن میں

دھری مرلی ادھر گردھر نے چھب سے
بھرے سُر شیام نے اعجازِ لب سے

صدائے نغمۂ نے غارتِ ہوش
دو عالم بیخودی سے خود فراموش

قیامت زا عجب اندازِ نے تھا
لبِ جاں آفریں دم سازِ نے تھا

ہوا تھا سوز سے بیتاب پانی
بنا تھا آگ پر سیماب پانی

تھمی رک رک کے لہروں کی روانی
جما چلتا ہوا جمنا کا پانی

سمٹ کر رات سانچے میں ڈھلی تھی
شبِ مہتاب چاندی کی ڈلی تھی

کہیں سوز اور کہیں جلوہ کا تھا ساز
ادھر جھانکی ادھر مرلی کی آواز

تلاشِ دل میں ہر نغمہ رواں تھا
بندھا مرلی کی دھن کا اک سماں تھا

غرض جو عالمِ ایجاد میں تھا
بہ رنگِ نے عجب فریاد میں تھا

ہر اک آواز پیغامِ بشارت
ہر اک انگلی میں تھی رمزِ اشارت

پئے بوسے دئے پیغام لب کے
پکارے جنتری میں نام سب کے

کیا بے چین ساری گوپیوں کو
پکارا پریم پیاری گوپیوں کو

یہ کہہ کر سب نے تن من دھن بسارا
چلو سکھیو کہ ٹیرے کا منھ پیارا

دفورِ شوق سے رعشہ بدن میں | نہ جان تن میں نہ تن تھا پیرہن میں
روانہ سوئے بن از خود فراموش | پری رو یان متھرا دوش بر دوش
بھرا جادو تھا بنسی کی صدا میں | ہزاروں کر گئی رخنے حیا میں
نہ شد بدھ گھر کی نہ سدھ تن کی نہ من کی | ہوا سر میں بھری تھی برج بن کی

شعلہ

شعلہ - مولوی محمد امیر صاحب خلف مولوی عبد الحمید صاحب شوق نگراسوی۔ آپ علوم عربیہ کی تکمیل کے بعد سہارنپور میں تجارت کرتے ہیں ۳۰ سال کی عمر ہے۔ کاتب تذکرہ کے عزیز ہیں ؎

عشق شامل ثواب میں دیکھا | ہجر داخل عذاب میں دیکھا
اپنے جانی کا خون روا رکھنا | یہ تو شیوہ خضاب میں دیکھا
دل کو فوراً ہی اپنا کر لینا | چشم فتنہ آب میں دیکھا
جائے پانی کی خونِ دل پینا | عشق خانہ خراب میں دیکھا
سونگھی تھی اسکے گیسوئے مشکیں کی بو کبھی | افسوس خطا میں ختن سے نکل گیا
پھر کیا رہیگا لطف چمن میں بہار کا | جھونکا خزاں کا جب کوئی بن سے نکل گیا

قطعات و تقاریظ

حصہ چہارم

تقریظ تراویدۂ قلم گہر بار ہز اکسیلینسی راجہ راجان مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر شاد مدار المہام و پیشکار دولت آصفیہ اعظم حیدرآباد دکن

شاد نواز۔

تذکرۂ خمخانۂ جاوید جلد اول و دوم یک یک جلد و ضمیمہ یادگار داغ کی دو جلدیں آپکی مرسلہ وصول ہوئیں جنکا شکریہ نہ صرف زبان و زبان قلم ہی سے بلکہ دل سے ادا کیا جاتا ہے۔

اسمیں شک نہیں کہ خمخانۂ جاوید یا تذکرۂ ہزار داستان اردو پبلک کیلئے ایک غیر معمولی بلکہ غیر مترقبہ نعمت ہے۔ اسکے جس پہلو پر نظر ڈالی جائے حیرت سے خالی نہیں۔ اگر تعداد شعرا پر نظر ڈالی جائے تو یقیناً آجتک کوئی تذکرہ اسکی مثال میں پیش نہیں کر سکتے جس میں سیکڑوں سے نمبر متجاوز ہو۔ اور لطف یہ کہ صرف نام اور تخلص ہی نہیں بلکہ ہر شاعر کا تھوڑا بہت حال بھی درج ہے جو بہ مناسبت کتاب دلچسپی سے خالی نہیں۔ اگر انتخاب کلام کیطرف دیکھا جائے تو آپ کو فنافی الشعر کہنا بیجا نہوگا۔ کیونکہ صدہا شعرا کے گرم و سرد اشعار میں سے ایسا لاجواب انتخاب کرنا کہ جس سے شاعر کی قدر و وقعت عام دلوں میں زیادہ ہو۔ نکتہ چینوں کو عیب بینی اور عیب بینوں کو نکتہ چینی کا موقع نہ ملے۔ یہ بات معمولی شوق یا سرسری نظر سے کبھی پیدا ہونی ممکن ہی نہیں تاوقتیکہ انسان محویت تامہ نہ حاصل کرے۔ اور جس کام کو شروع کیا ہے اسی کا ہو رہے۔ اگر اظہار حالات و واقعات اور منصفانہ انتخاب کو بچشم غور دیکھا جائے

تو آپکی بے تعصبانہ طبیعت کی جیتی جاگتی تصویر نہ اہل دہلی کی خواہ مخواہ جنبہ داری نہ اہل لکھنؤ سے بیجا تعرض اگر لکھائی چھپائی کاغذ وغیرہ کو دیکھیں تو وہ بھی آپکی اولوالعزمی اور فراخ حوصلگی کا قابل قدر نمونہ جو اتنی اتنی بڑی ضخیم متعدد جلدوں کے پیرائے میں اپنی شان آپ ہی دکھا رہا ہے۔ اگر طرز بیان کیطرف خیال کریں تو سلاست فصاحت متانت سے مالا مال اور اسدرجہ دلکش و دلچسپ کہ پڑھنے والوں کے دل و دماغ کو اپنی برقی قوت سے متاثر کرکے آئینہ حیرت بنائے بغیر ہرگز نہیں رہ سکتی۔ غرض یہ کہ تذکرہ حسن سیرت و حسن صورت دونوں میں لاجواب ہے۔ جلد خوشنما اُس پر طلائی نام ٹائیٹل پیج رنگینی و گلکاری سے صحن چمن۔

آپکے ابتدائی شوق یعنی سنہ ۱۸۹۲ء اور زمانہ اشاعت یعنی سنہ ۱۹۱۰ء کی دل آویز تصویریں زبان حال سے پکار رہی ہیں کہ بیمثیل ذخیرہ آپکی اُس چاردہ سالہ کوشش کا نتیجہ ہے کہ جسکو آپنے باوجود انہماک مشاغل خانگی و خدمات سرکاری اپنے انتہائی ذوق و شوق کے ہاتھوں معراج تکمیل تک پہنچایا۔ للہ الحمد کہ آپکی اس محنت شاقہ اور سعی مالایطاق کا سب سے پہلا اور مبارک نتیجہ یہ نکلا کہ اسکی سرپرستی محبوب دکن سلطان قلمرو سخن حضرت آصف سادس عفرانمکان طاب اللہ ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ نے قبول فرماکر اور بھی چار چاند لگا دئیے۔

المختصر جس طرح آپنے اپنے اور اس فقیر کے جد اعلیٰ راجہ ٹوڈرمل بہادر کی روح کو تازہ کیا ہے اسیطرح آپ بھی اپنے نہال مشقت سے کامیابی کا ثمرہ حاصل کریں۔ ۸ فروری سنہ ۱۹۱۰ء سے سفر میں ہوں ایکماہ پانچ روز بمبئی میں اعلیٰحضرت کے ہمرکاب قیام کرنیکے بعد ۱۳ مارچ کو وہاں سے روانہ ہو کر ۱۵ مارچ کو گلبرگہ پہنچا۔ اب یہاں سے امروز فردا میں روانگی حیدرآباد کا عزم ہے۔ باقی خیریت ہے۔ فقیر کشن پرشاد

تقریظ از نتائج طبع گہربار مستغنی الالقاب مسیح الملک محبی و محترمی حکیم اجمل خانصاحب رئیس اعظم دہلی

خمخانۂ جاوید۔ یہ تذکرۃ الشعرا جسکی چوتھی جلد زیور طبع سے آراستہ ہو کر آپ تک پہنچ رہی ہے میرے دوست قدیم لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے کی تالیف سے ہے۔ لالہ صاحب موصوف

نے اس بیش بہا تالیف کے لیے بہت کچھ صرف زر کرکے ایک ایسا اچھا قیمتی کتب خانہ فراہم کیا جس میں سینکڑوں اُردو کے نایاب دیوان موجود ہیں۔ اسکے علاوہ انہوں نے جسقدر شوق محنت اور سلیقہ کیساتھ اُردو علم ادب کی خدمت انجام دی ہے اسکا اندازہ انکے وہ دوست اچھی طرح کرسکتے ہیں جنہوں نے اُنکی گذشتہ برسوں کی مسلسل اور اَن تھک کوششوں کو دیکھا ہے۔

سینکڑوں گمنام شعراء کا اُردو علم ادب کے شائقین کے ساتھ تعارف کرانا اور اُنکے بہتر کلام کو منتخب کرکے اُن کے ضروری حالات کیساتھ "خمخانۂ جاوید" کی صورت میں منظر عام پر لانا ایک ایسی جلیل القدر خدمت ہے جسے اہل دہلی اور دوسرے ملک کے سخن فہم حضرات کبھی بھول نہیں سکتے۔ میں اپنے دوست کو صدق دل سے اس جلد کی تکمیل پر مبارکباد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ باقی جلدیں بھی اُنکے ہاتھوں سے جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ جائیں۔ تاکہ ہندوستان کی اُردو داں دنیا اس میدان کے ہزاروں شہسواروں سے واقفیت حاصل کرسکے۔ مجھے امید ہے کہ ملک کے قدرداں حضرات جلد سے جلد اس مفید سلسلہ کیطرف خاص توجہ فرمائینگے۔ تاکہ لالہ صاحب ممدوح "خمخانۂ جاوید" کی بقیہ خدمت کو آسانی کے ساتھ انجام تک پہنچا سکیں۔

محمد اجمل خاں

تقریظ چکیدۂ قلم مسیحا دم شفیقی و مکرمی ارسطو فطرت جالینوس حکمت حکیم محمد احمد خاں صاحب خلف اکبر حاذق الملک حکیم عبدالمجید خاں صاحب مرحوم دہلوی

مولوی محمد حسین صاحب آزاد مرحوم کی "آب حیات" کے بعد لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے کی کتاب "خمخانۂ جاوید" ایک ایسی کتاب ہے جو اُردو شاعری کی تاریخ کو دور حاضرہ تک مکمل کرتی ہے۔ اور اگر "آبحیات" نے آزاد مرحوم کو حیات جاوید کا درجہ دیا ہے تو "خمخانہ" نے لالہ سری رام صاحب کے نام کو اس قابل بنا دیا ہے کہ جبتک دنیا میں اُردو کا نام زندہ ہے۔ یہ نام بھی زندہ رہے "خمخانۂ جاوید" کا یہ چوتھا اور وسطی حصہ ہے جو اسوقت پبلک کے سامنے ہے۔ اور اس نے لالہ سری رام کے قلمی جدوجہد کا سفر ایک حد تک ختم کردیا ہے جسمیں وہ چوتھائی صدی سے زیادہ عرصہ ہوا کہ مشغول

ہیں۔ اور اس کامیابی پر وہ نہ صرف اردو کی دنیائے ادب بلکہ تمام علمی دنیا کیطرف سے مبارکباد کے مستحق ہیں۔ جب میں انکی لگاتار محنتوں اور جانکاہیوں کا خیال کرتا ہوں جنمیں گویا انہوں نے اپنا عہد شباب ختم کر دیا تو بے اختیار انکی عزت کا ایک ایسا احساس قلب میں پیدا ہوتا ہے کہ الفاظ میں انکا اظہار دشوار ہے "خمخانہ جاوید" کی تدوین اور تالیف کے بعد لالہ سری رام اب دنیا کے تاریخی لوگوں میں ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ اردو زبان اپنے اس محسن کے نام کو کبھی نہ بھولیگی جس نے اس کتاب کی تیاری میں جوانی اور جوانی کی مسرتیں قربان کر دیں اور جس کام کو اردو کے کروروں قدردان نہ کر سکے اُسے لیلیٰ اردو کے اس مجنوں نے اپنی تنہا ذات سے پورا کر دیا ؎

اجرش دہد خدا کہ کردہ است یاوری　　　بہ آں کسے کہ یاور و ناصر نداشتند

آج کے ہندوستان میں ایسی ہستیاں کہاں ہیں، جو لالہ سری رام صاحب کیطرح اپنی زندگی کے بہترین ایام و سال ایک زبان کی خدمت پر نثار کر دیں محض اس لئے کہ وہ زندہ رہے انہوں نے صرف اردو شاعری اور اردو شعرا کو پیش نظر رکھا ہے اور کوئی امتیاز مذہب اور نسل گوارا نہیں کیا ہے، ہزاروں مسلمان اور بہت سے ہندو شاعر ہیں جنکا اس کتاب میں تذکرہ ہے اور انکے کلام کا انتخاب اس حسن انتخاب اور سلیقہ سے کیا ہے کہ اس سے بہتر وہ خود بھی کیا لکھ سکتے تھے۔ یہ معمولی کام نہیں ہے اسکی دشواریوں کو صرف وہ لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے اس قسم کی تالیفات کے میدان میں بادیہ پیمائی کی ہو۔ یا لالہ سری رام صاحب کے قریب رہ کر اُن کی جانکاہ اور مسلسل مشغولیتوں کو دیکھا ہو۔ انہوں نے اپنا وقت اور اپنا روپیہ اس کام پر اسطرح بے دریغ صرف کر دیا ہے گویا خدا نے انہیں اسی کام کیلئے پیدا کیا تھا اور انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ میرا مقصد زندگی یہی ہے۔ اس پر میں سمجھتا ہوں کہ تمام ہندوستان اور دنیا کے تمام علمی طبقات کی طرف سے وہ شکر گذاری کے مستحق ہیں۔ کاش اردو کے قدردان جنکی تعداد لاکھوں نہیں کروروں ہے سمجھیں کہ لالہ سری رام صاحب نے تو اپنا کام کر دیا۔ اب ہمارا فرض اُن کی شکر گذاری کے سلسلے میں کیا ہے ؟

محمد احمد فروری سنہ ۱۹۲۶ء

قطعۂ عطیۂ مکرمی و محبی خان بہادر قاضی شوکت حسین رئیس و آنریری مجسٹریٹ مرادآباد

اہل فن اسکو بنائینگے گلے کا تعویذ
بے پئے مست ہوں جس سے یہ وہ خمخانہ ہے
ساقی بزم سرسرام سے دریا دل ہیں
طبع کی اُسکے ہے پرکیف یہ شوکت تاریخ

تذکرہ ہے شعرا کا یہ دلاویز کتاب
نہ یہاں حاجت ساغر ہے نہ پروائے شراب
تشنۂ لطف سخن آکے یہاں ہوں سیراب
حصۂ چارم خمخانہ ہے بے دُر نایاب
۱۹۲۶

تقریظ و قطعات تاریخ از نتیجۂ فکر شاعر نازک خیال سخنور عدیم المثال حاجی مرزا سید محمد خاں متخلص بہ حاجی میر منشی و پشتو ٹیچر و میر مشاعرہ بزم سخن صدر البنڈی

قطعہ اول بقاعدہ توشیح

ہاں اتر آئی جناں خمخانۂ جاوید میں
بھر گئیں سب خوبیاں خمخانۂ جاوید میں

اللہ اللہ کسقدر زاہد کو بھی ہے اس سے شوق
جسم مسجد میں ہے جاں خمخانۂ جاوید میں

میں گرا سجدے میں ساغر نے کیا جھک کر رکوع
دی صراحی نے اذاں خمخانۂ جاوید میں

درج ہیں اسمیں سخن سب شاعران ہند کے
دیکھ لو ہندوستاں خمخانۂ جاوید میں

اسمیں ہیں سب شاعران حال و ماضی کے سخن
جمع ہیں پیر و جواں خمخانۂ جاوید میں

ساری دنیا کی ہے اسمیں سیر آؤ دیکھ لو
ساری دنیا ہے نہاں خمخانۂ جاوید میں

چل ہمارے ساتھ تو بھی اے دل حسرت زدہ
جمع ہے سارا جہاں خمخانۂ جاوید میں

دلنشیں ہے دلنشیں اک حصۂ دلنشیں
جاں نشیں ہے داستاں خمخانۂ جاوید میں

ذرہ ذرہ کی تمنا ہے بنوں میں خاک پا
ٹھہرنا ممکن کہاں خمخانۂ جاوید میں

صفحہ نقطے حرف بولے مجھ سے کیا دیکھو یہاں
چاند تارے آسماں خمخانۂ جاوید میں

جائیں وہ جائیں جنہیں رہنا نہیں الا کہ گھر
گھر بنالیں سب یہاں خمخانۂ جاوید میں

کیوں نہ ہو قربان تجھ پہ اے سرسرام اپنی جاں
ہے سبھی پھولا گلستاں خمخانۂ جاوید میں

ببہ تیری سب جہاں میں ہیں بہاں بہاں میں ببہ	ببہ تو بنا ہی میزبان خمخانۂ جاوید میں ببہ
دیکھ لو آئینۂ حاجی الٰہی تاریخ طبع ۵۸۲ ۱۳۳۵ھ	لبہ لو جو حیواں کی زباں خمخانۂ جاوید میں ۱۳۲۰ ۹۰ ۲۵ ۷۰۰
صدر عروض ۱۹۱۷ء	ابتدا منقوطہ ضرب منقوطہ ۱۹۱۷ء

نوٹ: مندرجہ بالا نظم سے پانچ تاریخیں تین ہجری اور دو عیسوی بدیں تفصیل پیدا ہوتی ہیں۔

(۱) حروف اول صدر سے ۱۳۳۵ھ

(۲) حروف اول صدر و حروف آخر عروض سے ۱۹۱۷ء

(۳) حروف اول ابتدا سے ۱۳۳۵ھ

(۴) حروف اول ابتدا منقوطہ و حروف آخر ضرب منقوطہ سے ۱۹۱۷ء

(۵) چودہویں شعر کے مصرعۂ ثانی سے بصنعت تعمیہ خارجی و داخلی ۱۳۳۵ھ

قاعدہ۔ د × د = د۔ د۔ ی

ا × ا = ۰ ۰		د = ۶
ل × ل = ۰ ۰ ظ		ی = ۱۰
ی × ی = ۰ ۰ ق		ظ = ۹۰۰
ل × ل = ۰ ۰ ظ		ق = ۱۰۰
		ظ = ۹۰۰
		۱۹۱۷ء

جناب سری رام یکتائے عالم	دیگر	ہر اک فن میں کامل ہر اک فن میں کامل
کتاب انکی یہ بے بدل ہے بے بدل ہے		لکھو حاجی تاریخ اس کی دلائل ۱۹۱۷ء
آئین تو الی سے سن طبع ہے نایاب ۱۳۳۵ھ	دیگر	تاباں سر اختر سے ہے تاریخ کا خورشید
منقوطہ سے کرتا ہے سال کو روشن		نایاب سری رام کا خمخانۂ جاوید ۱۳۳۵ ۱۹۱۷ء ۱۳۳۵ھ
ہم کہے دیتے ہیں کہنا صاف اچھا تذکرہ ۱۳۳۵	دیگر	جب سن ہجری کا ادا حاجی کہیں مذکور ہو
دل میں پیدا ہو اگر تاریخ مفصل کا خیال	دیگر	یک قلم اعداد کا اس تذکرہ سے دور ہو ۱۳۳۴
کم ہے جتنی داد دیں اس تذکرہ کی اہل فن	دیگر	اسکی جا لکھا ہی میرا کہ عمر مصنف چھپ گئی

نوٹ: ۱۹۱۷ء میں ہر حصہ کی قریب قریب تمام نظمیں تیار تھیں مگر اتفاقات ایسے پیش آتے رہے کہ ابتک اشاعت کی نوبت نہ آسکی۔

میں نے اسی حاجی جو پوچھا دل سے اسکا سالِ طبع ۔۔۔ یہ کہا اس تذکرہ کی جلد چوتھی چھپ گئی
۱۹۱۷ء

اقتباس از تحریر و قطعہ تاریخ از ماہرِ کامل فن محقق رموزِ سخن سید محمد نذیر احسن نسیم ابوالعلائی بلسوی عظیم آباد

مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ خمخانۂ جاوید کے معتد بہ اوراق جناب کی زبان فصاحت ترجمان سے میں نے سنے ہیں اور میں اس سامعہ نوازی کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا حقیقت یہ ہے کہ جناب کی یہ نادر تالیف محتاجِ تعریف و توصیف نہیں۔ ع حاجتِ مشاطہ نیست روئے دل آرام۔ رہا ادبِ اردو میں ایسا گراں قدر اور بیش بہا اضافہ ہر طرح ایک خاص قدر دانی کا مستحق ہے۔

یکتائے دہر لالہ سری رام کیوں نہوں ۔۔۔ یہ صاحبِ کمال ہیں یہ واقفِ ہنر
علامۂ زماں ہیں تو یہ ماہرِ زباں ۔۔۔ فاضل ہیں علم و فن سے ہیں آگاہ و باخبر
لکھا سخنوروں کا وہ بے مثل تذکرہ ۔۔۔ ہے آج جس کا ذکر جہاں میں ادھر اُدھر
یہ ملک و قوم دونوں کے حق میں مفید ہے ۔۔۔ یہ اہلِ شوق کے لئے گویا ہے راہ بر
دلچسپ و دلفریب دل آرام و دلربا ۔۔۔ ہیں اسمیں خوبرویوں کے اوصاف سربسر
تحقیق کی تلاش کی کیا داد دیجئے ۔۔۔ پڑھیئے اسے تو کہیئے بہر حال معتبر
جو مر چکے تو از سرِ نو زندہ ہوگئے ۔۔۔ معجز نما ہے طرزِ نگارش بھی کس قدر
جو زندہ ہیں وہ از سرِ نو زندہ ہوگئے ۔۔۔ اب ہیں فنا سے دور فنا اُن سے دور تر
کیوں پڑھ کے یوں نہ داد مؤلف کو دیجئے ۔۔۔ یہ شوق یہ تلاش یہ تحقیق یہ نظر
یہ لطف۔ یہ زباں یہ اسلوب یہ روش ۔۔۔ یہ سحر یہ بیان یہ تاثیر یہ اثر
تعریف اس کتاب کی لکھنی محال ہے ۔۔۔ دل کی یہی صلاح ہے کہ اسکی نہ فکر کر

برجستہ ہے یہ مصرعہ تاریخ لکھ نسیم
احسان خاص یہ بھی ہے اردو زبان پر
۱۳۳۱ھ

از جناب سید رحمت علی صاحب ماہر زیدی منشی فاضل ہیڈ مولوی بی آر ٹونڈلہ ضلع آگرہ

ایسا جامع تذکرہ اُردو زبان میں کیا بلکہ دوسری زبانوں میں بھی اس بسط کیساتھ نہ لکھا گیا ہوگا۔ خدائے تعالیٰ اس کا اجر آپ کو عطا فرمائے میں آپکو اس بےمثل کام کی مبارکباد دیتا ہوں یہ تذکرہ شعرا کے لئے ایک اُستاد کامل ہے اور اہل کلام کیلئے قائد و رہبر۔ اگر شائقان بادہ معرفت کے لئے خمخانہ جاوید ہے تو سرگشتگان ظلمت و جہل و سفاہت کے لئے بمنزلہ خورشید۔ آپکی محنت و جانفشانی کی داد دینے میں زبان قاصر ہے اور بلکہ انتخاب کی مدح سرائی میں دل و دماغ کی کوتاہی ظاہر ہے

للّٰہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست	آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

اقتباس از تحریر فاضل اجل ادیب اکمل مولوی مولینا نجم الغنی صاحب رامپوری مصنف تاریخ ریاست رامپور

آپنے ہزارہا اہل کمال کو زندہ جاوید بنا دیا۔ اس لئے ہر شخص کا جو اس فن کے خدمت گذاروں میں سے ہی یہ فرض ہے کہ اس کام میں وہ آپکا ہاتھ بٹائے۔ آپکی عرق ریزی اور طبع وقاد کا ہر شخص معترف ہے۔ آپنے ایسا بڑا کام کیا ہی کہ اسمیں بڑے سے بڑے ماہر سے ہزاروں فروگذاشتیں ہوئیں حق یہ ہے کہ آپکا تذکرہ بہت صاف ہی آپکا طرز انتخاب نہایت لاجواب ہی۔ واللہ آپنے بڑے بڑے سخن فہموں کو راستہ انتخاب بتا دیا ہے۔

اقتباس از تحریر منشی محمد حنیف صاحب عجب

میرے نزدیک جو شخص بھی آپکی اس اپنی نوعیت میں لاجواب تصنیف کو دیکھے گا بیساختہ آپکی جد و جہد اور کامیاب سعی و تلاش پر آفریں پکار اٹھیگا۔ اردو زبان اور اسکے حامی آپکے اس

اگر انقدر التفات کو ہمیشہ بنظر احسان دیکھینگے بلکہ منت پذیری کا اعتراف نکر ناکفران نعمت خیال نکرینگے۔ جزاک اللہ۔ ع مرداں چنیں کنند آفریں باد۔ زمانۂ حال کے شعراء یا موزوں طبع حضرات کے نام اور کلام فراہم کرنے میں واقعی آپنے بجد محنت سے کام لیا۔

رنجیتۂ کلک ادیب نامور پنڈت سکھدیو پرشاد مہر سابق ڈپٹی انسپکٹر مدارس ریاست بھرت پور

واقعی آپکا تذکرہ لاجواب ہے اور آپکا احسان اُردو داں پبلک پر ایسا ہو رہا ہے کہ جس کا شکریہ ادا کرنا آسان کام نہیں آپ ایسے صاحب ہمت کا کام ہے کہ ایسے بڑے کام کو شروع کرنا اور اس کی تکمیل میں ہر طرح کی کوشش فرمانا اسقدر بڑے تذکرہ کا ترتیب دینا کوئی آسان کھیل نہیں یہ آپکا احسان اُردو داں پبلک کیلئے ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے فخر ملک۔ مجھے آپکے تذکرہ سے سچی ہمدردی ہے چند قطعات تاریخ مختلف سنوں کے برائے جلد چہارم ارسال خدمت ہیں۔

اہل سخن نے اور بھی لکھے ہیں تذکرے
لیکن یہ تذکرہ ہی زمانہ میں لاجواب

کیسا مبالغہ یہ خدا لگتی بات ہے
بے لاگ منصفی سے کیا خوب انتخاب

اس منصفی کے آپکے قربان جائیے
جان غزل کیا ہے ہر اک شعر انتخاب

واللہ انتخاب کا بھی انتخاب ہے
بیجا نہیں ہے کہنا اسے عطر انتخاب

گمنام شاعروں کا بھی چمکا دیا ہے نام
روشن ہو نام آپ کا مانند آفتاب

اُردو زباں کے آپ بھی خواہ ہیں بدل
اللہ آپکو کرے اس دھن میں کامیاب

اُردو زباں کی دہلی ہے ٹکسال واقعی
کھائیں نہ میری بات سے حساد پیچ و تاب

ہے مستحق داد عرق ریزی آپ کی
پیدا ہوا نہ ہوگا نہ ہے آپکا جواب

آپ گہر سے آپنے شاید لکھا ہے یہ
ہے تذکرہ ہیں گوہر نایاب کیسی آب

پبلک کو چاہیئے کہ کرے قدر آپ کی
اسکے صلہ میں بخشے گورنمنٹ بھی خطاب

للہ جلد کیجئے اب ختم تذکرہ		ہے انتظار جلد چہارم میں اضطراب
اسکا گواہ مصرعۂ تاریخ بہر ہے		یہ تذکرہ ہے لالہ سری رام لاجواب ۱۹۱۵ ہجری
مولف کی لگی محنت ٹھکانے	دیگر	ہر اک آغاز کا ہے پھر انجام
چہارم جلد ہے لو نذر پبلک		چھپا اب باغ تالیف سری رام ۱۹ ہجری
دن رات غرق رہ کے مولف نے فکر میں	دیگر	بحر سخن سے اور نکالی ہے پھر یہ
رکھی ہے آج میز پہ پبلک کے روبرو		اس تذکرہ کی جلد چہارم ہے پھر یہ ۱۹ ہجری
دیکھکر اسکو تشفی ہو گئی		کھل گئی خود پھر کے شک کی گرہ
پھر سن یہ غیب سے آئی ندا		ہے چہارم جلد قلب تذکرہ ۱۹

مصرعۂ تاریخ ع اس تذکرہ کی جلد چہارم ہو مبارک ۱۹ ہجری

از نتائج افکار گہربار جناب منشی محمد احسان حسن خان صاحب احسان رئیس چھپوارہ ضلع مظفرپور بہار

للہ الحمد سر آں چیز کہ خاطر میخواست | آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

مجھے عرصہ سے ایک جامع تذکرۂ شعرائے اردو زبان کی تلاش تھی جسمیں ہر طبقہ کے مشاہیر اور غیر مشاہیر شعرا ہوں للہ الحمد کہ اب وہ تمنائے دلی تذکرہ ہزار لقب بہ خمخانۂ جاوید کی صورت میں جلوہ آرا ہوئی۔ ہفتہ عشرہ گذرا کہ میں نے اسکی جلد اول اور جلد دوم دلی سے منگوائی ہیں اور نہایت ذوق شوق سے مطالعہ کر رہا ہوں میں نے اس کے اعلی محاسن اور پاکیزہ اوصاف اکثر احباب سے سنے تھے۔ فی الحقیقت جس قدر اسکی تعریف کیجائے بجا اور درست ہے تقریظیں بھی بہت سے ذی قلم باکمال اصحاب نے لکھی ہیں۔ اسکی مدح سرائی میں خامہ فرسائی کیگئی ہے وہ اسکے لئے شایاں ہے اسکے مولف جناب لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے سابق منصف و رئیس دہلی ہیں۔ آپ خود باکمال اور لایق فایق شخص ہیں آپ پر اس تذکرہ کی تالیف نے آپکے نام نامی اور صفات گرامی میں

چار چاند لگا دیے ہیں۔ طرحداران زبانِ اُردو اسپر جسقدر ناز کریں زیبا ہے۔ میں مولف کو اس گرانقدر تالیف پر تہہ دل سے مبارکباد دیتا ہوں۔ واقعی یہ تالیف لطیف آپ ہی کے حصہ کی تھی جناب ممدوح سے اگرچہ مجھے نیاز حاصل نہیں مگر مجھے ممنون کرم ضرور بنا رکھا ہے خمخانہ جاوید کی بقیہ جلدوں کے مطالعہ کا بیحد مشتاق ہو گیا ہوں۔

جناب محترم لالہ سری رام
نہایت قابلیت سے اُنھوں نے
پسندیدہ نہ کیوں ہو ایسی تالیف
نہ کیوں ہو مرحبا کا شور ہر سو
چھپا بھی ہے خوش اسلوبی سے ایسا
جو ڈھونڈا میں نے سال طبع احساس
ہر کہ ایں ذکرِ شاعراں دیدم
بہرِ تاریخ طبع سنجیدہ

صداقت میں ہیں یکتا جنکے مکتوب
لکھا ہے شاعروں کا تذکرہ خوب
مضامیں جس کے ہوں دلچسپ و مرغوب
کچھ ایسا ہی نگارش کا ہے اسلوب
نگاہ اہلِ بینش میں ہے محبوب
کہا ہاتف نے لکھ مطلوب مرغوب
۱۳۲۵ھ

دیگر

آفریں از دل و زباں گفتم
یادگارِ سخنوراں گفتم
۱۳۲۵ھ

یعنی سنجیدہ یادگار سخنوراں
۱۳۲۵ھ

از فکر صائب نقاد سخن جناب رشید احمد صاحب شور قریشی

خمخانہ جاوید آجکل زیر مطالعہ ہے کیا کہوں ایسی متبرک اور دلچسپ کتاب کی میں تعریف نہیں کر سکتا وہ خوبیاں اور باتیں اسمیں پیدا کی ہیں کہ احاطۂ تحریر میں لائی نہیں جا سکتیں چھوٹا منہ بڑی بات اوّل تو میں کیا اور میری زبان کیا۔ اگر اسکی زبان کی زبان سے تعریف کروں تو اربابِ مذاق اور اہلِ خرد کیلئے مضحکہ کا سامان ہو سکتا ہے۔ لیکن میں تو پھر بھی کہونگا کہ آپنے جو عرق ریزی خمخانہ جاوید میں کی ہے ملک اور اہلِ ملک میں سے اگر کوئی شخص اسکی تعریف میں لب کشائی کرے تو میرے خیال میں تعریف کا ایک شمہ بھی ادا نہ کر سکیگا۔ آپکی محنت قابلِ داد اور آپکی قابلیت ملک کیلئے

لائق فخر ہے۔ یا خدا یہ گلشن تھا جس کا دوسرا نام خمخانۂ جاوید ہے اسکا ہر ایک پودا یعنی ہر ایک شعر جس کے لکھنے کیلئے آب حیات نذر دوات کیا ہوگا ہمیشہ پھلے پھولے اور اسمیں بہار رہے۔

تقریظ مولوی سید محمد احمد رضی رئیس سونی پت و پریسیڈنٹ انجمن شیعہ سرس لیگ

اتفاقاً جناب کی کتاب مستطاب خمخانۂ جاوید حقیر نے دیکھی جس کی عبارت پڑھکر بیساختہ دل سے داد نکلتی ہے عبارت کی سلاست اور فصاحت کی تعریف تو اس قابل ہی نہیں کہ احاطۂ تحریر میں آسکے۔ دلچسپی میں وہ رتبہ رکھتی ہے کہ شروع کرنے پر چھوڑ دینے کو دل ہی نہیں چاہتا اور ختم کرنیکے بعد بھی یہی دل چاہتا ہے کہ دوبارہ اور سہ بارہ پڑھی جائے۔ جناب لالہ صاحب آپنے اس تاریکی کے زمانہ میں زبان اردو کو وہ جلادی ہے جس کا شکریہ اہل ہند و ماہران زبان اردو سے ناممکن ہے۔

اقتباس از تحریر منشی چنی لال صاحب صوفی وکیل عدالت تحصیل بلاسپور ریاست رام پور

داقعی جناب والا نے نہایت تفصیل و فصاحت و بسط سے حالات شعرا تحریر فرمائے ہیں گویا ہر شاعر کا حال بجائے خود ایک سحر سامری ہے۔ کلام مردہ کو زندگانیٔ جاویدی دی ہے اور قرینہ سے اپنی اپنی جگہ ہر ایک صاحب سخن جاگزیں ہیں۔ ہندوستان میں کسی نے ایسا ضخیم تذکرہ مدون نہیں فرمایا

نتیجہ طبع وقاد منشی محمد نقی صاحب قمر رئیس دیوریہ گنج ضلع گیا مولف لغات

میں نے انگریزی اخبار میں دیکھا تھا کہ آپ اردو کانفرنس دہلی کے صدر نشین ہوئے تھے اس اعزاز کی مبارکباد دیتا ہوں۔ آپکا دم بہت ہی غنیمت ہے۔ آج تک اردو علم ادب کی ایسی خدمت کسی نے بھی نہیں کی ہے۔ زبان ایک طرف آپنے تحقیق بہت کی ہے شعرا کی زندگیوں کا آپ کو جتنا علم ہے میرے خیال میں اتنا کسی کو بھی نہیں اور اسکا باعث یہ ہے کہ انکے پاس آپ جیسے جواہرات نہیں ہیں جنکو سرمایہ کہتے ہیں۔

از رشحات قلم جادو رقم محقق والانظر ماہر ستودہ سیر نواب شمشیر بہادر اخگر رئیس ریاست اجی گڑھ بندیل کھنڈ

پیارے سر رام۔

ندرت طراز شاعر شیوا زباں ہے تو	نکتہ شناس و نکتہ رس و نکتہ داں ہے تو
یکتائے روزگار وحید الزماں ہے تو	ہے سچ تو یہ کہ نازش اردو زباں ہے تو

اعجاز ہے قلم میں تو جادو زباں میں ہے
نیرنگ سامری ترے طرز بیاں میں ہے

آپ نے تذکرہ لکھکر ہندوستان کے ہندو مسلمان دونوں قوموں پر برابر احسان کیا ہے جو آپکے احسان کو نہ مانے اُسے انتہا درجہ کا ہٹ دھرم اور بے ایمان خیال کرنا چاہیے کیونکہ اردو زبان ہندو مسلمان دونوں کی مشترکہ زبان ہے۔

اگر آپ میں ذرا بھی تعصب کی بو ہوتی تو آپکا یہ کار عظیم کبھی اپنے ذمہ نہ لیتے بلکہ اردو کو او مٹانیکی فکر کرتے۔ ان باتوں کو نادان نہیں سمجھتے مگر اسپر جلے جاتے ہیں کہ ملک انکی تعریف کیوں کر رہا ہے اب ان نافہموں سے کون کہے کہ تم بھی وہ کام کرو جسمیں تمہاری بھی تعریف ہو لیکن۔ ع

کھیل ہے ہر کوئی جس کو یہ وہ شطرنج نہیں

البتہ قدرت نے آپ کو ضرور ایسا باہمت، نیک دل، صاحب علم، فرشتہ سیرت انسان بنایا ہے جب تو یہ بار عظیم اپنے سر لیا خدا کرے یہ کار اہم بخیر انجام کو پہونچے۔

عیب نکالنے والوں سے ہنر کے دیکھنے والے زیادہ ہوتے ہیں مصنف کے سامنے گو چند حریف عیب نکالیں تو نکالیں مگر پیچھے قیامت تک واہ واہ سننے میں آتی ہے۔ انسان کی فطرت میں ہے کہ دوسرے کی خوبیاں دیکھ نہیں سکتا یہی وجہ ہے کہ بہت کم اہل کمال کو اپنے وقت میں داد ملی کیسی ہی عمدہ کتاب لکھیے معمولی داد کیساتھ ہی یہ ضرور کہا جائیگا کہ "متقدمین کا کیا کہنا"

حالانکہ جب تک شاعر زندہ رہے وہ بھی ابنائے زبان کے شاکی رہے اور یہ مصنوعات جو آپ نے مقابلہ میں اگلوں کی یا غیروں کی تعریف کر رہے ہیں اس خیال سے نہیں کرتے کہ انکا حق سمجھتے ہیں بلکہ انکی داد میں عیب پیدا کرنا منظور ہے سبب یہ کہ وہ تو اس وقت موجود نہیں ان سے رشک کا موقع نہیں رہا آپکے ساتھ رشک ہے۔

وہ کامل اور نامور شعرا جنہوں نے اردو میں چار چاند لگائے اور خود بادِ حوادث سے کیتے بند جہاں سے قعر گمنامی میں جا پڑے اور بہتیرے رشک کر دم توڑ کے رہ نورد آخرت ہوئے آپنے آب حیات پلا کر ان سب کو زندہ کر دیا۔ انکی روحیں آپکے ترقی عمر و اقبال کیلئے دعائیں دے رہی ہونگی۔

اللہ جل شانہ اس سے زیادہ آپکی ہمت بڑھائے اور خضر کی عمر بخشے تاکہ یہ کار عظیم جلد بخیر انجام کو پہنچے اور آپ کو اس محنت اور جانکاہی کی داد ملے۔

از عالیجناب مالک الکلام استاد عدیم النظیر لسان العصر سید ریاض احمد صاحب ریاض سرتاج تلامیذ مایۂ ناز منشی امیر احمد مینائی

حضور اقدس۔ نوازش نامہ باعث اعزاز ہوا اللہ اللہ گزشتہ اشتیاق افتخار سیدت کی تمنا آج بر آئی خدا آپکو تا زمانہ دراز باصحت و عافیت رکھے تذکرہ کیطرف توجہ کا موقع ملنا ملک کی خوش نصیبی ہے آپنے دائمی یادگار مجموعہ تیار کر کے شعراء کیساتھ مذاق صحیح کو زندہ جاوید بنا دیا۔ آپ دنیائے شاعری کے محسن ہیں اسلئے بھی کہ شعرائے دلی و لکھنؤ اب بڑا دے اور زیادہ قریب ہو جاتے ہیں

قطعۂ تاریخ ریختۂ کلک مکرمی نواب کاظم علیخاں صاحب ذہین رئیس اعظم لکھنؤ

ساقیا موسم بہار آیا
کچھ عجب حال اب ہے رندوں کا

دختر رز کی یاد ہر دم ہے
بس اسی کا وہ پڑھتے ہیں کلمہ

باغ و صحرا پہ ہے عجب جوبن
سبز پہنے ہے ہر شجر جامہ

کیا زمیں پر بہار دیتا ہے
کیا غضب ڈھا رہی ہیں مدوں پہ
شاہدانِ چمن کا جوبن کہار
ہے چنبیلی پہ بس غضب کی بہار
موتیا عطر کا قرابہ ہے
ختم ہے آج نسترن پہ بہار
ہے نزاکت سے کامنی کو یہ خوف
غیرتِ مہ ہے چاندنی کا پھول
بھری نیلوفری نرسکا
ہو گر آفتاب تجھ میں تاب
چشمِ ساقی دہ نشہ ہیں ڈوبی
لالہ ساغر میں ہے لئے مے سرخ
گل و بلبل کے وصل کا دن ہے
بھر گئے غنچوں میں آج عکسِ شفق
بولتا ہے پپیہے کا طوطی ے
چار سو منتظم عنادل ہیں
آج گلچیں نے پھول گر توڑا
حکم غنچوں کو ہوگا موںہ کھولو
قمریاں گر کرینگی سرتابی
کیا مجال آج گل ہو نافرمان
آج شمشاد پہ بھی ہوتا ہے

[illegible]

ہر طرف فرش سبز مخمل کا
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں کالی گھٹا
جانفزا ہے فزائے بستان کیا
چھوٹا پڑتا لباس ہے سادا
سارا گلشن مہک رہا ہے پڑا
قابلِ دید آج گل ہے نرگس کا
تشنۂ گل لے ہے نہ ہے پیدا
حسنِ گلشن ہے دونے سے دُونا
چہرے کا رنگ پڑ گیا پھیکا
آ کے سوسن لگی ہے ... ملا
غسلِ صحت ہوا ہے نرگس کا
بلبلوں کے لئے یہ گل پھولا
خوفِ گلچیں نہ کیل کا کھٹکا
بلبلیں کھیلتی ہیں رنگ اس جا
پی کہاں پی کہاں کا غل ہے بپا
عدل و انصاف کی بندی ہے ہوا
وارِ شمشاد پہ دیں گے چڑھا
کہ شہادت ہو خون دل کی ادا
طوقِ گردن میں آنکی ہوگا پڑا
حکم مانے نہ عندلیبوں کا
قدِ موزونِ یار کا دھوکا

قطرے شبنم کے یوں ہیں پتوں پر
زردی پھولوں کی یہ تباتی ہے
قوتِ نامیہ کا ہے یہ زد ر
سرو خاموش محوِ حسن بہار
باغ پر کیا برس رہی ہے بہار
سیرِ گلشن سے ہوگیا دل سیر
مینہ برس کر کھلا ہوا بدلی
دیکھ زندوں کی طرح میکدہ کو
آتی بھر بھر کے شے مے سرجوش
خوش بہر کیف کوے ہوں
ے وہ دُ جسکو پی کے ہوں بیہوش
ہوتا جو کچھ ہو واں وہ یاں ہو جائے
تند ایسی ہو جیسے ہی کھولوں
گھنگرج تند جس سے بڑھ کے نہ ہو
اب نہ پھر مجھے ہو گی یہ تقصیر
ہوشوں پر آئی ہے خماری جان
پی کے مے بحرِ نشہ میں ڈوبوں
مے رخشاں ہو مہر کی مانند
یہ جو واعظ ہیں مے کے دشمن جان
انکی صحبت سے ہے خود بدنام
بندگی کر کے ! تو مسجد کو

موتی قدرت نے جڑ دئے گویا
ہے عروس بہار کا مانجھا
خشک لکڑی میں بھی ہے نور آیا
دیکھتا ہے تماشا قدرت کا
تو بھی ساقی عرق بہار کا لا
دخت رز کا دکھا مجھے جلوا
قوس کا رنگ آسماں پر چھا
لڑکھڑاتی نکل رہی ہے صبا
زندگی بھر جو دوں میں تجھکو دعا
ہو مبادا خمار بادہ کا
ڈر نہ واعظ کا ہو نہ خوف خدا
نشہ میں فکرت تین کعبا
کاگ اڑ جائے زن سے بوتل کا
پہلے منبر کی مجھکو دے اِک شا
توبہ کرنے سے میں نے کی توبہ
جلد ساقی صراحی مے لا
بط مے کو بھی آج دوں غوطا
کرے مہتاب جس سے کسب ضیا
تو نہ باتوں میں ان کی آجانا
مے کو بدنام یہ کرینگے کیا
در میخانہ ہم نے ہے تا کا

کیا دکھاتا ہے مجھکو اے واعظ
جائیں حوریں تری جہنم میں
دے نہ لالچ خیالی باتوں کا
خلد میں بھی مجھے ملے جو شراب
شیخ جی کی ہو کر کری شیخی
پی کے ایسا سماں بندھے ساقی
تخت پریوں کے سامنے اتریں
پیکے مے بند کر لوں جس دم آنکھ
سامنے پریاں ناچتی اتریں
گر سبو کے سبو رہیں خالی
مست ہو کر شراب سے ساقی
جسمیں ہو عیسوی و فصلی سن
دلدہی دوست کی ہے مدِ نظر
عاقل و ہوشیار رنگیں طبع
بامروت۔ خلیق و نیک سیر
کس قدر محنت اور مشقت سے
کہوں۔ دریا کیا ہے کوزہ میں بند
کیا فصاحت ہے کیا بلاغت ہے
درحقیقت کیا انہوں نے کمال
جلد چوتھی بھی تذکرہ کی اب
بعد خوض تمام و فکرِ کثیر

سبز باغ آج تو یہ جنت کا
میں تو ہوں دخترِ رز کا دیوانا
خواب میں بھی ہے حور کو دیکھا
غش سے پی جاؤں ہیدھڑک آیا
نہ ملے اُنکو بھاگتے رستا
جس سے دل کی کھلے گویا
صاف نقشہ کھنچے اکھاڑہ کا
نظر آجائے قاف کا نقشا
راجہ اندر کی ہو سبھا کا مزا
ہو صبوحی کا ذکر صبح و مسا
قطعہ ایسا ہے مجھکو اک لکھنا
بکرمی اور سال ہجری کا
ہیں سری رام جانِ مہر و وفا
کاملِ فن ذکی و بحرِ سخا
دلی والوں کو اُن پہ ناز بجا
نام کو شاعروں کے زندہ کیا
موتیوں کا ہے یا بنا سہرا
جسکو سحباں بھی دیکھ شرمایا
خوب گوندھا ہے پھولوں کا گجرا
چھپ کے تقسیم ہو گئی ہر جا
قطعہ تاریخ کا یہ کھڈا لا

ڈالری جان بکرمی سن میں / عیسیٰ دم طبع تیرا کیا کہنا
ہے سری رام کا نوشتہ یہ / جام جم رشک زیب خمخانہ
سمت آئیں سیہر بہتر رکھ / ہو بہو ہے ذہین یہ گلدستہ

قطعات تاریخ شاعر یکتا منشی سید جمیل احمد صاحب طاہر حسنی الحسینی از جودھپور (مارواڑ)

آئیں آئیں ہیں کدھر جوہر شناسانِ سخن / زیب عالم ہو رہے خمخانۂ جاوید حسن
دیکھ لیں آ کر بہاریں تو عروسِ شعر کی / شاہد زیبا ہے حسن نظم کی دیکھیں پھبن
فرشِ رہ آنکھیں بنائیں ہیں کہ ہر جلوہ طلب / مائل بے پردگی ہے ایک شوخ پرفتن
ہو چکے ہیں پھر بہم اسباب ترتیب مشام / مشکباری پر ہے مائل نافۂ دشتِ ختن
پھر گل تازہ کھلا نکہت ہے تحریکِ نسیم / پھر مہک اٹھنے کو آمادہ ہے شاخ یاسمن
الحمد للہ مدوجزر قلزم امید سے / نازش گوہر نکلنے کو ہے پھر دُرِ عدن
مائل نغمہ سرائی ہیں عنادل چار سو / عازم گلشن ہے پھر بادِ بہاری خندہ زن
بادہ نوشِ ساغرِ خمخانہ جاوید ہوں / اس طرف آئیں کدھر ہیں شائقین علم و فن
فکر تاریخ اشاعت حضرت طاہر کیوں / پھر یہاں کہدیجئے خمخانہ ہے رشکِ چمن

دیگر

ہیں سخنوران دنوں پھر مست دہر شاہ سخن / بزم میں پھر دور دورِ ساغر و پیمانہ ہے
منشیان نظم پھر ہیں رہزنِ تمکین و ہوش / محو انداز و ادا ہر عاقل و فرزانہ ہے
کم نہیں یہ تذکرہ بھی ساقی مخمور سے / مست چشم مے چکاں ہر بادہ کش دیوانہ ہے
مصرعۂ تاریخ طبع بے تکلف فی البدیہ / لکھو طاہر جوش دریائے عطا خمخانہ ہے

دیگر

کہاں اسکی سی خوبی تذکروں میں / کہاں اسکا سا آئین حسن دلخواہ
یہ نظم و نثر ہے چشم بد دور / یہ نثر و نظم ہے بارک اللہ
چمک اٹھے نہ کیوں کر بخت اردو / درخشاں ہو نہ کیوں کر صورتِ ماہ

مولف اسکے ہیں لالہ سری رام
وہ جو ہیں نظم اردو کے ہیں محسن
لکھو سالِ اشاعت تم بھی طاہر
گل خوبی شگفت در گلشن

قطعہ
سن ہجری ہمیں بود طاہر

قطعہ
وصف نغمخانہ جاوید بھلا کیا کہئے
جامِ جمشید سے یا دیجئے تجھکو تشبیہ
کہئے یا بلبل گلزار کلام رنگیں
لکھئے یا روح رواں کالبد معنی کی
حسن نقاشی جبیں تو ہے مثالِ ارژنگ
نظم پروین سے تجھے نظم میں لکھئے تم کل
تجھکو بے شبہ و شک کان بلاغت لکھئے
اہلِ فرہنگ کی دانش کا کرشمہ تو ہی
مشرقی علم ادب کا تجھے گلشن لکھئے
یا تجھے رو کشِ حسنِ مہِ کنعاں لکھئے
خوب و خوش منظر بے مثل ہی یکتا ہے تو
جس قدر مدح و ثنا کیجئے تیری ہی بجا
جانِ خوبی ہی سراپا ہے متاعِ خوبی
شانہ طرۂ اصحاب تمنا لکھئے
لمعۂ برق تجلی سر طور ہے تو
تیرے دیوانے دل و جان سے ہیں شیدائے کلام

دیگر
زبان دان و ادیب و نکتہ آگاہ
نکالی ہے نئی احسان کی راہ
مرادِ دل ہے طرفہ تذکرہ واہ
۱۹ ۲۵

قطعہ
مرحبا مرحبا تعالیٰ تعالیٰ
گوئیا حسنِ انتخاب مقال

قطعہ
میکدہ اسکو مے ہوش ربا کا کہئے
یا سکندر کا یہ آئینہ زیبا کہئے
یا سخن کا تجھے طوطی شکر خا کہئے
یا تجھے پیکرِ معنی کا ہیولا کہئے
صنعتِ مانی و بہزاد سراپا کہئے
نسر طائر سے تجھے نثر میں مانا کہئے
بیگماں تجھکو فصاحت کا خزینا کہئے
اور منشی فلک کی تجھے انشا کہئے
مشرقی حسن تخیل کا حدیقا کہئے
یا تجھے طالعِ بیدار زلیخا کہئے
دلبر و دلکش و دلچسپ و دل آرا کہئے
ہے سزاوار تجھے جس قدر اچھا کہئے
خوبی و حسن کے سر کا تجھے سہرا کہئے
سرمۂ دیدۂ ارباب تماشا کہئے
شفقۂ مہر ضیا بار و تجلا کہئے
تحفۂ نغز ان سخن کا تجھے سودا کہئے

زیب و زینت میں تجھے غیرتِ جنت لکھئے
حسن و خوبی میں تجھے رشکِ حور کہئے

مدحِ مصنوع میں ہی مدحتِ صانع مضمر
چشم وحدت کا نہیں کیا یہ تقاضا کہئے

حضرت لالہ سری رام ہیں اسکی جامع
کوششوں کا یہ سب انکی ہی نتیجا کہئے

انکی تالیف ہی یہ وہ ہیں مؤلف اسکے
گر چمن اسکو تو انکو چمن آرا کہئے

فلکِ نظم کا لکھئے انہیں مہرِ رخشاں
چمنِ فکر کا انکو گلِ رعنا کہئے

انکے باعث ہوا احیائے زبانِ اردو
جانفزائی میں انہیں رشکِ مسیحا کہئے

نامِ اسلاف کا زندہ ہوا انکے باعث
انکے الطاف کا ممکن ہی کب احصا کہئے

انکے احسان سے گراں بار رہینگی نسلیں
امرِ حق کا نہیں معیوب چھپانا کہئے

فکرِ تاریخِ اشاعت ہی اگر اے طاہر
صبحِ نور دزادیب سخن آرا کہئے

لکھئے تاریخ چمکتی ہوئی اسکی طاہر
نورافزائے جہاں عقدِ ثریا کہئے

ہے دل و علم پہ یہ سالِ اشاعت طاہر
تذکرہ لکھئے اسے سب سے نرالا کہئے
۱۹　۳۰　۳

پھر شوق کی تمہید ہے تمہید سری رام
پھر چھپتا ہے خمخانہ تبا شید سری رام

پھر کھلنے لگے نخلِ تمنا میں شگوفے
پھر پھولا پھلا غنچۂ امید سری رام

مشتاقی حسرت کی پھر امید برآئی
پھر پردۂ معنی میں ہوئی دید سری رام

پھر پیش نظر ہے مہِ شوال مسرت
پھر عید سے ملتی ہے گلے عید سری رام

نقادوں کو پھر نقدِ سخن کی ہے بشارت
پھر گرم ہے ہنگامۂ تنقید سری رام

یوں تذکرہ لکھے کوئی مقدور نہیں ہے
آسان نہیں دشوار ہے تقلید سری رام

خمخانہ کی تاریخِ اشاعت لکھو طاہر
جامِ مئے خمخانۂ جاوید سری رام
۱۹　ء　۲۵

اس سے پہلے کون ایسا لکھ سکا
نادر و نایاب و زیبا تذکرہ

کیوں نہ ہو مقبول اربابِ سخن ۷
مرمٹوں کے نام زندہ کر دیئے
ہے جہانِ نظم جب تک برقرار
سال اسکی طبع کا ظاہر لکھو
مرحبا لالہ سری رام ایم اے
پھول اس باغ میں ہر رنگ کے ہیں
جب ہوئی فکر کہ لکھوں تاریخ

دیگر

جانِ اُردو ہے سراپا تذکرہ
آبِ حیواں ہے تمہارا تذکرہ
یادگارِ فن رہے گا تذکرہ
ہے انیسِ دل یہ جو تھا تذکرہ ۱۹۲۵
تذکرہ آپ نے بے مثل لکھا
رشکِ فردوس ہے یہ سرتاپا
ہاتفِ غیب نے ایما یہ کیا

مصرعہ سال یہ لکھدے طاہر
واہ خمخانۂ جاوید چھپا ۱۹۲۵

تقریظ از نتائج افکار گوہر بار فاضل جلیل شفیقی و مکرمی قاضی محمد خلیل رئیس و زمیندار بریلی

انسانی تاریخ کے پارینہ اوراق شہادت دے رہے ہیں کہ صرف علم ادب کی ہنگامہ افروزی نے ملکوں اور قوموں کو پستی سے اٹھا کر معراج کمال پر پہنچایا ہے خیالات کے تغیر طرز معاشرت کے اختلاف تمدن کے انقلاب میں ادبیات کو جو کامیابی نصیب ہوئی ہے اسکا مقابلہ نہ فلسفہ کی طاقت کر سکتی ہے نہ سائنس کی قوت فلسفہ اگر اشیا کی صرف ماہیت بتاتا ہے تو سائنس محض کیفیت ۔ یہ جن اشیا کو دلائل اور براہین سے ثابت کرتے ہیں شاعری اظہار جذبات سے انکا یقین دلاتی ہے نظم فلسفیانہ ہو یا اخلاقی عشقیہ ہو یا تخئیلی سب سے مفید کام لئے جا سکتے ہیں جو چیز شعر میں معرض بحث میں آجاتی ہے اور جن چیزوں کے نتائج بحیثیت شاعرانہ اخذ ہوتے ہیں وہی نہایت گہرے اور کارآمد ثابت ہوئے ہیں۔ ہر دور کے رسم و رواج ۔ ہر زمانہ کے خصائل و عادات کا پتہ جب اُس دور کی شاعری سے ملتا ہے۔ شاید دوسری طرح نہ ملے اور جس قدر قوی اثر اشعار کا انسانی سرشت پر ہوتا ہے یہ قوت اور چیزوں میں عنقا ۔ جو خوشبو پھولوں میں ہوتی ہے وہ اُسکے درخت میں نہیں اسی طرح

جو بات نظم میں ہے وہ نثر میں نہیں اور نفس بھی بالطبع شعر کو نثر سے زیادہ پسند کرتا ہے اور حافظہ بھی اسی کو جلد قبول کر لیتا ہے۔ میمون بن قیس کے کلام میں یہ تاثیر تھی کہ جسکی تعریف کر دیتا قیامت تک نیکنام ہو جاتا اور جس کی بُرائی لکھدیتا ہمیشہ کو بدنام۔ رمز شناسان بلاغت اور نکات فہمان ادب صدیوں سے فیصلہ مختتم کر چکے ہیں کہ شاعری اور انشا پردازی ہی وہ آئینہ ہے جس میں اقوام و ملل کی اصلی صورت نظر آتی ہے۔ ہر جماعت کا بننا بگڑنا اُسکی شاعری اور اُس کے علم ادب کے حسن و قبح پر منحصر ہے۔

عرب و یورپ وغیرہ میں شعرا ہی قوم کو جس طرف چاہتے جھونک دیتے اور جس بات سے چاہتے روک لیتے تھے شعر سے جس طرح نفسانی جذبات کو اشتعال ہوتا ہے اُسی قدر روحانی خوشی بھی زندہ ہوتی ہے یہانتک کہ اسلام میں صوفیۂ کرام کے ایک سلسلہ نے سماع کو جس کا جزو اعظم شعر ہے باعث تزکیۂ نفس اور وسیلۂ قرب الٰہی مانا ہے اور بعض مذاہب نے تو جزو عبادت ہی قرار دیا ہے نور بائی نے نواب روشن الدولہ کے یہاں حضرت میران سید بھیکا صاحب کو ایک رباعی گا کر سنائی۔ میران صاحب مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے اور بمشکل ہوش میں آسکے۔ یہاں یہ نکتہ بھی خیال میں رہے کہ موسیقی جو اقسام حکمت سے ہے بغیر شعر کے نہیں ہو سکتی اور شاعری کو موسیقی کی ضرورت نہیں پر شاعری جزویست از پیغمبری تو صدیوں کا مسلمہ مسئلہ ہے۔

فقط انسانی قانون ہی ترقی کیلئے کافی نہیں ہے بلکہ فطرت اندیشہ کی شمع کو شعلہ بار بنانے۔ گوہر علوم کو آبدار رکھنے۔ جوہر فنون کو عمدہ طور سے برتنے کا نام بھی ترقی ہے۔

یورپ کا ایک محقق کہتا ہے کہ مشاغل دنیوی کے انہماک سے جو قوتیں سو جاتی ہیں شعر ہی اُنکو پھر جگاتا ہے اور بچپن کے خالص اور پاک جذبات کو جو لوث غرض سے منزہ ہیں پھر ترو تازہ کر دیتا ہے

جبتک دماغی قوتوں میں تلاطم نہ برپا ہو۔ شبستان خیال میں رنگین طرازی کا جوش نہ ہویدا ہو۔ پردۂ ذہنیہ پر قابلیت و استعداد کے نقش و نگار نہ ظاہر ہوں اُسوقت تک نہ کوئی قومی جادہ قائم ہو سکتا ہے اور نہ انسان کسی نئی شاہراہ میں قدم اُٹھا سکتا ہے۔ یورپ میں پولیٹکل مشکلات کے وقت ہمیشہ بڑی

ہی سے کام لیا گیا۔

ایتھنز والے جب جزیرہ سلیمس کیلئے ہزاروں مرتبہ لڑکر تھک گئے اور یہ عہد کرنے پر مجبور ہوئے کہ اب جو شخص لڑائی کا ارادہ کرے یا ذکر بھی زبان پر لائے وہ قتل کر دیا جائے۔

تو مقنن سولین نے ایک نظم لکھکر عام مجمع میں سنائی جس نے اس قدر زیادہ جوش پیدا کر دیا کہ سب قوم لڑنے کو پھر کھڑی ہو گئی اور جزیرہ کو فتح کر کر چین لیا۔ شاہ اڈورڈ جب ویلز کی فتح سے بالکل مایوس ہو گیا تو شعرا سے مدد لی اور قوم اشعار سنکر اسقدر زیادہ جوش میں آگئی کہ ویلز فتح کرلیا تو چین آیا۔ امیر نصر بن احمد کو رودکی نے صرف ایک قصیدہ سناکر ہرات سے بخارا جانیکو اتنا بیچین کر دیا کہ اسی وقت چلدیا۔ معاویہ بن سفیان فرماتے ہیں کہ شعر ہی وہ چیز ہے کہ جس کو سنکر بخیل فیاض نامرد بہادر اور نا اہل بیٹا فرماں بردار ہو جاتا ہے۔ **فردوسی** نے شاہنامہ لکھکر جو فارس پر احسان کیا وہ جلیل القدر علما کی تصنیفوں نقیبوں کی صداؤں یا داعیوں کی دلفریب تقریروں سے نہ ہو سکا۔ عرب کو دیکھئے گوشۂ گمنامی سے نکلکر اور ریگستانوں سے اٹھکر بڑی بڑی سلطنتوں کو الٹ دیا۔ عالم میں تہلکا ڈالدیا اس انقلاب عظیم کا سبب بھی وہ شاعرانہ رجز ہی تھے جو لڑنے والوں کو مبہوت بناکر حریف کی طاقت وقوت اور جبروت وجمعیت سے بیخبر بنا دیتے تھے۔

اندرونی جذبات واحساسات نے شاعرانہ لباس سے آراستہ ہو کر دنیا کے خط وخال میں جو نمایاں اور روشن تبدیلیاں کیں اُن سے نہ صرف دنیاوی جلیل القدر بارگاہیں متاثر ہوئی ہیں بلکہ نبوت کے مقدس دربار میں بھی شاعروں کو عزت باریابی حاصل ہوئی اور کارآمد مانے گئے زمانۂ جاہلیت میں جو قصیدہ نادر ہوتا وہ کعبہ پر آویزاں کیا جاتا مسلمانوں کے مقدس پیغمبر نے ابن رواحہ سے ارشاد فرمایا کہ شمشیر اور زبان دونوں وقت پر دے سکتے ہیں مگر شعر دشمن کو تیغ وتبر سے زیادہ سخت ہے۔ حضور اقدس کا اشعار سُنکر تبسم فرمانا شعر کی دوبارہ فرمائش کرنا حسان بن ثابت کیلئے ممبر نصب کرانا کعب بن زہیر کو چادر عطا کرنا اور پھر شعر میں اصلاح فرمانا نابغہ جعدی کیلئے دعا کرنا سب سے بڑھ کر یہ کہ خود حدیث پاک میں اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَۃً اور اِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحرًا ارشاد ہونا شعر کی نہی

عظمت کی واضح دلیل ہے علامہ صیدلانی اور قفال رحمہا اللہ جو اجلۂ علما میں تھے یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ شعر کا کذب کذب نہیں ہے کذب اسکو کہتے ہیں کہ جھوٹا اپنے جھوٹے قول کی تصدیق سے سچ کرنا چاہے اور شعر میں خلاف واقعہ امور سے محض حُسنِ کلام کی خواہش ہوتی ہے نہ اسکی تحقیق جب قرآن شریف نازل ہوا ہے تو اہلِ عرب اسکی فصاحت و بلاغت سے حیران و ششدر ہو کر بہت سے اِنْ هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ کہکر ایمان لے آئے اور جنہوں نے کلامِ الٰہی نہ مانا وہ حضورِ سرورِ عالم کو شاعر سمجھنے پر مجبور ہوئے مولانا نظیری فرماتے ہیں ؎

بلبلِ وحی اند کے اوج فراتر گرفت
ورنہ یک پردہ اند آن من و آن او

نو بنو نگارستانِ قدرت کی زنگارنگی نے عالم کو سنور کر دیا ہے مرغزاروں کی شادابی ہو یا فلک نما پہاڑوں کی زرین چوٹیاں دیدۂ عبرت نگاہ کو دونوں سبق آموز ہیں مگر ایسی سرزمین پر اگر کوئی شاعر نہ پیدا ہو مورخ وجود میں نہ آئے تو حسن و خوبی کے تمام کمالات اور قدرت کی سب نیرنگیاں گوشۂ گمنامی میں پڑی رہجاتی ہیں اور فطرت کی نکتہ پردازی شعرا کی ترجمانی کے بغیر اربابِ گیتی کو اپنے فوائد سے محروم رکھتی ہے عالم ضرور ناپائیدار ہے اور انسان یقیناً فانی پھر اسکے آثار کو قیام اور اسکے نقوش کو کس طرح ثبات ہو سکتا ہے لیکن اس دارِ فنا میں حوادثِ روزگار سے مصئون اور دستبردِ فنا سے کچھ محفوظ کوئی چیز نظر آتی ہے تو صرف مفید تالیف یا کارآمد تصنیف۔ مذاہبِ مختلفہ تناسخ کے قائل ہوں یا خلاف مگر عقلِ سلیم یہ سوجھا رہی ہے اور چشمِ باریک بیں مشاہدہ کرا رہی ہے کہ اس عالمِ کون و فساد میں ہر چیز کا صرف ایک ہی قالب ہوتا ہے لیکن روحِ معنی اور شاہدِ سخن کے دو میں ایک لفظی اور ایک مدادی و کاغذی جب اسکا ایک قالب فنا ہوتا ہے تو دوسرا اشکلِ سابق کے اور موجود ہو جاتا ہے بلکہ یہ خصوصیت اور یہ کرامت کلام ہی کو عطا ہوئی ہے کہ ایک ہی وقت میں سینکڑوں ہزاروں قالب میں حلول کر جائے اور زوال و فنا سے محفوظ رہے۔ تصانیف کے سیکڑوں اقسام ہیں اور تالیف کے ہزاروں اصناف مگر طغرائے امتیاز جو سوانح نگاری کو حاصل ہے وہ دوسروں کو نہ ملا یہی وہ شعبہ ہے جسکے گذشتہ کارناموں کی ورق گردانی نے مستقبل کو روشن بنا دیا جب پلوٹارک

نے روما اور یونان کے مشہور آدمیوں کی سوانح عمریاں لکھیں تو یورپ کے قالب میں بیداری کی روح گونج اٹھی انگلستان کے مشہور جادو بیان شیکسپیئر نے جب کبھی انسانی سرشت کی تصویر کھینچی تو قدیم ہی زمانہ کے نمونوں کو پیش نظر رکھکر نوک و پلک خط و خال درست کئے مل ٹن جب کبھی فلسفیانہ مسئلہ پر بحث شروع کی تو متقدمین ہی کے خرمن کا خوشہ چیں بنا مغرب کی موجودہ ترقی کا دیباچہ بھی وہی گذشتہ قوموں کے حالات زندگی ہیں جن سے تہذیب اور اخلاق میں اصلاحیں ہوئیں جاپان جسکو قرن اولیٰ میں کوئی وقعت نہ تھی اگلے زمانہ کے سات سو آدمیوں کی سوانحعمریاں لکھکر ترقی کا گہوارہ بن گیا اور شائستگی کا مرکز۔

غرض یہ امر فیصل شدہ ہے کہ ملکی ترقی کا راز سوانحعمریاں ہیں اور سوانح عمری کی سب سے مفید اور کارآمد شاخ شعرا کے تذکرے۔ مگر سب سے زیادہ مشکل بھی انہیں کی تالیف ہے ؎

نگری از گداز دل و جگر آتشے چو سیل　　غالب اگر دم سخن رہ بضمیر من بری

عام سوانح نگار کا اہم فرض اسی قدر ہے کہ وہ زندگیوں کے گوناگوں اثرات کو دکھائے مفید واقعات کو پیش کرے مگر تذکرہ نویس کو وقائع نگاری کے ساتھ ساتھ عمدہ اور کارآمد کلام کا انتخاب بھی پیش کرنا ہوتا ہے اور اس کے لئے ایک عظیم الشان سمندر سے گذرنا پڑتا ہے۔

اگرچہ موجودہ زمانہ کی ضرورت حاضرہ نے نظم سے نثر کی تصنیفوں کا دائرہ وسیع کر دیا ہے ملک میں ہر قسم کے نثار موجود ہیں جدید طرز کے ناولوں سے کتب فروشوں کی دوکانیں پٹی پڑی ہیں۔ ہر قسم کے افسانے اسٹیشنوں پر مارے مارے پھرتے ہیں کتب فروش انبار اٹھائے ہر گلی کوچے پھیری لگاتے ہوئے نظر آتے ہیں مطبوعہ فہرستیں شائع ہوتی ہیں۔ ہر اخبار ہر رسالہ میں اشتہارات کتب نظر آتے ہیں مگر افسوس کہ انکا زیادہ حصہ غیر مفید بلکہ مضر ہوتا ہے جدید لٹریچر ہندوستانی تقاریب اور رسومات کا اول تو ہو بہو نقشہ کھینچنے سے عاجز ہے۔ پھر اس طرز میں اکثر موقعوں پر ادائے مطالب کے لئے اردو میں الفاظ ہی نہیں ملتے۔

آج کل کے مصنفان امصار و دیار اور دبیران روزگار گنتی کے چند شخص اپنے نکلینگے

جنہوں نے وقائع نگاری کے حق کو کسقدر ادا کیا ہے یا الفاظ کی شوکت عبارت کی دہوم دہام دکھانیکے بجائے اصلی خیالات حقیقی تاثیرات کو قلم بند کر سکے ہیں اور ترتیب واقعات میں عوارض کو ہاتھ سے نہ جانے دیا ورنہ اکثر تو وہی ہیں جنکی تصنیفوں اور تالیفوں کے معانی و مطالب یہ شور مچا رہے ہیں ع نقش فریادی ہے اسکی شوخی تحریر کا۔ اوراق و سیاہی زبان حال سے چلا رہی ہیں کہ ع کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا۔ ضرورت کا اقتضا تو یہ تھا کہ مختصر تحریروں میں مصوری کی شان ہویدا ہو تو چھوٹے چھوٹے جملوں میں دلنشیں وعظ کی آن پیدا ہو ؂

برائے پاکی لفظے شبے بروز آرم کہ مرغ و ماہی ہمہ باشند خفتہ من بیدار

قدیم انشا پردازی کے مختصر رسالوں میں جو شاندار مجالس کے کیفیات۔ ہر طبقہ کے مفصل حالات ہر ملک کے خیالات۔ ہر فرقہ کے رسمیات غرض ادنیٰ ادنیٰ جزویات بھی جس تفصیل سے نظر آتے ہیں وہ آج کل کی مطول تصنیفات میں بھی نہیں ملتے تذکرہ اگر قابل تذکرہ نویس کے قلم سے نکلے تو ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است کا مصداق بنکر اکثر مختلف ضروریات کو واضح طور پر ظاہر کر دیتا ہے لیکن اسمیں مشکل سخت وقت اور بڑی مصیبت یہ ہے کہ اشعار کا انتخاب وہی کر سکتا ہے جو خود قابل ہو مبصر ہو اور وسیع المعلومات ہو ہر بات پر نگاہ رکھتا ہو انسانی فطرت کا گہری نظر سے مطالعہ کر چکا ہو ملک کے عام خیالات و جذبات پر عبور ہو۔ اگر ایک روحانی شاعر کے ذخیرہ سے محض مادی جذبات کو چنا جائے۔ خالق و مخلوق کے گہری تعلقات کو چھوڑ کر صرف وہ اشعار لئے جائیں جو محض نفس پرستی اور حرص و آز کی خواہشات کو زیادہ کریں۔ طبعی پاکیزگی اور اخلاقی امور کو بالائے طاق رکھدیں تو انتخاب کنندہ کے دامن قابلیت پر بدنما داغ نظر آتا ہے مشرقی شاعری ہر قسم کے سرمایہ کی مالک ہے سچ خدا مذہب اور روح کے صفات میں بہت کچھ وضاحت موجود ہے۔ اردو نظم میں مواعظ و نصائح ستائش و ہجا سب کچھ ملتا ہے۔ البتہ پرکھنے والا چاہئے اور پھولوں کو کانٹوں سے چننے والا ابن سیرین کا قول ہے کہ شعر فی نفسہ مذموم نہیں تعلی اور مبالغہ اگر تحسین کلام کے لئے کیا گیا ہو تو تضرر کا موجب نہیں۔ البتہ دشنام دہی اور سخت گوئی فعل قبیح ہے۔ الفاظ پرستی کے علاوہ قیود پر غور کرنا چاہئے

جو شعر شرعاً محمود ہو اسکو اسلامی علما بمفہوم حکمت مانتے ہیں اور کذب کا اطلاق اس پر نہیں کرتے نعت کا قصیدہ بانت سعاد جسکی تشبیب مستانہ اور رندانہ رنگ میں ہے دربار رسالت میں مستحسن ٹھہرا علامہ ابن خلدون کی رائے ہے کہ جن اشعار میں زبان کی لطافت۔ خیال کی نزاکت۔ محاورات کی خوبی۔ مضامین کی خوش اسلوبی ہو انکو پڑھکر ایک بیگانۂ سخن کے دل میں بھی عمدہ شعر کہنے کا سانچہ تیار ہوجاتا ہے۔ اسوقت یورپ کس قدر جستجو۔ کوشش اور تلاش وصرف سے عربی فارسی کی کتابیں شایع کر رہا ہے اور انکی اشاعت سے ان غیر زبانوں کے لٹریچر میں زور اور پختگی کا اضافہ ہو رہا ہے۔ زردشت کے وقت سے لیکر زمانہ حال تک کا فارسی لٹریچر یورپ کی الماریوں میں ادبی خزانوں کا سرمایۂ ناز ہے اور وہ اس سے کس قدر مفید کام لے رہا ہے۔

جاپان نئی ترقی کے دور میں جہاں صنعت وحرفت سیاست و پالٹیکس میں تگ و دو کر رہا ہے اسی کے ساتھ یہ ضرورت بھی محسوس کرتا ہے کہ متقدمین و متاخرین کی جدید نظمیں ایک جگہ فراہم کرکے شایع کرے۔ اور تمدن و تہذیب میں بھی کسی سے پیچھے نہ رہے۔ جاپانی شاعری میں بھی مناظر قدرت جس طرح دکھائے گئے ہیں وہ کسی طرح یورپین مقالوں سے کم نہیں۔

عرب میں شعرا کا وہ اقتدار تھا کہ حکومت بھی اُسکے آگے سر خم کرتی تھی۔ جب کسی قبیلہ میں شاعر پیدا ہوتا جشن منائے جاتے ہر طرف سے مبارکبادیں آتیں۔ شماخ بن ضرار نے عرابہ اوسی کی تعریف میں ایک شعر لکھکر قیامت تک اسکا نام زندہ کردیا۔ قبیلہ نمیر جو عرب میں بہت معزز تھا۔ جریر کے ایک ہجویہ شعر سے ہمیشہ کو ذلیل ہوگیا۔

شعرا کی یہ عظمت تھی کہ شاہان باجبروت انکے یہاں گئے تخت پر اپنے برابر بٹھایا راہ میں دیکھکر سواری سے اتر پڑے کوئی فیلڈ مارشل کسی بڑی حکومت کا مالک بنجائے یا کوئی وزیر اپنے پولیٹکل چالوں سے عالم کو زیر کرلے فرزند دلپذیر خطاب دیا جائے۔ یا آفتاب سلطنت بنایا جائے مگر اپنا ہم مرتبہ سمجھکر ملک الشعرا کے لقب سے شعرا ہی کو موسوم کیا گیا ہے۔ بادشاہ اگر دنیا کا حکمراں ہے تو شاعر قلمرو سخن کا۔ مگر یہ خیال رہے کہ شاعر بھی اُسوقت تک جھوٹی مداحی سے گریز کرتے تھے بنی تمیم

نے سلامہ بن جندل سے درخواست کی کہ مجھ نا شبعات اپنے شعر سے ہماری عزت بڑہاؤ اُس نے بلاخوف کہدیا افعلوا حتی اقول ایسے کام کر کر دکھاؤ تو کہوں۔

مروان بن ابی حفصہ نے معن بن زائدہ کی تعریف میں لکھدیا کہ سخاوت معن پر ختم ہوگئی اس میں کسی قدر مبالغہ تھا۔ اس لئے پھر کسی رئیس نے اُسکو صلہ ندیا اور خود خلیفہ مہدی نے معن کو اپنے دربار سے نکلوا دیا۔ فردوسی باوجود طمع کے بادشاہ کو خیال میں نہ لایا اور ہجو لکھکر صلہ سے ہاتھ دہو بیٹھا حسن میمندی اس دربار کا صدر اعظم تھا اور سب اعیان سلطنت خوشامد کیا کرتے تھے فردوسی نے اُسکی نسبت کچھ لکھا تو یہ ؎

سوئے در وزیر چرا ملتفت شوم ۔۔۔ چوں فارغم ز بارگہ بادشاہ نیز

ہندوستانی شعراء کا تخیل سب سے نرالا ہے اور مشرقی دماغوں نے بھی آیندہ نسلوں کیلئے ایسا قابل قدر۔ لائق ستائش۔ اور موافق حالت سامان مہیا کر دیا ہے جو ہر طرح کی ضرورت اور حاجت کیلئے کار آمد ہے یہاں کے متقدمین نے بھی نظم کو زیادہ موثر اور دل پر نقش ہو جانیوالا سمجھکر مہلک امراض کے نسخے محض اسلئے نظم میں لکھے ہیں کہ ہمیشہ نقش کالحجر رہیں اور کبھی فنا نہوں یوروپ کا ایک نکتہ شناس انشا پرداز نے کالیداس کی تصنیف پر یہ رائے دی ہے کہ اسکی شاعری روحانی اور مادی دونوں قسموں کی خوبیوں کا مجموعہ ہے اور وہ بشری نگاہوں میں آسمانی نظاروں کا فوٹو اتار دیتا ہے غرض شاعری اور پھر اُسکے بعد تذکرہ نویسی ایسی ضروری چیز ہے جسکو ملکوں اور قوموں کی بیداری کا قومی محرک مانا گیا ہے۔ شاعری کو ملکی عروج و زوال میں بھی بہت کچھ دخل ہے اور ملکی زوال سے قومی تنزل بھی ہو جاتا ہے۔ ایرانی شاعری جسکا عالم میں ڈنکا بج رہا تھا۔ ذرہ ذرہ امام سخن ہونے کا مدعی تھا اس آخر وقت میں بھی جب حبیب قاآنی یوروپ گیا تو اہل فرانس کو تسلیم کرا دیا کہ فارسی بھی ہر قسم کے خیالات ادا کرنے پر قادر ہے۔ مگر افسوس کہ پھر اُس کے بعد اور اہل کمال ایسے پیدا نہ ہوے اور اس فن لطیف کو چھوڑ دینے سے سلطنت کی شان و شوکت بھی مٹ گئی۔

اُردو زبان جس کا نہ کوئی حامی ہے نہ مربی معاون ہے نہ مددگار اسکے واسطے بہت سخت اہم اور

اشد ضروری یہ حاجت ہے کہ مستند اور قابل اہل زبان اُردو کا جامع لغت بنائیں۔ اسکی مستند صرف و نحو مدون کریں مختلف ضروریات کو مدنظر رکھکر کثرت سے نظم و نثر میں کتابیں تصنیف فرمائیں اور سب سے زیادہ یہ کہ متعدد حیثیتوں سے متعدد تذکرے تالیف ہوں لیکن وہ اصحاب اسطرف متوجہ ہوں جو اُردو زبان کے ماہر ہیں اور پھر اُنکی اُردو زبان معتبر بھی ہے۔ اسوقت ہندوستان میں جسقدر زندہ زبانیں ہیں سب سے زیادہ اُردو ہی اس قابل ہے کہ ملکی زبان بنائی جائے۔ اوّل تو سب سے زیادہ یہی بولی جاتی ہے۔ دوسرے جہاں یہ رائج نہیں ہے وہاں بھی سمجھی جاتی ہے اور وہ بھی ٹوٹی پھوٹی اُردو میں اپنا مطلب ادا کر لیتے ہیں۔ پھر خیالات ادا کرنیکے لئے بھی زیادہ موزوں یہی ہے اسلئے کہ اوّل تو نسبتاً وسیع ہے پھر اسمیں مہارت پیدا کر لینا بہ نسبت دوسری زبانوں کے آسان ہے سب سے زیادہ بڑی بات یہ ہے کہ اشعار کا ذخیرہ اور زبانوں سے بہت زیادہ اسمیں موجود ہے اور جو شخص ملکی زبان میں تحریری فوقیت حاصل کرنا چاہے یا تقریری بالضرور اسکو شعرا کی زبان کا اتباع کرنا لازم ہوتا ہے۔ اور زبان کا وہی قلیل حصہ جو اشعار میں ادا ہو جاتا ہے فصیح سمجھا جاتا ہے باقی الفاظ و محاورات غریب وحشی اور غیر فصیح سمجھکر کچھ مدت کے بعد متروک الاستعمال ہو جاتے ہیں لارڈ مکالی کا قول ہے کہ ایسا کلام جو عمدہ خیالات کا مجموعہ ہو اُسی زبان میں انسان ادا کر سکتا ہے جسکی نسبت اُسکو یہ بھی یاد نہو کہ کب سیکھی ہے اور گرمر جاننے سے پیشتر اُس زبان میں گفتگو کرتا رہا ہو۔ رُوما کے بڑے بڑے لائق اشخاص نے فرانسیسی زبان میں اشعار لکھے انگلستان کے بہت سے طباعوں نے لاطینی میں دیوان مرتب کئے مگر کوئی مقبول نہوا ملٹن کا دیوان بھی شاعری کے لحاظ سے اعلیٰ درجے میں شمار نہو سکا۔

اہل زبان اور زباندان یعنی اہل دہلی اور اہل لکھنؤ جو اُردو زبان کے مالک ہیں اور انکو یہ بجا فخر و ناز ہے کہ ہمارے روزمرہ کی سب ہندوستان پیروی کرتا ہے۔ اگر اُنہوں نے اپنی زبان کی کچھ روز خبر نلی اور اسکے الفاظ و محاورات کو احتیاط سے فراہم نہ کیا۔ عمدہ نظموں کا انتخاب نہ فرمایا تو یہ بابہ الامتیاز منکر معو ہو جائیگا اور پھر وہی بُری بھلی اُردو رہجائیگی جو جدید تصنیفات

اور عام اُردو اخبارات ملک میں پھیلا رہے ہیں۔ عربی زبان کو دیکھئے جس کی بقول علامہ ابن خلدون اسپین کے کتب خانہ میں جسکو مستنصر نے قایم کیا تھا آٹھ سو اسی صفحہ پر صرف اشعار کی مجموعوں کی فہرست تھی۔ ادیب بھی وہی مانا جاتا تھا جسکو متقدمین کے سب سے زیادہ اشعار یاد ہوں۔ پھر عربی کی صرف نحو کی قواعد اور کلئے منضبط تھی۔ ایک ایک لفظ کی فصاحت اور بلاغت پر معرکۃ الآرا مباحث ہوچکے تھے۔ اصول و قواعد بہت تفصیل کیساتھ موجود تھے مگر جیسے عرب میں دستِ بے اتفاقی اور شعر و انشا کی سرد بازاری ہوئی تو ایسی مٹی اور ایسی خراب ہوئی کہ آج اسکو عربی کہتے ہوئے شرم آتی ہے جو عرب عربا تھے اُنکی زبان اس قدر خراب ہے اور اغلاط سے مملو کہ ہندوستانیوں کی عربی اُنسے زیادہ صحیح اور فصیح ہے اگر زبان کے برباد ہو جانیکا اندیشہ یقینی اور یہ خطرہ واقعی ہے تو اہلِ زبان کا فرض ہے کہ اُردو کا جامع لغت بنائیں اور اُسکے شعرا کا ایک مبسوط تذکرہ لکھیں جسکو پڑھ کر ملک میں عام جوش اور دلچسپی پیدا ہو شاعر اور شعر کا عام اثر اُنکی طاقت اُنکے کارآمد نتیجے معلوم کرکے عام طبائع جوش میں آئیں۔

اگرچہ اُردو کے متعدد تذکرے اسوقت بھی موجود ہیں مگر بعض ایسے کہ جنمیں محض میر کی اور سودا کی جماعت کے مباحثات پر زورِ قلم صرف ہوا ہے۔ بعض وہ ہیں جنمیں شیخ اور میر کی اختلافات کو میدانِ کارزار بنایا ہے۔ کچھ وہ ہیں جنمیں دہلی اور لکھنؤ کی زبان کی ڈیڑھ ہندی کو فوقیت دی گئی ہے اور اسقدر غلو کیا ہے کہ مشرق اور مغرب میں یگانگت ہو جائے تو ہو جائے مگر ان دونوں شہروں کے الفاظ و محاورات کو ایسا ٹکرایا جائے کہ ہندوستان میں ایک متحدہ زبان نہ ہونے پائے۔ تھوڑے وہ بھی ہیں جنہیں شاگردوں نے محض اپنے اُستادوں کے فوقیت دینے کو قلم فرسائی کی ہے اور اپنے سلسلہ کی مدح سرائی میں دوسروں کی عظمت کو کم کرنا چاہا ہے۔

البتہ تذکرہ آبحیات ضرور ایک مفید تصنیف ہے۔ اور بہت سی کارآمد باتوں پر روشنی ڈالتا ہے۔ مگر اوّل تو محض چند شعرا کا تذکرہ ہے دوسرے بعض کی مدح اور بعض کی تنقیص سے وہ بھی خالی نہیں۔ پھر اپنے اُستاد کی مدح میں تو وہ مبالغہ کیا ہے کہ آسمان پر پہنچا دیا ہے اصلی ذات کو بدل کر غالب کے معرکہ موشگافیت سے بیٹھا بیٹھ گری کے جواب میں سپاہی زادہ ہی بنا دیا ہے کلام

کے انتخاب کرنیکا تو شکل اور اہم جھگڑا ہی نہ رکھا۔
البتہ شکر صد شکر کہ اس اہم فرض اور سخت ضرورت کو پورا کیا ہے تو صرف خمخانۂ جاوید نے اور مرحبا صد مرحبا کہ اس کمی کی تلافی کی اور تذکرہ نگاری کا حق ادا کیا تو میرے مخدوم شعرائے محسن اُردو کے مددگار لالہ سری رام صاحب ایم اے منصف نے۔ انگریزی کے اعلیٰ ڈگری یافتہ ہزاروں پاؤ گے ایم اے سینکڑوں ملینگے مگر ایسا ایم اے نہ دیکھا جس نے مغرب کی ترقیوں کے رازوں سے واقف ہو کر غیر قوموں کے کارنامے پڑھکر اپنے ملک کی کمی کو پورا کیا۔ سرکاری عدالتوں میں منصف ہزاروں ملینگے مگر ایسا منصف دلی کا تنہا ہی پاؤ گے جس نے اشعار کے انتخاب کرنے اور حالات کے تذکرہ میں وہ منصفی کی کہ جسمیں ہم وطن اور غیر سب کو برابر رکھا۔ دہلی اور لکھنؤ کا کوئی امتیاز نہ سمجھا جس کا دفتر اس علمی کچہری کا کمرہ ہے جہاں نفس شعر یا امتیاز نہیں محبت و ارتباط یا عداوت وغیرہ۔ اس تذکرے کے دیکھنے سے ناظر کے دل میں یہ چند خیالات پیدا ہوتے ہیں اوّل یہ کہ صرف ایسے ہی تذکرہ سے اردو کی جامعیت کا بین ثبوت ملتا ہے اور یہی تالیف ہے جو ہندو و مسلمانوں کے اتحاد میں چار چاند لگا کر اردو کو مشترکہ زبان بنا دیگی اور اسکی اشاعت اُن خطبوں تقریروں سے زیادہ موثر ہوگی جو مختلف جلسوں کی رونق یا کانفرنسوں کی زینت اور انہوں کے روح رواں ہوتے ہیں حامی اُردو کوئی انجمن بنے کانفرنس منعقد ہو انکی کوشش اچھی اور انکی تقریریں اچھی ریزولیوشن بھی ضرور طبیعتوں کو اُبھارنے والے ہوتے ہیں مگر آن واحد کیلئے عقل کو زبانکی ہمیشہ ہو نا مانع کو توجہ یا نبلاز نو ضرورتیں دکھانا بیشک انہیں بھی ہوتا ہے مگر جبتک جلسہ ہے صرف اسیوقت تک اُسکے بعد پھر ہانڈی کے اُبال سے آئندہ انکو قیام و قرار نہیں رہتا۔ اگر دیرپا اثر اور نہ مٹنے والا جذبہ پیدا ہو سکتا ہے تو تعصب سے لاگ اور افراط و تفریط سے مبرا تذکروں سے اور تکرار ہے کہ یہ بات خمخانہ میں بہت بڑی حد تک موجود ہے۔
دوم اگر اصمعی نے ایک ایک لفظ کی خاطر تمام عرب کے ریگستانوں کو چھان ڈالا ہے تو اسکے مؤلف نے بھی راس کماری سے ہمالہ تک اور گذشتہ پچاس برس سے لیکر اسوقت تک ایک ایک شعر کیلئے کوئی جگہ تفحص سے باقی نہیں چھوڑی تذکرے گلدستوں اور دواوین اور کلیات کے جمع

کرنے میں ہزاروں روپیہ صرف کر دیا تنقید و تحقیق انتخاب و اجتہاد میں اپنی عمر کا بہترین حصہ لگا دیا بلکہ انتہائی محنت سے اپنی صحت کو بھی کھو دیا مگر اس عظیم کارنامہ سے عالم پر ثابت کر دیا کہ اُردو ہی ایک ایسی زبان ہے جو عربی فارسی اور سنسکرت بلکہ اب انگریزی کے سرچشمہ سے بھی سیراب ہو کر متحدہ قومیت کا نظام درست کریگی اس تذکرہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پیشگوئی کے پورا ہونیکا وقت آگیا جو کسی زمانے میں موسیو لی بان مصنف تمدن عرب و تمدن ہند کی تھی کہ اُردو زبان ہی ہندوستان کی تین سو بولیوں پر حاوی ہو کر اتحاد کا سنگ بنیاد رکھے گی۔ اس تذکرہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سرمایہ ہنود آج بھی اسی طرح اُردو کے حامی ہیں جسقدر عہد ماضیہ میں تھی سوم یہ کہ زبانیں بلا تفریق مذاہب و اقوام تمام ملک کے مطالب پر قابض ہو جاتی ہیں اور اُردو کا وہی درجہ ہے جو یورپ میں اسپرانٹو فرانسیسی کا ہے۔ چہارم واقعہ نگاری اور راست بازانہ تذکرہ نویسی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یورپ ہی میں ایسے خود آموز شخص نہیں پیدا ہوئے جنکو محض ذاتی کمال نے پستی سے نکالکر مشاہیر کی قربت میں داخل کیا ہو بلکہ ہندوستان میں بھی یہ صلاحیت ہے کہ معمولی اصحاب کو انکے کمال نے اعلیٰ مدارج پر پہنچا دیئے ہیں اس تذکرہ میں سب سے زیادہ اس بات کی ستائش کرونگا کہ قابل اور ہمہ داں مولف نے اس نازک ضروری اور پھر متضاد فرض کو خوب ادا کیا ہے شان مورخی جسقدر اصلی اور صحیح حالات کے بیان کرنے پر مجبور کر رہی تھی اسی قدر مروت اور دوراندیش مانع تھی کہ انکا پردہ نہ کھولا جائے اور انکے اعزہ احباب اور تلامذہ کی دل آزاری نہونے پائے۔ اس سے زیادہ یہ مشکل آپڑی تھی کہ بعض مولفین نے غلط نظیریں قایم کر دی تھیں، جو تذکرہ موجود تھے اُن کے مولفوں نے یا اُن حالات ہی کو بالکل چھوڑ دیا تھا یا یہ سخت دیدہ دلیری کی تھی کہ اصلی حالات کی جگہ جھوٹے اور غلط واقعات اپنی طرف سے گھڑ کر لکھد ئے تھے صاحب خمخانہ جاوید لکھا اور سب کچھ لکھا مگر اسطرح کہ منزہ فن کو پرکھنے والے اور نقاد نظریں منتخب معلوم کر لیں۔ اور عوام یا سطحی نظر رکھنے والے کچھ نہ سمجھیں۔ اسمیں شک نہیں کہ انسانی کارنامہ اور زور آوری کی کوشش و جستجو کے سبب سے چند کمزوریاں بھی ضرور نظر آتی ہیں یہ مقصود آگے موجود ہے۔ اور

کہیں حالات زیادہ ہیں تو کلام کم کہیں صرف کلام درج ہے تو واقعات اور حالات ندارد کہیں پر حالات ہیں بھی تو کسیقدر۔ مگر اس الزام کے مورد مؤلف ہرگز نہیں ہو سکتے انہوں نے حالات کے صحیح صحیح بہم پہنچانے میں اپنی طرف کوئی بات اٹھا نہ رکھی سفر بھی کئے روپیہ بھی زیادہ صرف ہوا ایک ایک شاعر سے متعدد خطوط لکھکر کلام و حال منگایا اپنے احباب کو بھی تفحص اور تلاش کے لئے مجبور کیا لیکن اس حماقت و جہالت کا کیا علاج اور اس کاہلی اور بے پروائی کا کیا ٹھکانا کہ بعض نافہم اپنے بزرگوں یا اُستادوں کے افکار کو ردی میں پڑا رکھنا پسند کرتے ہیں اور بعض چالاک اُس کلام کو اپنے نام سے شایع کرنا چاہتے ہیں اور بعض تعلی پسند شوخ چشم تو اصلی حالات پوشیدہ رکھکر جھوٹے اور بے اصل واقعات کو اپنے بزرگوں کے نام سے منسوب کرنے میں نہیں شرماتے۔

ترقی یافتہ ممالک میں ضرور ایسی بلکہ اس سے زیادہ معتبر کتابیں نکلینگی لیکن وہاں ایسی صحیح اور جامع تالیفوں کے واسطے فرد واحد پر تالیف کا بار نہیں ڈالا جاتا بلکہ اس قسم کے مہتم بالشان کام علمی انجمنیں اپنے اہتمام اور نگرانی سے شروع کراتی ہیں۔ لائق سخن شناس اور رمز فہم اصحاب انتخاب کر کرکے ایسے کاموں پر مقرر کئے جاتے ہیں پھر ملک اُنکی مدد کرتا ہے اور ہمت بڑھاتا ہے۔ اور یہاں تذکرہ صرف میرے مخدوم سری رام صاحب کی اکیلی دماغ سوزی تنہا کوشش اور سفر و جانفشانی کا نتیجہ ہے اس لئے حوصلہ افزائی کا تقاضا یہ ہے کہ ان پر اعتراض کرنا درست نہیں مجھکو ذاتی طور پر علم ہے کہ انہوں نے بعض لائق سخن شناس کو تنخواہیں دیکر بھی رکھا لیکن اُن حضرات نے بالکل کام نہیں کیا اور جو کچھ کیا وہ غلط اور ردی تھی۔

مجھے امید ہے کہ دنیائے ادب اس تالیف کی قدر کرے گی اور اُردو کی حامی انجمنیں اور کانفرنسیں بجائے تھوڑی دیر کی لکچر بازی اور اخباری بے بنیاد و بے ثبات نمود و شہرت کے اس اصلی اور واقعی ترقی دینے والی کتاب کو اپنے اہتمام سے اپنا روپیہ صرف کر کے شائع کرینگی اور اپنا وقت نکالکر مؤلف ممدوح کو مدد دینگی۔ یہ خیال ہے کہ ادبی انجمنیں چند تذکرے یا شیٹ کے رسالے قواعد کے دو ایک پرچے۔ عروض و قوافی کے مختصر قواعد شائع کر کے اپنے اہم فرائض سے سبکدوش نہیں ہو سکتیں بلکہ ایسی مفید اور کار آمد کتابوں کو اپنے اہتمام اپنی نگرانی سے چھپوا کر حامیان اُردو

کو شکر کا موقع دیں۔ آخر میں اسقدر اور گذارش کرونگا کہ مصنف ممدوح یا تذکرہ کے تنقید میں اگر مجھسے بلا قصد کہیں کوئی مبالغہ ہوگیا ہو وہ قابل مواخذہ نہیں ہے۔ اسلئے کہ میرے مخدوم نے بھی بضرورت اپنی خالص کوشش کو میری طرف مبالغۃً کہیں کہیں منسوب کر دیا ہے

از رشحات قلم جادو رقم افسر الشعرا حضرت آغا شاعر دہلوی از ارشد تلامذہ فصیح الملک نواب مرزا خان داغ۔ شاعر دربار ہز ہائنس مہاراجہ صاحب جھالاوار۔ راجپوتانہ

حدیث دل بکہ گویم کہ اہل درد نماند ۔۔۔ گسستہ دام شنیدن و گفتنی بسیار

اس قحط الرجال میں جب کہ ادب اردو گوناگوں مشکلات میں گرفتار ہے۔ اساتذہ ماسبق درگور کلام انکے ردی پر چھپے ہوئے کتب فروشوں کی دوکانوں میں بند پڑے ہیں۔ ترقی اردو کا یہ عالم کہ بڑی سے بڑی علمی درسگاہ میں۔ ہمدوستان کی وہ چوٹیاں۔ سرطان کی وہ بوٹیاں غلمان کی وہ ٹوپیاں کپتان کی وہ کوٹھیاں جن میں سے نکلے تاجدار۔ بالکل اس قسم کی تک بندیاں بہترین نظم سمجھی جاتی ہے۔ اور صدہا جینٹلمین جنٹلمین مولانا، مولوی، پنڈت، اور سوٹڈ بوٹڈ جنٹلمین چیئرز کی گونج سے تمام ہال سر پر اٹھا لیتے ہیں۔ ایسے ہی تضیع اوقات کو بہت فخر سے ڈائس پر کھڑے ہوکر لحن کیسا تھ پڑھا جاتا ہے۔ ہر بیکار آوارہ گرد ۴۸ صفحے سیاہ کرکے ایک خاص نام اور تخلص سے رسالے پر رسالہ شائع کرتا ہے اور ہر قریہ اور دیہ میں دار الادب قائم کرکے اصلاح کلام کا دعویدار بن جاتا ہے۔ ایسے ہنگامے میں۔ اس طوفان بے تمیزی میں حقیقی مذاق سلیم اور بہترین سخن سنج کا پتہ لگانا کار سے دارد۔ چہ جائیکہ گمنام ہستیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر منظر عام پر لانا انکے چیدہ کلام کو یادگار کے طور پر ایک ضخیم تذکرے میں جگہ دینا ہر مصنف کلام پر محققانہ تبصرہ کرنا۔ اور سالہا سال کی مسلسل عرق ریزی کے بعد ایک ایک پرچہ ایک ایک سلک جواہر ریزوں کیطرح ملک کے ہر گوشے میں سے چن چن کر مجلد بر مجلد کی صورت میں بار بار اہل نظر تک بغیر کسی مفاد ذاتی کے پہنچا دینا اک واحد علمی امتیاز نہیں تو کیا ہے؟

واللہ یہ تو بڑا شان کا کام صرف ایک ہی خلیل القدر ہستی کا ہے جنکا نام نامی۔ لالہ سری رام ایم اے

دہلوی سے یہ سچ یہ ہے کہ ایسا ذوقِ شعر یہ جامعیتِ تنقید۔ یہ قدرتِ انتخاب صرف آپ ہی کی ذات پر ختم ہے۔ کون نہیں جانتا کہ سنہ ۱۹۰۲ء سے لیکر اسوقت تک کہ سنہ ۱۹۲۶ء حکمرانی کر رہا ہے آپنے اپنا تمام وقت صرف اسی ڈھن میں بسر کر دیا۔ عہدِ طفلی شباب تک پہنچا اور شباب نے شیب کی صورت اختیار کی جب جاکر تذکرہ ہزار داستان المعروف بہ خمخانۂ جاوید کی ۳ جلدیں ہزارہا صفحوں کی ضخامت کے ساتھ شائع کرسکے۔ اب حصہ چہارم زیرِ طبع ہے جو ۷۰۰ صفحوں پر ختم ہوا ہے جسمیں (س) سے (ش) تک شعرا کا کلام بقید حروف تہجی منتخب ہوا ہے۔ انکی مختصر سوانح اور زاد بوم سے بحث کی گئی ہے۔ حصہ پنجم بھی (ع) تک مرتب ہوچکا ہے مگر افسوس یہ ہے کہ اس انہماک پیہم نے آپکی جسمانی صحت کیساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ آپ پہلے ہی خلقی کمزور تھے اب بار بار امراض کے دورے پڑتے ہیں تاہم اس استقلال کی بھی تعریف نہیں ہوسکتی کہ آپ کھکیر پر کھکیر اٹھاتے ہیں اور پھر جہاں ذرا سکون ملا اور پھر اسی شغل میں مصروفِ کار ہیں۔ راقم الحروف تقریباً ۲۴ برس سے آپکی اس شاندار جد و جہد کو بنظرِ استعجاب دیکھ رہا ہے۔ سچ یہ ہے کہ اس کام کیلئے قدرت نے آپ ہی کو خلق کیا ہے۔ اسی عشق نے آپسے سرکاری خدمات کا سلسلہ چھڑایا پبلک لائف سے علیحدگی اختیار کی۔ خانگی معاملات کو تج دیا۔ آئے گئے۔ دوست احباب سے سائل کی نقل و حرکت۔ ساری دنیا سے قطع تعلق کیا۔ مگر نہ چھوٹا تو دم بھر کو یہی شغل نہ چھوٹا اب بھی سفر میں حضر میں سواری میں شکاری میں۔ ریل میں موٹر میں جہاں کہیں بھی کسی خاص مدت کیلئے جائینگے خمخانۂ جاوید کے سواوات آپکے ساتھ ہونگے کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ ایک آپ تو ڈیٹ جنٹلمین اعلی التعلیم یافتہ اردو شعر کا اسقدر عاشق ہو کہ بلا مبالغہ ہزارہا شعر اسکے ذہن میں محفوظ ہوں اور کم و بیش ملک کا ہر قدیم و جدید سخن نگار اسکا بے ضرر ندیم یہاں پہنچکر میں بلا خوف تردید یہ کہنے کو تیار ہوں کہ ادب اردو پر جس قدر احسان لالہ سری رام نے کیا ہے وہ شاید ہی کسی بڑے سے بڑے مقبول عام قلمکار نے کیا ہو۔ میری عین تمنا ہے کہ قدرت اسقدر فیاض ہوجائے کہ آپ اپنی مجوزہ اسکیم کو خاطر خواہ مکمل کرسکیں اور خمخانۂ جاوید تمام و کمال کو پہنچکر آپکے سامنے

ہی باصرہ افروز عالم ہو۔

یارب این آرزوئے من چہ خوش است | تو بدیں آرزو مرا برساں

عبدہٗ۔ آغا شاعر قزلباش دہلوی شاعر دربار جھالا واڑ ۱۴ جنوری سنہ ۲۶ء

از تصنیف لطیف پنڈت دینا ناتھ صاحب ادب سرینگر کاشمیری تلمیذ جناب پنڈت برجموہن صاحب دتاتریہ کیفی دہلوی

ہو سکے تعریف کیا خمخانۂ جاوید کی | آنکھ کس کی دیکھ سکتی ہے ضیا خورشید کی

روح جس سے وجد میں آئے یہ وہ تصنیف ہے | دل میں ہر اک کے جو گھر کرلے یہ وہ تالیف ہے

ہمسر اوج فلک ہے اس کے شعروں کی زمیں | نور معنی سے درخشاں صورت مہر مبیں

شہرت اسکی مثل عقد ثریا کے نجوم | خوشبوئی اسکی ہے افلاک پر بھی آج دھوم

حسن و الفت کی کیفیت ہر لفظ میں تصویر ہے | طبع روشن کی ضیا پاشی کی یہ تنویر ہے

سطر گیسوئے صنم میں نقطہ اک اک خال ہے | مرغ قلب اہل بینش کے لئے اک جال ہے

چشم کیا چشم خمار آلودہ جانانہ ہے! | اسکی ہر اک بات دوشیزۂ رشک صد خمخانہ ہے

دی ہے کیا جی کھول کر اے راہی[1] داد سخن | نکتہ رس ہے کون تجھسا تجھ سا نقاد سخن

شاعر اب تک تھے جو گمنامی کے پردہ میں نہاں | انکو بخشی شہرت ابدی حیات جاوداں

بار احساں سے سبکدوشی لے حاصل کہاں | یعنی خود خمخانہ ہی اردو زباں کا مل کہاں

شاد ہو دست اب تعلق ہے نہ صبح عید سے
مست ہوں کیفیت خمخانۂ جاوید سے

مرقومہ ۱۲ ستمبر ۱۹۲۵ء سرینگر کشمیر

تقریظ از تصنیف لطیف بلبل چمنستان کشمیر پنڈت نند لال کول ایم اے ایل ادیب فاضل طالب کاشمیری

طبیعت ایک دن تھی شاد میری | کسی کے قلب میں تھی یاد میری

[1] مراد لالہ سری رام بھی ہے۔

کسی کا دھیان تھا دل میں سمایا
کسی کی یاد نے تھا گڑ گدایا

نظر میں تھا رُخِ انور کسی کا
قدِ رعنا وہ سیمیں بر کسی کا

وہ مستانہ روش شوخی شرارت
وہ دل کو چھین لینے کی مہارت

جوانی کی طرح اٹھنا کسی کا
بڑھاپے کی طرح جھکنا کسی کا

وہ دزدیدہ نظر وہ عشوہ بازی
وہ آشوبِ جفا جادو طرازی

وہ شوخی میں ادا بانکی کسی کی
حیا سے وہ نظر نیچی کسی کی

وہ دینِ زاہدی و پارسائی
وہ ایمانِ جنون و بینوائی

وہ عشوے دلربا۔ دلکش کسی کے
وہ جلوے خوشنما ہوش کسی کے

کتابِ صنعتِ صانع کی تفسیر
غرض شانِ خدائی کی وہ تصویر

تصور میں مرے پیشِ نظر تھی
نگاہوں میں بصر تن میں جگر تھی

کیا فتنہ بپا اس درجہ من میں
لگا دی آگ میرے تن بدن میں

تڑپ اٹھا میں مارے درد کے پھر
لگا دم بھرنے آہِ سرد کے پھر

بڑھی بے طرح میری بیقراری
فزوں تھی آہ وزاری اشکباری

برنگِ چرخ بدلی میری حالت
پریشانی بڑھی کاکل کی صورت

مرے دل پر جنوں کا رنگ چھایا
کسی کو ہو پری کا جیسے سایا

کبھی مرہون تھا فرزانگی کا
کبھی ممنون تھا دیوانگی کا

نہ اس عالم میں کچھ دیتا دکھائی
وہی صورت تھی آنکھوں میں سمائی

مجسم بن گئی فوراً وہ صورت
سراپا موہنی کی تھی وہ مورت

نہ عکس و وہم تھا محبوب اپنا
ڈھلا تھا نور کے سانچے میں پتلا

رہے قائم نہ اس کو دیکھکر ہوش
رہا میں مثلِ بُت بے حس و خاموش

ہوئی رخصت بدن سے طاقت و تاب
وہ بیہوشی تھی یا تھا عالمِ خواب

ہوائے بیخودی جب مجھ پہ چھائی — تو دردانگیز یہ آواز آئی
سنبھل اے طالب دیدار جاناں — نہ ہو مایوس ہرگز اور ہراساں
سنبھل جا ضبط سے ہاں کام لے اب — نہ کچھ رنج و تعب کا نام لے اب
نہ رہ پابند غم آزاد ہو جا — نوید وصل سے دلشاد ہو جا
پھر آخر کرکے یوں میری مدارا — کیا اک باغ کی جانب اشارا
دلایا شوق گلزار معانی — کہا یہ ہے ریاض نکتہ دانی
ادھر آ رنج سب تیرا مٹائیں — تجھے راہ اس گلستاں کی دکھائیں
وہاں پائیگا تو سامان راحت — کہ ہے وہ باغ رشک باغ جنت
پھڑک اٹھا یہ سن کر تازہ مژدہ — کیا ہمراہی کا اُس کی ارادہ
چلا میں ساتھ اُسکے سایہ آسا — چلے دریا کی جانب جیسے پیاسا
دکھایا پھر مجھے وہ باغ موعود — کرم فرما تھی جب یہ ذات معبود
نہ چشمے تھے نہ نہریں اسمیں جاری — کہ آب شعر سے تھی آبیاری
چمن تھا پر نہ طائر نغمہ زن تھے — نوازن شاعر شیریں سخن تھے
غرض دیکھا نرالا باغ میں نے — شگفتہ پائے دل کے داغ میں نے
بہت تھے لوگ اسمیں جلوہ افگن — ادیب و نکتہ سنج و صاحب فن
نہایت شان سے تھے محفل آرا — کمال ان کا سراپا آشکارا
کہیں کرسی نشیں تھے میر و سودا — کہیں سوز اور جرأت درد و والا
کہیں تھے حاتم و تاباں و ناسخ — کہیں مومن اسیر و برق و راسخ
نصیر و آرزو رنگیں کہیں تھے — حیا و ذوق و غالب ہمنشیں تھے
انیس و آتش و احسان و انور — دبیر و صابر و مشتاق و جوہر
نظیر و شیفتہ و رند و ساقی — زکی مجروح تھے باہم ملاقی

ظہیر و یاس و ارشد تھے کسی جا
وزیر و رشک و رسکی رونق افزا

نسیم لکھنوی بھی جلوہ گر تھے
حسن۔ سالک۔ صبا آتے نظر تھے

ادیب و احسن و شوکت تمنا
نسیم دہلوی۔ معروف یکجا

کہیں آزاد و حالی زیب دربار
امیر و داغ و ابر او شوق و سرشار

کہیں تسلیم و اکبر تھے خراماں
جلال و ثاقب و شاکر سخنداں

افق۔ نوح اور نظر ہم داستاں تھے
سرور و رونق و ناظم وہاں تھے

کہیں اقبال و کیفی حشر و شیدا
کہیں حکمت و بیخود محفل آرا

ریاض و عارف و سائل کہیں تھے
جلیل و ناطر و مائل کہیں تھے

کہیں محروم و طالب اور شاغل
کہیں ارمان و صفی و نظم و ساحر

کہیں بیٹھے تھے دلگیر اور حسرت
کہیں مجلس نشیں تھے شاد و وحشت

حفیظ جونپوری تھے کسی جا
عزیز لکھنوی بھی تھے کسی جا

غرض اس طرح لاکھوں اور شاعر
زباندانی میں فرد، استاد و ماہر

بنا کر محفل ارباب دانا
تھے اس گلزار میں تشریف فرما

کہاں تک ذکر میں اُن کا کروں گا
ثنا خوانی کا انکی دم بھروں گا

تغزل میں کوئی استاد دیکھا
قصائد میں کسی کو شاد دیکھا

کوئی پروانہ تھا شمع سخن کا
لطائف۔ دل لگی میں کوئی یکتا

تصوف کا کسی میں رنگ گہرا
ظرافت کا کسی کے سر پہ سہرا

کوئی الفاظ کا متروک داں تھا
کوئی ترکیب کی چستی کی جاں تھا

کہیں شوکت بیانی نازپرور تھی
کہیں نازک خیالی جلوہ گر تھی

کوئی علامۂ استاد فن تھا
کسی کے ہر سخن میں بانکپن تھا

کوئی استاد اسلوب قدیمی
کوئی تھا محرم سنگیں نویسی

کسی کے لطف سے سیراب گلشن — کسی سے ریختی کا نام روشن
کوئی تھا سادگی کا ایک شائق — قصیدے میں غزل میں کوئی فائق
کوئی اُستادِ ادب اور شاعری میں — رموزِ باطنی و ظاہری میں
کمالِ مرثیہ گوئی کہیں تھا — کہیں اسلوبِ بندش دلنشیں تھا
کہیں رنگینی افسونِ دلکش — کہیں فکرِ رسا مضمونِ دلکش
کہیں جوش و خروشِ نوحہ خواں تھا — کہیں نازِ صنم کا نکتہ داں تھا
کوئی تھا شائقِ شستہ بیانی — کوئی تھا مالکِ سلکِ بیانی
کوئی بھاشا میں شیریں اور خوشگو — کیا زندہ کسی نے پھر سخن کو
کسی کا طرزِ رندانہ ستم تھا — کسی کا جامِ رنگیں جامِ جم تھا
کوئی اُستادِ مضمون آفرینی — کوئی تھا صاحبِ باریک بینی
کسی کی خوش مقالی قابلِ داد — کسی کا سوز و حسرت لائقِ صاد
کوئی زیبِ جمالی سے مجلّا — کوئی داغِ نقائص سے مبرا
کوئی تھا زود گوئی میں سرفراز — کوئی رنگینیٔ مضمون میں ممتاز
کوئی اُستادِ گنز ار معانی — کوئی دلدادۂ سحر البیانی
کوئی مغلوبِ جذبِ دردانگیز — کوئی مفتونِ لطفِ حسنِ خونریز
کوئی حاضر جوابی میں تھا طرار — کوئی ناٹک نگاری میں تھا ہشیار
کوئی فیضیٔ فیاضی کا ثانی — کسی کے ہاں سلاست اور روانی
کوئی طبّاعِ محوِ فکرِ عالی — کوئی عرفان و وحدت کا سوالی
کوئی پیچیدہ اسلوبی سے مرعوب — کسی کو نیچرل اشعار مرغوب
تصوّف میں کوئی فردِ زمانہ — تغزّل میں کوئی مردِ یگانہ
کوئی نازک خیالی کی تھی تعبیر — کسی کی نظم میں ناٹک کی تاثیر

طبیعت تھی کسی کی بحر زخار
بلاغت کا کسی کے سر پہ سنگار

کوئی شیدا مذاقِ مغربی کا
کوئی موجد سخن کی تازگی کا

کسی کی طبع میں حاضر روانی
تھی سحر کی کسی میں تر جمانی

کسی کا مذہبی تھا رنگ تحریر
کوئی شستہ مذاقی کی تھا تصویر

قدیمی رنگ تھا غالب کسی پر
کوئی جدت پسندی کا تھا خوگر

کسی میں مشق طرزِ اہل فن تھی
کسی سے رونقِ بزم سخن تھی

تخیل میں کوئی نامی گرامی
کوئی طرز قدیم ونو کا بانی

کسی کا مدعا نازک نگاری
صفائی میں کسی کی شہسواری

نئی طرزوں میں کوئی مرد میداں
کوئی برجستہ شوخی کا نگہباں

کوئی شیوا بیاں نازک ادا سے
کوئی ممتاز تھا فکرِ رسا سے

کسی کو اشتیاقِ طرزِ حالی
کسی میں عشق کے جذباتِ عالی

کسی میں منظرِ قدرت کا ساماں
نئی رنگت کسی میں تھی نمایاں

کوئی تھا ہم نوائے بلبل ہند
کوئی تھا آشنائے بلبل ہند

کسی میں حسنِ معنی قابل دید
کوئی شیدائے چمنستانِ تنقید

کسی میں عارفانہ وجد و حکمت
کسی میں روز مرّہ کی لطافت

کہیں سنجیدہ غزلوں کی متانت
کہیں اسبابِ آرائش ذہانت

کوئی تھا نشۂ وحشت کا مائل
کوئی سوز و گداز دل کا قائل

کوئی رنگِ تغزل کا تھا مشتاق
غرض ہر ایک اپنے فن میں تھا طاق

بہت اس بزم کے جب رنگ دیکھے
نئے طرز اور نرالے ڈھنگ دیکھے

تعجب بڑھ گیا حیراں ہوا میں
زبس ممنونِ جانِ جاں ہوا میں

کوئی گلزار دنیا میں نہ ایسا
کبھی دیکھا تھا میں نے یا سُنا تھا

میں اس کے حال کا جویا ہوا پھر — اور اپنے یار سے گویا ہوا پھر
ہے مالی کون اس رنگیں چمن کا؟ — وہ محسن سرپرست اہل سخن کا؟
کہا اک دہلوی ہیں فخرِ دوراں — سخن فہم و سخن سنج و سخن داں
رئیس نامور لالہ سری رام — کیا ہے جس نے زندہ شعر کا نام
وہی ہے نخل بند اس گلستاں کا — وہی ہے قدرداں رنگیں بیاں کا
عرق ریزی کا اسکی یہ ثمر ہے — اسی سے تازہ اس کا برگ و بر ہے
بہت کچھ خرچ کر کے مال و دولت — اُٹھا کر رنج و غم اور بار محنت
بلائے اہل موجودہ و پیشیں — سجائی محفل ارباب رنگیں
بنے خود میزبان مجلس آرا — ہر اک اہل سخن کو ہے اُبھارا
تعجب میرا اس سے بڑھ گیا پھر — یہ سیر باغ پائی عمر بھر پھر
جو دیکھا اس چمن کو ابتدا سے — دعا اب مانگ لے طالب خدا سے
الٰہی اُن کو تو آباد رکھنا — ہمیشہ خرم و دلشاد رکھنا
رہیں وہ تا ابد مشہورِ عالم — قبول اہل دل منظورِ عالم
سدا سرسبز باغ سخن ہو — مسرت بخش انکی انجمن ہو

فہرست اسمائے شعرائے متذکرہ تقریظ خمخانۂ جاوید

(۱) ملک الشعرا مرزا محمد تقی میر
(۲) ملک الشعرا مرزا محمد رفیع سودا
(۳) سید محمد میر سوز
(۴) شیخ قلندر بخش جرأت
(۵) خواجہ میر درد
(۶) سید انشاء اللہ خاں انشا
(۷) شیخ ظہور الدین حاتم
(۸) میر عبدالحی تاباں
(۹) شیخ امام بخش ناسخ
(۱۰) حکیم مومن خاں مومن
(۱۱) تدبیر الدولہ سید مظفر علی خاں اسیر
(۱۲) فتح الدولہ مرزا محمد رضا خاں برق لکھنوی

اور منشی مہاراج بہادر برق دہلوی ۔
(دونوں سے مطلب ہے)
(۱۳) شیخ غلام علی راسخ عظیم آبادی اور مولنا عبدالرحمٰن راسخ دہلوی (دونوں کی طرف اشارہ ہے)
(۱۴) شاہ نصیر دہلوی اُستاد ذوق
(۱۵) سراج الدین علیخاں آرزو
(۱۶) مرزا سعادت یار خاں رنگین
(۱۷) مرزا رحیم الدین حیا گورگانی
(۱۸) خاقانیٔ ہند شیخ محمد ابراہیم ذوق
(۱۹) نجم الدولہ دبیر الملک اسد اللہ خاں غالب
(۲۰) میر ببر علی انیس
(۲۱) خواجہ حیدر علی آتش
(۲۲) حافظ عبدالرحمٰن خاں احسان
(۲۳) سید شجاع الدین عرف امراؤ مرزا انور
(۲۴) مرزا سلامت علی دبیر
(۲۵) مرزا قادر بخش صابر گورگانی
(۲۶) منشی بہاری لال مُشتاق
(۲۷) لالہ مادھو رام جوہر
(۲۸) شیخ ولی محمد نظیر
(۲۹) نواب مصطفٰے خاں شیفتہ
(۳۰) نواب سید محمد خاں رند
(۳۱) پنڈت جواہر ناتھ کول ساقی
(۳۲) سید محمد زکریا خاں زکی
(۳۳) میر مہدی حسین مجروح
(۳۴) مولانا سید ظہیر الدین ظہیر
(۳۵) مولوی ذاکر حسین یاس
(۳۶) مرزا عبدالغنی ارشد
(۳۷) خواجہ وزیر علی وزیر
(۳۸) میر علی اوسط رشک
(۳۹) آنریبل نواب محمد علیخاں زکی
(۴۰) پنڈت دیا شنکر نسیم لکھنوی
(۴۱) میر غلام حسن حسن
(۴۲) مرزا قربان علی بیگ سالک
(۴۳) میر وزیر علی صبا
(۴۴) مولوی سیف الحق ادیب
(۴۵) سید مہدی حسن احسن
(۴۶) مولانا سید احمد حسن شوکت
(۴۷) منشی رام سہائے تمنا
(۴۸) نواب اصغر علیخاں نسیم ۔ دہلوی
(۴۹) نواب الٰہی بخش خاں معروف
(۵۰) مولانا محمد حسین آزاد
(۵۱) خواجہ الطاف حسین حالی

(۵۲) منشی امیر احمد امیر مینائی
(۵۳) فصیح الملک نواب مرزا خاں داغ
(۵۴) پنڈت بشن نراین در آبر
(۵۵) منشی احمد علی شوق قدوائی
(۵۶) پنڈت رتن ناتھ در سرشار
(۵۷) منشی امیر اللہ تسلیم
(۵۸) سید اکبر حسین اکبر الہ آبادی
(۵۹) حکیم سید ضامن علی جلال
(۶۰) مولانا نجم الدین احمد ثاقب
(۶۱) منشی پیارے لال شاکر
(۶۲) منشی دوارکا پرشاد افق
(۶۳) منشی سید محمد نوح۔ نوح
(۶۴) منشی نوبت رائے نظر
(۶۵) منشی درگا سہائے سرور جہاں آبادی
(۶۶) بابو پیارے لال رونق
(۶۷) ناظم دہلوی ثم لاہوری
(۶۸) سر ڈاکٹر محمد اقبال۔ اقبال
(۶۹) پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی
(۷۰) آغا محمد شاہ حشر
(۷۱) بابو رام جیپال سنگھ شیدا اور منشی
چنڈی پرشاد شیدا (دونوں کی طرف اشارہ ہے)
(۷۲) پنڈت برج نراین چکبست
(۷۳) منشی سید وحید الدین بیخود
(۷۴) منشی سید ریاض احمد ریاض
(۷۵) مرزا زین العابدین خاں عارف
(۷۶) نواب سراج الدین احمد خاں سائل
(۷۷) حافظ جلیل حسن جلیل
(۷۸) چودھری خوشی محمد ناظر
(۷۹) مرزا محمد تقی بیگ مائل
(۸۰) منشی تلوک چند محروم
(۸۱) منشی ونائک پرشاد طالب بنارسی اور
راقم تقریظ خمخانۂ جاوید (دونوں کی طرف اشارہ ہے)
(۸۲) افسر الشعرا آغا شاعر قزلباش شاعر
(۸۳) پنڈت راج نراین ارمان
(۸۴) مولانا صفی لکھنوی
(۸۵) حیدر یار جنگ سید علی حیدر طباطبائی نظم
(۸۶) پنڈت امرناتھ مدن ساحر
(۸۷) شاہ سید نظام الدین دلگیر
(۸۸) مولانا فضل الحسن حسرت موہانی
(۸۹) ہز ایکسلینسی مہاراجہ سر کشن پرشاد شاد اور شاد
عظیم آبادی (دونوں کی طرف مطلب ہے)
(۹۰) مولانا رضا علی وحشت

... اشارہ کیا گیا ہے۔ مصنف شعر میں دونوں کی خصوصیات کا لحاظ کیا گیا ہے

(۱۹۱) حافظ محمد علی حفیظ (۱۹۲) مرزا محمد ہادی عزیز

تقریظ نگاشتہ فاضل اکمل ادیب نامور منشی محمد عمر نور الہی صاحب مصنف ناٹک ساگر

جی چاہا کہ خمخانہ جاوید پر ریویو لکھا جائے۔ مگر سوال یہ ہے کہ لکھیں تو آخر کیا لکھیں کہ ریویو کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس پر خامہ فرسائی نہ ہو چکی ہو ظاہر ہے کہ اس ضخیم کتاب کے ضخیم تبصروں میں جو تنوع ہے۔ وہ کسی مزید بحث کا روادار نہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ فاضل تقریظ نگاروں نے مزید تحریر کی گنجائش نہیں رہنے دی ہے

حریفاں بادہا خوردند و رفتند	تہی پیمانہا کردند و رفتند

مشاہیر ادب نے اس کے محاسن بیان کرنے میں نکتہ سنجی کی دل کھول کر داد دی۔ ناقدان فن نے سطر سطر کا جائزہ لیا۔ اور زبان و واقعات کو محک تحقیق پر کس کر مہر توثیق ثبت کی۔ ہندوستان کی ناقدر شناس پبلک نے یہ قدر افزائی کی۔ کہ اب چوتھی جلد شائع ہو رہی ہے۔ لائبریریوں کی تزئین خمخانہ کے بغیر ادھوری مانی گئی ہے۔ پڑھے لکھے اصحاب کی الماریوں کی زینت اسکے سوا ہو نہیں سکتی۔ اور یونیورسٹیاں معترف ہیں کہ جبتک خمخانہ داخل نصاب نہ ہو۔ اُردو کی تعلیم کا مکمل ہونا معلوم۔ بتائیے اس سے بڑھکر قبول عام کیا ہوگا۔ ہر دلعزیزی کا یہ عالم ہے کہ ہندو اس تصنیف پر ناز کر رہے ہیں مسلمان فخر و مباہات کے جذبات سے سرشار ہیں۔ دونوں فریق مصنف کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اور اپنا اپنا شفع قائم کرنیکی خوش آیند کوشش میں بسا اوقات مسحکہ خیز بن جانے کی بھی پرواہ نہیں رکھتے۔ یہ سعادت اللہ کی دین ہے جسمیں زور بازو کو چنداں دخل او خال نہیں۔ مادر وطن نے ایسے کتنے خوش نصیبوں کو جنم دیا جنہیں ہندو اور مسلمان دونوں نے یکساں طور پر اپنا نا ،،چاہا۔ شاید مصنف اپنی صبر آزما محنت کا اتنا ہی صلہ کافی خیال کریں کہ وہ عرفی کی اس خواب کی تعبیر بن رہے ہیں (اللہ تعالی انہیں عمر خضر عطا کرے) ؎

چناں با نیک و بد عرفی بسر کن کز پس مردن	مسلمانت بزمزم شوید و ہندو بسوزاند

اہل دہلی پھولے نہیں سماتے کہ اس غیر فانی تصنیف کا سہرا ایک دہلی نژاد کے سر ہے اہل پنجاب مزے لے لیکر کہتے ہیں کہ یہ کتاب جس دماغ کی مرہون منت ہے اُسکی بالیدگی میں جو حصہ راوی کا ہے۔ وہ جمنا سے کم نہیں جسن اتفاق دیکھئے کہ گذشتہ چند سالوں میں دو مطول کتابوں کا اردو میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایک فرہنگ آصفیہ اور دوسری خمخانہ جاوید۔ ان دونوں کتابوں کے مصنف دہلوی ہیں۔ ان دونوں کتابوں کی سرپرستی شہریار دکن فرماتے ہیں۔ ان دونوں کتابوں کا بیشتر حصہ لاہور میں لکھا جاتا ہے۔ اور یہ دونوں کتابیں اہل پنجاب کی مساعی جمیلہ سے طبع ہوتی ہیں۔ گویا یہ فقید المثال کتابیں زبان حال سے پکار پکار کر اہل دہلی کو متنبہ کر رہی ہیں کہ اگر زبان کو زندہ رکھنا عزیز ہے تو پنجاب اور دکن سے اشتراک عمل کیجئے۔ اکیلے رہکر یہ بیل منڈھے چڑھنے کی نہیں۔ اور اہل ہند سے ہانکے پکارے کہتی ہے کہ اگر وطن کی عزت منظور ہے تو زبان کی خدمت پر کمر بستہ ہو جایئے۔ اسمیں اردو اور ہندی کی کوئی تخصیص نہیں کہ دراصل یہ ایک زبان کے دو نام ہیں۔ اس التباس سے گمراہ نہ ہو جائے اور ہمیشہ یاد رکھئے کہ اردو کا دشمن ہندی کا دوست اور ہندی کا شتر و اردو کا پریمی نہیں ہو سکتا۔ غرضکہ خمخانہ جاوید نے ایک ایسا سنگم کیا ہے جہاں فرقہ سازی اور دھڑا بندی سے کنارے ہوئے دریا گلے ملجاتے ہیں۔ اور قدح نوشان خمخانۂ یگانگت اور رواداری کے نشہ میں سرشار ہوکر ہزارداستاں کیطرح چہکتے ہیں جس سے اس کتاب کے دوسرے نام یعنی تذکرہ ہزار داستان کی موزونیت اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔ اُردو زبان میں یہ کتاب بلیس لیڑس کا بہترین نمونہ ہے جسمیں قومی مذہبی اور وطنی عصبیت کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا ہندو۔ مسلمان۔ سکھ۔ عیسائی اور پارسی با تکلف آتے ہیں۔ اور اپنے اپنے نقد سخن کے مطابق اس خمخانہ سے حیات ابدی خریدے جاتے ہیں۔

قسمت بادہ باندازۂ جام است اینجا

آبحیات سے یہ شکایت پیدا ہوئی تھی کہ اسمیں ہندو اساتذہ کو نظر انداز کیا ہے اور با کمالان لکھنؤ کے تذکرہ میں تخیل سے کام لیا ہے لیکن یہ کتاب ایسے جملہ معائب سے پاک ہے خمخانہ کی

ایک اور خصوصیت قابلِ ذکر ہے۔ کہ اسکی تدوین میں مشرقی اور مغربی اندازِ تذکرہ نویسی کو سمو کر ایک نیا رنگ پیدا کیا گیا ہے۔ عبارت کی رنگینی سے شرقیت مترشح ہے اور انتقاد کی باریک بینی مغربی اسلوبِ نقد و نظر پر دال ہے۔ پس سو تقریظوں کی ایک تقریظ یہ ہے۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

محمد عمر و نور الٰہی سرینگر کشمیر ۱۵ اگست ۱۹۲۵ء

قصیدہ در تہنیت سالگرہ جناب معلی القاب امیر ابن امیر رئیس ابن رئیس عالیجناب لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے رئیس دہلی و مؤلف تذکرہ خمخانۂ جاوید دام اقبالہٗ

پیش کردہ لسان الدولہ قاضی مولوی سید محمد نذیر حسن فتنہ عباسی زمیندار قصبہ سندیلہ

۵ دسمبر ۱۹۲۰ء بمقام کوٹھی ممدوح الصدر نوشتہ شد

بیاں کچھ کر نہیں سکتا جو لطفِ بیکراں دیکھا
کہوں کیا خواب میں کل رات کو کیا کیا سماں دیکھا

گذشتہ دن کو جن یاروں کی ٹولی تھی سخنداں جو
وہی پھر مجمعِ اہلِ کمال و نکتہ داں دیکھا

کہیں علامہ آزاد تھے رونق دہِ مجلس
کسی جا مصطفیٰ خاں شیفتہ سا خوش بیاں دیکھا

کہیں پر میر قطب الدین خاں باطن نظر آئے
کہیں پر قدرت اللہ شوق کو جلوہ کناں دیکھا

کہیں نواب صدیق حسن خاں جلوہ آرا تھے
کہیں منشی امیر احمد سا مشہورِ جہاں دیکھا

کہیں تھے حضرت تسنیم کسی جا میر محسن تھے
کہیں پر صاحبِ بزمِ سخن کو تر زباں دیکھا

کہیں پر حضرت نساخ و قادر بخش و صابر تھے
کسی جا پر پریشاں سا فصیح و خوش بیاں دیکھا

کہیں فضل الحسن حسرت کہیں تھے مولوی شبلی
غرض دیکھا جسے مجلس میں ممتازِ جہاں دیکھا

بہت سے اور بھی تھے نامیوں میں جنکی شہرت ہے
کہاں تک نام لوں اُن سب کے جن کو تھا وہاں دیکھا

یہ سب آپس میں سرگرمِ سخن تھے خندہ رو ہو کر
ہوئے پھر اور بھی خوش بزم میں مجھکو جہاں دیکھا

کہا یوں سب نے ہم آواز ہو کر خوب ہی آئے
کہاں تھے جو بہت عرصہ کے بعد اے مہرباں دیکھا

یہاں اک بحث سی یاروں میں چھڑی ہے تم بھی کچھ بولو
کہ تم نے بھی تو ہندستاں کا سارا جہاں دیکھا

کہا میں نے کہ کہئے بات کیا ہے کیسی حجت ہے
یہ کیوں ہنستے ہیں سب کیا کوئی کشت زعفراں دیکھا

تو بولے ایک صاحب یہ مجمع ذی کمالوں کا
انھوں نے ہے زمین شاعری کا آسماں دیکھا

ہر اک ان میں کا ہے اپنی جگہ استاد لاثانی
انہیں کو ہر جگہ دیکھا جدھر دیکھا جہاں دیکھا

لکھے ہیں شاعروں کے تذکرے ان میں سے ہر اک نے
بہت تھوڑا حال اس کا جس کسی کو خوش بیاں دیکھا

مگر اب اس پہ حجت آ پڑی ہے یار لوگوں میں
کہ ان سب تذکروں میں کس نے کس کو داستاں دیکھا

ہر اک کا قول ہے میں نے بہت کچھ جستجو کی ہے
وہیں پہنچا جہاں طیر سخن کا آشیاں دیکھا

کوئی کہتا ہے تحقیق حقیقت میرا حصہ ہے
کوئی کہتا ہے تم نے میرا انداز بیاں دیکھا

کوئی دکھلا رہا ہے منتخب شعروں کے گلدستے
کوئی کہتا ہے تم نے میرا اک بوستاں دیکھا

غرض ہے ہر مؤلف اپنی ہی تالیف پر نازاں
جسے دیکھا خود اپنا آپ ہی کو مدح خواں دیکھا

ابھی تو گفتگو ختم بھی ہونے نہ پائی تھی
کہ اک مرد حسین کو اسی جا ناگہاں دیکھا

ہوئی پہلے تو حیرت دیکھکر سب نے یہ پوچھا
کہ حضرت آپ ہیں کون اور کیا آ کے یہاں دیکھا

وہ بولا میر ہوں جس کو سب یاد کرتے ہیں
جسے استاد عالم کی زباں میں نرح رواں دیکھا

مجھے ہر وقت شاگردوں کی خبر ملتی رہتی ہیں
کہا تھا جو ملا ایک نے وہی آکر یہاں دیکھا

یہ کیا جھگڑا مچا رکھا ہے چند اوراق ناقص پر
مکمل تذکرہ در اصل ابھی تم نے کہاں دیکھا

نہیں تم میں سے کوئی مستحق تحسین کا ہرگز
کہ میں نے خوب سب کا زور طبع نکتہ داں دیکھا

سنو انصاف کی تو بات یہ ہے میں جو کہتا ہوں
کہ میں نے تم سے کچھ بڑھ کر بہ نیرنگ جہاں دیکھا

بہت سے تذکرے ان کے سوا بھی دیکھے ہوں لیکن
ابھی خمخانۂ جاوید تو تم نے کہاں دیکھا

دکنی کی روح اقدس کی قسم کھا کر میں کہتا ہوں
کہ اس میں ہے ادا اور کچھ لطف و انداز بیاں دیکھا

مرے باغ سخن کے طائران خوش نوا سب ہیں
گلوں سے میں نے ہر چمن کا ہم آشیاں دیکھا

مرے امت کے ہر اک امتی کا کارنامہ ہے
کوئی جادو بیاں دیکھا کوئی شیریں بیاں دیکھا

تمہاری طرح پنڈتوں کی نہیں نہیں طرفداری
تمہیں خمخانۂ جاوید کی لازم زیارت ہے
یہ سنکر اُٹھ گئے آنکھوں سے سب کی پردے غفلت کے
مجھے بھی ایک حیرت ہوگئی اس نام کو سنکر
پھر اُس سے میں نے پوچھا نام کیا ہے اُس مؤلف کا
یہ سنکر ہنسکے فرمایا سری رام اُن کو کہتے ہیں
علی پور روڈ پر جو سترہ نمبر کی کوٹھی ہے
تمہیں ملنا جو ہو اُن سے تو یہ موقع بھی اچھا ہے
گرہ ہر سال اُنکی عمر کے رشتے میں پڑتی ہے
کہیں جو ...وں کی محفل ہے کہیں پر یکجا جمع ہیں
رؤسا جتنے ہیں دلی کے سب تشریف لائے ہیں
یہ سنکر دل کہیں آنکھیں کہیں تو کیا تھا کچھ نہ تھا اس جا
مگر دل کو یقیں تھا خوب یاد ہے جا سے
وہ بیشک جنتی ہے اسکا کہنا کیوں نہ ہم مانیں
چلو خمخانۂ جاوید و اسکے سے ملیں چلکر
مگر چلتے ہیں کب یوں خالی خولی لطف آئے گا
مناسب ہے کہ کچھ اشعار مدحیہ کرو موزوں
یہ کہکر اُٹھ کے بستر سے لکھا وہ مطلعِ روشن
کبھی از فکر عالی سے ترا درجِ مکاں دیکھا
پریشاں حال دیکھا تیرے اعدا کو جہاں دیکھا
فلک کو دیکھکر جسنے ترا اونچا مکاں دیکھا

کہ رنگے ہو رہے ہیں سبکو اپنا مہرباں دیکھا
کہ آپ ہیں جسکو دیکھا نظم کا پیرِ مغاں دیکھا
عجب ہے کچھ انکی اس تقریب سے لطفِ سماں دیکھا
کہ گویا آج اس انجمن کے درمیاں دیکھا
کہاں رہتے ہیں وہ اور آپ نے انکو کہاں دیکھا
ہیں جتنے دلی والے سبنے ہی انکا مکاں دیکھا
وہیں پر بارہا میں نے انہیں کو مہرباں دیکھا
کہ آج انکے مکاں پر اور ہی ہیں کیسے سماں دیکھا
اسی تقریب میں آج انکا گھر رشکِ جناں دیکھا
غرض مشتاق جو اُس بزم میں دیکھا جواں دیکھا
وہ سبکے منہ پر ہاں ہیں سب کو انکا مہماں دیکھا
وہی اپنی مسہری اور وہی اپنا مکاں دیکھا
کہ روحِ میر کو اس انجمن کے درمیاں دیکھا
زمانے کی نگاہوں نے کوئی اُس سا کہاں دیکھا
کہ انکی مدح میں استاد کو رطب اللساں دیکھا
وہاں پھر کیا کروگے جو گروہِ شاعراں دیکھا
کہ تم کو ہم نے دیکھا نظم ہی پڑھتے جہاں دیکھا
کہ جس کے سامنے شرمندہ مہرِ آسماں دیکھا
تو میں نے آسماں اک اور زیرِ آسماں دیکھا
زمین دشمن نظر آئی مخالف آسماں دیکھا
تو اُس نے آسماں کے نیچے اک اور آسماں دیکھا

نگاہِ قدر تیری پست فطرت پر پڑی جس دم
تو ہر اک ذرہ کو ہم اوجِ مہرِ آسماں دیکھا

تو وہ خورشید رو ہے چاند سایہ تجھ پہ کرتا ہے
مثال چتر تیرے سر پہ مہرِ آسماں دیکھا

مسخر کر لئے ارض و سما اخلاق والا نے
زمیں کو یار پایا اور موافق آسماں دیکھا

گرے پینے میں جس بار پر تارے تیری بوتی ہے
زمیں کا آسا ٹکڑا میں نے رشکِ آسماں دیکھا

زمینِ قبر پر بھی تیرے دشمن کو نہیں راحت
پئے ایذا دہی مٹی کا سر پر آسماں دیکھا

ترقی کے سنے اشعار تیری بزم عالی میں
زمینِ شاعری کو ہم عروجِ آسماں دیکھا

زمین تیری گلی کی آئنہ بنکر یہ کہتی ہے
یہ حیرت ہے کہ میں نے اپنے نیچے آسماں دیکھا

نظر آیا جو سایہ دوپہر کو قصرِ عالی کا
یہ بولے دیکھنے والے زمیں پر آسماں دیکھا

ترے اوجِ مقدر سے زمیں پر کسکو نسبت ہے
ترا ہمسر اگر دیکھا تو میں نے آسماں دیکھا

جڑے ہیں چاند تارے سقف میں قصرِ معلی کی
زمیں پر بیٹھے بیٹھے ہم نے لطفِ آسماں دیکھا

ترا ایوان عالی بے طرح نازاں ہو رفعت پر
عجب ہی عرش پر میں نے دماغِ آسماں دیکھا

ہی خواہوں کے سر پر چتر پایا مہرِ انور کو
عدو کے سر پر اک داغِ جفائے آسماں دیکھا

نظر آتا ہے زیرِ خیمۂ زریں ترا جلوہ
سرِ پر نور پر سونے کا میں نے آسماں دیکھا

یہ تیری وسعتِ ہمت نے بخشا اوج عالم کو
حبابِ آبجو کو بھی بشکل آسماں دیکھا

ترے کوچے میں ہر ناچیز کو معراج ہوتی ہے
کہ جس ذرہ کو دیکھا ہم علو آسماں دیکھا

بچھونا کام آئے ہیں تری مسند کی زینت میں
ستاروں سے جو خالی میں نے فرشِ آسماں دیکھا

نمونہ کردئے زمیں پر آج تیری ذات یکتا نے
ترا ثانی کہیں پر بھی نہ زیر آسماں دیکھا

مسیح و خضر کی تجھکو عطا ہو عمر عالم میں
یہی کہتا ہوا ہر ایک کو زیر آسماں دیکھا

جشن کے دن کا جلسہ دیکھکر بولے ملائک بھی
کہ آج اس جشنِ عالی کے مرافق آسماں دیکھا

بس اب لے فتنہ شد یادی خاموش ہو جاؤ
زمینِ نظم کا خوب آج ہم نے آسماں دیکھا

ـسا ہیں بزم سب فن بیٹھے ہیں	رباعی	غنچہ میں حسینانِ چمن بیٹھے ہیں	

اے فتنہ نثارِ گلِ مضموں کا ہی وقت
دے نذر کہ سب ماہرِ فن بیٹھے ہیں

راقم سید نذیر حسن فتنہ عباسی سندیلوی کتبخط ۵ دسمبر سنہ ۱۹۲۰ء

ہدیۂ تہنیت سالگرہ مخلص قدیم مشفقِ صمیم لالہ سری رام صاحب ایم اے مؤلف تذکرہ خمخانۂ جاوید دہلی

از تصنیف ابو المعظم مرزا سراج الدین احمد خان جاگیردار ریاست لوہارو سائل تخلص تاریخ نظم ۵ دسمبر سنہ ۱۹۲۰ء

روزِ مسعودِ ولادت یہ مرے یار کا ہے
وقت ساقی سے قدح خواروں کی تکرار کا ہے

روز گو ہو چکا شب جزو تو ہی اس دن کی
تیرگی بدلی ہے ہنگام یہ امطار کا ہے

گوشہ گوشہ سے ہی اس گھر کی سعادت کی نمود
عالم اس جلسہ کی رنگینی پہ گلزار کا ہے

وہ ولادت کہ نہ تھی جس کی کوئی اور نظیر
آج تک جس پہ کرم ایزدِ غفار کا ہے

نام مولود کا آخر میں کیا جائیگا عرض
یہ محل حسنِ کمالات کے اظہار کا ہے

فطرتی وصف بھی اس ضمن میں جائینگے درج
مدعا یہ بھی مری نظم کا اشعار کا ہے

یار وہ یار جو چالیس برس کا ہمدم
قدرداں جو مرے اوضاع کا گفتار کا ہے

کھتری نسل کا ممتاز عمائد کا خلف
بہترین پورو نمونہ سلف اخیار کا ہے

شکل و صورت و دل آویز کہ اللہ اللہ
مرد ہونے پہ صور دلبر و دلدار کا ہے

جس طرف بیٹھا ہو محفل میں نظر کہتی ہے
کہ مشبّہ بھی ایک مطلعِ انوار کا ہے

قابل مدح حوائج کی ہے موزونی بھی
قول میرا نہیں ہر صاحبِ ابصار کا ہے

نطق میں ایسی سلاست وہ مزا وہ انداز
کہ مرادف لبِ گلریز و شکربار کا ہے

غیظ شامل ہے اگر اس میں تو ہیں سیتے قرباں
فتنہ یا تیر کا یا خاصہ تلوار کا ہے

لطف داخل ہے تو کر دیتا ہے دل کو بیتاب
طرز تقریر میں انداز طرح دار کا ہے

وعدے میں ہوتی ہے دونوں صفتوں کی تکمیل
مختص آئیں یہ مرے دوست کی سرکار کا ہے

دل نے چاہا تو وفا کر دیا وعدہ ورنہ
دھر آ گاہ ہے دستور جو ہر یار کا ہے

اب رہا رفق و مدارات و تواضع کا ڈھنگ | وہ وہ ہوتا ہے جو ایک صاحب ایثار کا ہے
علم کا ذوق تو ایسا کہیں دیکھا نہ سنا | اس کے گھر پر یہ کرم داور دوار کا ہے
اہم سلے کا جو پلو ہا خود لیکے ہوا تھا مصنف | وار شاعر کا ہے دل باختہ اشعار کا ہے
کارنامہ ہے سخن سنجی کا ایک خمخانہ | جو مشابہ بہ یقیں دفترِ طومار کا ہے
جس کی ہستی پہ ہے موقوف حیاتِ شعرا | یہ کرشمہ اسی پر فہم و خوش اطوار کا ہے
آج لگتی ہے کلادہ میں گرہ ایسے کے | جس پہ دعویٰ مجھے بھائی کی طرح پیار کا ہے
تہنیت اسکی اسے اسکی بہو کو دے کر | عزم احباب سے پھر خیر سے اصرار کا ہے
میں دعا دیتا ہوں آمین کہیں سب مل کے | مذہبا حکم یہی حضرت غفار کا ہے
سو گرہ اس کے کلادہ میں لگیں اے خدا | اسی دستور سے جو گنبد دوار کا ہے
ہر برس یوں ہی سرِ رام ہو بہجت اندوز | رنگِ محفل یہی سائل ہو جو خضار کا ہے

قطعہ تاریخ طبع جلد چہارم تذکرہ خمخانہ جاوید از نتیجہ فکر آقائے سخن جناب سید عسکری صاحب ضیا و تبسم خیرآبادی مہتمم تحفۂ خوشتر گورکھپور

جامعیت اس میں ہے سراپا انتخاب | تذکرے دیکھے بہت کوئی نہیں اسکا جواب
از سر انصاف ہے یہ طبع کا سال اے تبسم | مخزن اشعار اہل فن ہے گویا یہ کتاب
۱۹ ۲ ۲۶

قطعہ تاریخ طبع از حضرت آغا شاعر دہلوی

ہر تذکرے کو اسکے مقابل میں لائیے | ہر طرح اس سے کیجئے یعنی موازنہ
شاعر نے سن عیسوی میں سال یوں لکھا | خمخانہ کی یہ جلد ہے چوتھی۔ موازنہ
۱۹ ۲ ۲۶

(نوٹ) کاتب کی غلطی سے [illegible]

فہرست اسماء شعرا مندرجہ تذکرہ خمخانہ جاوید
جلد چہارم

صحت نامہ حصہ چہارم

صفحہ	سطر	غلط چھپا	صحیح جو پڑھنا چاہیے	صفحہ	سطر	غلط چھپا	صحیح جو پڑھنا چاہیے
١٢	٦	سیمن	سیمین	٢٦٥	١	اآں	آں
١٥	١٠	ہے	بچے	٢٨٨	٢١	گرینگے	کرینگے
٤١	١	بھری	پھری	٣٠٧	٢٠	المفاحت	المضاعف
٤٣	٢١	ساعر	ساغر	٣٠٩	٧	شاعر	شاعری
٤٤	٣	مو	ہو	"	"	سخنور	سخنوری
٥٥	١٢	خوشی	خودی	٣٩٥	٥	ایمن	انہیں
٩٤	٨	میں	ہیں	٤١٢	١٠	وادکیا خوب	واد خوب
٩٦	١٩	پکیزگی	پاکیزگی	٤١٣	١٣	میں بھی	میں
١٢١	١٥	جائے	جانئے	٤١٦	٥	عجب	عجیب
١٢٩	١٤	روپ	ملاپ	٤٢٥	١٠	برہم تھی	پھر برہم
"	١٨	سے	سب	٤٢٦	١٦	ذرا	ذرا سو
١٣٥	٢١	پسند	مزاج	٤٠٩	٣	گستاں	گستاخ
١٦٤	٨	کے	سے	٤٨١	١١	مو	ہو
١٦٨	٩	[illegible]	کیا	تقریظ ٢	٢	انکا	اسکا
١٨١	٢١	٤٠	٥٠	"	٨	کے	کسان
٢٠٣	١	ٹھکرے	ٹکرے			[illegible]	یا
"	١١	کے	سے			خدا	خدائے
٢١٨	١٨	ـ	تو	١٠	٣	آیا	آ آ
٢٢٩	٩	جسم	پیسہ	١٩	١٠	بنجیں	بہین
٢٣٠	١٣	جائے	چاہئے	٢٢	١٥	[illegible]	فی

DUE DATE